قواعد البلاغہ
خصوصیات ومزایا
فنی قواعد کا نادر مجموعہ، نکات مہمہ، تمارین غریبہ،
فوائد عجیبہ، لطائف علمیہ، تدریجی منہج، علمی تطبیق،
منفرد انداز، مدلل معلومات، اجراء و تطبیق،
قرآن وحدیث سے مثالیں، تشبیہات قرآنیہ،
استعارات قرآنیہ، بے شمار فنی قواعد وضوابط
تالیف
مفتی ارشاد الرحمن المعتصم
استاذ جامعہ اشاعت الاسلام اٹک شہر
شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ اشاعت الاسلام اٹک شہر

قواعد البلاغه

فنی قواعد کا نادر مجموعہ، نکاتِ مہمہ، تمارینِ غریبہ، فوائدِ عجیبہ، لطائفِ علمیہ، تدریبی منہج، عملی تطبیق، منفرد انداز، اجراء و تطبیق، مدلل معلومات، قرآن و حدیث سے مثالیں، تشبیہاتِ قرآنیہ، استعاراتِ قرآنیہ، بے شمار فنی قواعد و ضوابط

تالیف

مفتی ارشاد الرحمن المعتصم

استاذ جامعہ اشاعت الاسلام اٹک شہر

ناشر: شعبہ تصنیف و تالیف: جامعہ اشاعت الاسلام اٹک شہر

پیشِ لفظ

قرآن وحدیث کے صحیح فہم، استنباط اوراستدلال کے لیے اسلامی علوم وفنون فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع اور معقولات میں سے ہر ایک فن بنیادی اوراساسی کردارادا کرتا ہے، ان علوم وفنون کامرتبہ ومقام اور ہمہ گیری اظہر من الشمس ہےاوریہی وہ علوم آلیہ ہیں، جس سے علم واتقان میں رسوخ ووثوق پیدا ہوتا ہے، تاہم ان علوم وفنون میں علم البلاغۃ انتہائی اہمیت کاحامل ہے، کیونکہ یہ علم قرآنِ مجید کی فصاحت وبلاغت اور معجز ہونے کی ترجمانی کرتا ہے اورجو شخص اس علم سے ناآشنا ہووہ کبھی حلاوتِ قرآن مجید سے متلذذ اوررونقِ تلاوت فرقانِ حمید سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ براعتِ ترکیب اور حسنِ تالیف سے آشنا ہوسکتا ہے، نہ اس کو کلمات کی سہولت وجزالت اورالفاظ کی عذوبت وسلاست سے آگہی ہوسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو شخص فصیح وغیر فصیح اورحسن وقبیح کے درمیان امتیازنہ کرسکےوہ اللہ رب العزت کے کلام کے محاسن وفضائل سے کب واقف ہوسکتا ہے؟!نیزوہ کب اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ کلام کواغلاط ومخلات سے محفوظ رکھ سکے؟!!

قرآنِ مجید کابلیغانہ وفصیحانہ اسلوب ایسااعجاز سدابہار ہے جس میں کوئی آسمانی کتاب تک شریک وسہیم نہیں، بیانی اعجاز کی یہ جہت اتنی نمایاں ہے کہ قرآن مجید کاایک ایک حرف اس پر شاہد ہے، اس لیے کہ اس کے مخاطبین جہاں عرب کے فصحاء وبلغاء ہیں اسی طرح رہتی دنیاتک کی اقوام ہیں، ان میں یہود ونصاریٰ جیسے دینی پیشوائی کے دعوے دار بھی ہیں اور فلاسفۂ یونان سے لے کر ہندوستان کے ہندوجوگ بھی! یہی وجہ ہے کہ آج اتنی صدیاں گزر گئیں، زمانے نے نہ جانے کتنی قلابازیاں کھائیں، انقلابات کے کیسے کیسے دور آئے اور گزر گئے، سائنس وٹیکنالوجی نے کتنی ترقیاں کیں؟!!لیکن آج تک کوئی ایسا شخص پیدانہ ہوسکا جو قرآن کی کسی جہتِ اعجاز کو بے اعتبار کرسکا ہو!! جس نے بھی سنا(خواہ عربی زبان کابلندپاانشاء پرداز ہویاچوٹی کاشاعر ہویاپھر عربی کے ابجد سےواقف تک نہ ہو)تواس کاجذب اندرون پکار اٹھتاہے۔

”وَاللهِ إِنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِي يَقُولُ: حَلَاوَةً وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً...وَإِنَّهُ لَيَعْلُو وَمَا يَعْلَى.“[۱]

---

[۱] شعب الایمان للبیہقی:۱/۲۸۷،رقم:۱۳۳، مستدرک علی الصحیحین:۲/۵۵۰،رقم:۳۸۷۲۔

ترجمہ: خدا کی قسم جو یہ کلام بولتے ہیں اس میں بلا کی شیرینی اور رونق ہے، اور یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ہے۔

قرآن مجید اعجاز کی معرفت کے لیے کوئی معیار قائم کرنا ناممکن ہے کہ ایسے منضبط قواعد واضوابط تشکیل دیے جائیں جس کے تحت اعجازِ بیانی کو داخل کر دیا جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید ہر اعتبار سے معجز ہے اگر اس کے مفردات پر غور کیا جائے تو اس کا ہر لفظ اپنی جگہ اتنا فصیح معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جگہ دوسرے کلمے کو خواہ اسی معنی ومفہوم کا ہو نہیں رکھ سکتے ہیں، اس کے بر خلاف زبان دانی کے دعوے کرنے والوں کے کلام میں مختلف خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً متنبی عربی زبان کا مشہور شاعر ہے، اس کو اپنی زبان دانی پر ناز بھی تھا، اسی لیے دعوۂ نبوت بھی کر بیٹھا !حالانکہ اس کا سارا کمال قرآن سے ہی مستفاد تھا جیسا کہ اس کی تاریخ حیات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کلام کا اگر موازنہ کیا جائے تو بہت سارا نقص نظر آئے گا اور ایسا محسوس ہوگا کہ اگر اس لفظ کے بجائے یہ لفظ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا مثلاً اس کا ایک شعر ہے:

إنّ القَتيلَ مُضَرَّجاً بدُمُوعِهِ   مِثْلُ القَتيلِ مُضَرَّجاً بدِمائِهِ[1]

ترجمہ: شہید محبت شہید جنگ کی طرح ہوتا ہے۔

لیکن ذرا ''مِثْلُ'' کو ہٹا کر ''فَوق'' رکھ دیں تو دیکھئے حسن کتنا دوبالا ہوتا ہے۔

إنّ القَتيلَ مُضَرَّجاً بدُمُوعِهِ   فَوق القَتيلِ مُضَرَّجاً بدِمائِهِ

ترجمہ: شہید محبت کا مقام جنگی شہید سے بڑھا ہوتا ہے۔

لیکن قرآن نے لفظ ''مثل'' کو تقریباً چالیس جگہ استعمال کیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ صرف ''مثل'' کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ قرآن کے جس لفظ کو بھی لے لیں اس کی جگہ دوسرا لفظ حتیٰ کہ اسی معنیٰ کا متبادل ومترادف لفظ بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے کلام کا مقصود باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

مفرداتِ قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے الفاظ کا اضافہ ہے جو پہلے سے اس معنی میں معہود ومعروف نہیں ہیں، مثلاً موت کے لیے عرب میں بائیس الفاظ استعمال ہوتے تھے، سب میں عرب کے قدیم نظریۂ کفر کی غمازی تھی[2]، لیکن قرآن نے موت کے معنی کے لیے لفظ ''توفی'' استعمال کیا جس کے معنی پورا پورا لینے کے ہیں۔

---

[1] دیوان المتنبی: ۹.

[2] یہ تمام نام علامہ ابن سیدہ اندلسی (م ۴۵۸ھ) نے ''المخصص (ج ۲ ص ۷۲)'' میں ذکر کیے ہیں۔

قرینہ کے اضافے سے موت کا معنی پیدا ہو گا، جو صرف قرآن کا عطا کردہ ہے اور اس معنی میں ذرہ بھر نقص و خلل نہیں[۱]۔

عربی زبان میں بعض الفاظ ثقیل ہیں استعمال ہوتے ہیں جو فصاحت کے باب میں معیوب سمجھے جاتے ہیں، قرآن نے ایسے تمام الفاظ کو چھوڑ دیا اور ضرورت کے وقت ایسا لفظ استعمال کیا جو موقع و محل کے مناسب ہونے کیساتھ ساتھ انتہائی موزون ہے، مثلاً پکی اینٹ کے لیے تین لفظ عربوں میں مستعمل تھے۔ ''آجرّ، قرمد، طوب'' اور تینوں ثقیل سمجھے جاتے تھے[۲]، لیکن قرآن نے ان کی جگہ انتہائی موزون لفظ استعمال کیا چنانچہ فرمایا:

''فَأَوْقِدْ لِي يَاهَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا''.(القصص:۳۸)

ترجمہ: اے ہامان! گیلی مٹی پر آگ روشن کرکے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو!

بسا اوقات اگر کسی کلمہ کو مفرد استعمال کیا جائے تو اس میں حسن و خوبی ہوتی ہے اور اگر جمع ذکر کیا جائے تو کلمہ متنفر اور ثقیل ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، قرآن مجید میں اس کی رعایت کی گئی ہے، مثلاً: قرآن مجید میں ''الالباب''، جمع مستعمل ہے کہیں بھی مفرد مستعمل نہیں، اس لیے کہ یہ صرف جمع کی صورت میں مستحسن ہے، کیونکہ مفرد ''اللب''، ثقیل اور متنفر ہے۔ اسی طرح ''أرض'' کی جمع ''أراضی'' اور ''أرضون'' آتی ہے اور یہ دونوں ثقیل سمجھے جاتے ہیں[۳]، لیکن قرآنِ مجید نے ان دونوں لفظوں کو چھوڑ کر یوں ارشاد فرمایا۔

'' اللہُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ.''(الطلاق:۱۲)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی اتنی ہی پیدا فرمائی۔

مفردات کے بعد جملوں کی ترکیب کے اس حوالے سے اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ زبان از خود ایک جملے سے دوسرے جملے کی طرف پھسلتی جارہی ہے، کہیں اٹکاؤ نہیں یوں لگتا ہے کہ ہموار زمین ہے یا پھر ٹھہرے سمندر کی سطح آب۔ علاوہ ازیں مختلف ترکیبیں قرآن نے ایسی استعمال کی ہے کہ جن سے مختلف گتھیاں سلجھ گئیں، مثلاً قاتل سے انتقام لینا ایک کمال سمجھا جاتا تھا۔ اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے مختلف جملے زبان زد تھے، جیسے:

(الف)۔۔۔'' الْقَتْلُ أَنْفَى لِلْقَتْلِ.''

---

[۱] یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن ۸۸-۸۹۔

[۲] المثل السائر فی أدب الکاتب والشاعر: ۱/ ۲۰۰۔

[۳] المثل السائر فی أدب الکاتب والشاعر: ۱/ ۲۹۷۔

ترجمہ: قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے۔

(ب)۔۔۔"قَتْلُ الْبَعْضِ إِحْيَاءٌ لِلْجَمِيعِ."

ترجمہ: قتل اجتماعی زندگی ہے۔

(ج)۔۔۔ "أَكْثِرُوا الْقَتْلَ لِيَقِلَّ الْقَتْلُ."[۱]

ترجمہ: قتل زیادہ کرو، قتل کی وارداتیں کم ہو جائیں گی۔

لیکن قرآنِ مجید نے اس کے لیے ایک ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس کی ترکیب نہایت مختصر ہے، لیکن اس میں معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ."(البقرۃ:۱۷۹)[۲]

ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

کسی چیز کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے مختلف جملے تھے، لیکن ساری وسعتوں کی ایک انتہاء تھی۔ قرآن نے جہنم کی وسعت بیان کرتے ہوئے ایک ایسا جملہ کہا جس وسعت کی نہ کوئی حد ہے اور نہ ہی انتہا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ." (سورۃق:۳۰)

ترجمہ: جس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو سیر ہو گئی تو وہ پکار اٹھے گی "کیا کچھ اور ہے"[۳]۔

اسی طرح بتوں کی عظمت و ہیبت دلوں میں اتنی جاں گزیں تھی کہ اپنی قسمت کا فیصلہ کروانے بھی ان ہی کے پاس جاتے، ان کے ناموں کے احترام اور عقیدت مندانہ جذبات سے ان کے دل لبریز تھے۔ لیکن قرآن نے صرف ایک جملے میں سب کو پاش پاش کر دیا کہ یہ تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کی خانہ زاد اختراع ہے، حقیقت کا اس سے کچھ واسطہ نہیں!! چنانچہ ارشاد ہے۔

"إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ" (النجم:۲۳)

ترجمہ: یہ محض تمہارے اور تمہارے پرکھوں کے رکھے ہوئے نام ہیں۔

---

[۱] تفسیر کبیر للرازی:۵/۲۲۹، تفسیر البحر المحیط:۲/۱۵۴، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۴۸۵، محاسن التاویل للقاسمی:۲/۸۔

[۲] اس آیت میں بلاغت کی انواع قواعد البدیع میں صنعت ایداع کے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

[۳] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم للطنطاوی:۱۲/۱۱۳۔

اہل عربیت اور اربابِ ذوق کے نزدیک سب سے بہتر اسلوب "شعری اسلوب" ہے، کیوں کہ اشعار کے سنتے وقت غیر محسوس طور پر انسان حلاوت محسوس کرتا ہے، لیکن علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کا اسلوب اسلوبِ شعری نہیں ہے۔ امام شاہ ولیؒ (م۱۱۷۶ھ) نے "الفوز الکبیر" میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:
قرآن مجید کا اسلوب ہے تو نثر، لیکن شعر کی لذت سے بڑھ کر اس میں لذت موجود ہے، کیونکہ شعر کی لذت اور حلاوت کا سارا مدار "متوازن صوتی آہنگ" کا کان سے ٹکرانا ہے، لیکن یہ آہنگ پیدا کیسے ہوتی ہے اس کے لیے مختلف ذوق و مزاج ہیں اور مختلف اصول و ضوابط ہیں، عربی اشعار کا سارا دارومدار خلیل بن احمدؒ کی تخلیق کردہ اوزان پھر ردیف کی یکسانیت اور قوافی کی رعایت پر ہے، لیکن فارسی ذوق اس سے الگ ہے، اس میں اوزان کی نئی بحریں بھی ہیں، پھر حرکات و سکنات کی خاص ہم آہنگی بھی، عربی میں "کبیر" و" قبور" ہم وزن ہیں جبکہ فارسی میں مخل فصاحت، عربی میں زحافات اتنی زیادہ ہیں کہ وزن کا باقی رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ فارسی میں ایسا نہیں۔ اس کے برخلاف ہندی مزاج کا ذوق دوسرا ہے، اس میں تعدادِ حروف پر دارومدار ہے، پھر بسا اوقات تعدادِ حروف میں کافی تفاوت ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا اور صرف "متوازن صوتی ہم آہنگی" کو باقی رکھا جو ہر ذوق و مذاق میں قدر مشترک ہے، لہٰذا قرآنِ مجید کو اگر شعر نہیں کہہ سکتے تو نثر محض بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ عربوں نے جب اول وہلہ میں سنا تو شعر کہنے لگے، لیکن چوں کہ شعر کے نوک و پلک اور اصول و ضوابط سے خوب واقف تھے، اس لیے اس نظریہ سے منحرف ہوئے سو کہا۔ پھر نہ جانے کون کون سے لیبل چسپاں کرنے لگے [1]۔
پھر اسلوبِ بلاغت خواہ خطابی ہو یا ادبی ہو یا علمی ہو، تینوں کی خصوصیات الگ الگ ہیں اور دائرہ عمل بھی جداگانہ ہے، جو انداز تقریر کا ہے وہ تحریر کا نہیں ہے اور جو اسلوبِ نگارش تحریر کا ہے وہ اَدبی اور تحقیقی مقالے کا نہیں ہے، لیکن قرآنِ مجید ایک ہی عبارت میں تینوں اسلوب کو جمع کرتا ہے، کہ علم کی سنجیدگی بھی ہوتی ہے، خطابت کا زور بھی تو ادب کی شگفتگی بھی۔ ہر شاعر و ادیب کا میدان الگ الگ ہے۔ ایک میدان کا شاہسوار دوسرے میدان میں بالکل ناکام ثابت ہوتا ہے۔ ادیبوں اور انشاء پردازوں کے اپنے میدان ہوتے ہیں جب کوئی ادیب اور انشاء پرداز اپنا میدان چھوڑ کر دوسرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کی تحریر کی حسن و خوبی اور آب و تاب ماند پڑ جاتی ہے، مثلاً امرء القیس کندی رزم و بزم، اور غزل کا امام ہے۔ اس سے خوف و ہیبت کا مضمون ادا نہیں ہو سکتا، یہ تو نابغہ ذبیانی کا کام ہے۔ لیکن نابغہ

---

[1] زاد لعون الکبیر مع الفوز الکبیر: ۲۱۶-۲۳۰.

سے حسن طلب نہیں ہو سکتا یہ تو اعشی وائلی کا کام ہے!!اسی طرح فارسی شعراء میں نظامی و فردوسی رزم و بزم میں، سعدی وعظ و پند میں تفوق رکھتا ہے۔ ایک فن کا امام و شہ نشیں دوسرے فن میں حیران و خاک نشیں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قربان جائیے!! قرآنِ مجید کے اسلوب پر ہر مضمون کو بلیغانہ و فصیحانہ اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب وترہیب ہو، یارزم وبزم، جنت و جہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیاء وصالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر گزرے ہوئے سرکشوں اور باغیوں کی عبرت آموز داستانِ حیات، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش وخروش اور پر شوکت وپر عظمت لفظ و نظم میں بیان کرتا ہے۔

پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ماہرین فنون بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح وبلیغ نیز اناڑی قسم کے انسان بھی، قرآن مجید باوجود کہ بیان کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے تینوں قسموں کے مخاطب بیک وقت متاثر ہوتے ہیں اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

قرآنِ مجید مختلف الانواع مضامین پر مشتمل ہونے کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر مضمون دوسرے مضمون سے مربوط ہے، بلکہ بسا اوقات دو متضاد مضمون کو اکٹھا کرتا ہے اور انسانی دماغ حیران رہ جاتا ہے کہ خروج کہاں سے ہے اور دخول کہاں پر ہے، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کبھی متضاد رہے ہی نہیں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اگر ماقبل کا مضمون سامنے نہ ہو تو مابعد کی آیات غیر مربوط معلوم ہوں گی، بلکہ ہر آیت ماقبل سے مربوط ہونے کے باوجود مستقل مضمون کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ یہی محمل ہے ان علماء کے کلام کا جنھوں نے ربط بین الآیات کا انکار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنِ مجید کا اعجاز ذوقی ووجدانی ہے، لیکن اصول وضوابط کا اگر پابند بھی تسلیم کر لیا جائے تو ہر اعتبار سے اس کا اعجاز نرالا ہے، بلکہ جو ادیب و شاعر ایک فن میں کامل دسترس رکھتا ہے۔ اگر اس کے کلام کا موازنہ کیا جائے تو بے اختیار زبان پر آجائے گا "چہ نسبت خاک را باعالم پاک!!" اور "أين الثرى من الثريا!!"-اس دعوے کی تصدیق کے لیے ایک مثال بطور موازنہ پیش کی جاتی ہے۔ امرء القیس کندی عرب کا مشہور شاعر، رزم وبزم کی تصویر کشی کا ماہر پوری عرب برادری میں مافوق العادت قوت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے رزمیہ اشعار میں گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

مِكَـرٍّ مِفَـرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِـرٍ مَعــاً ۔۔۔ كَجُلْمُوْدِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّيْلُ مِنْ عَلِ

كُمَيْتٍ يَزِلُّ اللَّبْـدُ عَنْ حَالِ مَتْنِـهِ ۔۔۔ كَمَا زَلَّـتِ الصَّفْـوَاءُ بِالْمُتَنَـزَّلِ

عَلَى الذَّبْلِ جَيَّاشٍ كأَنَّ اهْتِـزَامَهُ   إِذَا جَاشَ فِيْهِ حَمْيُهُ غَلْيُ مِرْجَـلِ
مَسْحٍ إِذَا مَا السَّابِحَاتُ عَلَى الوَنَى   أَثَرْنَ الغُبَـارَ بِالكَـدِيْدِ المُرَكَّـلِ
يُزِلُّ الغُـلاَمُ الخِفَّ عَنْ صَهَـوَاتِهِ   وَ يُلْوِي بِأَثْوَابِ العَنِيْـفِ المُثَقَّـلِ[1]

ترجمہ: وہ گھوڑا حملہ کرنے والا، بھاگنے والا، آگے آنے والا، پیچھے کو مڑنے والا سب ایک وقت میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر ہے جس کو سیلاب نے اوپر سے لڑھکا دیا ہے۔ وہ گھوڑا سیاہی وسفیدی مائل چتکبرا ہے، اس کی پیٹھ ایسی صاف ہے کہ نمدہ اپنی پشت کے وسط سے اس طرح پھسلاتا ہے جیسا کہ صاف چکنا پتھر اپنے اترنے کی جگہ سے پھسل کر گرتا ہے۔ وہ دبلا پتلا ہے، لیکن جوش ایسا کہ اس کے چلنے کی آواز گرمیٔ نشاط کے جوش میں دیگ کے ابلنے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ جس وقت تیز رفتار گھوڑے تھک ہار کر پامال شدہ زمین پر غبار اڑاتے ہیں وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے۔ ہلکے پھلکے اناڑی نوجوان کو اپنی پیٹھ سے پھسلا دیتا ہے اور بھاری بھرکم تجربہ کار شہ سواروں کے کپڑے گرا دیتا ہے۔

یہ پانچ اشعار ہیں جن میں اکیاون الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو گھوڑے کی تعریف میں مقصود بنا کر کہے گئے ہیں۔ یقیناً سننے والا فصاحت وبلاغت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن قرآنِ مجید نے ضمناً گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

”وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا*فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا*فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا *فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا* فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا.“ (العادیات:۱-۵)

ترجمہ: قسم ہے! دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی جو ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت دشمنوں کی جماعت میں جا گھستے ہیں۔

ان آیات میں صرف بارہ الفاظ ہیں اور گھوڑے کی ان میں حقیقی صفات بیان کی گئی ہیں، جب کہ اشعار میں محض تخیلات ہیں۔ شاعر نے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے اس کے فرار کی بھی تعریف کی ہے حالانکہ ”فرار“ خواہ کسی وجہ سے ہو عیب ہے، کمال نہیں۔ گھوڑے کی پیش قدمی کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی گئی جو کہ واضح نہیں جب کہ آیات میں نہ تو فرار کا ذکر ہے اور نہ گھوڑے کے دوڑنے کا، بلکہ ہانپنے کا بیان ہے جو بالکل واضح ہے!!! نیز اشعار میں کبھی موٹاپے کا بیان ہو رہا ہے تو کبھی لاغری کا جو کہ تعارض ہے اور جھوٹ بھی۔ آیات میں کوئی تعارض نہیں۔ نیز گھوڑے کا

---

[1] المعلقات السبع:۳۲.

پامال شدہ زمین سے مٹی کا اڑانا کوئی کمال نہیں بلکہ اصل کمال تو جب ہے کہ زمین تربتر ہو پھر تیز چلنے سے غبار اڑے۔ اشعار میں تجربہ کار وناتجربہ کار دونوں کو یاتو گرادیتے ہیں یا پھر اس کے سامان کو ضائع کردیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار نہیں ہے، جبکہ آیات میں گھوڑے اپنے آپ کو جوکھم میں ڈال کر منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جو وفاداری کی دلیل ہے!!!

مذکورہ بالا تفصیل قرآنِ مجید کے اعجاز بیانی کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، نیز قرآنِ مجید معجزہ ہے جو اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ اس نے پوری دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا۔ سوئی انسانیت کو جھنجھوڑ کرر کھ دیا۔ منتشر اقوام کو متحد کیا اور راہِ راست سے منحرف جماعت کو صحیح راہ پر لگادیا۔ اسی طرح قرآنِ مجید اعجاز بیانی کے ساتھ رشد وہدایت، علم وفکر، اخبار بالغیب، امم سابقہ کا تذکرہ، غلط تصورات اور معتقدات کی تصحیح، خلق انسان اور کائنات کے اسرار اور خدا کی مخلوقات کی خصوصیات، طبیعت انسانی کے رجحانات اور صلاحیتوں، اعمال انسانی کے نتائج اور اثرات اور اس طرح انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں راہ نمائی کرنے والی کتاب ہے۔

ان مختلف اور متعدد خصوصیات کی وجہ سے قرآنِ مجید پر ہر دور میں اہل علم نے اپنے اپنے زاویوں سے کام کیا، ابتدائی دور بیان کا تھا، اس لیے کہ عربوں کا یہ امتیاز تھا، اس لیے قرآنِ مجید کے اعجاز بیان پر زیادہ کام ہوا اور اس موضوع پر ایک کتب خانہ تیار ہوگیا اور اس کا سلسلہ اس عہد تک جاری ہے، اس سلسلہ میں ابن قتیبہؒ (م۲۷۶ھ) کی کتاب ''تأویل مشکل القرآن''، ابوعبیدہ معمر بن مثنیؒ (م۲۱۰ھ) کی کتاب ''مجاز القرآن''، ابو بکر عبداللہ سجستانیؒ (م۳۱۶ھ) کی کتاب ''نظم القرآن''، ابوعبداللہ محمد بن زید واسطی معتزلی (م۳۰۶ھ) کی کتاب ''اعجاز القرآن''، ابو بکر باقلانیؒ (م۴۰۳ھ) کی کتاب ''اعجاز القرآن''، ابن العربی مالکیؒ (م۶۳۸ھ) کی ''احکام القرآن''، ابوالحسن علی بن عیسی رُمانی (م۳۸۴ھ) کی کتاب ''النکت فی اعجاز القرآن''، ابو سلیمان حمد بن محمد خطابیؒ (م۳۸۸ھ) کی کتاب ''بیان اعجاز القرآن''، قاضی ابوالحسن عبدالجبار معتزلی (م۴۱۵ھ) کی کتاب ''اعجاز القرآن'' عبدالقاہر جرجانی (م۴۷۱ھ) کی کتاب ''دلائل الإعجاز'' اور ''أسرار البلاغۃ''، امام فخر الدین رازیؒ (م۶۰۶ھ) کی کتاب ''نھایۃ الإیجاز فی درایۃ الإعجاز''، ابن ابی اصبع مصریؒ (م۶۵۴ھ) کی کتاب ''بدیع القرآن''، مؤید باللہ یحییٰ بن حمزہ علویؒ (م۷۴۵ھ) کی کتاب ''الطراز فی أسرار البلاغۃ وعلوم حقائق الإعجاز''، برہان الدین بن عمر بقاعیؒ (م۸۸۵ھ) کی کتاب ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' اور ابوالقاسم جار اللہ زمخشریؒ (م۵۳۸ھ) کی کتاب ''الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل'' بیش قیمت سرمایہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید نے ہر طرح کے مضامین کو اس انوکھے انداز میں پیش کیا ہے کہ کسی جگہ اس کی فصاحت وبلاغت اور ادبیت میں جھول نظر نہیں آتی ہے۔ ایسی فصیح وبلیغ کتاب کا سمجھنا ہر کسی کے بس میں نہیں اس کے لیے بے شمار علوم وفنون کی ضرورت ہے جس کے بعد قرآنی فہمی کا امکان ہو سکتا ہے، ان علوم وفنون میں من جملہ علم البلاغۃ بھی ہے اس علم کا سمجھنا ناگزیر ہے۔ اس کا مقام ومرتبہ اور افادیت ایک حقیقتِ واقعی ہے اور اس کی جلالتِ شان وعلو منزلت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علم ہر زمانہ میں اصحاب فضل وکمال کا منظور نظر رہا۔ متون وشروح، مطولات ومختصرات اور حواشی وتعلیقات ہر اعتبار سے اس علم کی خدمت کی گئی ہے اور اس کے مسائل ومباحث کے ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور اس کی ترویج وارتقاء کے لیے امام جعفر بن یحیی برمکیؒ (م۱۸۷ھ)، امام ابوعبیدہ معمر بن مثنیؒ (م۲۰۹ھ) امام ابوعثمان عمر بن بحر جاحظ اصفہانی (م۲۵۵ھ)، ابوالحسن محمد بن ظاہر شریف رضی (م۳۵۹ھ)، امام ابوبکر عبدالقاہر بن عبدالرحمن جرجانی (م۴۷۴ھ)، امام محمود بن عمر جاراللہ زمخشری (م۵۳۸ھ)، علامہ ابویعقوب یوسف بن ابی بکر سکاکیؒ (م۶۲۶ھ)، علامہ عبدالرحمن قزوینیؒ (م۷۳۹ھ)، علامہ سعد الدین مسعود بن فخر الدین تفتازانیؒ (م۷۹۲ھ)، علامہ احمد بن ابراہیم ہاشمیؒ (م۱۳۶۲ھ)، علامہ احمد بن مصطفی مراغیؒ (م۱۳۷۱ھ)، علامہ عبدالعزیز عتیق مصری (م۱۳۹۶ھ)، علامہ عبدالرحمن بن حسن حنبکہ میدانیؒ (م۱۴۲۵ھ) وغیرہ۔ جیسے جہابذہ اور جبالِ علم نے غیر معمولی خدمات کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ فجزاھم اللہ خیراً!

زیرِ نظر کتاب اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں علوم البلاغہ پر بحث کی گئی ہے اور اس کے جملہ مسائل ومباحث اور قواعد وضوابط کو جمع کرنے کی ادنی کوشش کی گئی ہے اور اصطلاحات کی توضیح وتفہیم کیساتھ ساتھ اجراء وتطبیق پر خوب زور دیا گیا ہے، تاکہ فن سمجھنے میں آسانی رہے اور زیادہ تر مثالیں قرآن وحدیث سے دی گئی ہیں، تاکہ بلاغت سیکھنے کیساتھ قرآن وحدیث سے بھی تعلق رہے، نیز اس کیساتھ ساتھ قواعد وضوابط کو عام فہم اور آسان سے آسان تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے ابوالمعالی علامہ محمد بن عبدالرحمن جلال الدین قزوینیؒ (۷۳۹ھ) کی "تلخیص المفتاح " اور "الایضاح فی علوم البلاغۃ"، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانیؒ (م۷۹۱ھ) کی "مختصر المعانی"، علامہ تقی الدین ابن حجۃ حمویؒ (م۸۳۷ھ) کی "خزانۃ الادب"، علامہ ابن النقیب جمال الدین محمد بن سلیمان بلخی حنفیؒ (م۶۹۸ھ) کی

"مقدمہ تفسیر ابن النقیب فی علم البیان والمعانی والبدیع[1]"، علامہ احمد بن ابراہیم ہاشمیؒ (م۱۳۶۲ھ) کی "جواہر البلاغۃ"، علامہ احمد بن مصطفی مراغیؒ (م۱۳۷۱ھ) کی "علوم البلاغہ" علامہ عبد الرحمن بن حسن حنبکہ میدانیؒ (م۱۴۲۵ھ) کی "البلاغۃ العربیہ"، علامہ عبد العزیز عتیق مصریؒ (م۱۳۹۶م) کی "علم المعانی، علم البیان، علم البدیع" اور مولانا محمد الیاس بن عبد اللہ گڈھوی صاحب کی "اجرائے بلاغت قرآنیہ" وغیرہ کتابوں سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان ہی کتابوں سے قواعد وضوابط جمع کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ان شاء اللہ یہ تطبیقی اور تدریسی منہج علم البلاغۃ کے مباحث ومسائل اور اصطلاحات کی افہام وتفہیم میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔

سَعَيْتُ وَ أَرْجُوْ شُكْرَ سَعْيِيْ وَلَا أَدْرِىْ
يُخَيِّبِنِىْ رَبِّى وِ لَسْتُ بِخَائِبِىْ

ترجمہ: میں نے وسعت بھر کوشش کی ہے جس کی قبولیت کا اُمیدوار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالی مجھے محروم نہیں کریں گے۔

ایک سالک نے کیا خوب کہا ہے:

الْعلم للرحمن جلّ جَلَاله و سواه فِي جهلاته يتغمغم
مَا للتراب وللعلوم وَإِنَّمَا يسْعَى ليعلم أَنه لَا يعلم

آخر میں بندہ اپنے ان تمام ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں ہماری مدد اور رہنمائی کی، بالخصوص مولانا اسرار احمد الذہبی، مفتی محمد طیب المستنصر اور مولانا احسان اللہ صارم جنہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور مخلصانہ مشورے دیے، اللہ تعالی ان سب حضرات کو اس کا احسن بدلہ عطاء فرمائے اور ہماری اس ادنی

---

[1] یہ کتاب "الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان" کے نام سے طبع ہوئی ہے اور علامہ محمد بن ابی بکر بن ایوب شمس الدین ابن القیمؒ (م۷۵۱ھ) کو اس کا مصنف قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ درست نہیں، کیونکہ علامہ ابن القیمؒ کی کتابوں کی فہرست میں اس کتاب کا تذکرہ نہیں، بلکہ یہ جمال الدین محمد بن سلیمان بلخی حنفیؒ معروف بہ ابن النقیب (م۶۹۸ھ) کی کتاب ہے جس کا اصل نام "مقدمہ تفسیر ابن النقیب" ہے۔ یہ کتاب حال میں ڈاکٹر زکریا سعید علی کی تحقیق وتعلیق کیساتھ قاہرہ سے طبع ہوئی ہے۔ محقق نے کتاب کے مقدمہ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اوراس کو میرے لیے، میرے والدین واساتذہ کرام کے لیے ذخیرہ آخرت اور ذریعہ نجات بنادے۔ آمین!

”رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ.“

ارشادالرحمن المعتصم
جامعہ اشاعت الاسلام اٹک شہر
۲ صفر ۱۴۴۱ھ

فن اول:

علم المعاني

[مقدمہ]

فصلِ اول: فصاحت کا بیان

فصاحت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"فصاحت" لغت میں "فَصُحَ" سے ماخوذ ہے اس کے معنی کسی چیز کے ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہونے کے ہیں، اصل میں اس کا استعمال دودھ کے خالص ہونے پر ہوتا ہے، جیسے محاورہ ہے: " فَصَّحَ اللّبن وأَفْصَحَ" کے معنی دودھ کے اوپر سے جھاگ اتار کر اسے بالکل صاف کر لینے کے ہیں اور جس دودھ کے اوپر سے جھاگ اتار کر اسے بالکل صاف کر لیا جائے اسے "مُفْصِحٌ و فَصِيحٌ" کہا جاتا ہے اور "فصح الصُّبْح" (کسی پر صبح کی روشنی غالب ہونا)، "فَصح الرَّجل" (سلاست اور شستگی کیساتھ بولنا، خوش بیان اور شگفتہ بیان ہونا، فصیح ہونا) وغیرہ۔ قرآن مجید میں ہے: "وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا" (سورۃ القصص :۳۴)۔ لیکن یہ تمام معانی ظہور و ابانت کو مستلزم ہیں، کیونکہ جب صبح روشن ہو گی تو روشنی کا ظہور ہو گا، جب فصیح گفتگو ہو گی تو الفاظ کا ظہور ہو گا اور جب جھاگ نکل جائے گا تو اس کے نیچے کی چیز ظاہر ہو گی۔ اور فصاحت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ گفتگو میں ایسے الفاظ کو پیش کرنا جو صاف ہوں، ظاہر ہوں اور سنتے ہی فوراً سمجھ میں آجاتے ہوں (۱)۔

فصاحت کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ فصاحۃ الکلمۃ ۲۔ فصاحۃ الکلام ۳۔ فصاحۃ المتکلم

فصاحت مفرد، کلام اور متکلم تینوں کی صفت واقع ہوتی ہے، چنانچہ جزئیاتِ مفردہ میں سے ہر جزئی معین مثلاً "قَائِمٌ" کے بارے میں کہا جاتا ہے: "هَذِه كَلِمَةٌ فَصِيحَةٌ" اور کسی کلام یا کسی قصیدہ کے متعلق کہا جاتا ہے: "هَذَا كَلَامٌ فَصِيحٌ" اور "هَذِه قَصِيدَةٌ فَصِيحَةٌ"۔ اسی طرح متکلم کے بارے میں کہا جاتا ہے: "هَذَا كَاتِبٌ فَصِيْحٌ، هَذَا شَاعِرٌ فَصِيْحٌ"۔ اب ذیل میں ہر قسم کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔۔۔ فصاحۃ الکلمۃ کی تعریف:

فصیح کلمہ وہ ہے جو عیوب اربعہ، یعنی تنافرِ حروف، مخالفت قیاس لغوی، غرابت اور کراہت فی السمع سے خالی ہو۔

---

(۱) عروس الافراح: ۱/ ۵۵۔

۱۔۔۔تنافرالحروف کامفہوم:

تنافرحروف کلمہ میں ایک ایساوصف ہے جس کی وجہ سے کلمہ زبان پر ثقیل ہواوراس کے تلفظ میں دشواری پیداہوجاتی
ہے[۱]، جیسے "ظَشٌّ"(کھردی جگہ)، "هُعْخُعْ"(کڑوے بدبودار درخت کانام ہے)، "مُسْتَشْزِرٌ"(بٹے ہوئے بال، یابٹی ہوئی رسی)" وغیرہ۔ جیسے معروف شاعر امر اءالقیس کاشعرہے۔

مُسْتَشْزِراتٌ إلى العُلا   تَضِلّ العِقَاصُ فِي مُثَنًّى وَمُرْسَلِ

ترجمہ: اس کے گیسوئے درازبلندی کی طرف اٹھے ہوئے ہیں، جن میں چوٹی پر بندھاہوابالوں کاگچھابٹے ہوئے اوران بٹے بالوں میں گم ہوجاتاہے۔

شعرکامطلب یہ ہے کہ اس شعر میں شاعر کامقصوداپنے محبوبہ کے بالوں کی کثرت کوبتاناہے کہ محبوبہ کے بال تین حصوں میں منقسم ہیں، کچھ بال وہ ہیں جن کواس نے اپنے سر کی چوٹی دھاگے سے باندھ کر "عقاص" گچھابنایاہے اور کچھ بالوں کوبٹ کران سے مینڈھیاں بنائی ہیں اور پھر کچھ بال وہ ہیں جو بے بٹے ہوئے لٹک رہے ہیں[۱]۔

---

[۱] صاحبِ ایضاح فرماتے ہیں کہ تنافر کی دوقسمیں ہیں، ایک وہ تنافرہے جس کی وجہ سے کلمہ انتہائی ثقیل ہو، جیسے ایک اَعرابی سے اس کی اونٹنی کے بارے میں سوال کیاگیاتواس نے کہا۔ "ترکتها ترعى الهعخع"۔ خلیل نحوی سے منقول ہے کہ "هعخع" شنیع ترین کلمہ ہے۔اس لفظ میں چار قول ہیں:۔

۱۔۔۔"هعخع" عبداللطیف بغدادی نے قوانین البلاغۃ میں یہی ذکر کیاہے اوریہی خلیل نحوی سے منقول ہے۔

۲۔۔۔"حعخع" ابن عربی نے یہی ذکر کیاہے۔لیث نے کہاہے کہ قیاس عربیت کے موافق بھی یہی ہے، علامہ صنعانی نے بھی "العباب" میں ابن درید سے یہی نقل کیاہے جس کے معنی ایک خاص قسم کی گھاس کے کیے ہیں۔علامہ ابن سیدہ نے بھی ابوزید سے حکایت کرتے ہوئے یہی معنی بیان کیے ہیں۔علامہ ابن شمیل کہتے ہیں کہ یہ ایک درخت کانام ہے۔

۳۔۔۔"عهخع" علامہ صنعانی نے اپنی کتاب "الصحاح" میں لیث سے اسی طرح نقل کیاہے، امام فخر الدین رازیؒ نے "نہایۃ الایجاز" میں بھی اسی طرح نقل کیاہے۔

۴۔۔۔علامہ ابودقیش فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں اس لفظ کی کوئی اصل ہی نہیں۔علامہ صنعانی نے لیث سے نقل کیاہے کہ ہم نے باوثوق علماء سے اس کے متعلق دریافت کیا، لیکن سب نے انکار کیااور کہاہے کہ اس کاکوئی اصل نہیں۔دوسری قسم تنافر کی وہ ہے جواس سے کچھ کم ہو، جیسے "مُسْتَشْزِراتٌ" بمعنی "مرتفعات" اور "ظش" بمعنی "موضع خشن" اور "نقاح" بمعنی صاف شفاف میٹھاپانی۔دیکھئے عروس الافراح: ۱/ ۵۸-۵۹، الایضاح فی علوم البلاغۃ: ۱/ ۲۲۔

اس شعر میں "مُسْتَشْزِرَاتٌ" متنافر ہے جس کا تلفظ ذوق سلیم اور طبع مستقیم کی رُو سے زبان پر گراں ہے[۲]۔

۲۔۔۔۔ مخالفتِ قیاس لغوی کا مفہوم:

مخالفتِ قیاس لغوی کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ صرفی قواعد و قوانین کے خلاف ہو[۳]، جیسے ابو النجم فضل بن قدامہ عجلی کا شعر ہے۔

---

[۱] عرب عورتوں کی عادت تھی کہ وہ سر کے بالوں کے کچھ حصہ کو سر کے بیچ میں دھاگوں سے باندھ لیتی تھیں، جسے "غدیرہ، ذوائبہ" اور "عقیصہ" کہتے ہیں، پھر ان کے اوپر "مثنٰی" اور "مرسل" کو ڈال کر پشت کی طرف چھوڑ دیتی تھیں، جن کے نیچے "عقاص" چھپا ہوتا تھا۔ اس سے شاعر کی غرض بالوں کی کثرت کو بیان کرنا ہے، کیونکہ بالوں کی کثرت سے ہی "عقاص، مثنٰی" اور "مرسل" پوشیدہ ہو سکتا ہے۔

[۲] علامہ زوزنیؒ اور بعض دیگر حضرات نے قرب مخارج کو منشاء ثقل قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ "مُسْتَشْزِرَاتٌ" میں قریب المخارج حروف جمع ہیں، اس لیے یہ متنافر ہے۔ اس پر اہل علم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید میں "الم اعہد" میں ہمزہ، عین، ہا، قریب المخارج حروف جمع ہیں، لہذا اس کو بھی متنافر ہونا چاہیے؟! اور سورہ یس جو اس کلمہ غیر فصیحہ پر مشتمل ہے اس کو فصاحت سے خارج ہونا چاہیے؟ حالانکہ یہ بالکل باطل ہے، کیونکہ قرآن مجید بجمیع الاجزاء فصیح ہے۔ یہ حضرات پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ ایک کلمہ کے غیر فصیح ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ پوری سورت غیر فصیح بن جائے، کیونکہ ایک طویل کلام کلمہ غیر فصیح پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر فصیح نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ایک طویل کلام کلمہ غیر عربی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر عربی نہیں ہو سکتا، جیسے قرآن مجید میں لفظ "قسطاس" رومی ہے، لفظ "سجل" فارسی ہے اور لفظ "درہم" یونانی ہے اور بجز چند انبیاء علیہم السلام کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی عجمی ہیں، پھر بھی پورا کا پورا قرآن عربی ہے؟!! علامہ تفتازانیؒ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے دونوں دعوے (ایک تو یہ کہ کلام فصیح کلمہ غیر فصیحہ پر مشتمل ہونے کی باوجود فصاحت سے خارج نہیں ہوا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے کلام فصیح کو کلام عربی پر قیاس کیا ہے) غلط ہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ جن کلمات کے بارے میں غیر عربی ہونے کا دعوی کیا گیا ہے یہ غلط ہے، بلکہ جملہ کلمات توارد لغات کی بناء پر عربی ہیں، یعنی جیسے یہ ممکن ہے کہ یہ عجمی ہیں، ویسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عربی ہیں۔ لہذا فصاحت کلام کو کلام کی عربیت پر قیاس کرنا غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان حضرات کی بات کو تسلیم کیا جائے تب بھی ان کہنا غلط ہے، کیونکہ کلام فصیح کے لیے اس کے کلمات کا فصیح ہونا شرط ہے اور کلام عربی کے لیے اس کے جملہ کلمات کا عربی ہونا شرط نہیں ہے! نیز اگر بھی تسلیم کر لیا جائے کہ سورۃ یس اس ایک کلمہ غیر فصیحہ کی وجہ سے خارج نہیں ہوتا تو کیا یہ ایک معمولی بات ہے! بلکہ اس سے تو اللہ تعالی کی طرف جہل اور عجز کی نسبت لازم آتی ہے اور اللہ تعالی کی ذات اس سے بلند و بالا، منزہ و مبرہ ہے۔ ملخصا نیل الامانی: ۱/۸۷-۸۸۔

[۳] مخالفت قیاس لغوی کا معنی یہ ہے کہ کلمہ الفاظ مفردہ موضوعہ کے قانون کے خلاف ہو، یعنی وضع واضع کے خلاف ہو۔ قانون سے مراد قانون صرفی نہیں، بلکہ ماثبت عن الواضع ہے۔ لہذا لفظ "آل، ماء،" وغیرہ۔ سب فصیح ہوں گے، کیونکہ "آل وماء" میں "ہا" کا ہمزہ سے بدل جانا اور "ابی یابی" کے مضارع کا مفتوح العین ہونا اور "عوریعور" کا "عاریعار" نہ ہونا اور "استحوذ" میں واؤ کا الف سے نہ بدلنا وغیرہ گو قیاس لغوی کے خلاف ہیں، لیکن واضع سے ثابت ہیں۔

الحمدُ للهِ العَلِيِّ الأجْلَلِ　　الْوَاحِدِ الْفَرْدِ الْقَدِيْمِ الأوَّلِ

اس شعر میں شاعر نے وزنِ شعری کی رعایت رکھتے ہوئے "الأجَلِّ" کے بجائے "الأجْلَلِ" بلا ادغام کہا ہے، جو قانون صرفی کے خلاف ہے، اس لیے کہ جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ادغام واجب ہوتا ہے، لہذا یہ غیر فصیح ہے۔
اسی طرح یہ مثال ہے، جیسے شعر ہے۔

إنَّ بنيَّ للئامٌ زهدهْ　　ماليَ فِي صُدُورهمْ من مَوْددَهْ

ترجمہ: میرے بچے واقعی نالائق اور نکمے ہیں، میری محبت ان کے سینوں میں ذرا بھر بھی نہیں ہے۔
قیاس اور قانون صرفی کا تقاضا یہ ہے کہ "مودّہ" دال کے ادغام کیساتھ ہو، جب کہ یہاں "مَوْددَہْ" بلا ادغام دال کیساتھ ہے۔ اسے ضعفِ تالیف کہتے ہیں[۱]۔

۳۔۔۔ غرابت کا مفہوم:

غرابت کا معنی یہ ہے کہ کلمہ کے معنی ظاہر نہ ہوں، یعنی لفظ مجہول المعنی یا غیر مانوس الاستعمال ہو[۲]۔ مجہول المعنی الفاظ کے معانی کے لیے لغت کی بڑی بڑی کتابوں کو دیکھنا پڑتا ہے، جیسے "اطْلَخَمَّ"، "اشْتَدَّ" کے معنی میں "تَكَأْكَأَ"،

---

[۱] فينبغى حينئذ أن يقال: إن مخالفة القياس إنما تخل بالفصاحة حيث لم تقع فى القرآن الكريم، ولقائل أن يقول حينئذ: لا يسلم أن مخالفة القياس تخل بالفصاحة، ويسند هذا المنع بكثرة ما ورد منه فى القرآن، بل مخالفة القياس مع قلة الاستعمال مجموعهما هو المخل، وإن أراد الخطيبى أن سررا خالف القياس، لعدم الإدغام فليس بصحيح، فإنه ليس قياس الإدغام وليس كل مثلين يدغم أحدهما فى الآخر. (عروس الافراح:۱/۶۴)

[۲] غریب کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔ غریبِ حسن ۲۔ غریبِ قبیح۔
۱۔۔ غریبِ حسن کی تعریف: اس کو کہتے ہیں جس کا استعمال نہ خالص عرب پر معیوب ہو، نہ عجمیوں پر، جیسے "ارض وسماء" وغیرہ۔ یا صرف عجمیوں پر معیوب ہو، جیسے "شرنبث" جس کا معنی ہے۔ غلیظ ہاتھ پاؤں والا۔ اور "اشمخر" بمعنی "ارتفع" اور "اقمطر" بمعنی "تفرق" وغیرہ۔ ان تینوں لفظوں کا استعمال نثر کی بہ نسبت نظم میں مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کے الفاظِ غریبہ، خطباتِ صحابہ، دواوینِ جاہلیہ کے غرائب اسی قبیل سے ہیں۔
۲۔۔ غریبِ قبیح کی تعریف: وہ ہے جس کا استعمال مطلقاً معیوب ہو۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں:۔
۱۔۔۔ معیوب الاستعمال ہونے کیساتھ سمع خراش وناگوار خاطر بھی ہو۔ اسی کو وحش غلیظ اور متوعر کہتے ہیں، جیسے "جحیش" بمعنی متکبر اور "اطلخم" بمعنی "ارتفع" اور "بعاق" بمعنی "سحاب" وغیرہ۔

"اجْتَمَعَ" کے معنی میں ہیں[1]۔ اور غیر مانوس الاستعمال الفاظ کے سمجھنے کے لیے سبب بعید کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے لفظ "مُسَرَّجٌ" اس شعر میں ہے۔

وَمُقْلَةً وحاجِباً مُزَجَّجا وفاحِماً وَمَرْسِناً مُسَرَّجاً

یہاں "مُسَرَّج"[2] کے معنی "سریجی" تلوار کی طرح باریک اور سیدھی خوبصورت ستوان ناک یا چراغ کی طرح چمکدار ناک کے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ کے معانی لغت کی کتابوں میں نہیں ملتے ہیں، بلکہ ان کے صحیح معنی سمجھنے کے لیے اسبابِ بعیدہ کا کھوج لگانا پڑتا ہے۔ "مُسَرَّج" بابِ تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، لیکن اس وزن پر کتب لغت میں کوئی مصدر نہیں تو ہم کہا کہ یہ "سریجی" کی طرف منسوب ہے جو ایک لوہار تھا جس کی تلواریں عربوں میں مشہور تھیں، اس لیے صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ بنے گا کہ میری محبوبہ کی آنکھ سیدھی اور خوبصورت

۲۔۔۔ناگوارِ خاطر تو نہ ہو، لیکن اس کے معنی کے لیے کتب مبسوطہ کی چھان بین کی احتیاج ہو، جیسے عیسیٰ بن عمر نحوی کا قول ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن عمر نحوی گدھے سے گرا تو لوگ اس کے اردگرد جمع ہوئے تو آپ نے کہا۔" ما لكم تكأكأتم عليّ تكأكؤكم على ذى جنة افرنقعوا عنى"۔فإن تكأكأتم بمعنى اجتمعتم، وافرنقعوا بمعنى تفرقوا لا يكاد يطلع عليه من غير بحث. (عروس الافراح:۱/ ۶۲-۶۳)

[1] فإن تكأكأتم بمعنى اجتمعتم، وافرنقعوا بمعنى تفرقوا لا يكاد يطلع عليه من غير بحث. قلت: وكذلك حكاها الجوهرى، وقد حكاها الزمخشرى عن أبى علقمة عند قوله تعالى: حَتَّى إِذا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ (سورۃسبا:۲۳) وكذلك حكاها عنه الخفاجى، وقال: إن هذا التركيب أخرجه عن الفصاحة أمران: ضعف التأليف فى تتكأكأون، ونقله بصيغة المضارع، والغرابة فى افرنقعوا، ---وقال الزمخشرى: افرنقعوا مأخوذ من حروف الفرقة مع زيادة العين، وفيه نظر؛ لأن العين ليست من حروف الزيادة، وجعله الجوهرى مشتقا من فرقعة الأصابع فوزنه على هذا افعنللوا، وعلى الأول افعنلعوا، وحكى ابن الجوزى فى كتاب الحمقى هذه عن أبى عبيدة، وقال: ما لكم تكأكأون ثم قال: فقال الناس: تكلم بالعبرانية فعصروا حلقه إلى أن استغاث، وآلى أن لا ينحو على الجهل-(عروس الافراح:۱/۶۳)

[2] "مُسَرَّج" ایک لفظ غریب ہے، کیونکہ "مُسَرَّج" مشتق ہے اور ہر مشتق کے لیے مشتق منہ کا ہونا ضروری ہے اور کتب لغت "مسرج" اور "تسریج" سے خالی ہیں، اس لیے لا محالہ کسی ایسی تخریج کا ارتکاب کرنا پڑے گا جس سے کلمہ خطاء سے سالم رہے اور وہ یہ ہے کہ فعل نسبت کے لیے آتا ہے، جیسے "فسقته" میں نے اس کو فسق کی طرف منسوب کیا۔ بناءً علیہ "مُسَرَّج" کے معنی منسوب الی السریجی ہوئے، یعنی سریج والی تلوار۔ یہ معنی علامہ ابن درید نے کیا ہے۔ یا یہ منسوب الی السراج ہے، یعنی چراغ جیسی چمک والا۔ یہ معنی ابن سیدہ نے کیا ہے۔ (عروس الافراح:۱/۶۲)

ہونے میں "سریجی" تلواروں کی طرح ہے، یا "سراج" سے ماخوذ ہے اس صورت میں اس کا جملہ مطلب یہ ہو گا کہ میری محبوبہ کی ناک چمکنے میں چراغ کی طرح ہے، یعنی جس طرح چراغ چمکتا ہے اسی طرح میری محبوبہ کی ناک چمکتی ہے۔ اس پورے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میری محبوبہ نے اپنی آنکھوں کو باریک اور لمبے آبرو کو اور کوئلے کی طرح سیاہ بالوں کو تلوار کی طرح باریک اور سیدھی ناک کو یا چراغ کی طرح چمکنے والی ناک کو ظاہر کیا ہے۔

۴۔۔۔کراہۃ فی السمع کا مفہوم:

کراہۃ فی السمع کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ سیاقِ کلام کے اعتبار سے ایسا نامانوس ہو کہ سلیم الطبع شخص اسے ناپسند کرتا ہو اور کان سننے کو تیار نہ ہو، اگرچہ وہ کلمہ بذات فصیح کیوں نہ ہو[۱]، جیسے "خَوْعَمْ" بمعنی بے وقوف واحمق۔ اور "الْجِرِشَّى" کا لفظ جو اس شعر میں مذکور ہے۔

مُبَارَكُ الاسْمِ أَغَرُّ اللَّقَبْ　　　كَرِيمُ الْجِرِشَّى شَرِيفُ النَّسَبْ

ترجمہ: ممدوح مبارک نام والا ہے اور مشہور اللقب ہے اور کریم النفس اور شریف النسب ہے۔

اس شعر میں "الْجِرِشَّى" نفس کے معنی میں ہے اور یہ مقام مقامِ مدح ہے، جس میں موقع محل کے مطابق خوبصورت الفاظ استعمال کرنے چاہیے، تاہم اس لفظ میں کراہت فی السمع پائی جاتی ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: کلمہ فصیح تب ہو گا اس پر پر نطق آسان اور معنی واضح ہو[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: تنافرِ حروف میں وہ کلمات بھی داخل ہیں، جن کو متکلم اپنے سامعین کو تھکانے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد کرتا ہے، جن کی واقعی کوئی اصل نہ ہو، جیسے "ظَشٌّ، عَقْجَقْ" وغیرہ[۳]۔

---

(۱) علامہ تفتازانیؒ نے کراہۃ فی السمع کو مخل فی فصاحۃ الکلمۃ ہونے کو محل نظر قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ کراہت فی السمع کا سبب غرابت ہی تو ہے، لہٰذا غرابت سے خالی ہونا کراہت فی السمع سے خالی ہونا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کراہت وعدم کراہت آواز کے اچھے برے ہونے سے متعلق ہے، علامہ تفتازانیؒ نے اسے بھی محل نظر قرار دے کر کہا ہے کہ لفظ "جرشی" یقیناً ناگوار خاطر ہے، خواہ کوئی خوش لحان اس کا تلفظ کرے یا بری آواز والا پڑھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کراہت کا معیار خوش آوازی وبد آوازی نہیں، بلکہ غرابت ہے۔ (مختصر المعانی: ۱/ ۴۰)

(۲) ہامش جواہر البلاغہ: ۸۔

(۳) علم المعانی: ۳۳۔

قاعدہ نمبر ۳: مفرد تین چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے:۔ ا۔مادہ (حروف) ۲۔صورت (صیغہ) ۳۔ معنی پر دلالت۔ پس عیب اگر مادہ میں ہو تو یہی تنافر ہے اور صورت میں ہو تو یہ مخالفت قیاس صرفی ہے اور معنی پر دلالت کرنے میں ہو تو غرابت ہے۔

قاعدہ نمبر ۴: بسا اوقات ایک ہی کلمے کے چند حروف کے مخارج میں غایتِ قرب یا غایت بعد کا ہونا تلفظ میں دشواری کا باعث ہوتا ہے، اسی وجہ سے کلام عرب میں ادغام مثلین و متقاربین اور ابدال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاہم یہ قاعدہ کلیہ نہیں، اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے۔"أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَابَنِي آدَمَ"(سورۃ یس:۶۰) یہاں "أَعْهَدْ" میں ہمزہ، عین اور ہاء قریب المخرج ہیں، لیکن ذوق صحیح والے کو ثقل محسوس نہیں ہوتا، لہذا یہ لفظ تنافر میں داخل نہ ہو گا، تاہم مقتضائے حال کے مطابق ثقیل کلمات کو ذکر کرنا بھی فصاحت کا مظہر ہوتا ہے، اس وقت یہ علم البدیع کے "ائتلاف اللفظ مع المعنی" کے قبیل سے ہو گا، جیسے قرآن مجید میں ہے:"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ "(سورۃ التوبۃ:۳۸) یہاں "اِثَّاقَلْتُمْ" موقع محل کی دشواری کی طرف مشیر ہے، کیونکہ یہ تبوک کا موقع ہے، سخت گرمی تھی، کھجور کی فصل پک چکی تھی! پھر اس قدر دور دراز کا سفر طے کرنا کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔

فائدہ نمبر ۱: تنافر کی صحیح تفسیر میں شارحین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ قریب المخارج حروف کا جمع ہونا موجبِ تنافر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعید المخارج حروف کی وجہ تنافر پیدا ہوتا ہے، تاہم یہ دونوں قول غلط ہیں، اول اس وجہ سے غلط ہے کہ کتنے ہی قریب المخارج ایسے حروف ہیں، جو متنافر نہیں، جیسے "جیش، شجر" وغیرہ۔ ثانی اس لیے غلط ہے کہ بعض بعید المخارج حروف غیر متنافر ہیں، جیسے "علم، بعد، الم، امر" وغیرہ۔ اسی وجہ سے علامہ تفتازانیؒ نے ضبطِ تنافر حروف میں ضابطہ اور قاعدہ کا مناط فقط ذوق صحیح کو قرار دیا ہے، یعنی جس حرف کو ذوق صحیح ثقیل تصور کرے وہ متنافر ہے اور جو ذوق صحیح کے اعتبار سے ثقیل نہ ہو وہ غیر متنافر ہے، خواہ اس کا ثقل قربِ مخارج کی وجہ سے ہو، یا بُعد مخارج کی وجہ سے ہو۔ علامہ ابن اثیرؒ نے اپنی کتاب "المثل السائر" میں اس کی تصریح کی ہے، لیکن علامہ ابن جماعہؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ذوق صحیح پر محمول کرنا تو کوئی ضابطہ نہ ہوا، بلکہ یہ تو ایک امر غیر منضبط پر محمول کرنا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۵: یک حرفی کلمہ اور حروف میں تنافر نہیں ہوتا۔

---

[1] ملخصاً نیل الامانی:۱/۸۵۔

قاعدہ نمبر۶: تنافرتب متحقق ہو گا کہ جب کلمات متقارب الحروف ہوں اور کلمہ مکرر مذکور ہو۔ پھر کلمہ کے مکرر ہونے کی دوصورتیں ہیں:۔۱-شدید الثقل، جیسے "قبرحرب"۔۲۔خفیف الثقل، جیسے "متی أمدحه أمدحه"[1]۔

فائدہ نمبر۲: قریب المخرج حروف کی دو قسمیں ہیں:۔۱۔شدید الثقل، جیسے "ظش"۔۲۔خفیف الثقل، جیسے "نقنقة"۔

فائدہ نمبر۳: ذوق ایک ایسی قوتِ نفسانیہ کا نام ہے جس کے ذریعہ سے انسان کلام کے لطائف اوروجوہ تحسین کا ادراک کرلیتاہے، اس کی دو قسمیں ہیں:۔۱۔ ذوق وہبی، جیسے اہل عرب۔ ۲۔ ذوق کسبی، جیسے ان لوگوں کا ذوق جن کو بلغاء عرب کے کلام کی ممارست اوران کے نکات واسرار پر مزاولت حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر۴: قیاس لغوی سے مراد حقیقتِ قیاس(یعنی ایک شئی پر دوسری شئی کا حکم کسی جامع کے پیش نظر لگانا) نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ قیاس ہے جس کا منشاء استقراءِلغت یعنی تتبع کلماتِ لغویہ ہو، جس کو قیاس صرفی کہتے ہیں، اس قیاس کا منشاء چونکہ استقراء لغت ہوتاہے، اس لیے اس کو قیاس لغوی کہاجاتاہے۔

قاعدہ نمبر۷: مخالفتِ قیاس لغوی سے وہ کلمات مراد ہیں جو واضع کی وضع اوراستعمال عرب کے خلاف ہوں، لہٰذا جو کلمہ واضع کے وضع کے موافق ہو، اگرچہ مخالفِ قیاس کیوں نہ ہو، وہ مخالفتِ قیاس میں داخل نہ ہوگا۔ پس "آل وماء(جن کی اصل "اهل ومَوه" ہے) کا ابدال خلافِ قیاس ہے، لیکن واضع سے ثابت ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے، اسی طرح "مشرِق، مغرِب" عندالبعض مخالفِ قیاس
ضرورہے، لیکن استعمال عرب کے موافق ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے۔

فائدہ نمبر۵: غرابت کی کئی قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ لفظ کو بلا قرینہ اس طرح استعمال کیاہو، جس سے مقصود سمجھنے میں سامع کو حیرت ہوتی ہے، جیسے "مسرج" کا لفظ ایک شاعر نے ذکر کیاہے، لیکن ائمہ لغت نے دو معانی بیان کی ہیں، کسی نے باریکی اوراستواء کو مراد ہے تو کسی نے چمک دمک مراد لی ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ لفظ مجہول المعنی ہو، جس کا معنی معلوم کرنے کے لیے لغت کی کتابوں کی مراجعت کرنی پڑتی ہے، جیسے "تكأكأ"[2]۔

فائدہ نمبر۶: لفظِ مشترک کے کسی ایک معنی مقصودی پر دلالت کرنے والے قرینہ کو ذکر کرنے سے غرابت نہیں رہتی، جیسے ارشادہے۔ "فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ"(سورۃالاعراف:۱۵۷)اس آیت میں اللہ تعالی

---

(۱) جواہر البلاغہ:۲۰۔

(۲) جواہر البلاغہ:۸۔

نے "عَزَّر "لفظ مشترک کو ذکر کیا ہے، جو تعظیم واہانت میں مشترک ہے اس کیساتھ نصرت کو ذکر کیا ہے جو تعظیم کے معنی لینے پر قرینہ ہے۔

فائدہ نمبر۷: علامہ علاؤالدین ابن نفیس نے "الطریق الی الفصاحۃ" میں ذکر کیا ہے کہا گر کسی کلمہ میں کچھ قبح ہو اور اس کلمہ کو ایک صیغہ سے دوسرے کی طرف یا ایک وزن سے دوسرے وزن کی طرف یا ماضی سے استقبال کی طرف یا استقبال سے ماضی کی طرف نقل کرلیا جائے تو اس کلمہ کی قباحت دور ہو جاتی ہے، جیسے لفظ "خود" بمعنی "اسرع" قبیح ہے، لیکن اگر اس "خود" کو "امراۃ ناعمہ" کا اسم قرار دیا جائے تو اس کے قبح میں تخفیف ہو جاتی ہے، اسی طرح "وَدَعَ" ماضی قلیل الاستعمال ہونے کی بناء پر قبیح ہے اور فعل امر یا فعل مضارع کے صیغہ کیساتھ قبیح نہیں، اسی طرح لفظ "لُبٌّ" بمعنی "عقل" مفرد استعمال کیا جائے تو قبیح ہے اور جمع استعمال کیا جائے تو قباحت ختم ہو جاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: "لِأُولِي الْأَلْبَابِ." (آل عمران:۱۹۰) اس لفظ کو جب مفرد استعمال کیا جاتا ہے تو کسی اسم کی طرف مضاف کرتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ»[۱]"۔ یا اس کی طرف کسی اسم کی اضافت کرتے ہیں، جیسے جریر کا قول ہے۔

يَصْرَعْنَ ذَا اللُّبِ حَتَّى لَا حَرَاكَ بِهِ　　　وهُنَّ أَضْعَف خلق اللهِ أَرْكَانَا

اسی طرح لفظ "ارجاء" بمعنی "جوانب" اگر جمع استعمال کیا جائے تو مستحسن ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا" (سورۃ الحاقۃ:۱۷) اور اگر مفرد استعمال کیا جائے تو اضافت ضروری ہے، جیسے "رجا البئر" اسی طرح لفظ "اصواف" جمع ہونے کی صورت میں مستحسن ہے، جیسے قرآن مجید ہے۔ "وَمِنْ أَصْوافِهَا" (سورۃ النحل:۸۰)۔ اور مفرد ہونے کی صورت میں قبیح، جیسے ابو تمام کا شعر ہے۔

فکأنما لَبِسَ الزمانُ الصوفا

اور کبھی جمع کے مقابلہ میں مفرد مستحسن ہوتا ہے، جیسے تمام مصادر اور "طیف وطیوف وبقعۃ وبقاع" وغیرہ۔ ہاں اگر ان کی اضافت
کر دی جائے تو ان کے جمع استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں، جیسے "بقاع الارض"[۲]۔

---

(۱) صحیح بخاری:۱/۶۸، رقم:۳۰۴۔

(۲) عروس الافراح:۱/۴۲-۴۳، المزہر فی علوم اللغۃ للسیوطی:۱/۱۵۸، نیل الامانی:۱/۹۸۔

قاعدہ نمبر ۸: الفاظ کی تین قسمیں ہیں جن میں دو قسمیں حسن اور ایک قسم قبیح ہے، حسن وہ ہیں جو زمانہ قدیم سے اب تک مستعمل ہیں اور ان پر غیر مانوس الفاظ کا اطلاق نہ ہو۔ اور قبیح وہ ہیں جو زمانہ قدیم میں مستعمل ہوں اور پھر مہجور ہو گئے ہوں[۱]۔

فائدہ نمبر ۸: کسی لفظ کے معیوب ہونے کی دو وجہیں ہوتی ہیں، ایک لفظ کا غریب الاستعمال ہونا اور دوسرا یہ ہے کہ لفظ ثقیل علی السمع اور کریہہ علی الذوق ہو[۲]۔

قاعدہ نمبر ۹: کسی چیز کو دوبارہ ذکر کرنا تکرار کہلاتا ہے جو مخل بالفصاحت نہیں اور تین مرتبہ ذکر کرنا کثرتِ تکرار کہلاتا ہے، پھر اگر کثرتِ تکرار سے ان کلمات کو زبان سے ادا کرنا دشوار ہو۔ اور ان کا سننا کانوں پر ناگوار معلوم ہو تو مخل بالفصاحت ہے، ورنہ نہیں، لہٰذا اس آیت میں "وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا" (سورۃ الشمس: ۷-۸) میں "هَا" کی تکرار ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "الکریم بن الکریم بن الکریم"، میں "کریم" کی تکرار مخل بالفصاحت نہ ہو گی۔

---

[۱] ہامش جواہر البلاغہ: ۹۔

[۲] ہامش جواہر البلاغہ: ۹۔

فصلِ دوم: فصاحۃ الکلام کا بیان

فصاحۃ الکلام کی تعریف:

فصاحتِ کلام ضعفِ تالیف، تنافر کلمات [1] اور تعقید سے کلام کا خالی ہونا ہے اور اس کیساتھ ساتھ تمام کلمات فصیح ہوں، یعنی فصیح کلام وہ ہے جس کے تمام کلمات فصیح ہوں اور عیوب ستۃ (تنافر کلمات، ضعف تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی، کثرتِ تکرار، تتابع الاضافات) سے خالی ہو۔ الغرض فصیح کلام وہ ہے جس کے الفاظ آسان ہوں، معنی واضح ہو اور ترکیب عمدہ ہو، جیسے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّين"۔

ا۔۔۔۔تنافر الکلمات کا مفہوم:

تنافر الکلمات کا مطلب یہ ہے کہ کلام ایسے کلمات پر مشتمل ہو، جن کا تلفظ زبان پر دشوار ہو، اگرچہ وہ کلمات انفرادی طور پر فصیح ہوں، جیسے اس شعر میں ہے۔

وَقَبْرُ حَرْبٍ بِمَكَانٍ قَفْرُ ۔۔۔۔۔ وَلَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرُ

---

[1] تنافر کلمات یہ ہے کہ کلمات مجتمع ہو کر زبان پر ثقیل اور گراں ہوں، اگرچہ ان میں ہر کلمہ خود فصیح ہو۔ اب یہ ثقل کبھی پورے ایک کلمہ کے دوسرے کلمہ کیساتھ اجتماع کی بناء پر ہوگا، اس وقت میں یہ انتہائی ثقیل ہوگا۔ جیسے مذکور بالا شعر ہے۔ "وَقَبْرُ حَرْبٍ بِمَكَانٍ قَفْرُ---" یا ایک کلمہ کے بعض حروف کلمہ آخر کی حروف کیساتھ جمع ہو جائیں اور اس کی وجہ سے ثقل پیدا ہو جائے، یہ ثقل پہلے سے کم ہوتا ہے، جیسے ابو تمام حبیب بن اوس طائی کا شعر ہے۔

كَرِيمٌ مَتَى أَمْدَحْهُ أَمْدَحْهُ والْوَرَى ۔۔۔۔۔ مَعِي وَإِذَا مَا لُمْتُهُ لُمْتُهُ وَحْدِي

ترجمہ: وہ کریم ہے جب میں اس کی مدح کرتا ہوں تو مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے اور جب میں اس کو ملامت کرتا ہوں تو میں تنہا رہ جاتا ہوں۔

اس شعر میں وجہ تنافر کیا ہے؟ صاحب ایضاح فرماتے ہیں کہ اس میں "حا" اور "ہا" کا جمع ہونا باعثِ تنافر ہے، لیکن علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ محض "حا" اور "ہا" کا جمع ہونا مخل فصاحت نہیں، کیونکہ یہ تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔ "وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ" (سورۃ ق: ۴۰)۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ "أَمْدَحْهُ" کے مکرر ہونے کی بنا پر مخل فصاحت تنافر پیدا ہوگیا۔ علامہ ابن حازم نے "المنہاج" میں اس کی تصریح کی ہے۔ (عروس الافراح: ۱/ ۷۸)

ترجمہ: حرب کی قبر ایک ایسی جگہ میں ہے جہاں نہ پانی ہے نہ گھاس اور حرب کی قبر کے پاس کوئی دوسری قبر نہیں[1]۔

اس شعر میں منشاء ثقل نفس اجتماع کلمات ہے، ورنہ ان میں سے ہر ایک کلمہ فصیح ہی ہے۔

۲۔۔۔ضُعفِ تالیف کامفہوم:

ضُعفِ تالیف کا مطلب یہ ہے کہ کلام کی ترکیب مشہور و معروف قواعد نحویہ کے خلاف ہو، جیسے لفظا اور رتبۃ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہو[2]، جیسے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَلَوْ أَنَّ مَجْداً أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِداً مِنَ النَّاسِ أَبْقَى مَجْدُهُ الدَّهْرَ مُطْعِماً

ترجمہ: اگر زمانہ کسی کو بزرگی کی وجہ سے ہمیشہ اور ابد کی زندگی دیتا تو معطم بن عدی کو دیتا۔

اس شعر میں "مَجْدُهُ" کی "ہُ" ضمیر متصل بفاعل "مُطْعِم" کی طرف راجع ہے، جو لفظاً اور رُتبۃ دونوں اعتبار سے مؤخر ہے، حالانکہ مشہور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے مرجع کا لفظاً یا رتبۃً مقدم ہونا ضروری ہے[3]۔

---

(۱) عجائب المخلوقات میں ابو عبیدہ اور ابو عمرو شیبانی نے اس کا سبب یوں بیان کیا ہے کہ حرب بن امیہ جب اپنے بھائیوں کیساتھ وعطاظ کی لڑائی سے واپس ہوا تو اس کا گزر ایک ایسی سرسبز و شاداب زمین پر ہوا جہاں گھنی گنھی جھاڑیاں اور بڑے گنجان درخت کھڑے تھے۔ مرداس بن ابی عامر اسلمی نے کہا حرب! یہ زمین کھیتی کے لیے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے، اگر ہم ان جھاڑیوں کو جلاڈالیں اور کھیتی شروع کریں تو بہت نفع ہوگا، چنانچہ حرب نے ان کی تائید کی اور جنگل میں آگ لگادی، جب آگ کے شعلے بلند ہوئے تو جنگل سے آوازیں شروع ہوئیں اور کچھ دیر بعد اس میں سے سفید سفید سانپ اڑتے ہوئے نظر آئے حتی کہ جب جنگل بالکل جل گیا۔ تو اس کے کچھ دیر بعد حرب بن امیہ اور مرداس اسلمی دونوں کا انتقال ہو گیا تو ہاتف نے مذکورہ شعر اس کی قبر پر پڑھا۔ واللہ اعلم۔ (نیل الامانی:۱/۱۰۲)

(۲) ضعف تالیف یہ ہے کہ کلام کی ترکیب جمہور نحات کے مسلمہ قواعد کے خلاف ہو، جیسے ضمیر کا اپنے مرجع پر لفظاً، معنیً، حکماً ہر اعتبار سے مقدم ہونا جمہور نحات کے نزدیک ناجائز ہے، لہذا ہر وہ کلام جو اس قسم کی ضمیر پر مشتمل ہو غیر فصیح ہوگا، جیسے "ضرب غلامه زيداً" میں "غلامه" کی ضمیر اپنے مرجع "زیداً" پر ہر اعتبار سے مقدم ہے، تقدم لفظی تو ظاہر ہے، تقدیم معنوی اس لیے کہ کلام سابق میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو اس کے مرجع پر دال ہو۔ تقدم حکمی اس طرح کہ ضمیر کا مرجع "زیداً" کسی غرض کی وجہ سے مؤخر نہیں ہے۔ (ملخصًا نیل الامانی:۱/۱۰۰)

(۳) اضمار قبل الذکر کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے، ابن مالک، ابن جنی، اخفش وغیرہ حضرات نے قرآن مجید میں اور کلام بلغاء میں بظاہر اضمار قبل الذکر دیکھ کر جائز مانا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: " فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى." (سورۃ طہ:۶۷) اور بلغاء کے کلام میں ہے، جیسے شعر ہے۔

جزى ربّه عنّي عديّ بن حاتم جزاء الكلاب العاويات وقد فعل

وأجيب عنه بأن الضمير لمصدر جزى، وكذلك قوله:

۳۔۔۔تعقید کا مفہوم:

تعقید کا مطلب یہ ہے کہ کلام معنی مقصود پر خفی الدلالت ہو اور اس کا مطلب پوشیدہ ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔تعقیدلفظی ۲۔تعقیدمعنوی

۱۔۔۔تعقید لفظی کی تعریف:

تعقید لفظی یہ ہے کہ کلام کی ترکیب میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے ظاہر الدلالۃ نہ رہے، ترکیب میں خلل پیدا ہونے کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں، مثلاً کسی لفظ کو اس کے محل اصلی سے مقدم یا مؤخر کر دینا، یا کسی لفظ کو بلا قرینہ واضحہ حذف کر دینا، یا فصل بین اللفظین، حذف وغیرہ اسباب کی بناء پر کلام کے معنی سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جائے، جیسے شعر ہے۔

جَفَخَتْ وَهُمْ لاَ يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ   شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الأَغَرِّ دَلاَئِلُ

ترجمہ: ممدوح کے خاندان والے ایسے اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہیں، جو ان کے روشن ترین حسب ونسب پر دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ ان اخلاق نے ان کیساتھ رہنے پر اپنی بڑائی محسوس کی ہے، لیکن یہ لوگ اپنی پرہیزگاری کے سبب سے انکساری اور تواضع کے طور پر اپنے ان اخلاق سے کسی طرح کی بڑائی نہیں جتاتے۔

اس شعر میں تعقید لفظی اس طرح ہے کہ "جَفَخَتْ" فعل ہے اور اس کا فاعل "شِيَمٌ" ہے دونوں میں فصل بعید ہے، یعنی "وَهُم لاَ يَجْفَخُونَ بِهَا بِهِمْ"-پھر "بِهِمْ"، "جَفَخَتْ" کے متعلق ہے، یہاں بھی دونوں میں فصل ہے اور "دَلاَئِلُ"، "شِيَمٌ" کی صفت ہے، اس کو "عَلَى الْحَسَبِ الأَغَرِّ" پر مقدم کرنا چاہیے تھا، لیکن اس سے مؤخر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ "شِيَمٌ" موصوف اور "دَلاَئِلُ" صفت میں فصل ہے[1]۔

جزى بنوه أبا الغيلان عن كبر   وحسن فعل كما يجزى سنمّار

وأجيب عنه بجواز أن يكون الضمير لمتقدم فى بيت سابق. "لیکن جمہور کے نزدیک اضمار قبل الذکر جائز نہیں، اسی وجہ سے علامہ تفتازانیؒ نے مختصر المعانی میں "المشہور بین الجمہور" کی قید لگا کر یہ بتلایا ہے کہ اگر کلام کی ترکیب غیر مشہور قانون پر ہو تو وہ ضعف التالیف ہوگا۔ (عروس الافراح:۱/۷۵، نیل الامانی:۱/۱۰۰)

[1] الغرض ہر وہ چیز جس کی وجہ سے مراد کا سمجھنا دشوار ہو اور وہ چیز نظمِ کلام سے متعلق ہو۔ جیسے ہشام بن عبد الملک بن مروان کے ماموں ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل مخزومی کی تعریف میں ابو فراس فرزدق کا یہ شعر تعقید لفظی پر مشتمل ہے۔

ومَا مِثْلُهُ فِي النَّاسِ إلاّ مُمَلَّكاً   أبُو أمِّه حَيٌّ أبوهُ يُقَارِبُهْ

۲۔۔۔تعقید معنوی کی تعریف:

تعقید معنوی کا مطلب یہ ہے کہ کلام معنی مرادی پر اس وجہ سے ظاہر الدلالۃ نہ ہو کہ معنی لغوی حقیقی اور معنی مجازی مقصودی کے درمیان وسائط کثیرہ ہوں اور مقصود پر دلالت کرنے والے قرینے بھی خفی ہوں، جس کی وجہ سے مخاطب معنی مقصودی کو بآسانی نہیں سمجھ سکتا۔یعنی جس میں معنوی طور پر خلل واقع ہو، مثلاً الفاظ میں ایسے مجازات اور کنایات استعمال کیے جائیں کہ متکلم کا مقصود ان سے نہیں سمجھا جاتا ہو، جیسے "نَشَرَالملِكُ ألسنتَهُ في المدينة" بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلا دی ہیں۔اس مثال میں " ألسنتَهُ" سے جاسوس مراد ہیں، جب کہ اس موقع پر یہ جملہ صحیح ہے۔"نشرعيونه"، اس لیے کہ "عين" کا اطلاق جاسوس پر مجازاً ہوتا ہے بخلاف "لسان" کے کہ اس کا اطلاق جاسوس پر مجازاً صحیح نہیں ہے[۱]۔تعقید معنوی کی مثال عباس بن احنف کا یہ شعر ہے۔

ترجمہ: نہیں ہے ابراہیم جیسا لوگوں میں کوئی زندہ جو فضائل میں کے مشابہ ہو، لیکن وہ شخص ہے جو ملک دیا گیا ہے کہ اس کی (یعنی مملک کی) ماں کا باپ اور ابراہیم کا باپ ایک ہے، یعنی ابراہیم کا بھانجا ہشام اس کے مشابہ ہے۔

شعر کی اصل عبارت یوں ہے۔"ومَا مِثْلُهُ فِي النَّاسِ حَيٌّ يُقَارِبُهْ إلاّ مُمَلَّك أبُو أمَّه أبوهُ" اس میں مبتداء اور خبر "أبُو أمَّه أبوهُ" کے درمیان ایک اجنبی "حَيّ" کا فاصلہ ہے اور موصوف وصفت "حَيٌّ يُقَارِبُهْ" کے درمیان "أبوهُ" اجنبی کا فاصلہ ہے، اسی طرح مستثنی "مُمَلَّكاً" مستثنی منہ "حَيٌّ" پر مقدم ہے۔نیز بدل "حَيٌّ" اور مبدل منہ "مِثْلُهُ" کے درمیان طویل فاصلہ ہے۔ان امور کی وجہ سے کلام میں تعقید پیدا ہو چکی ہے۔

[۱] علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے فصاحت کلام کے تحقق کے لیے امور ثلاثہ مذکورہ کے علاوہ کثرت تکرار اور پے در پے اضافتوں سے خالی ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے، یعنی ان کے نزدیک ایک لفظ کا کلام میں بار بار آنا خواہ اسم ہو یا فعل یا حرف ہو یا اسم مضمر ہو یا مظہر یا چند اضافتوں کا پے در پے آنا بھی مخل فصاحت ہے۔ان حضرات نے کثرت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان کے ہاں تکرار بلا کثرت مخل نہیں، ورنہ تاکید لفظی کا تو باب ہی اٹھ جائے، جیسے متنبی کا یہ شعر ہے۔

وتُسْعِدُنِي فِي غَمْرَةٍ بَعْدَ غَمْرَةٍ سَبُوحٌ لَهَا مِنْهَا عَلَيْهَا شواهد

ترجمہ: اور مدد کرتا ہے میری ہر سختی میں خوش رفتار گھوڑا جس کے لیے اس کی ذات سے اس کی شرافت پر علامتیں ہیں۔

اس شعر میں ضمیر غائب کا تکرار ہے، اسی وجہ سے غیر فصیح ہے۔اور تتابع اضافات کی مثال عبد الصمد بن منصور بابک کا یہ شعر ہے۔

حَمَامَةَ جَرْعَى حَوْمَةِ الْجَنْدَلِ اسْجَعِي فَأَنْتَ بِمَرْأًى مِنْ سُعَادَ ومَسْمَعِ

ترجمہ: اے ریتلی اونچی پتھریلی زمین کی کبوتری تو گیت گا، کیونکہ تو ایسی جگہ میں ہے جہاں سعاد (محبوبہ) تجھے دیکھتی ہے اور تیری آوز کو سنتی ہے۔

اس شعر میں "حَمَامَةَ" کی اضافت "جَرْعَى" کی طرف ہے اور "جَرْعَى" کی اضافت "حَوْمَةِ" کی طرف اور "حَوْمَةِ" کی اضافت "الْجَنْدَلِ" کی طرف ہے۔

سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوا　　وَتَسْكُبُ عَيْنَايَ الدُّمُوعَ لِتَجْمُدا

ترجمہ: میں تم سے گھر کی دوری طلب کرتا ہوں تاکہ تم قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، تاکہ مسرت وخوشی حاصل ہو جائے۔

اس شعر میں شاعر نے "سکب دموع" سے مراد رنج و غم لیا ہے جو محبوب کے فراق اور اس کی جدائی کے وقت حاصل ہوتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے، اس لیے کہ سکب دموع بول کر حزن وملال سے کنایہ شائع ذائع ہے، محاورہ ہے۔"أبكاه الدهر، أی أحزنه"۔ لیکن "جمود عین" سے فرحت وسرور مراد لینا صحیح نہیں، اس لیے کہ "جمود عین" سے بخل دموع کی طرف کنایہ کیا جاتا ہے نہ کہ فرحت وسرور کی طرف [1]۔

علامہ تفتازانیؒ نے فصاحت کلام کے لیے کثرت تکرار اور تتابع اضافات سے خالی ہونے کی شرط کو محل نظر قرار دیا ہے، اس لیے کہ اگر یہ امور موجب ثقالت ہیں تب تو تنافر کی قید سے خارج ہو چکے ہیں، ورنہ پھر مخل فصاحت ہونے کے کوئی معنی ہیں نہیں، بالخصوص جب کہ قرآن وحدیث میں یہ چیزیں بکثرت موجود ہیں، قرآن مجید میں ہے۔" مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ "(سورۃ غافر:۳۱) اور " ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا "(سورۃ مریم:۲) اور " وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (۷) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا "(سورۃ الشمس:۷-۸) اور حدیث میں ہے۔" أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي "(صحیح بخاری:۶/۲۶۹۴، رقم:۶۹۷۰)

[1] اس شعر میں "سَأَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ" کی مختلف تقریریں ہیں، پہلی تقریر: علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ شعر کا معنی یہ ہے کہ میں آج اپنے نفس کو بُعد وفراق سے کی وجہ سے خوش کر رہا ہوں اور اسے رنج و غم کا عادی بنا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے ایسے غموں کو سہے رہا ہوں جو میرے آنسو بہا رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر کار دائمی وصال اور لازوال مسرت مل جائے گی، کیونکہ صبر کا نتیجہ میٹھا ہوتا ہے! اور ہر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔

دوسری تقریر: علامہ محب الدین آفندی نے شرح شواہد کشاف میں اس کی تقریریوں کی ہے کہ زمانہ انسان کی مراد کے خلاف چلتا ہے، اس لیے مرید وصال متمنی زوال ہوتا ہے اور باغی اتصال راجی انقطاع ہوتا ہے۔ ابو الحسن باخرزی کا شعر ہے۔

ولَطالَمَا اخترتُ الفراقَ مُغالِطاً　　واحتْلتُ فِي اسثمار غَرسِ ودادي
ورَغِبتُ عَن ذِكرِ الوصَالِ لِأَنَّهَا　　تُبنَى الأُمُورُ على خِلافِ مرادي

اُردو میں شعر ہے۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی　　آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کیساتھ

تیسری تقریر: مبرد نے "الکامل" میں کہا ہے کہ شاعر ایک فقیر ومسکین آدمی تھا جو کسب معاش کی خاطر اپنے اہل وعیال سے دور سفر کر رہا تھا تاکہ کچھ کما کر اپنے گھر پہنچ جائے اور اپنے اہل وعیال کے قریب ہو جائے، اس وجہ سے اس کی آنکھیں ترس رہی ہیں اور آنسو بہا رہی ہیں تاکہ ان کی پاس پہنچ جائے اور خوشی حاصل ہو۔ جیسے عروہ بن ورد کا شعر ہے۔

تَقُولُ سُلَيْمَى لَوْ أَقَمْتَ بِأَرْضِنَا　　وَلَم تَدْرِ أَنِّي لِلْمُقَامِ أُطَوِّفِ

فصلِ سوم: فصاحۃ المتکلم کا بیان

فصاحۃ المتکلم کی تعریف:

فصاحت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کے سبب سے متکلم اس بات پر قادر ہو کہ وہ اپنے مقصود کو فصیح الفاظ میں جس غرض کے لیے چاہے بیان کر سکے[1]۔ یعنی ایسا ملکہ ہے جس کی وجہ سے انسان لفظِ فصیح کیساتھ مقصود کو ادا کرنے پر قادر ہو۔ بالفاظِ دیگر عمدہ تعبیرات اور بلند و بالا اسالیب کے پڑھنے، منظوم و منثور کلام کو ضبط کرنے، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حفظ کرنے اور سمجھنے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم اپنے مقصود و مضمون کو فصیح الفاظ میں ادا کرنے پر بخوبی قادر ہو، خواہ کلام جس مضمون سے بھی متعلق ہو۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: کلام تب فصیح ہو گا جب عسیر النطق اور سریع الفہم ہو اور نحوی و صرفی قواعد و ضوابط کے مطابق ہو اور اس میں تقدیم، تاخیر اور تکرار بھی نہ ہو[2]۔

چوتھی تقریر: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ عاشق کا مقصود وصال ہوتا ہے اور معشوق فصال چاہتا ہے، اس لیے کہ شاعر نے اپنے معشوق کی رضا کی خاطر اپنے مقصود کو چھوڑ کر اس کے مقصود کی خواہش کی ہے تاکہ معشوق اس پر رحم کھائے اور نعمت وصل سے نوازے۔ جیسے شعر ہے۔

أريد وصاله ويريد هجري　　فاترك ما أريد لما يريد

لیکن قول فیصل یہ ہے کہ شاعر کی مقصود اس کے حال پر موقوف ہے، اگر شاعر حکماء اور متکلمین میں سے ہے تب تو علامہ تفتازانی کی رائے مناسب ہے اور اگر ظرف الطبع خوش مزاج ہے تو جمہور کی رائے پسندیدہ ہے اور اگر مفلس و نادر کثیر الاسفار ہے تو پھر امام مبرد کی رائے اقرب الی الصواب ہے۔(ملخصًا نیل الامانی:۱/۱۱۲)

[1] المتكلّم الفصيح هو من كان كلامه فصيحاً، وكان ذا ملكةٍ يقتدر بها على التعبير عن مقصوده بكلام فصيح، دون تَلَعْثُم، ولا تلكُّؤٍ، فما شاء من معنى استطاع التعبير عنه بيُسْرٍ وسُهولةٍ، وبكلام فصيح المفردات، وفصيح الجُمَل والتّراكيب.ومع الهبة الفطريّة لا يكون المتكلم فصيحاً في اللّسانِ العربيّ، حتّى يكون مُلمّاً باللّغة العربيّة، عالماً بقواعد نحوها وصرفها، واسع الاطلاع على مفرداتها ومعانيها الدقيقة، كثير النظر في كتب الأدب، مطّلعاً على أقوال كبار الفصحاء، له درايةٌ بأساليب العرب في شعورهم ونثرهم وأمثالهم وكناياتهم ومجازاتهم، حافظاً لطائفةٍ جَمَّةٍ من عيون كلام فصائحهم وبلغائهم من أهل النثر وأهل الشعر، وأن يمارس موهِبَتَهُ بالتطبيقات العمليّة، حتَّى يكتسب مهارة التعبير عن مقاصده وما يجول في نفسه من معانٍ بكلامٍ فصيح.(البلاغة العربية:١/١٢٧)

[2] ہامش جواہر البلاغہ:۲۰۔

قاعدہ نمبر۲:وہ اضمار قبل الذکر موجب ضعف تالیف ہے جس میں ضمیر کا مرجع لفظاً،معناً اور حکماً ہر اعتبار مؤخر ہو۔اگر ضمیر کا مرجع خواہ لفظاً مذکور ہو، جیسے ”جَاءَ نِي رجل فأكرمته“ یا رتبۃ ہو، جیسے ”ضرب غلامه زيد“ یا معناً مذکور ہو اس طور پر کہ کوئی فعل متضمن مرجع مقدم ہو اور وہ اس پر دلالت کرتا ہو، جیسے ” اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى.“ (المائدۃ:۸) یا سیاق کلام ضمیر کے مرجع کو مستلزم ہو، خواہ یہ استلزام قریبی ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے: ”وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ.“(النساء:۱۱) یا استلزام بعیدی ہو، جیسے ارشاد ہے:”حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ.“(ص:۳۲) کہ اس میں ”تَوَارَتْ“ کی ضمیر کا مرجع ”شمس“ ہے جس پر لفظ ”عشی“ دال ہے۔ یا مبتداء ہو جو خبر پر مقتضی تقدم ہو، جیسے ”في داره زيد“ یا باب ”اعطيت“ کا مفعول اول ہو جو فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسے ”أعطيت درهمه زيدا“۔یا ضمیر کا مرجع حکماً مقدم ہو، یعنی کسی غرض کی وجہ سے مؤخر ہو، جیسے ضمیر شان وغیرہ۔لہٰذا مذکورہ تمام صورتوں میں اضمار قبل الذکر موجب ضعف نہیں [۱]۔

قاعدہ نمبر۳:جب کلام میں ضمیر منفصل ہو اور ضمیر متصل کا امکان بھی ہو، یا اس کے برعکس ہو تو یہ بھی من جملہ ضعف تالیف میں داخل ہے [۲]۔

قاعدہ نمبر۴: فعل مضارع کا دخول نواصب وجوازم کے بغیر منصوب یا مجزوم ہونا بھی ضعف تالیف میں داخل ہے [۳]۔

قاعدہ نمبر۵:تعقید لفظی کا منشا یہ ہے کہ جن کلمات میں وصل ضروری ہو ان میں فصل لایا جائے، جیسے موصوف اور صفت، مبدل منہ اور بدل، مبتداء اور خبر، مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان فصل لایا جائے اور یہ قواعد کے رُو سے مذموم ہے [۴]۔

فائدہ نمبر۱:تعقید معنوی میں معنی مرادی کے سمجھنے میں جو دشواری ہوتی ہے اس کا مدار قرائن کے خفاء پر ہے اگر قرائن خفی ہوں تو دشواری ہوگی، ورنہ نہیں، خواہ وسائط کثیر ہوں، جیسے ”فلان كثير الرماد“(فلاں بہت زیادہ راکھ والا ہے)،”فلان هزيل الفصيل“(فلاں دربل بچھڑوں والا ہے) مراد دونوں مثالوں میں یہ ہے کہ فلاں بہت سخی ہے۔ان دونوں مثالوں میں وسائط کثیر ہوں، پھر بھی تعقید نہیں، کیونکہ قرائن خفی ہیں۔یا وسائط کثیر نہ ہوں، جیسے ”فلان

---

(۱) ملخصاً نیل الامانی:۱/۱۰۱۔

(۲) البلاغۃ العربیہ:۱/۱۲۱۔

(۳) البلاغۃ العربیہ:۱/۱۲۱۔

(۴) ہامش جواہر البلاغہ:۲۲۔

طویل النجاد"(فلاں شریف الاصل ہے)۔اس شعر"ساطلب الخ۔۔۔"میں جمود عین سے فرحت وسرور کی طرف انتقال کرنا گو بعض وسائط سے ہو سکتا ہے، جیسے کہا جائے۔جمود عین کب ہوتا ہے؟جب انتفاء دموع ہو اور انتفاء دموع کب ہوتا ہے؟جب انتفاء حزن ہو اور انتفاء حزن کب ہوتا ہے جب وجود سرور ہو۔پس جمود عین سے فرحت وسرور کی طرف انتقال ہو سکتا ہے، لیکن قرائن چونکہ خفی ہیں، جن کی وجہ سے کلام میں پیچیدگی بڑھ گئی ہے، اس لیے یہ انتقال صحیح نہیں۔

قاعدہ نمبر۶:وہ کلمات جس کو اہل عرب کسی مخصوص غرض کے لیے استعمال کرتے ہوں انہوں متکلم اس سے ہٹ کر دیگر اغراض کے لیے استعمال کرے تو یہ اعراض عن اسالیب العرب کے قبیل سے ہو گا اور یہ تعقید معنوی شمار ہو گا، کیونکہ یہ اسلوب غیر ظاہر المراد ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر۷:تتابع اضافات سے کتنی اضافتیں مراد ہیں، اس کی تصریح نہیں گئی ہے، البتہ صاحب ایضاح کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو اضافتیں کافی ہیں۔اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں بیشتر ذخیرہ اس پر مشتمل ہے، لہذا ان حضرات کے نزدیک یہ سب غیر فصیح ہوا۔اس لیے لامحالہ کراہت تتابع اضافات کو چند شرائط کیساتھ مشروط کرنا ہو گا:۔ا۔ کم از کم تین اضافتیں ہوں۔ ۲۔ اس میں سے کوئی بھی نفس جزء یا مثل جزء نہ ہو۔ ۳۔ سب سے بعد والا مضاف الیہ ضمیر نہ ہو۔ ۴۔اضافت علم کی جانب نہ ہو۔اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر ان کے نزدیک بھی کسی آیت پر اعتراض نہ ہو گا[۲]۔

قاعدہ نمبر۸:صاحب تلخیص نے باب قصر میں تکرار کو عیب شمار کیا ہے، علامہ سکاکی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تاہم ایضاح کے باب قصر میں کہتے ہیں کہ یہ عیب نہیں، بلکہ باب اطناب میں باعث حسن قرار دیا ہے اور باب ایجاز میں پھر وہی عیب شمار کیا ہے؟یہ تو کھلا تدافع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل تکرار علی الاطلاق نہ مستحسن ہے اور نہ قبیح ہے، بلکہ بعض مستحسن ہے، بعض قبیح ہے، امام حازم بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ تکرار مواضع شوق ومدح میں مستحسن ہے[۳]۔

---

[۱] جواہر البلاغہ:۲۳۔

[۲] ملخصاًنیل الامانی:۱/۱۱۵۔

[۳] نیل الامانی:۱/۱۱۵۔

قاعدہ نمبر ۹: تتابع اضافت کا مطلب یہ ہے کہ کسی اسم کا اس طرح مضاف ہونا کہ ایک مضاف دوسرے مضاف سے پے در پے ملا ہوا ہو۔ اور اس سے کلام میں ثقل پیدا ہو، لیکن اگر وہ کلام باوجود تتابع اضافت کے ثقیل نہ ہو تو وہ مخل بالفصاحت نہ ہوگا، جیسے "ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا" (سورۃ مریم:۲) اور "مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ" (سورۃ غافر:۳۱) میں تتابع اضافت مخل بالفصاحت نہ ہوگی، کیونکہ ان کی ادائیگی میں دشواری اور سننے میں ناگواری نہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۱۰: تنافر حروف میں ایک کلمے کا تلفظ دشوار ہوتا ہے جب کہ تنافر کلمات میں تنہا کلمات کا تلفظ دشوار نہیں ہوتا، بلکہ چند کلمات کی اجتماعی کیفیت سے تلفظ میں دشواری ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱: اگر کلام نحوی متفق علیہ قاعدے کے خلاف ہو تو وہ کلام فاسد ہو جائے گا، جیسے فاعل کو جر دینا اور مفعول کو رفع دینا وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۱۲: تعقید میں بلافائدہ معنی مقصودی کو سمجھنے کے لیے ذہن کو تھکا دیا جاتا ہے، ورنہ معانی دقیقہ اور نکات غریبہ کے ادراک کے لیے ذہن کو تھکانہ ایک امر مستحسن ہے۔

---

[1] نیل الامانی: ۱/۱۱۵۔

فصل چہارم: بلاغت کا بیان

بلاغت کا لغوی مفہوم:

بلاغت ثلاثی مجرد سے مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: انتہاء کو پہنچنا، وصول وانتہاء، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا"(سورة الکہف:۶۱)، عربی محاورہ ہے۔"بلغ فلان مراده"(فلاں آدمی اپنی مراد کو پہنچ گیا)۔ اسی طرح کہاجاتاہے۔"بلغ الركب المدينة"(کارواں شہر پہنچ گیا)۔ اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ بلاغت ایسے قواعد کے جاننے کانام ہے جس کے ذریعہ متکلم معانی مقصودہ کوایسی فصیح عبارت میں اداکرنے پر قادر ہو، جو مقتضائے حال کے مطابق ہو اور محسنات ذاتیہ وعرضیہ (یعنی ظاہری وباطنی خوبصورتی) سے مزین ہو[1]۔

---

[1] بلاغت کی اصطلاحی تعریف میں متقدمین اہل معانی سے اقوال منقول ہیں، علامہ ابو ہلال حسن بن عبد اللہ عسکری نے "الصناعتین" میں اورامام جاحظ نے "البیان والتبیین" میں تقریباً پندرہ تعریفیں نقل کی ہیں، صاحب عروس الافراح نے تیئیس(۲۳) تعریفیں نقل کی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔" وللمتقدمين فى البلاغة رسوم واهية، قيل: لمحة دالة، وقيل: معرفة الوصل من الفصل. نقلوه عن ابن جنى، ونقله فى موارد البيان عن الفارسى، وقيل: الإيجاز من غير عجز، والإطناب من غير خطل، وقيل: اختيار الكلام، وتصحيح الأقسام. وقيل: قليل يفهم، وكثير لا يسأم. وقيل: الإشارة إلى المعنى بلمحة تدل عليه. وقيل: الإيجاز مع الإفهام والتصرف من غير إضجار. وقيل: إدراك الطالب، وإقناع السامع. وقيل: تصحيح الأقسام، واختيار الكلام. وقيل: وضوح الدلالة، وانتهاز الفرصة، وحسن الإشارة، نقل أكثر ذلك فى موارد البيان. وقال محمد ابن الحنفية: قول تضطر العقول إلى فهمه بأيسر العبارة، وقال بعض أهل الهند: هى النظر بالحجة، والمعرفة بمواقع الفرصة، وقيل: إجاعة اللفظ بإشباع المعنى، وقيل:معان كثيرة فى ألفاظ قليلة، وهى: إصابة المعنى وحسن الإيجاز، وقال الخليل: كلمة تكشف عن البغية، وقيل: إبلاغ المتكلم حاجته بحسن إفهام السامع، وقيل: أن تفهم المخاطب بقدر فهمه من غير تعب عليك، وقيل: حسن العبارة مع صحة الدلالة، وقيل: دلالة أول الكلام على آخره، وارتباط آخره بأوله، وقيل: القوة على البيان مع حسن النظام. وعن الخليل أيضا: البلاغة ما قرب طرفاه وبعد منتهاه، وقال أرسطاليس: البلاغة حسن الاستعارة. وقال خالد بن صفوان: البلاغة إصابة المعنى، وقصد الحجة، وقال إبراهيم الإمام: هى الجزالة والإطالة. وقيل: تقصير الطويل، وتطويل القصير. وقال ابن المعتز: هى بلوغ المعنى، ولما يطل سفر الكلام. وقال ابن الأعرابى: التقرب من البغية، ودلالة قليل على كثير. وقيل: إهداء المعنى إلى القلب فى أحسن صورة من اللفظ، وقيل: ما صعب على التعاطى، وسهل على الفطنة. وقيل: سد الكلام ومعانيه، وإن قصر، وحسن التأليف، وإن طال. والظاهر أن أكثر هذه العبارات إنما قصدوا بها ذكر أوصاف للبلاغة، ولم يقصدوا حقيقة الحد ولا الرسم"(عروس الافراح:۱/۹۰-۹۱)

پھر بلاغت کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔بلاغۃالکلام ۲۔بلاغۃالمتکلم

۱۔۔۔۔بلاغۃالکلام کی تعریف:

کلامِ بلیغ اس کو کہتے ہیں کہ کلام فصیح (یعنی معائب اربعہ تنافرالحروف، تعقید، غرابت اور مخالفت قیاس سے خالی ہو)ہونے کیساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہو[1]۔حال وہ امر ہے جو متکلم کو اس بات کی دعوت دیتا ہو کہ متکلم اپنے کلام میں جس کے ذریعہ مراد ادا کرنا چاہتا ہے کسی خصوصیت اور نکتے کا اعتبار کرے اور وہ خصوصیت اور نکتہ جس کا حال تقاضہ کرتا ہے مقتضٰی حال کہلاتا ہے اور کلام کا اس خصوصیت پر مشتمل ہونا مطابقتِ مقتضٰی حال ہے، مثلاً: مخاطب کا منکرِ حکم ہونا حال ہے جو تاکیدِ حکم کا تقاضہ کرتا ہے اور تاکیدِ حکم مقتضٰی حال ہے اور اس مخاطب کے سامنے "إنَّ زیداًفی الدار"میں "إنَّ"کیساتھ مؤکد کرکے کلام کرنا مطابقتِ مقتضٰی حال ہے۔اس کلام کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ کلام ایسا ہے جو مقتضٰی حال کے مطابق ہے۔

۲۔۔۔۔بلاغۃالمتکلم کی تعریف:

بلاغت متکلم ایک ایسا ملکہ ہے جس کی وجہ سے متکلم کلامِ بلیغ پر قادر ہو،یعنی عمدہ تراکیب اور بلند تعبیرات کا بکثرت مطالعہ کرنے سے متکلم میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم ہر کسی مضمون کو بلیغ کلام کے ذریعے تعبیر کرنے پر قادر ہو جائے۔ متکلم بلیغ کو چاہیے کہ اقدارالمعانی،اقدارالمستمعین،اقدارالاحوال کے درمیان موازنہ کرے اور ہر طبقے کیساتھ مناسب گفتگو کرے[2]۔

---

[1] کلام کو مقتضی حال کے مطابق کرنے شیخ عبدالقاہر جرجانی نے نظم سے تعبیر کیا ہے،چنانچہ فرماتے ہیں۔"النظم هو توخي معاني النحو فيما بين الكلام على حسب الأغراض التي يصاغ لها الكلام"،یعنی نظم کلام کے معنی یہ ہیں کہ کلمات کے درمیان اغراض کے مطابق جن کے پیش نظر کلام کیا جارہا ہے معانی نحو کی جستجو اور نگہداشت کی جائے۔چنانچہ شیخ عبدالقاہر نے اپنی کتاب میں بہت سی جگہ نظم کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کلام کے ہر ہر مفرد اور ہر ہر مرکب کو قوانین نحو پر عمل کرتے ہوئے ان کا مواضع پر رکھا جائے جن کا علم نحو مقتضی ہے مثلاً خبر میں اس کی اسمیت،افراد، تنکیر، تذکیر اور اس کا جملہ فعلیہ ہونا،مقدم ہونا،مؤخر ہونا،معرفہ ہونا ان سب پر غور کیا جائے، جیسے"زیدمنطلق،ینطلق زید،زیدالمنطلق،المنطلق زید،زیدھوالمنطلق، زیدھومنطلق"۔اسی طرح شرط وجزاء میں غور کیا جائے"إن تخریج أخرج، إن خرجت خرجت،إن تخریج فإناخارج"۔اسی طرح حال میں،جیسے"جاء نی زیدمسرعا،جاء نی زید یسرع،جاء نی زید وھویسرع،جاء نی زید قدأسرع"۔معلوم ہوا کہ شیخ کے نزدیک تطبیق الکلام لمقتضی الحال ہی نظم ہے۔(ملخصًا نیل الامانی:۱/۱۲۸)

[2] جواہر البلاغہ:۲۴۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: فصیح و بلیغ کلام پر قادر ہونے کے لیے فنونِ خمسہ (صرف، نحو، لغت، معانی، بیان) کو جاننا اور فصحائے عرب کے کلام کو بکثرت مطالعہ کرنا ضروری ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: "حال" اس موقع و محل کو کہتے ہیں، جو متکلم کو مخصوص انداز میں عبارت لانے پر اُبھارے اور اس کو "مقام" بھی کہتے ہیں[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: "مقتضیٰ" کلام کے اس مخصوص انداز کو کہتے ہیں، جس کا حال تقاضہ کر رہا ہو کہ اس موقع پر کلام ہو تو ایسا ہو۔ اس کو "اعتبار مناسب" بھی کہتے ہیں[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: "مطابقت" حال کی رعایت کرتے ہوئے کلام کو مخصوص انداز میں پیش کرنے کو کہتے ہیں، جیسے مخاطب کسی بات کا انکار کر رہا ہو تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے کلام کو مؤکد لایا جائے۔ دیکھئے! یہاں مخاطب کا انکار ایک "حال" ہے، کیونکہ اُسی نے کلام کو مؤکد لانے پر اُبھارا ہے۔ تاکید "مقتضیٰ" ہے اور منکر کے سامنے کلام کو مؤکد پیش کرنا "مطابقت" کہلاتا ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر ۵: تنافرِ حروف اور تنافرِ کلمات ذوقِ سلیم کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں اور مخالفتِ قیاس لغوی علم الصرف کے ذریعے پہچانا جاتا ہے اور جب کہ غرابت لغات اور کلامِ عرب پر کثرتِ اطلاع سے معلوم ہوتی ہے۔ اور ضعفِ تالیف و تعقیدِ لفظی علم النحو اور تعقید معنوی علم البیان اور احوال اور ان کے مقتضیات علم المعانی کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں[۵]۔

قاعدہ نمبر ۶: مقتضیٰ حال مفہوم کلی (مثلاً کلام مؤکد) ہے جو اپنے جزئیات پر صادق و محمول ہوتا ہے، مثلاً انکار حالت مخاطب ہے اور "إِنَّ زیداً قَائم" کلام جزئی ہے اور کلام مؤکد کلام کلی ہے جو کلام جزئی پر مشتمل ہے، حاصل فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ظاہری صورت میں مقتضی الحال خصوصیت سے عبارت ہے اور مطابقت کلام خصوصیت

---

(۱) دروس البلاغہ: ۲۴۔

(۲) دروس البلاغہ: ۲۴۔

(۳) تلخیص المفتاح: ۳۵۔

(۴) دروس البلاغہ: ۲۴۔

(۵) دروس البلاغہ: ۲۵۔

مذکورہ پر مشتمل ہوناہے اور تحقیقی صورت میں مقتضی الحال کلام کلی ہے جو خصوصیت مذکورہ پر حاوی ہے اور مطابقت کلام یہ کہ کلام جزئی کلام کلی کے جزئیات میں سے ہے اور کلام کلی اس پر صادق و محمول ہے۔ رہاحال وہ دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی میں ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۷: بلغاء کے نزدیک کلام کے حسن و قبول کامدار صرف اعتبار مناسب کی مطابقت وعدم مطابقت پر ہے، پس جو کلام اعتبار مناسب کے مطابق ہو گاوہ اعلی درجہ کی قبولیت پائے گااور جو مطابقت سے خالی ہو گاوہ قبولیت کے مرتبہ سے گر جائے گا، تفصیل یہ ہے کہ کلام کی رفعت وعظمت مختلف پہلوؤں سے ہوتی ہے، کبھی ترغیب وترہیب کے اعتبار سے، کبھی پند ونصیحت کے لحاظ سے، کبھی اعلام عن الواقع کی وجہ سے، اگر ترغیب وترہیب کے اعتبار سے ہو تو اس کامعیار قبولیت تاثیر کا قلیل وکثیر ہوناہے اوراگر پند ونصیحت کے لحاظ سے ہو تواس کا معیار بے تعداد نصائح پر مشتمل ہوناہے اوراگر بوجہ اعلام ہو تواس کامعیار صدق پر حاوی ہوناہے، پس کلام جس قدر خصوصیات میں بڑھتا جائے گااسی قدر بلند ہو تا چلا جائے گا یہاں تک مرتبہ اعجاز کو پہنچ جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۸: فصیح وبلیغ کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، بلیغ خاص ہے اور فصیح عام ہے۔ لہذا "کل بلیغ فصیح" کہاجا سکتاہے اوراس کاعکس لغوی "کل فصیح بلیغ" صحیح نہیں، کیونکہ ہو سکتاہے کوئی کلام فصیح ہو اور مقتضاء حال کے مطابق نہ ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے مقصود کوالفاظ فصیحہ کیساتھ اداکرنے کاملکہ رکھتاہو اور مقتضاء حال کے مطابق تالیف کلام کاملکہ نہ رکھتاہو[۲]۔

قاعدہ نمبر ۹: لفظِ بلیغ سے مرادمایطلق علیہ لفظ البلیغ ہے جس میں کلام بلیغ اور متکلم بلیغ دونوں داخل ہیں۔

---

[۱] نیل الامانی: ۱/۱۲۱۔

[۲] تلخیص المفتاح: ۳۶۔

فصلِ پنجم: فصاحت اور بلاغت لفظ کی صفات ہیں یا معانی کی؟!

اہل معانی کا اس بات میں اختلاف ہے کہ فصاحت وبلاغت لفظ کی صفات ہیں یا معنی کی؟ نیز فصاحت وبلاغت میں ترادف ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟ امام حازم نے افلاطون سے نقل کیا ہے کہ فصاحت کیساتھ صرف موجود متصف ہو سکتا ہے اور بلاغت کیساتھ موجود اور مفرد دونوں متصف ہو سکتے ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ کا میلان اس طرف ہے کہ فصاحت الفاظ و معانی دونوں کی طرف راجع ہے۔ شیخ تقی الدین قشیری فرماتے ہیں کہ اگر فصاحت کو الفاظ کیساتھ خاص کیا جائے تو امام رازیؒ کی طرف اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور اگر مختص نہ کیا جائے تو معنی کا فصاحت کیساتھ متصف ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات محلِ نظر ہے۔ شیخ عبد اللطیف بغدادی نے "قوانین البلاغۃ" میں کہا ہے کہ بلاغت ایک ایسی شئ ہے کہ جو معنی سے شروع ہوتی ہیں اور لفظ پر منتہی ہوتی ہے اور فصاحت ایسی شئ ہے جو لفظ سے شروع ہوتی اور معنی پر اس کی انتہاء ہوتی ہے۔

صاحب ایضاح نے شیخ عبد القاہر جرجانی سے ان کی کتاب "دلائل الاعجاز" کی مختلف عبارتیں نقل کی ہیں جو بظاہر متناقض معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"علمتَ أنَّ الفصاحةَ والبلاغةَ وسائرَ ما يَجري في طريقِهما أوصافٌ راجعةٌ إلى المعاني، وإلى ما يُدَلُّ عليه بالألفاظِ، دونَ الألفاظِ أنفُسِها"[1]۔

تمہیں اس بات کا علم ہے کہ فصاحت وبلاغت اور وہ تمام چیزیں جو فصاحت وبلاغت میں جاری ہوتی ہیں یہ سب ایسے اوصاف ہیں جو معنی کی طرف راجع ہیں اور ان چیزوں کی طرف راجع ہیں جن پر الفاظ دلالت کرتے ہیں نفس الفاظ کے اوصاف نہیں ہیں۔ اس عبارت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت وبلاغت معنی کی صفت ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"ومعلومٌ أنَّ سبيلَ الكلامِ سبيلُ التصويرِ والصياغةِ، وأنَّ سبيلَ المعنى الذي يُعَبَّرُ عنه سبيلُ الشيءِ الذي يقعُ التصويرُ والصَّوْغُ فيه، كالفضةِ والذهبِ يُصاغ منهما خاتَمٌ أو سوارٌ. فكما أنَّ مُحالاً إذا أنتَ أردْتَ النظرَ في صَوْغَ الخاتَم، وفي جودةِ العملُ ورداءتهِ، أن تنظر إلى الفضةِ الحاملةِ تلك الصورةِ، أو الذهبِ الذي وقع فيه ذلك العملُ وتلكَ الصنعةُ كذلك مُحالٌ إذا أردتَ أن تَعرف مكانَ الفضلِ والمزيةِ في الكلامِ، أن تَنظُرَ في مجرَّد معناهُ وكما أنَّا لو فضَّلْنا خاتَماً على خاتمٍ، بأنْ

---

[1] دلائل الاعجاز: ۲۵۹۔

تكونَ فضة هذه أجودَ، أو فَصُّه أنفسَ، لم يكنْ ذلك تفضيلاً له من حيثُ هو خاتمَ كذلك ينبغي إذا فضَّلنا بيتاً على بيتٍ من أجلِ معناه، أن لا يكون ذلك تَفضيلاً له مِنْ حيثُ هو شِعرٌ وكلامٍ.[۱]" .

"یہ بات واضح ہے کہ کلام کا اندازِ تصویر اور زیور سازی کے انداز پر ہے جس طرح چاندی اور سونے سے مختلف اوضاع کے زیورات بنائے جاتے ہیں، اسی طرح معانی کو بھی مختلف پیرایوں میں ادا کیا جاتا ہے، پس جس طرح انگوٹھی کی خوبی اور خرابی میں تنہا چاندی کا دیکھنا ناکافی ہے، اسی طرح کلام کے محاسن اور معائب معلوم کرنے کے لیے تنہا معانی کا استحضار کافی نہ ہوگا اور جہاں چاندی کی جودت اور نگینہ کی نفاست اعلی صیاغت کی وجہ سے فضیلت من حیث ہو خاتم نہیں ہے۔ وہیں کسی کلام اور کسی شعر کو معانی کی عمدگی اور اسلوب بیان کی شائستگی کی وجہ سے فصیلت دینا من حیث ہو کلام اور من حیث ہو شعر نہیں ہو سکتا۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فصاحت معنی کی طرف راجع نہیں، اب بظاہر ان دونوں قولوں میں تعارض ہے، صاحب تلخیص المفتاح شیخ عبد القاہر جرجانی کے دونوں کلاموں میں تطبیق دینے کے لیے بلاغت کی تعریف سابق پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بلاغت کی تعریف سابق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بلاغت لفظ کی صفت ہے اس لیے کہ بلاغت کے معنی ہیں کلام فصیح کا مقتضی حال کے مطابق ہونا۔ اور ظاہر بات ہے کہ مطابقت مطابق کی صفت ہے اور وہ کلام ہے جو الفاظ کا مجموعہ ہے، لہذا بلاغت لفظ ہی کی صفت ہوگئی اور یہ کہہ سکیں گے کہ "هذا كلام بليغ"۔ لیکن بلاغت کا لفظ کی صفت ہونا نہ تو اس اعتبار سے ہے کہ وہ محض لفظ اور مجرد صورت ہے اور نہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ معانی اولیہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو بقول امام جاحظ مطروح فی الطریق ہے، جن کو عربی، عجمی، بدوی، قروی، ہر کس و ناکس اٹھا سکتا ہے، لہذا ایک اہل بلاغت اس کا ارادہ نہیں کر سکتے، بلکہ فصاحت و بلاغت جو لفظ کی صفت ہے وہ اس کے افادہ معانی ثانویہ کے اعتبار سے ہے جو ترکیب سے حاصل ہوتے ہیں۔ معانی ثانویہ سے مرادہ خصوصیات ہیں جو مقام کے مناسب ہوتی ہیں اور کلام کی غرض اس سے وابستہ ہوتی ہیں، جیسے تاکید بوقت انکار اور عدم تاکید بوقت خلو ذہن وغیرہ[۲]۔

---

[۱] دلائل الاعجاز: ۲۵۴-۲۵۵۔

[۲] تلخیص المفتاح: ۳۶، عروس الافراح: ۱/ ۹۲، نیل الامانی: ق/ ۱۲۹۔

[مبادیات فن]

علم المعانی[۱] کی تعریف:

"معانی"، "معنی" کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں: مطلوب، مراد، مقصود، مدعیٰ اور منشاء وغیرہ۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: "أصولٌ وقوَاعِد يُعرف[۲] بها أحوال الكلام العربي[۳] التي يكون بها مُطابقاً لِمقتضى الحال بحيث يكون وفق الغَرَضِ الذي سيقَ له."

علم المعانی وہ علم ہے جس کے ذریعہ لفظِ عربی کے ان احوال کی معرفت حاصل کی جاتی ہے، جن کے ذریعے الفاظ کو مقتضی حال کے مطابق لایا جاتا ہے۔

بعض حضرات یوں تعریف بیان فرماتے ہیں۔

"وهو علم تعرف به أحوال اللفظ العربي التي بها يطابق اللفظ لمقتضى الحال"[٤]۔

---

[۱] إنما قدم هذا على علم البيان والبديع؛ لأنه منهما كالأصل للفرع. قال الخطيبي: علم المعانى يبحث عما يعرف منه كيفية تأدية المعنى باللفظ، وعلم البيان يبحث عما يعلم منه كيفية إيراد ذلك المعنى فى أفضل الطرق دلالة عقلية. فنسبة علم المعانى إلى علم البيان نسبة المفرد إلى المركب، ولذلك قدم عليه. (عروس الافراح: ۱/۹۶)

[۲] لفظ معرفت اور اس کے مشتقات کا استعمال جزئیات کے ادراک میں ہوتا ہے اور لفظ علم اور اس کے مشتقات کا استعمال ادراک کلیات میں ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔" فالمعرفة تتعلق بالبسيط، والعلم بالمركب؛ ولذلك يقال: عرفت الله لا علمته." نیز علم کا تعلق نسب کیساتھ ہوتا ہے اور معرفت کا تعلق ذوات کیساتھ یہ بھی مشہور ہے کہ معرفت تقدم جہل کو متدعی ہوتی ہے اور علم اس کا متدعی نہیں ہوتا۔ قاضی ابو بکر نے "تقریب" اور "ارشاد" میں اس کی تصریح کی ہے۔ نیز معرفت تدقیق وتامل کو چاہتی ہے علم میں یہ بات نہیں۔ "یقال: علم الله، ولا یقال: عرف الله"۔ امام رافعی نے "تذنیب" میں اور امام آمدی نے "ابکار الافکار" میں یہی ذکر کیا ہے، چونکہ احوال جزئیات ہیں، اس لیے کہ "یعرف" کہا گیا ہے۔ علامہ ابن سینا نے علم طب کے تعریف میں اور شیخ ابو عمرو نے علم صرف کی تعریف میں "یعرف" ہی کہا ہے۔ (عروس الافراح: ۱/۹۶)

[۳] علم معانی کی تدوین معرفت اسرار قرآن کے لیے کی گئی ہے اور قرآن مجید عربی میں ہے، اس لیے عربی کی قید کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اصل مقصود پیش نظر رہے۔ یہ مطلب نہیں کہ علم معانی کے قوانین غیر عربی الفاظ میں جاری نہیں ہوسکتے، تاہم "اقصی القرب" میں قاضی تنوخی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت کلام عرب کیساتھ مخصوص ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں، اس لیے کہ ہر زبان میں تنافر حروف، غرابت، مخالفتِ قیاس وغیرہ عیوب پائے جاتے ہیں، اگر عجمی کلمہ ان چیزوں سے خالی ہو تو اس کو فصیح کہا جائے گا ورنہ نہیں۔ الغرض فصاحت کو عربی کیساتھ خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ (عروس الافراح: ۱/۹۷)

[٤] تلخیص المفتاح: ۳۷. کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/۲۴۔

علم معانی وہ علم ہے جس میں عربی لفظ کے وہ احوال معلوم ہوتے ہیں، جن کے ذریعے لفظ مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے، یعنی معانی وہ علم ہے جس کے قواعد مستحضر رکھنے سے کلمہ اور کلام کو باموقع استعمال کرنا آجاتا ہے۔

علامہ ابویعقوب سکاکیؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ علم معانی خواص تراکیب، کلام بلغاء کے تتبع کو کہتے ہیں تاکہ ان خواص پر آگہی ہوجانے سے کلام کو مقتضی الحال کے مطابق کرنے میں غلطی واقع ہونے سے احتراز ہوسکے[۱]۔

علم المعانی کا موضوع:

"اللَّفظُ العربي من حيثُ إفادتُه المعاني الثَّواني التي هي الأغراض المقصودةُ للمتكلّم."

عربی لفظ کے ان معانی ثانویہ[۲] کو جاننا جن کیساتھ متکلم کی غرض وابستہ ہو۔ بالفاظِ دیگر علم معانی کا موضوع تراکیب بلغاء کا اس حیثیت سے ہونا کہ وہ مقتضی حال کے مطابق ہوں۔

علم المعانی کی غرض وغایت:

کلام کو مقتضی حال کے مطابق ترکیب دینے میں خطاء واقع ہونے سے بچنا۔

بعض حضرات علم معانی کا غرض یوں بیان فرماتے ہیں۔

"معرفة إعجاز القرآن الكريم من جهة ماخصّه الله به من جودة السبَّك، وحُسن الوصف، وبَراعة التَّراكيب ولُطف الإيجاز. والوقوف على أسرار البلاغة والفصاحة في مَنثور كلام العرب ومنظومه." قرآن مجید کے اعجاز سے وقف ہونا اور عربی نظم ونثر کی فصاحت وبلاغت پر مطلع ہونا، نیز معنی مقصود کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے میں غلطی سے محفوظ رہنا[۳]۔

علم المعانی کی تدوین:

---

[۱] تذکرۃ الفنون:۱۲۳۔

[۲] معانی دو قسم پر ہیں:۔ ۱۔ معانی اولی ۲۔ معانی ثوانی۔

۱۔ معانی اولی: وہ ہیں جو لفظ سے باعتبار ترکیب مستفاد ہوں۔

۲۔ معانی ثوانی: وہ مقاصد ومطالب ہیں جن کے لیے کلام کو لایا گیا ہو۔ جیسے ردالانکار اور دفع الشک کے موقع پر کلام کو مؤکد لانا۔ وغیرہ۔ جواہر البلاغہ:۳۹۔

[۳] جواہر البلاغۃ:۴۷۔

علم المعانی کے اصول و قواعد سب سے پہلے علامہ جعفر بن یحیی برمکی(م۱۸۷ھ)نے وضع کیے، لیکن ان قواعد واصول کا کسی نے تذکرہ نہیں کیا اور نہ کسی مصنف نے ان کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بعض اہل علم نے ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب معروف بہ جاحظ اصفہانی (م۲۵۵ھ) کو اس علم کا مدون اول کہا ہے اور ان کی کتاب ”البیان والتبیین“ فصاحت وبلاغت کے انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ ان کے بعد علم المعانی میں امام عبد القاہر بن عبد الرحمن جرجانی(م۴۷۴ھ) نے ”دلائل الاعجاز“ اور ”اسرار البلاغہ“ کے نام سے دو قابلِ ستائش کتابیں تالیف کیں ۔ جس میں موصوف نے علم المعانی کے تمام مباحث جمع کیے۔ انہیں کتابوں کی بنا پر علامہ جرجانی کو فن بلاغت کا مؤسس اور بانی سمجھا گیا ہے۔ ان کے بعد دو سو برس تک بہت ایسے نامور علمائے فن آئے جنھوں نے اس فن میں گراں قدر اضافے کیے، ان میں علامہ ابو علی حسن بن رشیق قیروانی (م۴۶۳ھ) کی کتاب ” العمدة في صناعة الشعر ونقده“، علامہ عبد اللہ بن محمد ابن سنان خفاجی(م۴۶۶ھ) کی ”سر الفصاحۃ“ اور علامہ ضياء الدين بن اثیر (م۶۳۷ھ) کی ”المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر“ نے خاص شہرت پائی۔ یہ وہ نامور اور نابغہ روزگار علماء ہیں جنھوں نے بلاغت پر سیر حاصل بحثیں کیں۔

ساتویں صدی ہجری میں علامہ ابو یعقوب یوسف بن ابی بکر بن محمد سکاکی خوارزمی حنفی(م۶۲۶ھ) نے ”مفتاح العلوم“ کے نام سے ایک بے نظیر کتاب تصنیف کی، جس سے اس علم کی تشنہ لبی دور ہوئی۔ آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابو المعالی محمد بن عبد الرحمن قزوینی معرف بہ خطیب دمشق(م۷۳۹ھ) نے ”مفتاح العلوم“ کے قسم ثالث (جو علم البلاغہ پر مشتمل ہے) کی تلخیص کی۔ جو ”تلخیص المفتاح“ کے نام سے موسوم ہے۔ پھر علامہ قزوینیؒ نے خود اس کی شرح ”الایضاح فی علوم البلاغہ“ کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد ”تلخیص المفتاح“ کی سینکڑوں شروحات اور حواشی لکھی گئیں[1]۔

---

[1] عروس الافراح:۱/۳۱، نیل الامانی:۱/۱۴۔

ابو اب علم المعانی [۱]

علم معانی [۲] درج ذیل دس ابو اب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اول: احوال الاسناد

بابِ دوم: احوالِ مسند الیہ

بابِ سوم: احوالِ مسند

بابِ چہارم: احوالِ متعلقاتِ فعل

بابِ پنجم: خبر وانشاء

بابِ ششم: اطلاق و تقیید

بابِ ہفتم: قصر

بابِ ہشتم: وصل و فصل

بابِ نہم: ایجاز، اطناب، مساوات

بابِ دہم: خلاف مقتضیٰ ظاہر کا بیان

---

(۱) بلاغیین حضرات نے اپنی ذوق کے مطابق علم المعانی کے ابواب کی تعداد مختلف بتلائی ہے، علامہ ابویعقوب یوسف بن ابی بکر سکاکی حنفیؒ (م ۶۲۶ ھ) نے مفتاح العلوم میں علم المعانی کے پانچ ابواب ذکر کیے ہیں، علامہ ابو المعالی محمد بن عبد الرحمن قزوینیؒ (م ۷۳۹ ھ) نے تلخیص المفتاح میں آٹھ ابواب ذکر کیے ہیں، علامہ احمد بن ابراہیم بن مصطفی ہاشمیؒ (م ۱۳۶۲ ھ) نے جواہر البلاغہ میں بھی آٹھ ابواب ذکر کیے ہیں، علامہ احمد بن مصطفی مراغیؒ (م ۱۳۷۱ ھ) نے علوم البلاغہ میں بارہ ابواب ذکر کیے ہیں، دکتور عبد العزیز عتیقؒ (م ۱۳۹۶ ھ) نے اپنی کتاب علم المعانی میں جملہ ابواب معانی کو دو مباحث میں ذکر کیا ہے، دکتور محمد احمد قاسم اور دکتور محیی الدین دیب نے علوم البلاغہ میں سات ابواب ذکر کیے ہیں۔ علامہ حسن بن اسماعیل جناجیؒ (م ۱۴۲۹ ھ) نے البلاغۃ الصافیۃ فی المعانی والبیان والبدیع میں منفرد انداز کیساتھ آٹھ ابواب ذکر کیے ہیں۔ ماضی قریب کے مشہور عالم علامہ عبد الرحمن بن حسن حنبکہ میدانیؒ (م ۱۴۲۵ھ) نے "البلاغۃ العربیہ" میں علم المعانی کے پانچ ابواب ذکر کیے ہیں۔ ہم نے جہابذہ فن کے علمی تراث کو سامنے رکھ کر دس ابواب ذکر کیے ہیں، تاکہ اجراء وانطباق میں آسانی رہے۔

(۲) علم معانی کو علم بیان پر اس لیے مقدم کیا جاتا ہے کہ علم المعانی بمنزلہ مفرد اور علم بیان بمنزلہ مرکب ہے، کیونکہ علم معانی کا فائدہ رعایت مطابقت مقتضاء حال ہے اور علم بیان میں اس کیساتھ ساتھ معنی واحدہ کا مختلف طرق سے ادا کرنا بھی معتبر ہے، یعنی علم بیان میں ایک چیز زائد معتبر ہے جو علم معانی میں نہیں ہے۔ واضح رہے کہ علم معانی کا انحصار مذکورہ ابواب میں انحصار الکل فی الاجزاء کے قبیل سے ہے نہ کہ انحصار الکلی فی الجزئیات کے قبیل سے۔ کیونکہ اس صورت میں ہر باب کا علم معانی ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ غلط ہے، اس لیے کہ ہر باب علم معانی نہیں ہے بلکہ تمام ابواب کا مجموعہ علم معانی ہے۔ نیز حصر کے سات قسمیں ہیں:۔ ۱۔ حصر عقلی، وہ ہے جو دائر بین النفی والاثبات ہو اور عقل مجوز قسم آخر نہ ہو، جیسے "ثلاثی مجرد کا چھ ابواب میں حصر"۔ ۳۔ حصر قطعی: وہ ہے جس میں امتناع قسم آخر کا مستفاد من الدلیل ہو، جیسے "العدد اما زوج او فرد" ۴۔ حصر شرعی: وہ ہے شارع نے فرمایا ہو، جیسے "ظہر کی چار رکعات نماز" ۵۔ حصر جعلی: وہ ہے جو فرض فارض یا اعتبار معتبر پر موقوف ہو، جیسے کوئی کہے پاکستان میں تین محدث ہیں۔ ۶۔ حصر اضافی: وہ ہے جو بالنسبۃ الی البعض ہو، جیسے "اول ماخلق اللہ العقل" حالانکہ تخلیق نور نبیا علیہ السلام سب سے مقدم ہے۔ ۷۔ حصر حقیقی: وہ ہے جو کل اشیاء کے اعتبار سے ہو، جیسے علم الہی کا تعلق جملہ اشیاء سے بغیر استثناء شئی دون شئی۔ فیہ ما نحن میں حصر استقرائی مراد ہے۔

مراحلِ اجراء علم المعانی

علم المعانی کے اجراء کو درج ذیل تین مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ

مرحلہ ثانیہ: احوال متعلقہ بالجملہ

مرحلہ ثالثہ: احوال متعلقہ بالجملتین او اکثر

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ

یہ مرحلہ درج ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے:

بابِ اول: احوال الاسناد

بابِ دوم: احوالِ مسند الیہ

بابِ سوم: احوالِ مسند

بابِ چہارم: احوالِ متعلقاتِ فعل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ احوال متعلقہ باجزاء الجملہ کی تین قسمیں ہیں:۔

الف۔۔۔یا نفس اسناد کی طرف راجع ہوں گے، جیسے اسناد کا عقلی ہونا، اسناد کا مجازی ہونا، اسناد کا تاکید سے خالی ہونا، مؤکد استحسانی ہونا، مؤکد وجوبی ہونا، مؤکد بتاکید واحد ہونا، مؤکد بتاکیدات متعددہ ہونا وغیرہ۔

ب۔۔۔یا مسند الیہ کی طرف راجع ہوں گے، جیسے مسند الیہ کا معرفہ ہونا، نکرہ ہونا، مقدم ہونا، مؤخر ہونا، مذکورہ ہونا، محذوف ہونا، مصحوب بالتوابع ہونا، غیر مصحوب بالتوابع ہونا وغیرہ۔

ج۔۔۔یا مسند کی طرف راجع ہوں گے، جیسے مسند کا نکرہ ہونا، معرفہ ہونا، مقدم ہونا، مؤخر ہونا، مذکور ہونا، محذوف ہونا، مصحوب بالتوابع ہونا، غیر مصحوب بالتوابع ہونا، فعل ہونا، غیر فعل ہونا، جملہ ہونا، مقید بالمتعلق ہونا، غیر مقید بالمتعلق ہونا وغیرہ۔

مذکورہ احوال خوب ذہن نشیں رکھیں تاکہ اجراء و تطبیق میں آسانی رہے، قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عربی محاورات میں علم المعانی کے اجراء و تطبیق کا طریقہ کار یہ ہے کہ سب سے پہلے جملے کی نحوی ترکیب کرلیں، تاکہ

جملے کے بنیادی ارکان مسند، مسند الیہ اور اسناد معلوم ہو جائیں۔ ترکیب کے بعد سب سے پہلے اسناد کو دیکھیں کہ اسناد عقلی ہے، یا اسناد مجازی ہے، اسناد تاکید سے خالی ہے، یا مؤکد استحسانی ہے، یا مؤکد وجوبی ہے، یا مؤکد بتاکید واحد ہے، یا مؤکد بتاکیدات ہے؟! جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔ اس کے بعد مسند الیہ کو دیکھیں کہ مسند الیہ معرفہ ہے، یا نکرہ ہے، یا مقدم ہے، یا مؤخر ہے، یا مذکور ہے، یا محذوف ہے، یا مصحوب بالتوابع ہے یا غیر مصحوب بالتوابع ہے، جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔ پھر اس کے بعد مسند کو دیکھیں کہ نکرہ ہے یا معرفہ ہے یا مقدم ہے یا مؤخر ہے یا مذکور ہے یا محذوف ہے یا مصحوب بالتوابع ہے یا غیر مصحوب بالتوابع ہے یا فعل ہے یا غیر فعل ہے یا جملہ ہے یا مقید بالمتعلق ہے یا غیر مقید بالمتعلق ہے، جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔

مرحلہ ثانیہ: احوال متعلقہ بالجملہ

یہ مرحلہ درج ذیل تین ابواب پر مشتمل ہے:

بابِ اول: خبر وانشاء

بابِ دوم: اطلاق و تقیید

بابِ سوم: قصر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے جملے کا انشائی یا خبری اسلوب متعین کریں کہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ۔ اگر جملہ خبریہ ہے تو خبرِ صادق ہے یا خبرِ کاذب ہے، جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ۔ اگر جملہ اسمیہ ہے تو مفیدِ ثبوت مسند للمسند الیہ ہے یا مفیدِ استمرار ہے، اگر جملہ فعلیہ ہے تو مفید افادہ حدوث ہے یا مفیدِ استمرار تجددی ہے، نیز یہ بھی دیکھیں کہ خبر سے غرض فائدۃ الخبر ہے یا لازم فائدۃ الخبر ہے، اگر فائدۃ الخبر ہے تو خبرِ ابتدائی ہے یا خبرِ طلبی ہے یا خبرِ انکاری ہے اور اگر ان کے علاوہ دیگر اغراضِ مجازیہ ہیں تو ان کی بھی نشاندہی کریں۔

اور اگر جملہ انشائیہ ہے تو انشاءِ طلبی ہے یا غیر طلبی۔ اگر انشاءِ طلبی ہے تو انشاءِ طلبی کی چھے قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ امر ہے، یا نہی ہے یا استفہام ہے یا تمنی ہے یا ترجی ہے یا نداء ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ مذکورہ اقسام کی معانی حقیقیہ مراد ہیں یا معانی مجازیہ مراد ہیں۔ اور اگر انشاءِ غیر طلبی ہے تو اس کے سات قسموں (تعجب، قسم، عقود، افعال رجاء، افعالِ مدح وذم، رُب، کم خبریہ) میں سے کونسی قسم ہے نشاندہی کریں۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھیں کہ وضع الخبر موضع الانشاء یا وضع الانشاء موضع الخبر تو نہیں؟ اگر ہے تو کس غرض کے لیے ہے؟ تفاؤل کے لیے ہے یا ادب واحترام کے لیے ہے

یاحث علی الامتثال کے لیے ہے، غرض متعین کریں۔ اوراگر وضع الانشاء موضع الخبر ہے توکس غرض کے لیے ہے، نشاندہی کریں۔

اس کے بعد جملے کے اسلوب کو دیکھیں کہ اطلاقی اسلوب ہے یاتقییدی۔ اگر اطلاقی اسلوب ہو تو اس کی اغراض کی نشاندہی کریں اور اگر تقییدی اسلوب ہے تو اس کے بھی اغراض کی نشاندہی کریں۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ تقیید کلام کی کونسی صورت ہے؟ تقیید بادوات الشرط ہے یاتقیید بادوات النفی ہے یاتقیید بنواسخ الجملہ ہے، یاتقیید المفاعیل (مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول معہ، مفعول فیہ، مفعول لہ) ہے، یاتقیید بالحال ہے یاتقیید بالتمیز ہے یاتقیید بالمستثنیٰ ہے یاتقیید بالتوابع (صفت، تاکید، بدل، عطف بحرف، عطف بیان) ہے؟ نشاندہی کریں۔

اوراس کے بعد جملے کو دیکھیں کہ اس کا اسلوب قصر کا ہے یاغیر قصر کا۔ اگر اسلوب قصر کا ہے توطرقِ قصر کے معروف چار طریقوں میں سے کونسا طریقہ ہے قصر بصورت نفی واستثناء ہے یابصورت "اِنما" ہے، یابصورت عطف بہ "لا، وبل، ولکن" ہے، یا بصورت تقدیم ماحقہ التاخیر ہے۔ یاان کے علاوہ دیگر طرق ہے تونشاندہی کریں۔ نیز مقصور اور مقصور علیہ کی بھی تعیین کیجئے۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ قصرِ حقیقی ہے یاقصرِ اضافی ہے، اگر قصرِ حقیقی ہے تو قصرِ تحقیقی ہے یاقصر ادعائی ہے اور قصر اضافی ہے تو قصرِ افراد ہے یاقصرِ تعیین ہے یاقصرِ قلب ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ قصرِ موصوف علی صفۃ ہے، یاقصر صفت علی موصوف ہے تو اس کی بھی نشاندہی کریں۔

مرحلہ ثالثہ: احوال متعلقہ بالجملتین اواکثر

یہ مرحلہ درج ذیل دوبابوں پر مشتمل ہے:

بابِ اول: وصل وفصل

بابِ دوم: ایجاز، مساوات، اطناب

بابِ سوم: خلافِ مقتضیٰ ظاہر کابیان

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دیکھیں اسلوب وصل کا ہے یافصل کا۔ اگر اسلوب وصل کا ہے توپھر دیکھیں کہ وجوبِ وصل کے مقامات میں سے کونسامقام ہے کمالِ انقطاع مع ایہام ہے یاتوسط بین الکمالین ہے۔ اگر اسلوب فصل کا ہے تو دیکھیں کہ وجوبِ فصل کے پانچ مقامات میں سے کونسامقام ہے؟ کمالِ اتصال ہے، یاکمالِ انقطاع ہے، یاشبہ کمالِ اتصال ہے، یا شبہ کمالِ انقطاع ہے، یاتوسط بین الکمالین ہے، نشاندہی کریں۔

اس کے بعد دیکھیں کہ جملوں کا اسلوب ایجاز کا ہے یا مساوات کا، یا اطناب کا۔ اگر اسلوب ایجاز کا ہے تو پھر دیکھیں کہ ایجازِ قصر ہے، یا ایجازِ حذف ہے۔ اگر ایجازِ قصر ہے تو اس کے اقسام میں سے کونسی قسم ہے، تعیین کیجئے۔ اور اگر ایجاز حذف ہے تو اس کی پانچ قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ اقتطاع ہے، یا اکتفاء ہے یا تضمین ہے یا احتباک ہے یا اختزال ہے۔

اور اگر اسلوب اطناب کا ہے تو اطناب کی سولہ صورتوں میں سے کونسی صورت ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ اطناب بالبسط ہے یا اطناب بالزیادۃ ہے۔ اور اگر اسلوب مساوات کا ہے تو اس کی بھی نشاندہی کریں۔

اس کے بعد دیکھیں کہ کلام مقتضی ظاہر کے مطابق ہے یا نہیں، اگر نہیں تو پھر دیکھیں کہ خلافِ مقتضی ظاہر کے اقسام میں سے کونسی قسم ہے؟ اس کی نشاندہی کریں۔

اجراء کا پہلا مرحلہ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ

یہ مرحلہ درج ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: احوال الاسناد

بابِ دوم: احوالِ مسند الیہ

بابِ سوم: احوالِ مسند

بابِ چہارم: احوالِ متعلقاتِ فعل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ احوال متعلقہ باجزاء الجملہ کی تین قسمیں ہیں:

(الف)۔۔۔یا نفس اسناد کی طرف راجع ہوں گے، جیسے اسناد کا عقلی ہونا، اسناد کا مجازی ہونا، اسناد کا تاکید سے خالی ہونا، مؤکد استحسانی ہونا، مؤکد وجوبی ہونا، مؤکد بتاکید واحد ہونا، مؤکد بتاکیدات متعددہ ہونا وغیرہ۔

(ب)۔۔۔یا مسند الیہ کی طرف راجع ہوں گے، جیسے مسند الیہ کا معرفہ ہونا، نکرہ ہونا، مقدم ہونا، مؤخر ہونا، مذکورہ ہونا، محذوف ہونا، مصحوب بالتوابع ہونا، غیر مصحوب بالتوابع ہونا وغیرہ۔

(ج)۔۔۔یا مسند کی طرف راجع ہوں گے، جیسے مسند کا نکرہ ہونا، معرفہ ہونا، مقدم ہونا، مؤخر ہونا، مذکور ہونا، محذوف ہونا، مصحوب بالتوابع ہونا، غیر مصحوب بالتوابع ہونا، فعل ہونا، غیر فعل ہونا، جملہ ہونا، مقید بالمتعلق ہونا، غیر مقید بالمتعلق ہونا وغیرہ۔

مذکورہ احوال خوب ذہن نشیں رکھیں تاکہ اجراء و تطبیق میں آسانی رہے، قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عربی محاورات میں علم المعانی کے اجراء و تطبیق کا طریقہ کار یہ ہے کہ سب سے پہلے جملے کی نحوی ترکیب کرلیں، تاکہ جملے کے بنیادی ارکان مسند، مسند الیہ اور اسناد معلوم ہو جائیں۔ ترکیب کے بعد سب سے پہلے اسناد کو دیکھیں کہ اسناد عقلی ہے، یا اسناد مجازی ہے، اسناد تاکید سے خالی ہے، یا مؤکد استحسانی ہے، یا مؤکد وجوبی ہے، یا مؤکد بتاکید واحد ہے، یا مؤکد بتاکیدات ہے؟! جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔ اس کے بعد مسند الیہ کو دیکھیں کہ مسند الیہ معرفہ ہے، یا نکرہ ہے، یا مقدم ہے، یا مؤخر ہے، یا مذکور ہے، یا محذوف ہے، یا مصحوب بالتوابع ہے یا غیر مصحوب بالتوابع ہے، جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔ پھر اس کے بعد مسند کو دیکھیں کہ نکرہ ہے یا معرفہ ہے یا مقدم ہے یا مؤخر ہے یا مذکور ہے یا محذوف ہے یا مصحوب بالتوابع ہے یا غیر مصحوب بالتوابع ہے یا فعل ہے یا غیر فعل ہے یا جملہ ہے یا مقید بالمتعلق ہے یا غیر مقید بالمتعلق ہے، جو حالت بھی ہو اس کی نشاندہی کریں۔

باب اول :

أحوال الإسناد

یہ باب درج ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: اسناد کا بیان

فصل دوم: قرینہ مجازِ عقلی

فصل سوم: مجازِ عقلی کے علاقے

فصل اول: اسناد کا بیان

اسناد کی تعریف:

اسناد اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک کلمہ یا قائم مقام کلمہ کا دوسرے کلمہ یا قائم مقام کلمہ کیساتھ اس طرح ملنا کہ وہ مخاطب کو اس بات کا فائدہ دے کہ ان دو کلموں (یعنی موضوع و محمول) میں سے ایک کا مفہوم دوسرے کلمہ کے مفہوم کے لیے ثابت ہے یا ایک دوسرے سے منتفی ہے، ثابت ہونے کی مثال، جیسے "زید قائم" اس میں "زید" کے لیے "قیام" ثابت کیا جارہا ہے اور منتفی ہونے کی مثال، جیسے "زید لیس بقائم" اس میں "زید" سے "قیام" کی نفی کی جارہی ہے۔

احوال الاسناد کو احوال مسند الیہ اور احوال مسند پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ وصف (ہماری بحث ذات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ وصف کے اعتبار سے ہے) کے اعتبار سے اسناد مسند الیہ اور مسند دونوں سے مقدم ہوتی ہے، کیونکہ مسند الیہ اور مسند اسناد کی وجہ سے متحقق ہوتے ہیں، اگر اسناد نہ ہو تو نہ مسند ہوتا ہے اور نہ ہی مسند الیہ، اس لیے احوال الاسناد کو مقدم کیا گیا ہے[1]۔

اسناد کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اسناد حقیقی (حقیقت عقلیہ) ۲-اسنادِ مجازی (مجازِ عقلی)

۱۔۔۔اسناد حقیقی (حقیقت عقلیہ) کی تعریف:

وہ حقیقت ہے جس میں فعل یا معنی فعل (مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل) کی نسبت ماھولہ کی طرف ہو، یعنی فعل یا معنی فعل کی نسبت اس چیز کی طرف کرنا، جس کے لیے فعل یا معنی فعل ثابت ہو، بشرطیکہ وہ نسبت متکلم کے اعتقاد اور ظاہری حالت کے مطابق ہو، جیسے "إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ". (سورۃ لقمان: ۳۴) یہاں "يُنَزِّلُ" اور "يَعْلَمُ" کی نسبت فاعل حقیقی اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے اور متکلم موحد کے اعتقاد کے مطابق بھی ہے۔

۲۔۔۔اسنادِ مجازی (مجازِ عقلی) کی تعریف:

---

[1] مختصر المعانی: ۱/ ۹۲، تلخیص المفتاح: ۴۴۔

وہ مجاز ہے جس میں فعل یا معنی فعل (مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اسمِ تفضیل) کی نسبت غیر ماہولہ کی طرف ہو، یعنی فعل یا معنی فعل کی نسبت کسی علاقہ اور مناسبت کی وجہ سے غیر ماہولہ کی طرف ہو۔ اور اس کیساتھ کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اسنادِ حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ" (سورۃ البقرۃ:۱۶) اس آیت میں نفع کی نسبت غیر ماہولہ تجارت کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ نفع حاصل کرنے والا تاجر ہوتا ہے نہ کہ تجارت۔ یہ اسناد مجازی ہے[۱]۔

پھر حقیقتِ عقلیہ کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔۔ اسناد واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہو، جیسے کوئی مؤمن کہے: "أنبت الله البقل" (اللہ تعالی نے سبزہ اگایا ہے) یہ اسناد واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہے اور اسی طرح مؤمن کا یہ قول کہ اللہ تعالی نے مریض کو صحت دی اسی قبیل سے ہے۔

۲۔۔ اسناد صرف اعتقاد کے مطابق ہو، واقع کے مطابق نہ ہو، جیسے کوئی کافر کہے: "انبت الربيع البقل" (موسمِ بہار نے سبزہ اگایا ہے) یہ اسناد اعتقاد کے مطابق تو ہے کہ کافر اسبابِ ظاہریہ کو سبب حقیقی قرار دیتے ہیں، لیکن واقع کے بالکل خلاف ہے کیونکہ خالق اور مسبب اللہ تعالی ہی ہے اور اسی طرح جاہل کا یہ قول کہ دوا نے مریض کو صحت دی اسی قبیل سے ہے۔

۳۔۔ اسناد صرف واقع کے مطابق ہو اعتقاد کے مطابق نہ ہو، جیسے کوئی معتزلی مستورالحال کسی مسلمان سے کہے کہ: "خلق الله الافعال كلها" (اللہ تعالی نے تمام افعال پیدا کیے) یہ اسناد واقع کے مطابق تو ہے، لیکن معتزلی کے اعتقاد کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔

۴۔۔ اسناد واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق نہ ہو، جیسے کوئی آدمی یہ جاننے کے باوجود کہے کہ زید نہیں آیا ہے یوں کہے: "جاء نی زید" (میرے پاس زید آیا ہے)، یہ بات قائل کے اعتقاد کے مطابق بھی نہیں اور اور واقع کے مطابق بھی نہیں۔ البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ مخاطب کو بھی زید کے آنے یا نہ آنے کا علم نہ ہو، کیونکہ اگر مخاطب کو بھی اس کے نہ آنے کا علم ہو تو پھر اس کا حقیقت ہونا متعین نہیں ہو گا، بلکہ مجاز عقلی بنے گا[۲]۔

---

[۱] مختصر المعانی:۱/ ۱۱۲، تلخیص المفتاح:۴۵.

[۲] مختصر المعانی:۱/۱۱۱، تلخیص المفتاح:۴۹.

مسند اور مسند الیہ کی حقیقت اور مجاز کے اعتبار سے مجاز عقلی کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔مسند اور مسند الیہ دونوں حقیقی ہوں،یعنی دونوں میں سے ہر ایک اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہو،جیسے موحد کا یہ قول:"انبت الربیع البقل"،اس مثال میں "انبات"(اگانا)اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے اور یہ اس کا معنی حقیقی ہے اسی طرح "ربیع" بھی اپنے معنی موضوع لہ (موسم بہار) میں مستعمل ہے اور یہ اس کا معنی حقیقی ہے اور متکلم بھی چونکہ مسلمان ہے وہ اس کے ظاہری اسناد کا اعتقاد نہیں رکھتا،اس لیے یہ اسناد غیر ما ہولہ کی طرف ہوگی اور مجاز ہوگی۔

۲۔۔۔مسند اور مسند الیہ دونوں مجاز لغوی ہوں یعنی دونوں میں اسناد معنی غیر موضوع کی طرف ہو،جیسے "أحی الارض شباب الزمان"،اس مثال میں "احیاء" کی نسبت "شباب" کی طرف کی گئی ہے اور "احیاء" کے معنی ہیں کسی کو زندگی دینا اور زمین کے زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی قوت نامیہ کو حرکت کر دے کر اس میں طرح طرح کی ہری بھری سبزیات اگانا۔اب اس میں معنی حقیقی تو مراد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ زمین میں زندگی تو ہوتی نہیں،لہذا معنی مجازی ہی مراد ہوگا اور وہ زمین کا سرسبز و شاداب ہونا ہے اور "شباب الزمان" کے معنی ہیں کسی جانور کا اپنی عمر کے اس حصے میں داخل ہونا جس زمانے میں اس کی طبعی حرارت اور قوت بھڑک اٹھے اور اس کے معنی مجازی ہیں زمین کی قوت نامیہ میں اضافہ اور زیادتی کا ہو جانا یہ بھی معنی مجازی ہے کیونکہ اس کا قائل بھی موحد ہے اور وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے اس لیے اسناد بھی اسنادِ مجازی ہی ہوگا۔

۳۔۔۔مسند اور مسند الیہ دونوں مختلف ہوں،مسند حقیقت ہو اور مسند الیہ مجاز ہو،جیسے موحد کا یہ قول۔"أنبت البقل شباب الزمان"،اس مثال میں" أنبات"مسند اپنے معنی حقیقی "اگانے" میں مستعمل ہے اور مسند الیہ "شباب الزمان" اپنے معنی مجازی میں مستعمل ہے اور اس بات کا قائل چونکہ موحد ہے اور وہ اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے اس لیے یہ اسناد مجاز عقلی ہوگی۔

۴۔۔۔مسند الیہ حقیقت ہو اور مسند مجاز ہو،جیسے کسی موحد کا یہ قول کہ:"أحی الارض الربیع"(زمین کو بہار نے زندہ کر دیا) اس مثال میں مسند الیہ "ربیع" اپنے حقیقی معنی "موسم بہار" میں مستعمل ہے اور مسند "أحی الارض" اپنے معنی مجازی میں مستعمل ہے اور اس کا قائل چونکہ موحد ہے اس لیے اس کا اعتقاد اسناد ظاہری کے مطابق نہیں ،لہذا یہ مجاز ہوگا۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مذکورہ چاروں قسمیں جس طرح مجاز عقلی میں جاری ہوتی ہیں اسی طرح حقیقت عقلیہ میں بھی جاری ہوتی ہیں اور مذکورہ اقوال جب کہ ان کا قائل موحد ہو تو یہ مجاز عقلی کی مثالیں ہیں، لیکن اگر ان کا قائل کوئی کافر ہو تو یہ ہی چاروں اقوال حقیقتِ عقلیہ کی مثالیں بن جائیں گی [1]۔

---

(۱) مختصر المعانی:۱۲۰. تلخیص المفتاح:۴۹.

فصل دوم: قرینہ مجاز عقلی

مجاز عقلی میں کسی ایسے قرینہ کاہوناضروری ہےجواس بات پر دال ہو کہ اس مقام پر لفظ کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے، بلکہ معنی مجازی مراد ہے کیونکہ جب بھی کوئی لفظ بولاجائے تومتبادرالی الذہن اس سے معنی حقیقی ہوتاہے اور جب قرینہ موجود ہوتو مخاطب کا ذہن معنی حقیقی سے معنی مجازی کی طرف منتقل ہوگا اور اگر قرینہ نہ ہوتو معنی حقیقی ہی مراد ہوگا۔ قرینہ کی دوقسمیں ہیں:۔

۱۔ قرینہ لفظیہ ۲۔ قرینہ معنویہ

۱۔۔ قرینہ لفظیہ: وہ قرینہ ہے جو لفظوں میں مذکور ہو، جیسے ابوالنجم کا یہ شعر ہے۔

مَيَّزَ عَنْه قُنْزُعاً عَنْ قُنْزُعِ جَذْبُ اللَّيَالِي أبطئ أَوْ أَسْرعي

أَفْنَاهُ قِيلُ اللهِ للشَّمْسِ اطْلُعِي حَتَّى إذَا وَاراكِ أفقٌ فارجعي

ترجمہ: راتوں کے گزرنے نے ابوالنجم کے سر کے بالوں کو حصہ حصہ کرکے ختم کردیاہے، اے راتو! تم آہستہ آہستہ کر گزرو یاجلدی جلدی گزرو۔ ان بالوں کو ختم کیاہے اللہ تعالی کا سورج کو یہ حکم کرنے نے کہ طلوع ہوجاؤ! یہاں تک کہ جب افق تک پہنچ جاؤ تو پھر سے لوٹ جاؤ۔

اس شعر میں "مَيَّزَ" کی اسناد "جَذْبُ اللَّيَالِي" کی طرف ہے اوراس سے معلوم ہوتاہے کہ سر کے بالوں کو راتوں کے آنے نے ختم کردیاہے، لیکن انہوں نے دوسرے شعر میں اس کی وضاحت کردی کہ "أَفْنَاهُ قِيلُ اللهِ"۔ ابوالنجم کا یہ قول اس بات پر قرینہ ہے کہ "مَيَّزَ" سے ان کی مراد اسناد ظاہری نہیں ہے بلکہ "جَذْبُ اللَّيَالِي" کی طرف "مَيَّزَ" کی اسناد اسناد مجازی ہے کیونکہ وہ اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالی کو سمجھتے ہیں [1]۔

۲۔۔ قرینہ معنویہ: وہ قرینہ ہے جو لفظوں میں مذکور نہ ہو، پھر قرینہ معنوی کی دوقسمیں ہیں:۔

۱۔۔ قرینہ ایساہو جس سے مسند کا مسند الیہ کیساتھ قیام عقلاً یاعادۃً محال ہونا معلوم ہوجائے، عقلاً محال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق اور اہل باطل میں سے کوئی بھی شخص مسند الیہ کیساتھ مسند کے قیام کے جواز کا قائل نہ ہو اوران دوفریقین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل اس لیے نہ ہو کہ اگر کسی اور چیز کا اعتبار کیے بغیر عقل کو تنہا چھوڑ دیاجائے توعقل مسند الیہ کیساتھ مسند کا قیام ناممکن سمجھتی ہو، لہذا عقل کا اس بات کو ناممکن سمجھنا اسناد مجازی کے ہونے کے لیے قرینہ ہوگا اور عادۃً محال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر کسی کے لیے ایساکام کرنا محال اور ناممکن ہو۔ مسند کا

---

(۱) تلخیص المفتاح:۴۸۔

مسند الیہ کیساتھ قیام عقلاً محال ہونے کی مثال، جیسے ”محبّتك جاءت بی إلیك.“(تیری محبت نے مجھے تیرے پاس لے کر آتی ہے)یہاں پر محبت کی طرف ”مجیئت“ کی اسناد کی گئی ہے، ”محبت“ مسند الیہ ہے اور ”مجیئت“ مسند ہے اور یہ اسناد مجازی ہے کہ محبت کسی کو لے کر نہیں آتی بلکہ انسان کے پاؤں انسان کو لے کر آتے ہیں[۱]۔

مسند کا قیام مسند الیہ کیساتھ عادۃً محال ہونے کی قرینہ کی مثال، جیسے ”هزم الأمیر الجند“۔(امیر نے لشکر کو شکست دی)اس مثال میں شکست کی نسبت امیر کی طرف کی گئی ہے اور ایک امیر کا پورے لشکر کو تنِ تنہا شکست دیناعادۃً محال ہے، اس لیے یہ اسناد مجازی ہو گی حقیقی نہیں ہو گی۔

۲۔۔۔ متکلم کی حالت اس بات پر دال ہو کہ اس مقام پر اس لفظ کا معنی ظاہری مراد نہیں ہے اور متکلم کا اعتقاد اس کے معنی ظاہری کے مطابق نہیں ہے، جیسے موحد کا یہ قول ہے۔

أشَابَ الصّغیرَ وأفْنَى الكَبیرَ   كَرُّ الْغَداةِ ومَرُّ العَشِيّ

ترجمہ: صبح کے بار بار آنے اور شام کے بار بار گزرنے نے بچے کو جوان اور بوڑھے کو فنا کر دیا۔

اس میں موحد کی ذات اس بات پر دال ہے کہ قائل کی مراد اس سے اسناد ظاہری نہیں ہے، کیونکہ موحد آدمی ہر چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالی ہی کو مانتا ہے، لہذا یہاں پر بھی اس کے نزدیک ”أشاب“ اور ”أفنی“ کی اسناد ”كرّ“ اور ”مرّ“ کی طرف مجازی ہے[۲]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ا: مجازِ عقلی کو مجازِ اسنادی، مجازِ حکمی، مجاز فی الاثبات اور مجاز فی الاسناد بھی کہتے ہیں[۳]۔

قاعدہ نمبر ۲: مذکورہ اقسام میں فاعل اور مفعول سے ترکیبِ نحوی والا فاعل اور مفعول مراد نہیں ہے، بلکہ ما بہ الفعل سے ادنی تعلق رکھنے والے کو فاعل اور من وقع علیہ الفعل سے تلبس رکھنے والے کو مفعول کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: کلام کا حقیقت عقلی یا مجاز عقلی ہونا متکلم کے اعتقاد پر منحصر ہے ایک ہی کلام ایک شخص کی زبان سے نکلے تو حقیقت عقلی ہے اور دوسرے شخص کے زبان سے نکلے مجاز عقلی ہے، جیسے خالد کو تب محرقہ نے مار ڈالا۔ یہ فقرہ ایک ایسے حکیم کی زبان سے جو تقدیر الہی کا قائل ہے اور جو جانتا ہے کہ اسباب و علل حکم الہی کے تابع ہوتے ہیں یہ مجاز عقلی

---

(۱) تلخیص المفتاح:۵۱۔

(۲) مختصر المعانی:۱/۱۲۴. تلخیص المفتاح:۴۸.

(۳) مختصر المعانی:۱/۱۱۱.

ہے اور اگر یہ الفاظ اس حکیم کے زبان سے نکلے تو جو علل واسباب کے قائل ہے اور حکم الٰہی کو علت العلل نہیں مانتا تو حقیقت عقلیہ ہے۔

قاعدہ نمبر: مجاز عقلی کے لیے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے: مجاز عقلی میں فعل یا معنی فعل کی اسناد اگرچہ غیر ماہولہ کی طرف ہوتی ہے، لیکن اس فعل یا معنی فعل کے لیے ماہولہ یعنی ایک ایسے فاعل یا مفعول کا ہونا ضروری ہے کہ جب اس کی طرف اسناد کی جائے تو وہ اسناد حقیقت ہو، پس جس فاعل یا مفعول بہ کی طرف اسناد حقیقی اسناد ہوتی ہے اس فاعل یا مفعول بہ کی معرفت کبھی تو ظاہر ہوتی ہے کہ بغیر غور و فکر کے اس کا علم ہو جاتا ہے اور کبھی خفی ہوتی ہے یعنی غور و فکر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کا ماہولہ (حقیقی فاعل یا حقیقی مفعول بہ) کیا ہے؟ اور وجہ خفاء یہ ہے کہ کبھی فاعل مجازی کی طرف اسناد زیادہ ہوتی ہے اور فاعل حقیقی یا مفعول بہ حقیقی کی طرف اسناد تقریباً متروک ہوتی ہے، فاعل حقیقی یا مفعول بہ حقیقی کی طرف اسناد کے متروک ہونے کی وجہ سے اس کی طرف بآسانی ذہن منتقل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو پہچاننے کے لیے غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ فاعل حقیقی کے ظاہر ہونے کی مثال، جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "فَما رَبِحَتْ تِجارَتُهُمْ"۔ (البقرۃ:١٦) کیونکہ اس کے معنی ہیں: "فمار بحوا فی تجارتھم"۔ تجارت چونکہ سببِ ربح ہے اس لیے مجازاً ربح کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی ہے ورنہ نفع دینے والے حقیقۃً تاجر ہوتے ہیں اور اس جگہ فاعل حقیقی کی معرفت بالکل ظاہر ہے اور ظاہر اس لیے کہ اہل لغت ربح کو تاجر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فاعل حقیقی کے خفی ہونے مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی کو مخاطب بنا کر کہا: "سرّتني رؤيتك" (تیری رویت نے مجھے مسرور کر دیا) اس مثال میں "سرت" کی اسناد "رؤیت" کی طرف اسنادِ مجازی ہے کیونکہ اس کا حقیقی فاعل اللہ تعالی ہے اور مطلب یہ ہے: "سرّني الله عند رؤيتك" (اللہ تعالی نے تیرے دیدار کے وقت مجھے مسرور کر دیا ہے) یہاں "رؤیت" ظرف زمان ہے اور ظرف زمان کی طرف اسناد مجازی ہوتی ہے اس لیے یہ اسناد مجازی ہو گی۔ اس میں وجہ خفاء یہ ہے کہ اہل لغت اس کو اس طور پر استعمال کرتے ہیں کہ فاعل حقیقی کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا اور حقیقی فاعل کی طرف ذہن کا منتقل نہ ہونا ہی خفاء کی علامت ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۴: عموماً کلام میں اسناد خبری یا انشائی (کلام کو مفید بنانے کے لیے ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے ملانا) حقیقت عقلیہ پر محمول ہوتی ہے، یعنی فعل یا معنی فعل (مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اسم تفضیل) کو کسی شئی کی طرف منسوب کرنا جو متکلم کی ظاہری حالت کے اعتبار سے اس فعل یا معنی فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۱۲۵.

قاعدہ نمبر ۵: اسنادِ مجازی کے تحقق کے لیے دو شرطیں ہیں، پہلا شرط یہ ہے کہ ما ہولہ کی طرف سے اسناد کو مراد لینے سے کوئی قرینہ مانعہ ہو۔ اور دوسرا شرط یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اور غیر ما ہولہ کے درمیان علاقہ اور نسبت ہو۔

قاعدہ نمبر ۶: فعل یا معنی فعل کا اسناد ما ہولہ کی طرف ہے یا غیر ما ہولہ کی طرف ہے، سو اس تعیین کا فیصلہ متکلم کی ظاہری حالت سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے دہریوں کا یہ قول "وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ" (سورۃ الجاثیۃ:۲۴) حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہوگا، نہ کہ مجازِ عقلی کے قبیل سے ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۶: مجازِ عقلی خبر کیساتھ خاص نہیں، بلکہ انشاء میں بھی یہ مجاز عقلی جاری ہوتا ہے، جیسے "وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاهَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا" (سورۃ الغافر:۳۶) یہ بات ظاہر ہے کہ "ابْنِ" امر کا مَا هُوَ لَهُ معمار تھے، لیکن ہامان کے واسطے سے بنوانا تھا، اس لیے غیر مَا هُوَ لَهُ (ہامان) کی طرف فعل کی نسبت کر دی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ فلاں مقام پر محل تیار کرو۔ بادشاہ جانتا ہے کہ وزیر خود کام نہیں کرے گا بلکہ معماروں سے کام لے گا، یہ وزیر کو یہ حکم دینا مجاز عقلی ہے(1)۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں اسناد حقیقی اور اسناد مجازی اور ان کے اقسام کی تعیین کیجئے۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ. وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ. فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ. نهاره صائم وليله قائم. وقام زيد. هزم الأمير خصمه وهو في قصره. كقول المؤمن المسلم: الله خالق كل شيء - وهو الذي يُنْبت الزرع - وَيُدِرُّ الضَّرْعَ - ويُحْيِي ويُميت. كقول النصراني: أحيا عِيسَى الأموات - وخَلَقَ الطيورَ. سَيْلٌ مُفْعَمٌ. وأحسن خالد. وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى. قول المؤمن:شفى الله المريض. قول الجاهل: شفى الطبيب المريض.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ:

---

(1) مختصر المعانی:۱ / ۱۲۲. تلخیص المفتاح:۵۰.

"تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ" حقیقت، اس لیے کہ لفظ[1] معنی موضوع لہ میں **مستعمل** ہے، **مجازِ عقلی، مجازِ اسنادی، مجازِ حکمی، مجاز فی الاسناد**، اس لیے کہ **فعل** کی نسبت **غیر ماہولہ** کی طرف کی گئی ہے۔

✍...قول الجاهل: شفى الطبيب المريض.

حقیقت، اس لیے کہ لفظ معنی موضوع لہ میں **مستعمل** ہے، اسنادِ حقیقی، حقیقتِ عقلیہ، اس لیے کہ **فعل** کی **نسبت ماہولہ** کی طرف کی گئی ہے۔

(1) لفظ سے مراد مسند الیہ اور مسند ہیں کہ یہ دونوں معنی حقیقی میں مستعمل ہیں۔

فصلِ سوم: مجاز عقلی کے علاقے

یہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ مجازِ عقلی میں فعل یا معنی فعل اور غیر ما ہولہ کے درمیان کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور ہوتا ہے، تاہم ان علاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں چند مشہور علاقے درج ذیل ہیں:۔

١۔ الْإِسْنَادُ إِلىٰ الزَّمَانِ ٢-الْإِسْنَادُ إِلىٰ الْمَكَانِ ٣-الْإِسْنَادُ إِلىٰ السَّبَبِ ٤-الْإِسْنَادُ إِلىٰ الْمَصْدَرِ ٥-إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْفَاعِلِ إِلىٰ الْمَفْعُوْلِ ٦-إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْمَفْعُوْلِ إِلىٰ الْفَاعِلِ ٧-إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلىٰ الْجِنْسِ ٨-إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلىٰ مَا هُوَ لَهُ مَزِيْدُ اخْتِصَاصٍ بِالْفَاعِلِ الْحَقِيْقِيِّ.

١۔۔۔الْإِسْنَادُ إِلىٰ الزَّمَانِ: مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت اس کے زمانہ کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا" (سورۃ المزمل:١٧) وایضاً "هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا" (سورۃ یونس:٦٧) اول الذکر آیت میں "يَجْعَلُ" مبنی للفاعل فعل کی نسبت "يَوْمًا" کی طرف کرنا مجاز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن بچوں کو بوڑھا بنادے گا، نہ کہ وہ دن بوڑھا بنائے گا۔ یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔ اور ثانی الذکر آیت میں "مُبْصِرًا" اسم فاعل کی نسبت "النَّهَارَ" کی طرف کرنا مجاز ہے، کیونکہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا، بلکہ لوگ دن میں دیکھتے ہیں، یہاں بھی علاقہ زمانیت ہے۔ اس قسم کو علاقہ زمانیت بھی کہتے ہیں۔

٢۔۔۔الْإِسْنَادُ إِلىٰ الْمَكَانِ: مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت فاعل حقیقی کے بجائے اس کے مکان کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا" (سورۃ الزلزال:٢) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَعَدَ اللهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا" (سورۃ التوبۃ:٧٢)۔ اول الذکر آیت میں "أَخْرَجَتِ" مبنی للفاعل فعل کی نسبت "الْأَرْضُ" مکان کی طرف کرنا مجاز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین (مکان) سے اس کے بوجھوں کو نکالے گا، کہ نہ زمین نکالے گی، یہاں علاقہ مکانیت کا ہے۔ اور ثانی الذکر آیت میں "تَجْرِي" مبنی للفاعل فعل کی نسبت "الْأَنْهَارُ" کی طرف مجازاً ہے، کیونکہ نہریں جاری نہیں ہوتیں، بلکہ اس میں موجود پانی جاری ہوتا ہے۔ یہاں بھی علاقہ مکانیت کا ہے، اس قسم کو علاقہ مکانیت بھی کہتے ہیں۔

٣۔۔۔الْإِسْنَادُ إِلىٰ السَّبَبِ: مبنی للفاعل فعل یا معنی فعل کی نسبت فاعل حقیقی کے بجائے اس کے سبب کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ" (سورۃ الذاریات:٥٥) ایک جگہ

ارشاد ہے۔"إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ"(سورۃ القصص:۴) اول الذکر آیت میں "تَنْفَعُ" مبنی للفاعل فعل کی نسبت "الذِّكْرَى" کی طرف کرنا مجازاً ہے، کیونکہ نفع دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، نہ کہ نصیحت، بلکہ نصیحت سببِ نفع ہے۔ یہاں علاقہ سببیت کا ہے۔ اور ثانی الذکر آیت میں "يُذَبِّحُ" اور "يَسْتَحْيِي" مبنی للفاعل فعل کی نسبت فرعون کی طرف مجازاً ہے، کیونکہ "تَذْبِيحْ" اور "اسْتِحْيَاءْ" کا فعل فرعون نہیں کرتا تھا، بلکہ فرعون کے حکم کے سبب سے آلِ فرعون کرتے تھے۔ یہاں بھی علاقہ سببیت ہے۔ اس قسم کو علاقہ سببیت بھی کہتے ہیں۔

٤۔۔۔الْإِسْنَادُ إِلىٰ الْمَصْدَرِ: مبنی للفاعل فعل کی نسبت فاعل حقیقی کے بجائے اس کے مصدر کی طرف کرنا، جیسے محاورہ ہے۔"جَدَّ جِدُّهُ" (اس کی کوشش نے کوشش کی، یعنی اس کی کوشش کامیاب ہوئی) اور "غَضِبَ غَضَبُهُ" (اس کا غصہ غصہ میں آ گیا، یعنی وہ غصہ میں بھڑک اُٹھا)۔ ان دونوں مثالوں میں مبنی للفاعل فعلوں "جَدَّ، غَضِبَ" کی نسبت فاعل حقیقی کے بجائے مصدر "جِدٌّ، غَضَبٌ" کی طرف کی گئی ہے۔ اس قسم کو علاقہ "ملابست بین الفعل ومصدرہ" بھی کہتے ہیں۔

٥۔۔۔إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْفَاعِلِ إِلىٰ الْمَفْعُوْلِ: مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت فاعل حقیقی کے بجائے اس کے مفعول کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ"(القارعۃ:۷) "رَاضِيَةٍ" مبنی للفاعل ہے، کیونکہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل فعل معروف کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کی اسناد اس کی ضمیر کی طرف کی گئی ہے جو "رَاضِيَةٍ" میں مستتر ہے اور اس ضمیر کا مرجع "عِيشَةٍ" ہے اور "عِيشَةٍ" مفعول حقیقی ہے کیونکہ "عِيشَةٍ" زندگی کو کہتے ہیں اور زندگی خود راضی نہیں ہوتی ہے بلکہ زندگی والا راضی ہوتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: "عِيشَةٍ رضيها صاحبها"۔

٦۔۔۔إِسْنَادُ مَا بُنِيَ لِلْمَفْعُوْلِ إِلىٰ الْفَاعِلِ: مبنی للمفعول فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت اپنے مفعول حقیقی کے بجائے اس کے فاعل کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" (سورۃ التکویر:۹-۱۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللهِ مَسْئُولًا" (سورۃ الاحزاب:۱۵) اول الذکر آیت میں "سُئِلَتْ" مبنی للمفعول فعل کا ماہو لہ (نائب فاعل) وائد (زندہ در گور کرنے والا) ہے، جو دراصل مسئول ہوگا، لیکن وائد کی طرف "سُئِلَتْ" کی نسبت کرنے کے بجائے مؤودۃ کی طرف مجازاً کی گئی ہے، یعنی "وَإِذَا الْوَائِدُ سُئِلَ" کی جگہ "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ" کہا گیا ہے اور یہ لڑکیوں کو در گور کرنے والے

کو دھمکانے میں کمالِ مبالغہ ہے کہ جب مَوْءُودَہ سے سوال ہو گا تو وائد سے توبطریقہ اولی سوال ہو گا۔ اور ثانی الذکر آیت میں "مَسْئُوْلًا" مبنی للمفعول معنی فعل کی نسبت "عَهْدُ اللّٰهِ" کی طرف کرنا مجازاً ہے، کیونکہ مسئول تو صاحبِ عہد ہو گا، نہ کہ عہد اللہ۔ لیکن یہاں "مَسْئُوْلًا" کی نسبت صاحبِ عہد مفعول کے بجائے "عَهْدُ اللّٰهِ" فاعل کی طرف کی گئی ہے۔ اس کو علاقہ "ملابست بين الفعل وفاعله" بھی کہتے ہیں۔

۷۔۔۔ **إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلىٰ الْجِنْسِ:** فعل کی اسناد پوری جنس کی طرف کرنا، جب کہ فاعل بعض افراد ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ" (سورۃ الاعراف:۷۷) اس آیت میں "عَقَرَ" فعل کی نسبت ایک فرد کے بجائے پوری جنس کی طرف مجازاً کی گئی ہے، کیونکہ اس عمل پر پوری قوم رضامند تھی۔

۸۔۔۔ **إِسْنَادُ الْفِعْلِ إِلىٰ مَا هُوَ لَهُ مَزِيْدُ اخْتِصَاصٍ بِالْفَاعِلِ الْحَقِيْقِيِّ:** فعل کی اسناد فاعل حقیقی کے بجائے اس کے مقربین کی طرف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ (۵۹) إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ" (سورۃ الحجر:۵۸،۶۰) اس آیت میں "تَقْدِيْر" کی نسبت ملائکہ نے فاعل حقیقی اللہ تعالی کی طرف کرنے کے بجائے اپنی طرف کی ہے، کیونکہ ملائکہ اللہ تعالی کی مقرب مخلوق ہے[1]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: قرینہ مانعہ سے وہ لفظی یا معنوی امر ہے، جس کو متکلم معنی غیر موضوع لہ کو مراد لینے پر دلیل بناتا ہو۔

قاعدہ نمبر ۲: کبھی نسبتِ اضافیہ میں بھی مجاز ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" (سورۃ سبا:۳۳) یہاں "مَكْرُ" کی اضافت غیر ما ہو لہ "اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" کی طرف مجازاً ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔ "بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ"۔ یعنی مکر کے مناسب تو یہ تھا کہ اس کی اضافت "النَّاسُ" کی طرف کریں، لیکن لیل ونہار مکر کرنے کا زمانہ ہے، اس لیے اس کو طرف اضافت کی ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: مجاز عقلی اور مجازِ لغوی میں فرق یہ ہے کہ مسند اور مسند اللہ کے درمیان ہونے والی نسبت میں مجاز کو مجازِ عقلی کہتے ہیں اور اس کا تعلق یہ اجزائے کلام کے درمیان ربط ومناسبت سے ہوتا ہے، جب کہ مجازِ لغوی کلمات سے متعلق ہوتا ہے، یعنی مجازِ عقلی کلام میں اور مجازِ لغوی مفردات میں متحقق ہوتا ہے، لہٰذا "أَنْبَتَ الرَبِيعُ" میں نہ

---

[1] جواہر البلاغۃ:۲۵۵۔

[2] مختصر المعانی:۱/۱۱۱۔

لفظ "أَنْبتَ "میں مجاز ہے اورنہ ہی "الربِيعُ" میں مجاز ہے، بلکہ "أَنْبتَ" کی "الربِيعُ" کی طرف ہونے والی نسبت میں مجاز ہے اور جب کہ " رأيتُ أسدًا يَتكلّمُ" میں لفظ "أسدًا" میں مجاز ہے، اس لیے کہ اس کو حیوان مفترس سے منقول کرکے رجل شجاع کے لیے استعمال کیا گیا ہے[1]۔

تمرین

درج مثالوں میں اسناد مجازی کے علاقوں کی نشاندہی کریں۔

أُوْلئِكَ شَرٌّ مَكاناً، فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ، وَلَهُمْ عَذابٌ مُقِيمٌ، هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا، أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ، مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ، وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً، وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ، يُذَبِّحُ أَبْناءَهُمْ، تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا، تِلْكَ إِذاً كَرَّةٌ خاسِرَةٌ، وَاللَّيْلِ إِذا سَجٰى، ناصِيَةٍ كاذِبَةٍ خاطِئَةٍ، وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ، إِنَّ الَّذِينَ يُبايِعُونَكَ إِنَّما يُبايِعُونَ اللهَ، ظَلَّ ظَلِيْلٌ، نَهَارُهُ صَائِمٌ، لَيْلُهُ قَائِمٌ.

---

(۱) صاحبِ تلخیص کا مذہب یہ ہے کہ مجاز عقلی کے لیے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے خواہ اس کی معرفت ظاہر ہو یا خفی ہو اور شیخ عبد القاہر جرجانی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مجاز عقلی میں فعل کے لیے فاعل حقیقی اور ماہولہ کا ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ "سرتني رؤيتك" میں کوئی ایسا فاعل حقیقی نہیں ہے جس کی طرف ان افعال کی اسناد حقیقت بن جائے اور اسی طرح "اقدمني بلدك حق لى عليك" میں بھی کوئی ایسا فاعل نہیں ہے جس کی طرف اس کی اسناد حقیقی ہو، بلکہ جن جن چیزوں کی طرف ان افعال کی اسناد کی گئی ہے یہی اس کے لیے فاعل مجازی بن رہے ہیں۔ صاحبِ تلخیص اور علامہ جرجانی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ تلخیص کے نزدیک مجاز عقلی کے لیے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف مجاز بننے سے پہلے حقیقۃً اسناد کی گئی ہو تاکہ مجاز بنانا درست ہوسکے، کیونکہ مجاز کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی حقیقت مستعمل ہو اور علامہ جرجانی کے نزدیک فعل اگر خارج میں موجود ہے تو اس کے لیے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے اور اگر فعل خارج میں موجود نہیں ہے بلکہ فعل ایک امر اعتباری ہے تو پھر اس کے لیے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ایک فاعل اعتباری کافی ہے، پھر اسی فاعل اعتباری سے فاعل مجازی کی طرف انتقال کیا جائے گا۔ امام فخر الدین رازیؒ نے علامہ جرجانی کی اس مذہب کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ علامہ جرجانی کی یہ بات درست نہیں ، کیونکہ اس صورت میں فعل کا بغیر فاعل کے وجود میں آنا لازم آئے گا اور فعل کا وجود بغیر فاعل کے محال ہے، لہذا اگر فعل کا مسند الیہ اگر واقعی فاعل حقیقی ہے تو فعل میں مجاز نہیں ہوگا اور اگر فعل کا اسناد فاعل حقیقی کی طرف نہ ہو تو فاعل حقیقی کو مقدر ماننا ہوگا، علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ امام رازی کا یہ اعتراض صحیح ہے کیونکہ تمام افعال کا فاعل حقیقی اللہ تعالی ہے۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ:

حقیقت، اس لیے کہ مسند الیہ اور مسند دونوں معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجازِ عقلی، مجازِ اسنادی، مجازِ حکمی، مجاز فی الاسناد، اس لیے کہ فعل کی نسبت غیر ماہولہ کی طرف کی گئی ہے، علاقہ مجازِ عقلی اسناد الی السبب۔

✍...أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ:

حقیقت، اس لیے کہ مسند الیہ اور مسند دونوں معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجازِ عقلی، مجازِ اسنادی، مجازِ حکمی، مجاز فی الاسناد، اس لیے کہ فعل کی نسبت غیر ماہولہ کی طرف کی گئی ہے۔ علاقہ مجازِ عقلی اسناد الی السبب۔

بابِ دوم:

احوالِ مسندالیہ

یہ باب درج ذیل تیرہ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: تعریفِ مسند الیہ فصلِ دوم: ضمیر کابیان

فصلِ سوم: عَلَم کابیان فصلِ چہارم: اسمِ اشارہ کابیان

فصلِ پنجم: اسمِ موصول کابیان فصلِ ششم: معرف باللام کابیان

فصلِ ہفتم: مضاف الی المعرفہ کابیان فصلِ ہشتم: معرفہ بہ نداء کابیان

فصلِ نہم: تنکیرِ مسند الیہ کابیان فصلِ دہم: تقدیمِ مسند الیہ کابیان

فصلِ یازدہم: ذکرِ مسند الیہ کابیان فصلِ دوازدہم: حذف کابیان

فصلِ سیزدہم: حذفِ مسند الیہ کابیان

بابِ دوم: احوالِ مسند الیہ

احوالِ مسند الیہ سے مراد وہ امور ہیں جو مسند الیہ کو مسند الیہ ہونے کی حیثیت سے عارض ہوتے ہیں۔ مسند الیہ کے احوال کو مسند کے احوال پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ مسند الیہ کلام میں رکنِ اعظم ہوتا ہے، اس لیے مسند الیہ سے ذات مراد ہوتی ہے اور مسند سے وصف مراد ہوتی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ ذات کو وصف کے مقابلہ میں اعظمیت حاصل ہے، الغرض مسند الیہ رکن اعظم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ یہ باب مسند الیہ کے درج ذیل احوال پر مشتمل ہے:

۱۔ تعریف مسند الیہ ۲۔ تنکیر مسند الیہ ۳۔ تقدیم مسند الیہ ۴۔ ذکر مسند الیہ ۵۔ حذف مسند الیہ

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

فصل اول: تعریف مسند الیہ

معرفہ کی تعریف:

معرفہ وہ اسم ہے جس کسی معین و مشخص چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے "احمد، مكه، مدينه" وغیرہ۔
یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مسند الیہ میں اصل تعریف اور مسند میں اصل تنکیر ہے، لیکن بعض اغراض کی وجہ سے مسند الیہ میں تنکیر اور مسند میں تعریف کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے چل کر آئے گی[1]۔ اب ذیل میں معرفہ کے اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے۔

معرفہ کی اقسام وانواع

معرفہ کی درج ذیل سات قسمیں ہیں:۔

۱۔ ضمیر ۲۔ عَلَم ۳۔ اسم اشارہ ۴۔ اسمِ موصول ۵۔ معرف باللام

٦۔ مضاف الی المعرفۃ ۷۔ منادیٰ۔

---

[1] مختصر المعانی: ۱/ ۱۳۲۔

فصلِ دوم: ضمیر کا بیان

ضمیر کی تعریف:

ضمیر وہ اسمِ غیر متمکن ہے، جو متکلم، مخاطب یا ایسے غائب پر اختصاراً دلالت کرے، جس کا ذکر ما قبل لفظاً، یا معنیً اور یا حکماً ہو چکا ہو۔ مسند الیہ کو ضمیر کی صورت میں معرفہ لانے کے چند اسباب اور دواعی درج ذیل ہیں:۔

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔تعیین المسندالیہ ۲۔کون المقام للتکلم ۳۔کون المقام للخطاب ۴۔کون المقام للغیبوبۃ مع الاختصار لتقدم ذکرہ.

۱۔۔۔۔ تعیین المسندالیه: مسند الیہ کے متعین ہونے کو واضح کرنے کے لیے اس کو ضمیر کی صورت میں معرفہ لایا جاتا ہے جیسے " اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ "(سورۃ البقرۃ:۲۵۵)اس مثال میں "هُوَ" ضمیر غائب مسند الیہ ہے اور اس کا مرجع اللہ تعالی متعین ہے۔

۲۔۔۔کون المقام للتکلم: تکلم کے مقام میں مسند الیہ کو ضمیر کی صورت میں معرفہ لایا جاتا ہے، جیسے "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ "(سورۃ الحجر:۹)اور اسی طرح جب تکلم کیساتھ اختصار مد نظر ہو تب مسند الیہ کو معرفہ کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے، جیسے " وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ "(سورۃ یوسف:۱۱)۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ متکلم کی ضمیر لانے کی دو اغراضِ مجاز یہ ہیں:۔

(الف) ایناس (مانوس کرنا)   (ب) طمانیت (مخاطب کو مطمئن کرنا)

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(الف)۔۔۔ایناس (مانوس کرنا): بعض اوقات مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے ضمیر متکلم لایا جاتا ہے، جیسے "فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَامُوسَى إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي " (سورۃ طٰہٰ:۱۱-۱۴)اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے پہلی مرتبہ خطاب فرمایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام مانوس کرنے کا تھا،اس لیے کہ متکلم کے ضمائر لائیں ہیں۔

(ب)۔۔۔ طمانیت (مخاطب کو مطمئن کرنا): بسا اوقات مخاطب کو اطمینان و بھروسہ دینے کے لیے مسند الیہ کو ضمیر کی صورت میں معرفہ لایا جاتا ہے، جیسے "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ "(سورۃ الحجر:۹) یہاں

نزول قرآن اوراس کی حفاظت کے متعلق اہل ایمان کے دلوں میں اعتماد و بھروسہ پیدا کرنے ضمیر متکلم لایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔

۳۔۔۔کون المقام للخطاب: کبھی خطاب کے موقع پر مسند الیہ کو ضمیر کی صورت میں معرفہ لایا جاتا ہے، جیسے" وَلَوْ تَرَى إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ"(سورۃ سبا:۵۱)۔یہاں" تَرَى"میں مخاطب ضمیر مذکور ہے،اس لیے کہ یہ خطاب کا صیغہ ہے۔

٤۔۔۔کون المقام للغیبوبۃ مع الاختصار لتقدم ذکرہ: مقامِ غیبوبت میں مرجع کے مذکور ہونے کی حالت میں اختصار ملحوظ ہو، جیسے" فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ"(سورۃ الاعراف:۸۷) اگر تم میرے دین کے بارے میں اختلاف ہی کرتے ہو اور اسے متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے، تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔یہاں ماقبل لفظ"اللہ"کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے-"اسماء الظواھر کلھا غُیب"اس وجہ سے ضمیر غائب راجع فرمائی ہے[۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: ضمیر کو دیگر معارف پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ اعرف المعارف ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: جب متکلم اپنے متعلق کوئی بات کرے تو یہ مقامِ تکلم کہلاتا ہے اور جب اپنے سامنے موجود کسی شخص سے گفتگو کرے تو یہ مقامِ خطاب کہلاتا ہے اور اگر کسی غائب کے متعلق گفتگو کرے تو یہ مقامِ غیبوبت کہلاتا ہے، جس میں اس غائب کا تذکرہ لفظاً یا حکماً پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے، پھر کسی قرینہ اور سیاق وسباق سے اس غائب کا علم ہو جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: عموماً متکلم ایک معین مخاطب سے گفتگو کرتا ہے، لیکن کبھی مستقبل میں آنے والے ہر مخاطب بننے کی صلاحیت رکھنے والے کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام خطاب کیا جاتا ہے، جیسے"وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا"(سورۃ الدھر:۲۰) جب وہ ایک ادنی درجے کے جنتی کو نصیب ہونے والی جگہ دیکھو گے تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہاں اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی! یہ بات اس قدر ظاہر واضح ہو گی کہ کسی سے مخفی نہیں کہ کسی مخصوص شخص کو نظر آئے اور دوسرے کو نہیں، لہذا خطاب میں عمومیت ہے[۳]۔

---

[۱] علوم البلاغۃ للمرغی:۱/۱۱۳۔

[۲] ہامش جواہر البلاغۃ:۱۰۵۔

[۳] علوم البلاغۃ للمرغی:۱/۱۱۳۔

قاعدہ نمبر ۴: اسمِ ظاہر کو غائب کے درجے میں رکھا جاتا ہے، اگرچہ وہ خود موجود ہی کیوں نہ ہو، جیسے "اللّٰہُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا" (سورۃ الرعد:۲) یہاں اللہ تعالی کی طرف "رَفَعَ" میں غائب ضمیر راجع کی گئی ہے، حالانکہ اللہ تعالی تو ہر جگہ ہر آن موجود ہے![1]

تمرین

درج مثالوں میں مسند الیہ کو بصورت ضمیر معرفہ لانے کے اسباب و علل کی تعیین کیجئے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِني أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ. اِذهَب أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلاَ تَنِيَا فِي ذِكْرِي * اذهبآ إلى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طغى * فَقُولاَ لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يخشى. فَلاَ تَمُوتُنَّ إَلاَّ وَأَنْتُم مُّسْلِمُونَ. انا النبيّ لا كذب، أنا ابنُ عبد المطَّلب. إذ أنت أكرمت الكريم ملكته وإن أنت أكرمت اللئيم تمردا. فَإِنَّها لا تَعْمَى الْأَبْصارُ وَلكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ.

چند حل شدہ مثالیں:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ:

احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "نَحْنُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للتکلم...... "نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ" جملہ مسند محکوم بہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

اِذهَب أَنتَ وَأَخُوكَ:

احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "اِذهَب" فعل مسند محکوم بہ...... اس میں ضمیر مخاطب مسند الیہ محکوم علیہ فاعل معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

[1] نیل الامانی: ۱/ ۳۱۶۔

فصلِ سوم: عَلم کا بیان

عَلم کی تعریف:

عَلم وہ اسم ہے، جو کسی معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ اس معین وضع میں کسی دوسرے کو شامل نہ کیا گیا ہو، جیسے "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ"(سورۃ الفتح:۲۹) محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اللہ کے رسول ہیں! دیکھئے یہاں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت کے اثبات کا موقع آیا تو اللہ تعالی نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خاص نام "محمد" کو ذکر فرمایا، تاکہ کسی کو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت میں شک وشبہ نہ رہے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت پر شہادت پختہ ہو جائے۔

مسند الیہ کو عَلم کی صورت میں معرفہ لانے کے اسباب ودواعی درج ذیل ہیں:۔

۱۔إحضار المعنی فی ذھن السامع باسمہ الخاص ۲-تعظیم وتوقیر ۳-إھانت وتحقیر ۴- استلذاذ ۵-بیان الاختصاص.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔احضار المعنی فی ذھن السامع باسمہ الخاص: مسند الیہ کو اس کے خاص نام کیساتھ مخاطب کے ذہن میں مستحضر کرنا مقصود ہو، تاکہ وہ دیگر اسماء سے ممتاز ہو جائے، جیسے "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ "(سورۃ البقرۃ:۱۲۷) یہاں ابراہیم اور اسماعیل مسند الیہ کو خاص نام سے ذکر کیا ہے، تاکہ دیگر حضرات سے ممتاز ہو جائیں۔

۲۔۔۔ تعظیم وتوقیر: بعض اوقات مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ لانے سے عظمت مقصود ہوتی ہے، جیسے "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ"(سورۃ الفتح:۲۹) محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اللہ کے رسول ہیں! یہاں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔اھانت وتحقیر: کبھی مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ لانے سے حقارت مقصود ہوتی ہے، جیسے "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ"(سورۃ المسد:۱) یہاں ابو لہب کا نام ذکر کرنے سے اس کی اہانت وتحقیر مقصود ہے۔

۳۔۔۔ استلذاذ: بسا اوقات مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ لانے سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتی ہے، جیسے "قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكِ"[۱] حدیثِ اُم زرع میں دسویں عورت نے

---

(۱) شمائل الترمذی:۲۰۹، رقم:۲۵۴۔

کہا تھا کہ میرا شوہر مالک ہے، مالک کا کیا کہنا! مالک تو ان تمام عورتوں کے شوہروں سے بہتر ہے! یہاں تیسری جگہ "مالک" کا تذکرہ تلذذ حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

٣ ۔۔۔بیان الاختصاص: کبھی مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ لانے سے تخصیص مقصود ہوتی ہے، جیسے "اللّٰہُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا" (سورۃ الرعد:٢) یہاں دیکھئے کہ آسمانوں کو بلند کرنا صرف باری تعالی کی طرف منسوب ہے، اس لیے لفظ "اللہ" کو بصورت عَلم ذکر کیا گیا ہے۔

فصلِ چہارم: اسم اشارہ کا بیان

اسمِ اشارہ کی تعریف:

وہ اسمِ غیر متمکن ہے، جو کسی محسوس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اور جب کسی چیز کو مکمل طور پر ممتاز کرنا کرنا مقصود ہو تو اُسے اسمِ اشارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ" (سورۃ الاسراء:۹) بے شک قرآن سب سے سیدھی راہ بتلاتا ہے، یعنی یوں تو تورات بھی بنی اسرائیل کو راہ راست بتلانے والی تھی، جیسے ارشاد ہے۔ "وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ" (سورۃ الاسراء:۲) لیکن قرآن مجید ساری دُنیا کو سب سے زیادہ اچھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے، یہاں قرآن مجید کو مکمل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اشارہ قریب کا اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے کے چند اسباب اور دواعی یہ ہیں:۔

۱۔ إحضار المعنى فی ذهن السامع ۲- بیان حال المشار الیه ۳- بُعدرُتبی ۴- تعظیم ۵- تحقیر ۶- إظهار الاستغراب ۷- غباوة السامع ۸- تمیز المسندالیه أکمل تمیز ۹- تجسید المعنویات ۱۰- تلخیص الکلام.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔احضار المعنى فی ذهن السامع: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے سامع کے ذہن میں مشارالیہ کا معنی متعین کرنا مقصود ہوتا ہے، تاہم یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مشارالیہ کے نام اور صفت سے ناواقفیت ہو، جیسے " قَالُوا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ" (سورۃ الانبیاء:۶۲) کیا تُونے ہمارے معبودوں کیساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟ اسی طرح "قَالَ يَابُشْرَى هَذَا غُلَامٌ" (سورۃ یوسف:۱۹) وہ شخص بے ساختہ بول اُٹھا: لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے! یہاں ڈول ڈالنے والا یوسف علیہ السلام کے نام سے ناواقف تھا، اس لیے اس نے اشارہ کا اسلوب اختیار کیا۔

۲۔۔۔ بیان حال المشار الیه: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے مشارالیہ کے قُرب، بُعد اور توسط کے حال کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے " قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي" (سورۃ یوسف:۹۰) برادرانِ یوسف نے کہا: ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے! یہاں مشارالیہ کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرے قریب موجود میرا بھائی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ جنت کے

متعلق فرمایا۔ "تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا"(سورۃ مریم:۶۳) یہ وہ جنت ہے، جس کاوارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔ یہاں جنت کے بُعد کو"تِلْكَ"اسم اشارہ کیساتھ تعبیر فرمایا گیاہے[۱]۔

۳۔۔۔ بُعدرُتبی: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ اشارہ(بعید) کی صورت میں معرفہ لانے سے بُعدرُتبی اور علوِ مکان کابیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے" ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ"(سورۃ البقرۃ:۲) یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں![۲]

٤۔۔۔ تعظیم: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے مشارالیہ کی عظمت وجلالتِ شان کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے"وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ"(سورۃ الانعام:۱۵۳) یہاں اسم اشارہ قریب"هَذَا"مشارالیہ کی عظمت وجلالت شان بتلانے کے لیے لاا گیاہے۔اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے۔"تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا"(سورۃ مریم:۶۳) یہ وہ جنت ہے، جس کاوارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔ یہاں"تِلْكَ"اسم اشارہ بعید تعظیم اور جلالت شان کے لیے ہے[۳]۔

۵۔۔۔تحقیر: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے مشارالیہ کی حقارت اوراہانت کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے" وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ"(سورۃ العنکبوت :۶۴) یہاں دُنیا کی حقارت اور دنائت کو تعبیر کرنے کے لیے"هذه"اسمِ اشارہ قریب کو لایا گیاہے۔اسی طرح ایک فرمایا۔ "أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ"(سورۃ الماعون:۱-۲) یہاں مکذب اور یتیم کو دُھتکارنے والے کی تحقیر اور دنائت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو اسمِ اشارہ بعید سے تعبیر فرمایا۔

٦۔۔۔ اظہار الاستغراب: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے مشارالیہ کے نادر اور حیرت انگیز ہونے کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے شعر ہے۔

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ   وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقاً

---

[۱] مختصر المعانی:۱/۱۵۵۔

[۲] علوم البلاغہ للمراغی:۳۲۵۔

[۳] علوم البلاغہ للمراغی:۳۲۵۔

هَذَا الَّذِي تَرَكَ الأَوْهَامَ حَائِرَةً   وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النَّحْرِيرَ زِنْدِيقَا

ترجمہ: کتنے ہی عقل مند ایسے ہیں کہ ان کو کسبِ معاش نے پریشان کررکھاہے اور کتنے ہی نرے جاہلوں کو توخوش عیش اور تونگر دیکھے گا، اسی چیز نے توعقول کو چکر میں ڈال دیاہے اور عالم باکمال کو کافر بنادیاہے۔

اس دوسرے شعر میں "ھذا" اسم اشارہ کااستعمال کرنے کی غرض نُدرت اور غرابت کو ظاہر کرناہے۔

۷۔۔۔کمال العنایہ بہ: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے مشارالیہ کی طرف دوسروں کو مکمل طورپر متوجہ کرنا اوراس کو ہم جنسوں سے ممتاز ونمایاں کرنامقصود ہوتاہے، جیسے فرزدق کاشعر ہے۔

هذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ   والْبَيْتُ يَعْرِفُهُ والْحِلُّ والْحَرَمُ

ترجمہ: یہ حضرت زین العابدینؒ کی وہ معروف شخصیت ہے، جن کے نشانِ قدم کو ارضِ بطحاء یعنی مکہ مکرمہ کی زمین پہچانتی ہے اور بیت اللہ اور حل وحرم انہیں جانتے ہیں! یہاں فرزدق نے اسمِ اشارہ قریب استعمال فرماکر بتلایا کہ آپؒ عالی حسب ونسب والے ہیں، اسی وجہ سے لوگوں کے منظورِ نظر ہیں۔ اور شاعر نے اسمِ اشارہ لاکر دوسروں کو بھی آپؒ کی طرف متوجہ کیا۔

اس شعر کاپسِ منظریوں ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک ایک سال حج کی غرض سے مکہ معظمہ پہنچا، ملک شام کے سادات اور رؤساء بھی اس کے ہمراہ تھے، وہ جب حجرِ اسود کو چومنے کے لیے آگے بڑھاتولوگوں کے غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی اثناء میں امام زین العابدین بن علی بن حسینؒ تشریف لائے اور طواف کرنے لگے، پھر حجرِاسود کی طرف بڑھے توسب لوگ آپ کے راستے سے ہٹ گئے۔ شام کے رؤساء اورامراء نے امام زین العابدینؒ کی اس جلالتِ شان کو دیکھ کر خلیفہ ہشام سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ توخلیفہ ہشام نے جواب دیاکہ میں انہیں نہیں پہچانتا۔ عرب کامشہور شاعر فرزدق قریب ہی کھڑاہواتھا۔ اُس نے فوراً کہاکہ میں انہیں خوب پہچانتاہوں اور یہ شعر پڑھنے لگا[1]۔

۸۔۔۔غباوۃ السامع: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے سامع کی غباوت کی طرف اشارہ مقصود ہوتاہے، جیسے " هَذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ "(سورۃ لقمان:۱۱) یہاں "ھذا" اسمِ اشارہ لاکر سامع کی غباوت کی طرف اشارہ کیاگیاہے۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱/ ۱۱۲۔

۹۔۔۔تمیز المسندالیہ اکمل تمیز: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو کامل طور پر ممتاز اور نمایاں کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ" (سورۃ الاسراء:۹) بے شک قرآن سب سے سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ یہاں مسند الیہ (قرآن مجید) کو مکمل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اسمِ اشارہ ذکر کیا گیا ہے، نیز اسمِ اشارہ قریب لا کر یہ بتلا کہ اس کتابِ ہدایت سے فائدہ اُٹھانا اور ہدایت حاصل کرنا انتہائی آسان ہے۔

۱۰۔۔۔تجسید المعنویات: کبھی امورِ معنویہ کو امورِ محسوسہ کی صورت میں پیش کرنے کے لیے بھی اسمِ اشارہ کالایا جاتا ہے، جیسے "يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ" (سورۃ النور:۴۴) یہاں اسم اشارہ "ذَلِكَ" کے ذریعے معنوی چیز (دن ورات کا اُلٹ پھیر) کو محسوس صورت میں پیش کیا گیا ہے، نیز اسم اشارہ بعید لاکر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ وہ نصیحت ہے، جس کو صرف اہل ایمان ہی حاصل کرتے ہیں۔

۱۱۔۔۔ تلخیص الکلام: کبھی مسند الیہ کو اسمِ اشارہ کی صورت میں معرفہ لانے سے اختصار مقصود ہوتا ہے، یعنی متکلم کئی جملوں کا اعادہ کرنے، بلکہ بسا اوقات پورے صفحے کے مضمون کا اعادہ کرنے کے بجائے اس مضمون کو اختصاراً اسمِ اشارہ کے ذریعے سمیٹ لیتا ہے، جیسے "ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَى فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا" (سورۃ الاسراء:۳۹) یعنی ما قبل جو پُر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، مثلا: "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ، وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ، وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ، وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ، وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ ، وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ، وَزِنُوابِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ، وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا" یہ تمام علم وحکمت اور تہذیب واخلاق کی باتیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے، یہ اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہے۔ دیکھئے ایک اشارہ میں کس قدر نصائح کو سمیٹ لیا گیا ہے!![1]

---

[1] ومنهم إرادة التهكّم بالمخاطب، من أمثلته أن يكون المخاطب أُمِّيّاً لا يقرأ ولاَ يكتُبُ، ويُجَادِل في مسائل علميّة، ويدّعي أنَّ القرآن يشْهَدُ لِمَا يقول، وذكَرَ آيةً من حفظه على خلاف تلاوتها الصحيحة، ومُحَدِّثه يَعْلَمُ أنَّه أُمِّي، فيقول له: هذا المصحف فاتْلُ علينا الآيَةَ الَّتِي ذكَرْ"۔ البلاغۃ العربیہ:۱/۴۱۳۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: علم وہ ہوتا ہے، جو معین مشخص چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، اور اس وضع میں اس کیساتھ غیر شامل نہ ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں:۔ (۱) اسم (۲) کنیت (۳) لقب۔

(۱) اسم: وہ علم ہے، جو ذات پر دلالت کرنے کے لیے وضع ہو، لیکن کنیت اور لقب نہ ہو، جیسے ''زید، عمرو، بکر''۔

(۲) کنیت: وہ علم مرکب ہے جس کی ابتداء ''أب'' یا ''أم'' سے کی گئی ہو، جیسے ''ابوالحسن'' اور ''اُم محمد''۔

(۳) لقب: وہ علم ہے جو انسان پر تسمیہ کے بعد بولا جائے اور مدح یا ذم کیساتھ مشہور ہو، جیسے ''عمرالفاروق.''[۱]

قاعدہ نمبر ۲: معرفہ کی اقسام میں اعرف المعارف ضمیر، پھر اسم علم مشخص، پھر اسم اشارہ، پھر اسم موصول، پھر معرف باللام، پھر وہ معرفہ جو اضافت کی وجہ سے معرفہ بنا ہو۔

قاعدہ نمبر ۳: جب کسی جملہ میں اسم اور لقب جمع ہوں تو اسم کو لقب پر مقدم کیا جائے گا، جیسے ''علی زین العابدین'' وغیرہ[۲]۔

قاعدہ نمبر ۴: کنیت کی اسم اور لقب دونوں پر تقدیم وتاخیر دونوں جائز ہیں[۳]۔

قاعدہ نمبر ۵: مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ تفاؤل، تشاؤم، تبرک وغیرہ کے لیے لایا جاتا ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر ۶: جب سامع کے ذہن میں مسند الیہ کے مدلول کو معین ومشخص صورت میں لانے کا تقاضہ ہو تو مدلول کے خاص نام اور عَلَم کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ'' (سورۃ الاخلاص:۱-۲) اس مقام پر مشرکین کی تردید مقصود ہے اور ان کے سامنے توحید الٰہی کو واضح کرنا مقصود ہے، اس لیے باری تعالی کے مخصوص نام سے تذکرہ زیادہ موزوں اور مناسب تھا، اس وجہ سے لفظ ''اللہ'' کا ذکر کیا گیا ہے![۵]

---

(۱) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۲۸۔

(۲) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۱۴۔

(۳) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۱۴۔

(۴) جواہر البلاغۃ:۱۰۷، البلاغۃ العربیہ:۱/۴۱۷، ۴۱۵۔

(۵) علوم البلاغۃ للمراغی:۱/۹۷۔

قاعدہ نمبر:اسمِ اشارہ قریب کے ذریعے دو متضاد امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہیں مشار الیہ کی تحقیر اور اس کے گھٹیا پن کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو کہیں مشار الیہ کے غایتِ قرب کو بتلا کر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا اور راہنمائی حاصل کرنا انتہائی آسان ہے، جیسے تعظیم اور تحقیر دونوں کی مثالوں سے واضح ہے۔ایسا ہی حال اسم اشارہ بعید میں بھی ہے، جیسے " فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ*وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ "(سورۃ المؤمنون:۱۰۲-۱۰۳) یہاں پہلا اسمِ اشارہ "فَأُولَئِكَ "تعظیم و توقیر کے لیے ہے اور دوسرا اسمِ اشارہ "فَأُولَئِكَ "تحقیر اور اہانت کے لیے ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر:بسا اوقات کسی چیز کے متعدد صفات ذکر کرنے کے بعد اسم اشارہ لا کر یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ چیز مذکورہ متعدد صفات کی وجہ سے اس بات کے لائق ہے کہ اس کو اسم اشارہ کے بعد ذکر کیا جائے، جیسے "أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ "(سورۃ البقرۃ:۵) اس آیت سے پہلے متقیوں کے ایمان بالغیب، اقامت صلاۃ، ایتاء الزکاۃ، انفاق، ایمان بالآخرۃ کا تذکرہ کیا گیا ہے، چنانچہ یہ متقین اس لائق ہیں کہ انہیں ہدایت اور کامیابی کا تمغہ دیا جائے، اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ ہدایت کے علمبردار ہیں[۲]۔

فائدہ نمبر:اسمائے اشارات علی الاطلاق محسوس مبصر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے موضوع ہیں، لیکن کبھی علی سبیل المجاز غیر مدرک بالبصر اور غیر مشاہد چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جیسے "سمعتُ هذا الصوتَ، شممتُ هذا الريحَ، ذقتُ هذا الطعمَ"۔پس اسم اشارہ بعید تو شئ بعید محسوس بالبصر کے لیے موضوع ہے، لیکن اس سے ہر اس چیز کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے، جو غائب عن الحس ہو خواہ یہ شئ غائب ذات ہو یا معنی قائم بالغیر۔نیز ذات غائب خواہ مستخیل الاحساس ہو، جیسے "ذلكم الله ربكم"۔یا ممکن الاحساس ہو، مگر غیر مشاہد ہو، جیسے "تلك الجنة التى أورثتموها"۔ نیز لفظ "ذلك" کے ذریعہ اس معنی کو بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جس کا ذکر کلام سابق میں ہو چکا ہو اور مذکورہ ہونے کی بناء پر حاضر فی الذہن ہو، جیسے "كذلك يضرب الله للناس أمثالهم"۔اس میں لفظ "ذلك" سے اس مثال کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آیت سابقہ "ذلك بان الذين---" میں ہو چکا ہے[۳]۔

تمرین

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۱/۱۱۳۔

[۲] علوم البلاغۃ للمراغی:۱/۹۹؛البلاغۃ العربیۃ:۱/۴۲۷۔

[۳] نیل الامانی:۱/۲۳۷۔

درج ذیل مثالوں میں مسند الیہ کو علم اور اسم اشارہ کی صورت میں لانے کی علل و داعی کی تعیین کیجئے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ. فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ. وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ. فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَآءِ هاؤلاء إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ. هل هذا إلا بشرِ مثلُكم. سُبْحَانَكَ هذا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ. جاء نصر. حضر صلاح الدين. هذه بضاعتنا. إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ. فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ. من يهزأ بأعمى هذا الهلال في السماء. هذا ما تشير إليه عبارتك. جاءت بشرى وأقبل سرور. حرب في البلد. جاء صخر. وذهب تأبط شرّا.

چند حل شدہ مثالیں:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ:

احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "يَرْفَعُ" فعل مسند محکوم بہ...... "إِبْرَاهِيمُ" فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف احضار المعنی فی ذہن السامع باسمہ الخاص...... اسناد اسنادِ حقیقی...... فعل فاعل سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ۔

سُبْحَانَكَ هذا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ:

احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "هَذَا" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ باسم اشارہ غرضِ تعریف تحقیر مشار الیہ...... "بُهْتَانٌ عَظِيمٌ" مسند محکوم بہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصلِ پنجم: اسمِ موصول کا بیان

اسمِ موصول کی تعریف:

اسمِ موصول وہ اسمِ غیر متمکن ہے جو صلہ کے بغیر جملے کا جزء بن سکے، جیسے "الذی، التی" وغیرہ[1] مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں اس وقت لایا جاتا ہے، جب متکلم اور مخاطب دونوں صلہ سے واقف ہوں، جیسے "الذی کان معنا أمس مسافر" جو شخص کل ہمارے ساتھ تھا وہ ایک مسافر ہے۔ دیکھئے یہ جملہ اُس وقت کہا جاتا ہے، جب اس مسافر کے نام سے واقفیت نہ ہو۔

مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے کے چند اسباب اور دواعی درج ذیل ہیں:۔

۱۔إحضار المعنى فی ذهن السامع ۲-عدم العلم عن أمره سوى الصلة ۳-تفخيم ۴-تهويل ۵-قصد الهداية ۶-توبيخ ۷-إخفاء الأمر عن غير المخاطب ۸-تنبيه على الخطاء ۹-تهكم ۱۰-كراهية ۱۱-زيادة التقرير والايضاح ۱۲-تعليل ۱۳-ارادة العموم ۱۴-اختصار

مذکورہ اسباب کی تفصیل و تشریح حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔۔۔احضار المعنى فی ذهن السامع: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے سے سامع کے ذہن میں اس کا معنی و مفہوم کو حاضر اور متعین کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے جنت کی نعمتوں کے متعلق حدیث قدسی ہے: "أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ"[2] اس حدیث میں محدود سوچ رکھنے والے انسان کے دل و دماغ میں جنت کی لامحدود و غیر متصور نعمتوں کا کسی حد تک تصور جمانے کے لیے "مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ" کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور واقع میں اس کے لیے ایک یہی طریقہ متعین معلوم ہوتا ہے۔

۲۔۔۔عدم العلم عن امره سوى الصلة: کبھی مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے کہ مخاطب کو مسند الیہ کے صلہ کے علاوہ خاص احوال کا علم نہیں ہوتا ہے، جیسے " إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَى

---

[1] وأسماء الموصول، منها ما هو نصٌ في معناه، وهي ثمانية: "الذي – الّتِي – اللَّذَان – اللَّتَانِ – الأُولَى – الّذِينَ – اللاّتي – اللاّئي".

ومنها ما هو مشترك، وهي ستة: "مَنْ – ما – أيُّ – ألْ – ذو – ذا". (البلاغة العربية:۱/٤٢٨)

[2] صحیح مسلم:۴/۲۱۷۴، رقم:۲۸۸۴۔

أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ" (سورة الانبياء:۱۰۱) اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے وہ بے حساب لوگ جنہیں جہنم سے دور رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا اُن لوگوں کے خاص احوال (یعنی علاقے، زمانے اور شرائع) سے مخاطب ناواقف ہے، اس لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے[1]۔

۳۔۔۔ تفخیم: بعض اوقات کسی چیز کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اسمِ موصول کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے " إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى "(سورۃ النجم:۱۶) یہ آیت عربی محاورہ کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ترجمہ اس کے صحیح تاثر کیساتھ بہت مشکل ہے کہ درخت پر کیا چیزیں چھائی ہوئی تھیں؟ یہاں " مَا يَغْشَى " کے ابہام سے تفخیم پیدا ہوئی ہے۔

٤۔۔۔ تھویل: کبھی کسی چیز کی عظمت یا حقارت کے اعتبار سے سنگینی و ہولناکی کو بیان کرنے کے لیے اسم موصول کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے " فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ "(سورۃ طٰہٰ:۷۸) اس آیت میں "ما" اسمِ موصول ہے، جو بڑائی اور ہولناکی ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ وہ موجیں اتنی بڑی تھیں کہ اُن کی ہولناکی اور خوفناکی کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے!

٥۔۔۔ قصدالھدایۃ: کبھی متحدث عنہ (یعنی جس کے متعلق گفتگو ہو رہی ہو) کے نام کو چھپایا جاتا ہے، تاکہ متحدث عنہ اور دوسرے لوگ بھی حق و ہدایت کی طرف مائل ہوں، جیسے " إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ "(سورۃ النور:۱۹) اس آیت میں منافقین کی تردید ہے، کیونکہ بدکاری کی خبریں پھیلانے والے منافقین تھے، لیکن منافقین کا تذکرہ کیے بغیر اسمِ موصول لاکر مؤمنین کو بھی متنبہ فرمادیا کہ اگر بالفرض کسی کے دل میں خطرہ گذرا تو اب چاہیے کہ ایسی مہمل بات کا چرچہ کرتا نہ پھیرے! اگر کسی نے کسی مؤمن کی آبروریزی کی تو وہ خوب سمجھ لے! کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔

٦۔۔۔ زجروتوبیخ: بعض اوقات مسندالیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے سے ناراضگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جیسے " وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا اللَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ "(سورۃ حٰمٓ السجدہ:۲۹) اس آیت میں فرمایا کہ کل قیامت کو جہنمی کہیں گے خیر ہم

---

[1] عدم علم بغیر الصلہ کی تین صورتیں ہیں:۔ ۱۔ مخاطب کو صلہ کے علاوہ دیگر احوال کا علم نہ ہو، جیسے "الذی کان معنا امس رجل عالم"۔
۲۔ متکلم کو اس کا علم نہ ہو، جیسے "الذین کانوا معک امس لا اعرفھم"۔
۳۔ دونوں کو اس کا علم نہ ہو، جیسے "الذین فی بلاد الشرق لا نعرفھم"۔ (ملخصاً نیل الامانی:۱/۲۲۸)

تو آفت میں پھنسے ہیں، لیکن جن انسی اور جنی شیاطین نے ہمیں بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کیا ہے، ذرا نہیں ہمارے سامنے کر دیجیے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں اور نہایت ذلت وخواری کیساتھ جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں دھکیل دیں، تاکہ انتقام لے کر ہمارا دل ٹھنڈا ہو۔

۷۔۔۔ اخفاء الامر عن غیر المخاطب: کبھی اسمِ موصول لانے سے غیر مخاطب سے بات کو پوشیدہ رکھنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (سورۃ النور:۱۴) عبد اللہ بن ابی ابن سلول نامی ایک خبیث اور بد باطن منافق کو واقعہ افک کی ایک بات لگ گئی اور اس بد بخت نے بکنا شروع کر دیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی اس پر وپیگندے سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک باتیں کرنے لگے، ایک مہینہ تک یہی چرچہ رہا! اسی کو یہاں " مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ " سے تعبیر فرمایا کہ جو کچھ مؤمنین مخلصین نے چرچہ کیا تھا غیر مخاطب سے مخفی رکھا اور اللہ تعالی نے اہل ایمان کو معاف فرمایا[1]۔

۸۔۔۔ تنبیہ علی الخطا: کبھی مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے سے مخاطب کو غلطی پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے " إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ" (سورۃ الاعراف:۱۹۴) اس آیت میں مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی غلطی پر متنبہ کیا گیا ہے۔

۹۔۔۔ استہزاء وتہکم: بعض اوقات اسمِ موصول لاکر استہزاء اور تمسخر کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جیسے " وَقَالُوا يَاأَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ"(سورۃ الحجر:۶) یہاں موصول وصلہ ذکر کرنے سے کفار کی غرض العیاذباللہ! رسول اللہ ﷺ کا استہزاء و تمسخر ہے کہ آپ ہی بڑے رہ گئے تھے کہ جس کو اللہ تعالی نے رسالت کے لیے منتخب کر لیا!!

۱۰۔۔۔ کراھیۃ: کبھی اسمِ موصول لاکر ایک قسم ناگواری کا اظہار مقصود ہوتا ہے، یعنی نام لینا ناگوارہ ہوتا ہے، جیسے "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ"(سورۃ لقمان:۶) یہاں نضر بن حارث نامی مشرک کے نام کو تحقیراً چھپایا گیا ہے، جو اسی کوشش میں مختلف ممالک کا سفر کرتا تھا۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے۔ "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ"(سورۃ یوسف:۲۳) اس آیت میں زلیخا کے نام کی تصریح نہیں فرمائی، کیونکہ عورت کا نام لینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے نام کے علاوہ کسی عورت کا نام مذکور نہیں اور حضرت مریم علیہ السلام

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱/۱۱۴۔

کا ذکر بھی نصاری کے عقیدہ "عیسیٰ ابن اللہ" کی تردید کے لیے ہے[1]۔

۱۱ ۔۔۔ زیادۃ التقریر والایضاح: بعض اوقات کسی چیز کی پختگی ثابت کرنے کے لیے اسمِ موصول ذکر کیا جاتا ہے، جیسے "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ" (سورۃ یوسف:۲۳) اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پاک دامنی کو اچھی طرح ثابت کیا گیا ہے کہ جس عورت کے گھر میں آپ علیہ السلام ہر وقت رہتے تھے اس نے ان کو وَرغلانے اور پھسلانے کی کوشش کی، لیکن آپ نے اسباب و دواعی اور خلوت کے باوجود اعراض کیا۔

۱۲ ۔۔۔ تعلیل: کبھی مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے سے مقصود آنے والے انجام کی علت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے "إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ" (سورۃ المؤمن: ۶۰) اس آیت میں "يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي" آنے والے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" (سورۃ الکہف:۱۰۷) اس آیت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ پر جنت الفردوس کا وعدہ ہے، اگر یہ علت نہ پائی جائے تو جنت الفردوس میں داخلہ نہ ہو گا۔

۱۳ ۔۔۔ ارادۃ العموم: بعض اوقات مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لانے سے تعمیم مقصود ہوتی ہے، جیسے " وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ " (سورۃ العنکبوت:۶۹) اس آیت میں حکم عام ہے، خواہ عربی ہو، یا عجمی ہو، مرد ہو، یا عورت ہو، جوان ہو، یا بوڑھا ہو، ہر ایک کو یہ حکم شامل ہے۔

۱۴ ۔۔۔ اختصار: کبھی مسند الیہ یا غیر مسند الیہ کو شمار کرنا دُشوار ہوتا ہے تو اسمِ موصول کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے " يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللهُ" (سورۃ الاحزاب :۶۹) یہاں اگر قائلین کے ناموں کو شمار کرایا جاتا تو کلام میں طوالت پیدا ہو جاتی اور اگر تمام بنی اسرائیل پر حکم لگایا جاتا تو دُرست نہ ہوتا، کیونکہ سب حضرات اس کے قائل نہ تھے، اس لیے اختصار کے لیے یہ اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

قواعد و فوائد

فائدہ نمبر ۱: بعض اوقات متحدث عنہ کو راہِ راست پر لانے اور حق و ہدایت کی طرف مائل کرنے میں رغبت کی وجہ سے اس متحدث عنہ کو اسمِ موصول سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ" (سورۃ الحج:۸) اس آیت میں معاندین اور کج رَو لوگوں کو اُن کے نام یا اوصاف بیان کیے بغیر راہِ حق کی طرف مائل کرنا مقصود ہے، اس لیے تعریضی اُسلوب اختیار فرما کر اُن کو اسمِ موصول کیساتھ ذکر فرمایا[1]۔

---

(۱) البلاغۃ العربیۃ:۱/۴۳۱۔

قاعدہ نمبر ۲: کبھی مسند الیہ کو اسم موصول اس لیے لایا جاتا ہے کہ اس کا علمی نام قدر قباحت پر مشتمل ہو، جیسے "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا"۔(سورۃ یوسف:۲۳) میں ہے [۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: اسم موصول کا صلہ اکثر جملہ خبریہ ہوتا ہے، جیسے "الذی خلق کل شئی۔" [۳]

قاعدہ نمبر ۴: کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ بھی آتا ہے، جیسے " الذي في الدار، والذي عندك." [۴]

تمرین

درج مثالوں میں مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں معرفہ لانے کی دواعی و علل کی تعیین کیجئے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الذي أُنْزِلَ فِيهِ القرآن هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الهدى والفرقان. إنَّ اللّٰهَ جَعَلَ مَا يَخْرُجُ مِنِ ابْنِ آدم مَثَلاً للدّنْيَا. مَنْ يَضْمَنْ لِي ما بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجنَّة. فَغَشِيَهُمْ مِّنَ اليم مَا غَشِيَهُمْ. والمؤتفكة أهوى فَغَشَّاهَا مَا غشى. إِذْ يغشى السدرة مَا يغشى. إنَّ الذين آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصالحات وَأَقَامُواْ الصلاة وَآتَوُاْ الزكاة لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ. إِنَّ الذين كَفَرُواْ بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَاراً كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوداً غَيْرَهَا. ياأيها الذين آمَنُواْ اتقوا الله وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. الذي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ. وَقَالُواْ ياأيها الذي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذكر إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ.

چند حل شدہ مثالیں:

إِنَّ الذين آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصالحات وَأَقَامُواْ الصلاة وَآتَوُاْ الزكاة لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ:

احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: " الذین "مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ باسم موصول غرضِ تعریف ادارۃ العموم......" لَهُمْ أَجْرُهُمْ "مسند محکوم بہ......اسناد اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ:

احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "مِنَ النَّاسِ "ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ مقدم "مَنْ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ باسم موصول غرضِ تعریف باسم الموصول کراہیت...... اسناد اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۱/۱۱۴۔

[۲] نیل الامانی:۱/۲۲۹۔ البلاغۃ العربیہ:۱/۴۳۰۔

[۳] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۲۸۔

[۴] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۲۸۔

فصلِ ششم: معرف باللام کا بیان

معرف باللام کی تعریف:

معرفہ باللام وہ اسم ہے جس پر الف لام داخل کرکے معرفہ بنایا دیا گیا ہو، جیسے "الرجل" وغیرہ۔
واضح رہے کہ کسی اسم کو الف لام کے ذریعے معرفہ بنانے کی بنیادی طور پر دو غرضیں ہوتی ہیں:۔

۱۔۔۔ مدخول کی حقیقت کے افراد میں کسی معہود بین المتکلم والمخاطب فرد کی طرف اشارہ کرنا۔

۲۔۔۔ مدخول کی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا۔

اول الذکر کو الف لام عہدِ خارجی اور ثانی الذکر کو لامِ حقیقت یا لامِ جنس کہتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔ الف لام عہدِ خارجی کی تعریف:

وہ الف لام ہے جس سے متکلم اور مخاطب کے درمیان کسی ایک متعین فرد کی طرف اشارہ ہو، جو ماقبل صراحتاً، یا کنایتاً مذکور ہو۔ اور یا نہ صراحتاً مذکور ہو، اور نہ ہی کنایتاً مذکور ہو۔

الف لام عہد خارجی کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ صریحی ۲۔ کنائی ۳۔ علمی

۱۔۔۔ الف لام عہدِ خارجی صریحی کی تعریف:

وہ الف لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ ماقبل کلام میں صراحتاً ہو چکا ہو، جیسے "اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ "(سورۃ النور:۳۵) یہاں "الْمِصْبَاحُ" اور "الزُّجَاجَةُ" دونوں معرف باللام ہیں اور اس میں ماقبل "مِصْبَاحٌ" اور "زُجَاجَةٍ" کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔۔۔ الف لام عہدِ خارجی کنائی کی تعریف:

وہ الف لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ ماقبل کنایۃً ہو چکا ہو، جیسے " إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى "(سورۃ آل عمران:۳۵-۳۶) یہاں "الذَّكَرُ" مسند الیہ کے شروع میں الف لام عہدِ خارجی کنائی ہے، جس کا تذکرہ ماقبل کنایۃً "مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا" میں ہو چکا ہے، کیونکہ بیت

المقدس کی خدمت لڑکا کر سکتا ہے۔ نیز " کَالْأُنْــــثَیٰ " میں الف لام عہدِ خارجی صریحی ہے، کیونکہ اس کا تذکرہ پہلے " رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ " میں صراحتاً ہو چکا ہے[1]۔

۳۔۔۔ الف لام عہدِ خارجی علمی کی تعریف:

وہ الف لام ہے جس کا مدخول ما قبل نہ صراحتاً مذکور ہو اور نہ ہی کنایۃً مذکور ہو، جیسے " لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُـؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَـكَ تَحْـتَ الشَّـجَرَةِ "(سورۃ الفتح:۱۸) یہاں "الشَّـجَرَةِ" میں الف لام عہد خارجی علمی ہے، اس لیے کہ "شَّجَرَةِ" کا تذکرہ ما قبل نہ صراحتاً ہے اور نہ ہی کنایۃً ہے۔

۲۔۔۔۔ الف لام حقیقت کی تعریف:

وہ الف لام ہے، جس سے مدخول کی حقیقت کی طرف اشارہ ہو۔ پھر اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ الف لام جنسی ۲۔ الف لام استغراقی ۳۔ الف لام عہدِ ذہنی

۱۔۔۔ الف لام جنسی کی تعریف:

وہ الف لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت وماہیت مراد ہو، جیسے "الرِّجَـالُ قَوَّامُـونَ عَلَى النِّسَـاءِ "(سورۃ النساء:۳۴) یہاں "الرِّجَالُ" پر الف لام جنسی ہے کہ اللہ تعالی نے جنس مرد کو جنس عورت پر فضیلت دی ہے۔

۲۔۔۔ الف لام استغراقی کی تعریف:

وہ الف لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت کے تحت داخل ہونے والے تمام افراد مراد ہوں، جیسے " إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات "(سورۃ العصر:۲-۳) یہاں "الْإِنْسَـانَ" پر الف لام استغراقی ہے، جس پر "إِلَّا الَّذِيـنَ آمَنُـوا--" کا استثناء قرینہ ہے اور اسی طرح یہ ہے۔ "وَأَحْسِـنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِـبُّ الْمُحْسِـــنِينَ" (سورۃ البقرۃ:۱۹۵) یہاں بھی "الْمُحْسِـــنِينَ" پر الف لام استغراقی ہے کہ اللہ تعالی ہر ایک احسان کرنے والے سے محبت کرتے ہیں۔

۳۔۔۔ الف لام عہدِ ذہنی کی تعریف:

وہ الف لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے ایک مبہم غیر معین فرد مراد ہو، جو معہود فی الذہن ہو، جیسے " وَأَخَـافُ أَنْ يَأْكُلَـهُ الذِّئْـبُ "(سورۃ یوسف:۱۳) یہاں بھیڑیے کی حقیقت کے افراد میں سے ایک

---

[1] علوم البلاغۃ للمراغی:۱/۱۰۱۔

غیر معین فرد مراد ہے اوراس کا الف لام حقیقی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مدخول کی حقیقت اس معہود کو شامل ہوتی ہے۔[1]

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: جب ایک اسم دو مرتبہ مذکور ہو تو اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں، دونوں معرفہ ہوں گے، یا دونوں نکرہ ہوں گے، یا پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہوگا یا اس کے برعکس ہوگا۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔ اگر دونوں معرفہ ہوں تو ثانی سے عینِ اول مراد ہوگا، جیسے " اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ* صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "(سورۃ الفاتحہ:۶-۷) یہاں "صِرَاطَ" دونوں جگہ معرفہ ہے اور ثانی سے عین اول مراد ہے۔

۲۔۔۔ اگر دونوں نکرہ ہوں تو ثانی سے عموماً غیر اول مراد ہوگا، جیسے " اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ "(سورۃ الروم:۵۴) اس آیت میں اول "ضَعْفٍ" سے "نطفہ" اور ثانی "ضَعْفٍ" سے "طفولیت" اور ثالث "ضَعْفٍ" سے شیخوخت مراد ہے۔

۳۔۔۔ اگر پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو ثانی سے عموماً عینِ اول مراد ہوتا ہے، جیسے "كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ "(سورۃ المزمل:۱۵-۱۶) یہاں "الرَّسُول" سے عین اول مراد ہے۔

۴۔۔۔ اگر پہلا معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو اس کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، البتہ قرائن کے ذریعے تعیین ہوگی، چنانچہ ثانی سے عین اول مراد ہو، جیسے "وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ "(سورۃ الزمر:۲۶-۲۷) یہاں ثانی "قُرْآنًا" سے عین اول مراد ہے۔ اور کبھی ثانی سے غیر اول مراد ہوگا، جیسے "وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ "(سورۃ الروم:۵۵) یہاں ثانی "سَاعَةٍ" سے غیر اول مراد ہے[2]۔

---

[1] ملاحظة: لم أتعرّض هنا لما يسمَّى "اللاّم الزائدة: مثل "ال" في نحو "اللاّت والعزّى" وفي نحو "الآن" وفي نحو "اليزيد" والداخلة على الأعلام، مثل: "الحسن والحسين". ولم أتعرّض لما يُسمَّى "اللام الموصولية" التي تأتي بمعنى "الذي" وهي التي قد تدخل على اسم الفاعل، أو اسم المفعول، على مَعْنَى الذي، فهي حينئذٍ اسم موصول في صورة حرف، وصِلَتُها الوصف الذي دخلَتْ عليه، مثل: جاء الضاربُ أخاك، أي: الذي ضرب أخاك. لم أتعرّض لهما لأنهما بطبيعتيهما خارجتان عن اللام الّتي تدخل على الاسم فتعرّفه، وإنْ كانتا مُتشابهتين لها في دخولهما على بعض الأسماء مثل دخولها. (البلاغة العربية:۱/٤٤٤)

[2] الاتقان فی علوم القرآن:۱/۴۰۰۔

قاعدہ نمبر ۲: الف لام عہد ذہنی اور استغراقی دونوں لام حقیقت ہی ہیں[۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: الف لام حقیقی ایک اصل ہے کبھی اس کے مدخول سے حقیقت من حیث ہی ہی مراد ہوتی ہے اور کبھی بضمن فرد مبہم اور کبھی بضمن جمیع افراد ہوتی ہے، جس ایک کا قرینہ ہوگا اس پر محمول کیا جائے گا[۲]۔

قاعدہ نمبر ۴: الف لام تعریفی کی تقسیم علامہ تفتازانیؒ نے یوں کی ہے کہ الف لام کی تین قسمیں ہیں: جنسی، استغراقی، عہد ذہنی۔ استغراقی کی پھر دو قسمیں ہیں: حقیقی اور عرفی[۳]۔

قاعدہ نمبر ۵: الف عہد ذہنی کو عہد علمی بھی کہتے ہیں[۴]۔

تمرین

درج مثالوں میں الف لام کی اقسام وانواع کی تعیین کیجئے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ المآء كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلاَ يُؤْمِنُونَ. أهلك النّاسَ الدِّينارُ والدّرْهم". الرَّجُلُ خَيْرٌ من الْمَرْأة. وَخُلِقَ الإنسان ضَعِيفاً. ذلك عَالِمُ الغيب والشهادة العزيز الرحيم. وَجَآءَ السحرة فِرْعَوْنَ. جمع وزير الصحة الأطباء والصيادلة. أَنْتُمُ النَّاسُ أَيُّهَا الشُّعَرَاءُ. المصباح فِي زُجَاجَةٍ الزجاجة كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ. إِنَّكَ بالواد المقدس طُوًى. لَّقَدْ رَضِيَ الله عَنِ المؤمنين إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشجرة. اليوم أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإسلام دِيناً. ناولني الكأسَ. وليس الذكر كالأنثى. وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا. أجمع أهل الحق على كذا.

چند حل شدہ مثالیں:

المصباحُ فِي زُجَاجَةٍ:

مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "المصباحُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہدِ خارجی صریحی اس لیے کہ اس کے مدخول کا تذکرہ ما قبل ہو چکا ہے، غرضِ تعریف اشارہ الی فرد معہود بین المتکلم والمخاطب......"فِي زُجَاجَةٍ" ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ......اسناد اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

---

[۱] نیل الامانی: ۱/۲۴۳۔

[۲] نیل الامانی: ۱/۲۴۳۔

[۳] نیل الامانی: ۱/۲۴۵۔

[۴] البلاغۃ العربیۃ: ۱/۴۴۱۔

اليوم أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ:

مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "اليومُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہدِ خارجی علمی اس لیے کہ اس کے مدخول کا تذکرہ نہ صراحتاً ہے اور نہ ہی کنایۃً ہے، غرضِ تعریف اشارہ الی فرد معہود بین المتکلم والمخاطب...... "فِي زُجَاجَةٍ" ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصل ششم: مضاف الی المعرفۃ کا بیان

مضاف الی المعرفۃ کی تعریف:

وہ ہے جو معرفہ بہ نداء کے علاوہ معرفہ کی پانچ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ مسند الیہ کو مضاف الی المعرفۃ کی صورت میں معرفہ لانے کے اسباب ودواعی درج ذیل ہیں۔

۱۔ الایجاز والاختصار، ۲- لتعظیم المضاف، ۳- لتعظیم المضاف الیہ، ۴- لتحقیر المضاف، ۵- لتحقیر المضاف الیہ، ۶- لتعذر التعدُد، ۷- لتعسر التعدد، ۸- للخروج من تبعة تقدیم البعض علی البعض، ۹- الاختصار لضیق المقام، ۱۰- للاستعطاف والحث علی الشفقة، ۱۱- لقصد العموم.

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔۔۔الایجاز والاختصار: بعض اوقات مسند الیہ کو مضاف الی المعرفۃ کی صورت میں لانے سے اختصار مقصود ہوتا ہے، جیسے "وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا" (سورۃ الفرقان:۶۳) یہاں "عِبَادُ الرَّحْمَنِ" مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کا ایک مختصر اسلوب ہے، اس عبارت کے بہ نسبت کہ یوں کہا جائے۔ "والعباد الذین یعبدون الرحمن ھم الذین یمشون الخ--" نیز اس سے مضاف کی تعظیم بھی حاصل ہوتی ہے[1]۔

۲۔۔۔ لتعظیم المضاف: کبھی مسند الیہ کو مضاف الی المعرفۃ کی صورت میں لانے سے مضاف کی تعظیم وتکریم مقصود ہوتی ہے، جیسے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ" (سورۃ الاحزاب:۳۹) یہاں "رسول" کی اضافت "اللہ" کی طرف تعظیم وتکریم کے لیے ہے۔

۳۔۔۔ لتعظیم المضاف الیہ: بسا اوقات مسند الیہ کو مضاف الی المعرفۃ کی صورت میں لانے سے مضاف الیہ کی تعظیم وتکریم مقصود ہوتی ہے، جیسے "وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ" (سورۃ الرعد:۳۹) یہاں مضاف الیہ "الْكِتَابِ" کی تعظیم مقصود ہے۔

۴۔۔۔ لتحقیر المضاف: کبھی مسند الیہ کو مضاف الی المعرفۃ کی صورت میں لانے سے مضاف کی تحقیر مقصود ہوتی ہے، جیسے "إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ" (سورۃ المجادلہ:۱۹) یہاں مضاف "حِزْبَ" کی تحقیر اور توہین مقصود ہے۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱/۱۱۸۔

۵۔۔۔ لتحقیر المضاف الیه: بعض اوقات مضاف الیہ کی تحقیر کے لیے مضاف الی المعرفۃ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے" وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ "(سورۃ البقرۃ:۱۶۸) اس آیت میں "شیطان" مضاف الیہ کی تحقیر مقصود ہے۔

۶۔۔۔ لتعذر التعدُد: کبھی کسی معدودی چیز کو شمار کرنا متعذر ہوتا ہے، اس لیے مضاف الی المعرفۃ کے اسلوب کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسے" أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا "(سورۃ الفرقان:۲۴) اہل جنت کو شمار کرنے کے بعد ان پر فرداً فرداً حکم لگانا ہمارے لیے متعذر تھا، اس لیے اہل جنت پر حکم لگانے کے لیے اضافت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۷۔۔۔ لتعسر التعدد: بسا اوقات کسی معدودی چیز کو شمار کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے مضاف الی المعرفۃ کے اسلوب کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ "(سورۃ الحجر:۷۸) یہاں "أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ" کی گنتی مشکل ہے، اس لیے اضافت کا اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۸۔۔۔ للخروج من تبعة تقديم البعض على البعض: کبھی بعض افراد کو دوسرے بعض افراد پر مقدم کرنے کی وجہ سے متکلم اضافت کا اسلوب اختیار کرلیتا ہے، تاکہ عتاب اور سرزنش سے محفوظ رہے، جیسے "حضر امراء الجند" امراءِ لشکر آئے۔ یہاں "امراءُ الجند" کو اضافت کی اسلوب میں لاکر اپنے حفاظت کی پیشگی تدبیر اختیار کرلی۔ کیونکہ اگر "امراءُ الجند" نہ کہا جاتا تو پھر لامحالہ متکلم ان کے نام ذکر کرتا اور ظاہر بات ہے کہ ان کے ناموں کو ذکر کرنے میں تقدیم وتاخیر ضرور ہوتی، تو جن امیروں کے نام مؤخر ہوتے شاید وہ بُرا مان جاتے اور عینِ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کی طرف سے متکلم کو عتاب بھی برداشت کرنا پڑجائے۔

۹۔۔۔ الاختصار لضيق المقام: کبھی تنگی مقام کی وجہ سے متکلم اضافت کے اسلوب کو اختیار کرلیتا ہے، جیسے شعر ہے۔

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ اليَمَانِينَ مُصْعِدُ جَنِيبٌ وَجُثْمَانِي بِمَكَّةَ مُوثَقُ

ترجمہ: میرا محبوب یمنی قافلے والوں کیساتھ جارہاہے اور میرا جسم مکہ کے قید خانے میں مقید ہے۔

اس شعر میں شاعر نے لفظ "هَــوَايَ" کو "الذی أهــواه" کی جگہ استعمال کیا ہے، کیونکہ محبوب سے فراق وجدائی کے وقت شدتِ رنج وملال کی وجہ سے وقت میں تنگی آچکی، اس لیے شاعر نے اختصار کر پسند کرتے ہوئے اضافت کا اسلوب اختیار کیا[۱]۔

۱۰۔۔۔للاستعطاف والحث علی الشفقة: کبھی طلبِ رحم اور شفقت پر اُبھارنے کے لیے اضافت کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ" (سورۃ البقرۃ:۲۳۳) یہاں "وَلَد" کی اضافت ماں اور باپ میں سے ہر ایک کی طرف کر کے بتلایا کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک کو تکلیف دینا درحقیقت بچے کو تکلیف دینا ہے اور آپس کے اختلافات سے اپنے بچے کو کیوں تکلیف پہونچاتے ہو؟!

۱۱۔۔۔لقصد العموم: بعض اوقات تعمیم کے لیے اضافت کا اُسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے " فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ" (سورۃ النور:۶۳) یہاں "أَمْرِهِ" میں تمام اوامر مراد ہیں، یعنی اس مختصر لفظ میں اللہ ورسول ﷺ کے تمام اوامر شامل ہیں[۲]۔

---

[۱] علوم البلاغۃ للمراغی:۱/۱۰۳۔

[۲] عروس الأفراح في شرح تلخیص المفتاح:۱/۲۰۲۔

فصل ہشتم: معرفہ بہ نداء کا بیان

معرفہ بہ نداء کی تعریف:

معرفہ بہ نداء وہ اسم ہے جو پکارنے کی وجہ سے معرفہ بن جائے، جیسے "یا رجــلُ" وغیرہ۔ اس میں "یا" حرفِ نداء اور "رجل" منادیٰ ہے۔ اور جب کلام کا کوئی جزء معرفہ بہ صورت منادیٰ ہو تو اس کی دو اغراض ہوتی ہیں:۔

۱۔ لم یعرف للمخاطب عنوان خاص ۲۔ الاشارۃ الی العلۃ"

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔۔۔لم یعرف للمخاطب عنوان خاص: جب متکلم مخاطب کے کسی خاص عنوان (عَلَم، صلہ) کو نہ جانتا ہو تو نداء کا اسلوب اختیار کرتا ہے، جیسے "جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ" (سورۃ یوسف:۷۰) یہاں منادِی قافلے والوں کو نہیں جانتا تھا، اس لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔الاشارۃ الی العلۃ: کسی چیز کی علت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے منادِی مخاطب کو اس کے خاص نام کے بجائے کسی ایسے وصف سے پکارے، جس سے دیے جانے والے حکم کی علت کی طرف اشارہ ہو، جیسے "يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" (سورۃ المائدۃ:۶۷) یہاں رسول اللہ ﷺ کو پیغام رسانی پر اُبھارنے کے لیے انہیں منصبِ رسالت سے پکارا گیا[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: اضافت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اضافت لفظیہ ۲۔ اضافت معنویہ

۱۔۔۔ اضافت لفظیہ: وہ ہے جس میں مضاف ایسا صیغہ صفت ہو جو اپنے معمول (فاعل، مفعول بہ) کی طرف مضاف ہو، جیسے "ضَارِبُ زَيْدٍ"۔

۲۔۔۔ اضافت معنویہ: وہ ہے جس میں مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو، جو اپنے معمول (فاعل، مفعول بہ) کی طرف مضاف ہو، جیسے "غُــــلَامُ زَيْـــــدٍ". پھر اضافت معنویہ کی تین قسمیں ہیں:۔ ۱۔ اضافت لامیہ ۲۔ اضافت بیانیہ ۳۔ اضافت فویہ۔

۱۔۔۔ اضافت لامیہ: وہ ہے جس میں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس سے ہو اور نہ ہی مضاف کے لیے ظرف

---

[1] جواہر البلاغۃ: ۱/ ۱۲۰۔

ہو، جیسے ''غُلَامُ زَيْدٍ''،أَيْ غُلَامٌ لِزَيْدٍ'' یہ اضافت بتقدیر ''لام''ہوتی ہے۔
۲۔۔۔ اضافت بیانیہ:وہ ہے جس میں مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو،جیسے ''خَاتِمُ فِضَّةٍ، أَيْ خَاتِمٌ مِنْ فِضَّةٍ'' یہ اضافت بتقدیر ''مِنْ'' ہوتی ہے۔
۳۔۔۔ اضافت فویہ:وہ ہے جس میں مضاف الیہ ظرف ہو،خواہ ظرف زمان ہو،یا ظرف مکان ہو،جیسے ''مَكْرُ اللَّيْلِ، صَاحِبِي السَّجْنِ، أَيْ مَكْرٌ فِي اللَّيْلِ، أَيْ صَاحِبِي فِي السِّجْنِ''. یہ اضافت بتقدیر ''فی'' ہوتی ہے[۱]۔
قاعدہ نمبر ۲:اضافیہ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اوراضافت معنویہ تعریف اور تخصیص دونوں کا فائدہ دیتی ہے[۲]۔
قاعدہ نمبر ۳:اضافت لفظیہ معرفہ کے دواعی میں داخل نہیں،یعنی بلغاء حضرات اس سے بحث نہیں کرتے[۳]۔
قاعدہ نمبر ۴: اضافت لفظیہ کو اضافت غیر محضہ،اضافت مجازیہ اوراضافت منفصلہ بھی کہتے ہیں اوراضافت معنویہ کو اضافتِ حقیقیہ اوراضافت محضہ بھی کہتے ہیں[۴]۔
قاعدہ نمبر ۵:اکثر بلاغیین حضرات تعریف بالنداء کے قائل نہیں،اس کی تحقیق بلاغت کے کتب مطولات میں مذکور ہے[۵]۔
قاعدہ نمبر ۶: کبھی نداء میں خطاب عام ہوتا ہے،جس میں حاضرین وغائبین سب شامل ہوتے ہیں،اس زمرے میں قرآن مجید کے وہ تمام خطابات شامل ہیں،جن کا تعلق پوری اُمت سے ہے۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں اضافت اور نداء کی دواعی وعلل کی تعیین کیجئے۔

---

(۱) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۴۵۔

(۲) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۴۵۔

(۳) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۴۵۔

(۴) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۴۵۔

(۵) ہامش جواہر البلاغۃ:۱۱۵۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ. إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ. . يارجل . وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللهِ يَدْعُوهُ كَادُواْ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَداً. هؤلاء أنصاري. اعطني القلم أيهاالاخ وهذا السوقُ مِلْكِي. وقصور هذا الحيّ قصوري . يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا. ياتلميذ أكتب الدَّرس. هذا عدُوّك مقبل إليك. هذا أبوك الذي ربّاك. رفيق زيد لص. أجْمَعَ علماءُ المسلمين على رجْم الزّاني المحصن. إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ. وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ . يا جاهلاً اِجتهد فی طلب العلم. ياذالمال انفق من مالك فی سبيل الله-

چند حل شدہ مثالیں:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ:

مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: ”شَهْرُ رَمَضَانَ“ مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ مضاف الی المعرفہ غرضِ تعریف تعظیم المضاف...... ”هُدًى لِلنَّاسِ“ مسند محکوم بہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

ياتلميذ أكتب الدَّرس:

مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: ”تلميذُ“ معرفہ معرفہ بالنداء غرضِ تعریف لم یعرف للمخاطب عنوان خاص...... ”أكتب الدَّرس“ جملہ مقصود بالنداء۔

فصل نہم: تنکیر مسند الیہ کا بیان

نکرہ کی تعریف:

نکرہ وہ اسم ہے جو کسی غیر معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے ”رجل“ کوئی گھوڑا۔ وغیرہ۔
یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ جب مسند الیہ کو معرفہ کی سات صورتوں سے متعلق اغراض میں سے کوئی بھی غرض وابستہ نہ ہو، بلکہ نکرہ استعمال کرنے کی کوئی غرض ہو تو اس وقت مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تنکیر مسند الیہ کے اسباب ودواعی

مسند الیہ کو معرفہ کے بجائے نکرہ لانے کے اغراض حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔تنکیر المسندالیہ ۲-تقلیل ۳-تکثیر ۴-تعظیم ۵-تحقیر ۶-تهویل وتخویف ۷-عموم بعد النفی ۸-إخفاء الأمر ۹-انتفاء الحصر.

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔تنکیر المسندالیہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مسند الیہ ایک فردِ غیر معین ہے اور اس کو بصورت معرفہ لانے سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو، جیسے ”وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعى“ (سورۃ القصص:۲۰) ”وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ“(سورۃ المؤمن:۲۸) مذکورہ دونوں آیتوں میں مسند الیہ ”رجل“ کی تعیین سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، اس لیے اس کو نکرہ کے اسلوب میں لایا گیا ہے، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح تائید فرمائی؟ اور کس طرح انہیں فرعونی تدابیر کا پتہ چلا؟[1]

۲۔۔۔تقلیل: کبھی مسند الیہ کو نکرہ لانے سے کسی چیز کی قلت اور کمی کو بتلانا مقصود ہوتا ہے، جیسے ”وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَكْبَرُ“ (سورۃ التوبۃ:۷۲) اللہ تعالی کی طرف سے معمولی رضامندی بھی دُنیا کی ہر قسم کی نعمت سے بڑھ کر ہے۔

۳۔۔۔ تکثیر: کبھی مسند الیہ کو نکرہ لانے سے کسی چیز کی کثرت اور زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ”وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ“(سورۃ فاطر:۴) یہاں ”رُسُلٌ“ نکرہ لانے سے کثرت مقصود ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے، کیونکہ یہ آپ ﷺ کو تسلی دینے کا مقام ہے[2]۔

---

(۱) مختصر المعانی:۱/۱۷۰۔

(۲) مختصر المعانی:۱/۱۷۱۔

٤۔۔۔ **تعظیم:** کبھی مسند الیہ کونکرہ لانے سے کسی چیز کی عظمت کوبیان کرنامقصود ہوتا ہے، جیسے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ" (سورۃ البقرۃ:۱۷۹) یہاں "حَيَاةٌ" کونکرہ لاکریہ بتایاہے کہ قصاص میں حیاتِ عظیمہ ہے، کیونکہ قصاص کے خوف سے کوئی کسی کو قتل کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔

٥۔۔۔ **تحقیر:** بعض اوقات مسند الیہ کونکرہ کی اسلوب میں لانے سے حقارت مقصود ہوتی ہے، جیسے " يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" (سورۃ الحجرات:٦) یہاں "فَاسِقٌ" کونکرہ کے اسلوب میں لانے سے حقارت مقصود ہے۔

٦۔۔۔ **تهويل وتخويف:** کبھی کسی چیزکوخوف زدہ پیش کرنے کے لیے مسند الیہ کونکرہ کے اسلوب میں لایاجاتاہے، جیسے " وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (سورۃ البقرۃ:۱۰) اس میں "عَذَابٌ" کی تنکیر مخصوص دردناک عذاب سے ڈرانے کے لیے ہے۔

٧۔۔۔ **عموم بعدالنفي:** بسا اوقات مسند الیہ کو نفی کے بعد تعمیم کے لیے نکرہ لایاجاتاہے، جیسے "لَا رَيْبَ فِيهِ" (سورۃ البقرۃ:۲) یعنی قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اوراس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔

٨۔۔۔ **اخفاء الأمر:** کبھی مسند الیہ کوکسی سے پوشیدہ رکھنے کے لیے نکرہ کے اسلوب میں لایاجاتاہے، جیسے "قال رجل إنك انحرفت عن الصواب" یعنی ایک شخص نے مجھ سے یوں کہاتوراہِ حق سے ہٹ گیاہے۔ یہاں قائل کانام چھپایاجارہاہے تاکہ اسے کسی کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔

٩۔۔۔ **انتفاء الحصر:** کبھی انتفاء حصر کے لیے مسند الیہ کونکرہ لایاجاتاہے، جیسے حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔" قَالَ يَاقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (سورۃ الاعراف:٦٧) اے میری قوم! میں بے عقل نہیں ہوں، بلکہ پروردگارِعالم کی طرف سے مبعوث رسول ہوں۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: بعض اوقات قصد الافراد یعنی وحدت کا معنی و مفہوم بیان کرنے کے لیے نکرہ کا اسلوب اختیار کیاجاتاہے، جیسے " وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ" (سورۃ النحل:۵۱) یہاں "اثْنَيْنِ" کالفظ تاکید کے لیے ہے، عدد کے لیے نہیں، کیونکہ عدد کا مقصد تولفظ "إِلَهٌ" سے پوراہواہے اور کبھی قصد النوعیۃ یعنی نکرہ ایسی مخصوص نوع کوبیان کرنے کے لیے آتاہے، جو مخاطب کے نزدیک مشہور و معروف نوع سے الگ ہو، جیسے " خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" (سورۃ البقرۃ:۷) یہاں "غِشَاوَةٌ" سے مراد مخصوص قسم

کے پردے مراد ہیں اور کبھی قصد الجنس یعنی نکرہ سے جنس بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ"(سورۃ الانعام:۴۰) یہاں "دَابَّةٍ" اور "طَائِرٍ" سے اسم جنس مراد ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر۲: کبھی تجاہل عارفانہ یعنی مسند الیہ کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرنے وجہ سے اسے نکرہ کے اسلوب میں ذکر جاتا ہے، جیسے "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ"(سورۃ سبا:۷) یہاں "رجل "نکرہ لاکر لاعلمی کا اظہار مقصود ہے[۲]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں تنکیر مسند الیہ کے دواعی کی تعیین کیجئے۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى المدينة يسعى. لَا شِيَةَ فِيهَا. لَهُ نَاصِحُونَ. وَجَآءَ مِنْ أَقْصَى المدينة رَجُلٌ يسعى. وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ . وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا . سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ. لكل داء دواء . ملعون من ذبح لغير الله. لَعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مُشرك. عالمٌ خيرٌ من جاهل. فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً.

چند حل شدہ مثالیں:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى المدينة يسعى:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "جَآءَ "فعل مسند محکوم بہ...... "رَجُلٌ "مسند الیہ محکوم علیہ نکرہ غرضِ تنکیر تنکیرِ مسند الیہ و تعظیم مسند الیہ...... اسنادِ اسنادِ حقیقی...... فعل فاعل سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ۔

لَا شِيَةَ فِيهَا:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "شِيَةَ "مسند الیہ محکوم علیہ نکرہ غرضِ تنکیر عموم بعد النفی...... " فِيهَا "ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ...... اسنادِ اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

---

[۱] مختصر المعانی:۱/۱۷۰۔

[۲] جواہر البلاغہ:۱۲۱۔

فصلِ دہم: تقدیم مسند الیہ کا بیان

یہ بات مسلم ہے کہ کسی کلام کے تمام اجزاء کو ایک دفعہ منہ سے نکالنا ناممکن ہے، بلکہ لا محالہ کلام کے بعض اجزاء مقدم ہوں گے اور بعض مؤخر۔ نیز یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کلام کے ان اجزاء میں سے کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو فی نفسہ دوسرے حصے کی نسبت مقدم ہونے کا زیادہ حقدار ہو،اس لیے کہ جملہ الفاظ من حیث الالفاظ درجہ اعتبار میں باہم شریک اور مساوی ہیں،لہذا اجزاء کلام کا ایک دوسرے پر مقدم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا سبب موجود ہو جو تقدیم کا موجب اور باعث ہو۔

تقدیم مسند الیہ کے اسباب و دواعی

تقدیم مسند الیہ کے اسباب و دواعی یہ ہیں:۔

۱۔للأهمية. ۲-اتباع القواعد. ۳-تشويق إلى المتاخر. ۴-تعجيل المسرة. ۵-تعجيل المساءة. ۶-مراعاة الترتيب الوجودى. ۷-نص على عموم السلب. ۸-نص على سلب العموم. ۹-التخصيص. ۱۰-تقوية الحكم بتكرار الإسناد. ۱۱-تاكيد الحكم بغير الاختصاص. ۱۲-الاستلذاذ. ۱۳-التبرك.

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔۔للأهمية: جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی تقدیم اصل ہے، جیسے "اللّٰهُ الصَّمَدُ"(سورۃ الخلاص:۲) یہاں لفظ "اللّٰهُ" مسند الیہ کو اہمیت کی بناء پر مقدم کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔اتباع القواعد: بعض اوقات فنی قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسا کہ ان الفاظ میں جو صدارتِ کلام کا تقاضہ کرتے ہوں، جیسے" قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ "(سورۃ الشعراء:۲۲-۲۳) یہاں "مَا" مسند الیہ کو صدارتِ کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ یہ استفہامیہ ہے۔

۳۔۔۔تشويق إلى المتاخر: کبھی مسند الیہ کو کسی امر متاخر کا شوق اور رغبت دلانے کے لیے مقدم کیا جاتا ہے، یعنی غرابت کی طرف اشارہ کرنے والے لفظ کو شروع میں لانا تاکہ مخاطب آنے والے کلام کو شوق ور غبت اور دھیان سے سنے، جیسے" إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُم "(سورۃ الحجرات:۱۳) یہاں" أَكْرَمَكُمْ"مسند الیہ سنتے ہی یہ شوق ور غبت پیدا ہوا کہ ایسا کون ہے جو رب العالمین کے دربار میں معزز ہے؟

۳۔۔۔ تعجیل المسرۃ: بعض اوقات اچھی چیز سے مخاطب کو جلدی باخبر کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے" حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ"(سورۃ الزمر:۷۳) یہاں"سَلَامٌ" مسند الیہ کو تعجیل المسرۃ کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

٤۔۔۔ تعجیل المساءۃ: کبھی مخاطب کو کسی بُری اور ناگوار چیز سے جلدی سے باخبر کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے"النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا"(سورۃ الانعام:۱۲۸) یہاں"النَّارُ"مسند الیہ سے مخاطب کو جلدی سے باخبر کرنے کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

۵۔۔۔ مراعاۃ الترتیب الوجودی: متعدد مسند الیہ کو ذکر کرتے وقت واقعی اور فطری ترتیب کی رعایت کرنے کی خاطر مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے"إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ"(سورۃ البقرۃ:۱۵۸) یہاں دو مسند الیہ میں "صفا"کا ذکر "مروہ" سے پہلے فرمایا ترتیب واقعی کے پیش نظر ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سعی کی ابتداء کے متعلق فرمایا-"نبدا بمابدأ الله به"[۱]۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے۔" لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ"(سورۃ البقرۃ:۲۵۵) دیکھئے پہلے اونگھ آتی ہے پھر نیند۔ ان دونوں مسند الیہ (اُونگھ اور نیند) میں ترتیبِ واقعی کی رعایت کی گئی ہے۔

٦۔۔۔ نص علی عموم السلب: مسند الیہ کے ہر ہر فرد سے نفیِ حکم کی صراحت کرنا اور یہ مفہوم اداتِ عموم کو اداتِ نفی پر داخل کرنے سے حاصل ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے۔"كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ"ذوالیدین صحابی کے سوال"أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمْ نَسِيتَ؟[۲]" کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ ان دونوں چیزوں قصر اور نسیان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہاں قصر اور نسیان میں سے ہر ایک کی نفی ہے۔

۷۔۔۔ نص علی سلب العموم: مسند الیہ کے جملہ افراد سے نفیِ حکم کی تصریح کرنا اور یہ مفہوم اداتِ سلب کو اداتِ عموم پر داخل کرنے سے حاصل ہوتا ہے[۳]، جیسے شعر ہے۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۱/۱۲۵۔

[۲] صحیح مسلم:۱/۴۰۴، رقم:۵۷۳۔

[۳] عموم السلب اور سلب العموم کا قاعدہ: اگر اداۃ العموم (یعنی عمومیت پر دلالت کرنے والا لفظ، جیسے"کل، جمیع "وغیرہ) اداۃ السلب (حرف نفی) سے پہلے آئے، تو یہ قضیہ عموم السلب (سلب کی عمومیت) کا مفہوم دے گا، اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ سلبیت اس کلی کے ہر فرد پر مسلط ہے، جیسے ابو النجم فضل بن قدامہ عجلی (م ۱۳۰ھ) کا شعر ہے۔

قد أصبحت أمُّ الخيارِ تدّعی　　علیّ ذَنباً کله لم أصنع

ترجمہ: ام الخیار مجھ پروہ الزام لگا رہی ہے، جن میں سے کوئی بھی میں نے نہیں کیا ہے۔

مذکورہ شعر میں ”کله لم أصنع“ قضیہ سالبہ کلیہ ہے اور حرف نفی (لم) سے پہلے (کله) ادواۃ العموم آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو قصور و گناہ میرا بتایا گیا ہے، ان میں سے کوئی گناہ مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔

عموم السلب کی مثال صحیح مسلم (۲/۸۷، رقم ۱۳۱۸) کی اس حدیث سے دی جاسکتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، تو نمازیوں میں سے ذوالیدین نامی ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ أَقُصِرَتِ الصَّلاَۃَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَم نَسِیتَ؟ اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ سے سہو ہوگیا ہے یا نمازوں کی رکعتوں میں کمی کر دی گئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”کُلُّ ذَلِكَ لَم یَکُن۔“ یہ سب نہیں ہوا۔ حضرت ذوالیدینؓ نے کہا۔ ”قَد کَانَ بَعضُ ذَلِكَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ“۔ ان میں سے کوئی بات تو ہوئی یارسول اللہ ﷺ؟ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ”کُلُّ ذَلِكَ لَم یَکُن“ میں ادواۃ العموم (کُلّ) حرف سلب (لم) سے پہلے آیا ہے، اس لیے یہ عموم السلب ہے، یعنی سلبیت نسیان اور رکعات کی کمی دونوں پر مسلط ہے۔ اور حضرت ذوالیدین کا فرمان ” قَد کَانَ بَعضُ ذَلِكَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ“ قضیہ مہملہ ہے، یعنی ”النسیان والقصر لم یکونا “ اور اس پر ادات عموم داخل کیا گیا ہے۔

اور اگر اداۃ السلب (حرف نفی) اداۃ العموم سے پہلے ہوں تو یہ قضیہ سلب العموم کا مفہوم دے گا، اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفی یا سلبیت کلی کے بعض افراد پر مسلط ہے، تمام افراد پر نہیں، جیسے ابوالطیب احمد بن حسین متنبی (م ۳۵۴ھ) کا شعر ہے۔

ما کلُّ ما یتمنَّی المرء یدرکه　　تجری الرِّیاح بما لا تشتهی السُّفنُ

ترجمہ: آدمی کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی، ہوائیں اس وقت چلتی ہیں جب کشتیوں کو ضرورت نہیں ہوتی۔

مذکورہ شعر میں ”ما کلُّ ما یتمنَّی المرء یدرکه“ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کی سب تمنائیں پوری نہیں ہوتیں، مگر بعض تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ یہ مصرعہ قضیہ کلیہ ہے، یہاں حرف سلب ”ما“ کو اس کی عمومیت پر مسلط کر دیا گیا، جس کی وجہ سے اس کی عمومیت ختم ہوگئی، اور جب عمومیت ختم ہوئی تو قضیہ کلیہ نہ رہا، جزئیہ یا مہملہ بن گیا، جزئیہ اور مہملہ دونوں کا ماحصل ایک ہے، یعنی مہملہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے۔

اسی طرح سلب العموم کی ایک مثال ابوالعَتاہِیَۃ اِسماعیل بن القاسم العینی (م ۲۱۱ھ) کا یہ شعر بھی بن سکتا ہے۔

ما کلُّ رأیِ الفَتَی یَدعُو إلی رَشَدٍ　　إذَا بَدَا لك رأیٌ مشکلٌ فقفِ

مذکورہ شعر میں بھی حرف سلب (ما) ادواۃ العموم (کل) سے پہلے آیا ہے، جس کی وجہ سے عمومیت کی نفی ہوگئی، اور یوں ہی یہ سلب العموم کی مثال ہوئی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں ہے۔ ”وَاللّٰہُ لا یُحِبُّ کُلَّ مُختالٍ فَخُورٍ“ (لقمان:۱۸) اس آیت میں اداۃ سلب (لَا) اداۃ العموم (کُلّ) سے پہلے آیا ہے، یعنی یہ سلب العموم ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ کچھ ”مختال فخور“ ایسے ہیں، جن کو اللہ تعالی پسند کرتا ہے، حالانکہ آیت کا مقصد یہ نہیں؟ اس اشکال کا بعض اہل علم یہ جواب دیا ہے کہ یہاں درحقیقت اداۃ السلب (لَا) ”کل مختال فخور“ پر مسلط نہیں، بلکہ ”یحبُّ“ پر ہے اور یہ محبت کی نفی گئی

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ ‏ ‏ ‏ ‏ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لاَ تَشْتَهِي السُّفُنُ

یہاں "مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى "میں جملہ افرادِ تمنا کے پورا ہونے کی نفی ہے، تمنا کے ہر ہر فرد کے پورا ہونے کی نفی مقصود نہیں ہے۔ دیکھئے "مَا كُلُّ "مبتداء ہے اور اس میں "مَا" کی تقدیم نص علی سلب العموم کے لیے ہے، جو جزئیت کی نفی کو مستلزم نہیں۔

۸۔۔۔التخصیص: کبھی مسند الیہ کو تخصیص کے لیے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے " لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ"(سورۃ الانبیاء:۳۹) اس آیت میں "الَّذِينَ كَفَرُوا" نے تخصیص کا فائدہ دیا ہے، اس لیے کہ اس دن کفار کے لیے نصرت کی نفی ہے اور ان کے علاوہ (اہل ایمان) کے لیے نصرت کا اثبات ہے، یعنی عدمِ نصرت کا حکم صرف کافروں کیساتھ خاص ہے۔

۹۔۔۔تقویۃ الحکم بتکرار الاسناد: تکرار اسناد کے ذریعے حکم میں تقویت اور پختگی پیدا کرنا، بشر طیکہ کہ مسند فعل ہو، جیسے " وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا"(سورۃ النحل:۶۵) یہاں "أَنْزَلَ" میں تکرار اسناد کی وجہ سے حکم میں تقویت اور پختگی پیدا ہوئی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ جب مبتداء یا معنی مبتداء کے بعد خبر میں فعل کو لایا جائے تو وہ فعل دو مرتبہ مسند ہو گا، اولاً: خبر ہونے کے اعتبار سے مبتداء کی طرف مسند ہو گا اور ثانیاً: عامل ہونے کے اعتبار سے ضمیر فاعل کی طرف مسند ہو گا، جیسے مذکور مثال میں "أَنْزَلَ" اولاً "اللّٰهُ" کی طرف مسند ہے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہے۔

ہے اور یہ کلیہ مہملہ ہے اور یہ "کل محتال فخور" یہ اس محبت کا مفعول بہ ہے، جس کی نفی گئی ہے، لہذا لفظ "کُلّ" اپنے عموم پر باقی رہے گا، اور اس پر سلب کا اثر نہ ہو گا، کیونکہ سلب اس پر مسلط ہی نہیں۔ تو اس آیت کی توجیہ یہ ہو گی۔ "کلّ محتال فخور لا یحبه الله" لہذا یہ عموم السلب ہے سلب العموم نہیں۔ معروف نحوی عالم جمال الدین ابن ہشام (م۷۶۱ھ) فرماتے ہیں۔ "وَالجَوَاب عَن الآيَة: أن دلَالَة المَفهوم إِنَّمَا يعول عَلَيهَا عِند عدم المعَارض، وَهُوَهُنَا مَوجُود؛ إِذ دلّ الدَّلِيل على تَحرِيم الاختيال وَالفَخر مُطلقًا۔" (مغنی اللبيب عن كتب الأعاريب:۲۶۶)

محققین حضرات کا نقطہ نظریہ ہے کہ آیات قرآنیہ کی تأویل کے بجائے خود فنی اور منطقی قواعد کی توجیہ کرنی چاہیے، اس لیے یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ سلب العموم اور عموم السلب کا مذکورہ قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ اکثریہ ہے۔ مذکورہ قاعدہ کی توجیہ کرتے ہوئے فن نحو کے معروف محقق عالم ابو عرفان محمد بن علی الصبان (م۱۲۰۶ھ) رقمطراز ہیں۔ قال التفتازانی: والحقّ أن الشق الأول أكثرىّ لا كلّىّ؛ بدليل قوله تعالى: {إِنَّ اللّٰهَ لا يُحِبُّ كُلَّ مُختَالٍ فَخُورٍ}- وقوله: {وَاللّٰهُ لا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ}- وقوله:{وَلا تُطِع كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ}- حاشیۃ الصبان علی شرح الأشمونی لألفیۃ ابن مالک:۱۰۹/۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے ضوابط المعرفہ:۷۳-۷۶، تفہیم المنطق ۹۶-۹۹۔

۱۰۔۔۔۔ تاکیدالحکم بغیر الاختصاص: تکرار اسناد کے ذریعے محض حکم میں تاکید پیدا کرنا مقصود ہو، اختصاص پیدا کرنا مقصود نہ ہو، جیسے " وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰہِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ "(سورۃ النحل:۲۰) اس آیت میں مشرکین کے معبودانِ باطلہ کا خود مخلوق ہونا واضح کیا گیا ہے اور جو مخلوق ہو وہ خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی مفہوم کے لیے "الَّذِينَ "ذکر کیا گیا ہے، گویا کہ "الَّذِينَ "کی تقدیم سے تقویۃ الحکم کا فائدہ تو حاصل ہے، لیکن اختصاص مراد نہیں۔

۱۱۔۔۔۔ الاستلذاذ: کبھی لذت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے، بشرطیکہ مسند الیہ قابلِ لذت ہو، جیسے "وَاللّٰہُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللّٰہَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰہِ يَجْحَدُونَ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ هُمْ يَكْفُرُونَ "(سورۃ النحل:۷۰-۷۲) ان آیات میں مسند الیہ "اللّٰہ "کو استلذاد کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

۱۲۔۔۔ التبرك: کبھی مسند الیہ کو حصولِ برکت کے لیے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے " اللّٰہُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللّٰہِ "(سورۃ الزمر:۲۳) یہاں مسند الیہ "اللّٰہ "کو برکت حاصل کرنے کے لیے مقدم کیا گیا ہے[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: تقدیمِ مسند الیہ کے باب میں تخصیص واختصاص سے مراد یہ ہے کہ اس میں تین امور ملحوظ ہوں:۔(۱) منطوقِ کلام کے ذریعے مسند الیہ سے فعل کی نفی کرنا۔ (۲) مفہومِ کلام کے ذریعے غیرِ مسند الیہ کے لیے نفسِ فعل کو ثابت کرنا۔(۳) مقدم مسند الیہ کے علاوہ کسی ایسے معنوی فاعل کا پایا جانا جس سے یہ فعل سرزد ہو۔

فائدہ نمبر ۱: حصولِ تخصیص کی تین صورتیں ہیں:۔(۱) مسند الیہ اداتِ نفی کے بعد ہو اور مسند فعل ہو، جیسے "وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ "(سورۃ الانبیاء:۳۹) (۲) اداتِ نفی مسند الیہ سے مؤخر ہو اور مسند فعل ہو، جیسے "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ "(سورۃ

[1] جواہر البلاغۃ:۱/۱۲۴۔

فصلت:١٦) اور "أناماقلتُ" وغیرہ۔ (۳) مسند الیہ منفی نہ ہو اور مسند فعل ہو، جیسے "إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ" (سورۃ الاعراف:۱۹٦) اور "أنافتحتُ الباب" وغیرہ[1]۔

قاعدہ نمبر۲: کبھی مسند الیہ کو تخصیص کے لیے مقدم کیا جاتا ہے، اسی وجہ یہ کہنا جائز نہیں کہ "ما اناقلت ھذا ولاغیری"۔ کیونکہ "مااناقلت ھذا" کا مدلول التزامی یہ ہے کہ اس بات کا کہنا غیر متکلم کے لیے ثابت ہے اور "لاغیری" کا مدلول مطابقی یہ ہے کہ غیر کے لیے ثابت نہیں اور یہ دونوں باتیں آپس میں نقیضین ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر۳: جس طرح تقدیم مسند الیہ تقویت الحکم کے لیے کلام مثبت میں آتا ہے تو اسی طرح کلام منفی میں بھی آتا ہے۔ جیسے "انت لاتکذب"[3]۔

قاعدہ نمبر۴: جب مسند الیہ معرفہ ہو تو اسے تقویت کے لیے مقدم کیا جاتا ہے اور جب نکرہ ہو تو تخصیص جنس یا وحدت کے لیے مقدم کیا جاتا ہے، جنس کی مثال، جیسے "رجل جاء نی"، أی لاإمراءۃ۔ اور وحدت کی مثال، جیسے "رجل جاءنی"، أی لا رجلان۔[4]

قاعدہ نمبر۵: کبھی مسند الیہ غرابت اور محلِ انکار میں واقع ہونے کی وجہ سے مقدم ہوتا ہے[5]۔

قاعدہ نمبر٦: کبھی مسند الیہ کو سلوک سبیل الترقی کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے "ھذاالکلام فصیح فصیح بلیغ"[6]۔

قاعدہ نمبر۷: اصل مبتداء میں تقدیم ہے، تاہم بعض مقامات میں خبر کی تقدیم واجب ہے، جو یہ ہیں: (۱) جب مبتداء ان اسماء میں سے ہو جو صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں، مثلاً: اسمائے استفہامیہ، جیسے "من تکلم، ما أجمل السماء" وغیرہ۔ (۲) جب مبتداء لام ابتداء کیساتھ مقترن ہو، جیسے "لغدوۃ فی سبیل اللہ أو روحۃ خیرمن الدنیاومافیھا"۔ (۳) جب خبر جملہ فعلیہ ہو اور اس میں ضمیر فاعل مبتداء کی طرف راجع ہو، جیسے "الولدیدرس"۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۱۹۵۔

[2] نیل الامانی:۱/۲۷۴۔

[3] نیل الامانی:۱/۲۷۷۔

[4] علوم البلاغۃ:۸۸۔

[5] جواہر البلاغۃ:۱۱۹۔

[6] جواہر البلاغۃ:۱۱۹۔

(۴) جب مبتداء اورخبر دونوں معرفہ ہوں یادونوں نکرہ ہوں، جیسے"اخی صدیقی"- (۵) جب مبتداء بواسطہ"إلا""یا" إنما"کے خبرمیں محصورہو،جیسے "وما محمدإلا رسول"- (۶) جب خبر مقرون بالفاء ہو،جیسے "الذی ینصحنی فمخلص"- (۷) جب خبر طلبی ہو،جیسے"زیدھل ضربتہ"- (۸) جب مبتداء دعاہو،جیسے "ویل لزید"-(۹)جب مبتداء ضمیرشان ہواور جملہ اس سے خبرواقع ہورہاہو،جیسے"قل ھواللہ احد"[۱]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں تقدیم مسند الیہ کے اسباب ودواعی کی نشاندہی کریں۔

اللَّهُ الصَّمَد. إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. العدل اساس الملك. الهدي في قلوب المخلصين. السجن علي جهة التائيد حكم به عليك اليوم. اسم الله اهتديت به.رحمة الله ترجي . نصرالله قريب. أناسمعت في وجه فلان . هويعطي الجزيل . أنت لاتكذب . أنت ماسعيت في حاجتي. وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ . رجل جاءني . مثلك لايبخل . ومثلك رعي الحق والحرمة . كل ظالم لايفلح . كل الدراهم لم أخذ .وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ . النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا. سعد في دارك. يَدُ اللَّهِ مَعَ الجَمَاعَةِ. جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا.

چند حل شدہ مثالیں:

اللَّهُ الصَّمَد:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"اللَّهُ"مسندالیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیرواستلذاذ......مسندالیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسندالیہ تخصیص،استلذادوتبرک......"الصَّمَد"مسند محکوم بہ...... اسناداسنادِ حقیقی......مسند مسندالیہ سے مل کرجملہ خبریہ اسمیہ۔

النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"النَّارُ"مسندالیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہد خارجی علمی،اس لیے کہ اس کامدخول ماقبل نہ صراحتاً مذکورہے اورنہ ہی کنایۃً مذکورہے......مسندالیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسندالیہ تعجیل المساءۃ......"وَعَدَهَا"جملہ مسند محکوم بہ......اسناداسنادِ حقیقی......مسند مسندالیہ سے مل کرجملہ خبریہ اسمیہ۔

---

[۱] ھمع الھوامع:۱۰۲،جامع الدروس العربیہ:۲/۱۸۸،البلاغۃ العربیۃ:۱/۳۵۹۔

فصل یازدہم: ذکرِ مسند الیہ کا بیان

یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ مسند الیہ جملے میں ایک اساسی اور بنیادی رکن ہوتا ہے، اس کو ذکر کرنا اصل ہے، تاہم اس کے علاوہ اس کیساتھ دیگر اغراض بھی وابستہ ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

۱- عدم وجود مایدل علیه. ۲- زیادة التقریر والإیضاح. ۳- التسجیل علی السامع. ٤- التعریض بغباوة السامع. ٥-قلة الثقة بالقرینة لضعفها أو لضعف فهم السامع. ٦-التعجب. ۷-التبرك. ۸-الاستلذاذ. ۹-التعظیم. ۱۱-لإفادة الهیبة.

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔عدم وجود مایدل علیه: مسند الیہ کو وہاں ذکر کرنا ضروری ہے، جہاں اس کے حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ نہ ہو اور کوئی مقتضی اس کے ذکر سے عدول کا نہ ہو، جیسے "وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ" (سورۃ البقرۃ:۱۶۳) یہاں مسند الیہ "إِلَٰهُكُمْ" مذکور ہے، اس لیے کہ اس کے حذف کی صورت میں اس پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

۲۔۔۔ زیادة التقریر والایضاح: مسند الیہ کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر کرنا ہو، جیسے "أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (سورۃ البقرۃ:۵) یہاں اہل ایمان کو اسمِ اشارہ کیساتھ متعین کر کے ذکر کیا گیا ہے، پھر مسند الیہ اسمِ اشارہ "أُولَٰئِكَ" کو وضاحت کرنے اور یہ بتانے کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ لوگ وصف ہدایت میں ممتاز ہیں، اسی طرح فلاح وبہبود بھی انہیں کے لیے ثابت ہے۔

۳۔۔۔ التسجیل علی السامع: سامع کے سامنے کسی بات کو اس طور پر پختہ پیش کرنا کہ سامع کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہ رہے، جیسے "وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ" (سورۃ البقرۃ:۸۹) یہاں "كِتَابٌ" مسند الیہ لا کر اُن کی یہ بات پختہ کی ہے کہ یہ کتاب بر حق ہے جس کو انہوں نے پہچان بھی لیا ہے، لیکن صرف اس وجہ سے کہ آپ بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے تھے، آپ ﷺ کا انکار کر بیٹھے ہیں![1]

٤۔۔۔ التعریض بغباوة السامع: سامع کی غباوت اور کند ذہنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، یعنی یہ بتلانا مقصود ہو کہ سامع اتنا غبی اور کند ذہن ہے کہ مسند الیہ کے حذف کی صورت میں وہ کلام کی مراد ہی نہیں سمجھ سکتا ہے، جیسے "قَالَ

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱/۱۰۱۔

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا"(سورة الانبياء:٦٣) یہاں"كَبِيرُهُمْ"فاعل کو"هَذَا"اسمِ اشارہ کے ذریعہ متعین فرماکر سامع کی غباوت اور کند ذہنی کی طرف اشارہ کیاہے۔ اوراسی طرح یہ مثال ہے۔"أَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي"(سورۃ یوسف:۹۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی غباوت اوراپنے متعلق یوسف ہونے کی توثیق کے لیے"هَذَا"مسند کوذکر فرمایا[۱]۔

۵۔۔۔ **قلة الثقة بالقرينة لضعفهااو لضعف فهم السامع:** محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کے غیرواضح ہونے کی وجہ سے مسند الیہ کوذکرکرنا،جیسے"وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ"(سورۃ التوبۃ:۵۹) یہاں اعراب کی مشکل کو دور کرنے کے لیے"حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ"میں دوبارہ مسند الیہ"اللَّهُ"کوذکر فرمایاکہ دینے والے رسول نہیں،بلکہ اللہ ہے۔

٦۔۔۔**التعجب:** عجیب وغریب اورانوکھے حکم کے اظہارپر مسند الیہ کوذکرکرنا،جیسے"أَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ"(سورۃ یوسف:۹۰) یہاں استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے،لیکن تعجب کے اظہار کے لیے"لَأَنْتَ"مسند الیہ ثانی کوذکر فرمایا۔

۷۔۔۔ **التبرك:** بعض اوقات تبرک کے لیے مسند الیہ کوذکرکیاجاتاہے،جیسے"شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ"(سورۃ ال عمران:۱۸) یہاں لفظ"اللہ"کو"الْمَلَائِكَةُ"اور"أُولُو الْعِلْمِ"پر تبرک کے لیے مقدم کیا گیاہے۔

۸۔۔۔ **الاستلذاذ:** کبھی مسند الیہ سے لذت اور لطف حاصل کرنے کے لیے اسے ذکرکیاجاتاہے،جیسے حدیث اُم زرع میں ہے۔"قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكِ[۲]"میراخاوندمالک ہے،مالک کاکیاحال بیان کروں!مالک ان سب عورتوں کے ذکرکردہ صفات سے زیادہ صفات کاحامل ہے،جنہوں نے اپنے شوہروں کی خوبیاں بیان کی ہیں،یہاں تیسرے جملے میں"مالک"مبتداء کوذکرکر برائے استلذاذ ہے۔

۹۔۔۔ **التعظيم:** مسند الیہ کی عظمت واحترام کوظاہرکرنے کے لیے ذکرکرنا،جیسے"كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ"(سورۃ ال عمران:۹۳) یہاں یعقوب کے بجائے اسرائیل کوذکرکرنے سے ان کی تعظیم مقصودہے۔

---

(۱) جواہر البلاغۃ:۱/۱۰۱۔

(۲) شمائل الترمذی:۲۰۹،رقم:۲۵۴۔

۱۰۔۔۔۔ **لافادۃ الهيبة:** مسند الیہ کا جلال اور وقار بتلانا مقصود ہو تو وہاں مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے "إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ"(سورۃ الذاریات:۵۸) یہاں اسمِ ضمیر کو ذکر کرنے کے بجائے اسمِ ذات کو ہیبت اور جلال کے لیے ذکر کیا گیا ہے[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: جب مسند الیہ کی حذف پر کوئی قرینہ نہ ہو یا ہو لیکن ضعیف ہو تو مسند الیہ کو ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۲: بعض اوقات رغبت فی اطالۃ الکلام یعنی کلام کو طول دینے کی خواہش سے مسند الیہ کو ذکر کرنا، جیسے "وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَامُوسَى* قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى" (سورۃ طٰہٰ:۱۷-۱۸) یہاں اللہ تعالی سے ہم کلامی کے شوق میں کلام کو طول دینے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: کبھی ایک چیز کی حقارت ظاہر کرنے کے لیے ذکر کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ"(سورۃ المسد:۱) یہاں عبد العزی اسم علم کے کنیت "ابولھب" کو ذکر فرما کر اس کے جہنمی ہونے سے کنایہ کیا گیا ہے۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں ذکرِ مسند الیہ کے اسباب و دواعی کی تعیین کیجئے۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ. اللّٰهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهادَةِ هُوَ الرَّحْمنُ الرَّحِيمُ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ . بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا. بعد قوله. أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ . الله ربي . الله حسبي. حضر سيف الدولة، على من سأل. هل حضر الأمير؟. سعد نعم الزعيم. زيدٌ يقاومُ الأسد . يَقُول الموحِّدُ: الله خالقُ كلِّ شيءٍ. قولك لمخالف الإِسلام إن سألك. ما دينُك؟ : ديني الإِسلام. سعيدٌ قال كذا - في جواب: ماذا قال سعيد؟.الذي حضر زيد.؛ جوابًا لمن سأل . من حضر؟ .

چند حل شدہ مثالیں:

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ.:

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۰۱.

[2] ہامش جواہر البلاغۃ:۹۹۔علوم البلاغۃ:۷۴۔

مرحلہ اولیٰ:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"إِنَّ" حرفِ ناسخ "اللّٰہَ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ علَم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیروبیان الاختصاص......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم تخصیص، استلذاذوتبرک......مسند الیہ مذکورغرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ واستلذاذوتبرک وافادۃ الہیبۃ......"رَبِّي وَرَبُّكُمْ."مسند محکوم بہ...... اسناداسنادِ حقیقی مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

زيدٌ يقاومُ الأسد:

مرحلہ اولیٰ:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"زیدٌ"مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ علَم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیرواحضارالمعنی فی ذہن السامع باسمہ الخاص ......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم اتباع القواعدو تخصیص ......مسند الیہ مذکورغرضِ ذکرِمسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وتعجب ......"يقاومُ الأسد"جملہ مسند محکوم بہ......اسناداسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصلِ دوازدہم: حذف کا بیان

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ حذف خلافِ اصل ہے، پھر محذوف کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ محذوف ہے جو اعراب سے معلوم ہو جائے، جیسے "اَھلاً وسھلاً"، جو اصل میں "جئتُ أھلاً ونزلتُ مکاناً سھلاً" ہے۔ اس قسم کا بلاغت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور دوسرا وہ حذف ہے جو اعراب سے معلوم نہ ہوتا ہو، جیسے "زید یعطی ویمنع" یعنی "یعطی مایشاء" یہ بلاغت کی وہ قسم ہے جس میں بلاغت کے رموز و اسرار مخفی ہوتے ہیں، ان رموز و اسرار کا احاطہ کرنا دشوار ہے، امام عبد القاہر جرجانیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔" "هذا بابٌ دقيقُ الْمَسْلَكِ، لطيفُ المأخذ، عجيبُ الأَمْر، شبيهٌ بالسِّحْر، فإِنَّكَ ترى به تركَ الذّكر أَفْصَح من الذكْر، والصَّمْتَ عن الإِفادة أزيد للإِفادة، وتجِدُكَ أَنْطَقَ ما تكونُ إِذَا لَمْ تَنْطِقْ، وأتمَّ ما تكون بياناً إذا لمْ تُبَيّنْ، وهذه جُمْلَةٌ قدْ تُنْكِرُها حتَّى تَخْبُرَ، وتَدفَعُهَا حتَّى تَنْظُر".[۱]"

واضح رہے کہ کلام کے کسی جزء کو حذف کرنے میں کچھ خوبیاں اور فوائد ضرور ہوتے ہیں، خواہ مسند حذف ہو یا مسند الیہ حذف ہو یا متعلقاتِ فعل میں سے کوئی محذوف ہو، من جملہ ان فوائد میں سے چند فوائد یہ ہیں:۔ ایجاز و اختصار، احتراز عن العبث، تحریک خیال (یعنی مخاطب کی خیالات واحساسات کو حرکت دینا تاکہ وہ مسکوت عنہ عبارت پر مطلع ہو جائے)، تنبیہ علی اعجاز (اس بات پر متنبہ کرنا کہ محذوف کی ادائیگی سے زمانہ قاصر ہے) اور فوت مقصد (یعنی محذوف کو ذکر کر کے متکلم کے اہم مقاصد کو فوت کرنا ہو) وغیرہ۔

پھر حذف کی چار صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔۔ ایک وہ محذوف ہے جس پر لفظ اور معنیٰ دونوں کی صحت موقوف ہو، یعنی لفظ اور معنیٰ کی صحت کے لیے محذوف کا اعتبار کرنا ضروری ہو، جیسے "وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ" (سورۃ یوسف:۸۲) "أی أھلھا"۔ یہاں سوال کی اسناد قریہ کی طرف لفظاً اور معنیً دونوں طرح صحیح نہیں۔

۲۔۔۔۔ دوسرا وہ محذوف ہے جس کے بغیر لفظ اور معنیٰ دونوں صحیح ہوں، لیکن حکمِ شرعی محذوف پر موقوف ہو، جیسے " فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" (سورۃ البقرۃ:۱۸۴) "أی فافطر فعدۃ من أیام آخر"۔ یہاں "فافطر" کے بغیر لفظ اور معنیٰ صحیح ہے، لیکن حکمِ شرعی (وجوب قضاء) افطار کرنے پر موقوف ہے۔

---

[۱] دلائل الاعجاز:۱۱۲۔

۳۔۔۔تیسرا وہ محذوف ہے جس کے بغیر لفظ اور معنی صحیح ہو، البتہ امورِعادیہ میں سے کوئی امر عادی محذوف پر موقوف ہو، جیسے "فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ"(سورۃ الشعراء:۶۳) أی فضرب فانفلق-

۴۔۔۔چوتھا وہ محذوف ہے جس کے بغیر عبارت اور معنی صحیح ہوں، البتہ دلیل شرعی اور دلیل عادی کے علاوہ کوئی اور چیز مثلا دلیل واقعی محذوف پر دال ہو، جیسے "فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ"(سورۃ طٰہٰ:۹۶) "أی قبضة من حافرفرس الرسول"۔ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی بھرلی تھی۔ یہاں دلیل شرعی اور دلیل عادی کے علاوہ دلیل واقعی محذوف پر دلالت کرتی ہے[1]۔

[1] علوم البلاغۃ للمراغی:۸۹۔

فصلِ سیز دہم: حذفِ مسند الیہ

مسند الیہ کے حذف سے مراد یہ ہے کہ اس کے حذف پر قرینہ معینہ تو موجود ہو، لیکن اس کا قائم مقام موجود نہ ہو، حذفِ مسند الیہ کے اسباب ودواعی درج ذیل ہیں:۔

ا۔ إخفاء الأمرعن غيرالمخاطب. ۲- تأتی الإنكارعندالحاجة. ۳- التنبه على تعيين المحذوف. ٤- اختيارتنبه السامع أومقدارالتنبة. ٥- لضيق المقام. ٦- التعظيم والتوقير. ۷- التحقيروالتوهين. ۸- المحافظة على وزن القافية. ۹- اتباع القواعد. ۱۰- اتباع الاستعمال. ۱۱- كون المسندلايليق إلابه. ۱۲-إسنادالفعل إلى النائب. ۱۳-دلالةالقرائن. ۱٤-ظهورالمسنداليه.

مذکورہ اسباب ودواعی کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔۔۔اخفاء الامرعن غيرالمخاطب: بعض اوقات مسند الیہ کو حذف کرنے سے مقصود مخاطب کے علاوہ دیگر حضرات سے کسی خاص بات کو مخفی رکھنا ہوتا ہے، جیسے "إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ"(سورۃ التحریم:۴) یہاں "تَتُوبَا" مسند الیہ کو حذف کیا گیا ہے، اس کے متعلق مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک عرصہ تک خواہش مند رہے کہ ان دو عورتوں سے کون مراد ہیں؟ پھر ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ سفر حج کا موقع میسر آیا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں[1]۔

اس کی عام فہم مثال یہ ہے کہ جب متکلم اور مخاطب کے درمیان کسی خاص شخص (مثلا: زید) کے آنے کا تذکرہ ہو چکا ہو۔ اب زید کے آنے پر متکلم مخاطب ہی کو اطلاع دینا چاہتا ہے اور دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے تو زید کو حذف کر کے کہے گا۔"اقبل" وہ آگیا۔

۲۔۔۔ تاتی الانکارعندالحاجة: کبھی مسند الیہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ ضرورت کے وقت انکار کیا جا سکے، جیسے زید نامی شخص کا تذکرہ ہو رہا تھا اور درمیان میں کسی نے کہا: "لئیمٌ خسیسٌ" (وہ کمینہ اور ذلیل ہے) یہاں

---

[1] علوم البلاغۃ:۱/۹۰۔

زید مسند الیہ کو حذف کیا گیا ہے، تاکہ متکلم زید کی طرف سے گرفت کرنے پر انکار کر سکے کہ میں نے آپ کے متعلق نہیں کہا اور میں نے تو آپ کا نام نہیں لیا!

۳۔۔۔ التنبہ علی تعیین المحذوف: کبھی مسند الیہ کو حذف کرنے سے محذوف کے متعین ہونے پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اگرچہ ادعاءً ہی کیوں نہ ہو، جیسے "قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ" (سورۃ الشعراء:۲۳-۲۴) أی رَبُّ الْعَالَمِينَ هُوَرَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔۔" یہاں " رَبُّ السَّمَاوَاتِ" سے پہلے " رَبُّ الْعَالَمِينَ" کو حذف کیا گیا ہے اور اس بات پر متنبہ فرمایا کہ رب العالمین تو وہی ہو سکتا ہے جو "رب السموات والارض" ہے۔

٤۔۔۔ اختیار تنبہ السامع او مقدار التنبہ: کبھی مسند الیہ کو حذف کرنے سے مخاطب کی دانشمندی اور ذہانت وذکاوت کو جانچنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "نورہ مستفادٌمن نورالشمس" چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں متکلم نے مخاطب کی ذہانت کو آزمانے کے لیے "القمر" مبتداء کو حذف کر دیا ہے [۱]۔

۵۔۔۔ التعجب و الحیرۃ: بعض اوقات مسند الیہ کو مقام تعجب و حیرت اور مقام استبعاد میں حذف کیا جاتا ہے، جیسے "فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ" (سورۃ الذاریات:۲۸-۲۹) ملائکہ کی خوشخبری کو سن کر حضرت سارۃ علیہا السلام تعجب واستغراب میں "أَنا عَجُوزٌ عَقِيمٌ" (میں تو بڑھیا ہو چکی ہوں) کہنے کے بجائے متعجب ہو کر بول پڑیں " عَجُوزٌ عَقِيمٌ" یہاں تعجب اور حیرت کی وجہ سے مسند الیہ "انا" کو حذف کر دیا اور فرمایا۔ "عَجُوزٌ عَقِيمٌ"۔

٦۔۔۔ لضیق المقام: کبھی مسند الیہ کو موقع کے فوت ہو جانے کے خوف سے یا حزن وملال کے موقع پر مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے کوئی شخص شکاری کو اطلاع دیتے ہوئے کہے۔ "غزال" (یہ ہرن ہے) یہ اصل میں "ذلك غزال" تھا، لیکن مسند الیہ کو وقت کی تنگی کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ اور حزن وملال کی مثال، جیسے "قال لی: کیف

---

(۱) کبھی سامع کی مقدار فہم کی آزمائش منظور ہوتی ہے، یعنی یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ سامع کو کتنی سمجھ ہے قرائن خفیہ سے مسند الیہ کو سمجھ سکتا ہے یا نہیں، جیسے خلفاء عباسیہ میں سے ایک خلیفہ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے ایک ہم نشین کیساتھ سفر تھا در میان راہ میں خلیفہ نے ہم نشین سے سوال کیا۔ "أی طعام أشهی عندك" (تیرے نزدیک مرغوب ترین کھانا کون سا ہے؟) اس نے جواب دیا۔ "مخ البيض المصلوق" (تلے ہوئے انڈے کی زردی) ایک سال کے بعد سفر سے واپس آتے ہوئے جب کا گذر اس مقام پر ہوا خلیفہ نے پوچھا۔ "مع أی شئ؟" (کس چیز کیساتھ؟) ہم نشین نے فوراً جواب دیا۔ "مع الملح" (نمک کیساتھ) تو خلیفہ حیران ہو کر رہ گیا اور اس کے کمال استحضار وغایت دجہ بیداری پر نہایت متعجب ہوا۔

انت؟ قلت:علیل"(میں بیمارہوں)۔یہ اصل میں"اناعلیل"تھا،کیونکہ بیمارآدمی طویل کلام کرنے سے عاجزہوتاہے اوربسااوقات طویل کلام سے اُسے تکلیف بھی ہوتی ہے۔

۷۔۔۔ **التعظیم والتوقیر:** بعض اوقات مسندالیہ کوتعظیم اوراحترام کی وجہ سے حذف کیاجاتاہے،جیسے"وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ"(سورۃالبقرۃ:۴)یہاں عبارت یوں تھی۔"يُؤْمِنُونَ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ" یہاں لفظ"اللہ"کوتعظیماً اوراحتراماًحذف کیاگیاہے۔

۸۔۔۔ **التحقیروالتوھین:** بعض اوقات مسندالیہ کوتحقیرکی وجہ سے حذف کیاجاتاہے تاکہ اس کے نام سے زبان کومحفوظ رکھاجائے،جیسے" أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ"(سورۃالحج:۳۹) یہاں"يُقَاتَلُونَ"اور"ظُلِمُوا"کے فاعل کفاریامنافقین کوتحقیراًحذف کیاگیاہے۔

۹۔۔۔ **المحافظه علی وزن او قافية:** کبھی مسندالیہ کووزن اورقافیہ کی رعایت رکھتے ہوئے حذف کیاجاتاہے، جیسے"وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى"(سورۃاللیل:۱۹)یہاں اصل عبارت"مِنْ نِعْمَةٍ يجْزَيها"ہے جس میں فعل کامسندالیہ ضمیرہےجوسیدناابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے،لیکن رعایت فواصل میں ضمیرمسندالیہ کوحذف کرکے" مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى"فرمایاہے۔

۱۰۔۔۔ **اتباع القواعد:** بسااوقات مسندالیہ کوفنی قواعدکی رعایت رکھتے ہوئے حذف کیاجاتاہے،جیسے"فَصَبْرٌ جَمِيلٌ"(سورۃ یوسف:۱۸) "أی صبری صبرٌجمیلٌ"۔یہاں"صبری"مبتداء محذوف ہےاورمبتداء کوآٹھ جگہوں میں وجوباًحذف کیاجاتاہے،جن میں من جملہ ایک مقام یہ ہے کہ خبرایسامصدرہوجوفعل کے قائم مقام ہو۔"أی صبرت صبراًجمیلاً"۔

۱۱۔۔۔ **کون المسندلایلیق الابه:** کبھی مسندالیہ کواس لیے حذف کیاجاتاہے کہ مسندکسی خاص مسندکیساتھ مختص ہوتاہے، جیسے" فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ"(سورۃ البروج:۱۶)یہاں مذکورہ صفات اللہ تعالی ہی کیساتھ مختص ہیں،اس لیے مسندالیہ"اللہ"کوحذف کیاگیاہے۔

۱۲۔۔۔ **اسنادالفعل الی النائب:** نائب فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنابھی حذف مسندالیہ کے قبیل سے ہے،جیسے"فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ"(سورۃ الاعراف:۱۱۹-۱۲۰) یہاں"فَغُلِبُوا"اور"أُلْقِيَ"دونوں مجہول کے صیغوں کولایاگیاہے۔اول میں حکمت یہ ہے کہ ساحروں پرغالب آنے میں حضرت موسی علیہ السلام نہیں تھے،کیونکہ ارشادباری تعالی ہے۔" فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى"(سورۃ

طٰہٰ:٦٧)حضرت موسیٰ علیہ السلام کواس واقعہ پر اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا تھاجب انہوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو دوڑتی ہوئی محسوس کی تھیں، گویاغالب آنے والی صرف اللہ تعالی کی ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایک خارق عادت چیز کو ظاہر فرمایا۔اسی طرح "أُلْقِيَ "کو مجہول لا کر یہ بتلایاہے کہ کوئی ایسا قوی حال اُن جادو گروں پر طاری ہوا تھا جس نے ان کے دلوں سے سر کشی اور کفر کو نکال پھینکا جس کے بعد بجز خصوع کوئی چارہ نہیں رہا[1]۔

۱۳۔۔۔ دلالة القرائن: بعض اوقات مسند الیہ پر قرائن دلالت کرتے وقت اسے حذف کیا جاتا ہے، جیسے "فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ"(سورة الذاريات:۲۸-۲۹) یہاں قرینہ حالیہ کی وجہ سے بجائے"أناعَجُوزٌ عَقِيمٌ"کے صرف"عَجُوزٌ عَقِيمٌ" فرمایا۔

۱٤۔۔۔ظهور المسنداليه: کبھی مسند الیہ سامع کی نظر میں بالکل ظاہر ہونے کی وجہ سے اسے حذف کیا جاتا ہے، جیسے"وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ"(سورة القارعة:۱۰-۱۱) یہاں"هی"مسند الیہ کو غایت ظہور کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے[2]۔

قاعدہ: بعض اوقات مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل لائی جاتی ہے اور ضمیر فصل اس لیےلائی جاتی ہے تاکہ مسند مسند الیہ پر منحصر ہو، جیسے "زيدٌهوالقائم "زید ہی کھڑا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قیام زید ہی پر منحصر ہے زید کے علاوہ کسی اور عمرو وغیرہ کی طرف متجاوز نہیں ہے۔ ضمیر فصل کو مسند الیہ کے احوال میں سے اس شمار کیا جاتا ہے کہ مسند الیہ اور ضمیر فصل کا مصداق ایک ہوتا ہے، نیز ضمیر فصل اور مسند الیہ میں لفظی طور پر اتحاد پایا جاتا ہے اگر مسند الیہ مفرد ہو تو ضمیر فصل بھی مفرد لائی جاتی ہے اور مسند الیہ دو ہوں تو ضمیر فصل بھی تثنیہ لائی جاتی ہے اور ضمیر فصل کا مرجع مسند الیہ ہوتا ہے مسند نہیں ہوتا ہے اس لیے ضمیر فصل کو مسند الیہ کے احوال کے ضمن میں ذکر کیا جاتا ہے[3]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں حذفِ مسند الیہ کے اسباب و دواعی کی نشاندہی کریں۔

---

[1] تفسیر عثمانی:٦٥٩.

[2] علوم البلاغۃ للمراغی:۹۰۔

[3] عروس الأفراح في شرح تلخيص المفتاح:۱/۲۲۷۔

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ. فَصَبْرٌ جَمِيلٌ. صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ. خلاق لما يشاء. هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ. نعم الزعيم سعدٌ. غزالٌ «أي هذا غزال». نوره مستفادٌ من نور الشمس. قال لي كيف أنت قلت عليلٌ. من طابت سريرته، حمدت سيرتُهُ. وهَّابُ الألوف. رميةٌ من غير رام. واستوت على الجودي، أي السفينة. حتى توارت بالحجاب أي الشمس. لئيم خسيس. إني أخاف أن يمسك عذاب من الرحمن .

چند حل شدہ مثالیں:

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "عَجُوزٌ عَقِيمٌ" مسند محکوم بہ...... مسند الیہ محذوف "أنَا"، "أنَا" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للتکلم...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم اتباع القواعد و تخصیص ...... مسند الیہ محذوف غرضِ حذف مسند الیہ تعجب و حیرت و دلالۃ القرائن ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ.

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ" مسند محکوم بہ...... مسند الیہ محذوف "هم"، "هم" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للغیبوبۃ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم اتباع القواعد و تخصیص ...... مسند الیہ محذوف غرضِ حذف مسند الیہ تحقیر و توہین و دلالۃ القرائن و ظہور مسند الیہ ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

بابِ سوم:

احوالِ مسند

یہ باب درج ذیل پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: تنکیرِ مسند کا بیان

فصلِ دوم: تعریفِ مسند کا بیان

فصلِ سوم: تقدیمِ مسند کا بیان

فصلِ چہارم: ذکرِ مسند کا بیان

فصلِ پنجم: حذفِ مسند کا بیان

فصل اول: تنکیر مسند کا بیان

مسند میں اصل تنکیر ہے، اس لیے اس کو اکثر نکرہ کے اسلوب میں ذکر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اسے نکرہ کے اسلوب میں لانے کے درج ذیل اسباب و دواعی ہیں:۔

۱۔ انتفاء الحصر والعهد. ۲- تفخيم المسند.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔انتفاء الحصر و العهد: بعض اوقات مسند کو نکرہ کے اسلوب میں اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے تعریف سے حاصل ہونے والا حصر مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی معہود کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "زيدكاتب، عمروشاعر" یہاں اگر تخصیص کا ارادہ ہوتا تو "زيدٌالكاتب" اور "عمروٌالشاعر" کہا جاتا اور اگر متکلم و مخاطب کے درمیان معہودبات کے متعلق کہا جاتا تو "فلان الكاتب" اور "فلان الشاعر" وغیرہ۔

۲۔۔۔تفخيم المسند: کبھی مسند کو نکرہ کے اسلوب میں لانے سے علوِ شان بتلانا مقصود ہوتا ہے، جیسے " هُدًى لِلْمُتَّقِينَ "(سورة البقرة:۲) یہاں " هُدًى " کی تنکیر نے قرآن مجید کی سراپا ہدایت ہونے کی تعظیم و تفخیم کا فائدہ دیا ہے، یعنی قرآن مجید کی ہدایت اس قدر بلند و بالا ہے کہ جس کی کنہ و حقیقت کا ادراک ناممکن ہے[1]۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۲۹۷۔

فصلِ دوم: تعریف مسند

مسند کو معرفہ لانے کے اسباب ودواعی درج ذیل ہیں۔

۱۔ إرادة العهد. ۲- إفادة القصر. ۳- إفادة اللطائف. ٤- تعظيم المسند اليه.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔ارادة العهد: بعض اوقات مسند کو معرفہ کے اسلوب میں لانے سے مقصود یہ بات ہوتی ہے کہ مخاطب کو مسند کا وقوع معلوم ہے، لیکن اس کا مسند الیہ معلوم نہ ہو، جیسے "زيدٌ المنطلق" یہاں مخاطب کو پہلے سے انطلاق کا معہود ہونا معلوم ہے، اس لیے "زيدٌ المنطلق" کہا، لیکن پہلے سے انطلاق کا علم نہ ہوتا تو "زيدٌ منطلقٌ" کہا جاتا۔

۲۔۔۔افادة القصر: کبھی مسند کو معرفہ کے اسلوب میں لانے سے مقصود افادہ قصر ہوتا ہے کہ مسند مسند الیہ پر منحصر ہے، جیسے "إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى" (سورۃ طٰہٰ:٦٨) یہاں "الْأَعْلَى" مسند کی تعریف سے مسند الیہ پر حصر اور قصر کا فائدہ حاصل ہوا ہے۔

۳۔۔۔افادة اللطائف: بعض اوقات مسند کو معرفہ کے اسلوب میں ذکر کرنے سے افادہ لطائف مقصود ہوتا ہے، یعنی مسند کے مسند الیہ پر منحصر ہونے سے بڑھ کر ایسے لطائف ودقائق بیان کرنا جس کے ادراک ایک بلند اسالیب اور عمدہ تعبیرات سے باخبر آدمی کر سکے اور یہ فائدہ خبر کو معرفہ بذریعہ اسم موصول لانے سے حاصل ہوگا، جیسے "وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" (سورۃ المؤمنون:٧٨-٨٠) ان آیات میں خبر کو بذریعہ اسم موصول ذکر کرتے ہوئے صلہ میں مشہور ومعروف چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور "قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ" اور "أَفَلَا تَعْقِلُونَ" لاکر مخلوق کو صلہ میں ذکر کردہ امور میں مشغول ہونے اور تدبر کرنے پر اُبھارا ہے۔

٤۔۔۔تعظيم المسند اليه: کبھی مسند کو معرفہ کے اسلوب میں لانے سے مسند الیہ کی عظمت کو بتلانا مقصود ہوتا ہے، جیسے "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ" (سورۃ الفتح:٢٩) "إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ" (سورۃ مریم:۳۰) یہاں "رَسُول" اور "عَبْد" مسند کی اضافت باری تعالی کی طرف فرما کر "رَسُول" اور "عَبْد" میں تعظیم پیدا کرنا مقصود ہے[1]۔

تمرین

---

[1] جواہر البلاغۃ:١٣٥۔

درج ذیل مثالوں میں تعریفِ مسند کے علل دواعی کی تعیین کیجئے۔

مُحَمَّد رَسُولُ اللّٰہِ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا بعد قوله: أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ . يُخَادِعُونَ اللّٰہَ وَهُوَ خَادِعُهُم . أَصْلُها ثابِتٌ وَفَرْعُها فِي السَّماء . أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون . هذا أخي . سعد الزعيم. هذا الخطيب، وذاك نقيب الأشراف. سعدٌ الوطني. الأدب خير من العلم . محمود في المدرسة . خليل عندك. سعد حضر. أنا سعيت في حاجتك . خليل أبوه منتصر . حالي مستقيم-

چند حل شدہ مثالیں:

مُحَمَّد رَسُولُ اللّٰہِ:

مرحلہ اولیٰ:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"مُحَمَّد" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیر وبیان الاختصاص ......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم استلذاذ وتبرک......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ استلذاذ وتبرک وافادۃ الہیبۃ وعدم وجود ما یدل علیہ "رَسُولُ اللّٰہِ" مسند محکوم بہ معرفہ مضاف الی المعرفۃ غرضِ تعریف تعظیم المضاف......اسناد اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

أَصْلُها ثابِتٌ:

مرحلہ اولیٰ:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"أَصْلُها" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ مضاف الی المعرفہ غرضِ تعریف ایجاز واختصار......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت واتباع القواعد......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود ما یدل علیہ "ثابِتٌ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر مسند اصالت وانتفاء الحصر والعہد ......اسناد اسنادِ حقیقی ......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصل سوم: تقدیمِ مسند کا بیان

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب جملہ کے دوارکان میں سے ایک رکن مقدم ہوگا تو دوسرا رکن ضرور ہی مؤخر ہوگا،اس لیے کہ یہ دونوں باہم متلازم ہیں،یعنی ایک رکن کے مقدم ہونے سے دوسرے کامؤخر ہونا لازم ہے،تاہم بعض اسباب ودواعی ایسے ہیں،جن کی وجہ سے مسند کو مقدم کیاجاتاہے، بعض اسباب ودواعی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ کون المسندعاملا. ۲-اتباع القواعد. ۳-التخصیص. ٤-تشویق إلی المتاخر. ٥-تقدیم لغرض. ٦-المحافظة علی الوزن. ۷-المحافظة علی السجع. ۸-للتبرك. ۹-للتفاؤل. ۱۰-کون المقدم محط السؤال. ۱۱-کون المقدم محط التعجب. ۱۲-کون المقدم محط الإنکار. ۱۳-سلوك سبیل الترقی.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔کون المسندعاملا: بعض اوقات مسند کواس لیے مقدم کیاجاتاہے کہ یہ اپنے مابعد(مسند الیہ)میں عامل ہوتاہے،جیسے"سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ"(سورۃ الصف:۱) یہاں"سَبَّحَ"کی تقدیم اپنے معمولوں پرعامل ہونے کی وجہ سے ہے،اس لیے کہ عامل بمنزلہ علت اور معمول بمنزلہ معلول کے ہوتاہے اور علت اپنے معلول سے مقدم ہوتاہے۔

۲۔۔۔اتباع القواعد: کبھی فنی قواعد کی رعایت کرتے ہوئے مسند کو مقدم کیاجاتاہے،جیساکہ مسند صدرِکلام کا متقاضی ہو،جیسے"یَسْأَلُ أَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ"(سورۃ القیامۃ:٦) یہاں"أَیَّانَ"استفہامیہ ہونے کی وجہ سے صدرِکلام کاتقاضاکرتاہے۔

۳۔۔۔ تخصیص: بسااوقات حصرواختصاص کے لیے مسند کومقدم کیاجاتاہے کہ مسند مسندالیہ کیساتھ مختص ہے،جیسے"لِلّٰہِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ"(سورۃ البقرۃ:۲۸۴) یہاں مسند کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے کہ زمین وآسمان کی بادشاہی اللہ تعالی ہی کیساتھ خاص ہےاوراسی طرح یہ آیت ہے۔"لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِيَ دِینِ"(سورۃ الکافرون:٦) یہاں بھی مسند کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے کہ تمہارادین شرک وکفرپر مقصور ہے اورمیرادین توحید میرے ساتھ خاص ہے۔

٤۔۔۔ **تشویق الی المتاخر:** کبھی مسند کو اس لیے مقدم کیا جاتا ہے کہ اس سے آنے والے مسند الیہ کا شوق ور غبت دلانا مقصود ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے۔"خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: البُخْلُ وَسُوءُ الخُلُقِ"[۱] دو خصلتیں ایسی ہیں، جو مؤمن میں جمع نہیں ہوتیں، ایک بخل اور دوسری بد اخلاقی۔ یہاں"البُخْلُ وَسُوءُ الخُلُقِ" مبتداء مؤخر ہیں اور"خَصْلَتَانِ"اپنے مابعد صفت سے مل کر خبر مقدم ہے اور یہ تقدیم مسند تشویق کے لیے ہے۔ واضح رہے کہ افعال مدح وذم کی مثالیں بھی اسی قبیل سے ہیں۔

٥۔۔۔ **تقدیم لغرض:** کبھی کسی خاص غرض کی وجہ سے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے" وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ"(سورۃ الاعراف:۲۴) یہاں"لَكُمْ"کی تاخیر سے" مُسْتَقَرٌّ"کی صفت کا شبہ ہو سکتا تھا، لیکن تقدیم کی صورت میں یہ شبہ باقی نہیں رہا، اس لیے کہ صفت اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوا کرتی۔

٦۔۔۔ **المحافظه علی الوزن:** بعض اوقات وزنِ شعری کی رعایت کرتے ہوئے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے شعر ہے۔

إِذَا نَطَقَ السَّفِيْه فَلَا تُجِبْهُ فَخَيْرٌ مِنْ إِجَابَتِهِ السُّكُوْتُ

ترجمہ: جب بے وقوف تجھ سے بات کرے تو اسے جواب نہ دے، کیونکہ بے وقوف کو جواب دینے سے چُپ رہنا بہتر ہے[۲]۔

اس شعر میں"فخیرٌ"مسند کو وزنِ شعری کی رعایت کے لیے"السُّکُوت"مسند الیہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

٧۔۔۔ **المحافظه علی السجع:** کبھی رعایتِ سجع کی غرض سے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے" أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى"(سورۃ النجم:۲۴-۲۵) یہاں"لِلّٰہِ"مسند ہے اور"الْآخِرَةُ وَالْأُولَى"مسند الیہ ہے اور یہاں سجع کی رعایت کرتے ہوئے مسند کو مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ فواصل کا حرفِ روی"الف"ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی:۴/۳۴۳، رقم:۱۹۶۲۔

(۲) قال أَبُو الفتح البُستِيُّ:

لَا تَرجِعَن إلى السَّفيْهِ خَطابَهُ إِلَّا جَوابَ تحيَّةٍ حيَّاكهَا
فَمَتَى تُحَرِّكْهُ تُحَرِّكْ جِيْفَةً تَزْدَادُ نِتْنًا مَا أَرَدْتَ حِرَاكَهَا

قال الإمام الشافعي في ديوانه(ص۱۱):

يُخَاطِبني السَّفيهُ بِكُلِّ قُبْحٍ فأكرهُ أن أكونَ له مجيبا
يزيدُ سفاهةً فأزيدُ حلماً كعودٍ زادهُ الإحراقُ طيبا

۸۔۔۔ للتبرك: بعض اوقات حصولِ برکت کے لیے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے" وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ"(سورۃ الانفال:۴۱) یہاں "لِلّٰهِ" مسند کو "خُمُسَهُ" مسند الیہ پر تبرک کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

۹۔۔۔ للتفاؤل: کبھی نیک فالی کے لیے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے بیمار آدمی سے کہا جائے۔"فی عافية أنت إن شاء الله"، اس مثال میں "فی عافية "مسند کو مقدم کیا گیا ہے۔

۱۰۔۔۔ کون المقدم محط السؤال: بعض اوقات مسند کو محل سوال ہونے کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَاإِبْرَاهِيمُ"(سورۃ مریم:۴۶) یہاں مسند "رَاغِبٌ" محلِ سوال ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

۱۱۔۔۔ کون المقدم محط التعجب: کبھی مسند کو محلِ تعجب ہونے کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے" وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ"(سورۃ المائدۃ:۴۳) یہاں تحکیم کو محلِ تعجب ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

۱۲۔۔۔ کون المقدم محط الانکار: کبھی مسند محلِ انکار میں واقع ہونے کی وجہ سے مقدم ہوتا ہے، جیسے "أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَاإِبْرَاهِيمُ"(سورۃ مریم:۴۶) یہاں مسند "رَاغِبٌ" کو محلِ انکار میں واقع ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اظہارِ تعجب کیساتھ ساتھ انکار بھی کر رہے ہیں!

۱۳۔۔۔ سلوك سبيل الترقي: کبھی چند مسندوں کو ذکر کرتے وقت فطری اور طبعی تقاضوں کے مطابق پہلے عام کو ذکر کیا جائے، پھر خاص کو ذکر کیا جائے، جیسے "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا"(سورۃ مریم:۴۱) نبوت کے لیے صدیقیت لازمی ہے، اس لیے یہاں ترقی کرتے ہوئے "صِدِّيقًا" کیساتھ "نَبِيًّا" بھی ذکر فرمایا[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: مسند اور مسند الیہ میں سے ہر ایک کی تقدیم دوسرے کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے، لہذا مسند اور مسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بعینہ وہی ہوں گے جو تقدیم میں گذر چکے ہیں، مثلاً مراعاتِ ترتیب واقعی، جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا

---

[1] جواہر البلاغہ:۱۳۶۔

حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ"(سورۃ البقرۃ:۱۸۰) یہاں عزیزوا قارب کو والدین سے مؤخر کرنے میں رتیبِ واقعی کو ملحوظِ نظر رکھا گیا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: جہاں تقدیم سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہو گا تو وہاں تاکید اور تقویۃ الحکم کا فائدہ بھی ضرور ہو گا، لیکن جہاں تاکید اور تقویۃ الحکم کا فائدہ حاصل ہو رہا ہو، وہاں اختصاص کا فائدہ حاصل ہونا ضروری نہیں[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: جملہ فعلیہ میں اصل مسند کی تقدیم ہوتی ہے اور جملہ اسمیہ میں اصل مسند الیہ کی تقدیم ہوتی ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: جب ایک جملہ میں توابع جمع ہوں تو اس کی ترتیب یہ ہو گی: پہلے نعت، پھر عطف بیان، پھر تاکید پھر بدل پھر عطف نسق ہو گا[۴]۔

تمرین

درج مثالوں میں تقدیم مسند کی تقدیم کے علل و دواعی کی تعیین کیجئے۔

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينٌ. لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. لَا فِيهَا غَوْلٌ. يَخَافُونَ رَبَّهُمْ. لَهُ الحمد فِي الأولى والآخرة. وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ. وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً. لَهُ الحكم وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ. لِلّٰهِ الأمر مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ. وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا. وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ. وَلَهُمْ فِي الآخرة عَذَابٌ عَظِيمٌ. إِنَّ فِي خَلْقِ السَّماواتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهارِ لَآياتٍ لِأُولِي الْأَلْباب . لله درك . في عافية انت. لِي عَمَلِيْ. لَكُمْ عَمَلُكُمْ. وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ. فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ. وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ. وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا.

چند حل شدہ مثالیں:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "لِلّٰهِ" مسند محکوم بہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف افادۃ القصر...... مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند تخصیص و تبرک...... "مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" مسند الیہ معرفہ مضاف الی المعرفہ غرضِ

---

[۱] جواہر البلاغہ:۱۳۶۔

[۲] مختصر المعانی:۱/۱۹۶۔

[۳] البلاغۃ العربیہ:۱/۳۵۲،۳۵۰۔

[۴] البلاغۃ العربیہ:۱/۳۵۸۔

تعریف تعظیم وتوقیروبیان الاختصاص......مسندالیہ مذکورغرضِ ذکرمسندالیہ عدم وجودمایدل علیہ وافادۃ الہیبۃ......اسناداسنادِ حقیقی......مسند مسندالیہ سے مل کرجملہ خبریہ اسمیہ۔

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ:

مرحلہ اولیٰ:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"يَخَافُونَ"فعل مسند محکوم بہ......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسندکون المسندعاملا......اس میں"واؤ"ضمیرفاعل مسندالیہ محکوم علیہ......معرفہ معرفہ بالضمیرغرضِ تعریف کون المقام للغیبوبۃ......مسندالیہ مذکورغرضِ ذکرمسندالیہ عدم وجودمایدل علیہ وزیادۃ التقریروالایضاح......اسناد اسنادِ حقیقی......"رَبَّهُمْ"مفعول بہ...... فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کرجملہ خبریہ فعلیہ۔

فصلِ چہارم: ذکرِ مسند

مسند کو ذکر کرنے کے درج ذیل اسباب ودواعی ہیں:۔

۱۔تعیین کونہ فعلا. ۲۔تعیین کونہ اسما. ۳۔عدم وجود مایدل علیہ. ۴۔ضعف تنبہ السامع. ۵۔التعریض بغباوۃ السامع. ۶۔زیادۃ التقریر والإیضاح. ۷۔الحدوث. ۸۔الثبوت والدوام.

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔تعیین کونہ فعلا: مسند کا فعل ہونا تاکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے مقید ہو کر حدوث اور تجدد کا فائدہ دے، جیسے" سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا"(سورۃ البقرۃ:۱۴۲) یہاں اللہ تعالی نے معاندین کی طرف سے مستقبل میں ہونے والے اعتراض کو مع جواب پہلے ہی بیان فرمایا تاکہ کسی کو موقع پر تردد اور جواب میں تامل نہ ہو۔

۲۔۔۔ تعیین کونہ اسما: مسند کا اسم ہونا، تاکہ وہ دائمی طور پر مسند الیہ کے لیے ثابت ہو، جیسے" إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"(سورۃ النساء:۱۴۲) منافقین کی دھوکہ بازی عارضی ہے، اس لیے مسند "يُخَادِعُونَ" کو بصورت فعل ذکر کیا اور اللہ تعالی کا منافقین کو دھوکہ میں رکھنا دائمی تھا، اس لیے مسند کو بصورت اسم "خَادِعُهُمْ" ذکر کیا گیا ہے[1]۔

۳۔۔۔ عدم وجود مایدل علیہ: جب مسند کے حذف پر کوئی قرینہ نہ ہو تو اُسے ذکر کرنا اصل ہے، جیسے "إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ" (سورۃ القصص:۲۰) یہاں "يَأْتَمِرُونَ" مسند مذکور ہے، اس لیے کہ حذف کی صورت میں اس پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔

٤۔۔۔ ضعف تنبہ السامع: سامع کو خبردار اور متنبہ کرنے کے لیے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے "أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" (سورۃ ابراہیم:۲۴) یہاں کمزور فہم سامع کے سامنے اگر دوسرے " ثَابِتٌ "کو حذف کیا جائے تو وہ اس پر متنبہ نہیں ہو سکتا۔

٥۔۔۔التعریض بغباوۃ السامع: سامع کے فہم پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے احتیاطاً مسند کو ذکر کرنا، جیسے "قَالُوا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ"(سورۃ

[1] مختصر المعانی:۱/ ۲۵۵۔

الانبیاء:۶۲-۶۳) یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام "بَلْ كَبِيرُهُمْ هَذَا" فرماتے تو بھی مسند سمجھ میں آجاتا، لیکن حذف مسند کے بجائے مخاطبین کی غباوت اور کم عقلی پر متنبہ کرنے کے لیے مسند "فَعَلَهُ" کو ذکر فرمایا۔

۶۔۔۔ **زیادۃ التقریر والایضاح:** مسند کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر کرنا ہو، جیسے "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ" (سورۃ الزخرف:۹) یہاں مزید وضاحت کی وجہ سے "خَلَقَهُنَّ" کو جواب میں دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی کی عظمت وقدرت اور کمال تصرف مشرکین کو بھی مسلم ہے۔

۷۔۔۔ **الحدوث:** مسند کا فعل کی صورت میں ذکر کرنا، تاکہ وہ فعل اختصار کیساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں مسند کے واقع ہونے کا فائدہ دے، جیسے "يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ" (سورۃ الرعد:۳۹)۔

۸۔۔۔ **الثبوت والدوام:** مسند کو دوام اور ثبوت کا فائدہ دینے کے لیے ذکر کرنا، بشرطیکہ کہ خبر اسمِ مشتق ہو، جیسے "إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ" (سورۃ ال عمران:۱۱۹) یہاں خبر کا ثبوت دائمی ہے[۱]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر: اکثر متقدمین اہل علم علامہ ابوہلال عسکریؒ اور امام عبد القاہر جرجانیؒ وغیرہ حضرات نے اس باب کی طرف اعتناء نہیں کی ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر: تعریف کے موقع میں استمرار تجددی کا فائدہ دینے کے لیے مسند کو فعل مضارع کی صورت میں لایا جاتا ہے، جیسے "إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ" (سورۃ ص:۱۸) یہاں چونکہ پہاڑوں کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہے، جس میں استمرار تجددی کیساتھ ثبوت اور دوام بھی ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر: جس طرح اسم ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح جملہ اسمیہ بھی ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے، اس لیے تاکیدی مقامات کو جملہ اسمیہ سے تعبیر کرنا مستحسن ہے اور فعل جس طرح حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح جملہ فعلیہ بھی حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے، یہ آیت دونوں کی مثال ہے۔ "وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ" (سورۃ

---

[۱] مختصر المعانی:۱/۲۵۵۔

[۲] علوم البلاغۃ:۷۳۔ہامش جواہر البلاغۃ:۱۲۴۔

[۳] مختصر المعانی:۱/۲۶۱۔

البقرۃ:۱۴)اس آیت میں منافقین کا طرز عمل بتلایا کہ وہ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو چوں کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ اور مستحکم نہیں، اس لیے "آمَنَّا" جملہ فعلیہ سے تعبیر کرتے تھے اور جب شیاطین اور رؤسائے منافقین سے ملتے تھے تو چوں کہ ان کے دلوں میں کفر و شرک راسخ تھا تو اس کو "إِنَّا مَعَكُمْ" جملہ اسمیہ سے تعبیر کرتے تھے۔

قاعدہ نمبر: مسند مسند الیہ سے مؤخر ہوتا ہے اس لیے کہ مسند محکوم بہ ہے اور مسند الیہ محکوم علیہ ہے اور محکوم بہ محکوم علیہ سے طبعاً اور وضعاً مؤخر ہوتا ہے[1]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مسند کے ذکر کے اسباب و دواعی کی نشاندہی کریں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ، وَأُولَئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ، وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، أَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي، فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا، وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ. اعمل لدنياك كأنّك تعيش، وأعمل لاخرتك كأنّك تموت غدا. أصلُها ثابتٌ وفرعُها ثابتٌ. العلم خيرٌ من المال. خالد بن الوليد سيف من سيوف الله. رأس الحكمة مخافة الله. رأس الدين الورع. طاعة النساء ندامة. طالب العلم طالب الرحمة. طالب العلم ركن الإسلام. طلب الحلال جهاد. الغيرة من الإيمان. فاتحة الكتاب شفاء من كل داء.

چند حل شدہ مثالیں:

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "أُولَئِكَ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ باسم الاشارہ غرضِ تعریف بیان حال المشار الیہ، وتحقیر، تلخیص الکلام...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اتباع القواعد و تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... "أَصْحَابُ النَّارِ" مسند محکوم بہ معرفہ معرفہ بالاضافت غرضِ تعریف افادۃ القصر...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

العلم خيرٌ من المال:

---

[1] ہامش جواہر البلاغۃ:۱۲۴۔

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "العلم" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لامِ حقیقت الف لام جنسی ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اہمیت و تعجیل المسرۃ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح، تعظیم...... "خیرٌ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... "من المال" متعلق بہ "خیرٌ" ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصلِ پنجم: حذفِ مسند کا بیان

مسند الیہ کو جن اسباب اور دواعی کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، انہیں اسباب و دواعی کی وجہ سے مسند کو بھی حذف کیا جاتا ہے، ان میں سے من جملہ بعض اسباب درج ذیل ہیں:۔

۱۔اتباع القواعد. ۲ -دلالۃ قرینۃ علی تعیین المسند ۳ -تعظیم المسند الیہ ٤ -تحقیر المسند ٥ - الاحتراز عن العبث ٦ -بناء الجملۃ علی کلمۃ محتمل الوجھین ٧ -المحافظۃ علی الوزن ٨ -لفوات الفرصۃ.

مذکورہ اسباب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔اتباع القواعد: بعض اوقات فنی قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے مسند کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ" (سورۃ سبا:۳۱) یہاں مسند "موجودون" کو حذف کیا گیا ہے، اس لیے کہ اہل عرب "لولا" کی خبر کو وجوباً حذف کرتے ہیں۔

۲۔۔۔دلالۃ قرینۃ علی تعیین المسند: کبھی مسند کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ اس کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہوتا ہے، خواہ قرینہ متکلم کے کلام میں ہو، یا دوسرے کے کلام میں ہو، جیسے "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ" (سورۃ لقمان:۲۵) یہاں مسند "خلقھن" محذوف ہے۔

۳۔۔۔ تعظیم المسندالیہ: بعض اوقات مسند الیہ کی عظمت اور جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے مسند کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے " وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ" (سورۃ التوبۃ:۷۴) یہاں مشہور و معروف ترکیب کے مطابق "رَسُولُهُ" کا عطف "اللہ" پر ہے، لیکن دوسری ترکیب یہ ہے کہ "رَسُولُهُ" سے پہلے " أَغْنَاهُم "مسند محذوف ہے اور عبارت یوں ہوگی۔ "إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وأَغْنَاهُمُ رَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ" تو اس توجیہ کے مطابق "رَسُولُهُ" سے پہلے "أَغْنَاهُم" مسند کو حذف کرنا مسند الیہ کی تعظیم پر دلالت کرے گا۔

٤۔۔۔ تحقیر المسند: کبھی مسند کو تحقیراً حذف کیا جاتا ہے، جیسے "أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ" (سورۃ الزمر:۲۲) یہاں "أقسی" مسند محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "کمن أقسی قلبُه وجعل صدُره ضیقاً حرجاً؟"[۱]۔

٥۔۔۔ الاحتراز عن العبث: کبھی مسند کو عبث کلام سے احتراز کرنے کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، جیسے " أَنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ"(سورۃ التوبۃ:۳) یہاں "رَسُولُهُ" سے پہلے " بَرِيءٌ"کو حذف کیا گیا ہے، جس پر ما قبل" بَرِيءٌ" دال ہے۔

٦۔۔۔ بناء الجملة علی کلمة: کبھی جملہ کی بناء صرف ایک کلمہ پر ہونے کی وجہ سے مسند کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "وَلَوْ تَرَى إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ"(سورۃ سبا:۵۱) یہاں" فَلَا فَوْتَ"میں مسند "لهم"کو حذف کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے۔ "قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ"(سورۃ الشعراء:۵۰) یہاں "لَا ضَيْرَ" میں مسند "علینا"کو حذف کیا گیا ہے۔

٧۔۔۔ محتمل الوجهين: کبھی مسند کو اس وقت حذف کیا جاتا ہے کہ جہاں مسند اور مسند الیہ میں سے ہر ایک کے محذوف ہونے کا احتمال ہو، جیسے " سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا"(سورۃ النور:۱) یہاں دو توجیہات ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ مسند الیہ کو محذوف مانا جائے، پھر تقدیر عبارت یوں ہوگی۔" هذه سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا"۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ مسند کو محذوف مانا جائے، پھر تقدیر عبارت یوں ہوگی۔" فیما أوحینا إلیك سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا"[۲]۔

٨۔۔۔ المحافظة علی الوزن: کبھی وزنِ شعری کی وجہ سے مسند کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے شعر ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وأَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ والرَّأْيُ مُخْتَلِفُ

ترجمہ: ہم ہمارے پاس موجود چیزوں سے راضی ہیں اور تو اپنے پاس موجود چیزوں سے راضی ہے اور دونوں کی آراء مختلف ہیں۔

یہاں "نحن بماعندناراضون" سے مسند "راضون" کو وزن شعری کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

٩۔۔۔ لفوات الفرصة: کبھی فرصت کے فوت ہو جانے کے خوف سے مسند کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ"(سورۃ الشمس:۱۳) حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت اور نجات پر سخت ہونے

---

[۱] نیل الامانی:۱/۲۱۸۔

[۲] مختصر المعانی:۱/۲۵۱۔ علوم البلاغۃ للمراغی:۱/۷۸۔

اور بُرے انجام سے ڈراتے ہوئے چیخ اُٹھے۔"نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا"۔یہاں مسند محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔"ذروا ناقة الله!"[۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: علم البلاغۃ میں اس حذف کا اعتبار ہوتا ہے جو اعراب سے ظاہر نہ ہو[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: جملہ مسند اور مسند الیہ سے مل کر وجود میں آتا ہے اور کبھی متعلقات جملہ مفعول، ظرف، مصدر اور جار مجرور وغیرہ سے مل کر بنتا ہے، اب جہاں کہیں حذف ہوتا ہے تو وہاں دو بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جن کے بغیر کلام کے کسی جزء کو حذف نامعقول کہلاتا ہے، ایک محذوف پر دلالت کرنے والا قرینہ موجود ہو۔ اور دوسرا بلاغت کا کوئی پہلو پایا جاتا ہو۔

فائدہ نمبر ۳: قرآن مجید اور کلامِ عرب میں حذف کا اسلوب بکثرت پایا جاتا ہے، کبھی مضاف محذوف ہوتا ہے، جیسے "وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ"(سورة البقرة:۹۳) "أي:حبُ العجل"۔ کبھی موصوف محذوف ہوگا، جیسے "وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً" (سورة الاسراء:۵۹) "أي آية مبصرة "۔اور کبھی مبتداء محذوف ہوگا، جیسے "الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ"(سورة البقرة:۱۴۷)"أي هذا الحق من ربك"۔اسی طرح کبھی فاعل، کبھی مفعول، کبھی شرط، کبھی جواب شرط، کبھی جار، کبھی صفت اور کبھی حال وغیرہ کو حذف کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل علم البیان میں مجاز مرسل کے تحت ملاحظہ ہوں[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: محذوف کی مذکور چاروں قسموں میں سے پہلی قسم مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: حذفِ مسند کے دواعی میں سے من جملہ ایک ضیق المقام اور اتباع الاستعمال بھی ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر ۶: حذف مسند کا ان اغراض کے پیش نظر ہوتا ہے جس کا ذکر حذف مسند الیہ میں ہو چکا ہے، یعنی بقصد اختصار، احتراز عن العبث وغیرہ[۵]۔

---

(۱) علوم البلاغۃ للمراغی:۹۲۔

(۲) علوم البلاغۃ للمراغی:۸۹۔

(۳) قواعد البلاغۃ کا حصہ دوم ملاحظہ ہو۔

(۴) نیل الامانی:۱/۲۱۸، جواہر البلاغۃ:۱۲۵، علوم البلاغۃ:۷۶۔

(۵) نیل الامانی:۱/۳۲۸۔

قاعدہ نمبر ۷: حذف کی چار صورتیں ہیں:۔(۱) کلمہ ایک جزء حذف کرنا، جیسے "واللیل اذایسر"۔(۲) جملے کا ایک جزء حذف کرنا، جیسے مسند الیہ یا مسند کو حذف کر دینا۔(۳) پورے جملے کا حذف کرنا۔(۴) اکثر جملے کو حذف کرنا[1]۔

فائدہ نمبر ۸: علامہ ابن ہشام نے "مغنی اللبیب" میں تیس سے زائد انواع حذف کی ذکر کی ہیں اور علامہ میدانیؒ نے "البلاغۃ العربیہ" میں انیس اقسام ذکر کی ہیں[2]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں حذفِ مسند کی دواعی وعلل کی تعیین کیجئے۔

لَا إِلَهَ إِلَّااللّٰه. لَوْلا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ.(أي: لولا أنتم موجودون). وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ (أي:والله أحق أن يرضوه ورسوله كذلك). أَنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ (أي: ورسوله بريءٌ منهم). فَصَبْرٌ جَمِيلٌ(أجمل). يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ(رِجَالٌ). وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ(معبودنا). فَلَا فَوْتَ(لهم). وكأن يسأل آخر: من عندكم؟ فيجيب ضيف . زيد في جواب من ضرب . نحنُ بما عندنا وأنت بما عندك راض والرأيُ مختلف. خرجت فإذا زيد .

چند حل شدہ مثالیں:

لَا إِلَهَ إِلَّااللّٰه:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "لَا" نفی جنس...... "إِلَهَ" مسند الیہ محکوم علیہ نکرہ غرضِ تنکیر تعظیمِ مسند الیہ ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اہمیت، استلذاذ و تبرک...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود ما یدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح، تعظیم وافادۃ الہیبۃ...... "موجود" مسند محذوف...... "موجود" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند اصالت ...... مسند محذوف غرضِ حذفِ مسند دلالۃ القرائن علی تعیین المسند و تعظیم مسند الیہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ(أجمل):

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "صَبْرٌ جَمِيلٌ" مسند الیہ محکوم علیہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم مسند الیہ...... مسند الیہ

---

[1] البلاغۃ العربیہ:۱/۳۳۰۔

[2] البلاغۃ العربیہ:۱/۳۳۴۔

مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اہمیت و اصالت ...... **مسند الیہ مذکور** غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود ما یدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح،......"اجمل "**مسند محذوف**......"اجمل "**مسند محکوم بہ نکرہ** غرضِ تنکیرِ مسند اصالت ...... **مسند محذوف** غرضِ حذفِ مسند دلالۃ القرائن علی تعیین المسند ......اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

بابِ چہارم:

احوالِ متعلقاتِ فعل

یہ باب درج ذیل دو فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: حذفِ مفعول

فصلِ دوم: ترتیب الفعل و معمولاتہ

فصل اول: حذفِ مفعول

یہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ فعل کیساتھ فاعل کے ذکر کرنے سے کوئی نہ کوئی غرض ضرور متعلق ہوتی ہے، مطلقِ فعل کاوقوع یاثبوت بتلانامقصود نہیں ہوتاہے، بلکہ فاعل سے فعل کاثبوت اور صدور بتلانامقصود ہوتاہے اوراسی طرح جب فعل کیساتھ مفعول کوذکر کیاجاتاہے تواس سے بھی مطلق فعل کاصدوراور ثبوت مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس سے بھی یہ بتلانامقصود ہوتاہے کہ فعل کاصدوراوروقوع مفعول پر ہوا ہے، مطلقِ فعل کاصدور مقصود نہیں ہوتاہے، کیونکہ اگر فعل کامطلق صدور مقصود ہوتوپھر فعل کیساتھ فاعل اور مفعول کاذکر کرناعبث اوربے فائدہ ہوگا، چنانچہ پھر فاعل اور مفعول کے ذکر کیے بغیر صرف یہ کہناچاہیے کہ "وقع الضرب، وُجِدالضربُ، ثبت الضربُ" وغیرہ۔ الغرض جب فعل کیساتھ فاعل یامفعول کاذکر جائےتوفاعل کے ذکر کرنے سے مقصود فاعل سے فعل کاصدور بتلاناہوگا اور مفعول کے ذکر کرنے سے مقصود مفعول پر فاعل کے فعل کاوقوع بتلاناہوگا[1]۔ مفعول بہ کوحذف کرنے کے متعدد اسباب اور دواعی ہیں، چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ المحافظة علی السجع. ۲۔ المحافظة علی الوزن. ۳۔ تعمیم مع الاختصار. ۴۔ الادب والاحترام. ۵۔ استهجاناللذکر ۶۔ تنزیل الفعل المتعدی منزلة اللازم. ۷۔ طلباللاختصار. ۸۔ الایضاح بعدالابهام. ۹۔ لتقدم ذکره. ۱۰۔ لوضوح المفعول به. ۱۱۔ التمکُّن من إنکار المحذوف عند الحاجة. ۱۲. إرادة أخفاء الأمر عن المخاطب. ۱۳. کَوْنُ مایُحذَفُ مُتَعَیِّناً حقیقةً أو ادّعاءً.

مذکورہ اسباب ودواعی کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔۔۔المحافظة علی السجع: بعض اوقات سجع کی رعایت رکھتے ہوئے مفعول بہ کوحذف کیاجاتاہے، جیسے "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى" (سورۃ الضحیٰ:۳) یہاں "قَلَى" کے مفعول بہ کورعایت سجع کے لیے حذف کیاگیاہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ "وَمَا قَلَاكَ" ہے۔

۲۔۔۔المحافظة علی الوزن: کبھی وزنِ شعری کی رعایت رکھتے ہوئے مفعول بہ کوحذف کیاجاتاہے، جیسے حدیث میں ہے۔ "هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ"[2] توایک انگلی توہےجوخون آلودہوئی

---

[1] مختصر المعانی:۱/۳۱۷۔

[2] صحیح بخاری:۴/۱۸، رقم:۲۸۰۲۔

ہے اور اللہ کے راستہ ہی میں تجھے تکلیف پہونچی ہے جو پہنچی ہے۔ یہاں "مَا لَقِيتِ" اصل میں "مَا لَقِيتِه" تھا۔ لیکن وزنِ شعری کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کیا گیا ہے۔

۳۔۔۔ تعمیم مع الاختصار: کبھی اختصار کیساتھ عمومیت پیدا کرنے کے لیے مفعول بہ کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ" (سورۃ یونس:۲۵) یہاں مفعول بہ کو تعمیم کے لیے حذف کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی دعوت ہر زمان و مکان میں تمام بندوں کے لیے عام ہے۔

٤۔۔۔ الادب والاحترام: بعض اوقات مفعول بہ کو ادب واحترام کے لیے حذف کیا جاتا ہے، جیسے " قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ" (سورۃ الاعراف:۱۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت باری تعالی کی شدتِ اشتیاق سے درخواست فرمائی، لیکن ادب واحترام کا پہلو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے مفعول بہ "ذاتكَ" کوذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ تلمیحاً اور اشارۃ اپنی درخواست پیش فرمائی۔

٥۔۔۔ استهجاناً للذكر: کبھی مفعول بہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ اس کی تصریح ناپسندیدہ ہوتی ہے، جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ "كنتُ اغتسلُ أنا ورسولُ الله ﷺ من إناء واحد، فما رأيتُ منه، ولا رأى مني"[1]." میں اور رسول اللہ ﷺ دونوں ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، لیکن نہ توکبھی انہوں نے مجھ سے کچھ دیکھا اور نہ ہی میں نے ان سے کچھ دیکھا۔ یہاں دونوں جگہوں میں "عورة" مفعول بہ محذوف ہے اور اسے اس کے ذکر کے قبیح ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

٦۔۔۔ تنزيل الفعل المتعدی منزلة اللازم: کبھی مفعول بہ کیساتھ کوئی خاص بات وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے فعل متعدی کیساتھ فعل لازمی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، یعنی اس کے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (سورۃ الزمر:۹)، یہاں " يَعْلَمُونَ" اور "لَا يَعْلَمُونَ" کے مفعول کو حذف کیا گیا ہے۔

۷۔۔۔ طلباللاختصار: کبھی مفعول بہ کو اختصار کے لیے حذف کیا جاتا ہے، جیسے "رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ" (سورۃ البقرۃ:۲۵۸) یہاں مفعول کو اختصار کے لیے حذف کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی بے شمار مخلوقات کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے جو شمار اور احصاء سے باہر ہے اس لیے مفعول کو حذف کیا گیا ہے۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/ ۳۳۴۔

۸۔۔۔الایضاح بعدالابھام: کبھی سامع کے دل میں اچھااثر چھوڑنے کے لیے ابہام کے بعد وضاحت کی جاتی ہے، جیسے" وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ"(سورۃ النحل:۹) یہاں جب"لَوْ شَاءَ"کہا گیاتو سامع کے دل ودماغ میں سوال پیدا ہوا کہ"شَاءَ"کامفعول کون ہے؟ پھر"لَهَدَاكُمْ"کے قرینہ سے مفعول کو علم ہوا۔ یہاں مفعول چوں کہ ابہام کے بعد واضح ہوا ہے،لہذا وہ اوقع فی النفس ہوگا اور دل میں اچھا اثر چھوڑے گا۔

۹۔۔۔ لتقدم ذکرہ: کبھی مفعول بہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ بعد والے فعل کے مفعول بہ کا تذکرہ پہلے آچکا ہو، جیسے"يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ"(سورۃ الرعد:۳۹) یہاں مفعول بہ"يُثْبِتُ مَا يَشَاءُ "کو حذف کیا گیا ہے۔

۱۰۔۔۔ لوضوح المفعول به: سامع کی نظر میں مفعول بہ ظاہر اور متعین ہو، جیسے" قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ" (سورۃ الکھف:۲) یہاں"الذین "مفعول بہ کو غایت وضوح کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے-"لینذرالذین کفروا"-[1]

۱۱۔۔۔ التمکُّن من إنکار المحذوف عند الحاجة: بعض اوقات مفعول بہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ انکار کی ضرورت پڑنے کی صورت میں بسہولت انکار ہو سکے، جیسے کوئی شخص کہے:"لعن الله وأخزى الله"،"اللہ اس پر لعنت کرے اور اسے رسوا کرے!"اس پر کوئی قرینہ ہو کہ ان دونوں کا مفعول زید ہے اور لعنت اور رسوائی کے سبب کا اسے علم نہ ہو کہ کس وجہ سے وہ لعنت بھیج رہے ہیں۔ اس مقام پر مفعول کو حذف کر دیا ہے تاکہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تم اس پر لعنت کیوں بھیج رہے ہو؟ تو وہ انکار کر سکے کہ میری مراد تو زید نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے۔

۱۲۔۔۔ إرادة أخفاء الأمر عن المخاطب: بعض اوقات متکلم مخاطب سے مفعول بہ کو مخفی رکھنا چاہتا ہے اس سے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے کوئی شخص کہے:"الامیریحب ویبغض"،یعنی"الأمیریحبنی ویبغض هذاالحاضر"،(امیر مجھ سے محبت کرتا ہے اور اس کیساتھ جو یہاں حاضر ہے بغض رکھتا ہے!) لیکن متکلم نے مفعول بہ کو حذف کر دیا تاکہ کہیں سامع محبت کو اپنی طرف منسوب کرکے اور بغض کو میری طرف منسوب کرکے مجھے سزا نہ دلوادے، البتہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب مخاطب قرینہ کی مدد سے معلوم کرلے کہ"یبغض"اور"یحب"کا مفعول کون ہے؟

---

[1] مختصر المعانی:۱/۳۳۴۔

۱۳ ۔۔۔ كَوْنُ ما يُحْذَفُ مُتَعَيِّناً حقيقةً أو ادّعاءً: بسا اوقات مفعول بہ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ مفعول بہ حقیقۃً ہوتا ہے، جیسے کوئی کہے: "نحمدو نشکر"، یعنی "نحمداللہ ونشکراللہ"، کیونکہ حقیقی طور پر حمد اور شکر کالائق صرف اور صرف اللہ تعالی ہی ہے۔ یا مفعول بہ حقیقۃً متعین نہیں ہوتا، لیکن ادعائی طور پر متعین ہوتا ہے، جیسے "نخدم ونعظم"، ہم خدمت اور تعظیم کرتے ہیں۔ یہاں پر اگرچہ مفعول حقیقی طور پر متعین نہیں ہے، لیکن متکلم ادعائی طور پر یہ دعوی کررہا ہے کہ ہم بادشاہ کی خدمت اور تعظیم کرتے ہیں[1]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں حذف مفعول کے اسباب ودواعی متعین کیجئے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأرض كُلُّهُمْ جَمِيعاً(ولو شاء رَبُّكَ أن يُؤمِنَ من في الأرْضِ كُلُّهُمْ جميعاً لجَعَلَهُمْ مَجْبُورينَ لا خِيارَ لَهُم ولآمَنْ مَنْ في الأرضِ كلُّهم جميعاً عندئذٍ). أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فآوى وَوَجَدَكَ ضَآلاًّ فهدى (أي: فآواك، وفهداك) وَأَنَّهُ هُوَ أغنى وأقنى. وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وأبكى. وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا . أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا أي: بعثه الله . يَغفُرُ لمن يشاءُ أي يغفر الذنوب. فمن شاء فليؤمن (أي فمن شاء الإيمان) . سيذكر من يخشى . وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ(أي مواشيهم). وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودانِ(أي مواشيهم). رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ (أي:أرني ذاتك). أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا (أي:أهذا الذي بعثه اللَّهُ رسولًا).

ایک حل شدہ مثال:

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ.

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: "اللَّهُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیر وبیان الاختصاص ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ تخصیص واستلذاذ وتبرک ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح، استلذاذ وتبرک، افادۃ الہیبۃ...... "يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ" جملہ مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند اصالتِ تنکیرِ مسند ...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ...... اسناد اسنادِ مجازی...... باز "يَدْعُو" فعل مسند محکوم بہ ...... مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ وتعیین کونہ فعلاً...... اس میں اس ضمیر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ

---

[1] مختصر المعانی: ۱/ ۳۳۴۔

تعریف کون المقام للغیبوبۃ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... "إِلَى دَارِ السَّلَامِ" متعلق بہ "يَدْعُو"...... مفعول محذوف "جميع عباده"...... غرضِ حذف تعمیم مع الاختصار...... فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ ہو کر مسند...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

فصل دوم: ترتیب الفعل و معمولاتہ

یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ فعل اوراس کے معمولات کی ترتیب میں عامل کو معمول پر مقدم کیا جاتا ہے اور معمولات میں عمدہ کو فضلہ پر مقدم کیا جاتا ہے، جس کی ترتیب یہ ہے: فعل، فاعل، مفعول بہ، مفعول مطلق، ظرف، مفعول لہ، پھر باقی قیودات۔ فعل اوراس کے معمولات کی اس ترتیب میں تقدیم وتاخیر کی اغراض یہ ہیں:۔

۱۔التاکیدوتقریر الحکم. ۲-الأهمية. ۳-إرادة التخصيص. ۴-الرد إلى الصواب. ۵-لأمر معنوی. ۷- لسجع إلاووزن. ۸- لإصالة التقدم. ۹- الإخلال فی التاخیربیان المعنی. ۱۰- الإخلال فی التاخیربقواعداللغة.

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔التاکیدوتقریر الحکم: بعض اوقات تاکید اور تقریرِ حکم کے لیے مفعول بہ کو مقدم کیا جاتا ہے، جیسے " فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ"(سورۃ الضحیٰ:۹-۱۰)ان آیات میں یتیم اور سائل کے معاملے میں رحم پر ابھارنے اور مذکورہ حکم میں تاکید اور پختگی پیدا کرنے کے لیے یتیم اور سائل کو مقدم کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ الاهمية: کبھی متعلقاتِ فعل میں سے کسی ایک کی فضیلت اور خصوصیت کوواضح کرنے کے لیے ایک کودوسرے پر مقدم کیا جاتا ہے، جیسے"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ"(سورۃ الانعام:۱۵۱)غربت اور افلاسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو! ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اوران کو بھی۔ اور ایک جگہ یوں فرمایا۔"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ"(سورۃ الاسراء:۳۱) اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو! ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ ان آیات کی تفسیر یہ ہے کہ بعض عرب مفلسی اور غربت کی وجہ سے اولاد کو قتل کرتے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے! پہلی آیت میں ان فقراء سے خطاب تھا، اس لیے پہلے انہیں خوشخبری دی گئی کہ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور آنے والی نسلوں کو بھی دیں گے۔ اور بعض عرب مفلس تو نہ تھے، لیکن مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے، ان سے دسری آیت میں خطاب فرمایا اور پہلے اہل وعیال کے رزق کا وعدہ فرمایا، پھر ان کے رزق کا وعدہ فرمایا[1]۔

---

[1] نیل الامانی:۱/ ۴۱۰۔

۳۔۔۔ ارادۃ التخصیص: کبھی تخصیص اور حصر کے لیے معمول کو عامل پر مقدم کیا جاتا ہے، جیسے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"(سورۃ الفاتحہ:۵) یہاں عبادت اوراستعانت کی تخصیص کی وجہ سے مفعول بہ کو دونوں جگہوں میں مقدم کیا گیا ہے[۱]۔

٤۔۔۔ الرد الی الصواب: بعض اوقات صحیح بات کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے معمول کو مقدم کیا جاتا ہے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"(سورۃ الفاتحہ:۵) یہاں عقیدہ توحید کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے فرمایا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں

اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں کسی اور سے نہیں۔ اور یہ فائدہ معمول کی تقدیم کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

٥۔۔۔ لامر معنوی: کبھی معمولات فعل میں سے کسی کو امرِ معنوی کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے "وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى"(سورۃ یس:۲۰) اورایک جگہ فرمایا۔"وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَى"(سورۃ القصص:۲۰) پہلی آیت میں "مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ" متعلق کو "رَجُلٌ" فاعل پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ یہاں رسولوں سے قریب رہنے والوں اور معجزات کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے انتہائی سخت توبیخ ہے کہ قریب رہتے ہوئے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود تم وہ کام نہ کر سکے جو ایک دور دراز مقام کے باشندے نے کیا!! اس لیے یہاں جار مجرور معمول "مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ" کو مقدم کیا گیا ہے اور جب کہ دوسری آیت میں اس قسم کی زجر وتوبیخ کا کوئی مفہوم نہیں پایا جارہا ہے، اس لیے یہاں معمول "مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ "، یعنی جار مجرور کو مقدم نہیں کیا گیا ہے۔

٦۔۔۔ لسجع الاوزان: کبھی معمول کو فواصل یا وزنِ شعری کی رعایت کرتے ہوئے مقدم کیا جاتا ہے، جیسے " خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ"(سورۃ الحاقۃ:۳۰-۳۲) یہاں فواصل کی رعایت میں مفعول "الْجَحِيمَ" اور جار مجرور "فِي سِلْسِلَةٍ" کو مقدم کیا گیا ہے اور عبارت یوں ہے۔"ثم صلوه الجحيم فاسلكوه فی سلسلة..."[۲]۔

---

[۱] بعض مقامات میں مفعول کو تخصیص کے لیے مقدم کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے " فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ"(الضحیٰ:۹-۱۰) اس میں اگر ہم تقدیم مفعول کو تخصیص کے لیے قرار دیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ صرف یتیم کو غصہ نہ کریں اور باقی لوگوں کو غصہ کریں اور صرف سائل کو مت جھڑکیں، باقیوں کو جھڑکیں! حالانکہ یہ قرآن کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے ہر جگہ پر تقدیم مفعول تخصیص کا فائدہ نہیں دے گا۔ مختصر المعانی:۱/۳۴۰۔

[۲] مختصر المعانی:۱/۳۴۰، نیل الامانی:۱/۴۰۹۔

۷۔۔۔**لاصالۃ التقدم:** بعض اوقات معمول اصل ہونے کی وجہ مقدم کیاجاتاہے، جیسے "وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً" (سورۃ الکہف:۳۶) یہاں "أَظُنُّ" افعال قلوب میں سے ہے جس کے دومفعول آپس میں مبتداء وخبر ہوتے ہیں، جن میں مفعول اول کی تقدیم اس کے مبتداء ہونے کی وجہ سے ہے۔

۸۔۔۔**الاخلال فی التاخیر ببیان المعنی:** کبھی معمول کو مؤخر کرنے پر معنی میں خلل واقع ہوتاہے، اس لیے معمول کو مقدم کیاجاتاہے، جیسے "وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" (سورۃ الغافر:۲۸) یہاں اگر "مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ" صفتِ ثانیہ کو اگر "يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" صفت ثالثہ سے مؤخر کردیاجاتااورواقعہ یوں بیان ہوتا۔ "يَكْتُمُ إِيمَانَهُ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ" تواس سے یہ وہم ہوتاکہ وہ آدمی آل فرعون کے ڈر سے اپناایمان چھپاتاتھا، اس وقت اس مرد کا آل فرعون سے ہونا سمجھ میں نہ آتا، بلکہ آل فرعون کے ڈر سے ایمان کو چھپانا سمجھا جاتا، جو خلاف مقصود ہے۔

۹۔۔۔ **الاخلال فی التاخیر بقواعد اللغۃ:** بسااوقات معمول کو مؤخر کرنے کی صورت میں فنی قواعد میں خلل ہوتاہو، اس لیے معمول کو عامل پر مقدم کیاجاتاہے، جیسے "وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" (سورۃ البقرۃ:۱۲۴) یہاں اگرفنی قواعد کے مطابق مفعول "إِبْرَاهِيمَ" کو "رَبُّهُ" سے مؤخر کیاجاتاتواضمار قبل الذکرلازم آتا، جو مشہور قاعدہ نحویہ کے خلاف ہے، اس لیے مفعول کو فاعل سے
مؤخر کرنے بجائے مقدم کیاگیاہے[۱]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: مفعول بہ وہ اسم منصوب ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو، خواہ ایجاباًہو یاسلباًہو۔ وقوع سے مراد یہ ہے کہ مفعول بہ کیساتھ فاعل اور فعل کاایسا خصوصی تعلق ہو کہ اس کے بغیر اس کا تصور ممکن نہ ہو[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: مفعول بہ میں اصل یہ ہے کہ اپنے فاعل سے مؤخر ہو اور کبھی فاعل پر یا فعل دونوں پر مقدم کیاجاتا ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۳: مفعول بہ میں اصل یہ ہے کہ اپنے فاعل سے مؤخر ہو، تاہم بعض مقامات میں اس کو فاعل سے مؤخر کرنا

---

[۱] مختصر المعانی:۱/۳۳۴۔

[۲] حاشیۃ عبد الغفور:۳۲۶، شرح جامی:۱۰۰۔

[۳] جامع الدروس العربیہ:۳/۷۔

واجب ہے، جیسا کہ جب التباس لازم آتا ہو اور یہ اس وقت ہو گا جب دونوں کا اعراب تقدیری ہو اور کوئی قرینہ موجود نہ ہو، جیسے "علم موسى عيسى"- اور جب فاعل کیساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مفعول بہ کی طرف راجع ہو، تو اس وقت فاعل کی تقدیم واجب ہے، جیسے "وإذا ابتلى إبراهيمَ ربُه بكلمات"[۱]۔

قاعدہ نمبر ۴: جب ایک فعل کے لیے دو مفعول واقع ہو، ایک اسم ظاہر ہو اور دوسرا ضمیر ہو تو ضمیر کو اسم ظاہر پر مقدم کرنا واجب ہے، جیسے "أعطيتك درهما"[۲]-

قاعدہ نمبر ۵: فعل کے معمول کی تقدیم یا تو اس میں تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے ہوگی اس پر کہ اصل سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہ ہو، جیسے "ضرب زيدعمرواً"۔ اور اگر اصلیت سے عدول کرنے کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر فاعل کو مؤخر کر دیا جائے گا، جیسے "ضرب زيداً غلامُه"، یہاں پر اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو لفظاً ورُتبۃً اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں ہے اس لیے فاعل کو مؤخر کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ٦: باب "اعطيتُ" کے دو مفعولوں میں سے پہلے مفعول کی تقدیم اصل ہے کیونکہ اس میں فاعلیت والا معنی پایا جاتا ہے اس لیے کہ اول مفعول آخذ ہوتا ہے اور ثانی ماخوذ ہوتا ہے، اس لیے اول کو مقدم کیا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۷: جس طرح تقدیم مفعول تخصیص کا فائدہ دیتا ہے اس طرح دوسرے فَضلات کی تقدیم سے بھی تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جیسے کوئی آدمی کسی کے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ وہ جمعہ کے دن کے علاوہ کسی اور دن آیا ہے جب کہ وہ آدمی جمعہ کے دن ہی آیا ہو تو اسے یوں کہا جائے گا۔ "يوم الجمعة سرتَ"-یا کوئی یہ گمان کرتا ہو کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ اس نے نماز پڑھی ہے جب کہ اس نے مسجد میں نماز پڑھی ہو تو اسے یوں کہا جائے گا کہ "في المسجدصليتُ"۔ اسی طرح "تاديباًضربتُ" اور "ماشياًحججتُ" وغیرہ بھی ہیں[۳]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں تقدیم و تاخیر کے اغراض کی نشاندہی کیجئے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. ولقد جاءَهُمُ من ربهم الهُدى . فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ، وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا

---

[۱] جامع الدروس العربیہ: ۳/ ۹۔

[۲] جامع الدروس العربیہ: ۳/ ۱۳۔

[۳] علوم البلاغۃ للمراغی: ۹۳۔

تَنْهَرْ. فلله الآخرة والأولى . لَإِلَى اللّٰہِ تُحْشَرُونَ (أي:لا إلى غيره). فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى . و بِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ . بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِين. أَلا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهاءُ وَلٰكِنْ لا يَعْلَمُونَ، أي: لا يعلمون أنهم سفهاء. وَنَحْنُ أَقْرَبُ إليكم وَلٰكِنْ لا تُبْصِرُونَ، أي: لا تبصرون أننا أقرب إليكم. فَلا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ، أي وأنتم تعلمون أنه لا يماثل. قُرآنا كريماً تلوتُ . الحبيب قابلتُ . يوم الجمعة سرت . وماشيا جئت . محمدًا أكرمت، في جواب ، من أكرمت؟ مررت راكباً بفلان .. الدُّنيا دارُ عناء ليس لأحد فيها البقاء، وغدا تسرّ أو تُساء.

چند حل شدہ مثالیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ: ”إِيَّاكَ“مفعول بہ مقدم غرضِ تقدیم ارادۃ التخصیص......”نَعْبُدُ“**فعل** مسند محکوم بہ......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجودمایدل علیہ......اس میں ضمیر مستترفاعل مسندالیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیرغرضِ تعریف کون المقام للتکلم......اسناداسنادِ حقیقی......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجودمایدل علیہ...... **فعل** اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ۔

وَلَقد جَاءَهُم من ربهم الهُدى:

مرحلہ اولیٰ: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:”لقد“حرفِ تحقیق”جاءَ “**فعل** مسند محکوم بہ......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجودمایدل علیہ......”هُم“مفعول بہ مقدم غرضِ تقدیم تاکیدوتقریرالحکم......”من ربهم “متعلق بہ ”جاءَ “......”الهُدى“فاعل مسندالیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہد خارجی صریحی......مسندالیہ مذکور غرضِ ذکر مسندالیہ عدم وجودمایدل علیہ......اسناداسنادِ حقیقی...... **فعل** اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ۔

اجراء کا دوسرا مرحلہ: احوال متعلقہ بالجملہ

یہ مرحلہ درج ذیل تین ابواب پر مشتمل ہے:

بابِ اول: خبر وانشاء

بابِ دوم: اطلاق و تقیید

بابِ سوم: قصر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے جملے کا انشائی یا خبری اسلوب متعین کریں کہ جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ۔ اگر جملہ خبریہ ہے تو خبرِ صادق ہے یا خبرِ کاذب ہے، جملہ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ۔ اگر جملہ اسمیہ ہے تو مفیدِ ثبوت مسند للمسندالیہ ہے یا مفیدِ استمرار ہے، اگر جملہ فعلیہ ہے تو مفید افادہ حدوث ہے یا مفیدِ استمرار تجددی ہے، نیز یہ بھی دیکھیں کہ خبر سے غرض فائدۃ الخبر ہے یا لازم فائدۃ الخبر ہے، اگر فائدۃ الخبر ہے تو خبرِ ابتدائی ہے یا خبرِ طلبی ہے یا خبرِ انکاری ہے، اور اگر ان کے علاوہ دیگر اغراضِ مجازیہ ہیں تو ان کی بھی نشاندہی کریں۔

اور اگر جملہ انشائیہ ہے تو انشاءِ طلبی ہے یا غیر طلبی۔ اگر انشاءِ طلبی ہے تو انشاءِ طلبی کی چھے قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ امر ہے، یا نہی ہے یا استفہام ہے یا تمنی ہے یا ترجی ہے یا نداء ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ مذکورہ اقسام کی معانی حقیقیہ مراد ہیں یا معانی مجازیہ مراد ہیں۔ اور اگر انشاءِ غیر طلبی ہے تو اس کے سات قسموں (تعجب، قسم، عقود، افعال رجاء، افعالِ مدح وذم، رُب، کم خبریہ) میں سے کونسی قسم ہے نشاندہی کریں۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھیں کہ وضع الخبر موضع الانشاء یا وضع الانشاء موضع الخبر تو نہیں؟ اگر ہے تو کس غرض کے لیے ہے؟ تفاؤل کے لیے ہے یا ادب واحترام کے لیے ہے یا حث علی الامتثال کے لیے ہے، غرض متعین کریں۔ اور اگر وضع الانشاء موضع الخبر ہے تو کس غرض کے لیے ہے نشاندہی کریں۔

اس کے بعد جملے کے اسلوب کو دیکھیں کہ اطلاقی اسلوب ہے یا تقییدی۔ اگر اطلاقی اسلوب ہو تو اس کی اغراض کی نشاندہی کریں اور تقییدی اسلوب ہے تو اس کے بھی اغراض کی نشاندہی کریں۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ تقییدِ کلام کی کونسی صورت ہے؟ تقیید بادوات الشرط ہے یا تقیید بادوات النفی ہے یا تقیید بنواسخ الجملہ ہے، یا تقیید المفاعیل (مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول معہ، مفعول فیہ، مفعول لہ) ہے، یا تقیید بالحال ہے یا تقیید بالتمیز ہے یا تقیید بامستثنیٰ ہے یا تقیید بالتوابع (صفت، تاکید، بدل، عطف بحرف، عطف بیان) ہے؟ نشاندہی کریں۔

اوراس کے بعد جملے کو دیکھیں کہ اس کا اسلوب قصر کا ہے یا غیر قصر کا۔ اگر اسلوب قصر کا ہے تو طرقِ قصر کے معروف چار طریقوں میں سے کونسا طریقہ ہے قصر بصورت نفی واستثناء ہے یا بصورت ''اِنما'' ہے، یا بصورت عطف بہ ''لا، وبل، ولکن'' ہے، یا بصورت تقدیم ماحقہ التاخیر ہے۔ یا ان کے علاوہ دیگر طرق ہے تو نشاندہی کریں۔ نیز مقصور اور مقصور علیہ کی بھی تعیین کیجئے۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ قصرِ حقیقی ہے یا قصرِ اضافی ہے، اگر قصرِ حقیقی ہے تو قصرِ تحقیقی ہے یا قصر ادعائی ہے اور قصر اضافی ہے تو قصرِ افراد ہے یا قصرِ تعیین ہے یا قصرِ قلب ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ قصرِ موصوف علی صفۃ ہے، یا قصر صفت علی موصوف ہے تو اس کی بھی نشاندہی کریں۔

بابِ اول:

خبر و انشاء کا بیان

یہ باب درج ذیل بیس فصلوں پر مشتمل ہے:

یہ باب درج ذیل بیس فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: کلام کی تقسیم — فصلِ دوم: ارکانِ جملہ کا بیان

فصلِ سوم: جملہ خبریہ کی اقسام وانواع — فصلِ چہارم: خبر کی اغراضِ حقیقیہ

فصلِ پنجم: فائدۃ الخبر کی اقسام وانواع — فصلِ ششم: خبر کی اغراضِ مجازیہ

فصلِ ہفتم: انشاء کا بیان — فصلِ ہشتم: امر کا بیان

فصلِ نہم: امر کے معانی مجازیہ کا بیان — فصلِ دہم: نہی کا بیان

فصلِ یازدہم: استفہام کا بیان — فصلِ دوازدہم: دیگر ادواتِ استفہام کا بیان

فصلِ سیزدہم: استفہام کے معانی مجازیہ — فصلِ چہاردہم: تمنی کا بیان

فصلِ پانزدہم: ترجی کا بیان — فصلِ ششدہم: نداء کا بیان

فصلِ ہفدہم: نداء کے اغراضِ مجازیہ — فصلِ ہشتدہم: انشاءِ غیر طلبی کا بیان

فصلِ نوزدہم: وضع الخبر موضع الانشاء کا بیان — فصلِ بستم: وضع الانشاء موضع الخبر کا بیان

فصل اول: کلام کی تقسیم

کلام کی دو قسمیں ہیں [۱]:۔

۱۔ خبر (جملہ خبریہ) ۲-انشاء (جملہ انشائیہ)

۱۔۔۔خبر (جملہ خبریہ) کی تعریف:

جملہ خبریہ وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں [۲]، جیسے "وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ" (سورۃ البقرۃ:۱۴) یہاں منافقین کا قول "آمَنَّا" جھوٹ اور "إِنَّا مَعَكُمْ" سچ ہے۔

۲۔۔۔انشاء (جملہ انشائیہ) کی تعریف:

جملہ انشائیہ وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں [۱]، جیسے "آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ" (سورۃ

---

(۱) کلام کی صرف دو قسمیں ہیں یا اس سے زائد؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ صرف دو قسمیں ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ کلام کی دو سے زیادہ قسمیں ہیں، پھر جنہوں نے دو قسمیں بتلائی ہیں، ان کا دو قسموں کی تعبیر میں اختلاف ہے، جمہور نے ان کی تعبیر خبر وانشاء کیساتھ کی ہے اور ابن مالک اور بعض دیگر حضرات نے خبر وطلب کیساتھ کی ہے۔ اور جن حضرات نے دو سے زائد قسمیں بتلائی ہیں ان کی تعبیر بھی مختلف ہیں، بعض نے خبر، طلب اور انشاء سے تعبیر کیا اور انشاء کو اس کلام کیساتھ مخصوص مانا جو طلب سے خالی ہو۔ اور بعض نے خبر، انشاء، تنبیہ سے تعبیر کیا ہے، ان حضرات کے نزدیک انشاء سے مراد وہ کلام ہے جس کی دلالت طلبی معنی پر دلالت اولیہ ہو، اور استفہام، تمنی، ترجی، قسم، نداء وغیرہ کو تنبیہ میں داخل مانا ہے امام رازیؒ کی یہی اصطلاح ہے اور بعض حضرات نے کلام کی چار قسمیں بتلائی ہیں: خبر، استخبار، طلب، انشاء۔ ملخصًا نیل الامانی: ۱/۱۵۳۔

(۲) خبر کی تعریف میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض نے خبر کو نظری متعسر التحدید کہا ہے، بعض نے بدیہی غیر محتاج الی التعریف کہا ہے، تاہم اکثر اہل علم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نظری متیسر التحدید ہے، چنانچہ قاضی ابو بکر اور معتزلہ حضرات نے خبر کی یہ تعریف کی ہے۔" الخبر الكلام الذى يدخله الصدق والكذب" خبر وہ کلام ہے جس میں صدق وکذب داخل ہو سکے۔ اس تعریف پر اعتراض کہا جاتا ہے کہ یہ تعریف ہر خبر کے اندر صدق وکذب کے اجتماع کی مقتضی ہے، حالانکہ اللہ تعالی کی تمام خبر صادق ہیں کسی میں بھی کذب کا داخل نہیں ہو سکتا! نیز ہر خبر میں صدق وکذب کا اجتماع بھی نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے یوں تعریف کی ہے۔ "الخبرهوالكلام المحتمل للصدق أو الكذب"، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تعریف دوری ہے، نیز تعریفات میں لفظ "او" کا استعمال کرنا مستنکر ہے۔ ابو الحسین بصریؒ فرماتے ہیں۔" كلام يفيد بنفسه نسبة" اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں "قم" بھی داخل ہو جاتا ہے، حالانکہ داخل نہیں۔ بعض نے کہا۔" الكلام المفيد بنفسه إضافة أمر من الأمور إلى أمر من الأمور، نفيا أو إثباتا" اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ "غلام زید" کو خبر ماننا پڑے گا، حالانکہ یہ خبر نہیں۔ علامہ تفتازانیؒ نے اعتراضات سے بچنے کے لیے یہ تعریف کی ہے۔ "الخبر: كلام يكون لنسبته خارج"۔ (عروس الافراح: ۱/۱۰۵)

البقرۃ:۱۳)اس میں سچ اور جھوٹ کا احتمال نہیں، کیونکہ یہ انشاء ہے۔
خبر کی دو قسمیں ہیں:۔
۱۔خبر صادق ۲-خبرِ کاذب

۱۔۔خبر صادق کی تعریف:

خبرِ صادق وہ خبر ہے جو خارج اورواقعہ کے مطابق ہو، جیسے ”وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ“(سورۃ البقرۃ: ۱۶۳) قرآن مجید کی یہ خبر واقع اور خارج کے بالکل مطابق ہے کہ معبود والہ صرف اور صرف ایک اللہ ہی ہے۔

۲۔۔۔خبرِ کاذب کی تعریف:

خبرِ کاذب وہ خبر ہے جو خارج اورواقعہ مطابق نہ ہو، جیسے فرعون کا یہ قول ہے۔”أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ“(سورۃ النازعات :۲۴) ظاہر ہے کہ فرعون کا دعوی خارج اورواقع کے بالکل مطابق نہیں [۲]۔

---

(۱) جس طرح خبر کی تعریف میں اختلاف ہے اسی طرح انشاء کی تعریف میں بھی اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بدیہی غیر الی التعریف ہے، امام رازیؒ نے ”المحصول“ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، بعض متاخرین کہتے ہیں کہ انشاء وہ کلام ہے جس کا مدلول کلام کیساتھ خارج میں حاصل ہوتا ہو۔ اور جن اہل علم نے کلام کو تین قسموں میں منحصر مانا ہے ان میں سے بعض کا بیان ہے کہ کلام اگر اپنی وضع کے اعتبار سے کسی طلط کا فائدہ دے تو وہ اس بات سے خالی نہ ہو گا کہ یا تو ماہیئت کے ذکر کی طلب کرے یا اس کی تحصیل کا خواہش مند ہو، یا اس سے باز رہنے کو طلب کرے۔ ان میں سے پہلی قسم کا کلام استفہام ہے، دوسرا امر، تیسرا نہی۔ لیکن اگر وہ بالوضع طلب کا فائدہ نہ دیتا ہو تو اگر وہ صدق و کذب کا محتمل نہ ہو تو اسے تنبیہ اور انشاء کہتے ہیں، کیونکہ تم اسی کے ذریعہ سے دوسرے کو اپنے مقصد پر مطلع کرتے ہو۔ اور اس بات کے بغیر کہ وہ کلام خارج میں موجود ہو تم نے اس کو انشاء یعنی از سر نو صورت پذیر کیا ہے۔(نیل الامانی:۱/ ۴۴۹)

(۲) خبر میں جمہور، نظام معتزلی اور جاحظ کا اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خبر صدق و کذب میں منحصر ہے، یعنی خبر یا تو صادق ہو گا یا کاذب ہو گا اس کی علاوہ تیسری کوئی صورت (واسطہ) نہیں، اگر نسبت کلامی نسبت خارجیہ واقعیہ کے مطابق ہو تو اس کلام کو صادق کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو اس کو کلام کاذب کہتے ہے۔ مطابقت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں نسبتیں ثبوتی ہوں یا سلبی ہوں اور عدم مطابقت کہ مطلب یہ ہے کہ ایک نسبت ثبوتی اور دوسری سلبی ہو۔ یہی مذہب منصور اور معتمد ہے، یہی وجہ ہے کہ شارح تفتازانی نے سب سے پہلے اس کو ذکر کیا ہے۔
نظام معتزلی کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ خبر منحصر فی الصدق والکذب ہے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں، لیکن نظام معتزلی جمہور کیساتھ صدق اور کذب کی تفسیر میں اختلاف ہے جمہور صدق اور کذب کی تعریف یوں فرماتی ہے کہ ”صدق الخبر مطابقته للواقع وكذبه عدمها “یعنی صدق خبر کا واقعہ کے مطابق ہونا ہے خواہ اعتقاد مخبر ہو یہ نہ ہو اور کذب خبر واقعہ کے مطابق نہ ہونا ہے خواہ اعتقاد مخبر ہو یا نہ ہو۔ اور نظام معتزلی صدق و کذب کا معنی یوں بیان کرتے ہیں۔ ”مطابقته لاعتقاد المخبر و لو خطاء وعدمها بالعكس“ یعنی خبر کا اعتقاد مخبر کے مطابق ہونا

صدق ہے اگر چہ مخبر کا اعتقاد غلط ہو اور نفس الامر کے مطابق نہ ہو اور خبر کا اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہونا کذب ہے اگر چہ اعتقاد مخبر غلط ہو، یعنی اگر کسی نے "السماء تحتنا والارض فوقنا" کہا اور اس کا اعتقاد آسمان کے تحتیت کا اور زمین کے فوقیت کا ہو تو یہ خبر صادق ہے اگر چہ یہ اعتقاد غلط ہو اور نفس الامر کے خلاف ہے اور اگر کسی نے "السماء فوقنا والارض تحتنا" کہا اور اس کا اعتقاد آسمان کے فوقیت اور زمین کے تحتیت کا نہ ہو تو یہ خبر کذب ہو گا۔

نظام معتزلی اپنے مذہب کے اثبات کے لیے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں" إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ يعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ"(المنافقون -۱)۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کے قول "انک لرسول اللہ" میں کاذب قرار دیا ہے، حالانکہ یہ قول واقعہ و نفس الامر کے مطابق ہے: لما قال تعالیٰ: "واللہ یعلم انک لرسولهُ "چونکہ یہ رسالت الرسول ﷺ کے معتقد نہ تھے اور ان کا قول انکے اعتقاد کے مطابق نہ تھا تو اس وجہ سے انکے قول کو کذب قرار دیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ صدق و کذب کی تفسیر اعتقاد مخبر معتبر ہے۔

امام جاحظ نے خبر کے صدق و کذب میں منحصر ہونے کا انکار کیا ہے کہ خبر منحصر فی الصدق والکذب نہیں بلکہ دونوں کے درمیان واسطہ ہے، کیونکہ وہ صدق و کذب کا معنیٰ یوں کرتے ہیں- کہ خبر کا واقع و اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق ہونا صدق ہیں اور دونوں کے مطابق نہ ہونا کذب ہے اور ان دونوں صورتوں کے علاوہ نہ صدق ہو گا اور نہ کذب ہو گا۔ تو بایں طور صدق اور کذب مین واسطہ ثابت ہو جائے گا جس کے وہ قائل نہیں (واضح رہے کہ یہاں پر کل چھ احتمالات ہیں: تین صدق میں، تین کذب میں جو درجہ ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔ خبر کا واقع اور اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق ہونا جیسے "اللہ احد" یہ مؤحد مخبر کے اعتقاد اور واقع دونوں کے مطابق ہے۔

۲۔۔۔ خبر کا واقع کے مطابق ہونا، لیکن اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہونا جیسے "السماء فوقنا" جب مخبر کا اعتقاد نہ ہو جب کہ یہ مطابق بالواقع ہے۔

۳۔۔۔ خبر کا واقع کے مطابق ہونا، لیکن اعتقاد مخبر و عدم اعتقاد مخبر کا ملحوظ نہ ہونا بلکہ مخبر کو شک و تردد ہو جیسے "السماء فوقنا" جب مخبر کو اس میں شک و تردد ہو حالانکہ یہ نفس الامر کے مطابق ہے۔

۴۔۔۔ خبر کا واقع اور اعتقاد مخبر دونوں مطابق نہ ہونا جیسے "السماء تحتنا" جب یہ مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو اور واقع کا تو ویسے بھی مطابق نہیں۔

۵۔۔۔ خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا، لیکن اعتقاد مخبر کے مطابق ہونا، جیسے "السماء تحتنا" جب مخبر کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ واقع کے مطابق ہے۔

۶۔۔۔ خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا لیکن اعتقاد مطابقت و عدم اعتقاد مطابقت دونوں ملحوظ نہ ہو جیسے "السماء تحتنا" جب مخبر کو اس میں شک و تردد ہو اور نفس الامر کے مطابق بھی تو یہ نہیں۔

مذکورہ بالا احتمالات میں اول صدق اور احتمال رابع کذب ہے اور باقی چار احتمالات نہ صدق اور نہ کذب میں ہے، بلکہ یہ صدق اور کذب میں واسطے ہیں۔ جاحظ اور جمہور و نظام معتزلی کے مذہب میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، جاحظ کا مذہب اخص مطلق ہے کیونکہ اسکے مذہب میں دو وقید ملحوظ ہیں "یعنی واقع و اعتقاد دونوں کا مطابق ہونا" لان المقيد بقيدين يكون أخص من المقيد باحد القيدين" اور جبکہ جمہور و نظام معتزلی کا مذہب اعم مطلق ہے: کیونکہ عند الجمہور صرف واقع کا اعتبار ہے اور نظام معتزلی کے نزدیک صرف اعتقاد مخبر کا اعتبار ہے، تو لہذا جو جاحظ کے مذہب کے مطابق ہو گا تو وہ لا محالہ جمہور اور نظام معتزلی کے مذہب کے مطابق ہو گا:" لان الاخص يستلزم الاعم بخلاف الاعم "۔

فصل دوم: ارکانِ جملہ کا بیان

خبر اور انشاء میں سے ہر ایک جملہ کے دو اساسی اور بنیادی رکن ہیں:۔

۱۔ محکوم علیہ (مسند الیہ)　　　۲۔ محکوم بہ (مسند)

۱۔۔۔ محکوم علیہ کی تعریف:

محکوم علیہ وہ اسم ہے جس پر کسی دوسرے اسم کا حکم لگایا جائے، جیسے "اللّٰہُ أَحَد" میں "اللّٰہُ" محکوم علیہ ہے، کیونکہ اس پر احدیت کا حکم لگایا جارہا ہے اور اس کو مسند الیہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔۔۔ محکوم بہ کی تعریف:

محکوم علیہ وہ اسم یا فعل ہے جس سے کسی دوسرے اسم پر حکم لگا جائے، جیسے "اللّٰہُ الصَّمَدُ" اور "وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ" (سورۃ الرعد:۱۳) وغیرہ۔ اول الذکر مثال میں "اللّٰہُ" محکوم علیہ اور "الصَّمَدُ" محکوم بہ ہے اور ثانی الذکر مثال میں "يُسَبِّحُ" محکوم بہ اور "الرَّعْدُ" محکوم علیہ ہے۔ محکوم بہ کو مسند بھی کہتے ہیں۔

جاحظ نے اپنے مذہب کے اثبات کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے: "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ، أَفْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ"۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ کفار نے حضور اقدس ﷺ کے جملہ اخبار جو حشر و نشر کے متعلق تھیں دو دو چیزوں میں علی سبیل منع الخلو منحصر کر دیے: ۱۔ افتراء ۲۔ اخبار حالت جنون۔ کہ آپ ﷺ یا تو افتراء و کذب کرتے ہیں یا حالت جنون میں خبریں دیتے ہیں (العیاذ باللہ)۔ تو اب جنون کی حالت میں جو خبر ہوتی ہے وہ کذب نہیں۔ کیونکہ یہ تو کذب کا قسیم و مقابل ہے اور (قسیم الشی غیر الشی) ہوا کرتی ہے اور یہ صدق بھی نہیں بن سکتا کیونکہ کفار کو آپ ﷺ کی کا اعتقاد نہ تھا تو جب خبر حالتِ جنون میں نہ صدق ہوئی۔ تو لا محالہ ایک ایسی خبر ثابت ہوئی جو نہ صدق اور نہ کذب ہے، لہذا واسطہ ثابت ہوا فھو مطلوبنا !!

جاحظ کے دلیل کو مرجوع و مردود قرار دیا گیا ہے کہ جاحظ کا استدلال مذکورہ آیت سے درست نہیں کیونکہ "أَمْ بِهِ جِنَّةٌ" کے معنی "أم لم يفتر" کے ہیں گویا کہ کفار نے یوں کہا "أَفْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَمْ لم يفتر" تو عدم افتراء کو بطور مجاز مرسل جنۃ (حالت جنون) سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اخبار حالت جنون کے لیے عدم افتراء لازم ہے اور اخبار حالت جنون اس کا ملزوم ہے تو لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے اسکی وجہ ہے کہ مجنون افتراء نہیں کر سکتا، کیونکہ افتراء کذب عمدی کو کہتے ہی اور مجنون میں قصد و عمد نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کذب ایک کلی ہے جس کے دو افراد ہیں:۔ ۱۔۔ کذب عن عمد (افتراء) ۲۔۔ کذب لا عن عمد (اخبار حالت جنون)۔ تو اب اخبار حالت جنون مطلق کذب کے قسیم نہیں، بلکہ نوع خاص افتراء کی قسیم ہے تو جب اخبار حالت جنون مطلق کذب کی قسیم نہیں تو اخبار حالت جنون کو غیر کذب کہنا بھی درست نہ ہوگا، بلکہ اخبار حالت جنون کذب ہے اگرچہ کذب غیر عمد ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر۱: جن مقامات میں اشتعال انگیزی، جوش دِلانا، دلوں پر نقش چھوڑنا اور جذبات کو بھڑکانا وغیرہ مقصود ہو تو وہاں کلام کو انشائی اسلوب (امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، نداء، قسم، عرض، تعجب وغیرہ) میں ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مقامات حسبِ معمول کام کرنے، یا تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے متقاضی ہوں تو وہاں کلام کو خبری اسلوب میں ذکر کیا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر۲: جملہ کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔ رئیسیہ ۲۔ غیر رئیسیہ۔

۱۔ رئیسیہ: وہ جملہ ہے جو مستقل طور پر جملہ ہو اور وہ کسی کے لیے قید نہ ہو۔

۲۔ غیر رئیسیہ: وہ جملہ ہے جو مستقل طور پر جملہ نہ ہو اور وہ کسی کے لیے قید ہو[1]۔

قاعدہ نمبر۳: محکوم علیہ سے مراد فاعل، نائب فاعل اور وہ مبتدا ہے، جس کی خبر آتی ہو اور "ظن" اور اس کے اخوات کا مفعول اول اور "أری" اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثانی اور اسمائے نواسخ مراد ہیں۔ اور محکوم بہ سے مراد فعل، اسمِ فعل، مبتداء کی خبر اور وہ مبتداء جس کی خبر نہیں ہوتی (یعنی مبتداء کی قسم ثانی)، جیسے "أقائم الزیدان"، "ظن" اور اس کے خوات کا مفعولِ ثانی اور "أری" اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثالث اور عوامل نواسخ کی خبر ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر۴: جملہ میں رکنین (مسند الیہ، مسند) کے علاوہ جو کلمات ہیں، انہیں قیود کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ کلمات رُکنین میں سے کسی کا مضاف الیہ یا صلہ نہ ہوں، البتہ مضاف الیہ مضاف کے حکم میں اور صلہ اسم موصول کے حکم میں ہوں گے، جیسے "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" (سورۃ اٰل عمران:۱۴۴) اس آیت میں "محمد" اور "رسول"، رکنین ہیں اور اس کے علاوہ باقی کلمات قیود ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر: کلام میں ادوات شرط، ادوات نفی، مفاعیل، حال، تمیز، توابع اور عوامل نواسخ وغیرہ قیودات ہیں[4]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں جملہ خبریہ اور انشائیہ کی تعیین کیجئے۔

---

(۱) ہامش جواہر البلاغۃ: ۴۱۔

(۲) البلاغۃ العربیۃ: ۱/۱۴۱۔

(۳) البلاغۃ العربیۃ: ۱/۱۴۱۔

(۴) البلاغۃ العربیۃ: ۱/۱۴۱۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. اللّٰهُمَّ أنت خالق السماوات والارض. لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِنْ قَوْمٍ. وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ. الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ. وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا. رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ. الناس يشكرون المحسن. الظلم ظلمات يوم القيامة . الصلاة واجبة . العلم نافع. فزت في الامتحان. أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام. جمال الرجل فصاحة لسانه. جنبوا مساجدكم الصبيان والمجانين. الجماعة رحمة والفرقة عذاب.

ایک حل شدہ مثال:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "الْحَمْدُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام جنسی ویا کہ لام الف استغراقی...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود ما یدل علیہ وزیادہ التقریر والایضاح...... "لِلّٰهِ" ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ معرفہ غرضِ تعریف افادۃ القصر...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود ما یدل علیہ...... اسنادِ اسنادِ حقیقی...... "رَبِّ الْعَالَمِينَ" قیدِ مسند...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق، اس لیے کہ خبر واقع کے مطابق ہے

فصل سوم: جملہ خبریہ کی اقسام وانواع

جملہ خبریہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔جملہ فعلیہ ۲۔جملہ اسمیہ

۱۔۔جملہ فعلیہ کی تعریف:

وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء فعل ہو۔اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:۔

۱۔افادہ حدوث ۲۔استمرار تجددی

۱۔۔افادہ حدوث کا مفہوم:

افادہ حدوث کا مطلب یہ ہے کہ جملہ فعلیہ اختصار کیساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں فعل کے واقع ہونے کا فائدہ دیتاہے،یہ فائدہ جملہ فعلیہ سے ہر حالت میں حاصل ہوتاہے،اس کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی،جیسے"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" (سورة التوبة:۳۳) اس آیت میں"أَرْسَلَ"میں زمانہ ماضی اور "لِيُظْهِرَهُ"میں حال اور مستقبل کا معنی ہے،جو افادہ حدوث کا فائدہ دیتاہے۔

۲۔۔۔استمرار تجددی کا مفہوم:

استمراد تجددی کا مطلب یہ ہے کہ جملہ فعلیہ کسی فعل کے ہمیشہ اور بار بار پائے جانے کا فائدہ دے اور یہ فائدہ اس وقت حاصل ہوتاہے جب اس میں پائے جانے والا فعل، فعلِ مضارع ہو،جیسے"اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ" (سورة البقرة:۱۵) اس آیت میں"يَسْتَهْزِئُ"اور"يَمُدُّهُمْ"میں استمراد تجددی کا معنی پاجاتاہے۔

۲۔۔۔جملہ اسمیہ کی تعریف:

وہ جملہ خبریہ ہے جس کا پہلا جزء اسم ہو،خواہ دوسرا جزء اسم ہو،یا فعل ہو۔اس سے بھی دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:۔

۱۔ثبوتِ مسند للمسند الیہ ۲۔استمرار

۱۔۔۔ثبوتِ مسند للمسند الیہ کا مفہوم:

ثبوتِ مسند للمسند الیہ کا مطلب یہ ہے کہ جملہ اسمیہ میں مسند مسند الیہ کے لیے کسی قید کے بغیر ثابت ہونے کافائدہ دیتاہے، جیسے ''محمد رسول اللہ''،اس مثال میں مسند''رسول اللہ''مسند الیہ ''محمد''کے لیے ثابت ہے،جملہ اسمیہ سے یہ فائدہ ہر حالت میں حاصل ہوتاہے،اس کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

۲۔۔۔استمرار کامفہوم:

استمرار کامطلب یہ ہے کہ جملہ اسمیہ میں مسند مسند الیہ کے لیے دائمی طور پر ثابت ہونے،یا تجدد کافائدہ دیتاہے،تاہم دوام کافائدہ اس وقت حاصل ہو گا،جب اس کاخبر صفت کاصیغہ ہو،جیسے''إِنَّ اللّٰہَ عَلَی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیرٌ''(سورۃ البقرۃ:۲۰) اوراگر خبر فعل ہوتو تجدد کافائدہ حاصل ہو گا،جیسے''اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنْفُسَ حِینَ مَوْتِہَا''(سورۃ الزمر:۴۲)یہ جملہ اسمیہ تجدد کافائدہ دیتاہے،یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتاہے،پھر واپس بھیجتاہے۔

فصل چہارم: خبر کی اغراضِ حقیقیہ

خبر دینے کی حقیقی اور بنیادی اغراض دو ہوتی ہیں:۔

۱۔فائدۃ الخبر ۲۔لازم فائدۃ الخبر

۱۔۔۔فائدۃ الخبر کی تعریف:

فائدۃ الخبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اس حکم سے ناواقف ہو، جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ کہنا۔"إِنِّي عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا"(سورۃ مریم:۳۰)اس آیت میں حضرت عیسی علیہ السلام اپنی نبوت کی خبر دے رہے ہیں، جس سے مخاطب ناواقف تھے۔

۲۔۔۔لازم فائدۃ الخبر کی تعریف:

لازم فائدۃ الخبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اس حکم سے واقف ہو، تاہم اس سے متکلم کا مقصود یہ ہو کہ جس طرح خبر کو آپ جانتے ہیں، اسی طرح میں متکلم بھی جانتا ہوں، جیسے "فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ"(سورۃ یس:۷۶)اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کی باتوں پر غم زدہ نہ ہونا!ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں[1]۔

---

[1] الأصل في توجيه الكلام الذي يَتَضَمَّن خبراً ما أن يكون الغرض منه الإِعلام بالخبر الذي دلَّ عليه الكلام، أي: إفادة المخاطب الحكْمَ الّذِي تضمَّنَتْهُ الجملةُ أو الْجُمَلُ الخبريَّة. ويُسمَّى هذا عند عُلماء البلاغة "فَائِدَةَ الْخَبَر". وَقَدْ يُرادُ من توجيه الكلام الّذي يتضمَّنُ خبراً مَا، إعْلاَمَ المخاطَبِ بأنّ المتكلِّمَ عالمٌ بالحكْمِ الذي تضمَّنَتْهُ الجملةُ الخبريَّة، ولا بُدّ عندئذٍ من أن يكون المخاطَبُ عالماً به.ويسمَّى هذا عند علماء البلاغة "لاَزِمَ الفائدة". البلاغۃ العربیہ:۱/۱۷۳۔

فصلِ پنجم: فائدۃ الخبر کی اقسام وانواع

فائدۃ الخبر کی اقسام وانواع جاننے سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ ذہن نشیں رکھیں کہ جب متکلم مخاطب کے سامنے کسی حکم کوواضح کرناچاہے تواس کابرتاؤطبیب کی طرح ہوناچاہیے کہ جس طرح طبیب مریض کی حالت کی تشخیص کرتاہے اوراس کے مناسب علاج تجویز کرتاہے، بالکل اسی طرح متکلم اپنے مخاطب کے سامنے بقدرِ ضرورت کلام پیش کرے، نہ زیادہ گفتگوکرے کہ کلام عبث ہوجائے اورنہ ہی اتنی ناقص اورکم گفتگوکرے کہ مخل بالمقصود ہو، بلکہ مخاطب کی حالت کودیکھے اگر مخاطب خالی الذہن ہوتوخبرِ ابتلائی کی اسلوب اختیار کرے، اگرمتر دد ہوتوخبرِ طلبی کی اسلوب کواختیار کرے اوراگر منکر ہوتوخبرِ انکاری کی اسلوب اختیار کرے۔اب تفصیل یہ ہے کہ فائدۃ الخبر کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔خبرِ ابتدائی　　　۲۔خبرِ طلبی　　　۳۔خبرِ انکاری

۱۔۔۔۔خبرِ ابتدائی کی تعریف:

خبرِ ابتدائی وہ خبرہے جوخالی الذہن مخاطب کے سامنے بغیر تاکید کے پیش کیاجائے، جیسے "وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا" (سورۃ البقرۃ:۱۴) یہاں مخاطبین خالی الذہن ہیں، اس لیے خبر "آمَنَّا" کوبغیر تاکید لایاگیاہے۔

۲۔۔۔۔خبرِ طلبی کی تعریف:

خبرِ طلبی وہ خبرہے جومتر دد مخاطب کے سامنے تاکید کیساتھ پیش کیاجائے، جیسے "وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ" (سورۃ البقرۃ:۱۴) یہاں مخاطبین (کفار) کوان کی ہمنوائی میں تر دد ہے، اس لیے منافقین نے خبر "إِنَّا مَعَكُمْ" کو "إِنَّ" حرف تاکید اور جملہ اسمیہ کی صورت میں مؤکد کیاہے۔

۳۔۔۔۔خبرِ انکاری کی تعریف:

خبرِ انکاری وہ خبرہے جومنکر مخاطب کے سامنے ایک تاکید، یادو، یادو سے زیادہ تاکیدوں کیساتھ پیش کیاجائے، جیسے اہل انطاکیہ نے جب پہلی مرتبہ رسولوں کو جھٹلایاتوانہوں نے "إِنَّ" اور جملہ کواسمیت کی صورت میں لاکر فرمایا: "إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ" (سورۃ یس:۱۴)، لیکن جب انہوں نے دوبارہ جھٹلایاتوجملہ کومزید مؤکد کرکے فرمایا۔ "رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ" (سورۃ یس:۱۶)[1]

---

[1] علامہ بہاؤالدین سبکیؒ نے "عروس الافراح" میں ذکر کیاہے کہ اس فصل کی متعدد اقسام ہیں، جن کا حاصل یہ ہے:۔

فصلِ ششم: خبر کی اغراضِ مجازیہ

یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ خبر مذکورہ دو غرضوں (فائدۃ الخبر، لازم فائدۃ الخبر) میں سے کسی ایک غرض کے لیے استعمال ہوتا ہے، تاہم کبھی ان دو غرضوں کے علاوہ دوسرے اغراض و مقاصد کے لیے بھی مجازی طور پر استعمال ہوتا ہے، جن میں چند اغراض درج ذیل ہیں:۔

۱۔ استخدام ۲۔ اظہار الضعف ۳۔ اظہار التحسر ۴۔ اظہار الفرح بمقبل والشماتة بمدبر ۵۔ اظہار السرور ۶۔ التوبیخ ۷۔ اظہار الفرح ۸۔ التحضیض والتحریض ۹۔ التسلیة ۱۰۔ حث الھمم۔

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔ الاسترحام: رحم اور شفقت کا خواست گار ہونا، جیسے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام ہے۔ "رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ" (سورۃ القصص:۲۴) یہاں خبر سے مقصود رحم اور شفقت ہے کہ میں تو ہمہ وقت محتاج ہوں!

۲۔۔۔ اظہار الضعف: ضعف اور کمزوری ظاہر کرنا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ "رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" (سورۃ مریم:۴) یہاں خبر سے مقصود اپنے ضعف اور بے بسی کا اظہار ہے۔

---

(۱) مخاطب یا تو فائدہ خبر و لازم فائدہ خبر دونوں کا عالم ہوگا۔ (۲) یا دونوں سے خالی الذہن ہوگا۔ (۳) یا دونوں کا طالب ہوگا۔ (۴) یا دونوں کا منکر ہوگا۔ (۵) یا عالم بفائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ خبر سے خالی الذہن ہوگا۔ (۶) یا عالم بالفائدۃ اور طالب لازم فائدہ ہوگا۔ (۷) یا عالم بالفائدۃ اور منکر لازم فائدہ ہوگا۔ (۸) یا عالم لازم فائدۃ الخبر اور فائدۃ الخبر سے خالی الذہن ہوگا۔ (۹) یا عالم لازم اور طالب فائدہ ہوگا۔ (۱۰) یا عالم لازم اور منکر فائدہ ہوگا۔ (۱۱) یا لازم فائدہ خبر سے خالی الذہن اور طالب فائدہ خبر ہوگا۔ (۱۲) یا لازم فائدہ خبر سے خالی الذہن اور منکر فائدہ خبر ہوگا۔ (۱۳) یا فائدہ خبر سے خالی الذہن اور طالب لازم فائدہ ہوگا۔ (۱۴) یا فائدہ خبر اور لازم فائدہ خبر دونوں سے خالی الذہن اور منکر لازم ہوگا۔ (۱۵) یا طالب فائدہ خبر اور منکر لازم فائدہ ہوگا۔ (۱۶) یا منکر فائدہ خبر اور طالب لازم فائدہ ہوگا۔ یہ کل سولہ صورتیں ہوئیں، جن میں سے تین صورتیں (آٹھویں، تیرویں، چودھویں) باطل ہیں۔ اب اگر لازم فائدہ خبر کو مطلق اعتقاد پر محمول کی جائے، مطابق ہو یا غیر مطابق تو تین صورتیں (نویں، دسویں، سولہویں) بھی ممکن ہوسکتی ہیں، ورنہ یہ بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔ پہلی صورت پر اقسام ممکنہ تیرہ ہوتی ہیں اور تیرہ کو دس میں ضرب دینے سے ایک سو تیس قسمیں ہو جاتی ہیں، جن میں سے تیرہ ساقط ہو کر ایک سو سترہ رہ جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ قسم اول کے مخاطب کو ہم یا تو دونوں سے خالی الذہن فرض کریں گے یا دونوں کا طالب یا دونوں کا منکر۔ یا فائدہ خبر کا عالم اور لازم فائدہ خبر سے خالی الذہن یا عالم فائدہ اور طالب لازم یا عالم فائدہ اور منکر لازم، یا لازم فائدہ خبر سے خالی الذہن اور طالب فائدہ فرض کریں گے، یا منکر فائدہ فرض کریں گے یا طالب فائدہ اور منکر لازم فرض کریں گے، یہ کل نو صورتیں ہوئیں، جن کو اقسام سابقہ میں سے ہر ایک کیساتھ ملانے سے کل ایک سو سترہ قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (عروس الافراح:۱/۱۲۴، نیل الامانی:۱/۱۸۶).

۳۔۔۔اظہار التحسر: حسرت اورافسوس ظاہر کرنا، جیسے قرآن مجید میں امراۃ عمران کا یہ قول ہے۔"رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى"(سورۃ ال عمران:۳۶) یہاں خبر سے صرف اظہار تحسر اور تحزن مقصود ہے۔

٤۔۔۔اظہار الفرح بمقبل و الشماتة بمدبر: کسی اچھے دوست اور چیز کی آمد پر اظہار فرحت اور کسی دشمن اور ناگوارہ چیز کے جانے پر اظہار مسرت، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" (سورۃ بنی اسرائیل:۸۱)

۵۔۔۔اظہار السرور: خوشی اور مسرت ظاہر کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔" وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ، قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ"(سورۃ الطور:۲۵-۲۶) یہاں خبر سے صرف اظہار مسرت مقصود ہے۔

٦۔۔۔التوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنا مقصود ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ"(سورۃ البقرۃ:۹۲) یہاں خبر سے زجر وتوبیخ مقصود ہے۔

۷۔۔۔اظہار الفخر: فخر اور بڑائی ظاہر کرنا، جیسے فرعون نے کہا تھا۔"أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى"(سورۃ النازعات:۲۴) اوراسی طرح یہ آیت ہے۔"سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ" (سورۃ الاعراف:۱۲۷) یہاں خبر سے محض غرور وتکبر مقصود ہے۔

۸۔۔۔التحضیض والتحریض: مخاطب کو کسی کام پر ابھارنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ*إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ" (سورۃ الحجر:۹۴-۹۵) یہاں خبر سے محض تخضیض مقصود ہے۔

۹۔۔۔التسلیة: مخاطب کو تسلی دینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ"(سورۃ فاطر:۴) یہاں اخبار سے محض تسلی مقصود ہے۔

۱۰۔۔۔حث الهمم: مخاطب کو کسی کام پر ابھارنا اور برانگیختہ کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا"(سورۃ النساء:۹۵) یہاں خبر سے مقصود عذر شرعی کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے عزائم کو بلند کرنا اور ان کے دلوں کو تسلی دینا مقصود ہے[۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر۱: جہاں مخبر کا خبر سے مقصود فائدۃ الخبر ہو تو بقدرِ ضرورت کلام لائے اور ضرورت سے زیادہ اور فضول کلام لانے سے احتراز کرے، اگر مخاطب خالی الذہن ہو تو اس کے سامنے کلامِ خبری تاکید سے خالی کر کے پیش کیا جائے گا، جیسے "أخوك قادم" اور مخاطب حکمِ خبر کے سلسلے میں متردد ہو اور اس سے واقف ہونے کا خواہش مند ہو تو ایسی حالت میں کلامِ خبری کو مؤکد کرنا بہتر ہوگا، جیسے "إن أخاك قادم" اور اگر مخاطب حکم کا منکر ہو تو ایسی حالت میں بقدرِ قوتِ انکار ایک تاکید، یا دو تاکید، یا زیادہ تاکیدوں سے کلام کو مؤکد کرنا واجب ہوگا، جیسے "إن أخاك قادم"، اس میں ایک تاکید (إن) ہے۔ "إنه لقادم" اس میں دو تاکید (ان، لام) ہیں اور "والله! إنه لقادم"، اس میں تین تاکیدات (واللہ، ان، لام) ہیں[۲]۔

قاعدہ نمبر۲: تاکید ان حروف اور کلمات سے حاصل ہوتی ہے، جیسے "إن، أن، لام ابتدائیہ، حروف تنبیہ، حروف قسم، نون ثقیلہ، نون خفیہ، تکرار لفظ، قد، ضمیر فصل، إنما، كان، لكن، ليت، لعل، تکرار نفی، سین، سوف" وغیرہ[۳]۔

فائدہ نمبر۱: ابتدائی کو ابتدائی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کسی انکار کے بغیر ابتداءً کلام کا القاء ہوتا ہے اور طلبی کو طلبی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تردد کے بعد معرض ظہور میں آتی ہے اور انکاری کو انکاری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بصورت انکار مخاطب کہی جاتی ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر۳: اعتبارات ثلاثہ یعنی ابتدائی میں بلا تاکید، طلبی میں تاکید کیساتھ استحساناً اور انکاری میں بقدر انکار منکر وجوباً تاکید کیساتھ لانا جس طرح کلام مثبت میں ہوتا ہے اسی طرح یہ اعتبارات کلام منفی میں بھی جاری ہوتے ہیں، لہذا خالی الذہن آدمی کے سامنے "مازيدقائما، ليس زيدقائما، ماينطلق زيد" کہا جائے گا اور طالب متردد

---

[۱] جواہر البلاغہ:۵۶۔

[۲] جواہر البلاغہ:۵۷۔

[۳] جواہر البلاغہ:۵۸۔

[۴] جواہر البلاغہ:۵۸۔

سے"مازیدبقائم، لیس زیدبمنطلق، لارجل فی الدار" کہاجائے گااور منکر حکم سے بقدر انکار تاکید کیساتھ "واللہ مازیدبقائم، واللہ لیس زیدمنطلقاً، واللہ ماکان زیدینطلق، واللہ لن ینطلق زید، واللہ ماکان زیدلینطلق"کہاجائے گا[1]۔

قاعدہ نمبر ۴: بعض اوقات خبر معنی اصلی سے عدول کرکے امر کے معنی میں استعمال ہوتاہے، جیسے "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" (سورۃ البقرۃ:۲۳۳) یہاں "يُرْضِعْنَ" خبر "وَلْيُرْضِعْنَ" امر انشاء کے معنی میں ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۵: کبھی خبر کے مجازاً نہی مراد ہوتی ہے، جیسے "فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ "(سورۃ البقرۃ:۱۹۷) یہاں "فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ" خبر" فَلَا يرَفُثْ وَلَا يفْسُقْ وَلَا يُجَادِلْ"نہی کے معنی میں ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر ۶: علامہ ابن العربیؒ کانقطہ نظریہ ہے کہ خبر سے نہی کا معنی مراد لینادرست نہیں، کیونکہ اس میں کلام کو غیر موضوع لہ پر حمل کرنالازم آتاہے اور یہ صحیح نہیں، لیکن علامہ میدانیؒ نے اس کو مرجوح قرار دیاہے[4]۔

قاعدہ نمبر ۷: بعض اوقات جملہ خبریہ سے دُعامراد ہوتی ہے، جیسے "یغفراللہ موتاناویرحمھم" کا معنی ہے۔ "اللّٰھُمَّ ارحمھم واغفرلھم" ۔اوراسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو خبر کی اسلوب میں دعافرمائی ہے، جیسے "غفراللہ لہ"-أی اللّٰھُمَّ اغفرلہ[5]-

قاعدہ نمبر ۸: جملہ کو مؤکد کرنے کے لیے مختلف تاکیدات لائے جاتے ہیں، علامہ میدانیؒ نے اٹھارہ تاکیدات ذکر کیے ہیں، چندیہ ہیں:۔ (۱)۔اس اسم کا فعل پر مقدم ہوناجو معناً فاعل ہو، یہ اس لیے مفید تاکید ہے کہ اس میں فعل کی نسبت فاعل کی طرف دومرتبہ ہوتی ہے، جیسے "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"(سورۃ المائدۃ:۶۷) یہاں "اللّٰهُ" معناً فاعل مقدم ہے اور اس کی طرف فعل کی نسبت دومرتبہ ہوچکی ہے۔ (۲) جملہ اسمیہ، حرف قد اور قسم بھی

---

[1] عروس الافراح:۱/۱۲۶۔

[2] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۵۔

[3] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۶۔

[4] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۷۔

[5] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۷۔

جملہ کو مؤکد کر دیتے ہے۔ (۳) نون ثقیلہ، نون خفیہ اور لام ابتدائیہ بھی تاکید کے لیے لائے جاتے ہیں۔ (۴) "إن، أن، إنما" وغیرہ بھی تاکید جملہ کے لیے آتے ہیں۔ (۵) اَما شرطیہ تاکیدیہ تفصیلیہ، ادواتِ تنبیہ (ألا، أما) اور حروف زائدہ بھی جملہ خبریہ کی تاکید کے لیے آتے ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر: حرف "لن" میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ علامہ زمخشریؒ کے نزدیک "لن" تاکید مع التابید کے لیے آتا ہے جب کہ اکثر اہل علم کے نزدیک "لن" تاکید اور تابید دونوں کے لیے نہیں آتا، لیکن میدانیؒ فرماتے ہیں کہ "لن" تابید النفی کے لیے تو حتماً نہیں آتا، لیکن تاکید کے لیے آتا ہے، کیونکہ حرف "لن" میں "لا" کی بنسبت زیادتی پائی جاتی ہے، اس لیے کہ "لا" نافیہ پر "ن" زیادہ کیا گیا تو التقائے ساکنین کی وجہ سے "الف" گر گیا تو "لن" میں تین حروف اور "لا" میں دو حرف ہیں اور حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دال ہوتی ہے[2]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں جملہ خبریہ کی اقسام و انواع اور رکنین کی تعیین کیجئے، نیز خبر کی اغراض حقیقیہ اور اغراضِ مجازیہ کی نشاندہی بھی کریں۔

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا . وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى . وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا القرون مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا. وإلهكم إله واحد . الجنة تحت ظلال السيوف. الدين المعاملة إني فقير إلى عفو ربي . الشمس طالعة . أبغض الحلال إلى الله الطلاق . الجنة دار الأسخياء. إن الأمير منتصر. إن أخاك قادم . أو إنه لقادم . والله إنه لقادم . أو لعمري: إن الحق يعلو ولا يعلى عليه . الصلاة واجبة . هذا أبوك . تقول للطالب المهمل الذي رسب في الامتحان: "أنت رسبت في الامتحان". الجنة تحت أقدام الأمهات. حامل القرآن حامل راية الإسلام. حب الأنصار آية الإيمان وبغض الأنصار آية النفاق. حبل الله هو القرآن. حلوة الدنيا مرة الآخرة ومرة الدنيا حلوة الآخرة.

ایک حل شدہ مثال:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا:

---

[1] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۱۸۶-۱۹۱۔

[2] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۱۹۳۔

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "الْمَالُ وَالْبَنُونَ"مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام جنسی ویا کہ الف لام استغراقی...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم اصالت و تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... "زِینَۃُ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا"مسند محکوم بہ معرفہ مضاف الی المعرفۃ غرضِ تعریف افادۃ القصر...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... اسناد اسنادِ حقیقی ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفیدِ ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر...... خبرِ ابتدائی۔

فصلِ ہفتم: انشاء کا بیان

انشاء کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"انشاء" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: ایجاد، تخلیق، تاسیس، تعمیر، پیدا کرنا، وجود میں لانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ انشاء اس کلام کہتے ہیں جس میں صدق وکذب کا احتمال نہ ہو اور اس میں طلب کا معنی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ طلب اس چیز کی ہوتی ہے جو حاصل نہ ہو، کیونکہ تحصیل حاصل لازم آئے گا، چنانچہ اگر مردے کو کہیں کہ "مرجا!" تو یہ محال ہے کیونکہ مرا ہو کیا مرے گا؟ اور اگر مطلوب ایسا ہے کہ پہلے حاصل ہو چکا ہے تو ایسے موقع پر اس کو اس کے حقیقی معنوں پر حمل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے دیگر معانی مراد لیے جاتے ہیں[۱]۔

انشاء کی اقسام وانواع

انشاء کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ انشاءِ طلبی ۲۔ انشاءِ غیر طلبی

۱۔۔۔انشاءِ طلبی کی تعریف:

انشاء طلبی وہ کلام ہے جو ایسے مطلوب کو چاہتا ہو جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو، جیسے "اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ" (سورۃ النمل:۲۸) انشاءِ طلبی کے لیے یہ شرط ہے کہ طلب کے وقت مطلوب حاصل نہ ہو، کیونکہ اگر طلب کے وقت مطلوب پہلے سے حاصل ہو تو پھر تحصیل حاصل لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے اور اگر طلب کا معنی پایا جائے اور مطلوب پہلے سے حاصل ہو تو طلب کے معنی حقیقی کا جاری کرنا ناممکن اور محال ہے، اس لیے اس صورت میں مقام کی مناسبت سے کوئی تاویل کی جائے گی، جیسے "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ" (النساء:۱۳۶) اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے یہاں پر معنی حقیقی مراد نہیں ہوں گے، اس لیے یہاں تاویل ہوگی کہ "آمِنُوا" سے مراد ایمان پر مداومت اور استقامت ہے کہ ایمان لانے کے بعد اس ایمان پر قائم ودائم رہو۔

۲۔۔۔انشاءِ غیر طلبی کی تعریف:

---

(۱) عروس الافراح: ۱/ ۴۱۹۔

انشاء غیر طلبی وہ کلام ہے جو کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو، جیسے "وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ" (سورۃ الشعراء:۱۲۹) اس میں "لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ" کسی مطلوب کا تقاضہ نہیں کرتا۔ انشاء غیر طلبی، جیسے افعال مقاربہ، افعال مدح وذم اور صیغ عقود، جیسے "بعتُ" انشاء بیع کے لیے اور "نکحتُ" انشاء تزوج کے لیے اور جملہ قسم، جیسے "أقسم باللہ" انشاء قسم کے لیے اور "کم" خبریہ وغیرہ۔۔ یہاں انشاء غیر طلبی سے گفتگو نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس کا تعلق مباحث بیانیہ سے کیساتھ بہت کم ہے۔ نیز یہ ظاہراً اگرچہ انشاء ہیں، لیکن درحقیقت ان میں اکثر از قبیل اخبار ہیں[1]۔

انشاءِ طلبی کی تقسیم

پھر انشاءِ طلبی کی چھ قسمیں ہیں:۔

۱۔ امر
۲۔ نہی
۳۔ استفہام
۴۔ تمنی
۵۔ ترجی
۶۔ نداء

[1] عروس الافراح:۱/۴۱۹۔

فصلِ ہشتم: امر کا بیان

امر کی تعریف:

امر کی تعریف یہ ہے کہ فعل کو علی سبیل الاستعلاء طلب کرنا، استعلاء کے معنی یہ ہیں کہ آمر اپنے آپ کو مخاطب کے مقابلے میں عالی رُتبہ سمجھے، جیسے "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ " (سورۃ الحجر:۹۴) اور" وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ " (سورۃ الحجر:۹۹) وغیرہ[1]۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ امر کے لیے چار قسم کے صیغے استعمال ہوتے ہیں:۔

۱۔۔۔فعل امر، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ " (سورۃ البقرۃ:۲۵) اور "اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ " (سورۃ البقر:۴۰) وغیرہ۔

۲۔۔۔مضارع مقرون بہ لام امر، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ " (سورۃ الطلاق:۷) وغیرہ۔

۳۔۔۔اسم فعل، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ." (سورۃ المائدۃ:۱۰۵) وغیرہ۔ یہاں "عَلَيْكُمْ" اسم فعل ہے۔"أی احفظوا أنفسكم من المعاصی."

۴۔۔۔مصدر جو فعل امر کا قائم مقام ہو، جیسے قرآن مجید ہے۔"وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا " (سورۃ النساء:۳۶) یہاں "إِحْسَانًا" مصدر فعل امر "أحسنوابهما" کے قائم مقام ہے[2]۔

یہ امر کا معنی حقیقی اور موضوع لہ ہے، تاہم کبھی امر مجازی طور پر معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتا ہے، جس پر سیاق وسباق اور دیگر احوال و قرائن دال ہوتے ہیں، جن میں چند معانی درج ذیل ہیں:۔

---

[1] امر کے متعلق علامہ سکاکی اور جمہور کا اختلاف ہے کہ جمہور کے نزدیک امر مطلق طلب فعل کے لیے آتا ہے، یعنی امر مطلق نہ طلب علی التراخی پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی طلب علی الفور پر دلالت کرتا ہے بلکہ قرائن کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک معنی کو مراد لیا جائے گا اور علامہ سکاکیؒ کا مذہب یہ ہے کہ امر طلب علی الفور پر دلالت کرتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امر سے متبادر الی الذہن طلب علی الفور والا معنی ہی مراد ہوتا ہے طلب علی التراخی معنی مراد نہیں ہوتا۔ علامہ تفتازانیؒ نے مختصر المعانی میں علامہ سکاکیؒ کے مذہب کو مرجوح قرار دیا ہے۔ مختصر المعانی:۱/ ۴۳۲۔

[2] البلاغۃ العربیہ:۱/ ۲۲۸۔

فصلِ نہم: امر کے معانی مجازیہ کا بیان

بسا اوقات صیغہ امر اپنے حقیقی معنی طلب الفعل علی سبیل الاستعلاء کے علاوہ دوسرے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، پھر کبھی اس میں طلب کا معنی ہی معدوم ہوتا ہے یا اس میں طلب کا معنی ہوتا ہے، لیکن استعلاء کا معنی نہیں ہوتا، تاہم یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں معانی مجازیہ مراد لینے پر قرائن موجود ہوں[1]۔ چند معانی مجازیہ درج ذیل ہیں:۔

١۔ دعاء. ٢-التماس. ٣-تمنی. ٤-تهديد. ٥-زجر. ٦-توبيخ. ٧-تعجيز. ٨-تسوية ٩-تحقير و إهانة ١٠-إباحة. ١١-تخيير. ١٢-امتنان. ١٣-دوام. ١٤-نصح و إرشاد. ١٥-حث على الاتصاف. ١٦-تصوير الحال. ١٧-إكرام.

مذکورہ معانی کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

١۔۔۔دُعا: بندے کا تواضع اور نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ”رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي“ (سورۃ طٰہٰ:٢٥-٣٢)۔

٢۔۔۔التماس: ہم مرتبہ اور ہم پلہ آدمی سے نرمی کیساتھ کسی چیز کے متعلق درخواست کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ”وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ“(سورۃ الاعراف:١٤٢)

٣۔۔۔تمنی: غیر مقدور یا غیر متوقع مرغوب چیز کو طلب کرنا، جیسے قرآن مجید ہے۔ ”رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ“(سورۃ المؤمنون:١٠٧) اس آیت میں معاندین غیر متوقع چیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔

٤۔۔۔ تهديد: مامور بہ سے عدم رضامندی کے موقع پر ڈرانا اور دھمکانا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ”وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ“(سورۃ ابراہیم:٣٠) اس آیت میں مشرکین کو سرکشی اور بغاوت پر ڈانٹنا مقصود ہے، امتثال امر مقصود نہیں۔

٥۔۔۔ زجر و توبيخ: صیغہ امر مخاطب کو ڈانٹنے اور اس کے فعل پر ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہو، جیسے معاندین کو سرکشی پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ ”إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“(حٰم السجدۃ:٤٠)

---

[1] جواہر البلاغۃ:١٧، مختصر المعانی:١/٤٢٦۔

۶۔۔۔ **تعجیز**: کسی کام کے کرنے پر قادر ہونے کے دعوے دار کو محض عاجز اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے حکم دینا، حالانکہ اس کے بس میں نہ ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ"(سورۃ البقرۃ:۲۳) یہاں قرآن جیسی سورت پیش کرنے کا مکلف بنانا مقصود نہیں ہے، بلکہ قرآن جیسی سورت پیش کرنے پر ان کے عجز کو ظاہر کرنا مقصود ہے، یعنی اگر تمہیں اس کلام کے متعلق کلام بشری ہونے کا خیال ہے تو تم بھی تو ایک سورت فصیح وبلیغ بنا کر لاؤ، اور جب تم باوجود کمال فصاحت وبلاغت کے چھوٹی سورت کے مقابلے سے عاجز ہو۔ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالی کا کلام ہے!!

۷۔۔۔ **تسویہ**: دو معاملوں میں سے ایک کے دوسرے پر راجح ہونے کے گمان کے موقع پر دونوں کے برابری کیساتھ حکم دینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ" (سورۃ التوبۃ:۵۳) منافقین میں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ ہم خود جہاد کے لیے نہیں آسکتے، لیکن مالی تعاون کر سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب دیا کہ بے اعتقاد آدمی مال خواہ ناخوشی سے دے، یا بالفرض خوشی سے بھی خرچ کرے، ہمیں قبول نہیں۔

۸۔۔۔ **تحقیر و اہانت**: صیغہ امر مخاطب کی اہانت اور تحقیر کے لیے استعمال ہو، جیسے قرآن مجید ہے۔"ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ"(سورۃ الدخان:۴۹)۔

۹۔۔۔ **اباحت** :سامع کو کسی کام کی ممانعت کا وہم ہو ایسے موقع پر کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔" وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ"(سورۃ البقرۃ:۱۸۷)[1]۔

۱۰۔۔۔ **تخییر** : دو یا چند چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے یا منتخب کرنے کے لیے حکم دینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (سورۃ البقرۃ:۲۳۱)

۱۱۔۔۔ **امتنان**: صیغہ امر امتنان اور احسان کے لیے استعمال کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ

---

(۱) اباحت اور تسویہ میں فرق یہ ہے کہ اباحت میں مخاطب کو گمان ہوتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی مجھے اجازت نہیں تھی اب مجھے اس کام کے کرنے کی اجازت ملی ہے جب تسویہ میں مخاطب کو گمان ہوتا ہے کہ میرے لیے ان دو صورتوں میں سے ایک صورت دوسری صورت سے زیادہ مفید ہے۔ مختصر المعانی:۱/ ۴۳۲۔

اللّٰہُ حَلَالًا طَیِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ " (سورۃ المائدۃ:۸۸) یہاں امتنان اوراحسان کا قرینہ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ" ہے۔

۱۲ ـــ دوام: صیغہ امر دوام واستمرار کے لیے استعمال ہو، جیسے ارشاد ہے۔" یَاأَیُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰہَ"(سورۃ الاحزاب:۱)

۱۳ ـــ نصح و ارشاد: مخلصانہ رائے دینااور ہمدردی کیساتھ ایسی راہ نمائی کرنا جس میں مامور کا فائدہ ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔" یَابُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ "(سورۃ لقمان :۱۷) نماز، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور صبر واستقامت واجب ہیں، لیکن یہاں حضرت لقمان کے زبانی ان امور کو نقل کیا جا رہاہے، جس میں خیر خواہی اور ہمدردی کا پہلو ہے۔

۱٤ ـــ حث علی الاتصاف: صیغہ امر کسی معین صفت کیساتھ ابتداءً متصف ہونے یا ہمیشگی کیساتھ متصف رہنے پر اُبھارنا مقصود ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَابَنِيَّ إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ" (سورۃ البقرۃ:۱۳۲)

۱۵ ـــ تصویر الحال: کبھی صیغہ امر آمر کے حال کی منظر کشی کرنے اور پریشانی کے اظہار کے استعمال کیاجاتاہے، جیسے قرآن مجید میں

ہے۔"وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰہُ" (سورۃ الاعراف:۵۰) جہنمی عذاب سے بے قرار وبدحواس ہوکر اہل جنت کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے، ہم جلے جارہے ہیں! تھوڑاساپانی ہم پر بہاؤ! یااللہ تعالی نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کا کوئی حصہ ہمیں بھی دو! جواب ملے گا کہ کافروں کے لیے ان چیزوں کی بندش ہے۔

۱٦ ـــ اکرام: صیغہ امر مخاطب کے احترام واکرام کے لیے استعمال کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ" (سورۃ الحجر:۴۶) قیامت کے دن اہل جنت کو کہاجائے کہ تم جنت میں سلامتی اور امن وامان کیساتھ داخل ہوجاؤ! یہ جملہ ایساہی ہے، جیسے میزبان کھانے پینے والے مہمان کو کہتاہے۔"کُل واشرب"!

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: بسااوقات نہی کے اسلوب میں امر مراد ہوتاہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"یَاأَیُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ " (ال عمران:۱۰۲)۔

قاعدہ نمبر ۲: امر مطلقِ طلب کے لیے موضوع ہے جب کہ تراخی اور فور کا تعلق قرائن سے ہوتا ہے[۱]۔
قاعدہ نمبر ۳: صحیح قول کے مطابق امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا[۲]۔
قاعدہ نمبر ۴: امر میں ترقی من الاعلی الی الادنی اور دعا میں ترقی میں الادنی الی الاعلی ہوتی ہے جب کہ التماس میں برابر ہوتی ہے[۳]۔
قاعدہ نمبر ۵: جب صیغہ امر ایسے مطلوب میں مستعمل ہو جو حاصل ہو تو اس کا معنی حقیقی میں استعمال ہونا ممنوع ہوتا ہے، بلکہ وہ معنی مراد لیا جائے گا تو سیاق سباق کے مناسب ہو جیسے "یایھاالذین اٰمنوا امنوا باللہ." یہاں "اٰمنوا" طلب الدوام علی التقوی میں مستعمل ہے[۴]۔
قاعدہ نمبر ۶: امر میں علی سبیل الاستعلاء کی قید ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، جمہور نے صرف استعلاء کی قید لگائی ہے، بعض حضرات نے استعلاء اور علو دونوں کی قید لگائی ہے، امام فخر الدین رازیؒ اور اشعریؒ وغیرہ نے دونوں کی نفی کی ہے اور جب کہ معتزلہ حضرات نے صرف علو کی قید لگائی ہے[۵]۔
قاعدہ نمبر ۷: تہدید اور انذار میں فرق یہ ہے کہ تحدید عام ہے اور انذار خاص ہے، تہدید مطلق تخویف کو کہتے ہیں، خواہ وعیدِ مبین کیساتھ ہو یا وعید مجمل کیساتھ ہو۔ جب کہ انذار تخویف مع الابلاغ کو کہتے ہیں[۶]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں امر کی حقیقی اور مجازی معانی کی تعیین کیجئے۔
فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ . خُذِ الْعَفْوَ . وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِين . وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ . قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ . وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

---

[۱] مختصر المعانی: ۱/۴۳۲، ہامش جواہر البلاغۃ: ۶۵۔

[۲] جواہر البلاغۃ: ۶۵۔

[۳] ہامش جواہر البلاغۃ: ۶۴، ۶۵۔

[۴] ہامش جواہر البلاغۃ: ۶۴۔

[۵] مختصر المعانی: ۱/۴۲۷، نیل الامانی: ۱/۴۸۱۔

[۶] نیل الامانی: ۱/۴۸۳۔

الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ . فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا . فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَه . فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ . فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا. وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَة . رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ . رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ . كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ . رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ . اعرني كتابك . اعطني القلم أيهاالاخ . وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُم ..

ایک حل شدہ مثال:

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: ''أَقِيمُوا''فعل مسند محکوم بہ مقدم غرضِ تقدیم کون المسند عاملاً...... تخصیص وتشویق الی المتاخر......مسند مذکورغرضِ ذکرمسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجودمایدل علیہ وحدوث......اس میں''واؤ''ضمیر فاعل مسندالیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیرغرضِ تعریف کون المقام للخطاب......مسندالیہ مذکورغرضِ ذکرمسندالیہ عدم وجودمایدل علیہ......''الصَّلَاةَ''مفعول بہ......فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوال متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ......انشاءِ طلبی امرِ حقیقی،اس لیے کہ صیغہ امر اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے۔

فصلِ دہم: نہی کا بیان

نہی کی تعریف:

نہی کی تعریف یہ ہے کسی فعل کو علی سبیل الاستعلاء روکنا اور منع کرنا، یعنی منع کرنے والا اپنے آپ کو مخاطب کے مقابلے میں عالی رُتبہ سمجھ کر کسی کام سے رُوک دے، جیسے "لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ"(سورۃ البقرۃ:۱۱) اور" فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا" (البقرۃ:۲۲)۔ یہ نہی کا حقیقی اور معنی موضوع لہ ہے، تاہم اس کے علاوہ نہی دیگر معانی مجازیہ میں بھی استعمال ہوتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے[۱]۔

نہی کے معانی مجازیہ

بسا اوقات نہی اپنے حقیقی اور معنی موضوع لہ کے علاوہ دیگر مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بشرطیکہ اس پر قرائن موجود ہوں، ان معانی میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیر واھانت ۲۔ تفظیع وتھویل ۳۔ دُعاء ۴۔ التماس ۵۔ تمنی ۶۔ تھدید ۷۔ توبیخ ۸۔ نُصح وارشاد ۹۔ تیئیس ۱۰۔ بیان العافیۃ ۱۱۔ ائتناس ۱۲۔ دوام۔

مذکورہ معانی کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔۔۔تحقیر واھانت: صیغہ نہی کبھی تحقیر واہانت کے لیے آتا ہے، جیسے "اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ" (سورۃ المؤمنون:۱۰۸) اور "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"(سورۃ التوبۃ:۲۸)۔ مذکورہ دونوں جگہوں میں نہی تحقیر کے لیے ہے۔

۲۔۔۔تفظیع وتھویل: صیغہ نہی کبھی چیز کی ہولناکی بیان کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے "وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ"(سورۃ البقرۃ:۱۱۹) ایک قراءت میں "لَا تُسْأَلْ" صیغہ نہی کا ہے، یعنی جہنمیوں کے عذاب کی شدت وزیادتی اوراس کی عبرت ناک سزا کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ہولناکی کو سنا جاسکتا ہے، بلکہ اس کا تصور بھی ناممکن ہے! کبھی بہت زیادہ عیش وعشرت کو بھی تہویلاً بیان کیا جاتا ہے، جیسے کہا جائے۔ "لاتسال عن فلان"! فلاں کے متعلق نہ پوچھو! یعنی وہ تو اس قدر زیادہ مال واسباب اور آسائش والا ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا!

---

[۱] جواہر البلاغہ:۷۶۔

۳۔۔۔دُعاء: صیغہ نہی جب ادنیٰ کی طرف سے اعلی کے حضور نہایت ہی عاجزی اور تواضع سے صادر ہو تو دُعا کے معنی میں ہو گا، جیسے" رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ"(سورۃ البقرۃ:۲۸۶) یہاں اہل ایمان کا تضرع اور عاجزی سے اللہ تعالی کے سامنے گڑگڑانے سے مقصود دُعا کرنا ہے۔

٤۔۔۔التماس: صیغہ نہی کبھی التماس اور درخواست کے لیے آتا ہے، یعنی دو ہم مرتبہ اور ہم پلہ میں سے ایک کا دوسرے کو استعلاء اور تواضع کے بغیر نرمی کیساتھ روکنا، جیسے"قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي" (سورۃ طہٰ:۹۴) حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں قدرومنزلت میں مساوی تھے، لہذا استعلاء اور الزام مراد نہیں، بلکہ التماس اور درخواست مراد ہے۔

۵۔۔۔تمنی: صیغہ نہی کسی ایسے محال یا شبیہ بالمحال امر مرغوب کو طلب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا وقوع یقینی ہو، جیسے شعر ہے۔

"یالیل طُلْ، یانوم زُلْ　　　　یاصبح قِفْ! لاتطلعْ!"

ترجمہ: اے رات! تو لمبی ہو جا! اے نیند اُڑ جا، اے صبح ٹھہر جا مت طلوع ہو۔

یہاں شاعر کا قول"لاتطع"صیغہ نہی اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے، اس لیے کہ خطاب صبح سے ہے اور وہ امتثال امر کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، یہاں صبح کا طلوع نہ ہونا شاعر کا امر مرغوب ہے، جس کا وقوع یقینی ہے۔

٦۔۔۔تھدید: صیغہ نہی کبھی مخاطب کو کسی حرکت سے باز نہ آنے پر دھمکانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے" لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ" (سورۃ التوبۃ:٦٦) اس آیت میں منافقین کو دھمکا دیا گیا ہے کہ حق کی پیروی کرو! سرکشی اور طغیان سے باز رہو! جھوٹے عذر تراشنے کا کچھ فائدہ نہیں، جن کو نفاق واستہزاء کی سزا ملنی ہے وہ مل کر رہے گی۔ ہاں! جو لوگ صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے انہیں اللہ تعالی معاف کر دے گا۔

۷۔۔۔زجر و توبیخ: صیغہ نہی ڈانٹ ڈپٹ یا اظہار ناراضگی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے"يَانُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْم" (سورۃ ہود:۴۶) حضرت نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل وعیال کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان کی شرط نہیں اور"إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" مجمل تھا، اسی وجہ سے آپ نے شفقت پیدری کے جوش میں عرض کیا! الہٰ العالمین میرا بیٹا میری اہل میں داخل ہے، جس کے بچانے کا آپ وعدہ کر چکے ہیں، تو جواب ملا کہ تمہارا پہلا مقدمہ"إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي" ہی غلط

ہے، جس نے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں، کیونکہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں۔ نیز "إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" کے مصداق کا تمہیں علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ پھر جس کا علم تمہیں نہیں اس کی نسبت محاجہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لیے زیبا نہیں![1]

۸۔۔۔۔نُصح و ارشاد: صیغہ نہی کبھی ہمدردی کیساتھ ایسی راہ نمائی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں مخاطب کو فائدہ ہو، جیسے "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" (سورۃ المائدۃ:۱۰۱) اس آیت میں اہل ایمان کو اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں کیں ان کے متعلق فضول سوال مت کرو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ فضول سوال سے کوئی سخت حکم آجائے یا حکم مقید ہو جائے یا ایسے واقعہ کا اظہار ہو جس سے تمہاری تحقیر ہو۔ البتہ ضروری بات پوچھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۹۔۔۔۔تیئیس: صیغہ نہی کبھی مخاطب کو مایوس کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" (سورۃ التحریم:۷) اس میں جہنمیوں کو معذرت سے روکنا مقصود نہیں، بلکہ انہیں مایوس کرنے یہ بتلایا گیا ہے کہ آج تمہارے کفر وضلالت کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔

۱۰۔۔۔۔بیان عافیة: صیغہ نہی کبھی عاقبت اور انجام سے آگاہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا" (سورۃ آل عمران:۱۶۹) اس آیت میں شہداء کے عاقبت اور انجام کا بیان ہے کہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں!

۱۱۔۔۔۔ائتناس: صیغہ نہی کبھی مانوس کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (سورۃ التوبہ:۴۰) رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غار میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطمینان دیتے ہوئے مانوس کر رہے تھے کہ پریشان نہ ہونا ہمارے ساتھ اللہ ہے[2]۔

۱۲۔۔۔۔دوام و استمرار: صیغہ نہی کبھی ہیشگی کیساتھ منہی عنہ سے روکنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ" (سورۃ الحجرات:۱۱) اس آیت میں اللہ تعالی نے مسلمانوں میں آپس کے نزاع واختلاف کو روکنے اور منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہو اس کی تدبیر یہ

---

(۱) تفسیر عثمانی:۹۱۰۔

(۲) تفسیر معالم التنزیل:۳/۳۴۹، تفسیر قرطبی:۸/۱۴۶۔

بتلائی ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کیساتھ نہ مسخراپن کرے اور نہ ہی ایک دوسرے پر عیب لگائیں اور نہ ہی بُرے کاموں اور بُرے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت بڑتی ہے اور فتنہ وفساد کی فضا پھلتی ہے۔ یہ وہ منہیات ہیں، جن سے دائمی طور پر دور رہنا ضروری ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: نہی کے لیے صرف ایک صیغہ (مضارع مقترن بہ لاناہیہ) موضوع ہے، جیسے "لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ."[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نہی کا حقیقی اور موضوع لہ معنی تحریم ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: کبھی صیغہ نہی سے علی الفور تحریم مراد لیا جاتا ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: نہی میں بھی ترقی من الاعلی الی الادنی ہوتی ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر ۵: نہی کی معانی مجازیہ میں دعا اور کراہت بھی داخل ہے، جیسے "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ."[۵]۔

قاعدہ نمبر ۶: نہی کے حقیقی معنی میں اختلاف ہے، اشاعرہ کے نزدیک طلب الکف عن الفعل ہے اور عند المعتزلہ طلب الترک ہے اور جمہور کے نزدیک طلب الترک الجازم (یعنی حرمت) ہے جب کہ علامہ تفتازانیؒ کے نزدیک طلب الترک الغیر الجازم (یعنی کراہت) ہے یا قدرِ مشترک ہے[۶]۔

قاعدہ نمبر ۷: علامہ میدانیؒ نے انشاءِ طلبی کی نو اقسام ذکر کی ہیں، جو یہ ہیں:۔

۱۔امر، ۲۔ نہی، ۳۔ تحذیر، ۴۔اغراء، ۵۔نداء، ۶۔ تمنی، ۷۔ترجی، ۸۔دعا، ۹۔استفہام[۱]۔

---

(۱) مختصر المعانی: ۱/ ۴۳۳، جواہر البلاغۃ: ۶۹۔

(۲) ہامش جواہر البلاغۃ: ۶۹۔

(۳) ہامش جواہر البلاغۃ: ۶۹۔

(۴) جواہر البلاغۃ: ۶۹۔

(۵) جواہر البلاغۃ: ۶۹۔

(۶) مختصر المعانی: ۱/ ۴۳۳، نیل الامانی: ۱/ ۴۸۸۔

قاعدہ نمبر۸: تحذیر اور اغراء بھی امر و نہی کے معنی میں ہیں جو احکام امر و نہی پر منطبق ہوتے ہیں وہی اغراء اور تحذیر پر بھی منطبق ہوتے ہیں[۲]۔

قاعدہ نمبر۹: تحذیر کے وہ صیغے جو امر و نہی کے معنی میں ہوں، جیسے "احذر، تجنب، توق، تباعد، لاتقرب، لاتدن" وغیرہ۔ اور عبارات الاغراء، جیسے "افعل، الزم، اطلب، اقبل، تقدم، خذ" وغیرہ[۳]۔

تمرین

درج ذیل میں نہی کی حقیقی اور مجازی معانی کی تعیین کیجئے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا، وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ، وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا، وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا، وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ . لا تعتذروا اليوم . وَلا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْواتاً بَلْ أَحْياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ . قوله لخادمه: لا تطع أمري . لا تلتفت وأنت في الصلاة. لا يخطب أحدكم على خطبة أخيه. لا يدخل الجنة قتات.

ایک حل شدہ مثال:

"لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا":

(الف)۔۔مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "لَا تَمْشِ" فعل مسند محکوم بہ مقدم غرضِ تقدیم مسند کون المسند عاملاً، تخصیص و تشویق الی المتاخر...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل علیہ، حدوث...... اس میں ضمیر مستتر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... "فِي الْأَرْضِ" متعلق بہ "لَا تَمْشِ"...... "مَرَحًا" مفعول بہ...... فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ...... انشاءِ طلبی نہی حقیقی، اس لیے کہ صیغہ نہی اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے۔

---

(۱) البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۲۸۔

(۲) البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۳۹۔

(۳) البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۳۹۔

فصل یازدہم: استفہام کا بیان

استفہام کی تعریف:

"استفہام" باب استفعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کسی سے سمجھانے کی درخواست کرنا، کسی سے کوئی بات دریافت کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ چند مخصوص حروف کے ذریعہ کسی نامعلوم شئ کے علم کو طلب کرنے کا نام استفہام ہے، جیسے "أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ" (سورۃ الانبیاء:٦٢)۔ بالفاظِ دیگر کسی چیز کی صورت ذہنیہ کو ذہن میں لاکر اسے طلب کرنے کو استفہام کہتے ہیں، پھر جس چیز کی صورت ذہنیہ کو طلب کیا گیا ہے وہ نسبت تامہ خبریہ ہوگی یا نہیں۔ اگر نسبت تامہ خبریہ ہو تو تصدیق ہے ورنہ تصور ہے۔ ان مخصوص حروف کو ادواتِ استفہام کہتے ہیں اور ادواتِ استفہام یہ ہیں:

"همزه، بل، ما، من، متى، أيان، كيف، أين، أنى، كم، أي"[1]۔

ادواتِ استفہام کی تقسیم

ادواتِ استفہام کی مستفہم عنہ (جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا ہو) کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں[2]:۔

۱۔ ہمزہ استفہام ۲۔ هَلْ ۳۔ دیگر ادوات

۱۔۔۔ همزہ استفهام: ہمزہ استفہام طلبِ تصور اور طلبِ تصدیق دونوں کے استعمال ہوتا ہے، جیسے طلب تصور کی مثال: "أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ" (سورۃ الواقعۃ:۵۹) یعنی مادرِ رحم میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ میں حقیقی خالق یا تم مخلوق؟! طلبِ تصور میں جواب تعیین کے ذریعے ہوتا ہے کہ تُو ہی پیدا کرنے والا ہے؟ اور طلب تصدیق کی مثال، جیسے "أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" (سورۃ الانشراح:۱) کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ کہ اس میں لوازمِ نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کا بڑا وسیع حوصلہ دیا! طلبِ تصدیق کا جواب "نعم" یا "لا" کے ذریعے دیا جائے گا کہ ہاں! تُو نے سینہ کھول دیا ہے[1]۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۳۹۵۔

[2] اس تقسیم کی ضرورت اس لیے پڑی ہے کہ استفہام کے لیے جن حروف کو وضع کیا گیا ہے، ان کی تین قسمیں ہیں: بعض وہ حروف ہیں جن کو تصور اور تصدیق دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے ہمزہ استفہامیہ اور بعض وہ حروف ہیں جن کو تصدیق کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے "هَلْ" اور اس کے علاوہ باقی تمام حروف صرف طلب تصور کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔ هَل: "هَلْ" صرف طلبِ تصدیق،یعنی وقوع نسبت اورلاوقوع نسبت کوجاننے کے لیے استعمال ہوتاہے،جیسے "هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ " (سورۃ فاطر:۳)کیااللہ تعالی کے سواکوئی خالق ہے؟وہ اللہ تمھیں آسمان اورزمین سے روزی دیتاہے!پھرمعبودیت کامستحق دوسروں کوکیوں سمجھتے ہوں،جوخالق حقیقی اوررازق حقیقی ہے وہی معبود بھی ہوناچاہیے!یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ "هَلْ" کیساتھ کوئی معادل ذکرنہیں کیاجاتاہے[۲]۔

پھر"هَلْ" کی دوقسمیں ہیں:۔

۱۔"هل"بسیطه ۲۔"هل"مرکبه

۱۔۔۔"ہل" بسیطہ کی تعریف:

یہ وہ حرف استفہام ہے،جس کے ذریعے وجودِ شئی یاعدم شئی کاسوال کیاجائے،یعنی جس کیساتھ کسی وجودی یاعدمی چیزطلب کی جائے،جیسے "هل العنقاء موجودة؟"کیاعنقاءپرندے کاوجودہے[۳]؟اس میں "عنقاء" کے وجود یاعدم وجودکوطلب کیاگیاہے۔

۲۔۔۔"ہل" مرکبہ کی تعریف:

---

[۱] ہمزہ تصوراورتصدیق دونوں کے لیے استعمال ہوتاہے،پھرجب تصدیق کے لیےاستعمال ہوتویہ جملہ اسمیہ اورجملہ فعلیہ دونوں پرداخل ہوتاہے،جملہ اسمیہ کی مثال،جیسے"ازیدقام؟"،جملہ فعلیہ کی مثال،جیسے"اقام زید؟"اوراگرہمزہ طلب تصورکے لیے آئےتواس کی دوصورتیں ہیں:مسندالیہ کے تصورکے لیے آئے گا یامسندکے تصورکے لیے۔ مسندالیہ کے تصورکے لیے آنے کی مثال،جیسے"ادبس فی الاناء ام عسل؟"(برتن میں انگورکاشیرہ ہےیاشہدہے؟)یہ اس وقت کہاجاتاہے جب متکلم کویہ تومعلوم ہوکہ برتن میں کوئی چیزہے،لیکن اسے یہ معلوم نہ ہوکہ برتن میں کیاچیزہے۔مسندکے تصورکے طلب کرنے کی مثال،جیسے"أفي الخابية دبس أم في الدق؟"(انگورکاشیرہ صراحی میں ہےیامشکیزہ میں؟)یہ اس وقت کہاجاتاہے متکلم کویہ تومعلوم ہوکہ شیرہ ان دونوں میں کسی ایک میں ہے لیکن یہ معلوم نہ کہ ان میں سے کس میں ہے؟مختصرالمعانی:۱/۳۹۵۔

[۲] جوچیزحاصل ہوتواس کوطلب کرنے کے لیے"هَلْ"استعمال کرناجائزنہیں۔(جواہرالبلاغہ:۷۴)

[۳] علامہ جاراللہ زمخشری نے"ربیع الابرار"میں،علامہ ابواسحاق ثعلبی نے"عرائش"میں اورعلامہ ابن یعقوب مغربیؒ نے"مواہب"میں ذکرکیاہے کہ حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کی امت اصحاب الرس کے زمانہ میں عنقاءایک نہایت موذی جانورتھا۔مغربی پہاڑوں سے حملہ آورہوکران کے چھوٹے چھوٹے بچے اٹھالے جایاکراتاتھاجس سے قوم کوسخت تکلیف ہوتی تھی۔قوم نے تنگ آکرحضرت حنظلہؑ سے اس کی ہلاکت کے متعلق درخواست کی آپ نے ان کی درخواست پرعنقاءکے لیے بدعاکی اللہ تعالی نے اس کوقبول کرلیااوراس کاایسانیست ونابودکیاکہ اس کی نسل تک ختم ہوگئی۔(نیل الامانی:۱/۴۶۵)

یہ وہ حرف استفہام ہے، جس کے ذریعے ایک موجود چیز کی صفت کا سوال کیا جائے، یعنی جس کیساتھ کسی چیز کے وجود کے لیے کسی دوسری چیز کے وجود دوام یا عدم دوام کو ثابت کیا جائے، جیسے "هل تبيض العنقاء؟" کیا عنقاء پرندے انڈے دیتا ہے ؟[۱]

"ہمزہ" اور "هل" میں فرق:

"ہمزہ[۲]" اور "هل" کے درمیان درج ذیل فرق ہیں:

۱۔۔۔"هل" صرف طلبِ تصدیق کے لیے آتا ہے، لہذا اس کے بعد "ام متصلہ" (وہ "ام" جس کے بعد مفرد ہو) نہیں آئے گا، البتہ "ام منقطعہ" (جس کے بعد جملہ واقع ہو) آسکتا ہے، لہذا جب "هل" کے بعد "ام متصلہ" واقع ہو تو اس مفرد کو جملہ کی تاویل میں کرنا ضروری ہو گا، جیسے صحیح بخاری میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو کہا تھا "«هَلْ تَزَوَّجْتَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟»" یہاں "أَمْ ثَيِّبًا" یہ عبارت دراصل « بَلْ هَلْ تَزَوَّجْتَ ثَيِّبًا»[۳] کی تاویل میں ہے۔ اور جب کہ ہمزہ استفہام طلبِ تصور اور طلبِ تصدیق دونوں کے لیے آتا ہے۔

---

[۱] یعنی "هل" بسیطہ وہ ہے جس سے کسی شئ کے وجود یا عدم وجود خارجی کی تصدیق مطلوب ہو، جیسے "الحركة موجودة اولا موجودة؟ هل زيد موجود اومعدوم؟ هل العنقاء موجود ام لا؟" وغیرہ۔ اس کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ خارج میں "هل" کا مابعد متحقق ہے یا نہیں؟ اس کی علامت یہ ہے کہ جس کلام میں یہ واقع ہوتا ہے اس کا محمول افعال عامہ سے ہوتا ہے، یعنی کون، وجود، حصول، ثبوت وغیرہ۔ اور "هل" مرکبہ وہ ہے جس سے ثبوت شئ لشئ یا عدم ثبوت شئ لشئ مقصود ہو، جیسے "هل الحركةدائمة اولادائمة؟ هل زيدعالم اولاعالم؟" اس میں "هل" کے مدخول کے وجود وعدم کا تو پتہ ہوتا ہے، لیکن اس کی کسی صفت خاص کا حال دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ یہ جس کلام میں واقع ہو۔ اس کا محمول افعال خاصہ میں سے ہو گا، مثلاً: قیام، قعود، اکل وشرب وغیرہ۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "هل" مرکبہ میں نفس وجود کے علاوہ دو چیزیں معتبر ہیں: ایک حرکت دوسرے اس کا دوام وعدم دوام اور "هل" بسیطہ میں وجود کے علاوہ ایک چیز معتبر ہے، یعنی حرکت، اس لیے اول بسیطہ ہوا، ثانی مرکب ہو۔ واضح رہے کہ یہ نام ان کے مصداقات کے اعتبار سے ہیں نہ کہ مفہومات کے اعتبار سے۔ (ملخصًا نیل الامانی: ۱/۴۶۳)

[۲] ويرى "سيبويْهِ" أن العرب تركوا النُّطق بهمزة الاستفهام مع سائر أدوات الاستفهام لأنّهم أَمِنُوا الالتباس، فاكتسبَتْ هذه الأدواتُ معنى الاستفهام بالتداول. قال ابن مالك في "المصباح":"ما عدا الهمزة نائبٌ عنها، ولكونه "أي: الاستفهام" طلبَ ارْتِسَام صورةِ ما في الخارج في الذهن، لزم أن لا يكون حقيقةً إلاَّ إذا صَدَرَ من شَاكٍّ مُصدِّقٍ بإمكان الإِعلام، فإنّ غير الشاكّ إذا استفهم يلزمُ منه تحصيل الحاصل، وإذا لم يُصدّقْ بإمكان الإعلام انْتَفَتْ عنه فائدة الاستفهام". (البلاغة العربية: ۱/۲۵۹)

[۳] صحیح بخاری (۵/۲۰۰۹، رقم ۴۹۴۹)، صحیح مسلم (۲/۱۰۸۷، رقم ۷۱۵)، وأبو داود (۲/۲۲۰، رقم ۲۰۴۸)، نسائی (۶/۶۱، رقم ۳۲۱۹)

۲۔۔۔"ھل"صرف مستفہم عنہ مثبت کیساتھ خاص ہے،جب کہ ہمزہ مستفہم عنہ مثبت اور منفی دونوں پر داخل ہوتاہے،لہذا"ھل ماجاء زید"کہنا صحیح نہیں اور"أماجاء زید"کہنا صحیح ہے۔
۳۔۔۔"ھل"جب فعل مضارع پر داخل ہو تو اس کو مستقبل کیساتھ خاص کر لیتا ہے۔
۴۔۔۔"ہمزہ"صدارت کی مقتضی ہوتی ہے، حتی کہ حرف عطف پر بھی مقدم ہوتی ہے،جیسے"أولم ینظروا"۔اور جب کہ دیگر ادواتِ استفہام حرف عطف کے بعد مذکور ہوتے ہیں[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا:ادواتِ استفہام کی تین قسمیں ہیں:پہلی قسم وہ ہے جس میں مستفہم بہ تصور اور تصدیق دونوں ہوتے ہیں، یہ صرف ہمزہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں مستفہم بہ فقط تصدیق ہوتا ہے، یہ صرف لفظ"ھل"ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس میں مستفہم بہ فقط تصور ہوتا ہے، یہ جملہ ادوات استفہام ہیں، جیسے"مَا - مَنْ - أَيُّ - كَمْ - كَيْفَ - أَيْنَ - أَنَّى - مَتَى - أَيَّانَ.[2]"

قاعدہ نمبر۲:کسی ایسی چیز(خواہ جزءِ جملہ ہو، یانسبتِ جملہ ہو) کے متعلق استفسار کرنا،جس کی واقفیت نہ ہو، پھر اگر دو چیزوں کے درمیان وُقوع یالاوقوعِ نسبت کا سوال ہے تو اسے طلبِ تصدیق کہتے ہیں، لیکن اگر نسبت کا یقین ہو اور سوال کسی جزءِ جملہ کے بارے میں ہو تو اُسے طلب تصور کہتے ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر۳:ہمزہ استفہام جب طلبِ تصور کے لیے ہو تو مستفہم عنہ کو ہمزہ سے متصل رکھنا ضروری ہے،ہاں! اکثر و پیشتر معادِل اور مقابل کو"ام"کے بعد ذکر کرتے ہیں، اس"ام"کو ام متصلہ کہتے ہیں، لیکن اگر ایسے مواقع پر معادِل کو حذف بھی کر دیتے ہیں جب کہ معادِل پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو، جیسے معادِل کے مذکور ہونے کی مثال"يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ"(سورۃ یوسف:۳۹)اور حذفِ معادِل کی مثال"أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ"(سورۃ الانبیاء:۶۲)""أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا أَم غيرك"؟

قاعدہ نمبر۴:ہمزۃ طلب تصور کے آنے والے"ام"کو"ام متصلہ"اور ہمزہ طلبِ تصدیق اور"ھل"کے بعد آنے والے"ام"کو"ام منقطعہ"کہتے ہیں[1]۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۶۱۔
[2] البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۵۸۔
[3] جواہر البلاغۃ:۷۹۔

قاعدہ نمبر ۵: طلبِ تصور کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے جملہ میں سے کسی ایک مفرد کے بابت دریافت کرنا، جب کہ سائل کو حکم، یعنی طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت کا یقین ہو، لیکن اجزائے جملہ مثلاً یہ حکم کس کے لیے ثابت ہے؟ اس کو دریافت کرنا مقصود ہو تو اسے طلبِ تصور کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۶: طلبِ تصور کی صورت میں ہمزہ سے جو چیز متصل ہوگی اس کو مسئول عنہ کہیں گے اور اس کا ایک مقابل ذکر کیا جائے گا جو ام متصلہ کے بعد آئے گا، اس کو معادِل کہتے ہیں، جیسے "أعلي مسافرأم سعيد" اس مثال میں "علی" مسئول عنہ ہے اور "سعید" مسئول عنہ کا معادل ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۷: طلبِ تصدیق طرفین کے درمیان واقع ہونے ثبوتی یا سلبی نسبت کے متعلق دریافت کرتے کو کہتے ہیں اور یہ طلب اس وقت ہوتی ہے جب سائل کو اجزائے جملہ کے متعلق علم تو ہوتا ہے، لیکن وہ حکم، یعنی جملہ کی ثبوتی یا سلبی نسبت سے ناواقف ہوتا ہے، لہذا اس حکم پر واقفیت حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے، اس کو طلبِ تصدیق کہا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر ۸: تصدیق کی صورت میں نسبت ہی مسئول عنہ ہوگی اور اس کیساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جاتا ہے، جیسے مذکور مثال "أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" سے ظاہر ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۹: ہمزہ تصور کے بعد آنے والا "ام متصلہ" ہوگا اور ہمزہ تصدیق اور "ھل" کے بعد آنے والا "ام منقطعہ" ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۱۰: "ھل" یہ اس طلبِ تصدیق کو دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جس کا جواب اثبات یا نفی میں آئے، اسی وجہ سے "ام" متصلہ لاکر اس کے معادل کو ذکر کرنا صحیح نہیں، چنانچہ "هل جاء أبوك أم أخوك" کہنا صحیح نہیں[۴]۔

قاعدہ نمبر ۱۱: ہمزہ طلب تصور کے لیے بھی آتا ہے اور طلب تصدیق کے لیے بھی۔ ان دونوں میں لفظاً ومعنیاً ہر دو اعتبار سے فرق ہے: لفظی فرق تو یہ ہے کہ ہر وہ مقام جہاں ام منقطعہ کو لانا صحیح ہو اور ام متصلہ کو لانا صحیح نہ ہو۔ ایسی صورت میں ہمزہ طلب تصور کے لیے ہوگا اور اس کے عکس کی صورت میں طلب تصدیق کے لیے ہوگا۔ معنوی فرق

---

(۱) جواہر البلاغۃ: ۸۰۔

(۲) جواہر البلاغۃ: ۷۸۔

(۳) جواہر البلاغۃ: ۷۹۔

(۴) جواہر البلاغۃ: ۷۴، علوم البلاغۃ: ۵۶۔

یہ ہے کہ ہمزہ طلب تصدیق کے لیے وہاں ہوتا ہے جہاں نسبت کے ثبوت وعدم ثبوت کے مابین ذہن میں تردد ہو اور طلب تصور کے لیے وہاں ہوتا ہے جہاں احد الشئین کی تعیین کے اندر تردد ہو۔

قاعدہ نمبر۱۲: ام متصلہ اورام منقطعہ میں ایک فرق یہ ہے کہ ام متصلہ سے پیشتر استفہام ضروری ہوتا ہے، خواہ لفظاًومعناًہو یا صرف صرف لفظاً ہو۔ بخلاف ام منقطعہ کے اس کے لیے یہ ضروری نہیں[1]۔

قاعدہ نمبر۱۳: ام متصلہ اورام منقطعہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ام منقطعہ کے بعد ہمیشہ جملہ آتا ہے اگر کہیں مفرد آ بھی جاتا ہے تو مبتداء محذوف مان لیتے ہیں، تا کہ وہ مفرد جملہ بن جائے[2]۔

قاعدہ نمبر۱۴: جب ہمزہ کیساتھ استفہام ہو تو مسئول عنہ مسند الیہ ہو گا یا مسند یا اس کے ماسوا؟ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جو شئی ہمزہ کے متصل ہو وہی مسئول عنہ ہے مسند الیہ ہو یا مسند، جیسے" أضربت زیدا" میں ہمزہ کے متصل فعل "ضرب" ہے، پس یہی مسئول عنہ ہے گویا متکلم یہ پوچھتا ہے کہ جو فعل مخاطب سے صادر ہو کر زید پر واقع ہوا ہے وہ قطعی طور پر صادر ہو چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت ہمزہ طلب تصدیق کے لیے ہوا اور اگر متکلم یہ جانتا ہو کہ زید پر ایک فعل واقع ہوا ہے، لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ فعل ضرب ہے یا اکرام و ہمزہ طلب تصور کے لیے ہو گا۔

قاعدہ نمبر:۱۵ طلب تصدیق جملہ اسمیہ کے اسلوب میں کم استعمال ہوتا ہے، جیسے "أعلی سافر؟"[3]۔

قاعدہ نمبر۱۶: سین وسوف کی مانند ہے جو مضارع مستقبل کیساتھ خاص ہے[4]۔

قاعدہ نمبر۱۷: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے بشرطیکہ "ھل" کا مدخول جملہ مثبتہ ہو۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ "ھل" طلبِ تصدیق سلبی کے لیے نہیں ہو سکتا، بلکہ تصدیق سلبی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، لہذا یہ کہنا جائز ہے۔ "ھل قام زیداولم یقم؟"[5]۔

قاعدہ نمبر۱۸: "ھل" بسیطہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ خارج میں "ھل" کا مابعد متحقق ہے یا نہیں۔ نیز اس کی علامت یہ ہے کہ جس کلام میں یہ واقع ہوتا ہے اس کا محمول افعال عامہ سے ہوتا ہے، یعنی کون، حصول، وجود، ثبوت[1]۔

---

[1] نیل الامانی:۱/۴۵۷۔

[2] نیل الامانی:۱/۴۵۷۔

[3] جواہر البلاغۃ:۷۳۔

[4] جواہر البلاغۃ:۷۴، علوم البلاغۃ:۵۷۔

[5] نیل الامانی:۱/۴۵۶۔

قاعدہ نمبر ۱۹: "ھل" مرکبہ وہ ہے جس سے ثبوت شئ لشئ یا عدم ثبوت شئ لشئ مقصود ہو، جیسے "ھل الحركة دائمة أولادائمة؟ هل زيد عالم أولا عالم؟" اس میں "ھل" کے مدخول کے وجود و عدم کا تو پتہ ہوتا ہے، لیکن اس کی کسی صفت خاص کا حال دریافت کرنا ہوتا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ یہ جس کلام میں واقع ہو۔ اس کا محمول افعال خاصہ میں سے ہوگا، مثلاً: قیام، قعود، اکل و شرب وغیرہ[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲۰: "ھل" بسیطہ میں وجود فی ذاتہ مقصود ہوتا ہے، کیونکہ یہ موضوع اور محمول میں رابط ہوتا ہے بخلاف "ھل" مرکبہ کے کہ اس میں وجود فی ذاتہ مقصود نہیں ہوتا[۳]۔

قاعدہ نمبر ۲۱: "ھل" استفہامیہ ہمیشہ حرف عطف کے بعد واقع ہوتا ہے[۴]۔

تمرین

درج مثالوں میں ادواتِ استفہام کی تعیین کیجئے۔

هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ . يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْساها . أأنت فعلت هذا أم يوسف. أسافر الأمير؟ أراغب انت عن الأمر أم راغب فيه . هل حافظ المصريون على مجد أسلافهم. أقدم صديقك؟ . فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ. أحضر الأمير . هل النبات حساس؟. إياي تقصد أم سعيدا. متى تولّى عمر الخلافة؟ . أعلي مسافر. هل خليلا أكرمت . أقلت هذا الشعر . أأنت بنيت هذه الدار . هل المريخ مسكون؟ . أفرغت من الكتاب الذي كنت تكتبه؟ . أرا كبا حضرت أم ماشيا . هل من سائل هل من مستغفر هل من داعٍ. هل هو الوضوء الشرعى أم الوضوء اللغوى؟ هَلْ جَزَاء الإحْسَانِ إلا الإحْسَانِ.

---

(۱) نیل الامانی: ۱/ ۴۶۳۔

(۲) نیل الامانی: ۱/ ۴۶۳۔

(۳) نیل الامانی: ۱/ ۴۶۳۔

(۴) علوم البلاغۃ: ۵۷۔ ہامش جواہر البلاغہ: ۷۵۔

ایک حل شدہ مثال:

فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "فَهَلْ" اداتِ استفہام "هَلْ" بسیطہ...... "أَنْتُمْ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود ما یدل علیہ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ تخصیص...... "شَاكِرُونَ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند اصالتِ تنکیر وانتفاء الحصر والعہد...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود ما یدل علیہ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ...... انشاءِ طلبی استفہام۔

فصلِ دوازدہم: دیگر ادوات استفہام کا بیان

''ہمزہ'' اور ''ھل'' کے علاوہ دیگر ادوات استفہام صرف طلبِ تصور کے لیے آتے ہیں، تاہم وہ تصوراُن کے معانی کے اعتبار سے مختلف ہو گا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔۔۔''مَن'': ذوی العقول کی تعیین کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے ''مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً''(سورۃ البقرۃ:۲۴۵) کون شخص ہے جو اللہ تعالی کو قرض حسنہ دے، پھر اللہ تعالی اس کے قرض کے اجر وثواب کو کئی گنا بڑھا دے گا۔ واضح رہے کہ کبھی ''مَن'' استفہام کے اسلوب میں نفی کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے ''وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰہُ'' (سورۃ ال عمران:۱۳۵) اور ''مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ'' (سورۃ البقرۃ:۲۵۵) اور ''فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللّٰہُ (سورۃ الروم:۲۹) وغیرہ[۱]۔

۲۔۔۔''مَا'': غیر ذوی العقول کے استعمال ہوتی ہے اور یہ تین جگہوں میں آتی ہے:۔

(الف)۔۔۔ کبھی ''مَا'' سے ذات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، جیسے ''وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَامُوسَى''(سورۃ طٰہٰ:۱۷) اور ''إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ''(سورۃ الشعراء:۷۰) مذکورہ تمام مقامات میں ''مَا'' سے ذات کی وضاحت مقصود ہے۔

(ب)۔۔۔ کبھی ''مَا'' سے مسمی کی حقیقت اور اس کی صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ''إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ''(سورۃ الانبیاء:۵۲-۵۳) یہاں سوال حقیقت مسمی کے متعلق ہے، لیکن معاندین کا جواب مقتضائے استفہام کے خلاف ہے۔

(ج)۔۔۔ کبھی ''مَا'' سے مسمی کی محض صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے '' قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ'' (سورۃ الشعراء:۲۳-۲۴) یہاں سوال صفت مسمی کے بارے میں ہے، لیکن جواب سائل کی توقع کے خلاف ہے[۲]۔

---

[۱] كلمة "مَنْ" وتأتي اسماً من أسماء الاستفهام، قالوا: ويُطْلَبُ بها تعيينُ أحد العقلاء، أو العلماء، مثل:{قَالُواْ ياويلنا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا؟ ..} (يٰس: ٣٦) .{وَمَن يَغْفِرُ الذنوب إِلاَّ الله ... } (آل عمران:١٣٥) . قول الشاعر:
وَمَنْ ذَا الَّذِي تُرْضَى سَجَايَاهُ كُلُّهَا؟ ... كَفَى الْمَرْءَ نُبْلاً أَنْ تُعَدَّ مَعَايِبُه

[۲] مختصر المعانی:۱/۴۱۳۔ البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۶۴۔

۳۔۔۔"متیٰ": " مَتَی " سے زمانہ کی تعیین کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے، خواہ ماضی کے متعلق ہو، یا مضارع کے متعلق ہو، جیسے " وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ " (سورۃ یس:۴۸)۔

٤۔۔۔"ایان": "أيان" زمانہ مستقبل کی تعیین کے لیے آتا ہے اورامور عظیمہ کیساتھ خاص ہے، جیسے " يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ " (سورۃ الذاریات:۱۲) قیامت کا ہولناک دن کب ہے؟

۵۔۔۔"این": "أيـن" مکان کی تعیین کے متعلق دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے " فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ "(سورۃ القیامۃ:۷-۱۰) یعنی اللہ تعالی کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آجائے گا، اس وقت انسان کہے گا بھاگ کر کہاں چلا جاؤں؟![1]

٦۔۔۔"انی": " أنى " درج ذیل تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے[2]۔

ا(الف)۔۔۔ " أنى " بمعنیٰ "کیف": جیسے " قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ "(سورۃ ال عمران:۴۰) حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: میرے پروردگار! میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اور یہ غیر معتاد طور پر اولاد کا ملنا کیسے ہوگا؟

(ب)۔۔۔ " أنى " بمعنیٰ " أيـن ": جیسے "يَامَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "(سورۃ ال عمران:۳۷) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم میوے آتے، گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں! حضرت زکریا علیہ السلام یہ خلاف معمول چیزیں دیکھ کر ازراہِ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا ہے۔

(ج)۔۔۔ " أنى " بمعنیٰ "متیٰ" جیسے " نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ " (سورۃ البقرۃ:۲۲۳) تمہاری بیویاں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتی کے ہیں، سو اپنی کھیتی (محلِ حرث میں نہ کہ موضعِ فرث میں) میں جہاں چاہو آؤ۔ یہاں " أنى " کے متعلق اہل علم کے تین اقوال ہیں:۔

---

(۱) مختصر المعانی:۱/۴۱۵۔

(۲) علامہ بہاء الدین سبکیؒ نے عروس الافراح میں ذکر کیا ہے کہ "این" اور "من این" میں فرق یہ ہے کہ "این" کے ذریعہ وہ جگہ پوچھی جاتی ہے جس میں کوئی چیز قرار پذیر ہو اور "من این" کے ذریعہ وہ جگہ دریافت کی جاتی ہے جو شئی کے نکلنے اور ظاہر ہونے کا مقام ہو۔ اس معنی کی مثال: "انا صببنا الماء صبا" کی شاذ قراءت قرار دی گئی ہے۔ نیل الامانی:۱/۴۷۰۔

ایک قول یہ ہے کہ " أني "بمعنی" أين "کے ہے۔"أی من أين شئتم"۔
دوسرا قول یہ ہے کہ "أني" بمعنی "متی "ہے۔"أی متی شئتم"۔
اور تیسرا قول یہ ہے کہ " أني "بمعنی "کیف" ہے۔"أی کیف شئتم"[۱]*۔
۷۔۔۔ "کیف": "کیف" کسی چیز کی کیفیت اور حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے " وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى "(سورۃ البقرۃ:۲۶۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پروردگار! آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ یہاں "کیف" سے احیاء کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے، یعنی عین الیقین کے خواست گار تھے، جو مشاہدہ پر موقوف ہے، ورنہ یقین تو پورا ہی تھا۔
۸۔۔۔ "کم": "کم" کسی چیز کی مبہم تعداد معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے " قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ "(سورۃ الکہف:۱۹) یہاں "کم" مقدار مدت کو معلوم کرنے کے لیے ہے۔
۹۔۔۔ "ای": "أی" یہ کسی ایک وصف عام میں شریک ہونے والی دو چیزوں میں سے ایک چیز کی تعیین کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے "أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا" (سورۃ مریم:۷۳) دونوں جماعتوں (اہل ایمان اور کفار) میں کونسی جماعت مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے؟ یہاں دونوں جماعتیں وصف فریقیت میں باہم شریک ہیں، مگر خیریت اور افضلیت کس کے لیے ثابت ہے؟ اس کی تعیین کا سوال کیا جارہا ہے؟![۲]

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: "مَن" کے جواب میں مستفہم عنہ کی ذات کو ذکر کیا جائے گا، یا پھر ایسے اوصاف ذکر کیے جائیں گے، جو مستفہم عنہ کے کیساتھ خاص ہوں، جیسے "فَمَنْ رَبُّكُمَا يَامُوسَى قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى" (سورۃ طہٰ:۴۹-۵۰) یہاں " فَمَنْ رَبُّكُمَا "کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مستفہم عنہ (اللہ تعالیٰ) کے ذات کو ذکر کرتے ہوئے وہ صفات (الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى) ذکر کیے، جو مستفہم عنہ (اللہ تعالیٰ)

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۸۳۔
* "أني" میں تین احتمال ہیں: کبھی "کیف" اور "من این" میں باشتراک لفظی مستعمل ہوتا ہے۔ کبھی ان میں ایک حقیقت اور دوسرا مجاز کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف "این" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیل الامانی:۱/۷۰۴۔
[۲] جواہر البلاغۃ:۸۳۔

کیساتھ خاص ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۲: "ما" استفہامیہ کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔ "ما" شارحہ ۲۔ حقیقیہ۔

۱۔۔۔"ما" شارحہ: اس کو کہتے ہیں جس سے کلمہ کے مفہوم لغوی یا اصطلاحی کی اجمالی طور پر شرح مطلوب ہو، جیسے "ما العنقاء؟" اس سے سائل کا مقصد یہ ہے کہ لفظ عنقاء کا مفہوم اور اس کا موضوع لہ کیا ہے؟ اس کا جواب ایسے الفاظ کیساتھ ہو گا جو عنقاء کے مقابلہ میں مشہور تر ہو۔ مثلاً یوں کہا جائے گا۔ "هو طاهر عجيب له كذا وكذا" کہ یہ تعریفی الفاظ بلحاظ عنقاء کے اشہر ہیں۔

۲۔۔۔"ما" حقیقیہ: وہ ہے جس سے شئ کی نفس الامری حقیقت دریافت کی جائے، جیسے "ما الحركة؟" اس کو جواب ذاتیات، اجناس اور فصول سے دیا جائے گا۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ متکلم مخاطب سے پوچھ رہا ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ حرکت کسے کہتے ہیں یا متکلم مخاطب سے کہہ رہا ہے کہ تم مجھے انسان کی پوری حقیقت بتاؤ تو اس کے جواب میں جنس اور فصل کو ملا کر پوری حقیقت کا بتلانا ضروری ہو گا اجمالی طور پر "الانسان نوع من الحيوان" کہنا کافی نہیں ہو گا[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: استفہام انکاری جب سیاق اثبات میں واقع ہو تو وہ اسے نفی بنا دیتا ہے، جیسے "أم في الله شك؟" أي لاشك فيه۔" اور جب نفی کے سیاق میں واقع ہو تو اسے مثبت بنا دیتا ہے، جیسے " ألم يجدك يتيما" أي وجدناك يتيماً[3]۔

تمرین

درج مثالوں میں ادوات استفہام کی تعیین کیجئے۔

قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ الله. ءَآللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ. أَرَأَيْتَ الذي ينهى عَبْداً إِذَا صلى. أَلَمْ نَشْرَحْ لكَ صَدْرك. وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ؟ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ؟ فأنى تُؤْفَكُونَ؟ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلاَّ القوم الفاسقون؟ فَأَيُّ الفريقين أَحَقُّ بالأمن؟ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ؟ أَمَّن يُجِيبُ المضطر إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السواء؟ بأي ذنب قتلت؟ . ما الحسد؟ فيجاب: بأنه تمني زوال نعمة المحسود . ومتى

---

(۱) مختصر المعانی: ۱/ ۳۱۳،۴۔

(۲) ہامش جواہر البلاغۃ: ۷۸۔

(۳) ہامش جواہر البلاغۃ: ۷۸۔

تسافر؟ . أين تسافر؟ . أنى يفيض نهر النيل؟ . من شيد الهرم الأكبر . ما اللجين؟ فيجاب بأنه الفضة . متى قدمت؟ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ . قولك لقادم عليك وأنت لا تعرفه: ما أنت؟ . كيف التعليم بمصر؟ كم مملكة اشتركت في الحرب العظمى؟ . وكيف أخاف الفقر أو أحرم الغنى . متى يستقيم الظل؟ . ما عرف الخلائق شأني . أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ . أخالد بن الوليد فتح دمشق أم أبو عبيدة بن الجرّاح؟ أدَرَسْتَ مادَةَ التفسير؟ مَتَى قَامَتِ الْحَرْبُ العالميّة الثانية؟ متَى يُفِيضُ الحاجّ من عَرَفَات يوم عرفة؟ مَتَى شَمْسُ الْهِدَايَةِ أَشْرَقَتْ؟ فَقُلْتُ: بِعَامِ الْفِيلِ فِي الْحَرَمِ الْمَكّي؟

ایک حل شدہ مثال:

"فَأَيُّ الفريقين أَحَقُّ بالأمن؟"

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ:احوالِ متعلقہ باجزاءِالجملہ:"أَيُّ الفريقين"اداتِ استفہام مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ بالاضافت غرضِ تعریف ایجازاواختصار......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ تخصیص......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وتعجب......"أَحَقُّ بالأمن"مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسندِ اصالت وانتفاء الحصر......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:جملہ انشائیہ......انشاء طلبی استفہام۔

فصل سیز دہم: استفہام کے معانی مجازیہ

بسا اوقات ادوات استفہام اپنے حقیقی اور موضوع لہ معانی کے علاوہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، بشر طیکہ مجازی معنی مراد لینے پر قرائن موجود ہوں۔ بعض معانی حسب ذیل ہیں[۱]:۔

۱۔ تسوية. ۲-نفی. ۳-إنكار. ۴-أمر. ۵-نهي. ۶-تشويق. ۷-تعظيم. ۸-تحقير واستخفاف. ۹-توبيخ. ۱۰-تعجب. ۱۱-تقرير. ۱۲-تهكم. ۱۳-استبطاء. ۱۴-استبعاد وتعجيب. ۱۵-تنبيه على الخطا. ۱۶-تنبيه على الضلال. ۱۷-تهويل. ۱۸-تمنى. ۱۹-وعيد وتهديد. ۲۰-تحسر. ۲۱-عتاب. ۲۲-تذكير. ۲۳-افتخار. ۲۴-ترغيب.

مذکور معانی کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔تسویہ: ادواتِ استفہام کے ذریعے دو چیزوں میں مساوات اور برابری ثابت کرنا، جیسے "وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ"(سورۃ یس:۱۰) جو لوگ کافر ہو چکے ہیں، برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہاں "لَا يُؤْمِنُونَ" اس بات پر قرینہ ہے کہ استفہام تسویہ کے لیے ہے۔

۲۔۔۔ نفی: کسی چیز کے نہ ہونے کو بتلانا، جیسے "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ"(سورۃ الرحمن:۶۰) نیکی کا بدلہ نیکی ہے۔ یہاں "هَلْ" یہ "ما" نافیہ کے معنی میں ہے[۲]۔

۳۔۔۔ انکار: کسی چیز کی برائی بتلا کر اُس سے روکنا، جیسے "قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ"(سورۃ الانعام:۴۰) مشرکین سے آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم پر اللہ تعالی کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے تب بھی تم اللہ تعالی کے سوا اپنے معبودوں کو پکاروگے؟ اگر تم سچے ہو![۱]

---

[۱] كثيراً ما يخرج الاستفهام عن إرادة طلب الإِفْهامِ والإعلام إلى معانٍ أخرى أشار إليها به، ويُسْتَدَلُّ علَيْهَا مِنْ قرائنِ الحال أو قرائن المقال، إذْ يَسْتَغْنِي الْبُلَغاء بعبارات الاستفهام عن ذكر الألفاظ الدّالة دلالةً صَرِيحةً على مَا يُريدون التَّعْبيرَ عَنْهُ مِنَ المعَاني، وبلاغةُ الدّلالة على هذه المعاني بأسْلُوبِ الاسْتفهام آتيةٌ من التعبير عنها بصورة غير مباشرة وهيَ دلالاتٌ تُتَصيَّدُ بالذكاء.قال شمس الدين ابن الصائغ في كتابه "روض الأفْهام في أقسام الاستفهام":"وقد توسعت العرب، فأخرجت الاستفهام عن حقيقته لمعانٍ، أو أشربته تلك المعاني". وقد أحصى البلاغيّون معاني كثيرة خرج إليه الاستفهام عن حقيقته. (البلاغة العربية:۱/۲۷۰)

[۲] علامہ ابوحیان نے امام سیبویہؒ سے نقل کیا ہے کہ استفہام تقریری ہمزہ ہی کیساتھ ہوتا ہے "هل" کیساتھ نہیں ہوتا، بعض نحویوں کہتے ہیں کہ "هل" تقریر واثبات دونوں کے لیے آتا ہے۔(نیل الامانی:۱/۴۷۴)

٤۔۔۔ امر: کسی کام کے کرنے پر بلیغ انداز میں اُبھارنا اور اس کا حکم دینا، جیسے " فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ "(سورۃ المائدۃ:۹۱) کیا تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آوگے؟ یعنی اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔" وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ "(سورۃ القمر:۱۷) ہم نے قرآن مجید کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان بنادیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟! یہاں مقصود امر ہے، لیکن استفہام کے اسلوب کو اختیار کرکے مخاطب کو قبولِ امر پر رغبت دلانا اور اُکسانا مقصود ہے۔

٥۔۔۔ نھی: کسی کام کے ترک کرنے کا حکم دینا، جیسے " أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ "(سورۃ التوبۃ:۱۳) اے مؤمنو! کیا تم ان مشرکین سے ڈرتے ہو، حالانکہ تمہیں زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنا چاہیے! یہاں " أَتَخْشَوْنَهُمْ " "لَا تَخْشَوْنَهُمْ" کے معنی میں ہے۔

٦۔۔۔ تشویق: جب متکلم مخاطب کو کسی بات کی ترغیب دینا چاہتا ہے اور اپنی بات کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو رغبت اور شوق دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کرتا ہے، جیسے " يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ "(سورۃ الصف:۱۰) اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ یہاں مخاطب کو شوق ورغبت دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، تاکہ سب سے پہلے مخاطب خود اس کا جواب سوچے، پھر جب طلب کے بعد جواب دیا جائے گا تو اچھی طرح دل میں راسخ ہوجائے گا۔

---

(۱) في البلاغة العربية(۳۷۲/۱): شرح الاستفهام المستعْمَل في الإِنْكار: ويُسَمَّى استفهاماً إنكاريّاً، ويُرادُ منه النفي، مع الإِنكار على المثْبِتِ كَيْفَ أَثْبَتَ مَا هو ظاهر النفي، وكانَ الواجبُ عليه أن يَنْفِي، أو مع الإِنكار على المخاطب قضيَّته، وهي باطلةٌ في تصوُّرِ مُوجِّه الاستفهام. وقد يأتي بعدُه الاستثناء كما يأتي بعد المنفي بأداةٍ من أدوات النفي، وقد يعطفُ عليه المنفي. وكثيراً ما يصحبُه التكذيب، وهو في الماضي بمعنى "ما كان" وفي المستقبل بمعنى "لا يكون" وقد يُشْرَبُ الإِنكار معنى التوبيخ والتقريع.كقول الله عزّ وجلّ في سورة (الأحقاف:۳٥):{ ... بَلاَغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلاَّ القوم الفاسقون}.أي: لاَ يُهْلَكُ إِهلاكاً عامّاً شاملاً بعقوبةٍ دُنيويَّةٍ معجَّلةٍ إلاَّ الْقَوْمُ الفاسِقُون، من مستوى فسق الظلم الكبير فلا يكونون فاسقين إلاَّ وهُمْ ظالمون، وكذلك العكس. وقولُ الله عزّ وجلّ في سورة (هود:۲۸) حكايةً لمقالة هود عليه السلام لقومه:{قَالَ ياقوم أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ على بَيِّنَةٍ مِّن ربي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ}.أي: لاَ نجبرُكُمْ بِالإِكْرَاهِ على اتِّباعِ مَا جِئتُكُمْ به، فاتّباع الدين لا يكن إلاَّ بإرادةٍ اختياريّة، إذْ لا إكْرَاهَ في الدين. وقول امرىء القيس:

أَيَقْتُلُنِي وَالْمَشْرَفِيُّ مُضَاجِعِي   وَمَسْنُونَةٌ زُرْقٌ كَأَنْيَاب أغْوَال

۷۔۔۔ تعظیم: کسی کی شان و شوکت اور مقام و مرتبہ بتلانا، جیسے "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" (سورۃ البقرۃ:۲۵۵) اللہ تعالی کے سامنے کیا کسی کو اتنا استحقاق یا مجال ہے کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کی سفارش اس سے کر سکے؟! اس سے " الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ بِإِذْنِهِ" کا احترام و اعزاز بھی مقصود ہے۔

۸۔۔۔ تحقیر و استخفاف: کسی کی تحقیر و تذلیل کرنے کے لیے اداتِ استفہام کو لانا، جیسے " أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ رَسُولًا" (سورۃ الفرقان:۴۱) کیا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالی نے رسول بنا کر بھیجا؟! مشرکین از رائے استہزاء و مذاق یہ کہتے تھے، ان کا مقصود تحقیر اور توہین تھا[1]۔

۹۔۔۔ توبیخ: اداتِ استفہام کو ڈانٹ ڈپٹ اور اظہار ناراضگی کے لیے لانا، جیسے " أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ" (سورۃ الزمر:۳۶) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟! اس آیت میں استفہامی اسلوب اختیار فرما کر مشرکین کو زجر و توبیخ دی گئی ہے کہ یہ مشرکین کی خبط اور گمراہی ہے کہ موحدین کو معبودانِ باطلہ سے ڈرائیں![2]

---

[1] مختصر المعانی:۱/۴۲۳۔

[2] استفہام انکاری کبھی توبیخ کے لیے آتا ہے، یعنی متکلم مخاطب کو اس بات پر ڈانٹا ہے کہ یہ کام ماضی میں نہیں ہونا چاہیے تھا تم نے اسے کیوں کیا ہے، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز ہمزہ کے بعد آتا ہے اس کا وقوع یا تو ہو چکا ہوتا ہے اور یا اس کے واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اگر ہو چکا ہو تو ماضی پر ڈانٹنا ہو گا اور اگر ہونے والا ہو تو مستقبل پر ڈانٹنا ہو گا اور وہ کام بُرا ہونے کی وجہ سے قابل نفرت ہوتا ہے، جیسے " أعصيت ربك؟" یعنی تم نے یقیناً اپنے رب کی نافرمانی کی اور تم کو اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے تھی! توبیخ مستقبل کی مثال، جیسے " أتعصى ربك؟" یعنی تجھے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے! مختصر المعانی:۱/۴۲۲۔

قال الميداني: ويسمَّى استفهاماً توبيخيّاً، أو تقريعيّاً. التقريع: توجيه اللّوم والعتاب الشديد الموجع، وأصلُ الْقَرْعِ الضَّرْبُ. والاستفهام التوبيخي قد يُوجَّهُ للتوبيخ على فعل شيءٍ غير حَسَنٍ في نظر موجّه الاستفهام، أو تركِ فعْلٍ كانَ ينبغي القيامُ به في نظر موجّه الاستفهام.كقول موسى لأخيه هارون بشأن اتّخاذ قومه العجل، فيما حكاه الله عزّ وجلّ في سورة (طه: ۹۲ - ۹۳):{قَالَ ياهرون مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضلوا * أَلاَّ تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي} فَمُوسَى عليه السلام يلوم أخاه بشدَّةٍ على أمْرٍ ظَنَّ أنَّهُ ارتكَبَهُ، وَهُو معصيةُ أَمْرِه، لكنَّ هارُونَ عليه السلام اجْتَهَد وَلَمْ يَعْصِ، والمعنى: مَا مَنَعَكَ عَنِ اتباعي وحَمَلَكَ على ألاَّ تتَّبِعَني. وقول إبراهيم عليه السلام لقومه بشأن أصنامهم التي يعبدونها، فيما حكاه الله عزّ وجلّ في سورة (الصّافات: ۹۵ - ۹۶) :{قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ * والله خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ}. فإبراهيم عليه السلام يوبّخهم على أنّهم يَعْبُدون أوثاناً ينحوتها بأيديهم، والله خلقهم وخلق أوثانهم التي يعبدونها، وهو الذي يجب أن تكون العبادة له وحده. (البلاغة العربية:۱/۲۷٤)

۱۰۔۔۔ تعجب: کسی چیز پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرنا، جیسے ”قَالَتْ يَاوَيْلَتَى أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ“(سورۃ ہود:۷۲) ارے! کیا میں اس عمر میں بچہ جنوں گی ایسا ہوا تو بڑی انوکھی اور عجیب وغریب بات ہوگی؟! یہاں استفہامی اسلوب اختیار کرنے سے مقصود تعجب اور حیرت ہے۔

۱۱۔۔۔ تقریر: اس کے دو مطلب ہیں، ایک طلبِ اقرار اور دوسرا تحقیق واثبات۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

(الف)۔۔۔ طلبِ اقرار: اس کا مطلب ہے جرم اور گناہ کا اعتراف کرنا، جیسے ”أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ“(سورۃ الانبیاء:۶۲) اور ”أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ“(سورۃ المائدۃ:۱۱۶) ان دونوں آیاتوں میں جرم کا اعتراف کرانا مقصود ہے۔

(ب)۔۔۔ تحقیق واثبات: اس مطلب ہے کہ کسی بات کو ثابت کرنا اور منوانا، جیسے ”أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ“(سورۃ الانشراح:۱-۲) کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور ”أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ“(سورۃ الفیل:۲) کیا تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کی تمام تدبیروں کو بے کار نہیں کیا؟ ان آیات میں ایک واقعی اور تحقیقی بات کو استفہامی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، جس کا مقصد مخاطب کو تدبُّر کرنے پر اُبھارنا اور متنبہ کرنا مقصود ہے[1]۔

۱۲۔۔۔ تهكم: مخاطب کی تحقیر اور مذاق اڑانا، جیسے ” قَالُوا يَاشُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ“(سورۃ ہود:۸۷) کیا تیری نماز پڑھنے سے تجھے یہ سکھلایا ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑدے، جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے! معاندین نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بطور استہزاء اور تمسخر کے یہ کہتے تھے کہ بس زیادہ بزرگ نہ بنئے! کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقل مند اور باوقار ہیں؟ اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق تھے؟!

---

[1] قال الميداني: ويُسمَّى استفهاماً تقريريّاً، والمرادُ منه حَمْلُ المخاطَب على الإِقْرار والاعتراف بأمْرٍ قد استقرّ عنده العلْمُ به، أو هو أمْرٌ باستطاعته معرفته حِسِّيّاً أو فكْرِيّاً، موجباً كان أو سالباً.فمن ادَّعى أَنَّكَ جئْتَه وأنْتَ لم تأته، قد توجّه له استفهاماً تقريريّاً قائلاً: هَلْ أَنَا جئتك؟ ومتى جئتُك؟ وَمَاذَا كَانَ حين الْتَقَيْتُكَ، لتنزعَ منه الإقرارَ والاعْتِراف بأنَّك لم تَأْتِهِ. ومن بَدا عليه أماراتُ إنكارِ أمْرٍ وقع، قَدْ توجِّه له استفهاماً تقريرياً، قائلاً: أَلَمْ يحدُثْ كذا؟ أَلَمْ أفعلْ كذا؟ أَلَمْ يكُنْ منْكَ كذا وكذا؟ لِتَنْتَزِعَ منه الإقرار الاعتراف بالأمر الذي قد حدث ووقع فعلاً.قول الله عزّ وجلّ لرسوله في سورة (الشرح١-٤): {أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ * وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ * الذي أَنقَضَ ظَهْرَكَ * وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ}. (البلاغة العربية:١/٢٧٦)

۱۳۔۔۔استبطاء: کسی کام کو دیر سے ہونا سمجھنا، جیسے "أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ"(سورۃ البقرۃ:۲۱۴) کیا تمہیں اس بات کی طمع ہے کہ بلا آزمائش جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ اپنے بندوں کو سخت آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے، جیسے اگلی امتوں کو ایذائیں پیش آئیں، حتی کہ نبی انہیں تسلی دیتا رہا اور اہل ایمان یہ بول اٹھے کہ اللہ تعالی نصرت و مدد کب آئے گی؟ خبر دار! اللہ تعالی کی مدد قریب ہے۔ یعنی انہوں نے نصرت الہی کو بہت لمبا گمان کیا اور بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے[1]۔

۱۴۔۔۔ استبعاد و تعجیب: استفہام سے کبھی استبعاد مراد ہوتا ہے، یعنی مستفہم عنہ کو ناممکن اور خارج از امکان بتلایا جاتا ہے، جیسے "فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ"(سورۃ ق:۲-۳) مشرکین اور کفار بعث بعد الموت کو مستبعد ناممکن سمجھتے تھے اور اس کے وقوع کے منکر تھے، اس لیے انہوں نے اس کو بہ صیغہ استفہام تعبیر کر کے اس کا استبعاد ظاہر کیا۔

۱۵۔۔۔تنبیہ علی الخطا: استفہام سے کبھی غلطی سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ"(سورۃ البقرۃ:۶۱) حضرت موسی علیہ السلام نے ان کی خطاء پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز ہر طرح سے بہتر ہے، اسے لہسن اور پیاز سے بدلتے ہو؟!

۱۶۔۔۔تنبیہ علی الضلال: استفہام سے کبھی مخاطب کو گمراہی پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ* إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ"(سورۃ التکویر:۲۶-۲۷) اللہ تعالی نے مشرکین کو ضلالت و گمراہی پر متنبہ کیا اور معاندین کو غور و فکر پر ابھارنے کی غرض سے استفہامی اسلوب اختیار فرمایا اور کہا: اے مشرکو! اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو؟!

۱۷۔۔۔ تہویل: استفہامی اسلوب سے کبھی ایک چیز کو ہولناک اور سنگین بتلا کر مخاطب کو خوف زدہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے "الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ"(سورۃ الحاقۃ:۱-۳) وہ ثابت ہونے والی کیا ہے؟ وہ ثابت

---

[1] يستبطىء الموعود بوعْدٍ حدوث الموعود به، وقد يعبّر عن استبطائه له بأسلوب الاستفهام، فيقول لمن وعده بزيارته له: متَى تأتينَا؟. متى تزورنا؟ حتَّى متَّى تعِدُنا وَلا تفي بوعدك؟ (البلاغۃ العربیہ:۱/۲۹۴)

ہونے والی کیاہے؟ جانتے ہووہ گھڑی کیاچیز ہے؟ یہاں قیامت کی ہولنا کی بتلانا مقصود ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی چاہے کتناہی سوچے اس کی ہولناک مناظر کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتا![1]

۱۸۔۔۔ تمنی: استفہام سے کبھی سائل محال یاشبیہ بالمحال امور کا سوال کرتا ہے، جیسے"فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ"(سورۃ الاعراف:۵۳) جہنمی جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے اس وقت ایسے سفارشیوں کی تلاش ہو گی، جو باری تعالی کی سزا معاف کر دیں، لیکن ایسا سفارشی انہیں کہاں ملے گا اور وہ اس ہولناک اور سخت عذاب کو دور کرنے کے لیے ایک غیر ممکن الحصول چیز کی تمنا کریں گے کہ ہمیں دوبارہ دُنیامیں بھیج دیجئے! ہم نیک اعمال کریں گے، لیکن یہ تمناان کی کہاں پوری ہو سکتی ہے؟

۱۹۔۔۔ وعیدوتھدید: استفہامی اسلوب کبھی ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اختیار کیاجاتا ہے، جیسے"أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ"(سورۃ الفیل:۱) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیاحشر کیا؟ یہاں مقتضائے حال کے مطابق اخباری اسلوب ہوناچاہیے تھا کہ اے مکہ والو! تم ماضی قریب میں پروردگارعالم کا ہاتی والوں کیساتھ معاملہ دیکھ چکے ہو! لیکن اسی مضمون کوڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی اسلوب اختیار کیا گیا۔

۲۰۔۔۔ تحسروافسوس: استفہام کے ذریعے مستفہِم زمانہ ماضی پر حزن وملال اور افسوس ظاہر کرے، جیسے"فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ"(سورۃ القیامۃ:۷-۱۰) جب اللہ تعالی کی تجلی قہر سے آنکھیں چندھیانے لگے گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائے گی، چاند بے نور ہو جائے گا، سورج سر سے قریب آجائے گا، اس وقت انسان بدحواس ہو کر کہے گا کہ آج کدھر بھاگوں؟ کہاں پناہ لوں؟ ان آیات میں استفہام انسان کی گذشتہ زندگی پر حسرت وندامت کا ظاہر کر رہا ہے۔

۲۱۔۔۔ عتاب: کسی سے تعلق کی بناء پر اس لیے اظہارِ ناگواری کرنا، تاکہ وہ اپنے فعل کی اصلاح کرلے جو ناگواری کا باعث ہو، جیسے" أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ"(سورۃ الحدید:۱۳) کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارے دل قرآن اور اللہ تعالی کی یاد کے سامنے جھک جائے اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگے! اس آیت میں اہل ایمان سے ایک قسم ناگواری کا اظہار کیا گیا ہے کہ تم ان منافقین کے پیچھے نہ چلنا![2]

---

[1] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۸۴۔

[2] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۸۰۔

۲۲ ۔۔۔ تذکیر: استفہامی اسلوب وعظ ونصیحت کے لیے اختیار کیا گیا ہو، جیسے "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ "(سورۃ یوسف:۸۹) اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے سوال کا پیرایہ نرم اختیار فرمایا جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے، یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی نا سمجھی اور بے وقوفی سے ہو گئی!

۲۳ ۔۔۔ افتخار: استفہامی اسلوب سے مقصود فخر ہوتا ہے، جیسے فرعون نے کہا تھا" أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ "(سورۃ الزحرف:۵۱) کیا مصر کا اقتدار میرے پاس نہیں ہے ؟ اس میں فرعون استفہام کی صورت میں فخر کر رہا ہے۔

۲٤ ۔۔۔ ترغیب: استفہامی اسلوب کبھی ترغیب اور شوق دلانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، جیسے " مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا "(سورۃ البقرۃ:۲۴۵) کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے ؟ اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے [1]۔

قواعد و فوائد

فائدہ نمبر ۱: نفی صریحی اور نفی بطریق استفہام میں فرق یہ ہے کہ استفہام کی صورت میں مخاطب کو نفی کیساتھ منفی عنہ سے رُکنے پر اُبھارا جاتا ہے، نیز منفی عنہ کے بارے میں بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے پر آمادہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے، تاکہ بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے کے نتیجے میں مخاطب کے سامنے غلطی واضح ہو جائے اور اس کام سے ہمیشہ دور رہے، دیکھئے اللہ تعالی کے یہ فرمان:" وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا "(سورۃ البقرۃ:۱۱۴) اور" وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّٰہِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ "(سورۃ العنکبوت:٦٨) وغیرہ میں کس قدر بلیغ اسلوب سے مخاطب کو سوچنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے، لیکن یہ فائدہ نفی صریحی میں نہیں پایا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: استفہام انکاری کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) استفہام انکاری توبیخی (۲) استفہام انکاری تکذیبی۔ پھر ان میں سے ماضی اور مستقبل کے اعتبار سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، تو یہ کل چار قسمیں ہوئیں:۔ (۱) استفہام انکاری توبیخی باعتبار ماضی (۲) استفہام انکاری توبیخی باعتبار مستقبل (۳) استفہام انکاری تکذیبی باعتبار ماضی (۴) استفہام انکاری تکذیبی باعتبار مستقبل۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ:۱/۲۹۰۔

۱۔۔استفہام انکاری توبیخی باعتبار ماضی:اس کا مطلب یہ ہے۔"ماکان ینبغي أن یقع"یعنی ماضی میں ہونے والی چیز کا وقوع مناسب نہ تھا، جیسے "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ" (سورۃ یوسف:۸۹)

۲۔۔ استفہام انکاری توبیخی باعتبار مستقبل:اس کا مطلب یہ ہے۔"ینبغي أن لایکون"یعنی مستقبل میں یہ نہ ہوناچاہیے، جس کا مستفہَم کو خطرہ ہے، جیسے" يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا"(سورۃ النساء:۱۴۴) اہل ایمان سے اس ارادہ کا وقوع نہیں ہوا تھا، لیکن مستقبل میں اس کے وقوع کا خطرہ تھا۔

۳۔۔ استفہام انکاری تکذیبی باعتبار ماضی:اس کا مطلب یہ ہے۔"لم یکن"یہ معاملہ ماضی میں نہیں ہوا، جیسے " أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا" (سورۃ بنی اسرائیل:۴۰)اس استفہام سے مشرکین قول کی تکذیب ہوتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے یہ کام بالکل نہیں ہوا۔

۴۔۔ استفہام انکاری تکذیبی باعتبار مستقبل:اس کا مطلب یہ ہے۔"لن یکون"یہ تو ہرگز نہیں ہوگا، جیسے "أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ"(سورۃ ہود:۲۸)، یعنی ہم تمہیں ہدایت پر مجبور کریں یہ ہرگز نہ ہوگا، کیونکہ عدم اکراہ فی الدین سنت اللہ ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۲: استبعاد اور استبطاء میں فرق یہ ہے کہ استبعاد کے متعلَق کی توقع نہیں ہوتی، جب کہ استبطاء کے متعلَق کی توقع ہوتی ہے، نیز استبطاء میں مسئول عنہ کے ظہور اور وقوع کا انتظار ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر۳: تقریر اکثر وبیشتر ہمزہ کیساتھ ہوتی ہے اور مقرر بہ اس کیساتھ متصل ہوتی ہے، جیسے "أفعلتَ هذا؟"[2]

قاعدہ نمبر۴:" أنی" کبھی "کیف" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم اس کے بعد فعل کا ہونا ضروری ہے اور" أنی زید" بمعنی "کیف زید" نہیں آتا[3]۔

قاعدہ نمبر۵: انکار کے اندر نفی کے لحاظ سے استفہام کے معنی پائے جاتے ہیں اس کا مابعد منفی ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کیساتھ "الا" حرف استثناء ضرور آتا ہے جیسے "فهل یهلك إلا القوم الفاسقون" اور "هل نجازی

---

(۱) مختصر المعانی:۱/۴۲۲۔

(۲) ہامش جواہر البلاغہ:۷۸۔

(۳) نیل الامانی:۱/۴۶۹۔

إلا الکفور"[1]۔

قاعدہ نمبر٦: شیخ ابو حیانؒ نے امام سیبویہؒ سے نقل کیا ہے کہ استفہام تقریری ہمزہ کیساتھ ہی ہوتا ہے، "ھل" کیساتھ نہیں[2]۔

قاعدہ نمبر٧: علامہ میدانیؒ نے استفہام کے مذکورہ معانی مجازیہ علاوہ تیرہ معانی اور ذکر کیے ہیں، جو یہ ہیں:۔ تسہیل وتخفف، تکثیر، دعا، استرشاد، عرض، تحضیض، مدح وذم، اکتفاء، ایناس، اخبار، تاکید وغیر۔ تو یہ کل بتیس قسمیں ہیں[3]۔

تمرین

درج مثالوں میں استفہام کے معانی مجازیہ کی تعیین کیجئے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ . سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ . أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى . هل الدهر إلا ساعة ثم تنقضي . وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ . أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ . أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ، ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ . الْقَارِعَةُ، مَا الْقَارِعَةُ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ . أَلاَ تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ الله لَكُمْ. أَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوْماً نكثوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ الرسول. أهذا الذي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ. أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِين. أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِين. أَلا تَأْكُلُونَ * مَا لَكُمْ لاَ تَنطِقُونَ. أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارتابوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ الله عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ. أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ العذاب أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النار. اتعبدون ما تنحتون . مالهذا الرسول ياكل الطعام ويمشي في الأسواق أهذا الذي كنت تطنب في مدحه .

ایک حل شدہ مثال:

"أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ":

---

[1] نیل الامانی: ۱/ ۴۷۶۔

[2] نیل الامانی: ۱/ ۴۷۳۔

[3] البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۸۰۔

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "أَ" استفہام...... "تَأْمُرُونَ" **فعل مسند محکوم بہ**...... **مقدم غرضِ تقدیم کون المسند عاملاًاو تخصیص**...... **مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجود مایدل علیہ وحدوث**......اس میں "واوَ" **ضمیر بارز فاعل مسند الیہ محکوم علیہ**...... **معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب**...... **مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود ما یایدل علیہ**...... "النَّاسَ "مفعول بہ......اسناد اسنادِ حقیقی...... "بِالْبِرِّ" **جار مجرور متعلق** بہ "تَأْمُرُونَ" ...... **فعل** اپنے فاعل، مفعول بہ اور **متعلق** سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ......انشاءِ طلبی استفہام......استفہام مستعمل فی المعنی المجازی...... غرضِ استعمال توبیخ و تعجب۔

فصلِ چہارم: تمنی کا بیان

تمنی کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"تمنی" باب تفعل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: آروز کرنا، خواہش کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسی محبوب ومرغوب چیز کے طلب کرنے کو تمنی کہتے ہیں، جس کے حصول کی اُمید دووجہوں سے نہ کی جاتی ہو۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کا حصول محال ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا وقوع خارج میں بعید ہو۔ پہلے کی مثال، جیسے "لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا" (سورۃ البقرۃ:۱۶۷) مشرکین اس وقت کہیں گے کہ اگر اسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں، جس طرح یہ آج ہم سے جدا ہو گئے! لیکن اس آرزوئے محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہو گا۔ یہاں "لو" ادات تمنی ایک امر محال کے حصول کے لیے مستعمل ہے۔ اور "وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا" (سورۃ الفرقان:۲۷) قیامت کے دن کافر اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے اور افسوس کریں گے کہ دُنیا میں کیوں رسولِ خدا کا راستہ اختیار نہیں کیا؟! لیکن انہیں اس امر محال کے تمنی اور آرزو کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ دوسرے (بعید الوقوع) کی مثال، جیسے "يَالَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ" (سورۃ القصص:۷۹) کاش! ہم بھی دُنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے، جس طرح قارون کو حاصل ہے، یہ بڑی عزت اور قسمت والا ہے! یہاں قارون کا سارا خزانہ حاصل کرنا محال نہیں تھا، لیکن قوم کے دیگر افراد کے لیے بعید الوقوع ضرور تھا![1]

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ ادواتِ تمنی چار (لیت، لعل، هل، لو) ہیں، جن میں ایک اصلی اور باقی تین غیر اصلی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔۔۔ حرفِ "لیت": حرفِ "لیت" کے ذریعے تمنا کرنا اور اصل میں "لیت" کو تمنی کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے "يَالَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا" (سورۃ مریم:۲۳) اے کاش! میں اس وقت کے آنے سے پہلے مر چکی ہوتی! دُنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا! اور اس کے علاوہ باقی حروف مجازاً تمنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔ حرفِ "هـــل": حرفِ ہل کے ذریعے تمنا کرتے ہوئے مستحیل الوقوع کی طرف اپنی شدتِ رغبت اور کمال توجہ ظاہر کرنا، جیسے " قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ

---

[1] البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۵۱۔

سَـــبِيلٍ "(سورۃ غافر:۱۱)اس آیت میں استفہامی اسلوب میں تمنی کا اظہار کر کے مستحیل الوقوع کو ممکن الوقوع کی شکل میں ظاہر کر کے شدتِ رغبت اور کمال توجہ کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔۔۔حرفِ "لو": حرفِ لو کے ذریعے تمنی کا اظہار کرنا، جیسے "أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَـذَابَ لَـوْ أَنَّ لِي كَـرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِـنِينَ "(سورۃ الزمر:۵۸)جب وہ جہنم کا عذاب اپنے آنکھوں سے دیکھ لے گا تو اس وقت کہے گے کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے، دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں![1]

۴۔۔۔حرفِ "لعل": حرفِ "لعل" کے ذریعے تمنی کا اظہار کرنا، جیسے "وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَاهَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ، أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُـوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّـهُ كَاذِبًـا "(سورۃ المؤمن:۳۶-۳۷) یہاں آسمانون تک پہنچنا امرِ محال ہے، جو "لیت" کا تقاضا کرتا ہے، لیکن اس کو امرِ ممکن قریب الحصول بتلانے کے لیے "لعل" کو ذکر کیا ہے[2]۔

---

[1] "لو" تمنائیہ کا قرینہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا جواب منصوب ہوتا ہے، کیونکہ اگر "لو" شرطیہ ہو تو اس کے جواب اور جزاء پر جزم آنا چاہیے اس کے جزاء پر جزم کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ "لو" تمنائیہ ہے اور یہاں پر "ان" مقدر ہے اور جواب تمنی کا ہونا "ان" مقدر ہونے کے مقامات میں سے من جملہ ایک مقام ہے، جیسے "لو تاتینی فتحدثنی" اس میں "لو" شرطیہ نہیں، کیونکہ اگر "لو" شرطیہ ہوتا جو شرط و جزاء دونوں مجزوم ہوتے ہیں۔ مختصر المعانی:۱/۳۹۱۔

[2] مختصر المعانی:۱/۳۹۳۔

فصل پانزدہم: ترجی کا بیان

ترجی کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"ترجی" باب تفعل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: امید رکھنا، توقع رکھنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی متوقع الحصول شئ کا منتظر رہنا، اس وقت شئ مطلوب کو ایسے کلمات اور ادات سے ظاہر کیا جاتا ہے، جو ترجی اور توقع پر دال ہوں، اور اداتِ ترجی دو ہیں، ایک "لعل" اور دوسرا "عسیٰ" ہے۔ "لعل" کی مثال جیسے "وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى" (سورۃ عبس: ۳-۴) اور "عسیٰ" کی مثال، جیسے "فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ" (سورۃ المائدۃ: ۵۲)۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: اداتِ اربعہ میں صرف "لیت"، تمنی کے لیے موضوع ہے اور باقی تین "هل، لو، لعل"، تمنی کے لیے علی سبیل المجاز استعمال ہوتے ہیں، اس لیے کہ "لعل" ترجی کے لیے موضوع ہے اور "هل" استفہام کے لیے موضوع ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: حرف تمنی "لیت" سے حرف "لعل" کی طرف عدول کی وجہ یہ ہے کہ متمنِی متمنَی کی طرف کمال توجہ ظاہر کرنے کے لیے متمنَی کو حرف "هل" کے ذریعے شئ ممکن کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، جیسے "فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ" (سورۃ المؤمن: ۱۱) کیا جہنم سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ یعنی افسوس! اب یہاں سے نکل کر بھاگنے کی بہ ظاہر کوئی راہ نظر نہیں آتی، ہاں! آپ قادر مطلق ہیں، جہاں دو مرتبہ موت وحیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دُنیا کی طرف واپس بھیج دے![۲]

قاعدہ نمبر ۳: حرف تمنی "لیت" سے حرف "لو" کی طرف عدول کی وجہ یہ ہے کہ متمنیٰ کی نُدرت اور اس کے قلیل الوقوع ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے متمنیٰ کو بذریعہ حرف "لو" غیر موجود چیز کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، جیسے "لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" (سورۃ الحشر: ۲۱) یعنی اللہ تعالی کی چاہت تو یہ تھی کہ انسان قرآن مجید کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا، لیکن مقام حسرت وافسوس ہے کہ عام انسانوں کے دلوں پر قرآن مجید کا کوئی اثر نہ ہوا، حالانکہ قرآن مجید تو اس قدر مؤثر کتاب ہے کہ اگر بالفرض پہاڑ جیسی

---

(۱) مختصر المعانی: ۱/ ۳۹۰۔

(۲) مختصر المعانی: ۱/ ۳۹۱۔ البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۵۱۔

سخت چیز پر نازل ہو جاتا تو وہ بھی خوف کے مارے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا![۱]

قاعدہ نمبر۴: حرف تمنی ''لیت'' سے حرف ''لعل'' کی طرف عدول کی وجہ یہ ہے کہ ''لعل'' سے ذریعے مرجوعنہ کا ایسا بُعد بیان کیا جاتا ہے، جس کے حصول کی امید نہ کی جاسکے، جیسے '' فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى ''(سورۃ طٰہٰ:۴۴) یعنی فرعون کیساتھ نرم گفتگو کرو تاکہ وہ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرلے، یا اللہ تعالی عظمت وجلال سُن کر ڈر جائے اور فرماں برداری کی طرف جُھک جائے![۲]

قاعدہ نمبر۵: کبھی حرف ''لعل'' محض اُمید ورجاء کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ نہی اور حکم واجبی کے لیے ہوتا ہے، جیسے '' فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ''(سورۃ الکہف:٦)[۳]

قاعدہ نمبر٦: دراصل ''ھلا، لولا، لوما'' بھی ''لو'' سے ماخوذ ہیں اور فعل ماضی پر دخول کے وقت تندیم کا معنی اور فعلِ مضارع پر دخول کے وقت تحضیض کا معنی دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر٦: تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی کا استعمال ممکنات اور ممتنعات دونوں میں ہوتا ہے اور ترجی کا استعمال فقط ممکنات میں ہوتا ہے، ممتنعات میں نہیں ہوتا۔

فائدہ نمبر۷: اُردو میں تمنی کے لیے کاش! اے کاش! خدا کرے! وغیرہ اور ترجی کے لیے شاید، اُمید ہے، توقع وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر۸: تمنی میں یہ شرط نہیں کہ متمنی اور مطلوب ممکن الوجود ہو بلکہ عام ہے کہ متمنی ممکن الوجود ہو یا محال ہو۔ جب کہ ترجی میں مطلوب اور متمنی کا ممکن ہونا ضروری ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر۹: علامہ قرافیؒ نے کتاب الفروق میں تمنی اور ترجی کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ ترجی کا استعمال قریب میں ہوتا ہے اور تمنی کا استعمال بعید میں ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تمنی کا استعمال اس چیز میں ہوتا ہے جس کا نفس شوقین ہو اور ترجی اس کے ماسوا میں مستعمل ہوتی ہے[۵]۔

---

[۱] مختصر المعانی:۱/۳۹۱۔ البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۵۱۔

[۲] البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۵۱۔

[۳] مختصر المعانی:۱/۳۹۲۔

[۴] نیل الامانی:۱/۴۴۹۔

[۵] نیل الامانی:۱/۴۴۹۔

قاعدہ نمبر۱۰:جب ایک چیز ممکن الوصول ہوتو اس کو ترجی کہتے ہیں اور اس کو ''عسی ''کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے ''عسی الله أن یاتی بالفتح''[۱]۔

قاعدہ نمبر۱۱:''لو''پانچ معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ۱۔ عرض،جیسے ''لوتنزل بنافتصیب خیرا''۔ ۲۔ تقلیل،جیسے ''أولم ولوبشاة''۔ ۳۔مصدریہ،جیسے ''یود أحدهم لویعمرالف سنة''۔ ۴۔ تمنی،جیسے ''فلو أنا لناکرة''۔۵۔شرطیہ،جیسے ''لوکانت الشمس طالعة کان النهارموجودا''[۲]۔

فائدہ نمبر۱۲:''لو''تمنائیہ میں اختلاف ہے اکثر نحات نے اس کا انکار کیا ہے، لیکن امام سیبویہؒ وغیرہ کے نزدیک کلمہ ''لو''کا تمنی کے لیے ہونا حق ہے اس کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے، جیسے ''فلو أنالناکرة...''[۳]۔

قاعدہ نمبر۱۳:اس میں اختلاف ہے کہ جو''لو''تمنی کے لیے ہوتا ہے یہ مستقل قسم ہے یا یہ ''لو''شرطیہ ہی ہوتا ہے،علامہ صائغ،ابن ہشام،خضروی کے نزدیک مستقل قسم ہے جس کے لیے جواب کی ضرورت نہیں، کبھی جواب آتا ہے،جیسے ''ولوٰامنوا واتقوا لمثوبة من عندالله خیر''۔اور بعض حضرات کے نزدیک یہ ''لو'' شرطیہ ہی ہوتا ہے، لیکن اس سے تمنی بھی حاصل ہو جاتی ہے[۴]۔

فائدہ نمبر۱۴: علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ حروف تندیم و تحضیض ''هلا، ألا، لوما، لولا''اسی ''لو''سے ماخوذ ہیں جو معنی تمنی میں مستعمل ہوتا ہے بایں صورت کہ ''هل''اور ''لو''کو ''ماولا''زائدہ کیساتھ بغرض تضمین معنی تمنی کے مرکب کر دیا گیا ہے تاکہ ان سے زمانہ ماضی میں تندیم(جیسے هلا اکرمت زیدا) اور مستقبل میں تحضیض(جیسے لوماتأتنا بالملائکة)مراد لیا جائے[۵]۔

تمرین

درج مثالوں میں تمنی اور ترجی کی تعیین کیجئے۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۸۶،علوم البلاغۃ:۵۳۔

[۲] نیل الامانی:۱/۴۵۱۔

[۳] نیل الامانی:۱/۴۵۱۔

[۴] نیل الامانی:۱/۴۵۱۔

[۵] نیل الامانی:۱/۴۵۴،علوم البلاغۃ:۵۳۔

فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُواْ لَنَا. فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ المؤمنين. لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا. هَلْ إِلَى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ . ألا ليت الشباب يعود يوما. هلا شققت عن قلبه. عسى الله أن يأتي بالفتح . لو ياتينا فيحدثنا . لعلي احج فأزورك . لولا أَشُقَّ على المسلمين ما قَعَدْتُ خِلاَفَ سرية تخرج فى سبيل الله أبدا. عسى الله أن يجري المودة بيننا . لعل له عذار وأنت تلوم . لعلي إلى من قد هويت أطير. لولا أن لا تدافنوا لدعوت الله. هلا تخلص في عملك . هَلْ مِنْ صَائِدْ . ليت المدائح تستوفي مناقبه . فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى . يَالَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ. لولا ضعف الكبير وبكاء الصغير لأَخَّرت العشاء إلى عتمة الليل. ليت رجلا من أصحابى يحرسنى الليلة. هلا بالقرآن تغنى. لعل الله أن يتجاوز عنا. ليت إخواننا يعلمون من أصبنا من الخير. لعل هوام الأرض قتلته. لعل الله يهدى لى شهادة. هلا استرقيتم له من العين. لولا أن أشق على أمتى لأمرتهم بالسواك.

ایک حل شدہ مثال:

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ:"لَعَلَّ "حرفِ ترجی......لفظ"اللّٰہَ"مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ بہ عَلم غرضِ تعریف تعظیم وتوقیر وبیان الاختصاص......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم تخصیص،استلذاذ وتبرک......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ واستلذاذ وتبرک وافادۃ الہیبۃ......"يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا"جملہ مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر اصالتِ تنکیر مسند......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل علیہ......اسناد اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:جملہ انشائیہ......انشاء طلبی ترجی۔

فصلِ ششد ہم: نداء کا بیان

نداء کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"نداء" لغت میں آواز، پکار، بلاوا اور صداء کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مخاطب کی توجہ کو ایسے حرف سے طلب کرنا، جو "ادعو" فعل محذوف کے قائم مقام ہو، خواہ یہ حرف لفظاً مذکور ہو یا نہ ہو، لفظاً مذکور ہونے کی مثال، جیسے " يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا "(سورۃ المزمل:۱-۴) اور تقدیراً کی مثال، جیسے "يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا "(یوسف:۲۹)۔

ادواتِ نداء درج ذیل آٹھ ہیں:۔

"١- أَ ٢- أَيْ ٣- يَا ٤- آ ٥- آي ٦- أَيَا ٧- هَيَا ٨- وَا."[1]

ان میں ہمزہ اور "أی" منادیٰ قریب کے لیے مستعمل ہوتے ہیں اوران کے علاوہ باقی تمام حروف منادیٰ بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اور نداء کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ منادیٰ کو کسی اہم اور مہتم بالشان چیز کی طرف متوجہ کیا جائے، اسی وجہ سے نداء کے بعد امر، نہی، استفہام یا کسی حکم شرعی کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے "يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ "(سورۃ المدثر:۱-۴) "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ "(سورۃ المائدۃ:۸۷)، "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ "(سورۃ البقرۃ:۱۵۳)، "يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ "(سورۃ التحریم:۱) وغیرہ۔ مذکورہ تمام آیات میں نداء کے بعد امر، یا نہی، یا استفہام اور یا کسی حکم شرعی کا بیان ہے۔

---

[1] أمَّا "أَ – أَيْ" فلنِدَاء القريب. وأمّا "أَيَا – هَيَا – آ" فلنداء البعيد. وأمّا "يا" فالراجح أنّها موضوعةٌ لنداء البعيد حقِيقةً أو حكْماً، وقيل مشتركة. وتُسْتَعَمل "وَا" للنّدْبة، وهيَ الَّتي يُنَادَى بها المندوبُ الْمُتَفجَّعُ عليه، وتُسْتَعْمَلُ في النُّدْبة أيضاً "يَا" عند أَمْنِ الالتباسِ بالنداءِ الحقيقي. (البلاغة العربية:۲٤١/١)

فصلِ ہفدہم: نداء کے اغراضِ مجازیہ

بسا اوقات حرف نداء اپنے معنی موضوع لہ، یعنی مخاطب کی توجہ طلب کرنے کے علاوہ دیگر مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بشرطیکہ معنی مجازی مراد لینے پر کوئی قرینہ پایا جائے۔ ان میں چند معانی یہ ہیں:۔

۱۔ إغراء ۲-تأنيس ۳-تحريض ٤-تنبيه ٥-زجروتوبيخ ٦-ترحم وترفيق ۷-تأسف ۸-استغاثة ۹-ندبة ۱۰-تعجب ۱۱-تحسر وتحزن ۱۲-تحير وتضجر ۱۳-توجع ١٤-تذكر.

مذکورہ معانی کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔اغراء: حرف نداء بعض اوقات اُبھارنے اور للکارنے کے معنی میں **مستعمل** ہوتا ہے، جیسے "يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا"(سورۃ ازمر:۵۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استغفار پر اُبھانے کے لیے یہ اسلوبِ خطابی اختیار کیا ہے۔ عام مثال اس کی یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم تمہارے پاس اپنی مظلومیت کا حال بیان کرنے آتا ہے اور کہتے ہو۔ "یامظلوم!" اُومظلوم! دیکھئے یہاں نداء سے حقیقی معنی بُلانا مراد نہیں ہے، بلکہ اس کو ظالم کے خلاف اُبھارنا مطلوب ہے، تاکہ مظلوم اپنی مظلومیت کی پوری داستان بیان کر سکے[1]۔

۲۔۔۔ تانیس: حرف نداء کبھی مانوس اور تلطف کے معنی میں **مستعمل** ہوتا ہے، جیسے "يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ"(سورۃ المدثر:۱-۴) بعض روایات میں آتا ہے کہ مشرکین مکہ دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے لیے کوئی لقب تجویز کیا جائے، کسی نے کاہن کہا۔ کسی نے ساحر کہا۔ کسی نے مجنون کہا۔ بالآخر ساحر پر اتفاق رائے ہوا۔ تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس خبر سے غم زدہ اور رنجیدہ ہو کر کپڑوں کو لپٹ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے تانیس وملاطفت کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں[2]۔

۳۔۔۔ تحریض: حرف نداء کبھی کسی کام پر آمادہ کرنے اور رغبت دِلانے کے معنی میں **مستعمل** ہوتا ہے، جیسے ایک روایت میں آتا ہے۔ "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ!"[3] میری اُمت میں جس کے دو پیش رَو (بچے) ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! جس کا ایک فرط

---

[1] مختصر المعانی:۱/۴۳۸۔

[2] الدرالمنثور للسیوطی:۸/۳۲۵۔

[3] سنن الترمذی:۳/۳۶۸، رقم:۱۰۶۲۔

ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خیر کی باتیں معلوم کرنے کی توفیق دی ہوئی عورت! جس کا ایک فرط ہو اس کے لیے بھی وہی ثواب ہے! یہاں "یَامُوَفَّقَةُ!" تحریض علی السوال کے لیے ہے۔

٤۔۔۔ تنبیہ: حرف نداء کبھی مخاطب کو محض آگاہ کرنے اور متنبہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہ اس وقت ہوگا جب حرفِ نداء حروف پر داخل ہوں، جیسے حدیث میں آتا ہے۔"يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الآخِرَةِ"[1] بہت سی عورتیں دُنیا میں بظاہر کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔ یہاں حرف نداء "رُبَّ" پر داخل ہے اور اس سے مخاطب کو متنبہ اور آگاہ کرنا مقصود ہے۔

٥۔۔۔ زجروتوبیخ: حرف نداء کبھی مخاطب کو جھڑکنے اور ملامت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے " فَمَا خَطْبُكَ يَاسَامِرِيُّ "(سورۃ طٰہٰ:۹۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹتے ہوئے کہا اے سامری تیری کیا حیثیت ہے؟ یہ حرکت تُو نے کس وجہ سے کی ہے؟!

٥۔۔۔ ترحم وترفیق: حرف نداء کبھی اظہار ہمدردی اور رحم دلی کے لیے آتا ہے، جیسے " يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي "(سورۃ طٰہٰ:۹۴) حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے میری ماں کے جنے! میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ! یہاں حرفِ نداء لاکر استرحام کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ آپ مرتبہ میں مجھ سے بڑے ہیں، میرے اُوپر رحم کیجئے!

٦۔۔۔ تاسف: حرفِ نداء کبھی افسوس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے " فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَى عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ "(سورۃ الاعراف:۹۳) حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد افسوس کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہیں اپنے رب کا پیغام بھی پہنچا چکا اور خیر خواہی بھی کر چکا، لیکن افسوس کہ تم نے نہ مانا، پھر فرمایا: ایسی قوم پر افسوس کرنے کا کیا فائدہ؟!

٧۔۔۔ استغاثة: حرفِ نداء کبھی فریاد کرنے اور مدد چاہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے " رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ "(سورۃ الشعراء:۱۱۷) حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا! اور اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔" يَا صَبَاحَاه يَا

---

[1] صحیح بخاری:۲/۴۹، رقم:۱۱۲۶۔

صَبَاحَاہ!"[1] یہ نداء استغاثہ کے لیے ہے، اکثر دشمن صبح کے وقت حملہ کرتا ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر اپنی قوم سے مدد طلب کی۔

۸۔۔۔۔ **ندبة:** حرف نداء کبھی ندبہ (مردے کے اوصاف ومحاسن بیان کرکے رونا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کا فرمان ہے۔ "يَا أَبَتَاهُ! أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ، يَا أَبَتَاهْ! مَنْ جَنَّةُ الفِرْدَوْسِ مَأْوَاهْ! يَا أَبَتَاهْ! إِلَى جِبْرِيلَ نَنْعَاهْ"[2]۔ ہائے اباجان! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے! ہائے اباجان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں!

۹۔۔۔۔ **تعجب:** حرفِ نداء کبھی کسی چیز پر اظہار حیرت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے غیر متوقع موقع پر ٹھنڈا پانی میسر آجانے پر کہا جائے۔ "يَالَلماءِ!" اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب کوئی بہت زیادہ پانی دیکھے یا پانی بہت زیادہ میٹھا ہو یا پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہو۔

۱۰۔۔۔۔ **تحسر وتحزن:** حرفِ نداء کبھی افسوس اور دردمندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے " يَاوَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا "(سورۃ الفرقان:۲۸) قیامت کو نافرمان پچھتائے گا کہ افسوس! ایسے لوگوں کو میں نے دوست کیوں بنایا تھا؟ کاش! میرے اوران کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوتی! اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی وفات پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بوسہ دیا، اپنا منہ آپ ﷺ کے دونوں مبارک آنکھوں کے درمیان رکھا اوراپنے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کی دونوں کلائیوں پر رکھے اور کہا۔ "وَانَبِيَّاهُ! وَاصَفِيَّاهُ! وَاخَلِيلَاهُ!"[3] ہائے نبی! ہائے مخلص دوست! ہائے جگری دوست!!

۱۱۔۔۔۔ **تحیر وتضجر:** حرفِ نداء کبھی حیرانی اور پریشانی بتلانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے "يَاأَسَفَى عَلَى يُوسُفَ!"(سورۃ یوسف:۸۴) ہائے افسوس یوسف! حضرت یعقوب علیہ السلام نے انتہائی بے تابی اور بے چینی کے عالم میں یہ جملہ کہا۔

۱۲۔۔۔۔ **توجع:** حرفِ نداء کبھی مصیبت سے تکلیف محسوس کرتے وقت استعمال کیا جاتا ہے، جیسے ام المؤمنین حضرت

---

[1] صحیح بخاری:۴/۶۶، رقم:۳۰۴۱۔
[2] صحیح بخاری:۶/۱۵، رقم:۴۴۶۲۔
[3] الشمائل للترمذی:۳۳۳، رقم:۳۹۲۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ "وَا رَأْسَاهْ!"[1] ہائے دردِ سر! یہاں نداء سے تکلیف کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

۱۳۔۔۔ تذکر: حرفِ نداء کبھی زمانہ ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کے معنی میں آتا ہے، جیسے "يَاأَسَفَى عَلَى يُوسُفَ!" (سورۃ یوسف:۸۴) ہائے افسوس یوسف! حضرت یعقوب علیہ السلام کے بنیامین کی جدائی پر پُرانے زخم تازہ ہوئے تو بے ساختہ بول اُٹھے۔ہائے افسوس یوسف! یہاں زمانہ ماضی کی یادوں کو یاد کرنا مقصود دہے۔اسی طرح شعر ہے۔

أيا منزلي سلمى سلامٌ عليكما　　　هل الأزمن اللاتي مضينَ رواجعُ

ترجمہ: اے سلمٰی کے دوٹھکانو! تم پر سلامتی ہو، کیا وہ زمانے جو گذر گئے ہیں لوٹ آئیں گے۔

یہاں نداء کی غرض سلمی کے منزلوں کو متوجہ کرنا نہیں ہے، کیونکہ وہ متوجہ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، بلکہ یہاں نداء کا مجازی معنی زمانہ ماضی کی یاد ہے[2]۔

قواعد و فوائد

فائدہ نمبر ا: بسا اوقات حرف نداء کو اختصار اور ایجاز کے طور پر حذف کیا جاتا ہے، جیسے " يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا"(سورۃ یوسف:۲۹)، " يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ"(سورۃ یوسف:۴۶) "فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ"(سورۃ الذاریات:۳۱) یہ اصل میں "یایوسف! یاایھاالصدیق! یاایھاالمرسلون" تھے، تاہم حرف نداء کو ایجازاً حذف کر دیا گیا ہے[3]۔

فائدہ نمبر ۲: منادیٰ قریب کو کبھی حرفِ نداء بعید کے ذریعے پکارا جاتا ہے اور تین مقامات میں ہوتا ہے:۔(۱) مخاطب کے علو مرتبت (۲) مخاطب کی غفلت (۳) مخاطب کی کم رُتبہ ہونے کی طرف اشارہ کرنا، جیسے "يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" (سورۃ المائدۃ:۶۷) یہاں منادیٰ قریب ہے، تاہم اللہ تعالی کا اپنے بندوں کو باوجود غایتِ قرب کے بذریعہ "یا" حرف نداء بعید سے پکارنے کی حکمت امرِ مدعولہ کی عظمت اور علوِشان پر متنبہ کرنا ہے۔اور "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" میں مخاطبین کی غفلت اور لاپرواہی کو بتلانے کے لیے "یا" حرف نداء بعید کو لایا گیا ہے۔اور "يَاأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا"

---

[1] صحیح بخاری:۷/۱۱۹، رقم:۵۶۶۶۔

[2] المنہاج الواضح للبلاغۃ:۲/۱۱۲۔

[3] البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۴۲۔

(سورۃ مریم:۴۴) وغیرہ[۱]۔

فائدہ نمبر ۲: منادی بعید کو کبھی حرفِ نداء قریب کے ذریعے پکارا جاتا ہے اور یہ دو مواقع میں کیا جاتا ہے، ایک جب منادیٰ بعید ذہن میں مستحضر ہو، جیسے شعر ہے۔

أَسُكَّانَ نَعْمَانِ الأَرَاكِ تَيَقَّنُوا　　بأَنَّكمْ في ربعِ قلبيَ سكَّانُ

ترجمہ: اے وادی عراق کے باشندو! تم یقین کرلو کہ تم میرے دل کی بستی میں آباد ہو۔

شاعر جہاں بیٹھ کر شعر کہہ رہا ہے، وہاں سے وادی نعمان الاراک کوسوں دور ہے، لہذا شاعر کو نداء بعید استعمال کرنا چاہیے تھا، لیکن اس نے حرف نداء "ہمزہ" نداء قریب لاکر سامع کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میرے منادیٰ (وادی نعمان کے باشندے) کا خیال و تصور میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے[۲]۔

اور دوسرا جب منادیٰ کی طرف توجہ ہو، جیسے دور کھڑے ہو کر "أي عمر" کہہ کر پکارنا۔ اب یہاں عمر تو دور ہے، پھر حرف نداء قریب استعمال کیا گیا ہے، اس لیے کہ عمر متکلم کی بات کی طرف پہلے ہی سے کان لگائے ہوئے ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: اکثر نداء امر اور نہی کیساتھ مصاحب ہوتی ہے، جیسے "یا یھاالناس اعبدوا ربکم۔۔" وغیرہ[۳]۔

قاعدہ نمبر ۳: نداء جملہ خبریہ اور استفہام کیساتھ کم استعمال ہوتی ہے، جیسے "یعبادی لاخوف علیکم الیوم" اور "یابت لم تعبدمالایسمع ولا یبصر"[۴]۔

قاعدہ نمبر ۴: اکثر دعا کے مقام پر حرفِ نداء کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "رب إنی وھن العظم"[۵]۔

قاعدہ نمبر ۵: علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں نداء "یاأیھا" کیساتھ بکثرت موجود ہے، کیونکہ اس میں تاکید اور مبالغہ کے متعدد وجوہات پائی جاتی ہیں، مثلاً: "یا" میں تاکید اور تنبیہ دونوں پائی جاتی ہیں۔ اور "ھا" میں تنبیہ ہوتی ہے اور "أي" کیساتھ ابہام کی توضیح ہوتی ہے وغیرہ[۶]۔

---

[۱] علوم البلاغۃ: ۷۱۔

[۲] علوم البلاغۃ: ۷۱۔

[۳] علوم البلاغۃ: ۷۱۔

[۴] علوم البلاغۃ: ۷۱۔

[۵] البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۴۲۔

[۶] البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۲۴۳۔

تمرین

درج مثالوں میں نداء کی حقیقی اور مجازی معنوں کی تعیین کیجئے۔

يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ . يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا . فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَامُوسَى مَسْحُورًا . يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ . ياالله للمؤمنين . اللّٰهُمَّ اغفر لنا أيتها العصابة . يا ليتني كنت صبيا مرضعا. يا شجاع تقدم . يابن أمي ويا حبيب نفسي. يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّل قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا. ليتنى لقيت إخوانى. رأيت عمر بن الخطاب أخذ تبنة من الأرض فقال يا ليتنى كنت هذه التبنة ليتنى لم أخلق ليتنى لم أك شيئا ليت أمى لم تلدنى ليتنى كنت نسيا منسيا.

ایک حل شدہ مثال:

يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ:"يَا"حرفِ نداء قائم مقام"أدعو"ناصب منادیٰ......باز"أدعو"فعل مسند محکوم بہ......مقدم غرضِ تقدیم کون المسند عاملاًو تخصیص......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجود مایدل علیہ وحدوث......اس میں ضمیر مستترفاعل مسند الیہ محکوم علیہ...... معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للتکلم......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ......"حَسْرَةً"منادیٰ ......نکرہ غیر معینہ ویاکہ مشابہ بالمضاف......"عَلَى الْعِبَادِ"متعلق بہ"حَسْرَةً"...... فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ...... انشاء طلبی نداء مستعمل فی المعنی المجازی...... غرضِ استعمال تاسف و تحسر۔

فصل ہشتد ہم: انشاءِ غیر طلبی کا بیان

انشاءِ غیر طلبی کی تعریف:

وہ کلامِ انشائی ہے جس میں کسی مطلوب کا تقاضہ نہ ہو۔ علم البلاغۃ میں انشاء غیر طلبی سے گفتگو نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کا تعلق مباحث بیانیہ سے کیساتھ بہت کم ہے۔ نیز یہ ظاہراً اگرچہ انشاء ہیں، لیکن در حقیقت ان میں اکثر از قبیل اخبار ہیں۔ اس کی درج ذیل سات قسمیں ہیں:۔

۱۔تعجب ۲۔قسم ۳۔ صیغ عقود ۴۔ افعالِ رِجاء ۵۔ افعالِ مدح و ذم ۶۔ رُب ۷۔ کم خبریہ[۱]

مذکورہ اقسام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔تعجب[۲]: کسی چیز پر حیرت کا اظہار کرنا، اس کے مشہور دو صیغے ہیں[۱]:۔

---

[۱] ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ افعال مدح وذم، رُب اور کم خبریہ کا انشاہونے میں اختلاف ہے، علامہ طیبیؒ نے "شرح تبیان" میں فاضل استر آبادی کا قول نقل کرتے ہوئے کہاہے کہ افعال مدح وذم گو مدح وذم کے اعتبار سے محتمل صدق وکذب نہیں ہیں، لیکن نفس خبر کے اعتبار سے ان میں اس کا احتمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اعرابی کولڑکی کی بشارت دیتے ہوئے کہا گیا۔ "نعمت المولودة" تو اس نے کہا۔ "واللہ ماہی بنعمت المولودة!" افعال مدح وذم کا ان کی خبر اور قسم کا جواب واقع ہونا ان کے خبر ہونے کی دلیل ہے۔ "إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ" (سورة النساء:۵۸) "وَلَنِعْمَ دارُ الْمُتَّقِينَ" (سورة النحل:۳۰) "وَلَبِئْسَ ما شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ" (سورة البقرة:۱۰۲)۔ اور کم خبریہ کے متعلق علامہ ابن حاجب نے "امالی" میں کہاہے کہ "کم رجال عندی" میں انشاء واخبار ہر دو کا احتمال ہے، تکثیر کی جہت سے تو یہ کلام انشاء ہے اس طور پر کہ ضمیر متکلم میں جو تکثیر مضمر ہے وہ اس کو "رجال" سے تعبیر کر رہاہے اور ظاہر ہے کہ تکثیر ایسے معنی ہیں جو ثابت فی النفس ہیں نہ کہ موجود فی الخارج۔ یہاں تک کہ اس کو مطابقت کی صورت میں صدق کیساتھ اور عدم مطابقت کی صورت میں کذب کیساتھ متصف کیا جاسکے اور بایں معنی کہ "عند" ظرف کی نسبت "رجال" کی طرف محتمل صدق وکذب ہے۔ کلام مذکور از قبیل اخبار ہے، اسی طرح "رُب" کو لیجئے، جیسے "رب جاهل فی الدنیا" یہ اس اعتبار سے انشاء ہے کہ متکلم کثرت جاہلین کو ظاہر کر رہاہے، اس لیے کہ استکثار کی نہ تکذیب کی جاسکتی ہے نہ تصدیق۔ اور بایں معنی کہ "فی الدنیا" ظرف کی نسبت "جاہلین" کی طرف محتمل صدق وکذب ہے اخبار ہے۔ الغرض اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اشیاء مذکورہ کو انشاء طلبی سے شمار کرنا علی الاطلاق صحیح نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: عروس الافراح: ۱/ ۴۱۹، نیل الامانی: ۴۴۸)

[۲] اختلفت العلماء في التعجب هل هو من أقسام الخبر أو من أقسام الإنشاء، ورجّح الكثيرون أنّه من أقسام الخبر، لأنّه إخبارٌ عن حالة التَّعجُّب القائم في النفس. والقائلون بأنّه من أقسام الإنشاء لاحظوا أنّه صيغةٌ كلاميَّةٌ يُطْلَبُ بها تعظيم الأمر في النفس السَّامع.

وللعلماء في تعريف التعجّب أقوال:

قال ابْنُ فارس: هو تفضيلُ شيءٍ على أَضْرابه. وقال ابن الصائغ: هو استعظام صفةٍ خرج بها المتعجَّبُ منه عن نظائره.

ا۔۔۔ ما أفْعَلَه، جیسے "قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ" (سورة عبس:۱۷) مارا جائیو انسان! کیسا ناشکرہ ہے!
۲۔۔۔ أفْعِلْ بِهِ، جیسے "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا" (سورة مریم:۳۸) کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے![۲]

وقال الزمخشري: معنى التعجُّب تعظيم الأمر في قلوب السامعين، لأنّ التعجُّبَ لا يكونُ إلاَّ من شيءٍ خارجٍ عن نظائره وأشكاله.

وقال الرّماني: المطلوبُ في التعجُّب الإِبْهام، لأنّ من شأن الناس أن يَتَعَجَّبُوا ممّا لا يُعْرَفُ سَبَبُهُ، فكلّمَا اسْتَبْهَمَ السَّبَبُ كان التَّعجُّبُ أحْسَنَ ... وأصْلُ التعجُّب إنّما هو للمعنَى الذي خَفِيَ سببُه، والصيغة الدّالة عليه تُسَمَّى تَعَجُّباً مجازاً ... ومن أجْلِ الإِبهام لم تَعْمَلْ "نِعْمَ" إلاَّ في الجنْسِ، من أجْلِ التفخيم، ليقَعَ التَّفْسِيرُ على نَحْوِ التَّفْخِيم بالإِضْمارِ قَبْلَ الذِّكر. (البلاغة العربية:۱/۱٦۸)

[۱] التعجُّبُ يكون بصِيَغٍ تَدُلُّ عليه من لفظ المتعجَّب منه، وبصِيَغٍ أُخْرَى منْ غير لفظه. فالصِّيَغُ الّتي يُتَعجَّبُ بهَا من لفظ المتعجّب منه تأتي على وِزانِ: "مَا أفْعَلَهُ" مِثْل: ما أَكْرَمه – ما أحْسَنَهُ – مَا أشجعَهُ. وعلى وِزان: "أَفْعِلْ به" مثل أَكْرِمْ به – أحْسِنْ به – أشْجِعْ به.

وتُسْتَخْدَم عباراتٌ أُخْرى في التعجّب، مثل: "سُبْحَانَ الله – لله دَرُّ فلان – ما أَدْرَاكَ ماهِيَه". لفظة "كَبُرَ" مثل: قول الله عزّ وجلّ في سورة (الكهف:٥) :{كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلاَّ كَذِباً}.وقول الله عزّ وجل في سورة (الصف:۳): {كَبُرَ مَقْتاً عِندَ الله أَن تَقُولُواْ مَا لاَ تَفْعَلُونَ}. وتُسْتَعْمَلُ في التعجُّب كلمةُ: "وَيْ" وهي كناية عن جُمْلَةٍ تعجُّبيّة. وتُسْتَعْمَل أيضاً كلمة: "واهاً" في التعجُّب من طيب الشيء، فهي بمعنى: "ما أَطْيَبه". وتُسْتَعمل أيضاً كلمة: "هَيْتَ" في التعجب، تقول العرب: "هَيْتَ للْحلْم" و"هَيْتِ لَكَ.

قال المحقّقون: إذا ورد التعجّبُ في كلام الله صُرِفَ إلى المخاطبين، ولهذا يُعَبِّر بعض العلماء بالتعجيب بدل التعجُّب، أي: هو تعجيب من الله للمخاطبين. كقول الله عزّ وجلّ بشأن أهل النار في سورة (البقرة:۱۷٥): {أولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى والعذاب بالمغفرة فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النار}.أي: هؤلاء ينبَغِي أنْ تَتَعَجَّبُوا من شدّة صَبْرِهِمْ على عذاب النار. وقول الله عزّ وجلّ السابق آنفاً: {أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ} [مريم: ۳۸] .أي: تَعَجَّبُوا من شدّة سَمْعِهِمْ ومِنْ شِدَّةِ بَصَرِهِمْ. (البلاغة العربية:۱/۱٦۸–۱۷۰).

[۲] ولَهُ صِيَغٌ كثيرَة، منها: "أُقْسِمُ بالله لَفَعَلْتُ أَوْ لأَفْعَلَنَّ – أَحْلِفُ بالله لأَفْعَلُ أو لَتَفْعَلَنَّ – أَشْهَدُ لأَفْعَلَنَّ – أُشْهِدُ اللهَ لأَفْعَلَنَّ – عَلِمَ اللهُ أو يَعْلَمُ اللهُ لأفْعَلَنّ". ويختصر العرب عباراتِ الْقَسَم فَيَحْذِفون منها فعل الْقَسَمِ، ويشيرون إليه بأداةٍ كحرف الْقَسَم، مثل: واللهِ– باللهِ– تَاللهِ" أو بحركة إعرابٍ مثل: "اللهِ لأَفْعَلَنَّ" على تقدير وجود حرف القسم الجارّ، أو "اللهَ لأفْعَلَنَّ" أي: أَحْلِفُ اللهَ بالنصب، والنصب جاء على طريقة الحذف والإِيصال، وهو حذف الجار ونصْبُ المجرور به على أنّه مفعولٌ به. والغرضُ من إنشاء الْقَسَمِ تأكيد الجملة الخبريَّة. (البلاغة العربية:۱/۲۲٦–۲۲۷).

۲۔۔۔قسم: اپنے قول کی مؤکد اور مضبوط کرنے کے لیے اللہ تعالی کا نام لینا، جیسے " تَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ" (سورۃ الانبیاء:۵۷)۔

۳۔۔۔۔ صیغ عقود: معاملات اور معاہدات کی مخصوص عبارتیں اور الفاظ، مثلاً: بیع و شراء، نکاح و طلاق اور ہبہ واعتاق میں "بعتُ، اشتریتُ، نكحتُ، طلقتُ، وهبتُ، أعتقتُ" وغیرہ کہنا[1]۔

٤۔۔۔ افعالِ رِجاء: ہمدردی کی وجہ سے ناپسندیدہ خطرہ سے فکرمند رہنا کہ کہیں یہ خطرہ لاحق نہ ہوجائے، جیسے "عَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ"(سورۃ البقرۃ:۲۱٦)یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع اور نفس الامر میں بھی تمہارے

---

[1] إنشاءُ العقود، وحلُّ المعقود منها، مثل عقود البيع، وعقود الزواج، وأوامر ضَرْبِ الرّق، وقرارات تعيين الموظفين، وقرارات الإقالة من الوظائف ممّن يملك ذلك، وكعبارات الطلاق والعتق، ومبايعة رئيس الدولة، وخلع البيعة عنه، ونحو ذلك. وتأتي صِيَغُ العقود وصِيَغُ حلّها بعباراتٍ مختلفات من الجمل الفعليّة والاسميّة، وما يقوم مقامها اختصاراً، مثل:

(١) إنشاء عقود البيع والشراء بما يدلُّ عليها اصطلاحاً من عبارات: "كبِعْتُكَ، اشْتَريتُ منك - أبيعك، أشتري منك - بِعْني، بْعتُك - اشْتَرِ مِنْي، اشْتَرَيتُ منك" ونحوها.

(٢) إنشاء عقود الزواج بما يدلُّ عليها اصطلاحاً من عبارات: "كزَوّجتُك بنتي، قبلت زواجها - أُزَوِجُك ابنتي، تَزَوَّجتها - زَوّجْنِي ابْنَتَك، زوّجْتُكَهَا" ونحوها.

(٣) إنشاء عقد مبايعة أمير المؤمنين بما يدلُّ عليها من عبارات: "أبايعك على السّمع والطاعة - بايعتُكَ على السّمع والطاعه" ونحوها.إلى غير ذلك من عباراتٍ تتضمَّن في عرف الناس إنشاء العقود، وهي جُمَلٌ، أو مختصراتٌ تتضَمَّنُ معنَى جُمَلٍ إنْشَائِيّة.

(٤) إنشاءُ الدخول في الإسلام بإعلان الشهادتين، فهو عَقْدٌ مع اللهِ بالإِسْلاَم له، مع عقد النيّة على هذا الدخول.

(٥) إنشاء الدخول في نحو عبادة الصلاة، أو عبادة الحج والعمرة، فالدخول في الصلاة يكون بعقد النيّة مع تكبيرة الإحرام، إذْ تكبيرة الإحرام تنوب مناب: عقدت الدخول في الصلاة وأنشأته، مع استحضار النيّة في النفس. والدخول في عبادة الحج أو العمرة يكون بعد النيّة مع التلبية، إذ عبارة "لبَّيْكَ اللَّهُمَ لبَّيْكَ" تنوبُ مناب: عقدتُ الدخول في الحج أو العمرة وأنشأْته، مع استحضار النيّة في النفس.

(٦) حلُّ العقود بعبارات تدلُّ عليه، مثل: "فَسَخْتُ البيع - خَلَعْتُ الْبَيْعَةَ - قول الرجل لزوجته: طلَّقْتُكِ أو أنتِ طالق، أو نحو ذلك - قول مالك الرقيق لمملوكة: أعتقتك، أو أَنْتَ عَتِيقٌ، أو قوله له: كاتَبْتُكَ على كذا" ونحو ذلك. (البلاغة العربية:١/٢٢٥-٢٢٦)

حق میں ویسی ہی ہوگی، بلکہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لیے مضر سمجھو اور وہ تمہارے لیے مفید ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لیے مفید سمجھو اور وہ تمہارے لیے مضر ہو!

۵۔۔۔ **افعالِ مدح و ذم:** وہ افعال جو تعریف یا مذمت پر دال ہوں، فعل مدح کی مثال، جیسے "فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ" (سورۃ الزمر:۷۴) کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا! اور فعل ذم کی مثال، جیسے "فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ" (سورۃ الزمر:۷۲) کیا بُری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کا![1]۔

۶۔۔۔ **رُب:** یہ تقلیل و تکثیر دونوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی تعیین حسبِ موقع سیاقِ کلام سے کی جاتی ہے، جیسے حدیث میں آتا ہے۔ "رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الآخِرَةِ!"[2] بہت سی عورتیں دُنیا میں بظاہر کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن قیامت کے دن ننگی ہوں گی۔ یہاں حرف نداء "رُبَّ" پر داخل ہے اور اس سے مخاطب کو متنبہ اور آگاہ کرنا مقصود ہے۔

۷۔۔۔ **کم خبریہ:** جس سے ایک بڑی تعداد بیان کی جاتی ہے، جیسے "كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ" (سورۃ البقرۃ:۲۴۹) بارہا تھوڑی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب ہوئی ہے![3]۔

---

[1] فيأتي المدح بفعل: "نِعْم" مثل: "نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّه أوّاب - ولَنِعْمَ دار المتّقين - فَنِعِمَّا هِيَ". ويأتي الذَّمُّ بفعل: "بِئْسَ" مثل: "بِئْسَ الشَّرَابُ - فَلَبِئْسَ مَثْوَى المتكبِّرِينَ". ويُحَوَّلُ الفعل الماضي الثلاثي عن وزْنِه فَيُصَاغُ على وَزْنِ "فَعُلَ، لازماً بضمّ العين، ويُسْتَعْمَلُ عندئذٍ قريباً من استعمال "نعم وبئس" للدلالة على المدح أو الذم، مثل: "وَحَسُنَ أولئِكَ رَفيقاً - حَسُنَتْ مُسْتقرّاً وَمُقاماً - إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً ومُقَاماً - وسَاءَتْ مَصِيراً - وَسَاءَتْ مُرْتَفَقاً - مُحَمَّدٌ عَظُمَ رَسُولاً، وكَرُمَ أَصْلاً، وجَمُلَ خُلُقاً، وجَادَ عطاءً، وفَاقَ بَيَاناً". أفْعَالُ "ساءَ وجَادَ وفاقَ" في هذه الأمثلة هي على تقدير تحويلها إلى وزنِ "فَعُل" وإن شابَهَ لفظُها الذي حُوِّلَتْ إِلَيْهِ لَفْظَهَا الذي حُوِّلَتْ مِنْهُ، لأنّ لَفْظَها الّذِي حُوِّلَتْ إليهِ هو "سَوُءَ - جَوُدَ - وفَوْق" ولكن تحرَّكتِ الواو وانْفَتَحَ ما قَبْلَهَا فَقُلِبَتْ ألفاً، فعادت إلى مثل ما حُوّلَتْ عَنْهُ في اللفظ. ونُلاحِظُ أنّ عبارات إنشاء المدح والذمّ من بدائع الصِّيَغ والتركيباتِ في اللِّسَان العربي. ويُمْكِن أن نُلْحِقَ الشتائم بإنْشاءِ الذّم. (البلاغة العربية:۲۲۶/۱)

[2] صحیح بخاری:۲/۴۹، رقم:۱۱۲۶۔

[3] هناك نوع أخر وهو إنشاء التوجعِ أو التَّفَجُّعِ، أو التَّرَحُّمِ، أو التَّثْرِيب، أَوْ تَقْبيحِ الحال.وتَدُلُّ على هذه المعاني عبارات هي في الحقيقة اختصارٌ لجمل أو رَمْزٌ لها من جهة المعنى. ففي التوجّع نلاحظ عبارات مثل: "يا عُمراه - واعُمَراهُ - وامُحمّداهُ - واحُزْنَاه - وافَجِيعَتاه".

ومثل: "آه - أَوّه". وفي الترحم أو التخوّف من وقوع مكروه، مثل "ويْحَهُ - وَيْسَه". وفي التقبيح والتثريب، مثل: "وَيْلَه - وَيْبَه" قالوا: وهما كلمتا عذاب، أي هما كلمتان لإِنْشَاءِ التقبيح والتثريب بسبب استحقاق العذاب. (البلاغة العربية:۲۲۷/۱)

فصلِ نوزدہم: وضع الخبر موضع الانشاء کا بیان

وضع الخبر موضع الانشاء کا مطلب یہ ہے کہ جملہ خبریہ کو کسی کا خاص غرض اوراہم فائدے کی خاطر جملہ انشاء کی جگہ استعمال کرنا، اس کی بنیادی طور پر درج ذیل تین اغراض ہیں:۔

۱۔تفاؤل (نیک فالی) (۲) ادب واحترام (۳) حث علی الامتثال (مخاطب کو اُبھارنا)

۱۔۔۔تفاؤل (نیک فالی): مخاطب کو خوش کرنے اور معنی انشائی کے وقوع میں حرص ورغبت کا اظہار کرنے کے لیے انشاء کی جگہ خبر کو استعمال کرنا، جیسے دُعاکے موقع پر متکلم امر ونہی کے صیغہ سے اعراض کرئے اور فعل کے وقوع کو یقینی بتلانے کے لیے ماضی (اِخبار) کا صیغہ لاکر یہ بتلائے کہ مخاطب کے لیے یہ دُعاحاصل ہوچکی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کی دُعاہے۔''«نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ»:''[1] یہ اصل میں ''اللھم نَضِّرامْرَأً '' ہے، لیکن اس کو جملہ خبریہ کی اسلوب میں لاکر مشتغلین بالحدیث کو ایک قسم کی خوشخبری دی گئی ہے کہ یہ دُعاتمہارے حق میں قبول ہوچکی ہے!

۲۔۔۔ ادب واحترام: مخاطب کے اَدب واحترام کی وجہ سے صیغہ امر سے احتراز کرنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے غلام اپنے آقاسے یوں کہے:''یَنظُرُمولایَ فی امری''میرے آقامیرے معاملے میں غور فرمائیں گے! یہاں ادب واحترام کی وجہ سے انشاء سے احتراز کیا گیاہے۔

۳۔۔۔ حث علی الامتثال (مخاطب کو اُبھارنا): حکم کی تعمیل پر مخاطب کو اُبھارنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے'' وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا---- وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ''(سورۃ البقرۃ:۸۳-۸۴) یہاں کلام کا تقاضہ انشائی اسلوب کا تھاکہ کلام کو نہی کی صورت میں لاتے اوریوں فرماتے۔''لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰہَ وَلَا تَسْفِكُوا دِمَاءَكُمْ، وَلَا تُخْرِجُوا أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ''لیکن مخاطبین کو جلدی سے تعمیلِ حکم پر اُبھارنے کے لیے اس مضمون کو کلام خبری کی اسلوب میں لایا گیا[2]۔

---

[1] سنن الترمذی:۵/۳۴،رقم:۲۶۵۷۔

[2] مختصر المعانی:۱/۴۴۰۔

فصل بستم: وضع الانشاء موضع الخبر کا بیان

وضع الانشاء موضع الخبر کا مطلب یہ ہے کہ جملہ انشائیہ کو کسی غرض اور اہم فائدے کی خاطر جملہ خبریہ کی جگہ استعمال کرنا۔ اس کے چند اہم اغراض درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اہتمام بالشئی ۲۔ رضاء بالواقع کانہ مطلوب ۳۔ امتنان ۴۔ احتراز عن مساواۃ اللاحق بالسابق ۵۔ تجاھل العارف۔

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔ اہتمام بالشئی: کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے جملہ خبریہ کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، جیسے "قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" (سورۃ الاعراف: ۲۹) یہاں مامور بہ نماز کی اہمیت بتلانے کے لیے "واقامة وُجُوهَكُمْ" نہیں فرمایا، بلکہ جملہ انشائیہ (صیغہ امر) کو استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ رضاء بالواقع کانہ مطلوب: کسی چیز کا مطلوب ہونے کو بتلانے کے لیے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ استعمال کرنا، جیسے حدیث میں ہے۔ "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"[1] جس نے میرے اُوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے! یعنی اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا! یہاں "تَبَوَّأَ" (صیغہ ماضی) خبر کے بجائے "فَلْيَتَبَوَّأْ" صیغہ امر استعمال فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر جھوٹ باندھنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہو۔ اور یہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا مطلوب بھی ہے!

۳۔۔۔ امتنان: احسان جتانے کے لیے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لانا، جیسے " هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا" (سورۃ الملک: ۱۵) وہ اللہ جس نے تمہارے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اس کے راستوں پر چلو! یعنی تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو! یہاں " لِتَمْشُوا" خبر کے بجائے " فَامْشُوا" انشاء کو احسان وامتنان کے لیے لایا گیا ہے۔

٤۔۔۔ احتراز عن مساواۃ اللاحق بالسابق: کلامِ لاحق اور کلامِ سابق میں باہم مساوات سے بچنے کے لیے خبر کی جگہ انشاء استعمال کرنا، جیسے " قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ" (سورۃ ہود: ۵۴) حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو! کہ میں اُن معبودوں سے بے زار ہوں، جن کو تم شریک کرتے ہو۔ یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی بے زاری پر اللہ تعالی کو اور مشرکین کو گواہ بنایا تھا، لیکن

---

[1] سنن الترمذی: ۵/ ۳۵، رقم: ۲۶۵۹۔

مشرکین کی گواہی اللہ تعالی کی گواہی کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی،اس لیے" إِنِّي أُشْهِدُ اللهَ وَ أُشْهِدُكُم"کے بجائے"إِنِّي أُشْهِدُ اللهَ وَاشْهَدُوا"ارشاد فرمایا۔

۵۔۔۔ تجاهل العارف: تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئی کی جگہ لانا، تعجب کی مثال، جیسے"قَالَ مُوسَى أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ"(سورة یونس:۷۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو، جب کہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتے! یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انجان ہو کر پوچھا کہ کیا یہ جادو ہے؟! توبیخ کی مثال، جیسے "أَفَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ"(سورة الطور:۱۵) وہ آگ جس کو تم جھٹلاتے ہو، بھلا کیا یہ جادو ہے؟! یا تمہیں اب بھی کچھ نظر نہیں آرہا؟

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: جب تعجب کا صیغہ اللہ تعالی کی طرف سے ہو تو اس کا مقصد صرف سامعین کے دل و دماغ میں متعجب منہ کی عظمت ہوتی ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: افعالِ رِجاء(لعل،عسی) جب ترجی کے لیے استعمال ہوں تو انشاءِ طلبی کے قبیل سے ہوں گے اور جب اشفاق من المکروہ کے قبیل سے ہوں تو انشاء غیر طلبی کے قبیل سے ہوں گے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تعجب خبر کے قبیل سے ہے یا انشاء سے۔ اکثر علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تعجب خبر کے قبیل سے ہے، کیونکہ اس میں نفس کے اندر تعجب کی اخبار پائی جاتی ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے یہ انشاء کے قبیل سے ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: بعض کلمات بلا وضع تعجب تعجب پر دلالت کرتی ہیں، جیسے"سبحان الله، لله در فلان، ماأدراك ماهی"وغیرہ[۴]۔

قاعدہ نمبر ۵: تعجب کے لیے لفظ"وی"بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ جملہ تعجبیہ سے کنایہ ہوتا ہے۔ نیز"هيت"بھی

---

[۱] البلاغة العربية:۱/۲۲۷۔

[۲] البلاغة العربية:۱/۲۲۷۔

[۳] البلاغة العربية:۱/۱۶۸۔

[۴] ۔البلاغة العربية:۱/۱۷۰۔

تعجب کے لیے استعمال ہوتی ہے، جیسے "هيت لك... "[۱]

قاعدہ نمبر ۶: محققین اہل علم فرماتے ہیں کہ جب تعجب کلام باری تعالی میں مستعمل ہو تو یہ مخاطبین کے اعتبار سے ہو گا کہ مخاطبین کو اس معاملے میں تعجب کر لینی چاہیے، جیسے "أسمع بهم، وأبصر"، أى تعجبوامن شدة سمعهم ومن شدة بصرهم[۲]۔

تمرین

درج مثالوں میں انشاء غیر طلبی کے اقسام کی تعیین کیجئے، نیز وضع الخبر موضع الانشاء اور وضع الانشاء موضع الخبر کی نشاہدہی کریں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ[۳] . فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ . وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ . وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا . وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ . يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ . وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ . وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ . وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا . وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ. أبايعك على السمع و الطا عة. زوجتك بنتى . قبلت . أحلف بالله لأفعل . طلقتك. رحم الله فلانا.

ایک حل شدہ مثال:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ.

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "الْمُطَلَّقَاتُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہد خارجی صریحی...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت و تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادہ التقریر والایضاح......"يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ"جملہ مسند محکوم بہ......اسناد اسنادِ حقیقی...... "يَتَرَبَّصْنَ"وضع الخبر موضع الانشاء......بمعنی "لِيَتَرَبَّصُوا"...... "لِيَتَرَبَّصُوا"فعل مسند محکوم بہ......مسند مقدم غرضِ

---

[۱] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۰۔

[۲] البلاغۃ العربیۃ:۱/۱۷۰۔

[۳] وهو ما يمكن أن نُسَمّيَهُ "أمْرَ التكوين" وجملَة أمْرِ التكوين هي لفظ "كُنْ". البلاغۃ العربیۃ:۱/۲۲۴۔

تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ......اس میں ''واؤ''ضمیر بارز فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرض تعریف کون المقام للغیبوبۃ...... مسند الیہ مذکور غرض ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... '' بِأَنْفُسِهِنَّ ''متعلق بہ ''يَتَرَبَّصْنَ '' ......''ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ''مفعول بہ...... **فعل** اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ ہوکر مسند محکوم بہ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِصادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوت المسند للمسند الیہ...... خبرغرضِ خبرفائدۃ الخبر...... خبرابتدائی...... '' يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ''وضع الخبرموضع الانشاء...... غرض وضع الخبر موضع الانشاءحث علی الامتثال۔

بابِ دوم:

اطلاق و تقیید کا بیان

یہ باب درج ذیل چھے فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: اطلاق و تقیید کا بیان

فصلِ دوم: تقیید بہ ادواتِ شرط کا بیان

فصلِ سوم: تقیید بہ ادواتِ نفی اور تقیید بہ نواسخ جملہ کا بیان

فصلِ چہارم: تقیید بہ نواسخ جملہ کا بیان

فصلِ پنجم: تقیید بالمفاعیل وغیرہ کا بیان

فصلِ ششم: تقیید بالتوابع کا بیان

فصل اول: اطلاق اور تقیید کا بیان

جب کلام میں صرف مسند اور مسند الیہ مذکور ہوں اوران کے علاوہ دیگر متعلقات ذکر نہ ہوں تواس وقت کلام میں حکم مطلق ہو گا اور جب ان دونوں پر کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے، جو ان دونوں سے وابستہ ہو، یا ان میں سے کسی ایک سے متعلق ہو تو ایسے وقت کلام میں حکم مقید رہے گا۔ اطلاق اور تقیید میں سے ہر ایک کے مختلف اغراض ہیں، تاہم اطلاق کے اغراض یہ ہیں:۔

۱۔۔۔ مخاطب کے علاوہ دیگر سامعین فعل کے زمانہ، مکان یا محلِ وقوع وغیرہ پر مطلع نہ ہوں۔

۲۔۔۔ متکلم کو قیودات کا علم ہی نہ ہو۔

۳۔۔۔ سامع کو مکمل چھوٹ اور گنجائش ملے تا کہ وہ ہر ممکن معنی و مفہوم کو مراد لے سکے[1]۔

کلامِ مقید کی بنیادی اور اساسی درج ذیل دو غرضیں ہیں:۔

۱۔ فوت الفائدة المقصودة عند عدم ذکرہ۔ ۲ - کون الکلام کاذبا عند عدم ذکرہ.

مذکورہ اغراض کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔ فوت الفائدة المقصودة عند عدم ذکرہ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قید کو ذکر نہ کیا جائے تو مقصودی فائدہ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، جیسے "جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِلنَّاسِ" (سورۃ المائدۃ:۹۶) اس آیت میں چونکہ بیت اللہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے، اس لیے "الْبَیْتَ الْحَرَامَ" بدل کو ذکر نہ کیا جاتا تو مقصودی فائدہ فوت ہو جاتا۔

۲۔۔۔ کون الکلام کاذبا عند عدم ذکرہ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قید کو ذکر نہ کیا جائے تو کلام کے جھوٹ اور خلاف واقع ہونے کا قوی امکان ہو، جیسے "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لَاعِبِینَ" (سورۃ الانبیاء:۱۶) اس آیت میں اگر "لَاعِبِینَ" حال کو ذکر نہ کیا جائے تو کلام بظاہر جھوٹا بن جائے گا اور پھر معنی ہو گا کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کے چیزوں کو ہم نے نہیں پیدا کیا[2]۔ (العیاذ باللہ!)

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۴۱، البلاغۃ العربیہ:۱/۴۵۱، علوم البلاغۃ للمراغی:۱۳۰۔

[2] اجرائے بلاغتِ قرآنیہ:۱۵۹۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ کلام کو مختلف قیودات کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے تقییدِ کلام کی مختلف صورتیں ہیں اور پھر ہر ایک صورت کی اغراض بھی الگ الگ ہیں، تقیید کلام کی قیودات درج ذیل ہیں۔
۱۔ادوات الشرط(ان، اذا، لو) ۲۔ادوات النفی(مَا، لَا، لَن،لم، لما) ۳۔نواسخ الجملہ (افعال ناقصہ، افعال مقاربہ، حروف مشبہ بالفعل)۴۔مفاعیل خمسہ (مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول معہ، مفعول فیہ، مفعول لہ)۵۔حال ۶۔تمیز ۷۔توابع (صفت، تاکید، بدل، عطف بحرف، عطف بیان)[1]۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۴۱، اجرائے بلاغتِ قرآنیہ:۱۶۰۔

فصلِ دوم: تقیید بہ ادواتِ شرط کا بیان

حکمِ کلام کو ادواتِ شرط کیساتھ مقید کرنا ان اغراض اور اسباب کے لیے ہوتا ہے، جن کو حسبِ موقع حروف شرط کے معانی پیدا کرتے ہیں، جیسے "متیٰ" اور "أيان" میں زمانہ مستقبل کی شرط پائی جاتی ہے، اور "أين، أنی، حيثما" میں مکان کی شرط اور "کيفما" میں حال کی شرط ملحوظ ہوتی ہے۔

ادواتِ شرط کی پوری تفصیل کتبِ نحو میں مذکور ہے، وہاں ملاحظہ ہوں۔ یہاں صرف تین ان حروف ("إن، إذا، لو) سے بحث کیا جائے گی۔ اوران کے درمیان باہمی امتیازات اور فروق بیان کیے جائیں گے، اس لیے کہ ان تینوں میں ایسی زائد خوبیاں پائی جاتی ہیں، جو بلاغتی اسلوب کیساتھ تعلق رکھتی ہیں[1]۔ ان کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔۔۔"إن" شرطیہ: یہ شرط کے لیے زمانہ مستقبل میں استعمال ہوتا ہے اور عدمِ جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے "لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" (سورۃ الزمر:٦٥) یہاں "إن" کو ذکر فرما کر انبیاء علیہم السلام سے وقوعِ شرط، یعنی شرک کی نفی کی ہے۔

۲۔۔۔"إذا" شرطیہ: یہ بھی شرط کے لیے زمانہ مستقبل میں استعمال ہوتا ہے، لیکن جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے "فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ مَعَهُ" (سورۃ الاعراف:۱۳۱) اس آیت میں فرمایا کہ جب فرعونیوں کو خیر اور بھلائی پہنچتی تو وہ کہتے یہ تو ہمارا حق تھا اور جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ چونکہ خیر اور بھلائی کا آنا یقینی ہوتا ہے، اس لیے اس کو "إِذَا" اور "جَاءَ" فعل ماضی سے تعبیر فرمایا اور "الْحَسَنَةُ" میں الف لام جنسی لا کر تمام انواع حسنہ کو شامل فرمایا۔ اور جب کہ مصیبت کا آنا غیر یقینی ہوتا ہے، اس لیے اس کو "إِنْ" اور "تُصِبْ" فعل مضارع سے تعبیر کیا، کیونکہ فعل مضارع عدم تحقق پر دلالت کرتا ہے اور "سَيِّئَةٌ" کو نکرہ لا کر تقلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

۳۔۔۔"لو" شرطیہ: یہ زمانہ ماضی میں شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے جزاء کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس لیے "لو" کے بعد دونوں جملوں کا فعلِ ماضی ہونا ضروری ہے، نیز اس میں استحالہ وقوع شرط کا معنی بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا" (سورۃ الانبیاء:۲۲) اس آیت میں شرط تعددِ الٰہ کے منتفی ہونے سے فسادِ نظام کائنات بھی منتفی ہے۔ اسی طرح یہ آیت ہے: "وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (سورۃ الانعام:۸۸) یہاں بھی شرط (صدورِ شرک) کے منتفی ہونے سے جزاء حبطِ اعمال بھی منتفی ہے[1]۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۵۱، علوم البلاغۃ للمراغی:۱۳۴۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: ''إن'' شرطیہ اور ''إذا'' میں فرق یہ ہے کہ ''إن'' میں عدم جزم بو قوع الشرط کا معنی ملحوظ ہوتا ہے، یعنی بعض احوال ایسے ہوتے ہیں، جو شاذ ونادر متحقق ہوتے ہیں اور جب کہ ''إذا'' میں جزم بو قوع الشرط کا معنی ملحوظ ہوتا ہے، یعنی بعض احوال ایسے ہوتے ہیں، جن کا وقوع بالکل یقینی ہوتا ہے۔ تاہم ''إن'' اور ''إذا'' میں یہ فرق اکثری ہے، ورنہ کبھی ''إذا'' کی جگہ ''إن'' استعمال ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ''وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ'' (سورۃ البقرۃ: ۲۳) یہاں مخاطبین شک وتردد میں ضرور مبتلا تھے، لیکن پھر بھی عدم الجزم بو قوع الشرط پر دلالت کرنے والے ادات ''إن'' کو استعمال کیا گیا ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: ''لو'' شرطیہ کا مدخول فعل ماضی ہونا ضروری ہے، لیکن کبھی کسی نکتہ (مثلاً استمرارِ فعل) کی وجہ سے فعلِ مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے، جیسے '' وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ'' (سورۃ الحجرات: ۷) یہاں فعل مضارع کی طرف عدول کی غرض یہ ہے کہ اگر رسول ماضی میں وقتاً فوقتاً تمہارے مشورے مانتے رہتے تو تم ہلاکت میں پڑ جاتے، لیکن انہوں نے تمہارے مشوروں کو نہیں مانا، لہٰذا تم بچ گئے ہو۔ دیکھئے یہ استمرار اور تجدد کا معنی فعل ماضی میں حاصل نہ ہوتا[۳]۔

قاعدہ نمبر ۳: کبھی عجیب وغریب منظر کو پیش کرنے کے لیے ''لَو'' کے بعد فعل مضارع کو لایا جاتا ہے، جیسے ''وَلَوْ تَرَى إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' (سورۃ السجدۃ: ۱۲)[۴]۔

قاعدہ نمبر ۴: جملہ شرطیہ میں جملہ شرط مقصود بالذات نہیں ہوتا، بلکہ جملہ جزاء مقصود بالذات ہوتا ہے اور جملہ شرط یہ جزاء کے لیے محض قید ہوتا ہے، لہٰذا اجزاء کو دیکھتے ہوئے جملہ شرطیہ کا جملہ اسمیہ وفعلیہ اور انشائیہ ہونا طے کیا جائے گا، جیسے '' ''إن اجتهدزيد أكرمته، إن ندمت فلم نفسه''[۵]۔

قاعدہ نمبر ۵: ''إن'' غیر یقینی امور کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور ''إذ'' یقینی امور کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے

---

[۱] علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۳۸۔

[۲] علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۳۴۔

[۳] علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۳۸۔

[۴] اجرائے بلاغت قرآنیہ: ۱۶۳۔

[۵] اجرائے بلاغت قرآنیہ: ۱۶۳۔

نادرالوقوع چیزوں کیساتھ "إن" اور "إذ" کے بعد زیادہ تر ماضی لاتے ہیں[1]۔
قاعدہ نمبر ۶: اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ "إن" غیر یقینی امور میں استعمال کیا جائے، لیکن کبھی مقامِ جزم ویقین میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کی علامہ تفتازانیؒ نے پانچ جگہیں ذکر کی ہیں:۔
۱۔۔ تجاہل: یعنی متکلم کو وقوع شرط کا یقین ہو، لیکن وہ اپنے علم ویقین کو کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتا، جیسے کوئی غلام سے دریافت کرے کہ تیرا آقا مکان میں ہے وہ جانتا ہے کہ آقا گھر میں ہے مگر آقا کے خوف سے نہ انکار کرتا ہے اور نہ اقرار۔ بلکہ یوں کہتا ہے کہ "إن كان فيها أخبرك" اگر مکان میں ہوا تو میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔
۲۔۔۔ متکلم کو تو وقوع شرط کا یقین ہے لیکن مخاطب کو اس کا یقین نہیں تو متکلم مخاطب کی عدم یقین کی وجہ سے "إن" استعمال کر دیتا ہے، جیسے "إن صدقت فماذا تفعل"۔ یہاں متکلم بھی اپنے سچ کا یقین ہے مگر مخاطب کو چونکہ اس کا یقین نہ تھا، اس لیے "إن" لایا گیا۔
۳۔۔۔ مخاطب کو یقین تو ہے مگر وہ اپنے یقین کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا، اس لیے کہ اس کو بمنزلہ یقین نہ رکھنے والے کے قرار ددے کر "إن" استعمال کر لیتے ہیں، مثلاً: ایک شخص اپنے باپ کو تکلیف دیتا ہے اس سے یوں کہا جائے "إن كان أباك فلاتؤذيه" یہاں مخاطب جانتا ہے کہ وہ میرا باپ ہے مگر وہ اس کو تکلیف دیتا ہے اس لیے بمنزلہ جاہل قرار دے کر "إن" استعمال کر لیا گیا ہے۔
۴۔۔۔ مخاطب کو عار دلانا مقصود ہے کہ اس سے ایک ایسا فعل سرزد ہو رہا ہے جو اس کی شان سے بعید ہے اس طور پر کہ متکلم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ مقام ان دلائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جو وجودِ شرط کے منافی ہے اس امر کا مقتضی ہے کہ شرط کا وجود محالات کی طرح صرف فرض کیا جا سکتا ہے، جیسے "أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ." (الزحرف: ۵) کفار کا مسرف اور حد سے بڑھنا یقینی امر ہے، لیکن "إن" استعمال کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ تم لوگ عاقل ہو اور عقلاً سے اسراف کا صدور ناممکن ہے اور اس کا وقوع محال کی طرف فرض ہی کیا جا سکتا ہے پھر بھی تم سے اس کا صدور ہوا ہے تمہارے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔

---

(۱) نیل الامانی: ۱/ ۳۴۸، علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۳۴۔

۵۔۔ کبھی غیر متصف بالشرط کو متصف بالشرط پر غلبہ دیتے ہوئے سب کو غیر متصف مان کر "إن" استعمال کر لیتے ہیں، جیسے زید کے لیے قطعی طور پر قیام ثابت ہو اور عمرو کے لیے غیر ثابت ہو۔ اور عمرو کو غلبہ دے کر یوں کہا جائے: " إن قمتما كان كذا"۔[۱]

قاعدہ نمبر ۷: بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں چھ مقامات پر کلمہ "إن" بصورت شرطیہ واقع ہے مگر وہاں شرط مراد نہیں۔ وہ چھ مقامات یہ ہیں:۔ ۱۔۔ "وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا." (النور:۳۳)۔ ۲۔۔ "وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُون." (البقرة:۱۷۲) ۳۔۔ "وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ." (البقرة:۲۸۳)۔ ۴۔۔ "إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُن ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ." (الطلاق:۳)۔ ۵۔۔ " فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا." (النساء:۱۰۱) ٦۔۔ "وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَق بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا." (البقرة:۲۲۸)[۲]۔

قاعدہ نمبر ۸: منطقی حضرات نے "إن" اور "لو" کو اداتِ لزوم مانا ہے اور "إن" کو نتائج کا علم حاصل کرنے کے لیے قیاسات میں استعمال کیا جاتا ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۹: مناطقہ حضرات کے ہاں "لو" اس بات پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے کہ انتفاء ثانی کا علم علت ہو انتفاء اول کے علم کے لیے، کیونکہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ضروری ہے[۴]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں تقیید بہ ادوات شرط کے اسباب کی نشاندہی کریں۔

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ . وإذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا . إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ. إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيراً . قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ . وَلَوْ تَرَى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ. آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّى إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّى إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ

---

(۱) نیل الامانی:۱/۳۴۸-۳۵۱۔

(۲) نیل الامانی:۱/۳۵۸۔

(۳) نیل الامانی:۱/۴٦۷۔

(٤) نیل الامانی:۱/۳٦۷۔

آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ . إن عشتُ فعلتُ الخير . لو كنت متخذا خليلا لاتخذت أبا بكر خليلا. إن كنت من تراب فلا تفتخر . إذا كثر المطر في هذا العام أخصب الناس. لو كنت مؤثرًا أحدًا على أحد لآثرت النساء على الرجال. إن كنت صائما بعد شهر رمضان فصم المحرم. إن كنت عبد الله فارفع إزارك. لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها. اللّٰهُمَّ إن كنت كتبتنى فى السعادة فأثبتنى فيها وإن كنت كتبتنى فى الشقاوة فامحنى منها.

ایک حل شدہ مثال:

”فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ“:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ:”إِنْ“اداتِ شرط......”جَاءُو“**فعل مسند محکوم بہ مقدم غرضِ** تقدیم کون المسند عاملا ......مسند مذکورغرضِ مسند تعیین کونہ فعلاًوعدم وجودمایدل علیہ وحدوث......اس میں”واوَ“ضمیر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للغیبوبۃ......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرمسند الیہ عدم وجودمایدل علیہ......”کَ“مفعول بہ...... **فعل** اپنے **فاعل** اور مفعول بہ سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ ہوکر شرط......” فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ“جملہ جزاء......شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوال متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ مقیدۃ بادوات شرط...... غرض تقیید فوت الفائدۃ المقصودۃ عندعدم ذکرہ۔

فصلِ سوم: تقیید بہ ادواتِ نفی اور تقیید بہ نواسخ جملہ کا بیان

بعض اوقات کلام کو ادواتِ نفی کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، جس کے متعدد اغراض ہوتے ہیں۔ اغراض کو بیان کرنے سے پہلے ادواتِ نفی کا جاننا ضروری ہے، ادواتِ نفی درج ذیل چھ ہیں:۔

۱۔۔۔لَا، ۲۔۔۔مَا، ۳۔۔۔إِنْ، ٤۔۔۔لَنْ ٥۔۔۔لَمْ، ٦۔۔۔لَمَّا۔۔

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔۔۔"لا" نافیہ: یہ حال اور استقبال کی قید کے بغیر مطلق نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا، إِنْ هُوَ إِلاَّ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾[الأنعام: ۹۰]. یہاں "لَّآ أَسْئَلُكُمْ" میں "لَا" مطلقِ نفی کے لیے ہے۔

۲-۳۔۔۔۔"ما، إن" نافیہ: یہ دونوں حال کی نفی کے لیے آتے ہیں اگرچہ مضارع پر داخل ہوں، جیسے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾[الأنعام:۹۱] اس آیت میں اُن جہلاء اور معاندوں کی تردید کی گئی ہے جو حماقت اور جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

٤۔۔۔"لن" نافیہ: یہ مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ﴾[الحج:۷۳] اس آیت میں معاندین کی عجز اور بے بسی کو بیان کیا جا رہا ہے۔

٥۔۔۔"لم، لما" نافیہ: یہ دونوں ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں، مگر "لما" کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حال تک کی نفی کرتا ہے اور وقوعِ فعل کی توقع ہوتی ہے برخلاف "لم" کے کہ اس میں یہ دو فائدے نہیں ہیں، جیسے: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ [اِخلاص:۳] ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾[حجرات:۱۴][1]۔

بعض اوقات کلام کو نواسخِ جملہ کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، افعالِ ناقصہ، افعالِ مقاربہ، افعالِ قلوب، حروفِ مشبہ بالفعل، ماولا اور لائے نفی جنس وغیرہ نواسخِ جملہ کہلاتے ہیں۔ کلام کو نواسخ سے مقید کرنا ان اغراض کے لیے ہوتا ہے، جن کو الفاظ نواسخ ادا کرتے ہیں، ان میں من جملہ افعال ناقصہ ہیں[2]، تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔۔کان: اس میں دوام و استمرار کا معنی ہوتا ہے یا حکایت زمانہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ [النساء:۱۳۳] ﴿كَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾[الكهف:۸۲]۔ اول الذکر مثال میں دوام و استمرار کا معنی پایا جاتا ہے اور ثانی الذکر آیت میں زمانہ ماضی سے حکایت ہے۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۵۵۔

[2] جواہر البلاغۃ:۱۵۰۔

۲۔۔۔ظل: اس سے معین زمانہ (مکمل دن) کام کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾[النحل:۵۸]۔ اس میں چہرے کہ سیاہی ایک خاص معین وقت میں مراد ہے۔

۳۔۔۔بات: اس سے معین زمانہ میں کسی کام کا کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾[الفرقان:٦٤]۔ اس میں سجود و قیام کا ایک معین زمانے میں ہونا مراد ہے۔

٤۔۔۔أصْبَح: اس سے بوقت صبح کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے: ﴿فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ [القصص:۱۸]۔

۵۔۔۔امسیٰ: اس سے بوقت شام کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے :﴿فَسُبْحٰنَ اللهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ [الروم:۱۷]۔

٦۔۔۔مَادَامَ: اس سے معین زمانہ میں برابر لگاتار کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے ﴿وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [مریم:۳۱]۔

نواسخ جملہ میں من جملہ افعال مقاربہ ہیں، افعال مقاربہ سے وہ افعال مراد ہیں، جو خبر کے فاعل سے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، وہ درج ذیل سات ہیں:۔ عَسیٰ، كادَ، كَرَبَ، اَوْشَكَ، طَفِقَ، جَعَلَ، أَخَذ، جیسے: ﴿إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهِ لَوْلاَ أَنْ رَبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[القصص:۱۰] یہاں ﴿كادَت﴾ یہ اپنی خبر ﴿لَتُبْدِي﴾ کے فاعل اُمّ موسیٰ سے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے، یعنی: قریب تھا کہ امّ موسیٰ اس بات کو ظاہر کر دیتی! واضح رہے کہ "كَرَبَ" اور "اَوْشَكَ" کی مثالیں قرآن میں نہیں ہیں۔

افعال قلوب جن کا تعلق قلب سے ہے وہ عموما سات بتائے جاتے ہیں، ورنہ سات سے بھی زائد ہیں، جیسے: ﴿إِنَّا "وَجَدْنٰهُ" صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ [ص:۴۴][1].

---

(۱) أمّا أفعال القلوب: فمنها ما يُفيد اليقين وتسمَّى أفعال اليقين، أي الاعتقاد الجازم، وهي: "رَأَى - عَلِمَ - دَرَى - تَعَلَّمْ، فِعْلَ أَمْرٍ بمعنى اعْلم واعْتَقِدْ - وَجَدَ، بمعنى عَلِمَ واعْتَقَد". ومنها أفعال الظنّ، وهي: "ظنّ - خال - حَسِبَ - جَعَل، التي بمعنى ظنَّ أو اعتقد - حَجَا - عَدَّ الّتِي بمعنى ظنّ - زعم - هَبْ، فِعْلَ أمْرٍ بمعنى ظُنَّ". (البلاغة العربية:۱/٤٥٨)

تمرین

درج ذیل مثالوں میں تقیید بہ ادوات النفی اور تقیید بالنواسخ جملہ کی تعیین کیجئے۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ. وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ. لا تكفر تدخل الجنة. مَا كَادُوا يَفْعَلُونَ. لن تبلغ المجد حتى تلعق الصبرا . لن يدخل الجنة احد منكم بعمله . أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ . وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا. إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا . وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ. وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ . لن ابرح الارض . وَبِئْسَ الْمَصِيرُ . فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ . مَا هَذَا بَشَرًا. وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ .عسى الكرب الذي أمسيت فيه يكون وراءه فرج قريب . يوشك زيد ان يدخل المسجد . ابصر به و اسمع . لن يدخل الجنة من كان فی قلبه كبر. نعمت الصلاة هذه . لا عقل للكافر .

چند حل شدہ مثالیں:

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"مَا" نافیہ......"هُمْ" ضمیر مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ بالضمیر غرض تعریف کون المقام للغیبوبۃ مع الاختصار لتقدم ذکرہ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اصالت و تخصیص ...... مسند الیہ مذکور غرضِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح......"بِمُؤْمِنِينَ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق...... جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبر ابتدائی...... جملہ مقیدہ بادوات النفی...... غرضِ تقیید فوت الفائدۃ المقصودۃ عند عدم ذکرہ۔

مَا هَذَا بَشَرًا:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"مَا" مشابہ بہ لیس "هَذَا" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ باسم الاشارہ غرض تعریف تعظیم واستغراب ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اصالت و تخصیص و تشویق الی المتاخر...... مسند الیہ مذکور غرضِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح......"بَشَرًا" مسند محکوم بہ نکرہ

غرضِ تنکیرِ مسند تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجو دمایدل علیہ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق...... جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبر اتبدائی...... جملہ مقیدہ بادوات النواسخ...... غرضِ تقیید فوت الفائدۃ المقصودۃ عند عدم ذکرہ۔

فصل چہارم: تقیید بالمفاعیل وغیرہ کا بیان

بعض اوقات فعل کو مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول معہ، حال، تمیز اور استثناء وغیرہ میں سے کسی ایک کیساتھ مقید کیا جاتا ہے اور چونکہ مطلقاً افادہ خبر تو مسند کے مسند الیہ کے لیے ثابت کرنے سے حاصل ہو تا جاتا ہے، لیکن ان قیودات کے اضافے سے تخصیص میں مزید اضافہ ہو تا ہے اور تخصیص میں اضافہ کی وجہ سے غرابت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور غرابت میں اضافہ کی وجہ سے افادہ خبر میں اضافہ ہو تا ہے، جیسے "حفظ زید" اس میں فعل کو کسی قید کیساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے، اس میں صرف ثبوت مسند للمسند الیہ کا فائدہ حاصل ہوا، اس کے علاوہ اور کوئی زیادتی کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، لیکن جب قیودات کو بڑھا دیا جائے گا تو فائدہ بھی مزید بڑھے گا، جیسے "حفظ زید القرآن سنة كذا وبلدة كذا في مدرسة كذا عنداستاذ كذا" ان قیودات کے بڑھانے سے مخاطب کو فائدہ زیادہ پہنچے گا، کیونکہ "حفظ زید القرآن" کہنے سے مخاطب کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ زید نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور جب کہا کہ "سنة كذا" تو اس سے فائدہ اور بڑھ گیا کہ انہوں نے فلاں سن میں قرآن مجید یاد کیا ہے اسی طرح باقی قیودات کے بڑھانے سے اور بھی زیادہ وضاحت ہوگئی اور اسی طرح جتنے قیودات بڑھتے جائیں گے مخاطب کو فائدہ اور بھی زیادہ ہو گا۔

مفاعیل خمسہ [1] میں سے مفعول بہ کیساتھ فعل کو اس لیے مقید کیا جاتا ہے کہ اس میں "ماوقع الفعل" کو بتلانا مقصود ہو تا ہے، مفعول مطلق کیساتھ فعل کو مقید کرنے سے مقصود نوعِ فعل کو بتلانا مقصود ہو تا ہے [2]، مفعول فیہ کیساتھ فعل

---

[1] مفاعیل خمسہ کی مثالیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔مفعول بہ کی مثال، جیسے: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾[الم نشرح:۱]۔

۲۔۔۔مفعول مطلق کی مثال، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَآئِكَةُ أَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا "عُتُوًّا كَبِيْرًا"﴾[الفرقان:۲۱].

۳۔۔۔مفعول لہ کی مثال، جیسے: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾[الأنبياء:۳۵][1]۔

۴۔۔۔مفعول فیہ ظرفِ زمان کی مثال، جیسے: ﴿أَرْسِلْهُ مَعَنَا "غَدًا" يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [یوسف:۱۲]۔

۵۔۔۔مفعول فیہ ظرفِ مکان کی مثال، جیسے: ﴿وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾[أنعام:۹۲]۔

۶۔۔۔مفعول معہ کی مثال، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾[الحشر:۹]۔

[2] المفعول المطلق: هو مصدرٌ يُذْكَرُ بعْدَ فِعْلٍ من لفظِهِ، لتأكيد معناه، أو لبيان عدده، أو لبيان نوعه، أو يؤتَى به بدلاً من التلفّظِ بفعله.

کو اس لیے مقید کیا جاتا ہے کہ **فعل** جس زمان یا مکان میں واقع ہو اس کی نشاندہی ہو سکے[۱]۔ مفعول لہ کیساتھ **فعل** کو اس لیے مقید کیا جاتا ہے کہ جس سبب کی وجہ سے **فعل** واقع ہو اس کی نشاندہی ہو[۲]۔ اور مفعول معہ کیساتھ **فعل** کو مقید کرنے سے مقارنت کو بتلانا مقصود ہوتا ہے[۳]۔ اور حال فاعل یا مفعول بہ کی حالت فاعلیت یا مفعولیت کو بیان کرتا ہے[۴]۔ اور تمییز رفع ابہام کے لیے آتا ہے[۵]۔

تمرین

درج مثالوں میں تقیید بالمفاعیل کی نشاندہی کریں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا- إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

---

(١) فالمؤكدّ لمعنى فعله، مثل: {وَكَلَّمَ الله موسى تَكْلِيماً} [النساء: ١٦٤] .

(٢) والمبيّن لعدده، مثل: "شَرِبَ شَرْبَتَيْنِ".

(٣) والمبيّن لنوعه، مثل: {فاصبر صَبْراً جَمِيلاً} [المعارج: ٥] و"بَكَى بُكَاءَ الثَّكْلَى".

(٤) ومَا يُؤْتَى بِه بدلاً من التلفُّظ بفعله، مثل: "رِفْقاً بالقوارِيرِ". (البلاغة العربية:١/٤٥٦)

[۱] المفعول فيه: وهو الظرف، ويؤتى به لتقييد وقوع الحدث الذي اشتملت عليه الجملة بزمَنٍ مُعَيّن، أو مكان مُعَيَّن، مثل: "سافرت لَيْلاً – ومَشِيتُ مِيلاً". ومع تربية الفائدة بقيدَي الزمان والمكان فقد يَقْصِد البليغ بهما أغراضاً بلاغيّة تدعو إليها مقتضيات الأحوال، كالتعريض، والمدح، والذمّ، والتلذُّذ بالذكريات، وغير ذلك ممّا يعسُرُ حصره. (البلاغة العربية:١/٤٥٥)

[۲] المفعول لأجله: وهو المفعول الذي يُبَيِّن علّة الحدَث الذي اشتملت عليه الجملة، أو سبَبَهُ، أو الحكمة منه، أو الغرض منه، أو نحو ذلك. ويؤتَى به لتقييد الحدَثِ ببيان علّته أو سبَبِه أو الحكمة أو الغرض منه، مثل: "زُرْتُكَ إكراماً لَكَ" أي: لأجل إكرامك. ويدخل في هذا المفعل ما فيه معنى المفعول لأجله ولو لم يكن منصوباً، وهو المجرور منه بحرف جرّ مفيدٍ للتعليل، ويسمَّى المفعول لأجله غير الصّريح، مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (البقرة:١٩): {يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصواعق حَذَرَ الموت ... }."من الصَّواعِق" مفعول لأجله غير صريح.
"حَذَرَ" مفعول لأجله صريح. (البلاغة العربية:١/٤٥٦)

[۳] المفعول معه: هو اسم يؤتى به منصوباً بعد واو المعيّة، لإفادة تقييد الْمُسْنَدِ في الجملة بقيد مصاحبة الاسم المنصوب بعد واو المعيّة للاسم الذي جاء قَبْلها، فهو يفيد فائدة شبيهة بفائدةِ الحال في الجملة، ولاَ يُقْصَدُ إشْرَاكُ ما بَعْدَ واو المعيَّةِ في حُكْمِ مَا قَبْلها، مثل: سِرْتُ والجَبَلَ، أيْ: سِرْتُ مُصَاحَباً الجبَلَ، مع أَنَّ الجَبَل لَمْ يشْمَلْهُ حُكْمُ السَّيْر الذي سِرْتُه. (البلاغة العربية:١/٤٥٧)

[۴] جیسے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا﴾ [آل عمران:١٠٣]۔

[۵] جیسے: ﴿إِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِأَبِيهِ يَٰأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ [يوسف:٤]

. وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا . يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ . وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا . فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ . وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ . وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا . أعطى زيد عمرا درهما . نصرا رأيت. إن اجتهد خليل أكرمته . أنا أكثر منك مالا . أتى اخوه باكيا.

ایک حل شدہ مثال:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا":

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "وَ"...... استنافیہ...... "اعْتَصِمُوْا" **فعل مسند محکوم بہ**...... **مسند مقدم** غرضِ تقدیمِ کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاً...... امرِ حقیقی...... اس میں "وَ" ضمیر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ...... معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... ذوالحال...... "بِحَبْلِ اللّٰهِ" **متعلق بہ** "وَاعْتَصِمُوْا"...... "جَمِیْعًا" حال...... غرضِ حال...... بیان حال فاعل...... فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ انشائیہ...... انشاءِ طلبی...... امر مستعمل فی المعنی الحقیقی...... اسلوبِ تقیید...... تقیید بالحال ...... غرضِ تقیید فوت الفائدۃ المقصود عند عدم ذکرہ۔

فصلِ پنجم: تقیید بہ توابع کا بیان

توابع درج ذیل پانچ ہیں:۔

۱۔صفت ۲-تاکید ۳- بدل ۴-عطف بیان ۵-عطف بحرف

۱۔۔۔صفت:

صفت کیساتھ حکم کو درج ذیل وجوہ کی بناء پر مقید کیا جاتا ہے:۔

۱۔۔۔" تخصیص المنعوت بصفة تُميزه": موصوف کو صفت کیساتھ اس لیے مقید کرنا کہ موصوف غیر سے ممتاز ہو، جیسے﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّها بَقَرَةٌ "صَفْرَآءُ"﴾ [البقرة: ۶۹]. اس میں"صَفْرَآءُ"صفت ممیزہ ہے اوراسی طرح یہ مثال ہے، جیسے" حضرعلی الكاتب"-وہ علی حاضر ہوا جو کاتب ہے،"کاتب"کی قید سے وہ علی جو غیر کاتب ہے خارج ہو گیا۔

۲۔۔۔" الكشف عن حقيقته": کشف کے لیے موصوف کو صفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے تاکہ سامع کے سامنے موصوف کے معنی واضح اور منکشف ہو جائیں، جیسے، جیسے ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ "الثِّقَالَ"﴾[رعد:۱۲]. اوراسی طرح یہ مثال ہے۔" الجسم الطويل، العريض، يُشغل حيزاً من الفراغ. "مطلب یہ ہے کہ ایسا جسم جو دراز، چوڑا اور گہرا ہوا ایک خالی مکان کو بھر دیتا ہے۔اس مثال میں جسم کے تینوں اوصاف(طویل، عرض، عمق)بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔۔۔" التأكيد": تاکید وتقریر کے لیے موصوف کو صفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ "وَّاحِدَةٌ"﴾[الحاقہ:۱۳]،" تلك عشرة كاملة، وأمس الدابُر كان يوماً عظيماً."وغیرہ۔

۴۔۔۔مدح المنعوت: مدح کے لیے موصوف کو صفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"﴾[فاتحہ:۱]. "اس میں"رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "صفت مادحہ ہے۔اوراسی طرح یہ مثال ہے۔" حضر سعد المنصور"۔اس میں" المنصور"صفت کو مدح کے لیے لایا گیا ہے۔

۵۔۔۔ذم المنعوت: کے لیے موصوف کو صفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے، جیسے فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ "الرَّجِيْمِ"﴾[النحل:۹۸]۔اس میں"الرَّجِيْمِ"صفت کو مذمت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے[1]۔

---

[1] البلاغة العربية:۱/٤٦٣، جواہر البلاغہ:۱۴۳۔

۶۔۔۔**تفصیل المنعوت:** موصوف کوصفت کیساتھ مقید کرنے سے غرض موصوف کی وضاحت ہو،جیسے"زارنی رجلان فقیه وطبیب" اس میں"فقیه"اور"طبیب"صفات ذکرکرکے موصوف کی تفصیل کی گئی ہے۔

۷۔۔۔**الترحم:** رحم وکرم کے لیے موصوف کوصفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے،جیسے"لطف الله بعباده الضعفاء" یہاں" الضعفاء "صفت لانے سے مقصود رحم وکرم کا اظہار ہے۔

۸۔۔۔**ابہام:** ابہام اور پوشید گی کے لیے موصوف کوصفت کیساتھ مقید کیا جاتا ہے،جیسے"تصدق بصدقة قليلة أوكثيرة" یہاں "قليلة أوكثيرة" اوصاف سے مقصود موصوف میں ابہام پیدا کرنا ہے[1]۔

۲۔۔۔تاکید:

مسند الیہ، مسند یا متعلقات فعل میں سے کسی متبوع کے حکم کو بحیثیت شمول کے پختہ کرنے، یا متبوع کے حکم کو بحیثیت نسبت پختہ کرنے، یا حکم کے عام ہونے نہ ہونے کو بیان کرنے، یا متبوع سے معنیٰ مجازی کے وہم کو دور کرنے، یا تلفظ میں سہو کے وہم کو دور کرنے کی اغراض سے تاکید لائی جاتی ہے،اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسند الیہ یا مسند کی تاکید لانے کے کئی مقتضیات ہیں،چند حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔مسند الیہ کی تاکید لانے کا پہلا مقتضی یہ ہے کہ مسند الیہ کو محقق اور ثابت کرنے کے لیے اس کی تاکید لائی جاتی ہے تاکہ سامع کو اس کے غیر کا شبہ نہ رہے، جیسے کوئی کہے:"جاء نی زیدزید"۔اس سے سامع کے ذہن میں زید کے علاوہ کا شبہ نہیں رہتا۔

۲۔۔۔مسند الیہ کی تاکیدلانے کا دوسرا مقتضی یہ ہے کہ مسند الیہ میں مجاز کا وہم ہوتا ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے کلام میں تاکیدلائی جاتی ہے، جیسے کوئی کہے:"قطع اللص الأمير"،(بادشاہ نے چور کا ہاتھ کاٹا ہے)اس سے مخاطب کو یہ وہم ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بادشاہ نے خود چور کا ہاتھ نہ کاٹا ہو،بلکہ اس کے کسی ملازم اور نوکر نے کاٹا ہو۔شاید بادشاہ کی نسبت مجازی ہو تو اس وہم کو زائل کرنے کے لیے متکلم اپنے کلام میں تاکیدلاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ"قطع اللص الأميرالأمير"۔یایوں کہتا ہے کہ"قطع اللص الأميرنفسُه نفسُه"۔

۳۔۔۔تیسرا مقتضی یہ ہے کہ کبھی سہو کے وہم کو دور کرنے کے لیے مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے،یعنی بعض اوقات یہ وہم ہوتا ہے کہ سامع نے مسند الیہ کو بھول کر ذکر کیا ہے،ورنہ مسند الیہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے اس وہم کے ازالہ کے لیے مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے، جیسے کوئی کہے:"جاء نی زیدزید"۔یہ تاکید اس کے لیے ذکر لائی

---

[1] البلاغة العربية:۱/ ۴۶۲۔

گئی ہے کہ کہیں سامع یہ نہ سمجھے کہ آیا تو کوئی اور ہے لیکن متکلم نے بھول کر زید کی طرف آنے کی نسبت کی ہے، تو متکلم اس تاکید کیساتھ اس وہم کا ازالہ کر رہا ہے کہ زید ہی آیا ہے اس کے آنے کی خبر میں مجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی ہے۔
۴۔۔۔ مسند الیہ کی تاکید لانے کا چوتھا مقتضی یہ ہے کہ مسند الیہ سے عدمِ شمول کے وہم کو دور کرنے کے لیے مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے، جیسے "جاء نی القوم کلهم" یا "جاء نی القوم اجمعون"، (میرے پاس قوم کے تمام افراد آئے)، یہاں اگر متکلم "کلهم" اور "اجمعون" کا لفظ ذکر نہ کرتا تو سامع کو یہ وہم ہوتا ہے کہ ممکن ہے قوم کے تمام افراد نہ آئے ہوں، بلکہ بعض آئے ہوں اور بعض افراد نہ لائے ہوں، ہو سکتا ہے کہ اکثر افراد کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی طرف آنے کی نسبت کی گئی ہے۔ یا سامع کو یہ وہم ہوا کہ قوم کے تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ تعاون کی وجہ سے فرد واحد کے حکم میں ہیں، اس لیے متکلم نے آنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی ہے، سامع نے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لیے "قوم" مسند الیہ کی تاکید "کلهم" اور "اجمعون" کیساتھ لائے ہیں کہ قوم کے افراد میں سے کوئی فرد باقی نہیں رہا ہے بلکہ قوم کے تمام افراد آئے ہیں [1]۔

۳۔۔۔ بدل:

مسند، مسند الیہ یا دیگر متعلقاتِ فعل کا بدل بنایا جاتا ہے اس وقت اس کی غرض متبوع کو پختہ اور واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ متبوع سامع کے ذہن میں واضح اور پختہ ہو کر بیٹھ جائے، جیسے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ * صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [الفاتحہ :۶،۷]۔ یہاں ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یہ ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کا بدل ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ صراط مستقیم وہی ہے جو منعوم علیہ کا راستہ ہے۔

بدل کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بدل الکل، ۲۔ بدل البعض، ۳۔ بدل الاشتمال ۴۔ بدل الغلط۔

۱۔۔۔ بدل الکل کی تعریف:

بدل الکل وہ ہے کہ اس کا مدلول مبدل منہ کا ہو، یعنی بدل اور مبدل منہ کا مدلول اور مصداق ایک ہو، جیسے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيَامًا لِّلنَّاسِ﴾[المائدۃ: ۹۷]. اس میں "الْكَعْبَةَ" اور "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" دونوں کا مدلول و مصداق ایک ہے۔ بدل الکل مرکبِ اضافی ہے اس میں اضافت بیانیہ ہے اور "الکل" کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: "بدل هو کل المبدل منه"، یعنی بدل جو مبدل منہ کا کل

---

(۱) مختصر المعانی: ۱/ ۱۷۷۔

ہے، چونکہ اس میں بدل تمام اس چیز پر صادق آتا ہے جس پر مبدل منہ صادق آتا ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ بدل الکل لانے کے اغراضِ بلاغیہ تفسیر و توضیح بعد الاجمال، تعمیم اور تثبیت المعنی فی نفس المخاطب وغیرہ ہیں۔

۲۔۔۔بدل البعض کی تعریف:

بدل البعض وہ ہے کہ اس کا مدلول مبدل منہ کا جزء ہو، جیسے: ﴿فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ "مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ"﴾.[آل عمران: ۹۷]۔ اس میں "مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ" بدل البعض ہے جو "اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ" مبدل منہ کا ایک جزء ہے۔ بدل البعض مرکب اضافی ہے، اس میں بھی اضافت بیانیہ ہے اور الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے، یعنی "بدل ہو بعض المبدل منہ" (بدل جو مبدل منہ کا بعض ہے) اور چونکہ اس میں بدل کا مدلول مبدل منہ کا بعض ہوتا ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے اور بدل البعض کے اغراض بلاغیہ اہمیت و افادیت وغیرہ ہیں۔

۳۔۔۔بدل اشتمال کی تعریف:

بدل الاشتمال وہ ہے کہ اس کا مدلول مبدل منہ سے تعلق اور علاقہ رکھنے والا ہو، لیکن یہ تعلق اور علاقہ بدل کے مبدل منہ کے کل یا جزء ہونے کے علاوہ ہو، جیسے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ "قِتَالٍ فِيْهِ"﴾.[البقرۃ: ۲۱۷]۔ اس میں "قِتَالٍ فِيْهِ" بدل ہے اور "الشَّهْرِ الْحَرَامِ" مبدل منہ ہے، لیکن اس میں "الشَّهْرِ الْحَرَامِ" مبدل "قِتَالٍ" بدل پر مشتمل اور اس کا ظرف ہے اس لیے کہ "قِتَالٍ" اس میں واقع ہے۔ بدل الاشتمال مرکب اضافی ہے اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے۔، یعنی بدل جس کے لانے کا سبب ایک کا دوسرے پر مشتمل ہونا ہے۔ اور بدل البعض کے اغراض بلاغیہ تثبیت الاصل، اہتمام الاصل، توضیح، تقریر، تاکید اور توجیہ بالمقصود وغیرہ ہیں۔

۴۔۔۔بدل الغلط کی تعریف:

بدل الغلط وہ ہے کہ جس کو غلطی کے بعد دوسرے الفاظ سے یاد کریں، جیسے " وجهك بدرٌ شمسٌ "۔ اس میں " شمسٌ " بدل الغلط ہے متکلم "بدرٌ" کہنا چاہتا تھا، لیکن سبقتِ لسانی سے " شمسٌ " کہہ گیا، لیکن فوراً خیال کے بعد اس غلطی کے تدارک کے لیے اس نے " شمسٌ " بدل کو ذکر کیا اور بدل الغلط بھی مرکب اضافی ہے اس میں اضافت

مسبب کی سبب کی طرف ہے، یعنی وہ بدل جس کا سبب غلطی متکلم ہے چونکہ اس کے ذکر کا سبب غلطی متکلم ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بدل الغلط بلغاء کے کلام میں واقع نہیں ہوتا[۱]۔

۴۔۔۔عطف بحرف:

عطف لغت میں مائل کرنے کو کہتے ہیں اور حرف عظف بھی اپنے مابعد کو ماقبل کے حکم کی طرف مائل کرتا ہے اس سے اس کو حرفِ عطف کہتے ہیں، اس کو حرف نسق بھی کہتے ہیں، نسق کے لغوی معنی ترتیب دینے کے ہیں اور چونکہ اس جگہ بعض مواضع میں معطوف معطوف علیہ کے ترتیب سے آتا ہے اس لیے ان کا یہ نام رکھا گیا ہے، جیسے "جاء نی زید فعمرو ثم بکر"۔ میرے پاس پہلے زید آیا، پس اس کے بعد عمرو آیا پھر اس کے بعد بکر آیا۔ عطف بحرف لانے کی درج ذیل اغراض ہیں:۔

۱۔۔۔بعض اوقات مسند الیہ پر کسی چیز کا عطف کر دیا جاتا ہے تا کہ اختصار کیساتھ مسند الیہ کی تفصیل ہو جائے، جیسے : ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ﴾ [القصص:۸] یہاں "إن فرعون كانَ خاطِئا، وهامٰن كان خاطئا، وجنودَهما كانوا خاطئين" کہنے میں اختصار نہ رہتا، جب کہ عطف کی صورت میں اختصار بھی ہے اور مقصود بھی ادا ہو گیا ہے۔

۲۔۔۔عطف بحرف لانے کی دوسری غرض یہ ہے کہ اسے مسند کی تفصیل بیان کرنے کی غرض سے لایا جاتا ہے، یعنی یہ بات بتانے کے لیے بھی حرف عطف لایا جاتا ہے کہ ان دو میں سے ایک سے اسناد پہلے حاصل ہے اور دوسرے سے اسناد بعد میں حاصل ہے، جیسے "جاء نی زیدفعمرو"۔ اس مثال میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ پہلے زید آیا ہے، پھر بعد میں عمرو آیا ہے[۲]۔

---

[۱] البَدلُ المباين، وهو ثلاثة أقسام. (۱) بدل الغلط، ويأتي تداركاً لشيءٍ غير صحيح ولا مراد، لكن سبَق إليه الفكر أو اللّسان على سبيل الغلط. (۲) بدل النيسان، ويأتي تصحيحاً لأمر قُصِدَ أوّلاً، ثُمَّ ظهر للمتكلّم أنَّه قد كان ناسياً. (۳) وبدلُ الإضراب عن المبْدَلِ منه، ويأتي تداركاً لما يرادُ التعبير عنه، مع صحّة إرادة الْمُبْدَلِ منه، لكن المتكلّم أضربَ عنه صارفاً النظر عن الاهتمام به، أو موجّهاً النظر بعنايةٍ إلى الْبَدَل. أمّا كَوْنُ البدل من القيود في الجملة فيظْهَرُ في بعض أقسامه بلا إشكال، أمّا قسم البدل المباين فإدْخاله في عموم القيود هو على سبيل التسمُّح، وعلى معنى أن البدل صحَّح ما سَبَق في البيان بقيْدٍ لفظيّ مُلْغٍ لَهُ على سبيل الإبدال. (البلاغة العربية:۱/٤٦٨).

[۲] جواہر البلاغہ:۱۴۶۔

۳۔۔۔مسند الیہ پر حرف عطف داخل کرنے کی تیسری غرض یہ ہے کہ مخاطب کلام سمجھنے میں غلطی اور خطاء کی ہے تو متکلم حرفِ عطف کیساتھ مسند الیہ ذکر کرکے مخاطب کو اس کی غلطی اور خطاء پر متنبہ کرکے اسے صحیح بات کی طرف لاتاہے، جیسے "جاء نی زید لا عمرو"-یہ اس وقت کہاجاتاہے جب مخاطب نے یہ سمجھاہو کہ زید آیا ہے جب کہ حقیقت میں زید نہ آیاہو بلکہ عمرو آیاہو۔

۴۔۔۔حرفِ عطف لانے کی پانچویں غرض یہ ہے کہ حرف عطف حکم کو ایک محکوم علیہ سے پھیر کر دوسرے محکوم علیہ کی طرف متوجہ کیاجائے اسے اعراض اوراضراب کہتے ہیں،اس معنی کوادا کرنے کے لیے حروفِ عاطفہ میں سے "بل" استعمال ہوتاہے خواہ وہ کلام مثبت ہو یا منفی ہو۔کلام مثبت کی مثال، جیسے "جاء نی زید بل عمرو"۔کلام منفی کی مثال، جیسے "ماجاء نی زید بل عمرو"[1]-

۵۔۔۔حرفِ عطف لانے کی پانچویں غرض یہ ہے کہ حروفِ عاطفہ میں سے "او" کو متکلم اس وقت استعمال کرتاہے جس اسے اصل حکم میں شک وتردد ہو۔یا متکلم کو تو کوئی شک نہیں ہے لیکن سامع کو اصل حکم کے متعلق شک میں ڈالنے کے لیے اپنے کلام میں حرف "او" کو ذکر کرتاہے تاکہ جو بات متکلم کہناچاہتاہے وہ بات سامع پر مبہم اور غیر واضح رہے، جیسے "جاء نی زید اوعمرو"-

---

(۱) پھر اس میں اختلاف ہے اور کل تین مذاہب ہیں:جمہور، مبرد اور علامہ ابن حاجب۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کلام میں "بل" آئے وہ کلام مثبت ہوگا یا منفی ہوگا۔اگر وہ کلام مثبت ہو، جیسے "جاء نی زیدبل عمرو"، تو اس میں دو مذہب ہیں:جمہور کے نزدیک اس میں آنے کے فعل کی اسناد تابع کے لیے ثابت ہوگی اور متبوع مسکوت عنہ کے حکم میں ہوگا نہ تو اس کے لیے حکم ثابت ہوگا اور نہ ہی اس سے حکم کی نفی ہوگی،لہٰذا مذکور مثال میں "عمرو" کے لیے تو حکم ثابت ہے لیکن زید کے لیے آنے کا حکم نہ تو ثابت ہے اور نہ ہی زید سے آنے کی نفی کی جارہی ہے،یہ بھی ہوسکتاہے کہ زید کے حکم ثابت ہو اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ زید کے لیے حکم ثابت نہ ہو۔علامہ ابن حاجبؒ کے نزدیک ان جیسی مثالوں حکم تابع کے لیے قطعی طور پر ثابت ہوتاہے اور متبوع سے قطعی طور پر حکم منتفی ہوتاہے۔اوراگر کلام منفی ہو تو اس میں تین مذاہب ہیں:
علامہ ابن حاجبؒ کے نزدیک کلام منفی "ماجاء نی زید بل عمرو" اس جیسی مثالوں میں تابع سے حکم قطعی طور پر منتفی ہوتاہے اور متبوع کے لیے ثابت ہوتاہے اوراس مثال کامطلب ان کے نزدیک یوں ہوگا کہ عمرو نہیں آیاہے زید آیاہے۔امام مبردؒ کے نزدیک کلام منفی میں تابع سے حکم قطعی طور پر منفی ہوتاہے اور متبوع مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتاہے یعنی اس میں دونوں احتمال ہیں،اس کامطلب یہ ہوگا کہ عمرو نہیں آیاہے اورزید ہوسکتاہے آیاہو اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ نہ آیاہو۔ جمہور کے نزدیک کلام منفی میں حکم تابع کے لیے قطعی طور پر ثابت ہوتاہے اور متبوع مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتاہے۔ مختصر المعانی:۱/۱۸۶۔

۶۔۔۔ حرفِ عطف لانے کی چھٹی غرض یہ ہے کہ حروفِ عاطفہ میں سے "او" کو تخییر اور اباحت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے "لیدخل الدار زیدا اوعمروا"۔ گھر میں زید یا عمرو میں سے کوئی ایک داخل ہو جائے۔ اباحت اور تخییر میں فرق یہ ہے کہ اباحت میں دونوں امور جمع ہو سکتے ہیں اور تخییر میں دونوں میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں[1]۔

حروفِ عاطفہ درج ذیل ہیں:۔

"واؤ، فاء، ثم، حتیٰ، إما، أو، أم، لا، بل، لٰکن."

۱۔۔۔ واو عاطفہ: یہ مطلقاً دو چیزوں کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے اور اس کے ذریعے مابعد کا ما قبل پر عطف ہوتا ہے، جیسے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّإِبْرٰهِيْمَ﴾ [الحدید:۲۶]۔ کبھی اس شئ کے لاحق پر عطف ہوتا ہے، جیسے ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ [الشوریٰ:۳] اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "واؤ" کے معطوف اور معطوف علیہ میں تقارب یا تراخی بھی جائز ہے۔

۲۔۔۔ فاء: یہ عاطفہ درج ذیل تین معانی کے لیے آتی ہے:۔

۱۔ ترتیب ۲۔ تعقیب ۳۔ سببیت۔

(الف)۔۔۔ ترتیب : معطوف معطوف علیہ پر مرتب ہو، جیسے: ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّه فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ﴾ [ھود:۴۵]۔ اس میں "نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّه" کے بعد یہ "فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ" کی گئی ہے۔

(ب)۔۔۔ تعقیب : "فاء" کے مدخول کا مدخول علیہ کے بعد اور اس کے نتیجہ میں آنا، جیسے :﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً، فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا، فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ [المؤمنون:۱۴]۔ "فاء" تعقیب پر دلالت کرتی ہے اور تعقیب میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیے اس کے متعلق کوئی قاعدہ نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ہر چیز کے لیے فاصلہ اس چیز کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے، جیسے ﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحِ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً--﴾۔ (الحج:۶۲) آسمان سے پانی اتر جانے کے بعد اتنی دیر اس میں بھی لگ جاتی ہے جتنی دیر سرسبزی کی روئیدگی میں لگتی ہے۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۱۸۶۔

(ج)۔۔۔سببیت: یعنی فاء کا ماقبل، مابعد کے لیے سبب ہو، جیسے: ﴿فَوَكَزَهُ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ [القصص: ۱۵][۱]۔اس میں "قَضٰى عَلَيْهِ" کے لیے ماقبل " فَوَكَزَهُ مُوْسٰى "سبب ہے۔

۳۔۔۔"ثم" عاطفه: زمانے کی تراخی کے ساتھ ترتیب پر دلالت کرتا ہے، جیسے: ﴿وبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ * ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ * ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ﴾[السجدۃ:۷]۔

٤۔۔۔"حتی" عاطفه: رفتہ رفتہ اعلیٰ چیز یا ادنیٰ چیز کی طرف پہنچنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر:۵]۔کلامِ عرب میں " حتی "کا عطف کے لیے استعمال ہونا بہت کم ہے اسی وجہ سے کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ "حتی" عطف کے لیے سرے سے ہے ہی نہیں، علامہ سیوطیؒ الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا "حتی" مجھے معلوم نہیں ہے جو عطف کے لیے استعمال ہوا ہو۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبیلہ ہذیل کی لغت میں "حتی" کی "ح" کو "ع" سے بدل دیا جاتا ہے[۲]۔

۵۔۶۔۷۔۔۔إما، أو، أم: یہ تینوں احد الامرین کے لیے حکم کو مبہم طور پر ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں، جیسے: العدَد إِمَّا زَوْج أو فَرْد- ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾[کہف:۱۹]، ﴿وَإِنْ أَدْرِيْ أَقَرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الأنبياء:۱۰۹]۔

۸۔۔۔لا عاطفه: مابعد سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: "زَيْد قَائم، لا قاعِدٌ".

۹۔۔۔بل عاطفه: اضراب یعنی: معطوف علیہ سے اعراض اور معطوف کے اثبات کے لیے آتا ہے، جیسے:" مازيد قائم؛ بل قائم-"

۱۰۔۔۔لکن: مابعد کے لیے حکم کے اثبات کے لیے آتا ہے اور قصر کا فائدہ بھی دیتا ہے، جیسے: ما الشَّاعِر أبو تَمَّام والمتَنَبِّي؛ لٰكِن البُحْتُري[۳]-

۵۔۔۔عطف بیان

عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو (یعنی اس معنی پر جو ذاتِ متبوع میں ہوتے ہیں دلالت نہ کرے جیسے صفت دلالت کرتی ہے) اور اپنے متبوع کو واضح اور روشن کرے، جیسے "اقسم باللہ ابوحفص عمر" (ابو حفص

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۴۷۔

[۲] الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۲۸۔

[۳] جواہر البلاغۃ:۱۴۶۔

عمر نے اللہ کی قسم کھائی)۔اس مثال میں "عمر"عطف بیان "ابو حفص"کا ہے اور "ابو حفص" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ عطف بیان میں شرط یہ ہے کہ نام کنیت سے زیادہ مشہور ہو۔ اس لیے کہ عطف بیان سے مقصود اس کے متبوع کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے تو اس لیے نام کا متبوع سے زیادہ مشہور ہونا ضروری ہے۔ عطف بیان کی اغراض مختلف ہیں[1]:

۱۔۔۔ معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے :﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ "زَكَرِيَّا"﴾[مریم:۱] یہاں﴿عَبْدَهُ﴾ مبیَّن اور ﴿زَكَرِيَّا﴾ بیان ہے اور "أقْسَمَ باللهِ أبوْ حَفْصٍ عُمَرُ" وغیرہ۔

۲۔ ۔۔۔ معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرتے ہوئے اس کی تعریف کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ"﴾[مائدۃ:۹۷]۔ یہاں کعبہ ایک مخصوص عمارت کا علم ہے اور مشہور بھی ہے اور﴿اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ سے محض تعریف و تعظیم مقصود ہے۔

۳۔ ۔۔۔ متبوع کی تعریف اور عظمتِ شان کو بتانے کے لیے عطف بیان کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [المائدۃ:۹۷]۔ یہاں "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" عطف بیان متبوع "الْكَعْبَةَ" کی علوشان کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔۔۔ متبوع کی حقارت پر دلالت کرنے کی وجہ سے برائی بیان کرنا، جیسے: ﴿مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ "صَدِيْدٍ" يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ﴾[ابراہیم:۱۷-۱۶]۔ صدید کے معنی خون ملی پیپ کے ہیں، یہ لفظ حقارت پر دلالت کرتا ہے اس کے ذریعہ " مَّآء" کا بیان لانا مذمت بیان کرنے کے لیے ہے[2]۔

تمرین

درج مثالوں میں تقیید بالتوابع کی اقسام اور ان کے اغراض کی نشاندہی کریں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ .

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۴۵۔

[2] يُلاحَظُ أَنَّ عَطْف البيان يكونُ في اللَّقب بعد الاسم العلم، مثل "جَاءَ عليٌّ زيْنُ العابدين". وفي الاسم العلم بعد الكنية، مثل: "أَقْسَمَ بالله أبو حفصٍ عُمَر". وفي المحلَّى بـ"ال" بعد اسم الإشارة، مثل: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فيه﴾ [البقرة: ٢] . وفي الموصوف بَعْدَ الصِّفَة، مثل: "بعثَ اللهُ الكليمَ مُوسَى إِلَى فِرْعَوْن وَمَلَئِه" وَفي التفسير بَعْدَ الْمُفَسَّر، مثل: "الْعَسْجَدُ الذَّهَبُ تَجِبُ فِيه الزَّكَاة".(البلاغة العربية:٤٦٥/١)

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ. أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ. فإِذَا نُفِخَس في الصُّورِ نَفْخَةٌ واحِدَةٌ. قَالَ ياآدم هَلْ أَدُلُّكَ على شَجَرَةِ الخلد وَمُلْكٍ لاَّ يبلى. حضر الرُّؤسَاءُ أَنْفُسُهُمْ. أخذ زيد ماله. عبد الله بن عباس ابن عم رسول الله ﷺ . كان عثمان ذو النورين ختان رسول الله ﷺ . امير المؤمنين عمر (رضى الله عنه)ثالث الخلفاء . جاءني محمد الأديب. جئت أنا . قدم صديقك نفسه . جاء القوم كلهم . جاء القوم حتى خالد . قال أبو الحسن علي كرم الله وجهه. رَأَيْتُ غَضَنْفراً، أَيْ: أَسَداً. امرأةُ نوحٍ وامرأةُ لُوطٍ كافِرَتَانِ كِلْتَاهُمَ. الصَّالحُونَ كُلُّهُمْ، أو جميعهم، أو عامَّتُهم، يدخلون الجنّة يوم الدين. الصالحات كُلُّهُنَّ، أو جميعُهُنّ، أو عامَّتُهُنَّ، يدخُلْنَ الجنَّةَ يَوْمَ الدّين. مَرَرْتُ بالْقَوْمِ أَجْمَعِينَ أَكْتَعِينَ أَبْصَعِينَ أَبْتَعِينَ.

ایک حل شدہ مثال:

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:"الْحَمْدُ"**مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام جنسی** ویاکہ استغراقی ویاکہ عہد خارجی ویاکہ عہد ذہنی...... **مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت و تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح......** "لِلّٰہِ"**مسند محکوم بہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف افادۃ القصر...... مسند مذکور غرض ذکرِ مسند عدم وجود مایدل علیہ موصوف......** "رَبِّ الْعَالَمِينَ"**صفتِ اول......** "الرَّحْمَنِ"**صفتِ ثانی......** "الرَّحِيمِ"**صفتِ ثالث...... غرضِ تقیید بالصفات مدح المنعوت...... اسناد اسناد حقیقی...... موصوف اپنے صفات سے مل کر مسند...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔**

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوت مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبر ابتدائی......جملہ مقیدہ بالصفات غرضِ تقیید مدح المنعوت۔

بابِ سوم:

قصر کا بیان

یہ باب درج ذیل پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: قصر کا بیان

فصلِ دوم: مقصور اور مقصور علیہ کی تعیین کے اصول و قواعد

فصلِ سوم: قصر کی اقسام انواع

فصلِ چہارم: قصر اضافی کی اقسام

فصلِ پنجم: طرفین کے اعتبار سے قصر کی اقسام وانواع

فصل اول: قصر کا بیان

قصر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

"قصر" کے لغوی معنی روکنے اور محبوس کرنے کے ہیں، محاورہ ہے۔"قَصَرْتُ اللِّقْحَةَ عَلَى فَرَسِي."(میں نے اونٹنی کے دودھ کو گھوڑے کے لیے محدود کر دیا)۔ قرآن مجید میں ہے۔"حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ"(سورة الرحمن:۷۲)"أي محبوسات فيها۔[۱]" اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ درج ذیل طرق اربعہ میں سے کسی ایک طریقہ پر ایک شیٔ کو(موصوف ہو یا صفت) دوسری چیز کیساتھ اس طرح خاص کر دیا جائے کہ وہ اس سے آگے نہ بڑھے۔ یعنی قصر بلاغت کی اصطلاح میں ایک شیٔ کو دوسری شیٔ کیساتھ ایک مخصوص طریقہ پر خاص کرنے کو قصر کہتے ہیں، جس چیز کو خاص کیا جائے اُسے مقصور اور جس کیساتھ کسی چیز کو خاص کیا جائے اُسے مقصور علیہ اور وہ مخصوص طریقہ جس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کیساتھ خاص کیا جائے اُسے طریقِ قصر کہا جاتا ہے، جیسے "يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ"(سورة ال عمران:۶۴) یہاں "نَعْبُدَ" مقصور اور "اللّٰهَ" مقصور علیہ اور "لَا" اور "إِلَّا" طریق قصر ہے۔ اُردو میں قصر کے لیے یہ الفاظ استعمال یہ ہوتے ہیں: ہی، تو، سوائے، بجز، جز، بدوں، بن، بغیر، صرف، محض، فقط[۲]۔

قصر کی مذکورہ تعریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ارکانِ قصر چار(مقصور، مقصور علیہ، مقصور عنہ، مقصور بہ) ہیں، جس چیز کو خاص کیا جائے اسے مقصور کہتے ہیں، جس کیساتھ کسی چیز کو خاص کیا جائے اُسے مقصور علیہ کہتے ہیں، جس چیز کو قصر کے ذریعے نفی کی جائے اسے مقصور عنہ کہتے ہیں اور ادواتِ استثناء کو مقصور بہ کہتے ہیں۔ جیسے "لاَ إلٰه إلاَّ الله"۔ اس میں صفتِ الوہیت مقصور، اللہ تعالی مقصور علیہ، ماسوی اللہ مقصور عنہ ہے اور ادوات استثناء "لاَ" اور "إلاَّ" مقصور بہ ہیں۔

---

[۱] كتاب التعريفات، الجرجاني: ص۱۸۳.

[۲] جواہر البلاغہ: ۱۶۵، نیل الامانی: ۱/۷۴۲، علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۲۷۔

طرقِ قصر کا بیان

قصر کے مشہور و معروف درج ذیل چار طریقے ہیں[1]:۔

۱۔نفی و استثناء ۲۔اِنما ۳۔عطف بلا، و بل، و لکن ۴۔تقدیم ماحقہ التاخیر۔

۱۔۔۔نفی و استثناء: قصر کا پہلا طریقہ حرفِ نفی ذکر کرنے کا ہے، خواہ حرفِ نفی "ما" ہو، یا "لا" ہو، یا ان کے علاوہ ہو، جیسے "اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ" (سورۃ النساء:۸۷) یہاں "إِلَهَ" مقصور اور "اللّٰهُ" مقصور علیہ ہے۔ اس طریقِ قصر میں استثناء کا ماقبل مقصور اور مابعد مقصور علیہ ہوتا ہے[2]۔

۲۔۔۔اِنما: قصر کا دوسرا طریقہ "اِنما" کو ذکر کرنے کا ہے، جیسے "قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ" (سورۃ الملک:۲۶) یہاں صفتِ علم (مقصور) کو اللہ تعالیٰ "مقصور علیہ" کیساتھ مختص کیا گیا ہے۔ اس صورت میں

---

(۱) علامہ عبد الرحمن سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں چودہ طرق قصر بیان کی ہیں۔ دیکھئے: الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۳۲، البلاغۃ العربیہ:۱/۵۳۱۔

(۲) استثناء کا مفید حصر ہونا نفی کیساتھ خاص ہے یا اثبات سے استثناء کرنا بھی مفید حصر ہے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، علامہ بہاؤالدین صاحب "عروس الافراح" کا نقطہ نظر یہ ہے کہ استثناء نفی کیساتھ ہو یا ایجاب کیساتھ بہر حال دونوں صورتوں میں مفید قصر ہے، جیسے "قام الناس الا زیدا" کہ اس میں عدم قیام زید پر مقصور ہے۔ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ نے حاشیہ مطول میں شرح مفتاح شریفی کے بعض حواشی کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد جو تحقیق ذکر کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قصر نفی واستثناء مفرغ اور اس کا استثناء کیساتھ خاص ہے جس میں مستثنی مستثنی منہ کے لیے جزئی ہو، جیسے "ماجاء نی الا زید، ماجاء نی احد الا زید"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مقصود اس چیز کو ثابت کرنا ہوتا ہے جو مستثنی سے مستفاد ہوتی ہے اور نفی کو اسی اثبات کی تاکید کے لیے لاتے ہیں، یعنی اس میں حکم واحد ہوتا ہے جو اثبات قصدی اور نفی تبعی دونوں کو متضمن ہوتا ہے۔ اس بات کی تاکید علامہ تفتازانیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے "تلویح" میں بحث استثناء میں کہا ہے کہ "ماجاء نی الا زید" اور "مازید الاقائم" دونوں کلام زید کی مجیئت اور اس کے کلام کو بطریق تاکید ثابت کرنے کے لیے ہیں۔ "حتی قالوا إنه تاکید علی تاکید"۔ بخلاف اس صورت کے کہ مستثنی مستثنی منہ کا جزء ہو، جیسے "جاء نی القوم إلا زید" کہ اس میں جہاں مستثنی منہ میں حکم مقصود ہوتا ہے وہیں مستثنی میں اس حکم کے خلاف کرنا مقصود ہوتا ہے، پس اس میں اثبات و نفی ہر دو حکم مقصود بالافادہ ہوتے ہیں، اس لیے یہ مفید قصر نہیں ہو سکتا، کیونکہ قصر تو حکم واحد ہوتا ہے۔ "أعني تخصیص شئ بشئ"۔ علامہ ابن یعقوب مغربی نے "مواہب الفتاح" میں استثناء من الاثبات کے مفید قصر نہ ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ استثناء من الاثبات صرف حکم ایجابی کی تصحیح کے لیے ہوتا ہے۔ پس "جاء القوم إلا زید" ایسے ہی ہے، جیسے "جاء القوم المغایرون لزید" اس توجیہ پر اول تو یہ اعتراض ہے کہ یہ اہل عربیت کے قول کے خلاف ہے، کیونکہ اہل عربیت نے یہ کہا ہے کہ اثبات کا استثناء نفی ہے اور نفی کا استثناء کا اثبات دوسرے یہ کہ یہ توجیہ "ماجاء نی القوم إلا زید" میں جاری نہیں ہوتی۔ "فإن الاستثناء فیه أیضاً لقصد الحکم المنفی"۔ (ملخصاً نیل الامانی:۱/۴۲۹)

مقصور پہلے اور مقصور علیہ بعد میں ہوتا ہے[۱]۔

۳۔۔۔عطف بہ "لا، وبل، ولکن": قصر کا تیسرا طریقہ "لا، بل، ولکن" کے ذریعے عطف کرنے کا ہے:

ا۔۔۔"لا" کے ذریعے عطف کی مثال، جیسے "أنا ناثر لا ناظم" اس صورت میں "لا" کے ما قبل کو مقصور علیہ اور "لا" کے مابعد "ناظم" کو مقصور علیہ کا مقابل کہتے ہیں، یعنی میں (مقصور) "ناثر" ہوں (مقصور علیہ) "ناظم" نہیں۔

۲۔۔۔ "بل" کے ذریعے عطف کی مثال، جیسے "أنا ناظم بل ناثر" یہاں "أنا" مقصور "ناثر" مقصور علیہ اور "ناظم" اس کا مقابل ہے[۲]۔

---

[۱] لفظ "إنما" کے مفید قصر ہونے میں دو طرح سے اختلاف ہے اول یہ کہ "إنما" مفید قصر ہے بھی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اگر مفید قصر ہے تو سبب افادہ قصر کیا ہے؟ سو بعض حضرات نے تو سرے سے "انما" کے مفید قصر ہونے سے ہی انکار کر دیا، مگر جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "إنما" مفید قصر ہے خواہ افادہ قصر بالمنطوق ہو یا بالمفہوم۔ عرفاً ہو یا استعمالاً۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ "انما" میں افادہ قصر کا سبب کیا ہے؟ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ "إنما" میں سبب افادہ قصریہ ہے کہ "إنما"، "ان" اور "ما" سے مرکب ہے ان تاکید اثبات کے لیے ہے اور "ما" تاکید نفی کے لیے ہے۔ اب اثبات و نفی ہر دو "إنما" کے مابعد کی طرف راجع نہیں ہو سکتے ورنہ تناقض لازم آئے گا، اس لیے کہ یہی کہا جائے گا کہ ان میں سے ایک "إنما" کے مابعد کی طرف راجع ہے اور ایک اس کے ماعدا کی طرف۔ پھر "إنما" کے مابعد کی طرف نفی راجع ہو خلاف اجماع ہے، اس لیے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اثبات مابعد کے لیے ہے اور نفی اس کے ماسوا کے لیے اور جب نفی و اثبات دونوں جمع ہوں گئے تو لازمی طور پر قصر ہو گا، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ دو غلط مقدموں پر مبنی ہے اول یہ کہ اس میں "ان" کو تاکید اثبات کے لیے کہا گیا ہے، حالانکہ "ان" تاکید نسبت کے لیے ہے! دوسرے یہ کہ اس میں "ما" کو نافیہ مانا گیا ہے، حالانکہ "ما" نافیہ نہیں ہے "ما" کافہ ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ "إنما" میں "ما" نافیہ ہے اس کو نحو کی ہوا بھی نہیں لگی۔ علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ "ان" اور "ما" دونوں تاکید کے لیے ہیں، جب دو تاکیدیں جمع ہیں لا محالہ قصر ہو گا۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اجتماع تاکیدین مفید قصر ہو تو "ان زید القائم" بھی مفید حصر ہونا چاہیے، کیونکہ اس میں بھی دو تاکیدیں جمع ہیں، الا یہ کہ دو حرف تاکید کا پے در پے جمع ہونا مراد ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ "انما" کے مفید قصر ہونے کا سبب کیا ہے؟ یہ مختلف فیہ ہے۔ ملخصاً نیل الامانی: ۱/ ۴۲۹۔

[۲] وأمّا كلمة "بل" العاطفة، ومعناها الإضرابُ عن الأول، والإثبات للثاني، وللعطف بها شرطان. الأول: أن يكون المعطوف بها مفرداً، أي: غير جملة. الثاني: أن تكون مسبوقة بإيجابٍ أو أمْرٍ أو نهْيٍ أو نَفْيٍ. فإن وقعت بعد كلام مثبت خبراً كان أو أمراً، كانت للإضراب والعدول عن شيءٍ إلى آخر. وإن وقعت بعد نفْيٍ أو نَهْيٍ كانت للاستدراك بمنزلة "لكِنْ". والعطف بكلمة "بل" يفيد القصر، والمقصور عليه بها هو ما بعدها، المعطوف بها، ففي قولنا: "لا تأكل دُهْناً حيوانيّاً بل دهناً نباتيّاً". دهْناً نباتيّاً: هو المقصور عليه، وهو المعطوف بكلمة "بل". دُهْنَا حَيَوانيّاً: هو المقصور عنه. وهو المعطوف عليه. الأكْل المفهوم من "لا تأكل": هو المقصور. أي: ليكن أَكْلُكَ بالنسبة إلى الأدهان مقصوراً على الدهن

۳۔۔۔ "لکن" کے ذریعے عطف کی مثال، جیسے " أنا ناظم لكن ناثر" یہاں "أنا" مقصور "ناثر" مقصور علیہ ہے[1]۔[2]

٤۔۔۔تقدیم ماحقه التاخیر: قصر کا چوتھا طریقہ تقدیم ماحقہ التاخیر کا ہے، جیسے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (سورۃ الفاتحہ:۵) یہاں عبادت اور استعانت کو اللہ تعالی کیساتھ مختص کیا ہے اور غیر اللہ سے اس کی نفی کی ہے، لیکن عبادت کا قصر باری تعالی پر قصر حقیقی تحقیقی ہے اور استعانت کا قصر ذات باری تعالی پر قصر حقیقی ادعائی ہے، کیونکہ غیر اللہ سے استعانت در حقیقت لا استعانت ہے۔ واضح رہے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر میں مقصور علیہ مقدم اور مقصور مؤخر ہوتا ہے[3]۔

النباتي، ومبتعداً عن الدهن الحيواني. وهذا قصر إضافيٌّ من قصر الصفة على الموصوف، إذ الموصوف هنا مطلق "الدُّهن" والصفة كونه دهناً نباتيّاً، والوصيةُ توجّه أن يكون المأكول من الأدهان الدّهن النباتي. (البلاغة العربية:١/٥٣٤).

[1] یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ "لا، بل" کے ذریعہ سے عطف کا مفید قصر ہونا بیانیین حضرات کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے، لیکن شیخ بہاؤالدین سبکیؒ "عروس الافراح" میں فرماتے ہیں کہ "لا" کیساتھ عطف میں کوئی قصر نہیں ہوتا، بلکہ صرف نفی اور اثبات ہوا کرتا ہے۔ "زید شاعر لا کاتب" میں کسی تیسری صفت کی نفی سے کوئی تعرض نہیں ہے، حالانکہ قصر صرف اسی صفت کی نفی سے خاص نہیں ہے جس کا مخاطب اعتقاد رکھتا ہو، بلکہ قصر اسی وقت ہوتا ہے جب صفت مثبت کے علاوہ حقیقۃً یا مجازاً تمام صفات کی نفی ہو۔ اور "بل" کیساتھ عطف تو قصر سے اور بھی زیادہ بعید ہے، کیونکہ اس میں نفی اور اثبات دائمی نہیں ہوتا۔ نیل الامانی:١/٤٢٧۔

[2] وأمّا كلمة "لكِنْ" العاطفة، فهي للاستدراك بعد النفي، وللعطف بها ثلاثة شروط: الأوّل: أن يكون المعطوف بها مفرداً، أي: غير جملة. الثاني: أن تكون مسبوقة بنفي أو نهي. الثالث: أن لا تقترن بالواو. والعطف بكلمة "لكن" يفيد القصر، وحالها كحال "بل" فالمقصور عليه بها هو ما بعدها المعطوف بها، ويصلح هنا مثال: "مَا طلعَ الْفَجْرُ الصّادقُ لَكِنِ الفجر الكاذب". الفجر الكاذب: هو المقصورُ عليه، وهو "موصوف". الفجر الصادق: هو المقصورُ عنه. الطلوع الخاص: هو المقصور، وهو "صفة". القصر في هذا المثال قصر إضافي من قصر الصفة على الموصوف، إذ لا يقتصر الطلوع على الفجر. (البلاغة العربية:١/٥٣٦).

[3] نبَّهَ البلاغيون على أنّ تقديم ما حقّه التأخير في الجملة قد يُفِيدُ القصر في بعض صُوره، ومن ذلك ما يلي: (١) تقديم المعمول على عامله.

(٢) تقديم المسند إليه إذا كان حقُّه في الجملة التأخير. (٣) تقديم المسند إذا كان حقُّه في الجملة التأخير. أمّا تقديم المعمول على عامله فجمهور البلاغيين على أنّه يفيد القصر، سواءٌ أكان مفعولاً، أم ظرفاً، أم مجروراً بحرف جرّ، والمقصور عليه هو المقدّم. قول الله عزّ وجلّ في سورة:

مذکور بالا قصر کے مشہور و معروف طریقے ہیں، تاہم ان کے علاوہ بھی قصر کے کچھ غیر معروف طریقے ہیں، جن میں چند یہ ہیں:۔

(۱) لفظ "وحدہ"، جیسے "هزم الاحزاب وحده"۔ (۲) لفظ "فقط"، جیسے "رایت عمروافقط"۔ (۳) لفظ "لاغیر"، جیسے "عندی عشرة دنانیر لاغیر"۔ (۴) لفظ "لیس غیرُ"، جیسے "لزید ابن لیس غیرُ"۔ (۵) مادہ اختصاص، جیسے "نخص منهم بكذا"۔ (۶) ضمیر فصل، جیسے " وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ "[۱]۔ (سورۃ البقرۃ:۵) (۷) مادہ قصر، جیسے "قصرتُ عملی فی الحديقة علی ری الأزهار"[۲]۔ (۸) جملے کے دونوں اجزاء کو معرفہ لانا، جیسے "المنطلق زید"[۳]۔ (۹) دلیل خارجی سے قصر حاصل ہو، جیسے دلیل عقلی، دلیل حسی، دلیل تجربی، دلیل حالی وغیرہ، جیسے "فلانٌ رئيسُ الجمهوريّة "[۱]۔

{إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} [الآية: ٥] . إيَّاكَ: الأولى مفعول به لفعل {نَعْبُد} وإيّاكَ: الثانية مفعول به لفعل {نَسْتَعِين} ، والأصل في المفعول به أن يكون متأخيراً عن عامله. قالوا: دلّ هذا التقديم على تخصيص الله عزّ وجلّ بالعبادة والاستعانة، فالمعنى: لا نَعْبُد إلاَّ إيّاك، ولا نستعين إلاَّ بك. والقصر هنا من قصر الصفة على الموصوف، وهو قصر حقيقي. (البلاغۃ العربیہ:۱/۵۳۷)

[۱] ضمير الفصل: هو ضمير منفصل مرفُوعٌ يُؤْتَى به فاصلاً بين المبتدأ والخبر، أو ما أصله مبتدأ وخبر، ويفيدُ تقوية الإِسناد وتوكيده، وقَدْ يفيد القصر بمساعدة قرائن الحال أو المقال، والمقصور عليه هو ما دل عليه ضمير الفصل.والأصل أنّه لا محلّ له من الإِعراب، وقد يؤتَّى به على أَنَّهُ مبتدأ وما بعده خبرٌ له، وتكونُ الجملة منه ومن خبره هي الخبرَ لما قبلهما. قول الله عزّ وجلّ في سورة (القصص: ٥٨):{وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلاَّ قَلِيلاً وَكُنَّا نَحْنُ الوارثين}. أي: وكنّا نَحْنُ لاَ غَيْرُنَا الْوَارِثِينَ، فقد أفاد ضمير الفصل هنا القصر بقرينة سوابق الجملة. ومنه {فاللهُ هو الولي} [الشورى: ٩]- {وأولئك هُمُ المفلحون} [البقرة: ٥، آل عمران: ١٠٤]- {إِنَّ هذا لَهُو القَصَصُ الحقّ} [آل عمران: ٦٢]- {إِنَّ شانِئَكَ هُوَ الأبْتَرَ} [الكوثر: ٣]- {وأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وأَبْكى} [النجم: ٤٣] . والأمثلة على هذه كثيرة. (البلاغۃ العربیہ:۱/ ۵۴۰-۵۴۴)

[۲] هى أن يكون بعبارة تدلُّ عليه بمادَّتها اللّغويَّة صراحةً، مثل: "دخولُ مكةَ مقصورٌ على المسلمين - غرفة القصر العليا خاصّةٌ بسيِّد القْصَر - سبق الفارس خالدٌ جميعَ الْمُتَسابقين - دخل الزوج إلى مخدع العروس وحده - سدُّ الصّين أعظم سَدٍّ في الأرْض وأطولُه - أبو حنيفة مُنْفَرِدٌ من بَيْنِ المجتهدين في باب الاعتماد على الرأي الثاقب". (البلاغة العربية:٥٣٠/١)

[۳] تعريف طَرَفَي الإِسناد المسند والمسند إليه، ويكون هذا في الجُمَل الاسميّة، أَمّا الجُمَلُ الفعليّة فالفعل فيها بقوّة النكرة، فلا يكون فيها المسند معرّفاً، وليس بعيداً أن نجد جملة فعليّة هي بقوّة جملة اسميّة معرّفة الطرفين، لكن لم يُتَابع

فصلِ دوم: مقصوراور مقصور علیہ کی تعیین کے اُصول و قواعد

مقصوراور مقصور علیہ کی تعیین کے درج ذیل اصول اور قواعد ہیں:۔

طرقِ اربعہ میں ہر ایک کے مقصوراور مقصور علیہ کی تعیین کا اُصول ماقبل بیان ہو چکا ہے، تاہم اس کی مزید تفصیل یہ ہے:۔

قاعدہ نمبرا۔۔۔: نفی واستثناء کی صورت میں ماقبلِ استثناء مقصوراورمابعد استثناء مقصورعلیہ ہو گا، جیسے "ومامحمدالا رسول" میں ماقبل استثناء "محمد" مقصوراورمابعد استثناء "رسول" مقصور علیہ ہے۔

قاعدہ نمبر۲۔۔"إنما" اداتِ قصرکی صورت میں "إنما" کے بعد جزءِ اول مقصوراور جزءِ ثانی مقصورعلیہ ہو گا، جیسے "انمایتذکر أُولوالالباب" میں "یتذکر" مقصور اور "اولوالالباب" مقصورعلیہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۔۔۔ عطف بہ "لا" کی صورت میں ماقبل "لا" کا جزء اول مقصوراور ما قبل "لا" کا جزء ثانی مقصورعلیہ ہو گا، جیسے "أنا ناثرلا ناظم" میں "أنا" مقصوراور "ناثر" مقصورعلیہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۴۔۔ عطف بہ "بل" کی صورت میں مابعد "بل" جزءِ اول مقصوراورمابعد "بل" جزء ثانی مقصورعلیہ ہے، جیسے "بل هم فی لبس من خلق جدید" میں "هم" مقصوراور "فی لبس" میں مقصورعلیہ ہے۔

قاعدہ نمبر۵۔۔۔ عطف بہ "لکن" کی صورت میں مابعد "لکن" جزء اول مقصوراورمابعد "لکن" جزء ثانی مقصورعلیہ ہو گا، جیسے "ماانا طالع لکن قانع" میں "انا" مقصوراور "قانع" مقصورعلیہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۶۔۔۔ تقدیم ماحقہ التاخیر میں مؤخر مقصوراور مقدم مقصورعلیہ ہو گا، جیسے "اياك نعبد" میں "نعبد" میں مقصوراور "اياك" مقصورعلیہ ہے۔

البلاغيون هذا بالبحث، كأن يَدُلَّ دليل العقل على أنّ الفعل لا يَصْدُرُ إلاَّ من الفاعل. فقد يُفيد تعريف طرفي الإِسناد القصر بمساعدة قرائن الحال أو المقال مع إفادته تقوية الإِسناد وتوكيده، والمقصورُ هو المبتدأ الذي يجب في هذه الحالة تقديمه، والمقصور عليه الخبر الذي يجب في هذه الحالة تأخيره. ونمثل لما قد يُفِيدُ القصر من تعريف طرفي الإِسناد: بأنْ يجري حديث حول مشتغلَيْنِ بنظم الشعر، أيُّهما الناظم وأيُّهما الشاعر: "العمريطي" أو "أحمد شوقي" فيقول الخبير الناقد: "الشّاعِرُ أحمد شوقي" أي: أمّا "العمريطي" فناظم لا شاعر.(البلاغة العربية:١/٥٤٤).

(١) البلاغۃ العربیہ:١/٥٤٥۔

قاعدہ نمبر ۷۔۔۔باب قصر میں عموماً پہلے مقصور ہوتا ہے اور مقصور علیہ بعد میں آتا ہے، سوائے تقدیم ماحقہ التاخیر کے کہ اس میں پہلے مقصور علیہ ہوتا ہے اور مقصور بعد میں ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۸۔۔۔خبر معرف باللام کی صورت میں اگر مبتداء معرف بالف لام جنسی ہو تو مبتداء مقصور اور خبر مقصور علیہ ہوگا، جیسے حدیث میں ہے۔"الدين النصيحة " میں"الدین"مقصور اور"النصیحۃ" مقصور علیہ ہے۔اوراگر مبتداء غیر بالف لام جنسی ہو تو پھر خبر مقصور اور مبتداء مقصور علیہ ہوگا، جیسے"انت الامیر"میں"انت" مقصور علیہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔۔۔ضمیر فصل کا ماقبل مقصور علیہ اور مابعد مقصور ہوتا ہے، جیسے"وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"(سورۃ البقرۃ:۵)میں"أُولَئِكَ"مقصور علیہ اور"الْمُفْلِحُونَ" مقصور ہے[1]۔

قواعد فوائد

قاعدہ نمبر۱:قصر میں مقصور کو اداتِ قصر کے ذریعے سے مقصور علیہ کیساتھ مختص اور منحصر کردینا اور یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ مقصور اپنے مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف متجاوز نہیں۔اوراُردو میں مقصور علیہ کے ترجمہ میں عموماً"ھی" آتا ہے، جیسے"إنما زيد قائم"زید کھڑا ہی ہے[2]۔

قاعدہ نمبر۲:ارکانِ قصر چار ہیں:۔(۱)مقصور(۲)مقصور علیہ(۳)مقصور عنہ(۴)مقصور بہ (اداتِ قصر)۔جیسے"لا اله إلا الله"اس میں صفتِ الوہیت مقصور۔اللہ عزوجل مقصور علیہ ہے، کل ماسوا اللہ مقصور عنہ اور"لا"،"إلا" مقصور بہ یعنی ادواتِ قصر ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر۳:مستثنٰی مفرغ مثبت اور منفی کا شمار بالاتفاق قصر اصطلاحی میں ہوتا ہے، جیسے"ماجاء إلا زيد"۔اور مستثنٰی غیر مفرغ منفی کا شمار راجح قول کے مطابق قصر اصطلاحی میں ہوتا ہے، جیسے"ماجاء احد إلا زيد"اور مستثنٰی غیر مفرغ موجب مفیدِ قصر ہے، لیکن راجح قول کے مطابق اس کا شمار قصر اصطلاحی میں نہیں ہوتا ہے، جیسے"قام القوم إلا زيد"[4]۔

---

[1] نیل الامانی:۱/۲۷۱۔

[2] مختصر المعانی:۱/۳۴۶،علوم البلاغۃ للمراغی:۱۳۲۔

[3] البلاغۃ العربیہ:۱/۵۲۷۔

[4] البلاغۃ العربیہ:۱/۵۲۷۔

فائدہ نمبر ا: ”إِنَّمَا“ کی کچھ خصوصیات یہ ہیں:۔
ا۔۔ ”إِنَّمَا“ میں مقصور علیہ ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے، اس کو مقدم کرنا صحیح نہیں، جیسے ” قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ “(سورۃ الکھف:۱۱۰) میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہی ہوں۔
۲۔۔۔ مواقع تعریض میں ”إِنَّمَا“ کا استعمال مستحسن ہوتا ہے، جیسے ”إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“(سورۃ فاطر:۲۸) یہاں صفتِ خشیت کو اہل علم کیساتھ خاص کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر عالم میں خشیت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ کامل درجہ کی خشیت علماء میں پائی جاتی ہے۔ اگر کسی بے عمل عالم کے سامنے یہ آیت پڑھی جائے تو تعریض کے لیے ہوگی، یعنی تو اپنے اندر خوف و خشیت پیدا کر!
۳۔۔ ”إِنَّمَا“ میں بیک وقت مقصور علیہ کے لیے حکم کا اثبات اور ماعدا سے حکم کی نفی ہوتی ہے، جب کہ نفی اور استثناء میں نفی اور اثبات دونوں الگ الگ عبارت سے مفہوم ہوتے ہیں۔
۴۔۔ ”إِنَّمَا“ میں انکارِ شدید نہیں ہوتا، جب کہ نفی اور استثناء میں انکارِ شدید کی وجہ سے حکم میں تاکید پائی جاتی ہے، جیسے ”وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“(سورۃ الرعد:۷)[1]۔

قاعدہ نمبر ۴: جملہ اسمیہ میں پہلے مبتداء پھر خبر ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ میں پہلے فعل، پھر فاعل، مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول فیہ، مفعول لہ، حال، تمیز اور پھر مستثنی ہوتا ہے۔ یہ ترتیب واقعی ہے، اگر اس کے خلاف ہو تو اسے تقدیم ماحقہ التاخیر کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۵: کبھی مسند کو الف لام جنسی کے ذریعہ معرفہ لایا جاتا ہے، تاکہ قصر کا فائدہ دے، خواہ قصر کا فائدہ حقیقۃً ہو، یا ادعاءً ہو۔ اور کبھی مسند کو نکرہ لایا جاتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ مسند الیہ صرف اسی مسند کیساتھ مختص نہیں، بلکہ اس کے علاوہ دوسری صفات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، جیسے ”سعید امیر“۔ نیز کبھی مسند میں اضافت یا صفت کے ذریعہ تخصیص کا معنی پیدا کیا جاتا ہے، اضافت کی مثال، جیسے ”زید غلام رجل“ اور صفت کی مثال، جیسے ”ساجد رجل عالم“ وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۶: کبھی مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل لایا جاتا ہے، اس وقت یہ ضمیر قصر مسند علی المسند الیہ کا فائدہ دیتی ہے، بشرطیکہ طرفین معرفہ نہ ہوں، جیسے ” أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ

---

[1] مختصر المعانی:۱/۳۸۱، نیل الامانی:۱/۴۲۸۔

الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللّٰہَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ"(سورة التوبۃ:۱۰۴)اور جب طرفین معرفہ ہوں تو ضمیر فصل قصر کیساتھ تاکید کا بھی فائدہ دے گی، جیسے"إِنَّ اللّٰہَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ"(سورۃ الذاریات:۵۸) یہاں تاکید کیساتھ صفتِ رزق کو اللہ تعالی پر منحصر کیا ہے، یہ قصرِ حقیقی ہے۔

قاعدہ نمبر۷: نفی جس طرح "ما" کیساتھ ہوتی ہے تو اسی طرح دیگر ادوات سے بھی ہوتی ہے جس طرح استثناء "إلا" کے علاوہ دیگر ادوات سے بھی ہوتی ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۸: "بل" اور "لکن" کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ نفی اور نہی پر مقدم ہوتے ہیں اور "لکن" کیساتھ "واوٗ" نہیں آتا۔ اور "لا" کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا معطوف مفرد ہو گا[2]۔

قاعدہ نمبر۹: دلائل الاعجاز میں ہے کہ "إنما" اور "لا" عاطفہ فصیح کلام میں صرف قلب قصر کے لیے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ افراد کے لیے[3]۔

قاعدہ نمبر۱۰: "إنما" کے بعد انفصالِ ضمیر جائز ہے، جیسے "إنمایقوم أنا"،أی مایقوم إلا أنا[4]۔

قاعدہ نمبر۱۱: "إنما" کے بعد انفصالِ ضمیر کے سلسلے میں تین قول ہیں: امام سیبویہؒ کے نزدیک ضرورت شعری کی صورت میں جائز ہے۔ امام زجاجؒ کے نزدیک فصل و وصل دونوں جائز ہیں اور علامہ ابن مالکؒ کے نزدیک انفصالِ ضمیر واجب ہے[5]۔

قاعدہ نمبر۱۲: نفی اور استثناء میں اصل یہ ہے کہ وہ ایسے حکم میں استعمال ہو کہ مخاطب اس سے ناواقف اور اس کا منکر ہو[6]۔

قاعدہ نمبر۱۳: استقراء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ "إنما" کا کلمہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی معاملے پر تعریض ہو، جیسے " "إنما يتذكر أولوا الألباب "-یہ کفار کی مذمت پر تعریض ہے[1]۔

---

[1] جواہر البلاغۃ:۱۱۵۔

[2] جواہر البلاغۃ:۱۵۷، البلاغۃ العربیۃ:۱/۵۳۳۔

[3] نیل الامانی:۱/۴۲۸۔

[4] نیل الامانی:۱/۴۳۲، علوم البلاغۃ:۱۲۸۔

[5] نیل الامانی:۱/۴۳۴۔

[6] جواہر البلاغۃ:۱۵۵، نیل الامانی:۱/۴۳۹، علوم البلاغۃ:۱۲۹۔

قاعدہ نمبر ۱۴: جب "بل"، نفی اور نہی کے بعد واقع ہو تو یہ "لکن" کی طرح استدراک کے لیے ہو گا[۲]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں ارکانِ قصر اور طرقِ قصر کی تعیین کیجئے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ، انما يجيئ محمد لاعلي، انما محمد مجتهدلاكسلان، وهويجتهدلاعلي، محمد خاتم لاقاعد، مامحمدقائمابل قاعدا، إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشَاهَا، إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُون، أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ، إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُون، إنماهوصاحبك القديم، إنماهو أخوك، إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا، إن نحن إلا بشرمثلكم، وَلَكِنَّ اللهَ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِه، كليم الله هوموسي، فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى، ماشجاع إلاعلي، إنماشجاع علي، عمرشجاع لاعمرو، ما خالدشجاع بل علي، ما خالدشجاع لكن علي، باالشجاعة يفوزعلي، إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ، وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا الله وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ۔

ایک حل شدہ مثال:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "وَ" استئنافیہ "مَا" نافیہ مقصور بہ...... "مُحَمَّدٌ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلم غرضِ تعریف: تعظیم و توقیر...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت، استلذاذ و تبرک، عدم وجود مایدل علیہ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ، استلذاذ و تبرک، افادة الهيبة ...... مقصور...... "إِلَّا" اداتِ حصر مقصور بہ...... "رَسُولٌ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ مسند ذکر مسند تعیین کونہ اسماً وزیادۃ التقریر والایضاح...... مقصور علیہ...... مقصور عنہ تصور عدمِ موت علی الرسول ...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

---

(۱) علوم البلاغۃ: ۱۳۱۔

(۲) البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۳۴۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسندالیہ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبرِ ابتدائی......اسلوبِ قصر......قصر **بصورت** نفی واستثناء......ماقبل استثناء "مُحَمَّدٌ" مقصور......مابعد استثناء "رَسُولٌ" مقصور علیہ۔

فصلِ سوم: قصرِ کی اقسام وانواع

قصر کی نفس الامر اور واقع کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ قصر حقیقی ۲۔ قصر اضافی

۱۔۔۔قصر حقیقی کی تعریف:

وہ قصر ہے جس میں مقصور مقصور علیہ کیساتھ نفس الامر اور واقع کے اعتبار سے خاص ہو، یعنی جس میں اختصاص نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے ہو۔ جیسے بعض خصوصیتیں ایسی ہیں کہ وہ ایک ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہمیشہ اس میں پائی جاتی ہیں، مثلاً: آگ میں حرارت، انسان میں نطق اس کو قصر حقیقی کہتے ہیں۔

۲۔۔۔قصر اضافی کی تعریف:

وہ قصر ہے جس میں اختصاص کسی معین شئ کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے ہو، جیسے "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ" (سورۃ ال عمران:۱۴۴) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے کتنے رسول گذر چکے، جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور دین پر قائم رہے۔ یعنی اس آیت میں آپ ﷺ کی ذات کو وصف رسالت میں منحصر کیا اور وصف خلود کی آپ ﷺ سے نفی فرمائی۔ یہ قصر اضافی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک میں اس وصف کے علاوہ دوسرا کوئی وصف نہ تھا[1]۔

پھر قصرِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ قصر حقیقی تحقیقی ۲۔ قصر حقیقی ادعائی

۱۔۔۔قصر حقیقی تحقیقی کی تعریف:

وہ قصر حقیقی ہے جس میں ایک چیز کا اختصاص دوسری چیز کیساتھ واقع اور حقیقت کے اعتبار سے ہو، اور یہ قصر اس

---

[1] قصر حقيقي: وهو أن يختصَّ المقصورُ بالمقصور عليه بحسب الحقيقة والواقع، بألا يتعدَّاه إلى غيره أصلا - نحو لا إِآه إلاَّ اللهُ. وقصر إضافي: وهو أن يختص المقصور بالمقصور عليه بحسب الإضافة والنسبة إلى شيء آخر معين، لا لجميع ما عداه، نحو: ما خليل إلا مسافر: فانك تقصد قصر السفر عليه بالنسبة لشخص غيره، كمحمود مثلا وليس قصدك أنه لا يوجد مُسافر سواه، إذ الواقع يشهد ببطلانه. (جواهرالبلاغة:۱۷۰)

طور پر ہو کہ شئ اول مقصور شئ ثانی مقصور علیہ ہی میں پائی جاتی ہو، کسی دوسری چیز میں نہ پائی جائے، جیسے "وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ" (سورۃ الانعام:۵۹) اس آیت میں قصر کے دو طریقے ہیں، ایک "عِنْدَهُ" خبر کی تقدیم، تقدیم ماحقہ التاخیر کے قبیل سے ہے اور دوسرا "لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ" میں نفی واستثناء ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیب کی چابیاں حقیقتاً اللہ تعالی کے پاس ہی ہیں، غیر اللہ کے پاس نہیں۔ نیز ان کا علم واقعتاً اللہ تعالی پر منحصر ہے، غیر اللہ کو اس کا علم نہیں۔ واضح رہے کہ یہ قصر تکرار مضمون کی تاکید اور پختگی کے لیے ہے۔

۲۔۔۔قصر حقیقی ادعائی کی تعریف:

وہ قصر حقیقی ہے جس میں ایک چیز کا اختصاص دوسری چیز کیساتھ مبالغۃً اور ادعاءً ہو، اور یہ بتایا جائے کہ مقصور مقصور علیہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن مقصور علیہ میں کمال درجہ ہے اور بقیہ میں کالعدم ہے، جیسے "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (سورۃ فاطر:۲۸) اس آیت میں خشیت کو اہل علم میں منحصر فرمایا ہے، حالانکہ غیر عالم میں بھی خشیت ہوتی ہے، لہذا یہ قصر مبالغۃً اور ادعاءً ہے، جس کو قصر ادعائی کہتے ہیں۔ قصر حقیقی تحقیقی اور قصر حقیقی ادعائی دونوں کی مثال یہ آیت ہے۔ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (سورۃ الفاتحہ:۵) یہاں عبادت اور استعانت کو اللہ تعالی کیساتھ خاص کیا گیا ہے اور غیر اللہ سے ان کی نفی کی ہے، دیکھئے! عبادت کا قصر ذاتِ باری تعالی پر قصر حقیقی تحقیقی ہے اور استعانت کا قصر ذات باری تعالی پر قصر حقیقی ادعائی ہے، کیونکہ غیر اللہ سے استعانت ہوتی ہے، لیکن وہ استعانت لا استعانت کی طرح ہے[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: قصر کی دو قسمیں ہیں، حقیقی غیر حقیقی، قصر حقیقی وہ ہے جس میں ایک شئ کو دوسری شئ پر جمیع ماعدا کے لحاظ سے مقصور کیا جائے، جیسے "لا الہ الا اللہ" کو الوہیت خدا کی سوا ہر چیز سے منتفی ہے اور صرف خدا کے لیے ثابت ہے۔ قصر غیر حقیقی وہ ہے جس میں بعض ماعدا کے لحاظ سے تحدید ہو، جیسے "مازید الاقائم" یعنی زید صفت قیام تک محدود ہے، اس سے قعود کی طرف متجاوز نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف "قائم" ہے اور کچھ نہیں نہ انسان ہے نہ حیوان وغیرہ[2]۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۳۵۰، البلاغۃ العربیہ:۱/۵۳۷۔

[2] نیل الامانی:۱/۴۱۵۔

قاعدہ نمبر۲: "غیر" بھی "إلا" کی طرح مفید قصر ہے اور جس طرح "إلا"، "لا" عاطفہ کیساتھ جمع نہیں ہوتی تو اسی طرح "غیر" بھی "لا" عاطفہ کیساتھ جمع نہیں ہوتی ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۳: قصر حقیقی ادعائی کو قصر مجازی بھی کہتے ہیں[2]۔

تمرین

درج مثالوں میں قصر حقیقی اور قصر اضافی کی تعیین کیجئے۔ قصر حقیقی کی اقسام کی نشاندہی کریں۔

إِنَّمَا اللّٰہُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ، وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُه، وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ، فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِين، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِين، وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُونَ، وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا، فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيّ، وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَر، وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى. الفخر بالعلم لا بالمال. ما الفخر بالمال بل بالعلم. إنما الدنيا غُرور. ما الفخر بالنسَّب لكن بالتقوى. على الله توكلنا. المرجان حيوان بحريّ بل نبات بحريّ، لا تأكل دهنا حيوانالكن دهنا نباتناً-

حل شدہ مثال:

إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "إِنَّمَا" اداتِ قصر مقصور بہ...... "اللّٰہُ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلَم غرضِ تعریف: تعظیم وتوقیر...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت، استلذاذ وتبرک، عدم وجود مایدل علیہ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ، استلذاذ وتبرک، افادۃ الہیبۃ ...... مقصور...... "إِلَٰهٌ وَاحِدٌ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند تعیین کونہ اسماًوزیادۃ التقریر والایضاح ...... مقصور علیہ...... مقصور عنہ کل ماسوی اللہ...... اسناد اسنادِ حقیقی ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

---

[1] ہامش جواہر البلاغہ: ۱۱۵۔

[2] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۲۴۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبرِ ابتدائی......اسلوبِ قصر......قصر حقیقی تحقیقی......قصر بصورت "إِنَّمَا"......مابعد "إِنَّمَا"......جزء اول مقصور......وجزءِ ثانی مقصور علیہ۔

"إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ":

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "إِنَّمَا" اداتِ قصر مقصور بہ...... "يَخْشَى" **فعل مسند محکوم** بہ......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً......مسند مذکور غرض ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح......مقصور......"اللّٰهَ" مفعول بہ......"مِنْ عِبَادِهِ" **متعلق بہ** "يَخْشَى"......"الْعُلَمَاءُ" **فاعل مسند الیہ** محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام عہد خارجی.........مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ ......مقصور علیہ......مقصور عنہ کل ماسوی العلماء......اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبرِ ابتدائی......اسلوبِ قصر......قصر حقیقی ادعائی......قصر بصورت "إِنَّمَا"......مابعد "إِنَّمَا"......جزء اول مقصور......وجزءِ ثانی مقصور علیہ۔

فصلِ چہارم: قصرِ اضافی کی اقسام

قصرِ اضافی کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ قصرِ افراد ۲۔ قصرِ تعیین ۳۔ قصرِ قلب

۱۔۔۔ قصرِ افراد کی تعریف:

وہ قصرِ اضافی ہے جس میں مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کا، یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کا اعتقاد رکھے، جیسے "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ" (سورۃ آل عمران: ۱۴۴) غزوہ احد میں بعض صحابہ کرام آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شہادت کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ بیٹھے تھے۔ اس آیت میں ان حضرات ان لوگوں کے درجہ میں اتارا گیا ہے، جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (موصوف) میں وصفِ رسالت کیساتھ وصفِ خلود (دونوں صفتوں) کے معتقد ہوں، اس لیے یہاں قصرِ اضافی کا اسلوب اختیار فرما کر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات مبارک کو وصفِ رسالت میں منحصر فرمایا اور وصفِ خلود کی نفی فرمائی۔ قصرِ افراد کی عام فہم مثال یہ ہے کہ مخاطب دو موصوفوں کو ایک صفت میں شریک خیال کرتا ہے، لیکن متکلم شرکت کو دور کر دے، مثلاً ایک شخص کا خیال ہے کہ زید، عمرو دونوں خامسہ میں ہیں، متکلم کہے کہ صرف زید خامسہ میں ہے اس کو قصرِ افراد کہتے ہیں۔

۲۔۔۔ قصرِ تعیین کی تعریف:

وہ قصرِ اضافی ہے جس میں مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کی شرکت کے متعلق، یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کے متعلق متردد ہو، جیسے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" (سورۃ الاحزاب: ۴۰) قصرِ قلب کی عام فہم مثال یہ ہے کہ مخاطب کو ایک وصف میں دو شخصوں کی شرکت کا اعتقاد تو نہ ہو، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کونسا شخص اس صفت سے موصوف ہے اور متکلم اس کی تعیین کر دے، مثلاً مخاطب کو اشتباہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف زید ہے یا خالد ہے۔ متکلم نے تعیین کر دی ہے اس کا مصنف زید ہے[۱]۔

۳۔۔۔ قصرِ قلب کی تعریف:

---

[۱] البلاغۃ العربیۃ: ۱/۵۲۸۔

وہ قصرِ اضافی ہے جس میں مخاطب اس حکم کے برعکس کا اعتقاد رکھے جس کو متکلم ثابت کرنا چاہتا ہو اور متکلم طریقِ قصر کے ذریعے مخاطب کے اعتقاد کو رد کرتا ہو، جیسے "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَـٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ"(سورۃ البقرۃ:۱۳) اس آیت میں اللہ تعالی نے منافقین کا گمان باطل بیان فرمایا کہ منافقین کا گمان ہے کہ مخلص مؤمن بے وقوف ہیں، اللہ تعالی نے ان کے اعتقاد فاسد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اے منافقو! درحقیقت بے دقوف تم ہی ہو، لیکن تم اپنی بے وقوفی کو جانتے نہیں! یہاں حصر ضمیر فصل کی وجہ سے ہے۔ قصر قلب کی عام فہم مثال یہ ہے کہ مخاطب کو اعتقاد متکلم کے اعتقاد کے خلاف ہو اور متکلم اس کی تصحیح یا تردید کردے، مثلاً مخاطب جانتا تھا کہ آفتاب زمین کے گرد پھرتا ہے متکلم نے ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد پھرتی ہے۔ قصر قلب میں یہ ضرور ہے کہ مخاطب اور متکلم کے اعتقاد میں تقابل پایا جائے [1]۔

---

(۱) البلاغۃ العربیہ:۱/۵۲۸۔

فصلِ پنجم: طرفین کے اعتبار سے قصر کی اقسام وانواع

قصرِ حقیقی اور قصرِ اضافی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ قصرِ موصوف علی صفۃ ۲۔ قصر صفت علی موصوف

۱۔۔۔ قصرِ موصوف علی صفۃ کی تعریف:

وہ قصر ہے جس میں کسی موصوف کو ایک ہی صفت کیساتھ خاص کیا گیا ہو اور یہ بتایا جارہا ہو کہ اس موصوف میں صرف یہی ایک صفت پائی جاتی ہے، جیسے" إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ"(سورۃ فاطر:۲۳) یہاں موصوف رسول اللہ ﷺ کو صفتِ انداز کیساتھ کیا گیا ہے کہ آپ صرف ڈرانے والے ہیں، باقی معاندین کے دلوں کو ایمان کی طرف پھیرنا آپ کے بس میں نہیں!

۲۔۔۔ قصر صفت علی موصوف کی تعریف:

وہ قصر ہے جس میں کسی صفت کو ایک موصوف ہی کیساتھ خاص کیا گیا ہو، اور یہ بتلانا مقصود ہو کہ یہ صفت صرف اسی موصوف میں پائی جاتی ہے، جیسے" إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"(سورۃ الفاتحہ:۵) اس آیت میں عبادت اور استعانت کو اللہ تعالی کیساتھ مختص کرنا قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہے اور اسی طرح یہ آیت ہے۔"وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ"(سورۃ الانعام:۵۹) اس آیت میں علمِ غیب کو باری تعالی کیساتھ مختص کرنا قصرِ حقیقی قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر۱: قصر کے باب میں موصوف اور صفت سے اصطلاحی موصوف وصفت مراد نہیں، جو مرکب توصیفی میں ہوتے ہیں، اس لیے کہ اصطلاحی موصوف صفت میں قصر متحقق نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ یہاں موصوف سے اسمِ ذات اور صفت سے صفتِ معنوی (وہ معنی جو قائم بالغیر ہو) مراد ہے، خواہ وہ فعل ہو، یا مصدر ہو، یا اسم فاعل ہو، یا اسم مفعول ہو، یا ظرف ہو، یا جار مجرور ہو، یا اسمِ منسوب ہو، اور یا صفتِ مشبہ ہو[1]۔

قاعدہ نمبر۲: قصر موصوف علی الصفۃ کے یہ معنی ہیں کہ موصوف کو ایک معین صفت تک محدود کر دیا جائے کہ اس سے دوسری صفت کی طرف متجاوز نہ ہو۔ یعنی موصوف کے لیے صرف یہی وصف ثابت ہے نہ یہ کہ یہ وصف اور کسی

---

[1] نیل الامانی:۱/۲۱۶۔

کے لیے ثابت نہیں، جیسے ”مازید إلاقائم“ اور قصر صفت علی الموصوف کے یہ معنی ہیں کہ صفت کو موصوف معین تک محدود کر دیا جائے کہ وہ اس سے دوسرے موصوف کی طرف متجاوز نہ ہو، یعنی یہ وصف صرف اس موصوف کے لیے ثابت ہے نہ یہ کہ موصوف کے لیے کوئی صفت ہی نہیں، جیسے ”ماقائم إلا زید“[۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: اگر مقصور معنوی اعتبار سے موصوف ہو تو یہ قصر موصوف علی صفت ہو گا اور اگر مقصور صفت ہو تو یہ قصر صفت علی موصوف ہو گا[۲]۔

قاعدہ نمبر ۴: جملہ اسمیہ میں قصر موصوف علی صفت اور قصر صفت علی موصوف کی تعیین یوں ہو گی۔ اگر مبتداء کا قصر خبر پر ہو تو یہ قصر موصوف علی صفت کے قبیل سے ہو گا، جیسے ”وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ“ (سورۃ الحدید: ۲۰)، لیکن مبتداء اسم مشتق ہو اور خبر اسمِ جامد ہو تو یہ قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہو گا، جیسے ”ما القائم إلا عمرو“ عمرو کھڑا ہی ہے۔ اور اگر خبر کا مبتداء پر قصر ہو تو یہ قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہو گا، جیسے ” مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ“ (سورۃ المائدۃ: ۹۹) یہاں رسول کے فرض منصبی کو ”الْبَلَاغُ“ موصوف معنوی پر منحصر کرنا قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۵: جملہ فعلیہ میں قصر موصوف علی صفت اور قصر صفت علی موصوف کی تعیین کی کئی صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔ اگر فعل کا قصر فاعل پر ہو تو یہ قصر صفت علی موصوف کے قبیل سے ہو گا، جیسے ”وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ“ (سورۃ ال عمران: ۱۳۵) یہاں غفران الذنوب صفت کو صرف اللہ تعالی کی ذات موصوف میں منحصر کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ اگر فعل کا قصر مفعول پر ہو تو اسے قصر صفت علی موصوف بنانا بھی درست ہے اور قصر موصوف علی صفت بنانا بھی درست ہے، جیسے ”وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ“ (سورۃ الانعام: ۲۶) اور ”إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ“ (سورۃ الانعام: ۱۱۶) اگر ان مثالوں میں قصر صفت مان لیا جائے (یعنی فاعل سے واقع ہونے والے فعل کو مفعول پر مقصور کرنا) تو صیغہ فعل کو اسمِ مفعول کے تاویل میں کرکے تقدیر عبارت یوں ہو گی۔ ”مَامُهْلِكُهُم إِلَّا أَنْفُسُهُمْ“ اور ”مُتَّبِعُهُمْ إِلَّا

---

[۱] نیل الامانی: ۱/ ۴۱۶۔

[۲] نیل الامانی: ۱/ ۴۱۵۔

[۳] اجرائے بلاغت: ۱۸۴۔

الظَّنُّ"۔ اوراگراسے قصر موصوف مان لیاجائے(یعنی فاعل کومفعول پر واقع ہونے والے فعل پر مقصور کرنا) تو پھر معنی یوں ہوگا۔"قصرالاهلاك على أنفسهم"اور"قصرالاتباع على ظنهم"[۱]۔

۳۔۔۔ اگرفاعل کوقصر ظرف،مفعول لہ،مفعول مطلق(برائے نوعیت) تمیز، یاجار مجرور پرہوتویہ قصر صفت اور قصر موصوف دونوں ہوسکتاہے،جیسے"إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا"(سورۃ الجاثیہ:۳۲) یہاں اگر قصر صفت مان لیاجائے توتقدیریوں ہوگی۔"مَامَظُنُونُنَا إِلَّا ظَنًّاضَعِيفاً"اور قصر موصوف مان لیاجائےتوتقدیری عبارت یوں ہوگی۔"قَصَرَ ظَنُّنَا عَلى ظَنٍّ ضَعِيفٍ"۔

۴۔۔۔اگرذوالحال کاحال پر قصرہوتویہ قصر موصوف علی صفت کے قبیل سے ہوگا،جیسے"وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَابَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ"(سورۃ البقرۃ:۱۳۲)اس آیت میں مرنے والے(ذوالحال)کوحالتِ اسلام(حال)پر منحصر کیاہے۔اوراگر حال کاذوالحال پر قصرہوتویہ قصر صفت کے قبیل سے ہوگا،جیسے"ماجاء راكبا الا خالد"[۲]۔

قاعدہ نمبر۶:مذکورہ احوال(ذکروحذف،تقدیم وتاخیر اور تعریف وتنکیر)صرف مسند اور مسند الیہ ہی میں جاری نہیں ہوتے،بلکہ ان دونوں کے علاوہ فعل کے دوسرے معمولات میں بھی جاری ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر۷:قصر موصوف علی الصفۃ اور قصر صفت علی الموصوف میں سے ہر ایک کی دوقسمیں ہیں:۔(۱) تخصیص شئ بصفۃدون آخری۔(۲) تخصیص شئ بصفۃمکان آخری۔(۳) تخصیص صفۃ بامر دون آخر۔(۴) تخصیص صفۃ بامر مکان آخری۔پس تخصیص شئ بشئ دون آخروہاں ہوگی جہاں مخاطب ایک موصوف کودویادوسے زائد صفات میں یاایک صفت کودویادوسے زائد موصوفوں میں شریک خیال کرتاہو۔اوراس کانام قصرافرادہے،لہذا"ما زيد إلا كاتب"اس شخص سے کہاجائے جویہ سمجھتاہو کہ زید کاتب بھی ہے اورشاعر بھی۔ اور"ماكاتب إلا زيد"اس سے کہاجائے گاجویہ سمجھتاہو کہ کاتب زید بھی ہے اور عمرو بھی ہے اور تخصیص شئ بشئ مکان شئ وہاں ہوگی جہاں مخاطب اس کی نفی کرتاہو،جس کو متکلم ثابت کررہاہے اوراس کوثابت کرتاہو جس کی وہ نفی کررہاہے،اس کانام قصر قلب ہے،پس "مازيدإلا قائم"اس سے کہاجائے گاجویہ سمجھتاہو کہ زید قاعدہے قائم نہیں ہے اور "ماشاعرإلا زيد"اس سےجویہ سمجھتاہو کہ شاعر عمروہے نہ کہ زید۔یاوہاں ہوگی جہاں مخاطب دوچیزوں کے درمیان متردد ہو۔اس کانام

---

[۱] اجرائے بلاغت:۱۸۴۔

[۲] نیل الامانی:۱/۴۴۳۔

قصر تعیین ہے۔پس "مازیدإلا قائم" اس سے کہا جائے گا جو یہ سمجھتا ہو کہ زید قائم ہے یا قاعد(مخاطب کو ان میں سے کسی ایک کی تعیین کا علم نہ ہو)اور "ماشاعرإلا زید" اس سے جو یہ سمجھتا ہو کہ شاعر زید ہے یا عمرو[۱]۔

قاعدہ نمبر۸: فعل اور فاعل کے درمیان جو قصر ہوتا ہے وہ قصر الصفۃ علی الموصوف کے قبیل سے ہوتا ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر۹: قصر کا غرض سامع کے ذہن میں کلام کی تمکین اور تقریر ہوتی ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر۱۰: کبھی قصر سے مقصود معنی میں مبالغہ پیدا کرنا ہوتا ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر۱۱: جمہور بلغاء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قصر افراد، قصر قلب اور قصر تعیین صرف قصرِ اضافی کی قسمیں ہیں، لیکن علامہ میدانیؒ اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ قصرِ حقیقی اور قصرِ اضافی دونوں کی قسمیں ہیں[۵]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں قصر افراد، قصر قلب اور قصر کی تعیین کیجئے۔ اور طرفین کے اعتبار سے قصر حقیقی اور اضافی کی اقسام کی نشاندہی کریں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُم، أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ، لامعبود بحق الااللہ، إنمااللہ کامل، لاسیف إلاذوالفقارولافتي إلاعلي، ماعلي إلاشجاع، لاصادق إلاعلي، لایعلم الغیب إلااللہ، لامحترم إلاالصادق، إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ، ماشاعر إلاشوقي، ماجاء إلاعلي، ومانال علیا إلاالتعب، وماأعطیت محمداإلادینارا، وماجاءعلي إلاراکبا، ماکلم إلامحمد خالدا، إنمااکرم المؤدب، لایألف العلم إلاذکي، ولایجفوه إلاغنيّ، إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ، إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ، إنماالاعمال باالنیات، وإنما لکل امريء مانوي،

---

[۱] نیل الامانی:۱/۴۲۲۔

[۲] نیل الامانی:۱/۴۴۳۔

[۳] جواہر البلاغۃ:۱۵۸۔

[۴] جواہر البلاغہ:۱۵۹۔

[۵] البلاغۃ العربیہ:۱/۵۲۹۔

ماادّيت إلّاالواجب عليّ، عندالامتحان يكرم الرجل أويهان، فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ، قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ، إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُون، علم قيامةالساعة عندالله لاعندغيره، طاف الرسول حول الكعبةراكبةناقة، لااله إلاالله، مايلبس من عمل في الناس إلاالوسة والإغواء، إنمااشرق الشمس في النهار، لايستعمل لفظ الكسوف إلاالشمس.

ایک حل شدہ مثال:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "وَ" استنافیہ "مَا" نافیہ مقصور بہ...... "مُحَمَّدٌ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بہ عَلم غرضِ تعریف: تعظیم و توقیر...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت، استلذاذو تبرک، عدم وجود مایدل علیہ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ، استلذاذو تبرک، افادۃ الھیبۃ...... مقصور...... "إِلَّا" اداتِ حصر مقصور بہ...... "رَسُولٌ" مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ مسند ذکر مسند تعیین کونہ اسمًاوزیادۃ التقریروالایضاح...... مقصورعلیہ...... مقصورعنہ تصور عدمِ موت علی الرسول...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق...... جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبرِ ابتدائی...... اسلوبِ قصر...... قصر بصورت نفی واستثناء...... ماقبل استثناء "مُحَمَّدٌ" مقصور...... مابعد استثناء "رَسُولٌ" مقصور علیہ...... قصر اضافی...... قصر افراد...... قصرِ موصوف علی الصفۃ۔

اجراء کا تیسرا مرحلہ: احوال متعلقہ بالجملتین او اکثر

یہ مرحلہ درج ذیل دو بابوں پر مشتمل ہے:

بابِ اول: وصل و فصل

بابِ دوم: ایجاز، مساوات، اطناب

بابِ سوم: خروج عن مقتضی الظاہر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اسلوب وصل کا ہے یا فصل کا۔ اگر اسلوب وصل کا ہے تو پھر دیکھیں کہ وجوبِ وصل کے مقامات میں سے کونسا مقام ہے کمالِ انقطاع مع ایہام ہے یا توسط بین الکمالین ہے۔ اگر اسلوب فصل کا ہے تو دیکھیں کہ وجوبِ فصل کے پانچ مقامات میں سے کونسا مقام ہے؟ کمالِ اتصال ہے، یا کمالِ انقطاع ہے، یا شبہ کمالِ اتصال ہے، یا شبہ کمالِ انقطاع ہے، یا توسط بین الکمالین ہے، نشاندہی کریں۔

اس کے بعد جملوں کا اسلوب ایجاز کا ہے یا مساوات کا ہے یا اطناب کا ہے۔ اگر اسلوب ایجاز کا ہے تو پھر دیکھیں کہ ایجازِ قصر ہے، یا ایجازِ حذف ہے۔ اگر ایجازِ قصر ہے تو اس کے اقسام میں سے کونسی قسم ہے، تعیین کیجئے۔ اور اگر ایجاز حذف ہے تو اس کی پانچ قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ اقتطاع ہے، یا اکتفاء ہے یا تضمین ہے یا احتباک ہے یا اختزال ہے۔

اور اگر اسلوب اطناب کا ہے تو اطناب کی سولہ صورتوں میں سے کونسی صورت ہے۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ اطناب بالبسط ہے یا اطناب بالزیادۃ ہے۔ اور اگر اسلوب مساوات کا ہے تو اس کی بھی نشاندہی کریں۔

اس کے بعد دیکھیں کہ کلام مقتضی ظاہر کے موافق ہے یا مخالف، اگر موافق ہے تو فبہا اور اگر مخالف ہے تو مقتضی ظاہر کے اقسام میں سے کونسی قسم ہے اس کی نشاندہی کریں۔

بابِ اول:

وصل و فصل

یہ باب درج ذیل پانچ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: وصل و فصل کا بیان

فصلِ دوم: وصل و فصل کے اجمالی صورِ خمسہ کا بیان

فصلِ سوم: اصطلاحاتِ وصل و فصل کا بیان

فصلِ چہارم: مواضع وصل کا بیان

فصلِ پنجم: مواضعِ فصل کا بیان

فصلِ اول: وصل اور فصل کا بیان[1]

وصل وفصل کی تعریف:

کلام کے بعض حصے کو دوسرے بعض حصے سے جوڑنے اور ما قبل کے حکم میں شریک کرنے کو وصل کہتے ہیں، خواہ یہ وصل مفردات میں ہو یا جملوں میں ہو، خواہ وصل واؤ کے ذریعے ہو یا دیگر حروفِ عاطفہ کے ذریعے ہو، جیسے "إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ" (سورۃ الانفطار:۱۳-۱۴) یہاں دونوں جملے خبر میں متحد ہیں اور مانعِ عطف کوئی چیز نہیں ہے۔ اور فصل ترکِ عطف کو کہتے ہیں، جیسے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ" (سورۃ التوبۃ:۱۰۳) یہاں دونوں جملوں "صَلِّ" اور "إِنَّ صَلَاتَكَ" میں کمالِ انقطاع اور تباینِ تام ہے، کیونکہ پہلا جملہ انشائیہ اور دوسرا خبریہ ہے، اس لیے فصل کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ بلغاء حضرات وصل و فصل میں عطفِ مفردات سے بحث نہیں کرتے ہیں، نیز عطف الجمل التی لہا محل من الاعراب کی طرف بھی کوئی اعتناء اور توجہ نہیں دیتے، اس لیے کہ ایسے مواقع میں مابعد کو ما قبل کیساتھ حکمِ اعرابی میں شریک کرنا مقصود ہوتا ہے، جس کو پہچاننا قدرے آسان ہے، البتہ وصل و فصل کی گہرائی اور فصاحت ونزاکت ان جملوں میں ظاہر ہوتی ہے جہاں ان کے درمیان کوئی محلِ اعراب نہ ہو۔ باقی رہا عطف بحرف الواؤ کا معاملہ! تو وہ اس سے الگ ہے، کیونکہ عطف بحرف الواؤ محض حکمِ ماقبل میں شرکت اور مطلق جمع کے لیے آتا ہے، اس وجہ سے اس کا معاملہ دیگر حروف سے الگ تھلگ ہے، کیونکہ دیگر حروفِ عاطفہ میں شرکت کے

---

[1] بابِ فصل و وصل فن اول کا تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی کے اسلوب کے مطابق ساتواں باب ہے جس کو صعوبت مسلک اور دقت ماخذ کی وجہ سے اعظم الابواب کہاجاتا ہے، بلکہ بعض اہل علم نے تو علم البلاغت کی معرفت کو فصل و وصل کی معرفت پر ہی موقوف کر دیا ہے۔ صاحب مختصر المعانی نے فصل کو وصل پر مقدم کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فصل عدم عطف کو کہتے ہیں اور یہ اصل ہے بخلاف وصل کے کہ وہ طاری اور عارض ہے کیونکہ یہ کسی حرف علت کی زیادتی سے حاصل ہوتا ہے اور اصل کو مقدم کرنا ہی اصل ہے۔ اور علامہ ابن یعقوب مغربیؒ نے مواہب میں ایک اور لطف اندوز نکتہ کیا ہے کہ یہاں فصل و وصل ہر دو کو بیان کرنا ضروری ہے، لیکن فصل کو پہلے ذکر کرنے میں نیک فالی کی خوبی ہے کہ یہ فصل کے بعد وصلِ دائمی کی حصول کی طرف مشیر ہے جس کی لذت اربابِ عشق پر غیر مخفی ہے اور وصل کو پہلے ذکر کرنے میں بدفالی ہے۔ نیل الامانی:۲/۱۳۔

علاوہ اور معانی بھی مقصود ہوتے ہیں،اس لیےان کے ذریعے وصل وفصل کرنے میں کوئی دقیق نکات نہیں پائے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بلغاء حضرات صرف وصل بحرف الواؤسے بحث کرتے ہیں۔

فصلِ دوم:وصل وفصل اجمالی صورِ خمسہ کا بیان

وصل وفصل کی بحث کو سمجھنے کے لیے درج ذیل پانچ صورتوں کا جاننا ضروری ہے:۔

۱۔۔۔عطف المفردات: اگر مفردات میں آپس کا تناسب ہو تو وصل کا اسلوب اختیار کیا جائے گا،جیسے”قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“(سورۃ الانعام:۱۶۲)یہاں مفردات میں تناسب ہے اس لیے وصل کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔جن دوجملوں میں پہلے جملے کا محلِ اعراب[1] ہو اور جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کے حکم میں شریک کرنا بھی مقصود ہو تو وصل کا اسلوب اختیار کرنا واجب ہے،جیسے”يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا“(سورۃ سبا:۲)یہاں جملہ اولی” مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ“یہ” يَعْلَمُ“کا مفعول ہونے کی

[1] الجمل التي لها محلٌّ من الإعراب:كلُّ جملة صحَّ تأويلها بمفرد فلَهَا محلٌّ من الإعراب: "الرفع أو النصب أو الجرّ" كالمفرد الذي تُؤَوَّل به، ويكون إعرابُهَا كإعرابه، إذْ تكون واقعة موقعة. وكلُّ جملة لا يصحُّ تأويلها بمفرد، لأنّها غير واقعة موقع مفرد فليس لها محلٌّ من الإعراب.

والجمل التي لها محلٌّ من الإعراب سبعٌ:

الجملة الأولى: هي الواقعة خبراً، ومحلُّها من الإعراب الرفع أو النصب بحسب الخبر المفرد الذي وقعت موقعه، مثل: "العلمُ يَرْفَعُ مَنزلةَ صاحبه - كان رسُولُ الله يُواظبُ على قيام اللّيل".

الجملة الثانية: هي الواقعة مفعولاً به، ومحلُّها من الإعراب النصبّ، مثل: {قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ} فجملة "إنّي عبد الله" في محلّ نصب مفعول به لفعل "قال".

الجملة الثالثة: هي الواقعة موقع المضاف إليه، ومحلّها من الإعراب الجرّ، مثل: {هاذا يَوْمُ يَنفَعُ الصادقين صِدْقُهُمْ} فجملة {يَنفَعُ الصادقين صِدْقُهُمْ} في محل جرّ لأنّها في تأويل مفرد هو مضافٌ إليه، والتقدير: يَوْمُ نَفْع الصِدْقِ للصادقين.

الجملة الرابعة: هي الواقعة جواباً لشرطٍ جازمٍ، وشرطها أنْ تقترن بالفاء أو بإذا الفجائيّة، ومحلُّها من الإعراب الجزم، مثل: {وَمَن يُضْلِلِ الله فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ} ، {وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ} . فكل جملة من هاتين الجملتين: {فماله من هاد - إذا هم يقنطون} واقعة موقع فعل مجزوم هو جواب الشرط.

وجہ سے محلِ نصب میں واقع ہے اور بعد میں آنے والے تینوں جملوں" مَا يَخْرُجُ مِنْهَا" اور"مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ" اور"مَا يَعْرُجُ فِيهَا" کا مذکور حکم، یعنی علم ازلی میں شریک کرنا مقصود بھی ہے، اس لیے وصل واجب ہے۔

۳۔۔۔جن دو جملوں میں جملہ اولی کا محلِ اعراب ہو اور جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہ تو فصل کا اسلوب اختیار کرنا واجب ہے، جیسے"وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"(سورۃ البقرۃ:۱۴-۱۵) یہاں جملہ اولی"إِذَا خَلَوْا"کا محلِ اعراب نہیں ہے، لیکن"إِنَّا مَعَكُمْ"کا محلِ اعراب ہے، اس لیے کہ یہ"قَالُوا"کا مقولہ ہے اور" اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"کو" إِنَّا مَعَكُمْ" کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہیں، اس لیے کہ" إِنَّا مَعَكُمْ" منافقین کا قول ہے اور جب کہ" اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" اللہ تعالی کا قول ہے۔ اس لیے یہاں فصل کرنا واجب ہے۔

۴۔۔۔جن دو جملوں میں جملہ اولی کا محلِ اعراب[1] نہ ہو اور جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کے حکم میں عطف بحرف الواو کے ذریعے شریک کرنا مقصود نہ ہو تو بھی فصل کا اسلوب اختیار کرنا واجب ہے، جیسے"وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ

الجملة الخامسة: هي الواقعة موقع الصفة، ومحلُّها من الإعراب بحسب الموصوف بها، مرفوعاً كان أو منصوباً أو مجروراً، مثل: "وجاء رجلٌ مِنْ أقْصَى المدينة يَسْعَى - الزَمْ عالماً يُعَلِّمُ عُلُومَ الدِّينِ الإِسْلامي - اعتَصِمْ بِحَبْلٍ يَصِلُكَ باللّٰهِ". فكل جملة من هذه الجمل الثلاث "يَسْعَى - يُعَلّم علوم الدين الإسلامي - يَصِلُكَ بالله" واقعة موقع صفة للاسم النكرة الذي قبلها.

الجملة السادسة: هي الجملة التابعة لجملة لها محلٌّ من الإعراب، ومحلُّها من الإعراب يكون بحسب الجملة التي هي تابعة لها، رفعاً أو نَصْباً أوْ جرّاً، مثل: "كُلُّ حيوانٍ يأْكُلُ وَيَشْرَبُ - كَانَ رَسُولُ الله يَحْمِلُ الكَلَّ وَيَقْرِي الضَّيْفَ ويُعِينُ عَلَى نَوائب الدهر - مرَرْتُ بِرَجُلٍ يأكُلُ بِشَرَهٍ، يأْكُلُ بِشَرَهٍ".

الجملة السابعة: هي الجملة الواقعة موقع الحال، ومحلُّها من الإعراب النصب، كالحال التي جاء لفظها "مفرداً غير جملة" ومؤولة بمفرد، فقول القائل: "وُلِدَ الطفْل يَبْكِي" هو بمثابة قوله: "وُلِدَ الطفلُ بَاكياً". وكان الأصل في الجملة الحالية أن تكون خالية من الواو، لأنّها كالنعت مع المنعوت به، وأن يكون الربط بين الجملة الحالية وصاحبها ضميراً فيها يعود عليه. (البلاغة العربية:١/٥٦٧-٥٦٩)

[1] ذكر النُّحاةُ أنّ الجُمَل التي لا محلَّ لها من الإعراب تِسْعُ جمل، وهي ما يلي:

الأولى: "الجملة الابتدائية" وهي الّتي تكونُ في بدء الكلام، مثل: {*اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ} فهي جملة لا محلّ لها من الإعراب.

الثانية: "الجملةُ الاستئنافية" وهي الّتي تقع في أثناء الكلام منقطعةً عمّا قبْلَها لاستئناف كلام جديد، وهي جملة لا محلّ لها من الإعراب. والأصل فيها أن تكون منفصلةً غير مقترنةٍ بحرف عطف، مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (النحل:٣) : {خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ} . فجملة: "تعالَى الله عمّا يشركون" جملة استئنافيّة.

وقد تقترن بالفاء الاستئنافيَّة، مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (الأعراف:١٩): {فَلَمَّآ آتَاهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهُ شُرَكَآءَ فِيمَآ آتَاهُمَا فَتَعَالَى الله عَمَّا يُشْرِكُونَ}. وقد تقترن بالواو الاستئنافية، مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (آل عمران:٣٦) في عرض قصة امرأة عمران:{فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَآ أنثى والله أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذكر كالأنثى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وِإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشيطان الرجيم}. فجملة: "وَالله أعلم بما وضعت" جملة استئنافية اقترنت بالواو الاستئنافية.

الثالثة: "الجملة التعليليَّة" وَهِي الّتِي تَقَعُ في أثناءِ الكلام تَعْلِيلاً لما قَبْلَها، وهي جملة لا محلّ لها من الإعراب. والأصل في هذه الجملة أن تكون منفصلة غير مقترنة بحرف عطف، مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (التوبة:١٠٣) خطاباً لرسوله: {خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صلاوتك سَكَنٌ لَّهُمْ والله سَمِيعٌ عَلِيمٌ} .

فجملة: "إنّ صلاتَكَ سَكَنٌ لهم" جملة تعليلية. وقد تقترن بفاء التعليل، مثل أن تقول: "الْزَمْ سَبِيلَ الْهُدَى فَإِنَّهُ سَبَبُ السَّعَادَةِ".

الرابعة: "الجملة الاعتراضيّة" وهي التي تعترض بين شيئَيْن متلازِمَيْن: "كالمبتدأ والخبر، والفعل ومرفوعه، والفعل ومنصوبه، والشرط وجوابه، والحال وصاحبها، والصفة والموصوف بها، وحرف الجرّ ومتعلَّقه، والقسم وجوابه" وهي جملة لا محلّ لها من الإعراب. قالوا: ويُؤْتَى بالجملة الاعتراضيّة لإفادة الكلام تقويةً وتسديداً وتحسيناً.

الخامسة: "الجملة الواقعة صلةً للموصول" سواءٌ أكان الموصول موصولاً اسمياً، أَمْ موصولاً حرفيّاً. فالموصول الاسمي: "كالّذِي - والَّتِي - ومَنْ -" مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (البقرة:١-٣) :{الم * ذَلِكَ الكتاب لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ * الذين يُؤْمِنُونَ بالغيب وَيُقِيمُونَ الصلاة وَممَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ... }. فجملة: {يُؤْمِنُونَ بالغيب} صلة لموصول اسمي، لا محلّ لها من الإعراب. والموصول الحرفيّ هو الحرف المصدريُّ الذي يُؤوّل مع ما بعده بمصدر، والحروف المصدرية هي "أنْ الناصبة للفعل المضارع - أَنَّ - كَيْ - ما المصدرية - لو - همزة التسوية". ومن الأمثلة قول الله عزَّ جلَّ في سورة (المائدة:٥٢) : {فَتَرَى الذين فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نخشى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ... }. فجملة {تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ} لا محلّ لها من الإعراب لأنّها صلة موصولٍ حرفي، وهي مع الموصول الحرفي في تأويلِ مصدرٍ مفعول به لفعل {نخشى} .

السادسة: "الجملة التفسيرية" وهي الّتي تأتي مفسِّرَةً لجملةٍ أو مفردٍ قبلها، وتأتي خبريَّةً أوإنشائيّة. والجملة المفسِّرة لما قبلها، قد تأتي مقرونة بكلمة "أيْ" أو بكلمة "أن" أو مجرَّدَةً منهما، وهي لا محلّ لها من الإعراب. فمِنْ أمثلة المقرونة بكلمة "أي" قول الشاعر:

"وَتَرْمِينَنِي بالطَّرْفِ أي: أَنْتَ مُذْنِبٌ".

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"(سورة البقرة:۱۴-۱۵) یہاں جملہ اولی "خَلَوْا"کا محلِ اعراب نہیں اور جملہ رابعہ " اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"کو بذریعہ واؤ شریک کرنا بھی مقصود نہیں۔ورنہ وصل کی صورت میں خلاف مقصود " إِنَّا مَعَكُمْ" سے وصل کا وہم ہوگا،اس لیے فصل کرواجب ہے۔

۵۔۔۔جن دو جملوں میں جملہ اولی کا محلِ اعراب نہ ہو، لیکن جملہ اولی کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو دو جگہوں میں وصل اور پانچ جگہوں میں فصل کیا جائے گا[1]۔

---

* من أمثلة المقرونة بكلمة "أنْ" قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (المؤمنون:۲۷) في عرض قصة نوح عليه السلام: {فَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ أَنِ اصنع الفلك بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ... } [الآية: ۲۷] . ومن أمثلة المجرَّدَة من "أي" و"أنْ" قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (الصف:۱۱-۱۲): {ياأيها الذين آمَنُواْ هَلْ أَدُلُّكمْ على تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ * تُؤْمِنُونَ بالله وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ الله بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ}. فجملة {تُؤْمِنُونَ بالله وَرَسُولِهِ} وما عُطِفَ عليها مُفَسِرَةٌ للتّجارة المنجية.

السابعة: "الجملة الواقعة جواباً لقسم" مثل قول الله عزَّ وجلَّ في سورة (يس۱-۳):{يس * والقرآن الحكيم * إِنَّكَ لَمِنَ المرسلين}.فجملة: {إِنَّكَ لَمِنَ المرسلين} جواب القسم الوارد في {والقرآن الحكيم} وهي لا محلّ لها من الإعراب. وقول الله عزَّ وجلَّ في سورة (الأنبياء:۵۷) في عرض قصة إبراهيم عليه السلام: {وتالله لأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَن تُوَلُّواْ مُدْبِرِينَ}. فجملة: {لأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ} جواب القسم في {تالله} وهي لا محلّ لها من الإعراب. الثامنة: "الجملة الواقعة جواباً لشرط غير جازم" وهي جملة لا محلّ لها من الإعراب.

وأدوات الشرط غير الجازم هي: "لو – لَوْلاَ – لَوْمَا – أمَّا – لمَّا – إذَا".

أمثلة: (۱) {لَوْ كَانَ فِيهِمَآ آلِهَةٌ إِلاَّ الله لَفَسَدَتَا} . (۲) {لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجاً} . (۳) {وَلَوْلاَ دَفْعُ الله الناس بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الأرض} .(٤) (لوما الكتابةُ لضَاعَ أكْثَرُ الْعِلْم) . (٥) {فَأَمَّا الذين آمَنُواْ فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الحق مِن رَّبِّهِمْ} . (٦) {فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ الله بِنُورِهِمْ} .

(۷) {وَإِذَا لَقُواْ الذين آمَنُواْ} . فجوابُ الشرط الواردُ في هذه الأمثلة جُمَلٌ لاَ محلّ لها من الاعراب.

التاسعة: "الجملة التابعَةُ لجملةٍ لا محلّ لها من الإعراب" فلها حكم الجملة التابعة لها، مثل: {إِذَا جَآءَ نَصْرُ الله والفتح ... فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ واستغفره} فجملة {واستغفره} معطوفة على جملة {فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ واستغفره} وهي لا محلّ لها من الإعراب لأنها جواب شرط غير جازم. (البلاغة العربية:۱/۵۷۲-۵۷۷)

[1] نیل الامانی:۲/۲۲۔

فصلِ سوم: اصطلاحاتِ وصل و فصل کا بیان

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دو جگہوں میں وصل کرنا واجب ہے اور پانچ جگہوں میں فصل کرنا واجب ہے، تاہم اس تفصیل کو سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے:۔

۱۔کمالِ اتصال، ۲۔کمالِ انقطاع، ۳۔شبہ کمالِ اتصال، ۴۔شبہ کمالِ انقطاع، ۵۔توسط بین الکمالین۔

۱۔۔۔کمالِ اتصال کا مفہوم:

دو جملوں کے درمیان کمالِ اتصال اور اتحادِ تام ہو۔اس طور پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے معنوی طور پر بیان، یا تاکید اور یا بدل واقع ہو، جیسے "فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَاآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَى "(سورۃ طٰہٰ:۱۲۰) یہاں دوسرا جملہ " قَالَ يَاآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ "پہلے جملے "فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ "کا بیان ہے اور "فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا "(سورۃ الطارق:۱۷) میں دوسرا جملہ "أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا "پہلے جملہ "فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ "کی تاکید ہے۔

۲۔۔۔۔کمالِ انقطاع کا مفہوم:

دو جملوں میں کمالِ انقطاع اور تباینِ تام ہو، اس طور پر کہ دونوں خبر اور انشاء میں مختلف ہوں۔یا دونوں جملوں کے درمیان معنوی طور پر کوئی مناسبت ہی نہ ہو۔پہلے کی مثال، جیسے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ "(سورۃ التوبۃ:۱۰۳) یہاں دونوں جملوں میں کمالِ انقطاع اور تباینِ تام ہے، اس لیے کہ جملہ اولی خبریہ اور جملہ ثانیہ انشائیہ ہے۔دوسرے کی مثال، جیسے "الملكَ عادل، الأدب مطلوب" ان دو جملوں میں معنوی طور پر کوئی مناسبت ہی نہیں[1]۔

۳۔۔۔شبہ کمالِ اتصال کا مفہوم:

---

[1] علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ کمالِ انقطاع بین الجملتین کی چار صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔جملہ اولی لفظاً و معناً خبر ہو اور جملہ ثانیہ لفظاً و معناً انشاء ہو۔

۲۔۔۔جملہ اولی لفظاً و معناً انشاء ہو اور جملہ ثانیہ لفظاً و معناً خبر ہو۔

۳۔۔۔جملہ اولی لفظاً خبر اور معناً انشاء ہو اور جملہ ثانیہ لفظاً انشاء اور معناً خبر ہو۔

۴۔۔۔جملہ اولی لفظاً انشاء اور معناً خبر ہو اور جملہ ثانیہ لفظاً خبر اور معناً انشاء ہو۔مذکورہ تمام صورتوں میں فصل واجب ہے۔(نیل الامانی:۲/۲۲)

دوسرا جملہ پہلے جملے سے پیدا ہونے والے سوال کا جواب ہو، جیسے ”وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ“(سورۃ یوسف:۵۳) یہاں دوسرا جملہ ” إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ“دراصل پہلے جملے سے پیدا ہونے سوال کا جواب ہے۔

۴۔۔۔شبہ کمالِ انقطاع کا مفہوم:

ایک جملے کے ماقبل دو جملے ایسے ہوں، جن میں سے ایک پر تیسرے جملہ کا عطف صحیح ہو اور دوسرے پر معنوی فساد کی وجہ سے عطف صحیح نہ ہو، جیسے ”وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“(سورۃ البقرۃ:۱۴-۱۵) یہاں ” اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“کا عطف ”إِنَّا مَعَكُمْ“پر، یا ” قَالُوا“ پر کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ اللہ تعالی کا قول ہے، البتہ اس کا عطف ”إِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا“ شرط وجوابِ شرط پر صحیح ہے، لیکن مذکورہ دو جملوں میں سے ایک پر عطف ہونے کا وہم وصل سے مانع ہے۔

۵۔۔۔توسط بین الکمالین کا مفہوم:

دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں، خواہ لفظاً و معنیً متحد ہوں، یا صرف معنیً متحد ہوں اور دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ یعنی مناسبتِ تامہ بھی ہو[1]۔

---

[1] نیل الامانی:۲/۴۰۔

فصلِ چہارم: مواضع وصل کا بیان

وجوبِ وصل کے دو مقامات ہیں:۔

۱۔ کمالِ انقطاع مع ایہام ۲۔ توسط بین الکمالین

۱۔۔۔کمالِ انقطاع مع ایہام کی تعریف:

جب دو جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع ہو، یعنی ایک جملہ خبریہ ہو اور دوسرا جملہ انشائیہ ہو اور فصل کرنے سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو، جیسے ایک شخص دوکاندار سے کہتا ہے۔ ''أتبيع هذه السلعة؟'' (کیا تو اس چیز کو فروخت کرتا ہے؟) دوکاندار کہہ دے۔ ''لا! وعافاك الله!''۔ یہاں دوکاندار کا قول ''عافاك الله'' معنیً انشاء ہے اور ''لا'' یعنی ''لا أبيعه'' لفظاً اور معنیً خبر ہے، لیکن ترک عطف کی صورت میں یہ وہم پیدا ہوگا کہ دوکاندار عدمِ عافیت کی بد دُعا کرتا ہے، جو خلاف مقصود ہے۔

۲۔۔۔توسط بین الکمالین کی تعریف:

دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں، خواہ لفظاً و معنیً متحد ہوں، یا صرف معنیً متحد ہوں اور دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ یعنی مناسبتِ تامہ بھی ہو، جیسے ''إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ'' (سورة الانفطار:۱۳-۱۴) یہ دونوں جملے لفظاً اور معنیً خبریہ ہیں۔ اور ''وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ '' (سورة البقرة:۸۳) یہاں مؤخر الذکر دونوں جملے لفظاً اور معنیً انشائیہ ہیں اور اول الذکر دونوں جملے لفظاً خبر اور معنیً انشاء ہیں، اس لیے کہ '' لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ''، ''لا تعبدوا الا الله'' کے معنی میں ہے اور ''بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا''، ''احسنوا بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا'' کے معنی میں ہے [1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: جن جملوں کے لیے محلِ اعراب ہوتا ہے وہ سات ہیں:۔

(۱) جملہ خبریہ (۲) جملہ حالیہ (۳) وہ جملہ جو مفعول واقع ہو۔ خواہ محکی بالقول ہو یا باب ظن کے محل ثانی میں ہو یا اس سے متعلق ہو، جیسے ''لنعلم أى الحربين أحصى لما لبثوا أمدا''۔ (۴) وہ جملہ جو مضاف ہو۔ (۵) وہ جملہ

---

[1] نیل الامانی: ۲/ ۴۱۔

جو "ف" کیساتھ جوابِ شرط واقع ہو، یا "اذا" مفاجاتیہ کے بعد واقع ہو اور اس کا محل جر ہو۔ (۶) وہ جملہ جو کسی مفرد کے تابع ہو۔ (۷) وہ جملہ جو ایسے جملے کے تابع ہو جس کے لیے محلِ اعراب ہو، جیسے "زید قام وقعد"[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: جن جملوں کے محلِ اعراب نہیں ہوتا وہ بھی سات ہیں:۔

(۱) جملہ ابتدائیہ مستانفہ (۲) کسی اسم یا حرف کا صلہ واقع ہونے والا جملہ (۳) جملہ معترضہ (۴) جملہ تفسیریہ (۵) جواب قسم واقع ہونے والا جملہ (۶) ادواتِ تعلیق کے بعد واقع ہونے والا جملہ (۷) وہ جملہ جو ایسی چیز کا تابع ہو جس کے لیے محل اعراب نہیں[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: مرکب ناقص بمع جملہ اقسام اور مرکب توکیدی، بیانی، بدلی اور اسمائے مرکبہ ان کے درمیان حرف علت نہیں آتا، کیونکہ یہ ایک کلمہ کے حکم میں ہیں[۳]۔

---

[۱] نیل الامانی: ۲/۱۵، البلاغۃ العربیہ: ۱/۵۶۷۔

[۲] نیل الامانی: ۲/۱۶، البلاغۃ العربیہ: ۱/۵۷۲۔

[۳] سبق في فصل "بناء الجملة في اللّسان العربي وتقسيمها" أنّ الجملة تتألف من العناصر التالية: (١) المسند إليه. (٢) المسند. (٣) الإسناد الذي لا يُصَرّحُ به في اللّفظ. (٤) ما يتعلّق بواحد ممّا سَبق من توابع وأدواتٍ إنْ وُجِدَتْ. والعنصر من عناصر الجملة: إمّا أنْ يكون عُنصُراً بسيطاً غير مُرَكّب. وإمّا أن يكون عُنْصراً مُرَكَّباً (وما تركَّبَ منه هذا العنصر من أجزاء قد صار بالتركيب جزءاً واحداً فلا تُوصَلُ بحرف عطف) .وينقسم العنصر المركب إلى سبعة أقسام:

القسم الأول: "المركّب الإضافي" مثل: "كتابُ اللهِ - صَلاةُ الْجُمْعَةِ - رأسُ الحكمةِ - بَابُ الْعِلمِ". ومعلوم أنّه لا عطف بين المضاف والمضاف إليه، لأنّهما صارَا بالتركيب الإضافي بمثابة الكلمة الواحدة، ذات الأجزاء الملتحمة، والإضافةُ على تقدير حرف جرٍّ بين المضافِ والمضاف إليه.

القسم الثاني: "المركَّبُ الوصْفِيُّ" مثل: "الرَّجُلُ الْعَالِمُ زَارَني - أكلتُ طعاماً طيّباً - وسقاهم ربُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً". ومعلوم أَنَّهُ لا عطف في الأصل بيْنَ النَّعْتِ والمنعوتِ به، لأنّ الصفة جزءٌ من الموصوف فهما متشابكان، فلا معنى لعطف الصفة على الموصوف بها، إذ العطفُ في أصل معناه يقتضي التغايرُ، ويكفي للدلالة على كونها صفة إتباعها للموصوف بها في الإعراب ضمن الشروط المبينة عند النحويين.

القسم الثالث: "المركَّبُ التَّوكيديّ" مثل: "حضر الضيوفُ كلُّهم - فَسَجَدَ الْمَلاَئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُون". ومعلوم أنّه لا عطف بين المؤكَّد والمؤكِّدِ به، لأنَّ المؤكِّدَ بهِ محقّقٌ للمرادِ من المؤكَّد، فهما بمثابة شيءٍ واحدٍ، فلا معنى للعطف بينهما، والتوكيد تابع من التوابع.

القسم الرابع: "المركّب الْبَدَلِيُّ" سواء أكان بدلاً مطابقاً، أوْ بدلَ بعضٍ من كلٍّ، أو بدَلَ اشتمال، أو بدلاً مُبَايناً، مثل: {اهدنا الصراط المستقيم * صِرَاطَ الذين أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ} (في البدل المطابق) - {قُمِ اليل إِلاَّ قَلِيلاً * نِّصْفَهُ أَوِ انقص مِنْهُ قَلِيلاً * أَوْ

قاعدہ نمبر۴: مقام وصل میں دوجملوں کے درمیان من وجہ مناسبت اور من وجہ مغائرت کاہوناضروری ہے،اس لیے جہاں دوجملوں میں من کل الوجوہ مناسبت ہوتووہ دوجملے دونہ رہے،بلکہ ایک ہوگئے اور جہاں من کل الوجوہ مغائرت ہی توان کے درمیان وصل بالواؤ کردومتضاد چیزوں کوجمع کرنے کے مترادف ہے۔

قاعدہ نمبر۵: محسناتِ وصل میں سے یہ بات بھی ہے کہ دونوں جملے اسمیہ،فعلیہ،ماضی،مضارع،امر،نہی،اطلاق اور تقیید میں باہم ایک جیسے اور مناسب ہوں،جملہ اسمیہ کی مثال،جیسے"إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ"(سورۃ الانفطار:۱۳-۱۴)، دونوں جملے ماضی ہوں،جیسے"فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ"(سورۃ الانفال:۲۶)،دونوں جملے مضارع ہوں،جیسے" تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ"(سورۃ اٰل عمران:۲۶)دونوں جملے امریہ ہوں،جیسے"يَابُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ"(سورۃ لقمان:۱۷)اور دونوں جملے ناہیہ

زِدْ عَلَيْهِ} (في بدل البعض من الكُلّ) - أفادني الشيخ عِلْمُه (في بدل الاشتمال) نَاوِلْني كتابَ النحو كتابَ اللُّغَةِ (في البدل المباين) وهكذا ... ".ومعلوم أنّه لا عطف بين البدل والمبدَلِ منه إذ المراد أن يَحُلَّ البدلُ مكان المُبْدَل منه، والعطف يقتضي اجتماعهما.

القسم الخامس: "المركّب البيانيُّ" وهو ما يكون الجزء الثاني منه معطوفاً على الأوّل عطف بيان، مثل: "أقسم باللهِ أبو حفْصٍ عُمَرُ". ومعلم أنه لا تتوسط أداة عطف بين البيان والمبيَّنِ، إذْ هُمَا: إمّا بمثابة المركّب الوصفيّ، أو بمثابة المركّب الْبَدَلِيّ.

القسم السادس: "المركب المزجيُّ" مثل: "بعلبَكّ - حضرموت - معديكرب" ونحو ذلك. ومعلومٌ أنّ المركّب المزجي هو في الحقيقة كلمةٌ واحدة يُلاحَظُ في لفظها أصلُها قبل أن تمتزج عناصرها في كلمة واحدة.

القسم السابع: "الأسْماءُ المركبة من أكثر من كلمة" مثل: "عبد الله - شابَ قرناها - ذو نُوَاس - ذو الخويصرة" ونحو ذلك. ومعلوم أنَّ الأعلام المركبة من كلمتين فأكثر صارت بالنقل إلى العملية كلمةً واحدة جديدة، تُقال كما كانت قبل النقل إلى العلميّة، وكذلك الألفاظ المتعدّدة

التي تُطْلَق بهيئتها التركيبيَّة على أشياء إطلاقَ النكرات على أجناسها وأنواعها.

القسم الثامن: "المركّب العددي" مثل: "أَحدَ عشر - ثلاثَةَ عشر". والمركب العددي هو بمثابة كلمة واحدة كانت كلمتين، وكان ينبغي عطف الثانية منهما على الأولى بحرف العطف، إلاَّ أنّه اسْتُغْنِيَ عن حرف العطف بينهما باعتبارهما قد صارتا مُرَكَّبَتَيْنِ تركيبَ كَلِمَةٍ واحدة.(البلاغہ العربیہ:۱/۵۵۷-۵۶۰).

ہوں، جیسے "وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا"(سورۃ لقمان:۱۸)وغیرہ[1]۔

قاعدہ نمبر ۶:وصلِ مفردات میں تناسب یہ ہے کہ مفردات کے درمیان عطف کی صورت میں معطوف اور معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقدیم ماحقہ التقدیم، تاخیر ماحقہ التاخیر) کی رعایت کی جاتی ہے، اسی ترتیب کالحاظ کرتے ہوئے تقدیم و تاخیر سے بہت دقائق و لطائف کا علم ہوتا ہے، مثلاً:

۱۔۔۔ کبھی کسی کی شرافت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے "وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا"(سورۃ الاسراء:۲۳) میں والدین کے حقوق کی اہمیت بتلاتے ہوئے اس کا عطف ماقبل اللہ تعالی کی طرف راجع ہونے والی ضمیر پر کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ کبھی تقدیم سے مقدم کی تعظیم کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے "فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ"(سورۃ النساء:۶۹).

۳۔۔۔ کبھی تقدیم سے تقدیمِ زمنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے " وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ"(سورۃ التوبۃ:۱۱۱) (۴) کبھی مفردات کے عطف میں تدلی من الاعلی الی الادنی یا ترقی من الادنی الی الاعلی کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے " وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ"(سورۃ الحجرات:۷)وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۷: محسنات وصل میں تناسب کی رعایت اس وقت ہوگی، جب کہ تناسب کی مخالفت کرنے کا کوئی داعیہ موجود نہ ہو۔ اگر کوئی داعیہ تناسب کی مخالفت کا متقاضی ہو تو اس وقت وصل کرتے ہوئے مخالفت کرنا مقتضائے حال کے مطابق ہوگا اور یہ مخالفت مستحسن ہوگی، جیسے "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"(سورۃ النساء:۱۴۲) یہاں معطوف علیہ "يُخَادِعُونَ اللَّهَ" جملہ فعلیہ ہے اور معطوف "هُوَ خَادِعُهُمْ" جملہ اسمیہ ہے اور یہ اس اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ منافقین کا خداع متجدد ہے اور اللہ تعالی کا ان کے خداع پر جزاء دینا دائمی اور استمراری ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۸: حروف عاطفہ کے اجمالی معانی یہ ہیں:۔

(۱) "واؤ" مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ (۲) "ف" ترتیب مع التعقیب کے لیے آتی ہے۔

(۳) "ثم" ترتیب مع التراخی کے لیے آتی ہے۔ (۴) "حتی" انتہاء غایت کے لیے آتی ہے۔

---

(۱) علوم البلاغۃ للمراغی:۱۴۱۔

(۲) مختصر المعانی:۱/۴۷۶۔

(۵) "لکن" استدراک کے لیے آتا ہے۔ (۶) "بل" اضراب کے لیے آتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۹: جملہ استنافیہ کبھی مقترن بالفاء اور کبھی واؤ الاستنافیہ کیساتھ مقترن ہوتی ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۱۰: مناسبتِ تامہ مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی چار صورتیں ہیں:۔

۱۔ اتحاد ۲۔ تماثُل ۳۔ تقابُل ۴۔ تضایُف۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔۔ اتحاد کی تعریف: معطوف اور معطوف علیہ کا مسند ایک ہو، جیسے "زیدیعطی ویمنع" اور یا معطوف اور معطوف علیہ کے مسند الیہ ایک ہو، جیسے "زیدکاتب وعمرو" وغیر۔

۲۔۔ تماثُل کی تعریف: معطوف اور معطوف علیہ کے مسند یا مسند الیہ کسی وصف میں شریک ہوں، جیسے "زیدکاتب وعمروشاعر" (مع أنهما أخوان أوصديقان) زید مضمون نگار ہے اور عمرو شاعر ہے جو دونوں بھائی یا دوست ہیں۔

۳۔۔ تقابُل کی تعریف: معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل اور ضد ہوں، جیسے "زیدیعطی ویمنع"۔ یہاں "عطاء" معطوف اور منع معطوف علیہ ایک دوسرے کے ضد ہیں۔

۴۔۔ تضایُف کی تعریف: معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ ایک سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے "أبو زيد كاتب وأبنه شاعر" زید کا باپ مضمون نگار ہے اور اس کا بیٹا شاعر ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۱۱: کمال انقطاع کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) ہر دو کے لیے محلِ اعراب ہو۔ (۲) ہر دو کے لیے محلِ اعراب نہ ہو[۴]۔

قاعدہ نمبر ۱۲: کمالِ انقطاع کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر دو جملے صرف کے اعتبار سے خبریت وانشائیت میں مختلف ہوں، اس کی بھی چار صورتیں ہیں:۔

۱۔۔ پہلا جملہ معناً خبر ہو اور دوسرا جملہ معناً انشاء ہو اور لفظاً ہر دو خبر ہوں۔

۲۔۔ پہلا جملہ لفظاً ومعناً خبر ہو اور دوسرا جملہ معناً خبر اور لفظاً انشاء ہو۔

---

(۱) البلاغۃ العربیۃ: ۱/۵۶۳۔

(۲) البلاغۃ العربیۃ: ۱/۵۷۳۔

(۳) مختصر المعانی: ۱/۴۷۹۔

(۴) نیل الامانی: ۲/۲۳۔

۳۔۔۔پہلا جملہ معناً خبر ہو اور دوسرا جملہ معناً انشاء ہو اور لفظاً ہر دو انشاء ہوں۔

۴۔۔۔پہلا جملہ لفظاً انشاء ہو اور دوسرا جملہ بھی لفظاً انشاء ہو اور پہلا جملہ معناً خبر ہو اور دوسرا جملہ معناً انشاء ہو۔ان تمام صورتوں میں بھی فصل واجب ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر۱۳: کمالِ انقطاع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بین الجملتین کوئی جامع نہ ہو، جیسے "زید طویل عمرو نائم"۔وغیرہ[۲]۔

قاعدہ نمبر۱۴: کمالِ اتصال کی تین صورتیں ہیں:۔(۱) جملہ ثانیہ پہلے جملہ کے لیے تاکید ہو۔ (۲) جملہ ثانیہ پہلے جملہ سے بدل ہو۔ (۳) جملہ ثانیہ پہلے جملے کے لیے عطف بیان ہو۔ علامہ سکاکیؒ نے ایک چوتھی صورت نعت بھی ذکر کی ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر۱۵: کمالِ اتصال کی دوسری صورت بدل سے مراد بدل البعض اور بدل الاشتمال ہے نہ کہ بدل الغلط۔ کیونکہ یہ فصیح کلام میں واقع نہیں ہوتا[۴]۔

قاعدہ نمبر۱۶: بدل لانے کی وجہ یہ ہے کہ جملہ اولی پورے مراد کو ادا نہیں کرتا، بلکہ ادائیگی میں کچھ قصور ہے جس کی کی وجہ سے وہ غیر وافیہ کی مثل ہے بخلاف جملہ ثانیہ کے کہ وہ پورے مراد کو ادا کرتا ہے اور یہی بدل لانے کی وجہ ہے[۵]۔

قاعدہ نمبر۱۷: شیخ عبد القاہر نے دلائل الاعجاز میں ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں لفظِ "قال" جہاں بلا عطف ہے اس کو استیناف پر محمول کیا جا سکتا ہے[۶]۔

تمرین

درج مثالوں میں مواضع وصل کی تعیین کیجئے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ، فَاصْدَع وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْت، وَاعْبُدُوا اللهَ

---

(۱) نیل الامانی: ۲/۲۴۔

(۲) ۔نیل الامانی: ۲/۲۴۔

(۳) نیل الامانی: ۲/۲۵۔

(۴) نیل الامانی: ۲/۲۷۔

(۵) نیل الامانی: ۲/۲۷۔

(۶) نیل الامانی: ۲/۳۵۔

وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُون، إذهب إلي فلان وتقول له كذا، وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا، وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا، قال رسول الله اتَّقِ اللّٰہَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، علي يقول ويفعل، فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا، جاءني محمد وكريم، نظرت إلي علي الفاضل والمؤدب الكريم، نظرت إلي رجل خِلقه حسن وخُلقه قبيحٌ، لاوشفاه الله جواباً لمن سأل، هل أبلّ محمد من مرضه، لاوأيدك الله الخليفة، فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُون، كل حيوان يأكل ويشرب، كان رسول الله يحمل الكل ويقرب الضيف وتعين علي نوئب الدهر، خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ، فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَأَطِيعُون، وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ.

ایک حل شدہ مثال:

"إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ":

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "إِنَّ"...... حرفِ ناسخ "الْأَبْرَارَ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام استغراقی ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت، استلذاذ و تبرک، عدم وجود مایدل علیہ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... "لَفِي نَعِيمٍ" ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ مسند ذکر مسند تعیین کونہ اسمًا و زیادۃ التقریر والایضاح...... اسناد اسنادِ حقیقی ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ........... "وَ" عاطفہ...... "إِنَّ"...... "الْفُجَّارَ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرف باللام الف لام استغراقی ...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت، استلذاذ و تبرک، عدم وجود مایدل علیہ...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ...... "لَفِي جَحِيمٍ" ظرفِ مستقر مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ مسند ذکر مسند تعیین کونہ اسمًا و زیادۃ التقریر والایضاح...... اسناد اسنادِ حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبرِ ابتدائی......اسلوبِ وصل......وجوبِ وصل......توسط بین الکمالین، اس لیے کہ دونوں جملے لفظاً ومعناً خبر ہیں۔

فصلِ پنجم: مواضعِ فصل کا بیان

درج ذیل پانچ مقامات میں فصل واجب ہے:۔

۱۔کمالِ اتصال ۲۔کمالِ انقطاع ۳۔شبہ کمالِ اتصال ۴۔شبہ کمالِ انقطاع ۵۔توسط بین الکمالین

۱۔۔۔کمالِ اتصال:

دو جملوں کے درمیان اتصالِ تام ہو، یعنی دوسرا جملہ پہلے کی تاکید، بیان یا بدل واقع ہو، جیسے " فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا "(سورۃ الطارق:۱۷) یہاں جملہ ثانیہ جملہ اولی کی تاکید ہے۔ اور اس آیت میں " فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَاآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَى "(سورۃ طٰہٰ:۱۲۰) جملہ ثانیہ جملہ اولی کا بیان ہے۔ اور اس آیت " وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ "(سورۃ الشعراء:۱۳۲-۱۳۳) جملہ ثانیہ جملہ اولی سے بدل البعض واقع ہے[1]۔

---

[1] القسم الأول: ما يجب فيه الفصل (أي: عدم عطف الجملة التالية على الجملة السابقة بالواو) . وهذا يكون في أربع صُوَر:

الصورة الأولى: أن يكون بين الجملتين "كَمَالُ اتّصال" إذْ لا تغايُر بين الجملتين حتّى تُعطَفَ التالية على السابقة. وهذ الصورة تظهر في ثلاثة وجوه: الوجه الأول: أن تكون الجملةُ التالية توكيداً للجملة السابقة، لزيادة التقرير، أو لدفع توهُّم المجاز، أو لدفع توهُّمِ الْغَلَط، وهذه الجملةُ التوكيديّة: قد تكون من قبيل التوكيد اللّفظيّ مثل قول الله عزَّ وجلَّ: {فَمَهِّلِ الكافرين أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً} . وقد تكون من قبيل التوكيد المعنويّ، مثل ما حكى الله عزّ وجلّ في سورة (يوسف:۳۱) عمّا قال النسوة حين رأَيْنَ يوسف عليه السلام في بيت العزيز: {مَا هاذا بَشَراً إِنْ هاذآ إِلاَّ مَلَكٌ كَرِيمٌ}. فجملة {إِنْ هاذآ إِلاَّ مَلَكٌ كَرِيمٌ} توكيدٌ معنويٌّ لجملة {مَا هاذا بَشَراً} لأنّ إثبات كونه ملكاً كريماً تأكِيدٌ وتحقيقٌ لنفي كونه بشراً.

الوجه الثاني: أن تكون الجملة التالية بدلاً من الجملة السابقة، وجملة البدل: قد تكون بدل كلٍّ مِنْ كلٍّ، ويسمّى "الْبَدَلَ المطابق" مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (المؤمنون:۸۱-۸۲) : {بَلْ قَالُواْ مِثْلَ مَا قَالَ الأولون * قالوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً وَعِظَاماً أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ}. وقد تكون بدَلَ بعْضٍ مِنْ كلٍّ، مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (الشعراء:۱۳۱-۱۳٤) حكاية لمقالة هودٍ عليه السلام لقومه: {فاتقوا الله وَأَطِيعُونِ * واتقوا الذي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ * أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ * وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ}. فالأنعام والبنون والجنات والعيون هي بعض ما أمدّهم به مما يعلمون، وفائدة هذا البدل ذكر بعض العناصر مفصلة لأهمّيتها عند المخاطبين، بعد ذكرها بشكل مجمل. وقد تكون بدَلَ اشتمال، مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (يَس:۲۰-۲۱) حكايةً لمقالة الرجل المؤمن الذي جاء يَسْعَى من أهل أنطاكية، يعظ قومه أن يتَّبعُوا المرسلين الثلاثة الذين أُرْسُلو إليهم:

۲۔۔۔کمالِ انقطاع:

دو جملوں کے درمیان تبایُنِ تام ہو، یعنی دونوں جملے خبر اور انشاء میں لفظاً و معنیً یا صرف معنیً مختلف ہوں، جیسے ”وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ “(سورۃ حٰم السجدۃ:۳۴) یہاں جملہ ثانیہ اور جملہ اولی میں تبایُنِ تام ہے، اس لیے کہ جملہ اولی خبریہ ہے اور جملہ ثانیہ انشائیہ ہے۔ اور یا دونوں جملوں میں معنوی کوئی مناسبت ہی نہ ہو، جیسے ”الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ---وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ---أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ---إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا “(سورۃ البقرۃ:۳-۶) یہاں ”أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ“ اور ”إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا “ کے درمیان معنوی کوئی ایسی مناسبتِ خاصہ نہیں ہے جس کی وجہ سے وصل کیا جاسکے، اس لیے فصل کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے[1]۔

{وَجَآءَ مِنْ أَقْصَى المدينة رَجُلٌ يسعى قَالَ ياقوم اتبعوا المرسلين * اتبعوا مَن لاَّ يَسْأَلُكُمْ أَجْراً وَهُمْ مُّهْتَدُونَ}. فجملة {اتبعوا مَن لاَّ يَسْأَلُكُمْ أَجْراً ... } بدل من جملة {اتّبعُوا المرسلين} التي تشتمل بمفهومها العام على معنى الجملة التي جاءت بدلاً منها. والغرض التنبيه على قضيّة مهمّةٍ فيهم، وهي إخلاصهم وعدم سعيهم لغرض دنيويٍّ من دعوتهم.

الوجه الثالث: أن تكون الجملة التالية معطوفة على الجملة السابقة عطف بيان، مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (طه:۱۲۰) :{فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشيطان قَالَ ياآدم هَلْ أَدُلُّكَ على شَجَرَةِ الخلد وَمُلْكٍ لاَّ يبلى}. فجلمة: "قال يا آدم ... " عطف بيان على جملة {فَوَسْوَسَ ... } وهي لبيان مضمون الوسوسة التي وسوس بها الشيطان. (البلاغة العربية:۱/۵۸۳-۵۸۵)

[1] الصورة الثالثة: أَنْ يكونَ بَيْنَ الجملَتَيْن "كَمَالُ الانقطاع". وهذا يكون حينما يكون بين الجملتين تبايُنٌ تَامّ، فيجب فصل الجملة التالية عن الجملة السابقة، وعدَمُ وصلها بالواو العاطفة، بشرط أن لا يؤدّي ذلك إلى إيهام غير المقصود.وهذه الصورة تظهر في ثلاثة وجوه:

الوجه الأول: أن تختلف الجملتان السابقة والتالية خبراً وإنشاءً في لفظيهما وفي دلالتيهما مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (الحجرات:۹) :{وأقسطوا إِنَّ الله يُحِبُّ المقسطين}. فالجملة السابقة {وأقسطوا} إنشائية، مصدّرة بفعل أمر. والجملة التالية {إِنَّ الله يُحِبُّ المقسطين} خبريَّة في لفظها وفي معناها. وظاهر أنّ بين هاتين الجملتين "كمالَ انقطاع" فوجب فصلهما.

الوجه الثاني:أن تختلف الجملتان السابقة والتالية خبراً وإنشاءً في دلالتيهما، ولو لم تختلفا في لفظيهما، كأن تكون الأولى خبراً في لفظها ومعناها، والثانية خبراً في لفظها إنشاءً في معناها، كأن تقول: نَجَحَ ابني في امتحاناته كلِّها، وَفَّقَهُ الله. فالأولى خبريَّةٌ لفظاً ومعنى، والتالية خبريَّةٌ لفظاً إنشائيَّةٌ دعائيَّةٌ معنى.

الوجه الثالث: أن لا يكون بين لجملتين مناسبة ما في المعنى، ولا يوجد ارتباطٌ ما بين المسنَدِ إليه فيهما، ولا بين الْمُسْنَد، ومنه قول الشاعر:

۳۔۔۔شبہ کمالِ اتصال:

جملہ ثانیہ جملہ اولی سے پیدا ہونے والے سوال مقدر کا جواب ہو، جیسے "قَالَ يَانُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ"(سورۃ ہود:۴۶)یہاں جملہ ثانیہ جملہ اولی سے پیدا ہونے والے سوالِ مقدرہ کا جواب ہے۔اور یا پہلے جملے میں مذکور سوالِ مصرح
کوجواب ہو،اس کو استیناف بیانی بھی کہتے ہیں،جیسے" فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ"(سورۃ القارعہ:۹-۱۱)[1]۔

إنَّما الْمَرْءُ بأصْغَرَيْهِ كُلُّ امْرِىءٍ رَهْنٌ بما لَدَيْه

ومثل أن تُعَدّدَ حِكَماً في موضوعاته مختلفات لا ترابط بينها، كأنْ تقول:"رَأسُ الحكمة مَخَافَةُ الله - لا يُلْدَغُ المؤمِنُ من جُحْرٍ مَرَّتين - ارْضَ بما قَسَمَ اللهُ لَكَ تكُنْ أغْنَى الناس - كفَى بالموتِ واعظاً".أما الوصل مع وجود كما الانقطاع لأنّ الفصل يوهم خلاف المقصود، فمن أمثلته ما روُي أنّ "هارون الرّشيد" سأل وزيرَه عن شيء فقال: "لا وَأيَّدَ اللهُ الْخَلِيفَة" فبلَغ هذا القول "الصّاحِبَ بْنَ عبَّادٍ" فقال: هذه الواو أحْسَنُ من الواوات في خُدُود الملاح (أي: أحسن من الشعر الذي يتدلّى من الصدغ ويكون مثل الواو على الخدود). (البلاغة العربية:۵۸۹/۱)

[1] الصُّوَرة الثانية: أَنْ يكون بين الجملتين "شِبْهُ كمال الاتصال". وهذا يكون حينما تكونُ الجملةُ السابقة ممّا يثير في نفس المتلَقّي سُؤالاً يترددُ في نفسه ولو لم يُصَرِّحْ به، فتأتي الجملة التالية لتجيب على هذا السؤال، وتأتي دون أن تعطف بالواو، وعلى أسلوب الاستئناف، فالجملة الواقعة جواباً لسؤالٍ مقدّر ذهناً غيرِ مصرّحٍ به في اللّفظ، لكن من شأنه أن تثيره في النفوس الجملة السّابقة هي جملة استئنافيّة. قالوا: والسؤال الذي تثيره الجملة السّابقة على وجوه: فإِمَّا أن يكون سؤالاً عن سبب الحكم الذي تضمّنته الجملة السابقة بوجه عامّ، مثل قول الشاعر:

قَالَ لِي: كَيْفَ أَنْتَ؟ قُلْتُ: عَلِيلُ سَهَرٌ دَائِمٌ وَحُزْنٌ طَوِيلُ

فجملة "سَهَرٌ دائم ... " جملةٌ استئنافية جاءت بدون عطف بالواو، إذْ وقَعَت جواب سؤالٍ تُثِيرُه جملة "أنا عَلِيل" لأنّ من طبيعة المتَلَقِّي أن تتحرّك نفسه بسؤالٍ مضمونه: ما سبَبُ كَوْنِكَ عليلاً؟ وأسْرَعَ المتكلم فأجاب على السؤال دون أن يُطرَحَ عليه، أي: أنا عاشقٌ بعيد عن محبوبه. فالسؤال عن سبب حدوث العلّة المرضية هو سؤال عن السبب بوجه عامٍّ، إذ عادة الناس أنّهم إذا قيل لهم: فلانٌ مريضٌ، قالوا: ما سبب مرضه؟ وإمّا أن يكون سؤالاً عن سبب خاص، مثل قول الله عزّ وجلّ في سورة (يوسف:۳۵) حكاية لمقالة يوسف عليه السلام:{*وَمَآ أُبَرِّىءُ نفسي إِنَّ النفس لأَمَّارَةٌ بالسواء إِلاَّ مَا رَحِمَ ربي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ}. فجملة: {إِنَّ النفس لأَمَّارَةٌ بالسواء} جملة مستأنفة وقعت جواب سؤال تثيره جملة {وَمَآ أُبَرِّىءُ نفسي} . وإِمَّا أن تُثِير الجملة السابقة سؤالاً ما، لا عن السبب العامّ للحكم فيها، ولا عن السبب الخاصّ، مثل ما جاء في قول الله عزّ وجلّ يَقُصُّ قصّة إبراهيم عليه السلام في سورة (هود:٦٩): {وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَاهِيمَ بالبشرى قَالُواْ سَلاَماً

۴۔۔۔شبہ کمالِ انقطاع:

ایک جملے سے پہلے دو جملے مذکور ہوں اور تیسرے جملے کا عطف کسی ایک پر صحیح ہو اور کسی پر صحیح نہ ہو، ایسے مواقع پر وہم سے بچنے کے لیے تیسرے جملے کا عطف نہیں کیا جاتا ہے، جیسے "وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"(سورۃ البقرۃ:۱۴-۱۵)[۱]۔

۵۔۔۔توسط بین الکمالین:

دو جملے خبر اور انشاء میں متحد ہوں، خواہ لفظاً و معنیً دونوں اعتبار سے متحد ہوں، یا صرف معنیً متحد ہوں، لیکن عطف سے مانع چیز (ماقبل کے حکم میں مابعد کا شریک نہ کرنا) پائے جانے کی وجہ سے فصل کیا گیا ہو، جیسے "وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"(سورۃ البقرۃ:۱۴-۱۵) یہاں "اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" کا جملہ "قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ" سے فصل کیا گیا ہے، اس لیے کہ منافقین کا قول اپنے شیاطین کیساتھ تنہا ہونے کی صورت میں ہے، جب کہ اللہ تعالی کا ان منافقین کے تمسخر کا جواب دینا دائمی ہے، وقتِ خلو سے مقید نہیں[۲]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: توسط بین الکمالین کا شمار مواضع وصل اور فصل دونوں میں ہوتا ہے۔

قَالَ سَلاَمٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ}.حَنِيذ: أي: مَشْوِيّ. إنّ من طبيعة أَيِّ متلَقٍّ للقصة، أنْ يتساءل بعد أن يَسْمَعَ أنّ الرُّسُل من الملائكة الذين جاءوه وقالوا له سلاماً، فيقول في نفسه، فماذا أجابهم إبراهيم عليه السلام؟ فجاءت جملة: {قَالَ سَلاَمٌ} جواباً على هذا السؤال.(البلاغة العربية:۵۸۶/۱).

[۱] الصورة الرابعة: أنْ يكون بين الجملَتَيْن "شبْه كَمَالِ الانقطاع". وهذا يكون حينما تكون الجملة التالية مسبوقةً بجملَتَيْنِ يَصِحُّ عطفها على إحداهما، ولا يصحّ عطفها على الأخرى، لأنه يُفْسِدُ المعنى المقصود للمتكلم، فَيُتْرَكُ العطف، ويجب حنيئذٍ الفصل دفعاً لما قد يحدث من إيهام بالوصل بالواو.القسم الثاني: ما ينبغي فيه الوصل أو يحسُنُ (أي: أن تُعْطَفَ الجملة التالية على الجملة السابقة بالواو) . ويظهر هذا حينما تكون العلاقة بين الجملتين متوسطة تماماً بين حالَتَيْ "كمالِ الانقطاع" و"كمال الاتصال". ويُلاحظ هذا التوسط حينما تتفق الجملتان التالية والسابقة خبراً أو إنْشاءً، لفظاً ومعنىً، أو معنىً فقط، مع جامع يجمع بينهما، فتُعْطَفُ التالية على السَّابقة إلاَّ إذا أوهم العطفُ خلاف المقصود. (البلاغة العربية:۵۹۰/۱).

[۲] جواہر البلاغۃ:۱۸۳،علوم البلاغۃ:۳۵۵۔

قاعدہ نمبر ۲: کمالِ اتصال میں دو جملوں کا لفظاً اور معنیً، یا صرف معنیً خبر وانشاء میں متحد ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ معنوی طور پر اختلاف ہونے کی صورت میں ہی تباینِ تام ہو گا، ورنہ نہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۳: کمالِ انقطاع کا ذکر فصل اور وصل دونوں ابواب میں ہوتا ہے، اگر دو جملوں کے خبر وانشاء میں مختلف ہونے کے باوجود ان میں فصل کرنا خلاف مقصود کا وہم دلائے تو وصل واجب ہو گا جیسے "لا! وشفاهُ الله" اس شخص کو کہنا جو یہ سوال کرے۔ "هل برى زيد من المرض؟" اور اگر فصل کرنا خلاف مقصود کا وہم نہ دلائے تو فصل واجب ہو گا، جیسے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ" (سورۃ التوبۃ:۱۰۳)۔

قاعدہ نمبر ۴: توسط بین الکمالین کا تذکرہ وصل وفصل دونوں ابواب میں آتا ہے، اگر مابعد والے جملہ کو ماقبل کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو وہاں وصل کیا جائے گا، ورنہ فصل کیا جائے گا۔

فائدہ نمبر ۱: ایک ہی آیت میں دو جگہ توسط بین الکمالین اور ایک جگہ شبہ کمالِ اتصال کی مثال قرآن مجید کی یہ ہے۔ "وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ" (سورۃ القصص:۷) یہاں پہلے دو "وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي" اور آخری "إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ" دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہے، اس لیے کہ پہلے دو جملے انشائیہ ہیں اور مسند الیہ میں اتحاد ہے اور دوسرے دو جملے خبریہ ہیں اور مسند الیہ میں اتحاد ہے۔ نیز آخری دو جملوں میں پہلے دو جملوں سے پیدا ہونے والے سوالِ مقدر (اپنے بچے پر کیوں خوف نہ کروں؟ بظاہر یہ تو ہلاکت کا سبب ہے!) کا جواب ہے، اس لیے ان میں شبہ کمال اتصال ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: جہاں "واؤ" ہو، لیکن معطوف علیہ موجود نہ ہو تو معطوف علیہ کو مقدر فرض کیا جائے گا، جیسے "اوکلما عٰھدوا عھدا"۔ تقدیر عبارت یوں ہو گی۔ "اکفروا وکلما عٰھدوا"۔ اس لیے کہ ہمزہ فعل کا تقاضا کرتا ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۶: وصل اس صورت میں مستحسن ہو گا جب دو جملوں کے درمیان مناسبت ہو، لیکن نہ متحد ہوں اور نہ ہی متباین ہو[3]۔

---

[1] علوم البلاغۃ:۳۵۲۔

[2] ہامش جواہر البلاغۃ:۱۷۱۔

[3] ہامش جواہر البلاغۃ:۱۷۱۔

قاعدہ نمبر۷: جب ایہام خلاف المقصود حاصل نہ ہو تو فصل واجب ہوتا ہے، جیسے ''سافر فلان سلمه الله''[۱]۔
قاعدہ نمبر۸: دو جملوں کا حکمِ اعرابی میں اشتراک موجب وصل ہوتا ہے[۲]۔
قاعدہ نمبر۹: وصل و فصل میں بہتر صورت یہ ہے کہ دونوں جملے اسمیت و فعلیت، ماضیت و مضارعت میں متحد ہوں[۳]۔
قاعدہ نمبر۱۰: وصل و فصل میں دو جملوں کا متحد ہونا ضروری ہے تاہم کبھی کسی علت کی وجہ سے تخالف بھی آجاتا ہے، وہ علل یہ ہیں:۔

۱۔۔ ایک جملے میں تجدد مقصود اور دوسرے میں استمرار مقصود ہو، جیسے '' أجئتنابالحق أم أنت من العبين''۔
۲۔۔ ایک جملے میں ماضی کا معنی مقصود ہو اور دوسرے جملے میں مستقبل کا معنی مقصود ہو، جیسے ''ففريقا كذتم وفريقاتقتلون''۔
۳۔۔ ایک جملے میں اطلاق مقصود ہو اور دوسرے میں تقیید مطلوب ہو، جیسے ''وقالوا لوأنزل عليه ملك ولو أنزل ملكا لقضى الأمر''[٤]۔

قاعدہ نمبر۱۱: جب دو جملوں میں تباین ہو تو ترک عطف (فصل) واجب ہوتا ہے، کیونکہ عطف ربط کے لیے آتا ہے اور متباینین میں ربط نہیں پایا[٥]۔
قاعدہ نمبر۱۲: جملہ حالیہ کا وصل اور فصل دونوں واجب ہیں، کیونکہ یہ کبھی مقترن بالواؤ ہوتا ہے اور کبھی غیر مقترن بالواؤ ہوتا ہے[٦]۔
قاعدہ نمبر۱۳: جملہ حالیہ کا فصل تین جگہوں میں واجب ہے:۔
۱۔۔ جب اس کا فعل ماضی ہو اور ''الا'' کیساتھ متصل ہو۔ یا ماضی ''او'' تسویہ کے پہلے سے واقع ہو، جیسے ''ماتكلم زيدالاخيرا''۔

---

[۱] ہامش جواہر البلاغہ: ۱۷۳۔
[۲] ہامش جواہر البلاغہ: ۱۷۴۔
[۳] علوم البلاغۃ: ۱۴۲۔ ہامش جواہر البلاغہ: ۱۷۴، البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۹۴۔
[٤] علوم البلاغۃ: ۱۴۲۔
[٥] ہامش جواہر البلاغۃ: ۱۸۰۔
[٦] جواہر البلاغۃ: ۱۸۲، علوم البلاغۃ: ۱۴۶۔

۲۔۔۔جب کا فعل مضارع مثبت ہو یا منفی ہو بصورت ''ما'' نافیہ۔ جیسے ''وجاوا أباهم عشاء يبكون'' اور ''وما لنا لانومن بالله''۔

۳۔۔۔جب حال حرفِ عطف کے بعد جملہ اسمیہ واقع ہو جیسے ''فجاءها باسنابياتا أوهم قائلون''۔یا جملہ اسمیہ ما قبل مضمون کے لیے تاکید ہو، جیسے ''ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين''[۱]۔

قاعدہ نمبر۱۴: وصل کے وقت دو جملوں میں ایک امر جامع کا ہونا ضروری ہے، پھر یہ امر جامع عقلی ہو گا یا وہمی ہو گا یا خیالی ہو گا[۲]۔

قاعدہ نمبر: جب ایک مبتداء کے لیے کئی خبریں ہو تو ان کے درمیان حرف نہیں لایا جائے گا، کیونکہ یہ بمنزلہ خبر واحد کے ہوتے ہیں، جیسے ''هذا الرمان حلو حامض''[۱]۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۱۸۱۳۔

[۲] وقد حاول السَّكَّاكي مستفيداً من دراساته المنطقيّة والفلسفيَّة الواسعة، أن يقدّم تصنيفاً للكليّات الّتي يمكن أن تَحْتَها الجامع، فرأى أنّ الجامع، إمَّا أن يكون عقليّاً، أو وهْميّاً، أو خياليّاً. فالجامع العقلي: له عدة صُوَر:

(۱) أن يتّحد في الجملتين واحدٌ فأكثر من المسند إليه، والمسند إليه، وقيودهما.

(۲) أن يتماثل في الجملتين واحدٌ فأكثر من المسند إليه، والمسند، وقيودهما، والتماثل هو التشابه، وهو غير الاتحاد.

(۳) أن تربط بين الجملتين العلاقة التي تُسَمَّى في الفلسفة مقولة "الإِضافة" وهي التي يرتبط فيها فهم الشيء بفهم شيء آخر، مثل العلاقة بين الأُبُوّة والنبوة، والعلاقة بين العلة والمعلول، والسبب والمسبّب، والأسفل والأعلى، والأقل والأكثر، والبيع والشراء، والشريك مع شريكه، إلى غير ذلك.

والجامع الوهمي: هو أن تتواصل الجملتان ببعض عناصرهما عن طريق القوة الواهمة في الذهن.

(۱) فمنه أن يكون بينهما شبه تماثل، إذ الوهم من شأنه أنْ يرفع شبيه المتماثلين إلى مرتبة المتماثلين ويجمع بينهما لتقاربهما. كأن يجمع بين الأبيض والأصفر لأنهما يشبهان المتماثلين، وكأن يجمع بين شديد الخضرة والسّواد.

(۲) ومنه أن يكون بينهما تضادّ، كالسّواد والبياض، والإِيمان والكفر، والضحك والبكاء، والقيام والقعود، إذ من شأن القوة الواهمة أن تجمع بين الأضداد.

(۳) ومنه أن يكون بينهما شبه تضاد، كالسّماء والأرض، والسهل والجبل.

الجامع الخيالي: هو أن تتواصل الجملتان ببعض عناصرهما عن طريق "المخيّلة" في الذهن، إذ الذهن يؤلف بين المتقارنين في الخيال لأسباب مختلفة، كالقلم والقرطاس، والعقد والجيد، والمعصم والسوار، والخاتم والإِصبع، والغراب والسواد، إلى غير ذلك.(البلاغۃ العربیہ:۱/۵۹۳،جواہر البلاغۃ:۱۸۳،نیل الامانی:۲/۳۳-۳۷،علوم البلاغۃ:۱۴۰)

قاعدہ نمبر: جب ایک موصوف متعدد صفات کے بغیر متعین نہ ہو تو اس وقت فصل واجب ہو گا[۲]۔
قاعدہ نمبر: جب ایک موصوف کی کئی صفتیں ہوں تو اس میں دو وجہیں جائز ہوتی ہیں: ایک یہ ہے کہ صفتوں کے درمیان حرفِ عطف نہ ہو۔ اور یہ اصل ہے، جیسے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور "للہ الواحد القہار" وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صفات کے درمیان حرف عطف ہو۔ لیکن اس لیے شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بلاغت کا نکتہ پوشیدہ ہو۔ اس لیے کہ یہ عدول عن الاصل ہے[۳]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مواضع فصل کی تعیین کیجئے۔
مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيم، بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا، أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ، اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ، فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَى، يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُم، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِين، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيم، وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ، قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَام، يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ رِجَال، وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ، اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِم، وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُون.

ایک حل شدہ مثال:

مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيم:

(الف)۔۔۔ مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "مَا" مشبہ بہ لیس...... "هَذَا" مسند الیہ محکوم معرفہ معرفہ باسم الاشارہ غرضِ تعریف تعظیم واستغراب و تلخیص الکلام...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ تخصیص، تشویق الی المتاخر...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح ...... "بَشَرًا" مسند محکوم بہ

---

[۱] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۶۵۔

[۲] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۶۵۔

[۳] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۶۶۔

غرضِ تنکیرِ مسند اصالت و تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... اسناد اسناد حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ استنافیہ...... "إِنْ" نافیہ اداتِ قصر مقصور بہ...... "هَذَا" مسند الیہ محکوم معرفہ معرفہ باسم الاشارہ غرضِ تعریف تعظیم واستغراب و تلخیص الکلام...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ تخصیص، تشویق الی المتاخر...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح مقصور...... "إِلَّا" اداتِ قصر مقصور بہ...... "مَلَكٌ كَرِيم" مسند محکوم بہ غرضِ تنکیرِ مسند اصالت و تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... اسناد اسناد حقیقی...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ استنافیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبر صادق...... جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر خبر ابتدائی...... اسلوبِ قصر در جملہ ثانیہ...... ما قبلِ استثناء مقصور ومابعد استثناء مقصور علیہ...... قصر اضافی...... قصر قلب...... قصرِ موصوف علی الصفۃ۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ: احوالِ متعلقہ بالجملتین او اکثر: اسلوبِ فصل......... توسط بین الکمالین، اس لیے کہ دونوں جملے خبریہ ہیں۔

بابِ دوم:

ایجاز، مساوات اور اطناب کا بیان

یہ باب درج ذیل دس فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: ایجاز کا بیان

فصلِ دوم: ایجازِ حذف کا بیان

فصلِ سوم: شرائطِ حذف کا بیان

فصلِ چہارم: حذف کے اقسام وانواع

فصلِ پنجم: ایجازِ حذف کی اقسام وانواع

فصلِ ششم: اغراضِ حذف کا بیان

فصلِ ہفتم: اطناب کا بیان

فصلِ ہشتم: اطناب کے علل ودواعی

فصلِ نہم: اطناب کی اقسام وانواع

فصلِ دہم: مساوات کا بیان

فصلِ اول: ایجاز کا بیان

ایجاز کی تعریف:

"ایجاز" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: اختصار اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ معنی مقصودی کو متعارَف عبارت سے کم الفاظ میں تعبیر کرنے کو ایجاز کہتے ہیں، یعنی معنی مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کرنا جو اس معنی کی نسبت سے اگرچہ کم ہو، لیکن غرض اس سے پوری ہو جاتی ہو، جیسے "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ"(سورۃ الاعراف:۵۴) اس آیت میں ہر چیز داخل ہے[1]۔

ایجاز کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ایجازِ قصر ۲۔ ایجازِ حذف

۱۔۔۔ایجازِ قصر کی تعریف:

ایجازِ قصر وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں حذف کے بغیر معانی کثیرہ کو نہایت مختصر عبارت میں بیان کیا گیا ہو، یعنی الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں، جیسے " الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ "(سورۃ البقرۃ:۳) اس آیت میں لفظِ "غیب"

---

[1] الإيجاز لغة: اختصار الكلام وتقليل ألفاظه مع بلاغته، يقالُ لغة: أوجز الكلامَ إذا جعله قصيراً ينتهي من نطقه بسرعة. ويقال: كلامٌ وجيز، أي: خفيفٌ قصير. ويقال: أَوْجَزَ في صَلاتِهِ إذا خفَّفها ولم يُطِلْ فيها. فالمادّة تدور حول التخفيف والتقصير، وفي الحديث أنَّ رَجُلاً قال للرسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عِظْنِي وأوجِزْ، أي: قُلْ لي كلاماً خفيفاً قصيراً أحْفَظُهُ عنك فيه موعظةٌ لي. روى الإمام أحمد بسنده عن أبي أيّوبَ الأنصاري قال: جاء رجلٌ إلى النبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: عِظْنِي وأوجز. فقال: "إِذَا قُمْتَ فِي صَلاَتِكَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ، ولا تَكَلَّمْ بِكَلامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً، وأَجْمِعِ الإِيَاسَ مِمَّا في أَيْدِي النَّاسِ". فوعظه الرسولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بهذه الفقراتِ الثلاث، وأَوْجَزَ له فيها.

الإيجاز في اصطلاح البلاغيين: هو التعبير عن المراد بكلامٍ قصير ناقص عن الألفاظ التي يُؤَدَّى بها عادةً في متعارف الناس، مع وفائه بالدّلالة على المقصود. أو نقول: هو صياغة كلام قصير يدلُّ على معنىً كثير وافٍ بالمقصود، عن طريق اختيار التعبيرات ذات الدَّلالات الكثيرات، كالأمثال والكليّات من الكلمات، أو عن طريق استخدام مجاز الحذف، لتقليل الكلمات المنطوقة، والاستغناء بدلالة القرائن على ما حُذِف، أو عن طريق استخدام ما بني على الإيجاز في كلام العرب، كالحصر، والعطف، والضمير، والتثنية، والجمع، وأدوات الاستفهام، وأدوات الشرط، وألفاظ العموم، وغير ذلك. فإذا لم يكن الكلام وافياً بالدّلالة على المقصود كان الإيجاز فيه إيجازاً مُخِلاًّ، إذ رافق التقصير في الألفاظ تقصيرٌ في المعنى الذي أراد المتكلّم التعبير عنه. (البلاغة العربية:۲/۲۲).

قبر، حشر، میزان، صراط، جنت، جہنم، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام وغیرہ سب کو شامل ہے، بلکہ تمام مغیبات اس مختصر لفظ میں داخل ہیں۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے۔ ”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ“(سورة البقرة:۱۷۹) اس آیت کا مفہوم بہت وسیع ہے، کیونکہ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی انسان دوسرے کو قتل کر دے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو قتل نہ کرے اور جب کوئی انسان دوسرے کو قتل نہیں کرے گا تو اس سے قصاص کا حکم خود بخود مرتفع ہو جائے گا تو اس سے تمام انسانوں کا قتل ختم ہو جائے گا۔ [1]۔

پھر ایجاز قصر کی متعدد اقسام ہیں، چند مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ کون الحصر فی الکلام ۲۔ باب العطف ۳۔ باب النائب عن الفاعل ۴۔ باب الضمیر ۵۔ کلمات التنبیه والجمع ٦۔ ادوات الشرط ۷۔ ادوات الاستفهام ۸۔ الادوات التی تدل علی العموم ۹۔ باب التنازع ۱۰۔ حذف المفعول ۱۱۔۔۔ الالفاظ الدلالة علی العموم۔

مذکورہ اقسام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

١۔۔۔ کون الحصر فی الکلام: کلام میں حصر کا ہونا، خواہ وہ اداتِ حصر میں سے کسی بھی ادات کے ذریعے ہو، اس لیے کہ اداتِ حصر کی وجہ سے ایک جملہ دو جملوں کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

۲۔۔۔ باب العطف: حروف عطف کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ عامل کے تکرار سے مستغنی ہوں۔

۳۔۔۔ باب النائب عن الفاعل: نائب فاعل من جملہ ایجاز کے اقسام میں سے ہے، اس لیے کہ وہ حکماً فاعل پر دلالت کرتا ہے اور وضعاً مفعول پر دلالت کرتا ہے۔

٤۔۔۔ باب الضمیر: ضمیر بھی من جملہ ایجاز قصر میں سے ہے اس لیے کہ ضمیر کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ وہ اسمِ ظاہر کو ذکر کرنے سے مستغنی کرتا ہے۔

٥۔۔۔ کلمات التثنية والجمع: الفاظِ تثنیہ اور جمع بھی من جملہ ایجاز قصر کے انواع میں سے ہیں، اس لیے کہ وہ مفرد کی تکرار سے مستغنی کر دیتے ہیں، نیز الفاظِ تثنیہ اور جمع میں تثنیہ اور جمع پر دلالت کرنے والا حرف اختصاراً مستقل لفظ کا قائم مقام ہوتا ہے۔

٦۔۔۔ ادوات الاستفهام: اداتِ استفہام بھی من جملہ ایجاز قصر میں سے ہے، اس لیے کہ یہ حروف پورے جملے کے قائم مقام ہوتے ہیں، جیسے ”كم مالك؟“ یہ مختصر جملہ دراصل ”مالك عشرون أم ثلاثون؟“ طویل جملے

[1] مختصر المعانی:۱/۵۲۷، نیل الامانی:۲/۹٦، علوم البلاغۃ للمراغی:۱۵۸۔

کے قائم مقام ہے۔

۷۔۔۔ادوات الشرط: ادواتِ شرط بھی من جملہ ایجاز قصر میں سے ہے، اس لیے کہ یہ حروف بھی شرطیت کیساتھ زمان ومکان پر دلالت کرتے ہیں، نیز اس میں دیگر مخفی اسرار ورموز بھی پائے جاتے ہیں۔

۸۔۔۔الادوات التی تدل علی العموم: تمام الفاظِ عموم: الفاظِ عموم بھی ایجاز قصر کے قبیل سے ہیں، جیسے "مَا، مَن، کل" وغیرہ۔

۹۔۔۔حذفِ المفعول: حذفِ مفعول بھی ایجازِ قصر کے قبیل سے ہے۔

۱۰۔۔۔باب التنازع: باب تنازع بھی امام فراءؒ کے نزدیک بھی ایجازِ قصر کے قبیل سے ہے[۱]۔

۱۱۔۔۔الالفاظ الدلالة علی العموم: ایسے الفاظ اور تعبیرات کو اختیار کرنا جو دلالت عامہ پر مشتمل ہو بھی ایجازِ قصر کے قبیل سے ہیں[۲]۔

---

[۱] نیل الامانی: ۲/ ۱۰۱۔

[۲] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۳۴۔

فصلِ دوم: ایجازِ حذف کا بیان

ایجاز حذف کی تعریف:

ایجازِ حذف وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں کسی کلمہ، یا جزء کلمہ، یا ایک جملہ، یا ایک سے زائد جملوں کو حذف کر کے مقصودی بات کو بیان کیا گیا ہو[1]، جیسے "وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ" (سورۃ یوسف:۸۲) یہاں مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔ "أي وَاسْأَلِ أَهْلَ الْقَرْيَةَ"۔

پھر ایجازِ حذف کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔۔ حذف کرنے کے بعد کسی چیز کو محذوف کے قائم مقام نہ لانا، جیسے "وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ" (سورۃ یوسف:۸۲) میں مضاف "أَهْل" کو حذف کیا گیا ہے اور اس کے قائم مقام کسی چیز کو نہیں لایا گیا ہے، ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ میں موصوف "آيَةً" کو حذف کیا گیا ہے اور اس کے قائم مقام کسی چیز کو نہیں لایا گیا ہے، ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ میں فعل "اِمْضِ" کو حذف کیا گیا ہے، اور اس کے قائم مقام کسی چیز کو نہیں لایا گیا ہے وغیرہ۔

۲۔۔ حذف کرنے کے بعد کسی چیز کو محذوف کے قائم مقام لانا، جیسے "وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ" اس آیت میں "فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ" جزاء نہیں، کیونکہ جزاء کا زمانہ شرط کے زمانے سے پہلے نہیں ہوتا، بلکہ شرط کے زمانے کے بعد ہوتا ہے جب کہ یہاں تکذیب الرسل کا زمانہ تکذیب رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے مقدم ہے اس لیے اسے جزاء بنانا صحیح نہیں ہے، لہٰذا اس کی شرط کی جزاء محذوف ہے اور وہ یہ ہے: "فلا تحزن واصبر" ہے[2]۔

---

[1] ذكرالبلاغيون سبعة شروط لجواز الحذف، منها ما هو بلاغيّ، ومنها ما يدور في فَلَكِ الصناعة النحويّة، ولكِنْ لم يتّضِحْ لي منها بلاغيّاً غير شرطين:الشرط الأول: أنْ لا يُؤَدّيَ الحذْفُ إلى الجهل بالمقصود، فَيُشْتَرَطُ أنْ يُوجَدَ دليلٌ يدلُّ علَى المحذوف، وقد يُعَبَّرُ عنه بالقرائن الدالة.الشرط الثاني: أنْ لا يَكُونَ المحذوف مُؤَكّداً للمذكُور، إذْ الحذْفُ منافٍ للتأكيد.والدليل الدّالُّ على المحذوف:(١) إمَّا أنْ يكون من قرائن المقال الموجودةِ في السِّبَاق أَوْ في السِّيَاق.(٢) وإمَّا أن يكون من قرائن الحال.(٣) وإمّا أن يكون من المفاهيم الفكرية والاقتضاءات العقليَّة، واللّوازم الذهنيّة. (البلاغة العربية:٤٣/٢)

[2] یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ جہاں بھی کسی چیز کو حذف کر دیا جائے تو وہاں پر دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: ایک حذف پر کسی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے اور دوسرے نمبر پر محذوف کی تعیین پر بھی کسی چیز کی دلالت کا ہونا ضروری ہے، پھر یہ دلیلیں مختلف ہوتی ہیں:

پہلی دلیل: یہ ہے کہ حذف پر تو عقل دلیل بنے، لیکن محذوف کی تعیین پر مقصود دلیل بنے، جیسے "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ." (المائدۃ:۳) یہاں حرمت کا تعلق "میتۃ" کیساتھ بتلایا گیا ہے، لیکن عقل اس بات پر دال ہے کہ اس کا تعلق "میتۃ" کیساتھ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالی کے احکامات کا تعلق افعال مکلفین کیساتھ ہوتا ہے، اعیان کیساتھ نہیں (یہ معتزلہ اور عراقیین اہل سنت کا مذہب ہے احناف کے نزدیک احکام کا تعلق اعیان کیساتھ حقیقۃً ہوتا ہے۔فلاحذف فی الکلام علی مذھبھم)۔تو عقل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں پر کوئی فعل محذوف ہے اور مقصود چونکہ "اکل" ہے اس لیے اس نے تعیینِ محذوف پر دلالت کی ہے کہ وہ "تناول" ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ تَناوِلُ الْمَيْتَةِ."

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حذف اور تعیینِ محذوف دونوں پر عقل دلالت کرے، جیسے "وَجَاءَ رَبُّكَ." (سورۃ الفجر:۲۲) عقل اس بات پر دال ہے کہ یہاں کچھ محذوف ہے، کیونکہ آمد و رفت اور حرکت و سکون مقتضی جسمانیت ہے اور اللہ تعالی کی ذات اس سے منزہ ہے، پھر عقل ہی اس محذوف کی تعیین کرتی ہے۔"ای جاء امر ربكَ اوعذابه" ہے۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ حذف پر عقل دلیل بنے اور محذوف کی تعیین پر عادت دلیل ہو، جیسے "فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ." (سورۃ یوسف:۳۲) اس میں عقل دلالت کررہی ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز محذوف ہے، کیونکہ کسی کی ذات کے بارے میں ملامت کرنے کے کوئی معنی نہیں۔رہی یہ بات کہ محذوف کیا چیز ہے؟اس میں تین احتمال ہیں:اس کا محذوف یا تو "حب" ہے اور اس پر قرینہ "قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا" ہے۔یا محذوف "مراودۃ" ہے اور اس پر قرینہ "تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ" ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "فی شانہ" مقدر ہو۔ بہر حال عقل اس محذوف کی تعیین نہیں کرسکتی، ہاں! عادت اس کو متعین کرسکتی ہے کہ "مراودۃ" مراد ہے کیونکہ جب انسان پر عشق کا غلبہ ہوجاتا ہے تو وہ مجبور سا ہوجاتا ہے اور اربابِ عشق کے یہاں اس کی ملامت کو معیوب سمجھا جاتا ہے، لہذا اس لیے یہاں "فی مراودتہ" مقدر ہوگا۔

چوتھی دلیل: یہ ہے کہ حذف پر دلیل جار مجرور ہوں گے، کیونکہ جار مجرور جہاں پر بھی آتے ہیں تو ان کے لیے متعلق کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور تعیین محذوف پر دلیل شروع فی الفعل بنے گا، جیسے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اگر کوئی پڑھ رہا ہو تو "اشرع" یا "اقرء" متعلق نکالا جائے گا، اسی طرح ہر موقع و محل کے مطابق فعل محذوف مانا جائے گا۔

پانچویں دلیل: یہ ہے کہ حذف پر تو جار مجرور دلیل ہوں گے، اس لیے کہ ان کے متعلق کا ہونا ضروری ہے، لیکن تعیین محذوف کے لیے فعل مخاطب کیساتھ کلام کا مقارن ہونا پڑے گا، جیسے کوئی آدمی دولہا بن کر آئے تو اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: "بالرفاء والبنین!" تو یہاں پر محذوف پر تو جار مجرور دال ہے اور تعیین محذوف پر مخاطب کی حالت دلالت کررہی ہے، لہذا اس کا محذوف فعل محذوف نکالا جائے گا: "اعرست بالرفاء والبنین!" تمہاری شادی ہوئی، تمہارے درمیان اتفاق واتحاد پیدا ہو اور اللہ تعالی تمہیں اولاد دے! (مختصر المعانی:۱/۵۳۵)

فصلِ سوم: شرائطِ حذف کا بیان

حذف کے لیے درج ذیل سات شرائط ہیں:۔

پہلی شرط: حذف کی کوئی دلیل موجود ہو۔ علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ دلیل کی شرط اس وقت ہے جب پورا جملہ یا اس کا کوئی رکن محذوف ہو، یا محذوف سے جملہ میں کوئی ایسے معنی مستفاد ہوں جس پر وہ جملہ مبنی ہو، جیسے ''تاللہ تفتؤ''۔ لیکن فَضلہ کے محذوف ہونے کے لیے کسی دلیل کی شرط نہیں بلکہ صرف اتنی سی بات ہے کہ اس حذف سے کوئی معنوی یا صناعی ضرورنہ ہو۔ نیز فرماتے ہیں کہ لفظی دلیل میں یہ شرط ہے کہ محذوف کے مطابق ہو۔

دوسری شرط: محذوف مثلِ جزء نہ ہو، اسی لیے فاعل یا نائب فاعل یا ''کان'' اور اس کے اخوات کا اسم محذوف نہیں ہوتا۔

تیسری شرط: محذوف مؤکدنہ ہو، کیونکہ حذف تاکید کے منافی ہے اس لیے کہ حذف اختصار پر مبنی ہے اور تاکید طوالت پر مبنی ہے، لیکن دلیل سے کسی شئ کا محذوف ہونا منافی تاکید نہیں ہوتا، کیونکہ دلیل سے کسی شئ کا محذوف ہونا ثابت ہونے کے مثل ہے۔

چوتھی شرط: یہ ہے کہ حذف کرنے سے مختصر کا اختصار نہ ہوتا ہو، اسی لیے اسم فعل حذف نہیں کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ فعل کا اختصار ہے۔

پانچویں شرط: یہ ہے کہ محذوف عامل ضعیف نہ ہو، اسی وجہ سے جار اور ناصبِ فعل اور جازم کو حذف نہیں کیا جاتا ہے، لیکن وہاں پر حذف ہوتے ہیں جہاں یہ عوامل کثیر الاستعمال ہوں اور ان کے حذف پر قوی دلیل موجود ہو۔

چھٹی دلیل: یہ ہے کہ محذوف کسی کے عوض میں نہ ہو، اسی لیے ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ حرفِ نداء ''ادعو'' کے عوض نہیں ہے، کیونکہ اہل عرب اس کے حذف کو جائز سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ''اقامۃ'' اور ''استقامۃ'' کی ''تاء'' حذف نہیں ہوتی۔

ساتویں دلیل: یہ ہے کہ حذف سے عامل قوی کی ضرورت نہ ہو[1]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: ایجازِ قصر کو ایجاز البلاغۃ بھی کہتے ہیں[2]۔

---

[1] نیل الامانی: ۲/ ۱۱۳۔

[2] جواہر البلاغۃ: ۱۹۴۔

قاعدہ نمبر ۲: ایجازِ قصر کی ایک غرض تحصیل المعنی الکثیر باللفظ الیسر بھی ہے [۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: بعض اوقات ایجاز استعطاف، شکوی المال، اعتذارات، تعزیہ، عتاب، وعد و وعید، رسائل الملوک فی الحرب الی الولاۃ، الاوامر والنواہی الملکیہ، الشکر علی النعم وغیرہ میں مستحسن ہوتا ہے [۲]۔

قاعدہ نمبر ۴: ایجاز کے علل اور دواعی یہ پانچ ہیں:۔ تسہیل الحفظ (حفظ اور یاد دہانی کے لیے کسی چیز کو آسان کرنا) تقریب الفہم (فہم اور سمجھ کے خاطر مضمون کو قریب کر دینا) ضیق المقام (عدم فرصت کی وجہ سے ایجاز کا اسلوب اختیار کرنا) دفع السآمۃ (طویل گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے ایجاز کا اسلوب اختیار کرنا) الاخفاء (مخاطب کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے بات کو مخفی رکھنا) [۳]۔

قاعدہ نمبر ۵: امام خلیل بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ اختصار حفظ وضبط کے لیے ہوتا ہے اور بسط وتفصیل تقریب فہم کے لیے ہوتی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں۔ "لکل مقام مقال"۔ یعنی مقام ایجاز میں ایجاز ہوتا ہے اور مقام اطناب میں بسط وتفصیل ہوتی ہے [۴]۔

قاعدہ نمبر ۶: حذفِ جملہ سے مستقل جملہ تامہ مراد ہے، جملہ ناقصہ مراد نہیں، اس لیے حذفِ معطوف اور حذفِ جوابِ قسم وغیرہ حذفِ جملہ میں داخل نہیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷: حذف کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک حذف کا کوئی داعی ہو اور دوسرا محذوف کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی ہو، تاکہ حذف فہمِ معنی میں مخل واقع نہ ہو [۵]۔

قاعدہ نمبر ۸: متعلقات فعل میں حذف کی اغراض یہ ہیں، اختصار کیساتھ تعمیم کا فائدہ دینا، محض اختصار کا فائدہ دینا اور فاصلہ کی رعایت رکھنا وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۹: حذفِ کلمہ کی متعدد صورتیں ہیں، جیسے حذفِ حرف، حذفِ مسند الیہ، حذفِ مسند، حذفِ متعلق فعل، حذفِ مضاف، حذفِ مضاف الیہ، حذفِ موصوف، حذفِ صفت، حذفِ قسم، حذفِ جوابِ قسم، حذفِ شرط، حذفِ

---

(۱) جواہر البلاغۃ:۱۹۶۔

(۲) علوم البلاغۃ:۱۷۸، جواہر البلاغۃ:۱۹۶، البلاغۃ العربیہ:۲/۱۴۔

(۳) علوم البلاغۃ للمراغی:۱۶۸۔

(۴) علوم البلاغۃ:۱۶۸، البلاغۃ العربیہ:۲/۹-۱۰۔

(۵) علوم البلاغۃ للمراغی:۱۵۸۔

جواب شرط اور حذفِ معطوف وغیرہ [۱]۔

قاعدہ نمبر ۱۰: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جو ایجاز حذف سے خالی ہو اس کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) ایجازِ قصر (۲) ایجازِ تقدیر (۳) ایجازِ جامع کہ لفظ کئی معانی پر مشتمل ہو۔ ایجازِ تقدیر کو ایجازِ تقیق بھی کہتے ہیں [۲]۔

قاعدہ نمبر ۱۱: ایجازِ قصر کی بہت سی صورتیں ہیں، علامہ ابن الاثیرؒ اور صاحب عروس الافراح وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ایجازِ قصر کی قسموں میں سے حصر بھی ہے، خواہ "انما" کیساتھ ہو، یا کسی اور حرف کیساتھ ہو۔ یا تقدیم کیساتھ ہو گا۔ عطف بھی قصر کی ایک صورت ہے، نیز "علمتُ" بھی قصر کی ایک صورت ہے۔ باب نائب فاعل بھی قصر کی ایک صورت ہے، امام فراءؒ کے نزدیک باب تنازع الفعلان بھی قصر کی ایک صورت ہے۔ اور فعل متعدی کو لازم کی طرح کرتے ہوئے استعمال کر کے مفعول کو بغرض اقتصار حذف کر دینا بھی ایجازِ قصر کی ایک صورت ہے، باب اسمائے استفہام، اسمائے شرط اور وہ اسماء جو مستلزم عمومیت ہو، جیسے "احد، دیار" وغیرہ۔ نیز تثنیہ اور جمع بھی ایجاز قصر کی ایک صورت ہے، کیونکہ اس میں مفرد کی تکرار کی حاجت نہیں رہتی [۳]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں ایجاز اور اس کے اقسام کی تعیین کیجئے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ، إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِين، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَه، فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ، خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِين، وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِين، حَتَّى إِذَا أَتَوْا عَلَى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ نَاقَةَ اللهِ وَسُقْيَاهَا، وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا، وَلَوْ ترى إِذْ وُقِفُواْ عَلَى النار فَقَالُواْ ياليتنا نُرَدُّ وَلاَ نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ المؤمنين. واللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ. والضحى * والليل إِذَا سجى * مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قلى. وَقِيلَ لِلَّذِينَ

---

[۱] علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۵۵۔

[۲] نیل الامانی: ۲/ ۹۶۔

[۳] نیل الامانی: ۲/ ۱۰۱۔

اتقوا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُواْ خَيْرا. هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ المكرمين * إِذْ دَخَلُواْ عَلَيْهِ فَقَالُواْ سَلاَماً قَالَ سَلاَمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ. يَا أَيُّهَا الذين آمَنُواْ أَوْفُواْ بالعقود. وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ العهد كَانَ مَسْؤُولاً. مَن كَانَ يُرِيدُ العزة فَلِلَّهِ العزة جَمِيعاً.

ایک حل شدہ مثالیں:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ:"وَ"عاطفہ......"لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ"طرف مستقر مسند محکوم بہ نکرہ غرضِ تنکیرِ مسند تفخیم المسند واصالت......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند تخصیص و تشویق الی المتاخر......مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح......مقصور علیہ......"حَيَاةٌ"مسند الیہ محکوم علیہ نکرہ غرضِ تنکیر مسند الیہ تعظیم وتوقیر......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ،زیادۃ التقریر والایضاح وتعظیم......مقصور......اسنادِ اسنادِ حقیقی......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:جملہ خبریہ خبرِ صادق......جملہ اسمیہ مفیدِ ثبوتِ مسند للمسند الیہ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر......خبرِ ابتدائی......اسلوبِ قصر......طرقِ قصر تقدیم ماحقہ التاخیر...... قصرِ اضافی......قصرِ قلب ......قصرِ صفت علی الموصوف۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ:احوالِ متعلقہ بالجملتین او اکثر:اسلوبِ وصل،اس لیے کہ یہ ما قبل جملے"كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ"پر عطف ہے......توسط بین الکمالین،اس لیے کہ دونوں جملے خبریہ ہیں......اسلوبِ ایجاز......ایجازِ قصر کون الحصر فی الکلام والالفاظ الدالۃ علی العموم۔

فصلِ چہارم: حذف کے اقسام وانواع

حذف کی پانچ قسمیں ہیں:۔

۱۔اقتطاع ۲۔اکتفاء ۳۔تضمین ۴۔احتباک ۵۔اختزال

۱۔۔۔اقتطاع کی تعریف:

"اقتطاع" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کٹوتی، وضع کر دگی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں کلمہ کے بعض حروف کو تخفیف مخارج یا بناء پر سرعت یا قافیہ کو برابر کرنے کے لیے حذف کر دیا جائے، جیسے "أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يمنى}" (سورة القيامة:۳٦)، "{ذلكم وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}" (سورة الانعام:۱۵۲) پہلی مثال میں "أَلَمْ يَكُ" میں "ن" کو حذف کیا گیا ہے اور دوسری مثال میں "تَذَكَّرُونَ" میں "ت" کو حذف کیا گیا ہے[1]۔

۲۔۔۔اکتفاء کی تعریف:

"اکتفاء" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کفایت کرنا، کافی سمجھنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں مقتضی حال ایسے دو چیزوں کا تقاضا کرتا ہے جن دونوں میں ارتباط اور تلازم ہو، لیکن کسی نکتہ لطیفہ کی بنیاد پر ان میں سے صرف ایک کو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو حذف کر دیا جائے، جیسے "{وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الحر وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ}" (سورة النحل:۸۱) اس آیت میں "الحر" کو ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ بلاد عرب میں گرمی ہوتی ہے تو ان کے لیے گرمی سے بچاؤ اہم تھا اور "برد" کو حذف کیا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔" تقيكُمُ الْحَرَّ

---

[1] الاِقْتِطَاعِ وَهُوَ حَذْفُ بَعْضِ حُرُوفِ الْكَلِمَةِ وَأَنْكَرَ ابْنُ الْأَثِيرِ وُرُودَ هَذَا النَّوْعِ فِي الْقُرْآنِ وَرُدَّ بِأَنَّ بَعْضَهُمْ جَعَلَ مِنْهُ فَوَاتِحَ السُّوَرِ عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ كُلَّ حَرْفٍ مِنْهَا مِنِ اسْمٍ مِنْ أَسْمَائِهِ كَمَا تَقَدَّمَ وَادَّعَى بَعْضُهُمْ أَنَّ الْبَاءَ فِي {وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ} أَوَّلُ كَلِمَةِ بَعْضٍ ثُمَّ حُذِفَ الْبَاقِي وَمِنْهُ قراءة بعضهم: {وَنَادَوْا يَا مَالِكُ} بِالتَّرْخِيمِ وَلَمَّا سَمِعَهَا بَعْضُ السَّلَفِ قَالَ: مَا أَغْنَى أَهْلَ النَّارِ عَنِ التَّرْخِيمِ وَأَجَابَ بَعْضُهُمْ بِأَنَّهُمْ لشدة ما هم عَجَزُوا عَنْ إِتْمَامِ الْكَلِمَةِ وَيَدْخُلُ فِي هَذَا النَّوْعِ حَذْفُ هَمْزَةِ "أَنَا" فِي قَوْلِهِ: {لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي} إِذِ الْأَصْلُ "لَكِنَّ أَنَا" حُذِفَتْ هَمْزَةُ "أَنَا" تَخْفِيفًا وَأُدْغِمَتِ النُّونُ فِي النُّونِ. (الاتقان في علوم القران:۳/۲۰۲)

والْبَرْدَ"[۱]۔

۳۔۔۔۔تضمین کی تعریف:

"تضمین" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: ملانا، جگہ دینا، شامل کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں ایک کلمہ دوسرے کلمہ کے معنی کو متضمن ہو، لیکن ایک کلمہ کو حذف کیا جائے اور اس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہو، جیسے کسی کلمہ کو ایسے حرف کیساتھ متعدی کرنا جو اس کلمہ مناسب ہو، تو اس تضمین کی وجہ سے یہ جملہ دو جملوں کی قوت میں ہو جاتا ہے ایک جملہ پر کلمہ مذکورہ دال ہو اور دوسرے جملے پر اس کے بعد آنے والا جملہ دال ہو۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔"إِنَّ الأبرار يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً * عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيراً "۔(سورۃ الدھر:۵-۶) لغت کے اعتبار سے "يَشْرَبُ" فعل "مِن" کیساتھ متعدی ہوتا ہے، لیکن اس آیت میں "ب" کیساتھ متعدی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "يَشْرَبُ" فعل "يتلذذ" کے معنی کو متضمن ہے اور یہ "ب" کیساتھ متعدی ہوتا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ "عينايشرب منهامتلذذاًمنهاعبادالله"[۲]۔

۴۔۔۔احتباک کی تعریف:

"احتباک" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: مضبوط کرنا، پکا کرنا، کمر بند باندھنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں کلام کے اول سے کسی جملہ یا کلمہ کو حذف کیا جائے اور اس کا نظیر و مقابل کلام کے آخر میں مذکور ہو۔ یا کلام کے آخر سے کسی جملہ یا کلمہ کو حذف کیا جائے اور اس کا نظیر اور مقابل کلام کے اول میں ہو، جیسے " وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سوء"(سورۃ النمل:۱۲) اس آیت میں "بيضآء" جو آخر کلام

---

[۱] الاِكْتِفَاءِ وَهُوَ أَنْ يَقْتَضِيَ الْمَقَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ بَيْنَهُمَا تَلَازُمٌ وَارْتِبَاطٌ فَيُكْتَفَى بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْآخَرِ لِنُكْتَةٍ وَيَخْتَصُّ غَالِبًا بِالِارْتِبَاطِ الْعَطْفِيِّ كَقَوْلِهِ: {بِيَدِكَ الْخَيْرُ} أَيْ وَالشَّرُّ وَإِنَّمَا خَصَّ الْخَيْرَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ مَطْلُوبُ الْعِبَادِ وَمَرْغُوبُهُمْ أَوْ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ وُجُودًا فِي الْعَالَمِ أَوْ لِأَنَّ إِضَافَةَ الشَّرِّ إِلَى الله ليس من بابا الْآدَابِ كَمَا قَالَ ﷺ "وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ."وَمِنْهَا {وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ} أَيْ وَمَا تَحَرَّكَ وَخَصَّ السُّكُونَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ أَغْلَبُ الْحَالَيْنِ عَلَى الْمَخْلُوقِ مِنَ الْحَيَوَانِ وَالْجَمَادِ وَلِأَنَّ كُلَّ مُتَحَرِّكٍ يَصِيرُ إِلَى السُّكُونِ. وَمِنْهَا: {الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ} أَيْ وَالشَّهَادَةُ لِأَنَّ الْإِيمَانَ بِكُلٍّ مِنْهُمَا وَاجِبٌ وَآثَرَ الْغَيْبَ لِأَنَّهُ أَمْدَحُ وَلِأَنَّهُ يَسْتَلْزِمُ الْإِيمَانَ بِالشَّهَادَةِ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ. ومنها: {وَرَبُّ الْمَشَارِقِ} أَيْ وَالْمَغَارِبِ. وَمِنْهَا: {هُدىً لِلْمُتَّقِينَ} أَيْ وَلِلْكَافِرِينَ قَالَهُ ابْنُ الْأَنْبَارِيِّ ويؤيده قوله: {هُدىً لِلنَّاسِ}. وَمِنْهَا: {إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ} أَيْ وَلَا وَالِدٌ بِدَلِيلِ أَنَّهُ أَوْجَبَ لِلْأُخْتِ النِّصْفَ وَإِنَّمَا يَكُونُ ذَلِكَ مَعَ فَقْدِ الْأَبِ لِأَنَّهُ يُسْقِطُهَا. (الاتقان في علوم القران:۳/۲۰۳)

[۲] البلاغۃ العربیہ:۲/۴۹۔

میں مذکور ہے یہ "غیر بیضاء" پر دلالت کر رہا ہے جو کلام کے اول میں محذوف ہے اور "أَدْخِلْ" جو کلام کے اول میں مذکور ہے یہ " أَخْرِجْهَا" محذوف پر دلالت کر رہا ہے جو کلام کے آخر میں محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔{وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ} تَدْخُلْ غَيْرَ بيضاء. وأَخْرِجْهَا {تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سواء}[1].

۵۔۔۔اختزال کی تعریف:

"اختزال" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کاٹنا، الگ کر دینا، مختصر کر دینا اور اصطلاح میں احتزال اس حذف کو کہتے ہیں جو کلام میں ہو، لیکن مذکورہ چار قسموں میں سے کسی قسم سے نہ ہو۔ مفسرین کرام، نحات اور بلاغیین حضرات نے استقراء وتتبع کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ اختزال حذف اسم، حذف فعل، حذف

---

(۱) الِاحْتِبَاكِ وَهُوَ مِنْ أَلْطَفِ الْأَنْوَاعِ وَأَبْدَعِهَا وَقَلَّ مَنْ تَنَبَّهَ لَهُ أَوْ نَبَّهَ عَلَيْهِ مِنْ أَهْلِ فن البلاغة ولم أره فِي شَرْحِ بَدِيعِيَّةِ الْأَعْمَى لِرَفِيقِهِ الْأَنْدَلُسِيِّ وَذَكَرَهُ الزَّرْكَشِيُّ فِي الْبُرْهَانِ ولم يسمه هذا لاسم بَلْ سَمَّاهُ الْحَذْفَ الْمُقَابِلِيَّ وَأَفْرَدَهُ بِالتَّصْنِيفِ مِنْ أَهْلِ الْعَصْرِ الْعَلَّامَةُ بُرْهَانُ الدِّينِ الْبِقَاعِيُّ قَالَ الْأَنْدَلُسِيُّ فِي شَرْحِ الْبَدِيعِيَّةِ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَدِيعِ الِاحْتِبَاكُ وَهُوَ نَوْعٌ عَزِيزٌ وَهُوَ أَنْ يُحْذَفَ مِنَ الْأَوَّلِ مَا أُثْبِتَ نَظِيرُهُ فِي الثَّانِي وَمِنَ الثَّانِي مَا أُثْبِتَ نَظِيرُهُ فِي الْأَوَّلِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: {وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ} الْآيَةَ التَّقْدِيرُ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْكُفَّارِ كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ وَالَّذِي يَنْعَقُ بِهِ فَحَذَفَ مِنَ الْأَوَّلِ الْأَنْبِيَاءَ لِدَلَالَةِ "الَّذِي يَنْعِقُ" عَلَيْهِ وَمِنَ الثَّانِي الَّذِي يَنْعِقُ بِهِ لِدَلَالَةِ "الَّذِينَ كَفَرُوا" عَلَيْهِ وَقَالَ الزَّرْكَشِيُّ: هو أَنْ يَجْتَمِعَ فِي الْكَلَامِ مُتَقَابِلَانِ فَيُحْذَفُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُقَابِلُهُ لِدَلَالَةِ الْآخَرِ عَلَيْهِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: {أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تُجْرِمُونَ} التَّقْدِيرُ "إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنْتُمْ بُرَآءُ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ إِجْرَامُكُمْ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تُجْرِمُونَ". وَقَوْلُهُ: {وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ} التَّقْدِيرُ: "وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ فَلَا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ أَوْ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ فَلَا يُعَذِّبُهُمْ". وَقَوْلُهُ: {وَلا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ} أَيْ حَتَّى يَطْهُرْنَ مِنَ الدَّمِ وَيَتَطَهَّرْنَ بِالْمَاءِ فَإِذَا طَهُرْنَ وَتَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ. وَقَوْلُهُ: {خَلَطُوا عَمَلاً صَالِحاً وَآخَرَ سَيِّئاً} أَيْ عَمَلًا صَالِحًا بِسَيِّئٍ وَآخَرَ سيئا صالح. قُلْتُ: وَمِنْ لَطِيفِهِ قَوْلُهُ: {فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ} أَيْ فِئَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ تَقَاتُلُ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ. وَفِي الْغَرَائِبِ لِلْكِرْمَانِيِّ: فِي الْآيَةِ الْأُولَى التَّقْدِيرُ: "مَثَلُ الذين كفروا معك يَا مُحَمَّدُ كَمَثَلِ النَّاعِقِ مَعَ الْغَنَمِ" فَحُذِفَ مَنْ كُلِّ طَرَفٍ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الطَّرَفُ الْآخَرُ وَلَهُ فِي الْقُرْآنِ نَظَائِرُ وَهُوَ أَبْلَغُ مَا يَكُونُ مِنَ الْكَلَامِ انْتَهَى.

وَمَأْخَذُ هَذِهِ التَّسْمِيَةِ مِنَ الْحَبْكِ الَّذِي مَعْنَاهُ الشَّدُّ وَالْإِحْكَامُ وَتَحْسِينُ أَثَرِ الصَّنْعَةِ فِي الثَّوْبِ فَحَبْكُ الثَّوْبِ سَدُّ مَا بَيْنَ خُيُوطِهِ مِنَ الْفُرَجِ وَشَدُّهُ وَإِحْكَامُهُ بِحَيْثُ يَمْنَعُ عَنْهُ الْخَلَلَ مَعَ الْحُسْنِ وَالرَّوْنَقِ وَبَيَانُ أَخْذِهِ مِنْهُ من أَنَّ مَوَاضِعَ الْحَذْفِ مِنَ الْكَلَامِ شُبِّهَتْ بِالْفُرَجِ بَيْنَ الْخُيُوطِ فَلَمَّا أَدْرَكَهَا النَّاقِدُ الْبَصِيرُ بِصَوْغِهِ الْمَاهِرِ فِي نَظْمِهِ وَحَوْكِهِ فَوَضَعَ الْمَحْذُوفَ مَوَاضِعَهُ كَانَ حَابِكًا لَهُ مَانِعًا مِنْ خَلَلٍ يَطْرُقُهُ فَسَدَّ بِتَقْدِيرِهِ مَا يَحْصُلُ بِهِ الْخَلَلُ مَعَ مَا أَكْسَبَهُ مِنَ الْحُسْنِ وَالرَّوْنَقِ. (الاتقان في علوم القران:۳/۲۰۵)

حرف، حذف جملہ، ایک سے زائد جملوں کو حذف کرنا اور کلام طویل کو حذف کرنے کو شامل ہے۔ اہل علم نے اس کی درج ذیل اقسام ذکر کی ہیں:۔

(١) حذف المضاف.(٢) حذف المضاف إليه. (٣) حذف المبتدأ. (٤) حذف الخبر. (٥) حذف الموصوف. (٦) حذف الصفة. (٧) حذف المعطوف عليه. (٨) حذف المعطوف مع العاطف. (٩) حذف المبدَلِ منه. (١٠) حذف الفاعل. (١١) حذف المفعول به.(١٢) حذف الحال. (١٣) حذف المنَادى. (١٤) حذف العائد. (١٥) حذف الموصول. (١٦) حذف الفعل. (١٧) حذف الحرف. (١٨) حذف أكثر من كلمة[١].

---

[١] اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ کلام میں محذوف شناخت کے بغیر صحیح معنیٰ ومفہوم تک رسائی دشوار ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔۔۔مضاف کا حذف جیسے:﴿لٰكِنَّ البِرَّ مَنْ اٰمَنَ﴾ ،اصل میں ”لٰكِنَّ البِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ“ ہے۔

۲۔۔۔موصوف کا حذف، جیسے:﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ اصل میں ” آيَةً مُبْصِرَةً “ ہے۔

۳۔۔۔مضاف اول کا حذف، جیسے:﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾اس کی اصل ” عَلَى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ “ ہے۔

۴۔۔۔مرجع مفعول کا حذف، جیسے:﴿إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ القَدْرِ﴾اس کی اصل ” أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ “ ہے۔

۵۔۔۔فعل کا حذف، جیسے:﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾اس کی اصل ” كَمَا أَخرَجَكَ رَبُّكَ اِمْضِ “ ہے۔

۶۔۔۔مرجع فاعل کا حذف، جیسے:﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾اس کی اصل ” حَتّٰى تَوَارَتِ الشَّمْسُ بِالحِجَابِ “ ہے۔

۷۔۔۔مفعول بہ کا حذف، جیسے:﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ اس کی اصل ” فَلَوْ شَآءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ “ ہے۔

۸۔۔۔مفعول بہ ثانی کا حذف، جیسے:﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا العِجْلَ﴾اس کی اصل ”إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا العِجْلَ إِلٰهاً “ ہے۔

۹۔۔۔حرفِ نفی کا حذف، جیسے:﴿تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾اس کی اصل ”لاَ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ “ ہے۔

۱۰۔۔۔حرفِ جر کا حذف، جیسے:﴿أَلاَ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾اس کی اصل ” كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ “ ہے۔

۱۱۔۔۔قول کا حذف، جیسے:﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ: إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ اس کی اصل ” تَقُوْلُوْنَ إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ “ ہے۔

۱۲۔۔۔مبتدا کا حذف، جوابِ استفہام میں بہ کثرت ہوتا ہے، جیسے:﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةِ، نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُ﴾اصل میں ” هي نار الله “ ہے۔

۱۳۔۔۔خبر کا حذف، جیسے:﴿أُكُلُهَآ دَآئِمٌ، وَّظِلُّهَا﴾اصل میں ” وظلها دائم “ ہے۔

۱۴۔۔۔جزاء کا حذف، جیسے:﴿إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اس کی اصل ” إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُم، أَعْرَضُوْا “ ہے۔

۱۵۔۔۔جملہ کے بعض حصہ کا حذف، جیسے: ﴿تَأْتُوْنَنَا عَنْ الْيَمِيْنِ﴾اس کی اصل ” تَأْتُوْنَنَا عَنْ اليَمِيْنِ وَعَنْ الشِّمَالِ “ ہے۔

فصلِ پنجم: ایجازِ حذف کی اقسام وانواع

ایجازِ حذف کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ حذفُ الحرف ۲۔ حذفُ الكلمة ۳۔ حذف الجملة ۴۔ حذف الاكثر من جملة۔

۱۔۔۔ حذفُ الحرف: ایک حرف کو حذف کرنا، جیسے" وَنَادَوْا يَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ "(سورة الزخرف:۷۷) ایک قراءت میں " يَامَالِكُ" کے بجائے "يَامَالُ" علی سبیل الترخیم ہے، درج مثالوں میں ایک حرف حذف کیا گیا ہے۔

{أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ} أَيْ بِأَنَّكُمْ. {قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ} أي قدرنا له. {وَيَبْغُونَهَا عِوَجاً} أي لها. {يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ} أَيْ يُخَوِّفُكُمْ بِأَوْلِيَائِهِ. {وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ} أَيْ مِنْ قَوْمِهِ. {وَلا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ} أَيْ عَلَى عُقْدَةِ النِّكَاحِ. حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ كَثِيرٌ: {هَا أَنْتُمْ أُولاءِ ت} {يُوسُفُ أَعْرِضْ} {قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي} {فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ} وَفِي الْعَجَائِبِ لِلْكِرْمَانِيِّ: كَثُرَ حَذْفُ "يَا" فِي

۱۶۔۔۔ لائے نافیہ کا حذف، جیسے: ﴿إِنِّيْ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الجَاهِلِيْنَ﴾ اِس کی اصل " أَنْ لاَتَكُوْنَ " ہے۔

۱۷۔۔۔ حذفِ موصول، جیسے: ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ اصل میں " وبالذي أنزل إليكم." ہے۔

۱۸۔۔۔ حذفِ صفت، جیسے: ﴿يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ اصل میں " سفينة صالحة" ہے۔

۱۹۔۔۔ حذفِ معطوف، جیسے: ﴿لَايَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ اصل میں " من قبل الفتح ومن أنفق بعده" ہے۔

۲۰۔۔۔ حذفِ معطوف علیہ، جیسے: ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، فَانْفَجَرَتْ﴾ اصل میں " فضرب فانفجرت " ہے۔

۲۱۔۔۔ حذفِ فعل، جیسے: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ، مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ؟ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ﴾ اصل میں " ليقولن خلقهم الله" ہے۔

۲۲۔۔۔ حذفِ تمیز، جیسے: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اصل میں "تسعة عشر مَلَكًا " ہے۔

۲۳۔۔۔ حذفِ حرفِ ندا، جیسے: ﴿ أَنْ أَدُّوْآ إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ﴾ اصل میں "يا عباد الله" ہے۔

۲۴۔۔۔ حذف جوابِ قسم، جیسے: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا...﴾ کے بعد میں "لتبعثن "جوابِ قسم محذوف ہے۔

۲۵۔۔۔ حذفِ شرط، جیسے: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ، وَيَغْفِرْلَكُمْ﴾ اصل میں " فإن تتبعوني يحببكم الله" ہے۔ (الزیادۃ والاحسان فی علوم القرآن:۶/۱۲۱)

الْقُرْآنِ مِنَ الرَّبِّ تَنْزِيهًا وَتَعْظِيمًا لِأَنَّ فِي النِّدَاءِ طَرَفًا مِنَ الْأَمْرِ. حَذْفُ "قَدْ" فِي الْمَاضِي إِذَا وَقَعَ حَالًا نَحْوُ: {أَوْ جَاءُوكُم حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ} {قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الأَرْذَلُونَ}.

۲۔۔۔حذفُ الكلمة: ایک کلمہ حذف ہو، جیسے ”يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا۔“(سورۃ یوسف:۲۹) یہاں حزن وملال کی وجہ سے ”یا“ حرفِ نداء کو حذف کر کے پورے واقعہ کی طرف اجمالاً ” هَذَا “ سے اشارہ کیا گیا ہے، حذفِ کلمہ کی کئی صورتیں ہیں، چند درج ذیل ہیں:

{الْحَجُّ أَشْهُرٌ} أَيْ حَجُّ أَشْهُرٍ أَوْ أَشْهُرُ الْحَجِّ. {وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ} أَيْ ذَا الْبِرِّ أَوْ بِرُّ مَنْ. {حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ} أي نكاح أمهاتكم. {إِذاً لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ} أَيْ ضِعفَ عَذَابِ. {وَفِي الرِّقَابِ} أَيْ وَفِي تَحْرِيرِ الرِّقَابِ.{لِلّٰهِ الأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ} أَيْ مِنْ قَبْلِ الْغَلَبِ وَمِنْ بَعْدِهِ.{فَلا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ} أَيْ فَلَا خَوْفَ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ. {مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ} أَيْ فَعَمِلَهُ لِنَفْسِهِ {وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا} أَيْ فَإِسَاءَتُهُ عَلَيْهَا.{سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا} أَيْ هَذِهِ.{أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا} أَيْ دَائِمٌ. {فَصَبْرٌ جَمِيلٌ} أَيْ أَجْمَلُ أَوْ فَأَمْرِي صَبْرٌ. {فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ} أَيْ عَلَيْهِ أَوْ فَالْوَاجِبُ. حَذْفُ الموصوف: {نْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْف} أَيْ حُورٌ قَاصِرَاتٌ {أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ} أَيْ دُرُوعًا سَابِغَاتٍ .{أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ} أَيِ الْقَوْمُ الْمُؤْمِنُونَ.

۳۔۔۔حذف الجملة: مستقل جملہ حذف ہو، جیسے ”وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا“(سورۃ البقرۃ:۶۰) یہاں ”اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ“ اصل میں ”اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ“ تھا، جس سے لفظ ”ضَرَبَ“ کو حذف کیا گیا ہے، یہ در حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سرعتِ امتثال پر دلالت کرتا ہے ۔حذفِ جملہ کی کئی صورتیں ہیں: کبھی جملہ شرط کی صورت میں، کبھی جزاء کی صورت میں اور کبھی قسم کی صورت میں محذوف ہوتا ہے:

۱۔۔۔حذف جملہ شرطیہ کی صورت میں، جیسے:{فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ} أَيْ إِنِ اتَّبَعْتُمُونِي، {قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلاةَ} أَيْ إِنْ قُلْتُ لَهُمْ يُقِيمُوا. {فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ} أَيْ إِنِ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ {فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ} أَيْ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ.

۲۔۔۔حذفِ جملہ جزاء کی صورت میں، جیسے:{فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقاً فِي الأَرْضِ أَوْ سُلَّماً فِي السَّمَاءِ} أَيْ فَافْعَلْ. {وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} أَيْ أَعْرَضُوا بِدَلِيلِ مَا بَعْدَهُ. {وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً} أي لنفذ. {وَلَوْ تَرَى إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُؤُوسِهِمْ} أَيْ لَرَأَيْتَ أَمْرًا فَظِيعًا. {وَلَوْلا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللهَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ} أَيْ لَعَذَّبَكُمْ. {لَوْلا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قَلْبِهَا} أَيْ لَأَبْدَتْ بِهِ. {وَلَوْلا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَأُوهُمْ} أَيْ لَسَلَّطَكُمْ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ.

۳۔۔۔حذفِ جملہ جوابِ قسم کی صورت میں، جیسے: {لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً شَدِيداً} أَيْ وَاللهِ {وَالنَّازِعَاتِ غَرْقاً} أَيْ لَتُبْعَثُنَّ.{ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ} أَيْ إِنَّهُ لِمُعْجِزٌ. {ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ} أَيْ مَا الْأَمْرُ كَمَا زَعَمُوا. : {لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ} أَيْ فَعَلَ مَا فَعَلَ.

۴۔۔۔**حذف الاکثر من جملة:** ایک جملہ سے زائد جملے محذوف ہوں، یہ حذف قرآن مجید میں واقعات و قصص بیان کرتے ہوئے بکثرت پایا جاتا ہے، جیسے "وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ" (سورۃ یوسف:۴۶-۴۵) یہاں ایک سے زائد جملے محذوف ہیں۔" أَيْ فَأَرْسَلُونِي إِلَى يُوسُفَ لِأَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا فَفَعَلُوا فَأَتَاهُ فَقَالَ لَهُ يَا يُوسُفُ."۔اسی طرح یہ آیت ہے:"فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا." (الفرقان:۳۶) أي: فأتياهم، فأبلغاهم الرسالة، فكذبوهما؛ فدمرناهم تدميرًا.وغیرہ[1]۔

---

[1] نیل الامانی:۲/۱۰۷۔

فصلِ ششم: اغراضِ حذف کا بیان

یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ حذف خلافِ اصل ہے، تاہم اس کے بے شمار فوائد ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور عربی محاوروں میں حذف بکثرت پایا جاتا ہے، ذیل میں حذف کے چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

۱۔۔۔ ایجاز واختصار: بعض اوقات کلام میں اختصار مطلوب ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایک لفظ کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہ وہاں ہوتا ہے کہ جب لفظِ محذوف اتنا معروف ہو کہ اس کا ذکر و حذف دونوں برابر ہو۔

۲۔۔۔ احتراز عن العبث: کبھی کلام میں اختصار فی التعبیر کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے زائد الفاظ کو حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ کلام میں صرف مقصودی الفاظ ہوں۔

۳۔۔۔ بعض اوقات اس بات پر متنبہ کرنے لیے کلام کے بعض حصہ کو حذف کیا جاتا ہے کہ اہل زمانہ محذوف کو ذکر کرنے سے عاجز ہیں۔

۴۔۔۔ بعض اوقات ایک لفظ کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ اگر اس کو ذکر کیا تو اصل مقصد فوت ہونے کا اندیشہ ہے، جیسے " فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ نَاقَةَ اللهِ وَسُقْيَاهَا "(سورۃ الشمس:۱۳) یہاں "نَاقَةَ اللهِ" اور "سُقْيَاهَا" کے عامل کو حذف کیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔" ذَرُوا نَاقَةَ اللهِ. الزموا سقياها"۔

۵۔۔۔ کبھی گفتگو میں آسانی پیدا کرنے کے لیے کلام کے بعض اجزاء کو حذف کیا جاتا ہے، جیسا کہ ادواتِ نداء اور یا متکلم وغیرہ حذف کیا تخفیف کے لیے حذف کرنا، مثلاً اس آیت میں یاء متکلم کو تخفیف علی النطق کے لیے حذف کیا گیا ہے۔" واللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ"۔

۶۔۔۔ بعض اوقات تفخیم و تعظیم کے لیے کلام کے ایک جزء کو حذف کر دیا جاتا ہے کہ محذوف اس قدر عظیم اور ہولناک ہے کہ اس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے اور یہ عموما تعجب اور تہویل و تخویف میں مقام میں ہوتا ہے، جیسے اس آیت میں شرط کو حذف کیا گیا ہے: "{وَلَوْ ترى إِذْ وُقِفُواْ عَلَى النار فَقَالُواْ ياليتنا نُرَدُّ وَلاَ نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ المؤمنين} [الانعام:۲۷] ." یہاں جوابِ شرط کو حذف کیا گیا ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔" ولو تَرَى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ لَرَأَيْتَ مَا هُمْ فيه من الرُّعْبِ وَالكَرْبِ والْحَسْرَةِ والنَّدَم شيئاً لا تستطيع وصفه بالعبارة."

۷۔۔۔ بسا اوقات ایک لفظ کو تحقیر کے لیے حذف کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر حقیر اور گھٹیا ہے کہ اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں۔

۸۔۔۔بسا اوقات عموم کی وجہ سے ایک لفظ کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے " وَإِيَّاكَ نَسْتَعِين "۔تقدیر عبارت یوں ہے۔" في أمور دنيانا وأُمور أخرانا."یہاں اس لیے قصر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ استعانت میں تعمیم مقصود ہے۔

۹۔۔۔بعض اوقات فواصل آیات کا رعایت کرتے ہوئے کلام کے بعض الفاظ کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "والضحى*والليل إِذَا سجى* مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قلى}[الضحیٰ: ۱ - ۳]."تقدیر عبارت یوں ہے۔"وما قَلاَكَ"۔یہاں اگر"وما قَلاَكَ" ذکر کرتے تو آیات کے فواصل میں مماثلت باقی نہ رہتی۔

۱۰۔۔۔کبھی نفس کو مشتعل اور برانگیختہ کرنے کے لیے کلام کے بعض حصہ کو حذف کیا جاتا ہے، جیسے "هدَاكُمْ أَجْمَعِينَ "(سورۃ النحل:۹)تقدیر عبارت یوں ہے۔"ولو شاء هدايتكُمْ لسلبكُمُ الاختيار ولجعلكم مجبورين، وإذن لهداكم أجمعين."۔[۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱:علامہ ابن ابی الاصبعؒ فرماتے ہیں کہ بدیع کی ایک قسم اتساع بھی ایجازِ قصر کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ اتساع اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس میں تاویل کی گنجائش ہو،ان معانی کے اعتبار سے جن کا احتمال اس کے الفاظ میں ہو سکتا ہے، جیسے حروف مقطعات[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: مضاف کا حذف قرآن مجید میں بکثرت وارد ہے یہاں تک علامہ ابن جنیؒ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہزار مقامات میں مضاف محذوف ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۳:جب محذوف جزء جملہ ہو تو وہ مضاف ہو گا یا موصوف یا صفت یا شرط یا جواب شرط ہو گا یا ان کے علاوہ ہو گا، جیسے مسند الیہ، مسند، مفعول، معطوف مع حرف عطف وغیرہ[۴]۔

قاعدہ نمبر ۴:اگر جملہ محذوفہ ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں: کبھی جملہ محذوفہ سبب مذکورہ کا مسبب ہوتا ہے، جیسے "يحق الحق ويبطل الباطل"۔یہ سبب مذکور ہے اور ان کا مسبب محذوف ہے۔"أي فُعل مافَعَلَ"۔اور کبھی جملہ

---

[۱] البلاغۃ العربیہ:۲/ ۴۲۔

[۲] نیل الامانی:۲/ ۱۰۲۔

[۳] نیل الامانی:۲/ ۱۰۳،علوم البلاغۃ:۱۵۵،البلاغۃ العربیہ:۲/ ۵۷۔

[۴] نیل الامانی:۲/ ۱۰۵،علوم البلاغۃ:۱۵۵۔

محذوفہ مسبب مذکور کا سبب ہوتا ہے، جیسے "فقلنا اضرب بعصاك الحجر"۔"أی فضربه بها فانفجرت"۔
اور کبھی جملہ محذوفہ ان دونوں کے علاوہ کچھ اور ہوتا ہے، جیسے "فنعم الماهدون"[۱]۔
قاعدہ نمبر۵: حذف کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ محذوف کے قائم مقام کوئی شئ نہیں ہوتی اور دوسری صورت یہ ہے کہ محذوف کے قائم
مقام کوئی شئ ہوتی ہے، جیسے "وان یکذبوك فقدکذب رسل"۔"ای وان یکذبوك فلاتحزن واصبر"[۲]۔
قاعدہ نمبر۶: حذف کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور دلیلیں اس کی بہت ہیں من جملہ ان میں ایک یہ ہے کہ عقل نفسِ حذف پر اور مقصود تعیین محذوف پر دلالت کرے۔ اور ایک دلیل یہ ہے کہ عقل ہر دو پر دلالت کرے، یعنی حذف پر بھی اور تعیین محذوف پر بھی۔
نیز ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عقل نفسِ حذف پر اور عادت اس کی تعیین پر دال ہو[۳]۔
قاعدہ نمبر۷: حذف کی متعدد اغراض ہیں، جن میں چند یہ ہیں:۔ ۱۔ ایجازواختصار ۲۔ احتراز عن العبث ۳۔ اس بات پر انتباہ کہ محذوف کو ذکر کرنے سے زمانہ قاصر ہے ۴۔ حذف نہ ہونے کی صورت میں اہم مقصد کا فوت ہونا۔ ۵۔ سامع کے تنبہ یا مقدار تنبہ کا امتحان لینا مقصود ہو ۶۔ تعظیم ۷۔ تحقیر ۸۔ تعین ۹۔ ادعائے تعین۔ وغیرہ[۴]۔
قاعدہ نمبر۸: کبھی محذوف کی تعیین اس طریقے سے بھی ہو جاتی ہے کہ اس کی تصریح دوسرے مقام پر موجود ہوتی ہے اور یہ تعیین محذوف کی سب سے اقوی دلیل ہوتی ہے، جیسے "هل ینظرون الاتایتهم الله"،"أی أمرالله"
اس حذف پر دلیل یہ آیت ہے۔" أویاتی أمرربك "[۵]۔
قاعدہ نمبر۹: بعض اوقات جملہ کا حذف بتقدیر سوال ہوتا ہے اس کو استیناف کہتے ہیں[۶]۔
قاعدہ نمبر۱۰: جب جوابِ شرط محذوف ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:۔

---

(۱) نیل الامانی:۲/۱۰۶۔
(۲) نیل الامانی:۲/۱۰۷،علوم البلاغۃ:۱۵۷۔
(۳) نیل الامانی:۲/۱۱۰،علوم البلاغۃ:۱۱۸۔
(۴) البلاغۃ العربیہ:۲/۴۰۔
(۵) نیل الامانی:۲/۱۱۲۔
(۶) علوم البلاغۃ:۱۵۷۔

۱۔۔ یاتو حذف صرف اختیار کے لیے ہوتا ہے، جیسے"واذاقیل لهم اتقوامابین أیدیكم وماخلفكم تعلكم ترحمون"- "أی أعرضوا"-اس کی دلیل یہ آیت ہے۔"الا کانواعنهامعرضیین"-
۲۔۔ یا یہ بتانے کے لیے حذف کر دیتے ہیں کہ جوابِ شرط ایک ایسی شئ ہو کہ کوئی وصف اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یا اس لیے کہ تاکہ سامع کا ذہن ہر ممکن طرق کی طرف منتقل ہو سکے [۱]۔
قاعدہ نمبر ۱۱: ایجاز حذف کی لم اور حکمت یہ ہے کہ کلام میں بے جا طوالت اور بسط و تفصیل فصاحت اور داب العقلاء کے خلاف ہے اور عموماً کلام میں بے جا طوالت اور غیر طلب تفصیل گفتگو من طبائع النساء کے قبیل سے ہے [۲]۔
قاعدہ نمبر ۱۲: امام اخفشؒ کے نزدیک حذف میں جہاں تک ممکن ہو تدریج کا اعتبار ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ "وَاتَّقُوا يَوْماً لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئاً" میں "لا تجزی" دراصل "لَا تَجْزِي فِيهِ" تھا، پہلے حرف جر کو حذف کیا "لا تَجْزِيهِ" ہوگیا پھر ضمیر کو حذف کیا تو "لا تَجْزِي" ہوگیا۔ امام سیبویہؒ کا مذہب ہے کہ دونوں ایک ساتھ حذف ہوگئے۔ علامہ ابن جنیؒ کہتے ہیں کہ اخفشؒ کا قول زیادہ راجح ہے [۳]۔
قاعدہ نمبر ۱۳: جہاں تک ممکن ہو مقدر کم ماننا چاہیے تاکہ اصل کی مخالفت کم ہو، اسی لیے اہل علم فرماتے ہیں کہ "وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ" میں "فَعِدَتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ" کو مقدر ماننا درست نہیں۔ اولی یہ ہے کہ "کذلك" مقدر مانا جائے۔ شیخ عزالدین فرماتے ہیں کہ من جملہ محذوفات کے اس محذوف کو مقدر ماننا چاہیے جو مقصد کے موافق اور فصیح تر ہو، کیونکہ اہل عرب جس طرح ظاہری گفتگو میں حسن اور مناسبتِ کلام کا لحاظ رکھتے ہیں اسی طرح مقدر بھی اسی لفظ کو مانتے ہیں کہ اگر اس کا تلفظ کیا جائے تو احسن اور کلام کے مناسب ہو، جیسے " جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِلنَّاسِ" میں ابو علی نے "جَعَلَ اللّٰهُ نُصُبَ الْكَعْبَةِ" مقدر مانا ہے اور بعض حضرات نے "حُرْمَةَ الْكَعْبَةِ" مقدر مانا ہے اور یہی اولی ہے، کیونکہ " لْهَدْيِ وَالْقَلَائِدِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ" میں "حُرْمَةَ الْكَعْبَةِ" ہی کی تقدیر فصیح ہے [۴]۔

---

[۱] نیل الامانی: ۲/ ۱۰۴، علوم البلاغۃ: ۱۵۶۔
[۲] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۴۰۔
[۳] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۱۹۹، نیل الامانی: ۲/ ۱۱۳۔
[۴] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۰۰۔

قاعدہ نمبر ۱۴: اصول یہ ہے کہ کسی لفظ کا مقدر ماننا اس کے اصلی مقام پر مانا جائے تاکہ دونوں وجہوں سے اصل کے مخالف نہ ہو، ایک حذف دوسرے "وضع الشئ فی محلہ غیرہ"، لہذا "زَيْدًا رَأَيْتُهُ" میں مفسر کو اول میں مقدر ماننا چاہیے اور بیانیین حضرات نے نحات کے قول کے موافق اختصاص کے لیے آخر میں بھی مقدر ماننا جائز قرار دیا ہے جب کوئی مانع نہ ہو، جیسے "وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ"۔ کیونکہ "أَمَّا" فعل پر داخل نہیں ہوتا[1]۔

قاعدہ نمبر ۱۵: جب یہ تردد ہو کہ محذوف اول ہے یا ثانی؟ تو ثانی کا محذوف ماننا اولی ہے، اسی لیے "أَتُحَاجُّونِّي" میں "ن" وقایہ کا حذف مرجح ہے نہ کہ "ن" رفع کا۔ اور "نَاراً تَلَظَّى" میں "تاء" ثانی کا حذف راجح ہے نہ کہ "تاء" مضارع کا۔ اور ثانی کی خبر کا محذوف ماننا واجب ہوتا ہے، جیسے " أَنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ" میں "رَسُولُهُ" کی خبر "بَرِيءٌ" محذوف ہے[2]۔

تمرین

درج مثالوں میں ایجازِ حذف اور حذف کی اقسام کی تعیین کیجیے۔

فَأَنتَ لَهُ تصدى. ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْراً. والليل إِذَا يَسْرِ. لَكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّي. وَثَمُودَ الذين جَابُواْ الصخر بالواد. بِيَدِكَ الْخَيْرُ. وَرَبُّ الْمَشَارِقِ. هُدىً لِلْمُتَّقِينَ. إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ. فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ. والأنعام خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ. وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الليل والنهار وَهُوَ السميع العليم. أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصيام الرفث إلى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ. فَقُلْ هَل لَّكَ إلى أَن تزكى. وَهُوَ الذي يَقْبَلُ التوبة عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُواْ عَنِ السيئات وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ. وَإِذَا خَلَوْاْ إلى شَيَاطِينِهِمْ قالوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ. قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إلى نِعَاجِهِ. أَفَاطِمُ مَهْلاً بَعْضَ هَذا التَّدَلُّلِ(أي: أَفَاطِمَةُ).

ایک حل شدہ مثال:

فَأَنتَ لَهُ تصدى:

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۰۰۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۰۱۔

(الف)۔۔۔مرحلہ اولیٰ: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "فَ"استنافیہ......"أَنتَ"مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیرغرضِ تعریف:کون المقام للخطاب......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیم مسند الیہ اصالت،عدم وجود مایدل علیہ......مسند الیہ مذکورغرضِ ذکرمسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ......"لَہ" جار مجرور متعلق بہ "تصدی"فعل...... "تصدی"جملہ مسند محکوم بہ......باز"تصدی"فعل مسند محکوم بہ مذکورغرضِ ذکرمسند تعیین کونہ فعلاًوزیادۃ التقریروالایضاح......مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند عدم وجود مایدل علیہ......اس میں ضمیر مستترفاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیرکون المقام للخطاب......مسند الیہ مذکورغرضِ ذکرمسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ ...... اسناداسنادِ حقیقی......فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کرجملہ خبریہ فعلیہ ہوکر مسند محکوم بہ......مسند مسند الیہ سے مل کرجملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبرِصادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبرغرضِ خبرفائدۃالخبرخبرِ ابتدائی۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثانیہ احوالِ متعلقہ بالجملتین اواکثر:اسلوبِ ایجاز......ایجازِ حذف......انقطاع......حذفِ حرف"تاء"۔

فصلِ ہفتم: اطناب کا بیان

اطناب کی تعریف:

"اطناب" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: تفصیل کرنا، گفتگو یا وصف میں مبالغہ سے کلام لینا، بات کو طول دینا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اطناب وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں تاکید و تقویت کے لیے الفاظ کو معانی سے زیادہ لانا، جیسے "تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ- سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ"۔(سورۃ القدر:۴-۵) یہاں روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا ہے، پہلی ملائکہ کے ضمن میں عام طور پر تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسری مرتبہ صراحت کیساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے آپ کی تعظیم و تکریم مقصود ہے۔

اطناب کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔ ذکر الخاص بعد العام ۲۔ ذکر العام بعد الخاص ۳۔ الایضاح بعد الابہام ۴۔ التکریر لغرض ۵۔ زیادۃ التقریر ۶۔ تکثیر الجمل ۷۔ التاکید ۸۔ النعت ۹۔ طول الفصل ۱۰۔ الاعتراض ۱۱۔ الاحتراس و التکمیل ۱۲۔ الایغال ۱۳۔ التتمیم ۱۴۔ التوشیع ۱۵۔ التذییل۔ ۱۶۔ الطرد و العکس ۱۷۔ استقصاء ۱۸۔ تعلیل ۱۹۔ تفسیر

مذکورہ صورتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔ذکر الخاص بعد العام:

ذکر الخاص بعد العام کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خاص کی فوقیت بتلانے کے لیے تعمیم کے بعد تخصیص کا اسلوب اختیار کرنا، جیسے " حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى-"(سورۃ البقرۃ:۲۳۸) یہاں "الصَّلَاةِ" کا تذکرہ ما قبل "الصَّلَوَاتِ" میں ہو چکا ہے، لیکن اس کی فوقیت کو واضح کرنے کے لیے مستقل طور پر ذکر کیا گیا ہے، یہاں خاص اور عام سے مراد وہ ہے جن میں ایک چیز دوسرے کو شامل ہو، وہ خاص و عام مراد نہیں جو اصول فقہ میں عام و خاص کہلاتے ہیں[1]۔

---

[1] المراد بالعامّ هنا ما كان شاملاً في معناه لمقابله، لا العام والخاص في مصطلح علم أصول الفقه. وفائدة ذكر الخاصّ بعد العامّ التنبيه على فضله، حتَّى كأنّه ليْسَ من جنس العامّ أو نوعه، تنزيلاً للتغاير في الوصف منزلة التغايرُ في الذّات. وفائدة

۲۔۔۔ذکر العام بعد الخاص:

ذکر العام بعد الخاص کا مطلب یہ ہے کہ خاص کے بعد عام کو ذکر کرنا، جیسے" رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔"(سورۃ نوح:۲۸) یہاں" لِي"اور" وَلِوَالِدَيَّ"اور" وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ"کو خاص طور پر ذکر کرنے کے بعد" لِلْمُؤْمِنِينَ"اور"وَالْمُؤْمِنَاتِ"کے ضمن میں دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔۔۔الایضاح بعد الابہام:

ایضاح بعد الابہام اس کو مطلب کہتے ہیں کہ کسی معنی کو پہلے مجمل اور مبہم طور پر ذکر کرنے کے بعد پھر تفصیل اور وضاحت کیساتھ بیان کرنا، تاکہ وہ بات دل میں اتر کر اثر انداز ہو جائے، جیسے"اللّٰہُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ"(سورۃالبقرۃ:۲۵۵) یہاں" لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ"درحقیقت"الْحَيُّ الْقَيُّومُ" کے اجمال کی تفصیل اور وضاحت ہے۔ ایضاح بعد الابہام کی کئی اغراض ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔ایضاح بعد الابہام کی ایک غرض یہ ہے کہ ایک ہی معنی کو دو مختلف صورتوں میں دکھانا مقصود ہو کہ اس معنی کی اجمالی صورت یوں بنتی ہے اور تفصیلی صورت یوں بنتی ہے۔

۲۔۔۔ ایضاح بعد الابہام کی ایک غرض یہ ہے کہ بات سامع کے ذہن میں پختہ اور مضبوط ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالی نے تمام نفوس انسانی میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ جب کوئی بات کی جاتی ہے تو اولاً ذہن اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پھر جب پوری تفصیل کیساتھ اسی بات کو دوبارہ بیان کیا جاتا ہے تو چونکہ کچھ نہ کچھ بات پہلے سے ذہن میں ہوتی ہے اور اب دوبارہ تفصیل سن کر وہ بات ذہن میں مزید پختہ ہو جاتی ہے۔

۳۔۔۔ ایضاح بعد الابہام کی ایک غرض یہ ہے کہ کسی چیز کے علم حاصل ہو جانے کے بعد اس سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ جب اجمالاً ایک بات کا تصور ذہن میں آجاتا ہے تو اس سے ذہن میں اس کے حصول کی ایک طلب سی پیدا ہو جاتی ہے اور جب اس کے بعد تفصیل کیساتھ بات بتائی جائے تو طلب کے بعد وہ چیز حاصل ہو جائے گی

ذكر العامّ بعد الخاصّ التعميم، وجاء إفراد الخاصّ بالذكر اهتماماً بشأنه، مع ما في إدْخاله ضمن العامّ من تأكيد وتكرير ضمناً. قول الله عزّ وجلّ في سورة (البقرة:۹۸) أيضاً:

{مَن كَانَ عَدُوّاً للهِ وملائكته وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ الله عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ}. إنّ جبريل وميكائيل عليهما السلام داخلان في عموم الملائكة ولكنْ خُصَّ جبريل بالذكر تحذيراً لليهود من معاداتهم له، وضُمَّ إليه ميكائيل لقيامه بوظيفة أرزاق العباد التي بها حياة الأجساد، مقابل قيام جبريل بوظيفة الوحي الذي به حياة القلوب والنفوس. (البلاغة العربية:۷۰/۲)

اور یہ بات مسلم ہے کہ جو چیز طلب کے بعد حاصل ہو تو الذ اور اوقع فی الذہن ہوتی ہے، اس کی مثال یہ ہے: "رب اشرح لی" حضرت موسی علیہ السلام نے جب اللہ تعالی نے کہا: اے اللہ! میرے لیے کھول دے، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت موسی علیہ السلام اللہ تعالی نے کسی چیز کا کھولنا مانگ رہے ہیں، پھر جب حضرت موسی علیہ السلام نے "صدری" کہا تو یہ اس کی تفصیل بیان ہوگئی کہ میرا سینہ کھول دیجئے! تو یہ جملہ تفصیل بعد الابہام کے قبیل سے ہے[1]۔

۴۔۔۔التکریر لغرض:

تکریر لغرض کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ یا جملے کو کسی غرض کے لیے مکرر لانا، پھر تکرار کی مختلف اغراض ہیں، کبھی تکرار کی غرض کسی بات کو خوب اچھی طرح سمجھانا مقصود ہوتا ہے، جیسے "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ" (سورۃ التکاثر: ۳-۴) یہاں تقریر انذار کی غرض سے "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ" کو مکرر لایا گیا ہے۔ کبھی تکرار تذکیر و تاکید کے لیے ہو گا، کبھی تعظیم و تہویل کے لیے ہو گا، کبھی حث علی التدبر کے لیے ہو گا اور کبھی اظہارِ ضعف کے لیے ہو گا۔ کبھی تکرار فخر و مباہات کے لیے ہو گا، کبھی تکرار تلذذ و تلطف کے لیے ہو گا، کبھی تکرار تندم و تحسر اور حزن و سرور کے لیے ہو گا۔ اور کبھی تکرار مدح و ذم کے لیے ہو گا وغیرہ[2]۔

۵۔۔۔زیادۃ التقریر:

زیادۃ التقریر کا مفہوم یہ ہے کہ مخاطب کے سامنے کسی بات کو خوب واضح کرنے کے لیے اطناب کے اسلوب کا اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ" (سورۃ الاخلاص: ۱-۲) یہاں "اللّٰهُ الصَّمَدُ" کو دوبارہ زیادۃ التقریر کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔۔۔تکثیر الجمل:

---

[1] تفصیل بعد الابہام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ افعال مدح میں جب مخصوص بالمدح کو مبتداء محذوف کے لیے خبر بنایا جائے جیسے جب کوئی کہے: "نعم الرجل زید" اس میں جب متکلم نے "نعم الرجل" کہا تو اجمالاً "زید" کی طرف ذہن چلا جاتا ہے، پھر زید لا کر اس کی تفصیل بیان کر دی کہ اگر یہ نکتہ بیان کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ اطناب بھی نہ کرتے، بلکہ صرف "نعم زید" کہ دیتے تو تب بھی صحیح تھا، لیکن چونکہ نکتہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے اطناب کر دیا جاتا ہے۔ مختصر المعانی: ۱/ ۵۳۹۔

[2] مختصر المعانی: ۱/ ۵۴۱، البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۷۲۔

تکثیر الجمل کا مطلب یہ ہے کہ ایک جملے میں بیان ہونے والے مضمون کو ایک سے زائد جملوں میں تعبیر کرنا، جیسے ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ-“(سورۃ البقرۃ:۱۶۴) اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ اور وحدانیت کو واضح کرنے کے لیے اطناب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، تاکہ یہ خطاب ہر طبقہ کے لوگوں اور ہر زمانہ میں عام ہو۔

۷۔۔۔التاکید:

تاکید کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو پختہ کرنے کے لیے اطناب کا اسلوب اختیار کرنا، جیسے ”إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ-“(سورۃ النور:۱۵) یہاں بہتانِ عظیم واقعہ افک کو بتلانے کے لیے ”أَلْسِنة“ اور ”أَفْوَاه“ کو بڑھایا گیا ہے۔

۸۔۔۔النعت:

کلام میں کسی صفت نحویہ کو ذکر کرنا بھی اطناب کے قبیل سے ہے اور اس کے چار مقاصد ہیں:۔

(الف)۔۔۔صفت لاکر نکرہ میں تخصیص پیدا کرنا، جیسے ” فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ“(سورۃ النساء:۹۲)۔

(ب)۔۔۔صفت لاکر معرفہ کی وضاحت کرنا، جیسے ” وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ“(سورۃ الاعراف:۱۵۸)۔

(ج)۔۔۔مدح وثناء کرنا، جیسے ” هُوَ اللهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ“(سورۃ الحشر:۲۱-۲۲)۔

(د)۔۔۔قباحت اور برائی بیان کرنا، جیسے ” فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“(سورۃ النحل:۹۸)[1]۔

۹۔۔۔طول الفصل:

طول الفصل کا مطلب یہ ہے کہ کلام کے کسی جزء کو ذکر کرنے کے بعد کلام طویل ہو گیا ہو تو دوسرے جزء کو ذکر کرنے سے پہلے ماقبل میں ذکر کردہ جزء کا دوبارہ اعادہ کرنا، جیسے ”ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ“(سورۃ النحل:۱۱۰) اس آیت میں ”إِنَّ“ کے

---

[1] اس کی تفصیل توابع کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اسم ''رَبَّكَ'' اوراس کی خبر'' لَغَفُورٌ رَحِيمٌ'' کے درمیان طویل فاصلے کی وجہ سے خبر سے پہلے دوبارہ ''إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا'' کا اعادہ فرمایا۔ جس سے معنیٰ ربوبیت کی تاکید مقصود ہے۔

۱۰۔۔۔۔الاعتراض:

اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی کلام کے درمیان، یا دو متصل المعنیٰ کلام کے درمیان ایک جملہ، یا ایک جملے سے زائد عبارت کو(جس کا محلِ اعراب نہ ہو) دفعِ ایہام کے علاوہ کسی اور نکتے مثلاً: تنزیہ، تعظیم، تقریر اور یا دُعا کے لیے ذکر کرنا، جیسے ''فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ''(سورۃ الواقعۃ:۷۵-۷۷) یہاں قرآن مجید کی عظمت اور جلالتِ شان کو بتلانے کے لیے قسم اور جوابِ قسم کے درمیان ''وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ'' کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ایک سے زائد جملے کی مثال، جیسے ''فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ''(سورۃ اٰل عمران:۳٦)۔ یہاں ''وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ '' کو علی سبیل الاعتراض ذکر کیا گیا ہے[1]۔

---

[1] اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ ایک یا دو معنیٰ متصل کلاموں کے درمیان ایک یا دو لا محل لہا من الاعراب جملوں کو لانا اور ان کو دفعِ ایہام خلاف المقصود کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے لایا گیا ہو، اتصال معنوی کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا جملہ پہلے والے جملے کے لیے تاکید یا بیان یا بدل وغیرہ بنتا ہو، اور کلام سے مراد صرف مسند اور مسند الیہ نہیں ہیں، بلکہ ان کیساتھ ساتھ ان کے تمام متعلقات بھی ہیں کہ جب تک کوئی اور مسند اور مسند الیہ نہ لایا جائے تو یہ ایک ہی کلام ہوں گے، پھر دفعِ ایہام کا نکتہ مختلف ہوتا ہے، تنزیہ کا نکتہ ہوگا یا دعا کا نکتہ ہوگا اور یا تنبیہ کا نکتہ ہوگا، دعا کا نکتہ بتانے کے لیے جملہ معترضہ لایا گیا ہو، جیسے عوف بن ملحم شیبانی کا شعر ہے۔

إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبُلِّغْتَها   قَدْ أَحْوَجَتْ سَمْعِي إِلَى تُرْجُمانِ

ترجمہ: یقیناً اسی سالوں نے (خدا تم کو بھی پہنچادے) محتاج کر دیا ہے میرے کانوں کو ترجمان کا۔

اس شعر میں محلِ استشہاد ''وَبُلِّغْتَها'' ہے کہ اس میں دعا ہے کہ اللہ تعالی تمہاری عمر کو بھی اسی سال تک پہنچادے۔

تنبیہ کے نکتہ کے بیان کرنے کے لیے جملہ معترضہ لایا گیا ہو، جیسے شعر ہے۔

واعْلَمْ فَعلمُ المَرْءِ يَنْفَعهُ   أَن سَوْفَ يَآتي كل مَا قُدِرا

ترجمہ: یقیناً آدمی کا علم اسے فائدہ دیتا ہے یقینی طور پر وہ کام ہو کر رہے گا جو مقدر میں ہو۔

اس شعر میں محلِ استشہاد ''فَعلمُ المَرْءِ يَنْفَعهُ'' ہے کہ یہ مخاطب کہ تنبیہ کرنے کے لیے جملہ درمیان میں لایا گیا ہے۔(مختصر المعانی:۱/۵۴۹)۔

۱۱۔۔۔التکمیل:

”تکمیل“لغت میں باب تفعیل کامصدر ہے اس کے لغوی معنی مکمل کرنے کے ہیں،اس کو”احتراس“بھی کہتے ہیں اوراصطلاحی معنی یہ ہے کہ خلافِ مقصود کاوہم پیدا کرنے والے کلام کوایسی قید کیساتھ مقید کرناجواس وہم کودور کردے،جیسے”وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ“(سورۃالنمل:۱۲)اس آیت میں”مِنْ غَيْرِ سُوءٍ“نے برص اور کوڑھ کی بیماری ہونے کے وہم کو دور کیاہے۔پھر تکمیل واحتراس کی دوصورتیں ہیں:۔

ا۔قید کلام کے درمیان میں ہو۔ ۲۔قید کلام کے آخر میں ہو۔

ا۔۔۔قید کلام کے درمیان میں ہو،جیسے شعر ہے۔

فَسَقى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِها   صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي

ترجمہ:اللہ تمہارے گاؤں کوموسمِ بہار کی بارش سے سیراب کر دے اس حال میں کہ اس سے کوئی خرابی نہ ہو بلکہ بارش ہوتی رہے۔

اس شعر میں شاعر نے جب”فَسَقى دِيَارَكَ“کہاتواس سے یہ وہم پیداہو گیاکہ کہیں بارس سے پورے کاپوراگاؤں خراب نہ ہوجائےتو ”غَيْرَ مُفْسِدِها“کہہ کراس وہم کو دور کردیا۔

۲۔۔۔قید کلام کے آخر میں ہو۔جیسے قرآن مجید میں ہے:”أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ.“(سورۃ المائدۃ:۵۴) اللہ تعالی نے جب پہلاوالاجملہ کہہ دیاکہ وہ مؤمنوں پر بڑےمہربان ہوں گےتواس سے ایک وہم پیداہوگیاکہ یہ مہربان اس لیےہوں گے کہ شاہدیہ کمزورہوں گےتواپنی کمزوری کی وجہ سےیہ مہربانی کریں گےتو”أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ“کیساتھ اس وہم کاازالہ کردیاکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ وہ کافروں پربڑے سخت ہوں گے،اسی وجہ سے اللہ تعالی نے”ذل“کو”علی“کیساتھ متعدی کردیاہے کیونکہ یہ نرمی اور شفقت کے معنی کو متضمن ہوتاہے اوراس میں یہ بھی احتمال ہے کہ”علی“کیساتھ متعدی کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیاہو کہ وہ لوگ اپنی ذات کے اعتبار سے بڑی شرافت وفضیلت کے حامل ہوں گے،لیکن مؤمنین کے لیےازراہ شفقت اپنے بازوں کونرم کردیاہوگا[1]۔

۱۲۔۔۔الایغال:

”ایغال“لغت میں”أوغل فی البلاد“سےماخوذہے اوریہ اس وقت کہاجاتاہے کہ جب کوئی آدمی بہت زیادہ

---

[1] مختصر المعانی:۱/۵۴۷۔

سفر کرے اور ڈھیر سارے ملکوں میں گھومے پھرے۔اس کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ اشعار کیساتھ خاص ہے اور بعض کے نزدیک ایغال نظم ونثر دونوں میں پایا جاتاہے، جن حضرات نے اسے نظم کیساتھ خاص کیاہے ان کے نزدیک ایغال کی تعریف یہ ہوگی کہ ایغال اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی نکتے کے لیے شعر کے آخر میں ذکر کر دیا جائے اور یہ اس طور پر ہو کہ اگر اسے ذکر نہ بھی کیا جائے تو اس شعر کے معنی پورا ہو جاتا ہو اور اس کے معنی میں کوئی خلل نہ آتا ہو۔ پھر نکتے کی دو صورتیں ہیں[1]:۔

۱۔۔۔مبالغہ میں زیادتی کرنا مقصود ہو۔ ۲۔۔۔۔تشبیہ میں مبالغہ کرنا مقصود ہو۔

۱۔۔۔مبالغہ میں زیادتی کرنا مقصود ہو۔اس کی مثال حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا یہ شعر ہے جو انہوں نے اپنے بھائی صخر کے متعلق کہا تھا۔

وَإِنَّ صَخراً لَتَأتَمَّ الهُداةُ بِهِ   كَأَنَّهُ عَلَمٌ في رَأسِهِ نارُ

ترجمہ: یقیناً ہدایت یافتہ لوگ صخر کی اقتداء کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک بلند وبالا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ رکھی ہوئی ہے۔

اس شعر میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی تشبیہ پہاڑ سے دی ہے کہ جس طرح پہاڑ کے سر پر رکھی آگ کو دیکھ کر مسافر رہنمائی حاصل کرتے ہیں اسی طرح ان کے بھائی صخر بھی گویا کہ ہدایت کے پہاڑ ہیں ان کو دیکھ کر بھی لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں ۔یہاں تشبیہ کا مقصد صرف "كَأَنَّهُ عَلَمٌ" کہنے سے پورا ہو جاتا تھا، لیکن اس تشبیہ میں مبالغہ کرنے کے لیے انہوں "في رَأسِهِ نارُ" کی قید کا اضافہ کر دیا ہے۔

۲۔۔۔۔تشبیہ میں مبالغہ کرنا مقصود ہو۔اس کی مثال امرؤ القیس کا یہ شعر ہے:

كأنّ عُيونَ الوَحشِ حَوْلَ خِبائِنَا   وَأرْحُلِنَا الجَزْعُ الذي لمْ يُثَقَّبِ

ترجمہ: وحشی جانوروں کی آنکھیں ہمارے خیموں اور کجاوں کے ارد گرد اس طرح پڑی ہوئی ہیں گویا کہ وہ ایسی خرز یمانی ہیں جن میں سوراخ بھی نہ کیا گیا ہو۔

اس شعر میں شاعر نے وحشی جانوروں کی آنکھوں کی عقیقِ یمانی کیساتھ تشبیہ دی ہے کہ ہم نے وحشی گائیں اور ہرنوں کا اس کثرت سے شکار کیا کہ ان کی آنکھیں ہمارے خیموں اور کجاؤں کے اد گرد موجود رہتی ہیں، تشبیہ یہاں تک مکمل ہو جاتی ہے، لیکن انہوں نے تشبیہ میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے "لمْ يُثَقَّبِ" کو بڑھا دیا ہے، کیونکہ ہرنوں کی آنکھیں ا ن کے مر جانے کے بعد موتیوں کے زیادہ مشابہ ہو جاتی ہیں۔

---

(۱) مختصر المعانی:۱/۵۴۳۔

جن حضرات کے نزدیک ایغال نظم کیساتھ خاص نہیں ہے وہ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ایغال وہ لفظ ہے جسے کسی نکتہ کے لیے کلام کے آخر میں لایا جائے اگر اسے کلام کے آخر میں نہ لایا جائے تو تب بھی اس سے معنی میں کوئی خلل نہ آتا ہو، جیسے "وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ "(سورۃ یس:۲۰-۲۱) یہاں" وَهُمْ مُهْتَدُونَ "میں ایغال ہے، اس لیے کہ تمام انبیاء ورسل ہدایت یافتہ ہی ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع واقتداء پر اُبھارنے کے لیے" وَهُمْ مُهْتَدُونَ " کو بڑھا گیا ہے[1]۔

۱۳۔۔۔التتمیم:

"تتمیم" کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں ارکانِ اساسیہ کے علاوہ کوئی ایسی قید اضافہ[2] کرنا جو بلاغت کے کسی نکتے، مثلاً مبالغہ وغیرہ کا فائدہ دے اور معنی کلام میں حسن پیدا کر دے، جیسے "وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ"(سورۃ البقرۃ:۱۷۷) "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ"(سورۃ الانسان:۸) مذکورہ دونوں آیاتوں میں "حُبِّهِ" کی ضمیر مال کی طرف راجع ہو تو اس سے صحابہ کرام اور مسلمانوں کے وصفِ ایثار وہمدردی میں مبالغہ مراد ہو گا کہ یہ لوگ اپنی ضرورت اور چاہت کے باوجود فقراء ومساکین پر خرچ کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مثال تتمیم کی ہو گی، لیکن اگر" حُبِّهِ" کی ضمیر باری تعالی کی طرف راجع ہو تو اس وقت یہ قید مقصود ہو گی اور اصل کلام سے زائد نہ ہو گی، اس لیے کہ رضائے الٰہی کے بغیر مال خرچ کرنا شرعاً ممدوح نہیں۔ اور اس صورت میں یہ مثال تتمیم کے قبیل سے نہ ہو گی[3]۔

۱۴۔۔۔التوشیع:

"توشیع" لغت میں دھنی ہوئی روئی کے لپیٹنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ توشیع اس کو کہتے ہیں کہ کسی کلام کے آخر میں تثنیہ کو لایا جائے پھر اس کی دو مفردوں کے ذریعے تفسیر کی جائے، جیسے "وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا. "(سورۃ الفرقان:۵۳)[1]۔

---

[1] مختصر المعانی:۱/۵۴۲، نیل الامانی:۲/۱۱۹، البلاغۃ العربیہ:۲/۷۶،

[2] اضافی قید سے مراد کلام میں ایسے فضلہ اور اضافی جملہ کے لانے کو کہتے ہیں جس سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا نہ ہوتا ہو اور فضلہ سے حال مفعول بہ اور جار مجرور وغیرہ مراد ہیں، یعنی نہ تو کلام کا رکن بنے اور نہ ہی خود مستقل کلام بنے۔

[3] نیل الامانی:۲/۱۲۴۔

۱۵۔۔۔التذییل:

"تذییل "لغت میں کسی چیز کی دامن بنانے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مضمونِ کلام میں محض تاکید کا فائدہ دینے کے لیے ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو[۲]، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(الف) جاری مجری الامثال (ب) غیر جاری مجری الامثال

ا۔۔۔جاری مجری الامثال:

جاری مجری الامثال اس جملے کو کہتے ہیں جو بکثرت مستعمل ہونے کی وجہ سے مستقل بالمعنی ہو، یعنی اپنے ماقبل جملہ سے مستغنی ہو اور کسی حکم کلی کو متضمن ہونے کی وجہ سے بطور کہاوت استعمال کیا جاسکتا ہو، جیسے "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا-" (سورۃ الاسراء:۸۱) یہاں جملہ ثانیہ "إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" کا استعمال شائع ہے اور اپنے معنی کا فائدہ دینے میں جملہ اولی کا محتاج نہیں۔ نیز جملہ اولی کے مضمون کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

۲۔۔۔غیر جاری مجری الامثال:

غیر جاری مجری الامثال اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو مستقل بالمعنی نہ ہو، یعنی اپنے ماقبل جملے سے مستغنی نہ ہو، بلکہ اس کا سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہو، جیسے "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" (سورۃ الانبیاء:۳۴-۳۵) یہاں "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" تذییل جاری مجری الامثال کے قبیل سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوش ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس جملے کا سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہے۔ اس راستے سے توسب نے گذرنا ہے، کون ہے جس کو موت کا مزہ چکھنا نہ پڑے؟! تذییل جاری مجری الامثال اور تذییل

---

[۱] وهو أن يُؤْتَى في عَجُزِ الكلام بمثنًّى مُفَسَّرٍ باسْمَيْنِ، ثَانيهما معطوفٌ على الأوَّل مِنْهما، كقول الرسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيما روى البخاري ومسلم عن أنس قال: قال النبيُّ ﷺ: "يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ: الحرصُ على المال، والحرصُ عَلَى الْعُمْرِ". وأيضاً عن أبي هريرة: "لاَ يَزَالُ قَلْبُ الكَبِيرِ شَابّاً فِي اثْنَتَيْنِ: في حُبِّ الدّنْيا، وطُولِ الأَمَلَ". ومن التوشيع قول الشاعر:

وَلاَ يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ إِلاَّ الأَذَلاَّنِ: عَيْرُ الْحَيِّ والْوَتِدُ

[۲] تذییل اور ایغال میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کہ تذییل عام من وجہ ہے اور ایغال خاص من وجہ ہے، تذییل کلمہ کے آخر اور غیر آخر دونوں میں آسکتا ہے جب کہ ایغال صرف کلمہ کے آخر میں آسکتا ہے غیر آخر میں نہیں آسکتا اور اگر تاکید کے اعتبار سے دیکھا جائے تو تذییل ایغال سے اخص ہے کہ تذییل صرف تاکید کے لیے آتا ہے جب کہ ایغال تاکید اور غیر تاکید دونوں کے لیے آتا ہے۔

غیر جاری مجری الامثال کی مثال یہ آیت ہے۔"إِنَّ اللّٰہَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰہِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰہِ"(سورۃ التوبۃ:۱۱۱) یہاں" وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا"تذییل غیر جاری مجری الامثال کے قبیل سے ہے اور" وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰہِ"تذییل جاری مجری الامثال کے قبیل سے ہے[1]۔*

۱۶۔۔۔الطرد والعکس:

بیانیین حضرات طرد وعکس اس کو کہتے ہیں کہ دو ایسے جملوں کو لانا کہ ایک کا منطوق دوسرے کے مفہوم کو ثابت کر رہا ہو، جیسے"ياأيها الذين آمَنُواْ قوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَقُودُهَا الناس والحجارة عَلَيْهَا مَلاَئِكَةٌ غِلاَظٌ شِدَادٌ لاَّ يَعْصُونَ الله مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ."(سورۃ التحریم:۶)اس میں"لاَّ يَعْصُونَ الله مَآ أَمَرَهُمْ"کے جملے کا منطوق ملائکہ سے معصیت کی نفی کر رہا ہے اور اس کے مفہوم سے ملائکہ کی اطاعت کو ثابت کیا جارہا ہے اور"وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ"کے منطوق سے ملائکہ کی اطاعت ثابت ہو رہی ہے اور مفہوم سے ان سے معصیت کی نفی ہو رہی ہے[2]۔

---

[1] نیل الامانی:۲/۱۲۴،علوم البلاغۃ للمراغی:۱۶۳۔

* پھر تذییل کی دو قسمیں ہیں:۔

تذییل منطوق اور ملفوظ کے لیے تاکید بنے گا یا مفہوم کے لیے تاکید بنے گا۔منطوق کے لیے تاکید بنے کی مثال یہ آیت ہے کہ اس میں"ان الباطل کان زھوقاً"ماقبل کلام منطوق کے لیے تاکید ہے۔مفہوم کے لیے تاکید بنے کی مثال، جیسے نابغہ ذبیانی کے اس شعر میں ہے۔

ولستَ بمُسْتَبقٍ أَخاً لا تَلُمُّه   عَلى شَعَثٍ أَيُّ الرجالِ المهذَّبُ

ترجمہ:اور تو اپنے کسی بھائی کو اخلاق ذمیمہ ملائے بغیر نہیں چھوڑتا ہے اور لوگوں میں اچھے اخلاق اور پسندیدہ عادات والے نہیں ہے۔

اس شعر میں"عَلى شَعَثٍ"تک اس شعر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی آدمی کامل اخلاق والا نہیں ہے، لیکن اس کی مزید تاکید و تقویت کے لیے"أَيُّ الرجالِ المهذَّبُ"لائے ہیں۔

[2] كقول الله عزّ وجلّ في سورة (النور:٥٨):{ياأيها الذينءَامَنُواْ لِيَسْتَأْذِنكُمُ الذين مَلَكَتْ أيمانكم والذين لَمْ يَبْلُغُواْ الحلم مِنكُمْ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صلاة الفجر وَحِينَ تَضَعُونَ ثيابكم مِّنَ الظهيرة وَمِن بَعْدِ صلاة العشآء ثَلاَثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلاَ عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طوافون عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ على بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ الله لَكُمُ الأيات والله عَلِيمٌ حَكِيمٌ}. جاء في هذه الآية الأمْرُ بالاسْتئذان في ثلاثة أوقات، وهذا يفيد بمفهومه عدم وجوب الاستئذان في غيرها.

۱۷۔۔۔استقصاء:

استقصاء اس کو کہتے ہیں کہ متکلم ایک مفہوم کو اس طرح بیان کرے کہ اس کے تمام جوانب ولوازم کو ذکر کرے اور اس کے بعد کسی قسم کے اضافی قید کی ضرورت نہ پڑے، جیسے "أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأنهار لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثمرات وَأَصَابَهُ الكبر وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فاحترقت كَذَلِكَ يُبَيِّنُ الله لَكُمُ الآيات لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ"(سورۃ البقرۃ:۲۶۶)اس آیت میں "لَهُ جَنَّةٌ" کہنا کافی تھا، لیکن اس میں "جنت" کی پوری تفصیل بیان کی گئی[۱]۔

۱۸۔۔۔تعلیل:

تعلیل اس کو کہتے ہیں کہ کلام میں اصل معنی پر کسی فائدے یاعلت کی غرض سے زیادتی کرنا جو اس کے معنی کے صحت پر دلیل کا کام دے، جیسے "ياأيها الذين آمنوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فاثبتوا واذكروا الله كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ."(سورۃ الانفال:۴۵) یہاں "واذكروا الله كَثِيراً" پر کلام تام ہو چکا ہے، لیکن اس کے بعد حکم الٰہی پر عمل کرنے کی خاطر "لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ" کا اضافہ کیا گیا ہے[۲]۔

وجاء بعد ذلك رَفْعُ الجناح عن الطواف دون استئذان في غير الأوقات الثلاثة، وهذا يفيد بمفهومه وجوب الاستئذان فيها. فكان كلُّ من القولين مقرّراً بمنطوقه مفهوم الثاني منهما، وهو من التأكيد اللطيف.

[۱] البلاغۃ العربیہ:۲/۹۲۔

[۲] فزيادة التعليل قد كانت إطناباً نافعاً. قول الله عزّ وجلّ في سورة المائدة۹۰-۹۱):{ياأيها الذين آمَنُواْ إِنَّمَا الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشيطان فاجتنبوه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ * إِنَّمَا يُرِيدُ الشيطان أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ العداوة والبغضآء فِي الخمر والميسر وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ الله وَعَنِ الصلاة فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنتَهُونَ}. في هذا النصّ اقْتَرن النهي عن الخمر والميسر والأنصاب والأَزْلاَمِ ببيان العلّة أو السبب أو الحكمة، لتوليد الدافع الذّاتي لاجتنابها. فهي: رِجْسٌ من عَمَلِ الشيطان. واجْتِنَابُها سَبَبٌ يُرْجَى معه الفلاح. والشيطان يريد أن يوقع العداوة والبغضاء بين الناس في تعاطيهم الخمرَ والْمَيْسِر، ويُريد أنْ يَصُدَّهم بهما عن ذكر اللهِ وعن الصلاة. هذه الأسباب كافية لأن تجعل ذا اللّب يُحَقِّقُ المطلوب اجتنابُه في النص. فزيادة التعليل في النصّ قد كانت إطناباً نافعاً. قول الله عزّ وجلّ في سورة التين:۷-۸) خطاباً للمكذّب بالدّينونة والجزاء: {فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بالدين * أَلَيْسَ الله بِأَحْكَمِ الحاكمين}. جاءت آية {أَلَيْسَ الله بِأَحْكَمِ الحاكمين} دَلِيلاً على الدينونة والجزاء، لأنّ أحكم الحاكمين لا يُمْكِنُ عقلاً أن يُسَوِّيَ بين المسلمين والمجرمين. (البلاغة العربية:۲/۹۵)

۱۹۔۔۔تفسیر:

تفسیر اس کو کہتے ہیں کہ ایک ایسا کلام لایا جائے جو کلامِ سابق کی وضاحت کرے تاکہ کلامِ سابق میں کوئی خفاء ہو تو اس کی وضاحت کر سکے، جیسے "إِنَّ الإنسان خُلِقَ هَلُوعاً * إِذَا مَسَّهُ الشر جَزُوعاً *وَإِذَا مَسَّهُ الخير مَنُوعاً"(سورۃ المعارج:۱۹-۲۰) یہاں"إِذَا مَسَّهُ الشر جَزُوعاً * وَإِذَا مَسَّهُ الخير مَنُوعاً"کلامِ سابق کی تفسیر ہے[۱]۔

فصلِ ہشتم: اطناب کے علل ودواعی

اطناب کے علل ودواعی درج ذیل چار ہیں:۔

۱۔تثبیت المعنی ۲-توضیح المراد ۳-تاکید ۴-دفع الایہام

۱۔۔۔تثبیت المعنی: مضمون کے تمام پہلوؤں کو دلائل اور براہین سے ثابت کرنا۔ یہ اسلوب قرآن مجید میں بکثرت ہے۔

۲۔۔۔توضیح المراد: مقصود اور مراد کو واضح کر دینا۔ یہ قرآن مجید، احادیث اور بلاغیین کا اسلوب ہے۔

۳۔۔۔تاکید: مضمون کو مؤکد کرنا۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۴۔۔۔دفع الایہام: اختصار کی صورت میں وہم سے بچنے کے لیے اطناب کا اسلوب اختیار کرنا[۲]۔

---

[۱] قول الله عزّ وجلّ في سورة (الممتحنة:۱):{ياأيها الذين آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بالمودة وَقَدْ كَفَرُواْ بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الحق ... }. إنّ عِبَارَةَ: {تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بالمودة} بيانٌ لبعض عناصر اتخاذ أعداء الله وأعداء المؤمنين أولياء، فهو من التفسير الجزئيِّ للموالآة، وهو يدلُّ على النظير قياساً، وعلى ما هو أشدّ منه من باب أولى. فهذا التفسير من الإطناب المفيد الحسن. وقول الله عزّ وجلّ في سورة (الأعراف:۵۰-۵۱) :{ونادى أَصْحَابُ النار أَصْحَابَ الجنة أَنْ أَفِيضُواْ عَلَيْنَا مِنَ المآء أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ الله قالوا إِنَّ الله حَرَّمَهُمَا عَلَى الكافرين * الذين اتخذوا دِينَهُمْ لَهْواً وَلَعِباً وَغَرَّتْهُمُ الحياة الدنيا ... }. إنّ عبارة: {الذين اتخذوا دِينَهُمْ لَهْواً وَلَعِباً وَغَرَّتْهُمُ الحياة الدنيا} بيانٌ لبعض عناصر الكُفْر وَأَسْبَابِه، فَهُوَ من التفسير الجزئي لكلمة {الْكَافِرِين} . فهذا التفسير من الإِطناب المفيد الحَسَن. (البلاغة العربية:۲/۹۷)

[۲] اجرائے بلاغت:۲۱۷۔

فصلِ نہم: اطناب کی اقسام وانواع

اطناب کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اطناب بالبسط ۲۔ اطناب بالزیادۃ

۱۔۔۔اطناب بالبسط کی تعریف:

وہ اطناب ہے جس میں کئی جملے ہوں اور معانی میں بسط وتفصیل ہو۔ جیسے "إِنَّ فِي خَلْقِ السماوات والأرض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تَجْرِي فِي البحر بِمَا يَنفَعُ الناس وَمَآ أَنزَلَ الله مِنَ السمآء مِن مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الأرض بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرياح والسحاب المسخر بَيْنَ السمآء والأرض لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ} "(سورۃ البقرۃ:۱۶۴)۔

۲۔۔۔۔۔اطناب بالزیادۃ کی تعریف:

وہ اطناب ہے جس میں الفاظ کسی فائدہ مہمہ کی خاطر معنی مراد پر زیادہ ہوں، جیسے "تَنَزَّلُ الملائكة والروح فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ "(سورۃ القدر:۴) اس آیت میں " الروح "کو زیادہ تعظیم وتکریم کے لیے ذکر کیا گیاہے ورنہ جبریل علیہ السلام تو ملائکہ میں داخل ہیں [1]۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ:۲/ ۶۲۔

فصلِ دہم: مساوات کا بیان

مساوات کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

مساوات لغت میں ،تعدیل، برابری، ہمسری اور یکسانی کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مساوات مقصود کو ادا کرنے کا وہ طریقہ تعبیر ہے جس میں متوسط قسم کے لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ معانی کے بقدر مذکور ہوں، یعنی الفاظ نہ زیادہ ہوں اور نہ ہی کم ہوں، جیسے "وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ-"(سورۃ الانعام:٦٨) اس آیت میں کفار اور معاندین سے کنارہ کشی کا حکم ہے، جس کے لیے مساوات کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی دیگر مثالیں یہ ہیں:۔

قال الله تعالى: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسانِ وَإِيتاءِ ذِي الْقُرْبى وَيَنْهى عَنِ الْفَحْشاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ. وقال الله تعالى:وَلا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ. وقال الله تعالى:مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ، فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ- وقال الله تعالى: فَمَنْ جاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهى فَلَهُ ما سَلَفَ- وقال رسول اللهﷺ: بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. وقال رسول اللهﷺ: المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. وقال رسول اللهﷺ:لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

مذکورہ تمام مثالوں میں جس قدر معانی ہیں اس قدر الفاظ ہیں، اگر ان میں کوئی ایک لفظ بڑھا دیا جائے تو زیادتی بلا فائدہ ہو گی اور اگر لفظ کم کر دیا جائے تو معنیٰ مقصودی میں خلل واقع ہو جائے گا[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: اطناب کی صورتوں میں سے من جملہ طرد و عکس، استقصاء، تعلیل، تفسیر، موضع اسم الظاہر موضع المضمر، زیادۃ بعض التوابع فی الکلام بھی داخل ہیں[2]۔

---

[1] يقول أبو هلال العسكري، هي المذهب المتوسط بين الإيجاز والإطناب، وإليه أشار القائل بقوله: كأن ألفاظه قوالب لمعانيه؛ أي لا يزيد بعضها على بعض.(كتاب الصناعتين:١٧٩) وقد عدّها ابن الأثير قسيم إيجاز القصر، وسماها «الإيجاز بالتقدير»، وعرفه بأنه الإيجاز الذي يمكن التعبير عن معناه بمثل ألفاظه وفي عدتها، أو هو ما ساوى لفظه معناه. (المثل السائر: ٢١٢، علم المعاني:٢٠٢).

[2] البلاغۃ العربیہ:٢/٩١۔

قاعدہ نمبر۲: اطناب کئی امور میں مستحسن ہے، جیسے الصلح بین الشعائر، مدح وثناء، ذم، ہجاء، وعظ وارشاد، خطابت، تہنئہ، منشورات الحکومۃ الی الامۃ، کتب الولاۃ الی الملوک وغیرہ[۱]۔

قاعدہ نمبر۳: بعض اہل علم کے نزدیک اطناب ایجاز سے زیادہ بلیغ اوراولی ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر۴: ایضاح بعد الابہام کاایک فائدہ اجمال بعد التفصیل ہے اوراس کے عکس بھی ہے یعنی تفصیل بعد الاجمال، جیسے "فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" (سورۃ البقرۃ:۱۹۶) یہ ایضاح بعد الابہام ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر۵: جو مخصوص بالمدح کو مبتداء محذوف کی خبر مانتے ہیں ان کے ہاں "نعم" بھی از قبیل ایضاح بعد الابہام ہے۔ نیز توشیع بھی ایاضاح بعد الابہام کے قبیل سے ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر۶: یہاں خاص وعام سے مرادوہ دوامر ہیں جن میں پہلا دوسرے امر کوشامل ہو، وہ خاص وعام مراد نہیں جو اصولیین کے نزدیک ہیں[۵]۔

قاعدہ نمبر۷: تتمیم اورایغال میں فرق یہ ہے کہ تتمیم فضلہ ہی میں ہوتا ہے اور ایغال فضلہ کیساتھ مقید نہیں۔ نیز تتمیم وسطِ کلام اور آخرِ کلام دونوں جگہوں میں ہوتا ہے جب کہ ایغال آخرِ کلام ہی میں ہوتا ہے[۶]۔

قاعدہ نمبر۸: تتمیم اور تکمیل میں فرق یہ ہے کہ تتمیم کسی بلاغتی نکتے کے لیے ہوتا ہے جب کہ تکمیل غیر مرادی وہم کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ نیز تتمیم فضلہ کیساتھ مقید ہے جب کہ تکمیل فضلہ کیساتھ مقید نہیں[۷]۔

قاعدہ نمبر۹: تتمیم کی دو قسمیں ہیں: ایک تتمیم معنوی ہے، جس کا تذکرہ تعریف میں گذرچکاہے اور دوسرا تتمیم لفظی ہے جو صرف وزن کی درستگی کے لیے ہوتی ہے[۸]۔

قاعدہ نمبر۱۰: تتمیم کی ان دو قسموں میں وہ قسم مستحسن کہلاتی ہے جو کسی صفتِ بدیعہ پر مشتمل ہو[۱]۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۲۰۲۔

[۲] جواہر البلاغۃ:۲۰۲، علوم البلاغۃ:۱۶۷۔

[۳] نیل الامانی:۲/۱۱۴۔

[۴] نیل الامانی:۲/۱۱۵۔

[۵] نیل الامانی:۲/۱۱۶، البلاغۃ العربیہ:۲/۶۹۔

[۶] مختصر المعانی:۱/۵۴۸۔

[۷] مختصر المعانی:۱/۵۴۷۔

[۸] نیل الامانی:۲/۱۲۵۔

قاعدہ نمبر ۱۱: اعتراض اور تتمیم میں تباین کی نسبت ہے کیونکہ تتمیم شکل فضلہ ہوتی ہے جس کے لیے محلِ اعراب کا ہونا ضروری ہے بخلاف اعتراض کے کہ اس میں جملہ معترضہ کے لیے محلِ اعراب نہیں ہوتا[۲]۔

قاعدہ نمبر ۱۲: تذییل اور ایغال میں فرق یہ ہے کہ تذییل محض تاکید کے لیے آتا ہے جبکہ ایغال عام ہے، تاکید اور غیر تاکید دونوں کے لیے آتا ہے۔ تذییل درمیان اور آخری کلام دونوں جگہوں آتا ہے اور ایغال صرف آخرِ کلام میں ہوتا ہے۔ نیز تذییل مکمل جملے سے ہوتا ہے جب کہ ایغال جملہ اور غیر جملہ دونوں میں آتا ہے[۳]۔

فائدہ نمبر: اطناب کی مزید انواع واقسام یہ ہیں:۔

(۱) جملوں کی کثرت (۲) حرف تاکید کا جملوں پر داخل ہونا (۳) حروف استفتاحیہ کا داخل کرنا (۴) حرفِ تنبیہ کو داخل کرنا (۵) تاکید لفظی لانا (٦) تاکید معنوی لانا (۷) تاکید بذریعہ مفعول مطلق (۸) تاکید بذریعہ حال مؤکدہ (۹) تکریر لاغراض (۱۰) صفت (۱۱) بدل (۱۲) عطف بیان (۱۳) الفاظِ مترادفہ کو ایک ساتھ استعمال کرنا[۴]۔

قاعدہ نمبر: تکریر کے متعدد فوائد ہیں، من جملہ تقریر (ثبوت و تحقق) ہے، جیسے مشہور مقولہ ہے۔"الکلام اذاتکرر تقرر"۔ اور یہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس وقت بات بڑھ جاتی ہے اور یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ مخاطب آغازِ کلام کو بھول جائے گا اس وقت دوبارہ اس کا اعادہ کرلیتے ہیں جس سے اس کی نشاط اور تازگی کی عہد کی تجدید مراد ہوتی ہے[۵]۔

قاعدہ نمبر: جس معنی پر لفظ کی دلالت محلِ نطق میں ہوتی ہے اسے منطوق کہتے ہیں اور جب لفظ کی دلالت معنی پر محلِ نطق میں نہ ہو بلکہ اس سے خارج ہو تو اس کو مفہوم کہتے ہیں[٦]۔

قاعدہ نمبر: ذکر عام بعد الخاص کا فائدہ تعمیم ہے اور ذکر خاص بعد العام کا فائدہ یہ ہے کہ گویا یہ خاص اس اس قدر اعلی وافضل ہے کہ عام کے جنس سے خارج ہے[۱]۔

---

[۱] نیل الامانی: ۲/ ۱۲۵۔

[۲] نیل الامانی: ۲/ ۱۲۸، ہامش علوم البلاغۃ: ۱٦۵۔

[۳] مختصر المعانی: ۱/ ۵۴۴۔ علوم البلاغۃ للمراغی: ۱٦۳۔

[۴] اجرائے بلاغت: ۱۲۷۔

[۵] نیل الامانی: ۲/ ۱۱۷-۱۱۸، علوم البلاغۃ: ۱٦۲۔

[٦] نیل الامانی: ۲/ ۱۲۲، علوم البلاغۃ: ۱٦۹۔

فائدہ نمبر: مساوات ایک اضافی اسلوب ہے، اس کی تعیین کے لیے ایجاز واطناب کی انواع کو مد نظر رکھنا ضروری ہے[۲]۔

تمرین

درج مثالوں میں اطناب اوراس کی تمام صورتوں کی تعیین کیجیے۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ، الَّذِينَ يَحْمِلُونَ، الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ، مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيم، وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِين، الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُون، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ، وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ: الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ، وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ، لاَ يَزَالُ قَلْبُ الكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ: فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ الأَمَل، أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ، الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى، قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى، مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِين، رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا، إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ، اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِين، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِر.

ایک حل شدہ مثال:

"تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ":

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوالِ متعلقہ باجزاء الجملہ: "تَنَزَّلُ" **فعل مسند محکوم بہ** مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل علیہ......"الْمَلَائِكَةُ" مسند الیہ محکوم علیہ

---

[۱] البلاغۃ العربیہ:۲/۶۹۔

[۲] البلاغۃ العربیہ:۲/۱۸۔

معرفہ معرف باللام الف لام استغراقی......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکر مسند الیہ تعظیم وعدم وجود مایدل علیہ......"و" عاطفہ......"الرُّوحُ"معطوف...... "الْمَلَائِكَةُ" معطوف علیہ......غرضِ عطف اختصار......"بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ"متعلق بہ"تَنَزَّلُ"...... فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ: جملہ خبریہ خبر صادق......جملہ فعلیہ مفید افادہ حدوث واستمرار تجددی ......خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ:احوالِ متعلقہ بالجملتین اواکثر: "وَالرُّوحُ فِيهَا"میں اسلوبِ اطناب......ذکر الخاص بعد العام......غرضِ اسلوبِ اطناب توضیح المراد ودفع الابہام......اطناب بالزیادۃ۔

بابِ سوم:

خروج عن مقتضی الظاہر

یہ باب درج ذیل فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: خلافِ مقتضی ظاہر کا بیان

فصلِ دوم: ایک حل شدہ مثال

فصل اول: خلافِ مقتضائے ظاہر کا بیان

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اس بناء پر تھا کہ کلام مقتضائے ظاہر کے موافق ہو، لیکن بعض اوقات کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف بھی ہوتا ہے، اس لیے کہ مقتضائے ظاہر کے خلاف بعض ایسے اَحوال اور اِعتبارات بھی ہوتے ہیں جن کو متکلم ملحوظ رکھنا چاہتا ہے، ایسے مواقع پر ظاہرِ حال سے اعراض کیا جاتا ہے، جس کو خلاف مقتضائے ظاہر کلام کرنا کہا جاتا ہے۔ اخراج الکلام علیٰ خلاف مقتضی الظاہر کی مشہور و معروف انواع درج ذیل ہیں:

۱۔ الالتِفَات. ۲- وَضع المظْهَر مَوْضِع المضْمَر. ۳-وَضع المضْمَر مَوْضِع المظهَر. ۴-التَّعبِيْر عنِ المستَقْبِل بلفْظِ الماضِي. ۵-التَّعبِيْر عنِ الماضِیْ بِلفْظِ المسْتَقْبِل. ۶-التَّغْلِيْب. ۷-القَلْب. ۸-أسْلُوْبُ الحَكِيْم. ۹-تَنْزِيْلُ العَالِمِ مَنْزِلةَ الجَاهِل. ۱۰-تَنْزِيْلُ غيْرِ المنْكِرِ مَنْزِلَةَ المنْكِر. ۱۱-تَنْزِيْلُ غيْرِ المنْكِرِ مَنْزِلَةَ السَّائِلِ المتَرَدِّد. ۱۲-تَنْزِيْلُ المنْكِرِ مَنْزِلَةَ غَيْرِ المنْكِر. ۱۳-وَضْعُ الخَبَرِ مَوْضِعِ الإنْشَاء. ۱۴-وَضْعُ الإنْشَاءِ مَوْضِعِ الخَبَر. ۱۵-تَجَاهُلُ العَارِف.

مذکورہ انواع کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔التفات:

کلام کو تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اُسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا، تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہو جائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے۔ اس کی تفصیل "علم بدیع" میں ملاحظہ فرمالیں[۱]۔

۲۔۔۔وضع المظہر موضع المضمر:

وضع المظہر موضع المضمر کا مطلب یہ ہے کہ کسی غرض کے لیے اسم ظاہر کے استعمال کی جگہ اسمِ ضمیر لانا، اس کو الاظہار فی مقام الاضمار بھی کہتے ہیں، پھر یہ اغراض متعدد ہو سکتی ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔سامع کے دل و دماغ میں بات بٹھانے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھنا، جیسے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ [الإخلاص:۲-۱] یہاں کلام کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ "هو الصمد" کہا جاتا، لیکن ذہنوں میں اللہ کی بے نیازی کو بٹھانے کے لیے اسم ظاہر لفظ جلالہ کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: قواعد البلاغۃ حصہ سوم۔

۲۔۔۔ تاکید کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھنا، جیسے ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ بِالْحَقِّ نَزَلَ﴾[الإسراء:۱۰۵]۔ یہاں کلام کا مقتضٰی تو یہ تھا کہ ''وبه نزل'' فرمایا جاتا، لیکن تاکید پیدا کرنے کے لیے اسم ظاہر کو لایا گیا ہے۔
۳۔۔۔ مخاطب کی غباوت اور بے وقوفی پر تنبیہ کرنے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (اسم اشارہ) لانا، جیسے فرزدق نے جریر سے کہا تھا:

أوْلٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِيْ بِمِثْلِهِم   إذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ المَجَامِعُ

یہاں مناسب تو یہ تھا کہ شاعر کہتا: ''هُمْ آبَائِيْ'' کیونکہ پہلی والی ابیات میں اُن کا تذکرہ ہو چکا تھا، لیکن شاعر نے مخاطب کی بے وقوفی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے اور برائے تعجیز ''فَجِئْنِيْ !'' امر استعمال فرمایا[1]۔
۴۔۔۔ سامع کے دل میں عظمت وجلالت اور رجاء وامید پیدا کرنے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے، جیسے '' فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ''(ال عمران:۱۵۹) یہاں سامع کو امید دلانے کے لیے اسم ظاہر لفظ جلالہ کی صورت میں لایا گیا ہے کہ توکل اور بھروسہ کا لائق اللہ تعالی ہی ہے، لہذا اسی پر توکل و بھروسہ کرو۔
۵۔۔۔ بعض اوقات تعجب اور تہکم کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ''وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ '' (ص:۴) یہاں ماقبل میں کفار کا ذکر ہو چکا ہے اس لیے ضمیر لانا چاہیے تھا، لیکن تعجب اور تہکم کے لیے اسم ظاہر ''الْكَافِرُونَ'' لایا گیا ہے[2]۔

۳۔۔۔ وضع المضمر موضع المظہر:

وضع المضمر موضع المظہر کا مطلب یہ ہے کہ کسی غرض کے لیے اسمِ ظاہر کی جگہ اسمِ ضمیر کا استعمال کرنا، اس کو الاضمار فی مقام الاظہار بھی کہتے ہیں۔ یہ درج ذیل دو جگہوں میں ہوتا ہے۔
۱۔۔۔ ضمیر شان اور ضمیر قصہ کے باب میں اسمِ ظاہر کی جگہ اسمِ ضمیر لایا جاتا ہے، جیسے ﴿أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا؛ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾[الحج:۴۶] یہاں ﴿فَإِنَّهَا﴾ کی ''ھاء'' ضمیر قصہ جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں، لیکن چونکہ بعد

---

[1] جواہر البلاغۃ: ۱۱۲۔

[2] البلاغۃ العربیۃ: ۱/۵۰۷، علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۴۰۔

آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور اس مضمون کو دل و دماغ میں بٹھانا تھا، لہذا ابتداءً اسم ظاہر ذکر کرنے کے بجائے ضمیر قصہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ افعال مدح اور افعال ذم کے باب میں اسم ظاہر کی جگہ اسمِ ضمیر لایا جاتا ہے، جیسے "نعم رجلا محمد! بئس غلاما سعید!" ان افعال میں "ما" اور "من" کی اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر لایا جاتا ہے جو ان افعال میں مستتر ہوتا ہے[۱]۔

۴۔۔۔ تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی:

تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی کا مطلب یہ ہے کہ کسی غرض کے لیے فعلِ مضارع کی جگہ فعلِ ماضی لانا۔ یہ اغراض متعدد ہو سکتی ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔ تنبیہ علی تحقیق الوقوع: فعل کے وقوع کے یقینی ہونے پر خبر دار کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿أَتٰى أَمْرُ اللهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ [النحل:۱]، أيْ :يَأتِيْ أَمْرُ اللهِ .

۲۔۔۔ قربِ الوقوع: وقوعِ فعل کے قریب ہونے کو بتانا، جیسے: قَدْ قَامَتِ الصَّلاةُ، أيْ: قَرُبَ القِيَام للصَّلاة. یہاں مستقبل قریب میں موجود ہونے والی (یقینی) چیز کو بصیغہ ماضی تعبیر فرمایا۔

۳۔۔۔ تعریض: اشارۃً مبہم بات کرنا، یعنی صراحت نہ کرنا، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر:۶۵] یہاں آیت میں اس بات کی طرف تعریض ہے کہ مشرکین کے اعمال مبہوت ہو چکے ہیں[۲]۔ *

۵۔۔۔ تعبیر عن الماضی بلفظ المستقبل:

تعبیر عن الماضی بلفظ المستقبل کا مطلب یہ ہے کہ کسی غرض کے لیے فعلِ ماضی کی جگہ فعلِ مضارع لانا، یہ اغراض

---

[۱] البلاغۃ العربیۃ:۱/۵۰۳، علوم البلاغۃ للمراغی:۱۴۰۔

[۲] البلاغۃ العربیۃ:۱/۵۰۹، جواہر البلاغۃ:۲۱۴، علوم البلاغۃ للمراغی:۱۴۴۔

* تعبیر عن المستقبل باسم الفاعل، اور تعبیر عن المستقبل باسم المفعول بھی تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی ہی کے قبیل سے ہے، کیونکہ اسم فاعل ومفعول ایک قول کے اعتبار سے زمانہ ماضی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: ﴿وَإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ﴾ [الذاریات:۶]، ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ، وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ [ھود:۱۰۳] ان دونوں آیتوں میں مستقبل میں ہونے والی یقینی چیزوں کو اسم فاعل واسم مفعول (بمعنی: ماضی) سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے یقینی ھونے کو بتلا رہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ فی الحال فعل سے متلبس (یعنی: زمانہ حال) کے لیے اسم فاعل واسم مفعول کا استعمال کرنا جمہور کا قول ہے، ورنہ ایک قول کے مطابق اسم فاعل ومفعول زمانہ ماضی میں فعل سے متلبس کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

متعدد ہوسکتی ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔حکایت حالت ماضیہ: زمانہ ماضی میں گذری ہوئی کسی حالت کو اس طور پر بیان کرنا کہ خیال میں عجیب وغریب صورت کا استحضار ہو، جیسے ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾[فاطر:۹] یہاں اللہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرنے والی اس عجیب وغریب صورت کے استحضار کے لیے کہ گویا ہوائیں بادلوں کو اُٹھارہی ہیں اور تُو اس کا مشاہدہ کر رہا ہے، یہ بتانے کے لیے بجائے"أثار" کے ﴿تُثِيْرُ﴾ کو استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔افادۃ الاستمرار فیما مضی: زمانہ گذشتہ میں استمرارِ فعل کا معنیٰ دینے کے لیے، جیسے: ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾[الحجرات:۷] "أي: لوْ استمَرَّ علىٰ اِطاعَتِكم لهَلَكتم"، یعنی: اگر رسول اللہ تمہاری ہر بات برابر مانا کرتے رہتے تو بڑی مشکل ہوتی، کیونکہ حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہوسکتا[1]۔

۶۔۔۔ تغلیب:

"تغلیب" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنیٰ ہیں: غلبہ دینا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو یا چند ملتی جلتی اور مربوط چیزوں میں سے ایک کے لفظ کو دوسرے پر غلبہ دینا، اس طور پر کہ دوسرے کے لفظ کو پہلے کے موافق بنالیا جائے، پھر ان دونوں کے الگ الگ معانی کو مراد لیتے ہوئے کسی ایک اسم کا تثنیہ لایا جائے، جیسے: ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾[التحریم:۱۲]۔: تغلیب کی کئی صورتیں ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔تغلیب المذکر علی المؤنث ۲۔تغلیب الاکثر علی الاقل ۳۔تغلیب المعنی علی اللفظ ۴۔تغلیب المخاطب علی الغائب ۵۔تغلیب احد المتناسبین علی الآخر ۶۔تغلیب العقلاء علی غیرھم۔

۱۔۔۔**تغلیب المذکر علی المؤنث:** جیسے: ﴿فَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾[التحریم:۱۲]، قیاس کے مطابق "من القانتات" آنا چاہیے تھا، لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے ﴿مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ فرمایا اور یہ واضح کیا کہ حضرت مریم علیہا السلام زہد وریاضت میں مَردوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ اور جیسے "اب" اور "ام" کو "اَبَوَین" سے اور "شمس" و"قمر" کو "قمرَین" سے تعبیر کرنا۔

۲۔۔۔**تغلیب الاکثر علی الاقل:** جیسے: ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ [الأعراف:۸۸]، یہاں اصحاب مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام سے دخول فی الکفر کا مطالبہ کیا تھا، نہ کہ عود

[1] البلاغۃ العربیہ: ۱/ ۵۱۶، علوم البلاغۃ للمراغی: ۱۴۷۔

فی الکفر کا، کیونکہ عود کرنا پہلے کفر کے سرزد ہونے پر دال ہے اور حضرت نے کفر بالکل نہیں کیا تھا، لیکن عام حالات میں لوگ کفر کے بعد ایمان لاتے ہیں -بر خلاف انبیاء کے -لہٰذا تغلیبًا للاکثر "عود" کا لفظ استعمال فرمایا[1]۔

۳۔۔۔تغلیب المعنی علی اللفظ: جیسے "بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ" (النمل:۵۵) یہاں "یجھلون" کے بجائے "تجھلون" کہا ہے کیونکہ "تجھلون" کی ضمیر غائب کا مرجع "قوم" ہے، لیکن یہاں "أَنْتُمْ" ضمیر مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے "تجھلون" کہا گیا ہے۔

۴۔۔۔تغلیب المخاطب علی الغائب: جیسے "أنت وعلي صنعتما كذا." "تونے اور علی نے اس طرح کیا ہے! یہاں مخاطب کو غائب پر غلبہ دیا گیا ہے اس لیے مخاطب "صنعتما" کو صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔۔۔تغلیب احد المتناسین علی الآخر: جیسے "ابوین" اور "قمرین" ہے، "اب" کو "ام" پر اور "قمر" کو "شمس" پر تغلیب کر دے کر "ابوین" اور "قمرین" کہا جاتا ہے۔

۶۔۔۔تغلیب العقلاء علی غیرھم: جیسے "الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (الفاتحہ:۱) ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ کر دے کر "الْعَالَمِينَ" کہا گیا ہے، اس لیے کہ عالم ذوی العقول اور غیر ذوا العقول سب کو شامل ہے[2]۔

۷۔۔۔ قلب:

"قلب" لغت میں الٹنے پلٹنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام کے دو جزؤں میں سے ہر ایک کو کسی نکتے کے پیشِ نظر ایک جزء کو دوسرے جزء کی جگہ رکھنا۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں: ۔

۱۔ قلب اسناد ۲۔ قلب عطف ۳۔ قلب تشبیہ

۱۔۔۔ قلب اسناد، جیسے: ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ [قصص:۱۲] دراصل یوں تھا: "حَرَّمْنَاهُ عَلَيْهِنَّ" یہاں روک رکھے جانے کی نسبت بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیوں کی طرف کرنا قلبِ اسناد کے قبیل سے ہے۔

۲۔۔۔ قلب عطف، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا "نَسِيَا حُوْتَهُمَا"، "فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا"﴾ [الکہف:۶۱] دیکھئے مچھلی کا دریا میں راستہ بنانے کا واقعہ پہلے ہوا تھا اور نسیان بعد میں طاری ہوا تھا، یعنی: " فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهَا، اِتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَنَسِيَا حُوْتَهَا" یہ مثال قلبِ عطف کے قبیل سے ہے۔

---

[1] تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:۲/ ۱۲۹۔

[2] علوم البلاغۃ للمراغی:۱۴۶۔

۷۔۔۔قلب تشبیہ، جیسے:﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾[البقرۃ:۲۷۵] آکلین ربا کا مدّعیٰ یہ تھا:"إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ البَيْعِ فِي الجَوَازِ" یعنی سود جائز ہونے کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اس سے بظاہر بلامشقت زیادتی ہوتی ہے لیکن انہوں نے مشبہ(سود) کو مشبہ بہ بنالیا اور مشبہ بہ (بیع) کو مشبہ بنا کر اس تشبیہ کو مقلوب کر دیا ہے[۱]۔

۸۔۔۔اُسلوب الحکیم:

اسلوب الحکیم کا مطلب یہ ہے کہ کلام متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا۔ اس کی تفصیل علم بدیع میں ملاحظہ فرمالیں[۲]۔

۹۔۔۔تنزیل العالم منزلۃ الجاھل:

تنزیل العالم منزلۃ الجاہل کا مطلب یہ ہے کہ فائدۂ خبر یا لازم فائدۂ خبر سے واقف انسان کو ناواقف اور جاہل فرض کر لینا، جیسے والد کو تکلیف پہنچانے والے آدمی کو یوں کہا جائے:"هٰذَا أَبُوْكَ!" یہ تیرا والد ہے! اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَا! أَمْ أَنْتُمْ لَاتُبْصِرُوْنَ﴾[الطور:۱۵] یہاں فرشتے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے تجاہلِ عارفانہ کے طور پر، یعنی: اپنے آپ کو ناواقف کے درجے میں اُتار کر یہ سوال کریں گے[۳]۔

۱۰۔۔۔تنزیل غیر المنکر منزلۃ المنکر:

تنزیل غیر المنکر منزلۃ المنکر کا مطلب یہ ہے کہ غیر منکر مخاطب کو منکر فرض کر لیا جائے تو اس وقت اسے منکر قرار دے کر اس کیساتھ کلام کرتے وقت بھی کلام میں وہ تاکیدات لائی جاتی ہیں جو تاکیدات مخاطب منکر سے کلام کے وقت لائی جاتی ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتىٰ، وَلَاتُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ [النمل:۸۰]،﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ﴾[المؤمنون:۱۵] پہلی آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی ہدایت پر بے حد حریص تھے، باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو منکر کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام پیش فرمایا۔ دوسری آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ مشرکین لوگ موت کے منکر تو نہیں تھے! لیکن غفلت اور اعراض عن العمل کو دیکھتے ہوئے منکرین کے درجے میں اتار کر ان سے مؤکد کلام کیا گیا۔

---

(۱) علوم البلاغۃ للمراغی:۱۴۳۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے قواعد البلاغۃ حصہ سوم۔

(۳) مختصر المعانی:۱/۹۵، علوم البلاغۃ للمراغی:۵۸۔

اسی طرح حجل بن نصلہ قیسی کا شعر ہے۔

جَاءَ شَقِيقٌ عَارِضاً رُمْحَهُ   إِنَّ بَنِي عَمِّكَ فِيهِمْ رِماحٌ

ترجمہ: شقیق اس حال میں آیا کہ اس نے اپنے کاندھے پر چوڑائی میں نیزہ رکھا ہوا تھا تیرے چچازادوں کے پاس بھی اسلحہ ہے!

اس شعر میں شاعر شقیق کے متعلق یہ کہہ رہا ہے کہ شقیق اپنے کاندھے پر چوڑائی میں نیزہ رکھے یوں بے خوف وخطر آرہا ہے گویا کہ اس کے چچازادوں کے پاس اسلحہ ہی نہ ہو، شقیق اگرچہ ان کے پاس اسلحہ کا منکر نہیں، لیکن اس کی یہ حالت بتارہی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کے پاس اسلحہ نہیں۔ اس بات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ تیرے چچازادوں کے پاس بھی اسلحہ ہے![1]

۱۱۔۔۔تنزیل غیر المنکر منزلۃ السائل المتردد:

تنزیل غیر المنکر منزلۃ السائل المتردد کا مطلب یہ ہے کہ غیر منکر (خالی الذہن) مخاطب کو متردد تصور کرلیا جائے، قرآن مجید میں اس کی مثال یہ آیت ہے۔﴿إِلاَّ تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لاتَحْزَنْ ''إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا''﴾[التوبہ:۴۰] اس جگہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ معیت الٰہی اور نصرتِ خداوندی کے بابت متردد نہ تھے، بلکہ نصرتِ الٰہی پر کامل یقین تھا، لیکن اس کے باوجود اوّلا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ لاکر ان کے دل میں آنے والی خبر (نصرتِ الٰہی کے آنے) کا شوق پیدا کیا، پھر اس کے بعد

---

(۱) علامہ مرزوقی فرماتے ہیں کہ شاعر نے شقیق کو بزدل قرار دے کر اس کا مذاق اڑا ہے کہ اسے معلوم نہیں ہے کہ ان کے پاس اسلحہ ہے بھی کہ نہیں۔ اسی لیے وہ بے پرواہ ہے اگر اسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان کے پاس بھی اسلحہ ہے تو وہ اتنا بزدل ہے کہ کبھی بھی وہ لڑائی کے لیے تیار نہ ہو اور کبھی بھی اس کے ہاتھ نیزے کے اٹھانے پر قادر نہ ہوں! اسی مثال یہ ہے کہ ابو ثمامہ عبدی نامی شاعر نے محرز سے کہا تھا۔

أقولُ لمحرزٍ لمَّا التقَينا   تنكَّبْ لا يقطِّرك الزّحامُ

ترجمہ: جب ہم ان کے لڑنے لگے تو میں نے محرز سے کہا تھا کہ پرے ہٹ! کہیں یہ ہجوم اور رش تجھے روند نہ ڈالے۔

اس شعر میں شاعر اپنے مقابل کو حقیر سمجھتے ہوئے اس پر طعن کر رہا ہے کہ تم لڑنے بھڑنے کے آدمی نہیں ہو، عورتوں اور بچوں کی طرح نرم ونازک ہو۔ درمیان سے ہٹ جاؤ! کہیں عورتوں اور بچوں کی طرح کچلے نہ جاؤ! مذکور شعر میں شاعر شقیق سے بھی کہہ رہے کہ تمہیں لڑائی معلوم نہیں اگر تمہیں اس کا پتہ چل جاتا تو تم اتنے بزدل ہو کہ پھر اسلحہ کو ہاتھ تک نہ لگاؤ گے، لیکن بے خبری میں تم نیزہ اٹھائے لڑائی کے شوق میں چلے آئے ہو کہ شاہد ان کے پاس بھی اسلحہ ہی نہیں ہے، یہ تمہاری بھول ہے ان کے پاس بھی اسلحہ ہے! مختصر المعانی:۱/۱۰۳۔

مؤکد کلام پیش کیا۔ یہاں خالی الذہن کو متردد کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام فرمایا ہے [۱]۔

قاعدہ: خالی الذہن کو متردد یا منکر کے درجے میں اتارنا، یا منکر کو غیرِ منکر کے درجے میں اُتارنا کلامِ عربی کے لطائف ودقائق میں سے ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کہ پہلے والے جملے پند ونصائح کی لڑی میں پیروئے ہوئے ہوں یا امر ونہی یا انوکھے واقعہ پر مشتمل ہوں [۲]۔

۱۲۔۔۔تنزیل المنکر منزلۃ غیر المنکر:

تنزیل المنکر منزلۃ غیر المنکر کا مطلب یہ ہے کہ منکر کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اُسے غیر منکر (خالی الذہن) کے درجے میں اُتارنا اور یہ اشارہ کرنا کہ یہ بات ایسی ہے کہ اگر مخاطب اس خبر کے دلائل وشواہد پر غور کرے گا تو ضرور اپنے انکار سے باز آجائے گا، اور تکذیب کو چھوڑ دے گا، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿''وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' لَا إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرۃ :۱۶۳]﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ﴾ [الفتح:۲۹]۔پہلی آیت میں خطاب ان مشرکین سے ہے جو جان بوجھ کر حق (اللہ کی وحدانیت) کو ٹھکراتے تھے، چنانچہ حال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کلام کو مؤکد لایا جاتا، لیکن ان کے وحدانیت الٰہی کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کلام کو غیر مؤکد لایا گیا اور یہ بتلایا کہ: اے مشرکین! اگر تم وحدانیت کے دلائل وشواہد میں غور کرتے تو انکار سے باز آجاتے۔ آیتِ ثانیہ میں خطاب مؤمنین ومشرکین دونوں سے ہے، لیکن مشرکین کے انکار کی پروا کیے بغیر رسالتِ محمدی کا اعلان غیر مؤکد کلام سے فرمایا [۳]۔

۱۳۔۔۔وضع الخبر موضع الإنشاء:

جملہ خبریہ کو جملہ انشائیہ کی جگہ کسی غرض کے لیے استعمال کرنا، مثلاً: نیک فالی، اظہار رغبت، اظہار حرص، صیغہ امر ونہی سے احتراز، یا مطلوب کے بجا لانے پر مخاطب کو ابھارنا وغیرہ۔ تفصیل خبر وانشاء میں ملاحظہ فرمالیں(٤)۔

۱۴۔۔۔ وضع الانشاء موضع الخبر:

کسی غرض کے لیے خبر کی جگہ انشاء کا ستعمال کرنا۔ تفصیل خبر وانشاء میں ملاحظہ فرمالیں [۵]۔

---

(۱) مختصر المعانی:۱/۱۰۱۔

(۲) مختصر المعانی:۱/۱۰۱۔

(۳) مختصر المعانی:۱/۱۰۴۔

(٤) قواعد البلاغۃ حصہ اول ملاحظہ ہو۔

(٥) قواعد البلاغۃ حصہ اول ملاحظہ ہو۔

۱۵۔۔۔ تجاہل العارف:

تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئ کی جگہ لانا۔ تفصیل علم بدیع میں ملاحظہ فرمالیں[1]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں خلاف مقتضی ظاہر کی انواع کی تعیین کیجئے۔

وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ. وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ. فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ. إِن تُبْدُواْ الصدقات فَنِعِمَّا هِيَ. وترى كَثِيراً مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الإثم والعدوان وَأَكْلِهِمُ السحت لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ. يابني ءادَمَ لاَ يَفْتِنَنَّكُمُ الشيطان كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِّنَ الجنة. وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ. إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ. فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ. فجئني بمثلهم. عرضت الناقة على الحوض، وأدخلت القلنسوة في الرأس، مكان: عرضت الحوض على الناقة، وأدخلت الرأس في القلنسوة. ينظر مولاي في شأني ويقضي طلبتي، مكان: انظر واقض. جمع الله الشمل وقرب أيام اللقاء. وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ. قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ، مِنْ دُونِهِ. وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ.

---

[1] قواعد البلاغۃ حصہ سوم ملاحظہ ہو۔

فصلِ دوم: ایک حل شدہ مثال

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ* فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ* إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:

"إِنَّ" حرف ناسخ...... "نَا" ضمیر متکلم مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للتکلم...... مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ اہمیت و تخصیص...... مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ تعظیم وعدم وجود مایدل علیہ...... "أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ" جملہ مسند...... نکرہ غرضِ تنکیر تفخیم المسند...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند عدم وجود مایدل علیہ...... باز "أَعْطَيْنَا" فعل مسند محکوم بہ...... مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل علیہ...... اس میں "نَا" ضمیر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للتکلم...... مسند الیہ مذکور غرض ذکر مسند الیہ تعظیم وعدم وجود مایدل علیہ...... "كَ" ضمیر منصوب متصل مفعول اول...... "الْكَوْثَرَ" مفعولِ ثانی...... غرض تقییدِ الفعل بالمفاعیل فوت الفائدۃ المقصود عند عدم ذکرہ...... فعل اپنے فاعل اور مفعولوں سے مل کر جملہ خبریہ فعلیہ ہو کر مسند محکوم بہ...... مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ: احوالِ متعلقہ بالجملہ:

جملہ خبریہ خبر صادق...... جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ: احوال متعلقہ بالجملتین اواکثر:

اسلوب ایجازِ قصر الالفاظ الدالۃ علی العموم۔

*فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی: احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:

"فَ" عاطفہ...... "صَلِّ" فعل مسند محکوم بہ...... مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل علیہ...... اس میں ضمیر مستتر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب...... مسند الیہ مذکور غرض ذکر مسند الیہ تعظیم وعدم وجود مایدل علیہ...... "لِرَبِّكَ" متعلق بہ "فَصَلِّ"...... فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ معطوفۃ علیہا...... "و" عاطفہ...... "انْحَرْ" فعل مسند محکوم بہ...... مسند مقدم غرضِ تقدیمِ مسند کون المسند عاملاً...... مسند مذکور غرضِ ذکر مسند تعیین کونہ فعلاً وعدم وجود مایدل

علیہ......اس میں ضمیر مستتر فاعل مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالضمیر غرضِ تعریف کون المقام للخطاب......مسند الیہ مذکور غرض ذکر مسند الیہ تعظیم وعدم وجود مایدل علیہ...... فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ انشائیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:

جملہ انشائیہ انشاءِ طلبی......امرِ حقیقی۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ:احوال متعلقہ بالجملتین اواکثر:

اسلوبِ وصل ......توسط بین الکمالین......اسلوب ایجازِ قصر الالفاظ الدالۃ علی العموم......خروج عن مقتضی الظاہر......التفات من التکلم الی الخاطب۔

* إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ:

(الف)۔۔۔مرحلہ اولی:احوال متعلقہ باجزاء الجملہ:

"إِنَّ" حرف ناسخ...... "شَانِئَكَ" مسند الیہ محکوم علیہ معرفہ معرفہ بالاضافت غرضِ تعریف ایجاز واختصار وتحقیر المضاف ......مسند الیہ مقدم غرضِ تقدیمِ مسند الیہ تخصیص......مسند الیہ مذکور غرضِ ذکرِ مسند الیہ عدم وجود مایدل علیہ وزیادۃ التقریر والایضاح...... "هُوَ" ضمیر فصل...... "الْأَبْتَرُ" مسند محکوم بہ معرفہ معرف باللام الف لام استغراقی......مسند مذکور غرضِ ذکرِ مسند زیادۃ التقریر والایضاح وعدم وجود مایدل علیہ......مسند مسند الیہ سے مل کر جملہ خبریہ اسمیہ۔

(ب)۔۔۔مرحلہ ثانیہ:احوالِ متعلقہ بالجملہ:

جملہ خبریہ خبر صادق......جملہ اسمیہ مفید ثبوتِ مسند للمسند الیہ...... خبر غرضِ خبر فائدۃ الخبر۔

(ج)۔۔۔مرحلہ ثالثہ:احوال متعلقہ بالجملتین اواکثر:

اسلوبِ فصل...... کمالِ انقطاع......اسلوب ایجازِ قصر الالفاظ الدالۃ علی العموم...... خروج عن مقتضی الظاہر......التفات من التکلم الی الخاطب۔

فن ثانی:

علم البیان

مبادیاتِ فن

بیان کا لغوی مفہوم:

"بیان" عربی زبان کا لفظ ہے، باب "ضَرَبَ" سے معتل العین ہے، جس کے معنی "ظاہر کرنا"، کھول کر بات کرنا اور کسی معاملے کی شرح و وضاحت اس انداز سے کرنا کہ مخاطب کو جزئیات کے ساتھ معاملے کی پوری طرح آگاہی حاصل ہو جائے۔ اس فصیح گفتگو کو بھی "بیان" کہتے ہیں جو مافی الضمیر کو ادا کرے۔

بیان کا اصطلاحی مفہوم:

علم بیان وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے ایک مفہوم کو متعدد طرق سے ادا کرنے کا ڈھنگ معلوم ہو، بایں طور کہ ان طرق میں میں بعض معنی مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض طرق کی بہ نسبت اجلی و اوضح ہوں، خواہ یہ متعدد طرق بطریق کنایہ ہوں یا بطریق مجاز یا بطریق تشبیہ یا بطریق کنایہ، یعنی علم بیان ایسے قاعدوں اور ضابطوں کے مجموعے کا نام ہے جس کو جان لینے کے بعد ہم ایک ہی بات یا مضمون کو مختلف طریقوں سے ادا کر سکیں۔ اور ان میں سے ہر طریقہ دوسرے سے زیادہ واضح اور موثر ہو، جیسے یوں کہا جائے۔ "زَیْدٌ مَّهْزُوْلُ الْفَصِیْلِ، جَبَانُ الْکَلْبِ، کَثِیْرُ الرَّمَادِ"، ان تراکیب میں زید کی سخاوت کو بطریق کنایہ ثابت کیا گیا ہے، کیونکہ بچھڑے کا دبلا ہونا یہ بتا رہا ہے کہ اس کو ماں کا دودھ نہیں ملتا، بلکہ سب مہمانوں کی ضیافت میں کام آجاتا ہے، اسی طرح کتے کے بزدل ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مہمانوں کی کثرت آمدورفت سے ایسا مانوس ہو گیا کہ کسی کو بھونکتا ہی نہیں، نیز راکھ کا بکثرت ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے یہاں لکڑیاں بکثرت جلتی ہیں جو مہمانوں کے لیے بکثرت کھانا پکنے کی طرف اشارہ ہے، ان تینوں طریقوں میں گو ایک ہی معنی کی تعبیر ہے، لیکن وضوح و خفاء میں تینوں مختلف ہیں، جن میں "کثرۃِ رماد" واضح تر ہے۔

معروف ادیب ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ (م ۲۵۵ھ) فرماتے ہیں۔

"جاننا چاہیے کہ معانی جو صدور عباد کیساتھ قائم، اذہان بنی آدم میں متصور، بشری نفوس کیساتھ پیوست، انسانی قلوب سے متصل اور ان کے افکار و انظار کی تگ و دو سے پیدا ہوتے ہیں، وہ بذات خود مستور و خفی، بعید و وحشی، محجوب و مکنون اور ایک اعتبار سے موجود تو دوسرے اعتبار سے معدوم ہوتے ہیں، جن میں حیات و زندگی اسی وقت آتی ہے جب ان کو ذکر و استعمال میں لایا جائے اور اعلام و اخبار سے روشناس کیا جائے۔ یہی ایک طریق ہے کہ جو معانی کو قریب از فہم کر کے خفی کو ظاہر، غائب کو شاہد، بعید کو قریب، مطلق کو مقید، مقید کو مطلق، مجہول کو معروف، وحشی

کو مألوف، غیر متمیز کو موسوم اور موسوم کو معلوم بنا دیتا ہے اور اسی طریق کے ظہور و خفاء کے بقدر معانی میں ظہور و خفاء آتا ہے، جس قدر دلالت اوضح ہو گی اسی قدر انفع ہو گی، پس اس معنی خفی پر دلالت ظاہرہ کا نام بیان ہے۔ اور ماہرین فن نے کہا ہے: "الْبَيَانُ بَصَرٌ وَّالْعَيُّ عَمًى، كَمَا أَنَّ الْعِلْمَ بَصَرٌ وَّالْجَهْلَ عَمًى.وَالْبَيَانُ مِن نّتَاجِ الْعِلْمِ، وَالْعَيُّ مِن نّتَاجِ الْجَهْلِ." کہ بیان بینائی ہے اور نطق و گویائی سے عاجز ہونا اندھاپن ہے، جیسے علم بصیرت ہے اور جہالت اندھاپن ہے اور بیان علم کا نتیجہ ہے اور نطق و گویائی سے عاجز ہونا جہل کا نتیجہ ہے۔ اور سہیل بن ہارون کا قول ہے۔"الْعَقْلُ رَائدُ الرُّوحِ، وَالْعِلمُ رائِدُ الْعَقلِ، وَالْبَيَانُ تَرْجَمَانُ العِلْمِ." عقل رائد روح ہے علم رائد عقل ہے اور بیان ترجمان علم ہے۔ ابن التوأم کا قول ہے۔"الرّوحُ عِمَادُ الْبَدَنِ، والْعِلمُ عِمَادُ الرّوحِ، والبيان عِمَادُ العلْمِ." روح بدن کے لیے، علم روح کے لیے اور بیان علم کے لیے ستون ہے۔[1]"

علم بیان کا موضوع:

وضوح و خفاء دلالت کے اعتبار سے الفاظ و عبارات اس علم کا موضوع ہیں۔

مدون علم بیان:

اس فن میں سب سے پہلی شیخ سیبویہ اور موجد عروض خلیل بن احمد کے شاگرد رشید ابو عبیدہ معمر بن مثنی (م۲۰۹ھ) نے ایک کتاب "مجاز القرآن" کے نام سے لکھی، جس میں انوع و اسالیب قرآن کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد ابو علی محمد بن حسن حاتمی (م۳۸۸ھ) نے "سر الصناعۃ واسرار البلاغۃ" کے نام سے کتاب لکھی۔ ان کے بعد ابو الحسن محمد بن طاہر شریف رضی موسوی (م٤٠٦ھ) نے دو کتابیں لکھیں، ایک "البیان عن مجازات القرآن" اور دوسری "مجازات النبویہ" جس میں قرآن و حدیث کے استعارات سے گفتگو کی گئی ہے۔ ان کے بعد ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی (م٤٢٩ھ) نے "سحر البلاغۃ وسر البراعۃ" نامی ایک کتاب لکھی۔ ان کے بعد شیخ عبد القاہر بن عبد الرحمن جرجانی (م٤٧٤ھ) نے "اسرار البلاغۃ" کے نام سے ایک مایہ ناز کتاب لکھی، جس میں اس فن کے تمام مباحث کو جمع کیا گیا۔ ان کے بعد علامہ جار اللہ زمخشری (م٥٣٨ھ) نے "اساس البلاغہ" کے نام سے ایک فقید المثال اور عدم النظیر کتاب لکھی، جو اس فن کے لطائف و دقائق سے پُر ہے[2]۔

---

[1] (البیان والتبیین: ۱/ ۸۱-۸۳)

[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون۔

بابِ اول: تشبیہ

یہ باب درج ذیل اکیس فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: تشبیہ کا مفہوم

تشبیہ کا لغوی مفہوم:

تشبیہ کا لفظ "شِبْہٌ" سے ماخوذ ہے، جس کے معانی "تَمْثِیْلٌ" مماثل ہونا کے ہیں، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ هٰذَا شِبْهُ هٰذَا: وَمَثِيْلُهُ.[1]

تشبیہ کا اصطلاحی مفہوم:

إِلْحَاقُ أَمْرٍ بِأَمْرٍ آخَرَ فِيْ وَصْفٍ بِأَدَاةٍ لِّغَرَضٍ.

ایک شئ کو دوسرے شئ کیساتھ وصف مشترکہ میں ادات تشبیہ سے کسی غرض کے لیے لاحق کرنا۔ یعنی کسی ایک چیز کو کسی خاص صفت کے اعتبار سے یا مشترک خصوصیت کی بنا پر دوسری کی مانند قرار دے دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ تو شئ اول ملحق کو مشبہ، شئ ثانی ملحق بہ کو مشبہ بہ، وصف مشترکہ کو وجہ شبہ اور آلہ تشبیہ کو ادات تشبیہ کہتے ہیں، جیسے "اَلْعِلْمُ كَالنُّوْرِ فِي الْهِدَايَةِ". مذکورہ مثال میں شئ اول ملحق "اَلعِلْمُ" کو مشبہ، شئ ثانی ملحق بہ "اَلنُّوْرِ" کو مشبہ بہ، وصف مشترکہ "اَلْهِدَايَةِ" کو وجہ شبہ اور "ك" کو ادات تشبیہ کہتے ہیں۔

---

[1] تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔تشبیہ لغوی ۲۔تشبیہ اصطلاحی۔

۱۔ تشبیہ لغوی: وہ تشبیہ ہے، جس میں ایک شئ کو دوسرے شئ کے مماثل قرار دیا جائے، اس کو مطلق تشبیہ اور تشبیہ عام بھی کہتے ہیں، تشبیہ لغوی استعارہ، جیسے "رَأَيْتُ أَسَدًا يَّتَكَلَّمُ" اور تجرید (جس میں تشبیہ ضمنی ہو)، جیسے "لَقِيْتُ مِنْ زَيْدٍ أَسَدًا" وغیرہ کو شامل ہے۔

تشبیہ اصطلاحی: وہ تشبیہ ہے جس میں کسی ایک چیز کو کسی خاص صفت کی بناء پر دوسری کی مانند قرار دی جائے، بشرطیکہ یہ دلالت اور مماثلت بطریق استعارہ تحقیقیہ، جیسے "رَأَيْتُ أَسَدًا عَلَى الْمِنْبَرِ" اور بطریق استعارہ بالکنایہ، جیسے "أَنْشَبَتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا" اور بطریق تجرید، جیسے "لَقِيْتُ بِزَيْدٍ أَسَدًا" نہ ہو، کیونکہ ان تینوں طریقوں میں مشارکۃ امر لامر آخر فی معنی اگرچہ موجود ہے، لیکن بطریق تشبیہ اصطلاحی نہیں۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ تجرید کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ ایک شئ سے دوسری شئ (جو اس کیساتھ صفات میں برابر و مساوی ہو) کو منتزع کیا جائے۔ اس قسم میں مجرد مجرد عنہ کا عین ہوتا ہے اور اس میں مشارکۃ امر لامر نہیں ہوتی، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَلَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ" اس آیت میں جہنم سے دارالخلد کا انتزاع کیا گیا ہے، جو بعنیہ "دَارُ الْخُلْدِ" ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ مبالغہ فی التشبیہ کے پیش نظر مشبہ سے مشبہ بہ کا انتزاع کیا جائے، جیسے "لَقِيْتُ بِزَيْدٍ أَسَدًا"۔ اس قسم میں تشبیہ کا معنی ملحوظ ہوتا ہے، تاہم اس کو اصطلاحاً تشبیہ نہیں کہا جاتا ہے۔ (ملخصا نیل الامانی: ۲/۱۵۱)۔

علامہ ابن ابی الاصبعؒ نے تشبیہ کی تعریف یوں کی ہے کہ تشبیہ اس بات کا نام ہے کہ نہایت مخفی امر کو کسی واضح ترامر کیساتھ روشنی میں لایا جائے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کسی صاحب وصف کیساتھ اس کے وصف میں ایک شئ کو لاحق کرنا تشبیہ کہلاتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ مشبہ بہ کے احکام میں سے کوئی مشبہ کے لیے ثابت کرنا تشبیہ کہلاتا ہے، جس کی غرض یہ ہے کہ اس شئ کو خفی سے جلی کی طرف لاکر نفس کو اس کیساتھ مانوس کر دیا جائے اور بعید کو قریب لایا جائے تاکہ وہ بیان کا فائدہ دے سکے، نیز اختصار کیساتھ معنی مقصود کے کشف کو بھی تشبیہ کی تعریف قرار دیا گیا ہے۔

فصل دوم: ارکانِ تشبیہ کا بیان

تشبیہ کے مندرجہ ذیل چار ارکان ہیں:۔

ا۔مشبّہ ۲۔ مشبہ بہ ۳۔ وجہ شبہ ۴۔ ادات تشبیہ

ا۔۔۔مشبہ کی تعریف:

هُوَ الْأَمْرُ الَّذِيْ يُرَادُ إِلْحَاقُهُ بِغَيْرِهِ. مشبہ وہ چیز ہے جس کو دوسری چیز کیساتھ ملحق کیا جائے، یعنی وہ شئ ہے، جس کو دوسری شئ کیساتھ تشبیہ دی جائے، جیسے مذکورہ مثال میں "العِلْمُ" مشبہ ہے۔

۲۔۔۔ مشبّہ بہ کی تعریف:

هُوَ الْأَمْرُ الَّذِيْ يَلْحَقُ بِهِ الْمُشَبَّهُ. مشبہ بہ وہ چیز ہے، جس کیساتھ دوسری چیز کو ملحق کیا جائے، یعنی وہ شئ ہے، جس کیساتھ کسی دوسری شئ کو تشبیہ دی جائے، یا مشبہ کو جس چیز سے تشبیہ دی جائے، جیسے مذکورہ مثال میں "النُّوْر" مشبہ بہ ہے۔

۳۔۔۔ وجہِ شبہ کی تعریف:

هُوَ الْوَصْفُ الْمُشْتَرَكُ بَيْنَ الطَّرَفَيْنِ. وہ وصف مشترکہ ہے، جس کی بنا پر مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہ دی جا رہی ہو۔ جیسے مذکورہ مثال میں "الهِدَايَة" وجہ شبہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے علم کو نور کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۔۔۔ادات تشبیہ کی تعریف:

هِيَ اللَّفْظُ الَّذِيْ يَدُلُّ عَلىٰ التَّشْبِيْهِ، وَيَرْبِطُ الْمُشَبَّهَ بِالْمُشَبَّهِ بِهِ. وہ لفظ ہے، جو تشبیہ پر دلالت ہو اور مشبہ کو مشبہ کیساتھ مربوط کر دے، یعنی وہ لفظ ہے، جو ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہو، جیسے

"مِثْلٌ، مُمَاثِلٌ، شِبْهٌ، شَبِيْهٌ، يُمَاثِلُ، يُشَابِهُ، كَ، كَأَنَّ" وغیرہ۔ اور اُردو میں اس لیے مانند، طرح، جیسا کہ مثل، ہو بہو، صورت، گویا، جوں، سا، سی، سے، جیسا، جیسے، جیسی، بعینہ، مثال وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: علم بیان کی اصطلاح میں جب کسی ایک شئ کی کسی اچھی یا بری خصوصیت کو کسی دوسری شئ کی اچھی یا بری خصوصیت کے معنی قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔[۱]

قاعدہ نمبر ۳: وجہ شَبہ مشبہ بہ میں مشبہ کی بنسبت اقوی اور اشہر ہونا ضروری ہے، ورنہ تشبیہ کا فائدہ حاصل نہ ہو گا، خواہ یہ زیادتی ازروئے حقیقت کے ہو یا ازروئے ادعاء کے ہو، اگر وجہ شبہ طرفین میں برابر ہو تو تشبیہ صحیح نہیں ہو گی، کیونکہ تشبیہ میں ایک زیادتی اور ایک کے نقصان کا قصد ہوتا ہے اور جہاں دونوں کے مساوات کا قصد ہو تو اسے تشابہ کہتے ہیں۔۔[۲]

قاعدہ نمبر ۴: تشبیہ میں عکس صحیح نہیں ہوتا، البتہ تشابہ میں عکس صحیح ہوتا ہے، یعنی مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: تشبیہ میں طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) تشبیہ کا ہونا ضروری ہے، تاہم کبھی مشبہ کسی قرینہ کی بنیاد پر محذوف ہوتا ہے، لیکن اسے عبارت میں مقدر مانا جاتا ہے، جیسے کوئی پوچھے "كَيْفَ عُمَرُ؟" تو جواب میں کہا جائے گا- "كَاللَّيْثِ فِي الشُّجَاعَةِ" یہاں "هُوَ" محذوف ہے، جس پر قرینہ حالیہ دال ہے۔[۳]

قاعدہ نمبر ۶: کبھی وجہ شبہ کو حذف کیا جاتا ہے اور کبھی ادات تشبیہ کو حذف کیا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۷: تشبیہ میں وجہ شبہ عارض اور طرفین معروض ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۸: وہ مقصد یا غرض جس کے لیے تشبیہ دی جائے، غرض تشبیہ کہلاتا ہے، اس کا اکثر تشبیہ میں ذکر نہیں ہوتا، صرف قرائن سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: ہر وہ لفظ جو مشابہت پر دال ہو، ادات تشبیہ کہلاتا ہے، خواہ اسم ہو، جیسے "شِبْهٌ، شَبِيْهٌ، مِثْلٌ، مُمَاثِلٌ، مَثِيْلٌ، نَحْوُ، نَظِيْرٌ" اور اس کے مترادفات، یا فعل ہو، جیسے "يُشْبِهُ، يُمَاثِلُ، يُشَابِهُ، يُضَارِعُ، يُضَاهِيْ، يُنَاظِرُ، يُسَاوِيْ" اور ان کے مترادفات، یا حرف ہو، جیسے "كَ"، "كَأَنَّ" وغیرہ۔[۱]

---

[۱] البلاغۃ الواضحہ: ۱۹۔

[۲] البلاغۃ الواضحہ: ۱۹، الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ: ۷۸۔

[۳] البلاغۃ الواضحہ: ۱۹۔

قاعدہ نمبر۱۰: حرف تشبیہ "ك"، مثل، شَبہ اوروہ اسماء جومابعد کی طرف مضاف ہوں ان کے بعدمشبہ بہ لفظایاتقدیراًمذکورہوتی ہے، جیسے " {وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ}۔(الواقعہ:۲۲-۲۳)، {وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ" (الرحمن:۲۴) وغیرہ۔[۲]

قاعدہ نمبر۱۱: "كَأَنَّ، شَابَهَ، مَاثَلَ" اوران کے مترافات کے بعدمشبہ مذکورہوتی ہے، جیسے "{وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ}"- (سورة الطور:٢٤) "{كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ}" (سورة المدثر :٥٠)-وغیرہ۔[۳]

قاعدہ نمبر۱۲: جب "كَأَنَّ" کاخبر جامد ہوتو یہ مفیدِ تشبیہ ہو گا، جیسے "كَأَنَّ الْبَحْرَ مِرْآةٌ صَافِيَةٌ".اور اگر مشتق (خواہ فعل ماضی ہو، یامضارع ہو، یااسم فاعل ہو، یااسم مفعول ہو) ہوتو اکثر مفید شک ہو گا، جیسے "كَأَنَّكَ فَاهِمٌ"۔ [٤]

قاعدہ نمبر۱۳: شک سے ظن مراد ہے۔[۵]

قاعدہ نمبر۱۴: کبھی ادات تشبیہ کے کی جگہ ایسا فعل (جیسے "عَلِمَ، حَسِبَ، ظَنَّ" وغیرہ) مذکور ہوتا ہے، جس سے تشبیہ کامفہوم مستفاد ہوتا ہے، تاہم انہیں ادات متصور نہیں کیاجائے گا، بلکہ کو محذوف ماناپڑے گا۔

قاعدہ نمبر۱۵: کبھی اداتِ تشبیہ کی جگہ ایسا فعل لایاجاتا ہے، جو تشبیہ کامفہوم اداکرتا ہے، جیسے "إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا" (سورة الدهر:١٩) [٦]-

قاعدہ نمبر۱۶: حرف تشبیہ "كَأَنَّ" کیساتھ تشبیہ دینابنسبت "كَ" کے زیادہ بلیغ ہوتی ہے، اس لیے کہ "كَأَنَّ" دو حرفوں سے مرکب ہے۔[۷]

قاعدہ نمبر۱۷: کبھی ادوات تشبیہ مذکور ہوتے ہیں، جیسے "جَمَالُهُ كَالْبَدْرِ، وَأَخْلَاقُهُ فِي الرِقَّةِ كَالنَّسِيْمِ" اور کبھی ملحوظ ہوتے ہیں، جیسے " اِنْدَفَعَ الْجَيْشُ انْدِفَاعَ السَّيْلِ، أَيْ كَانْدِفَاعِهِ". [۸]

---

[۱] ہامش البلاغۃ الواضحہ:۱۹، الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۰، علم البیان:۷۷، ہامش دروس البلاغۃ للعثیمین:۱۰۶، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۳۲۔

[۲] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۱، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۳۲۔

[۳] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۱، علم البیان:۷۸، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۳۲۔

[۴] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۱، البلاغۃ العربیہ:۲/ ۱۶۲، علم البیان:۷۹، دروس البلاغۃ:۱۰۶، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۳۲۔

[۵] ہامش دروس البلاغۃ للعثیمین:۱۰۷۔

[۶] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۱، علم البیان:۷۹، دروس البلاغۃ:۱۰۶۔

[۷] البلاغۃ العربیہ:۲/ ۱۶۲، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۳۲۔

[۸] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۱۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مشبہ اور مشبہ بہ کی تعیین کیجئے۔

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ، مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ، وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ، فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ، كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ، وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ، أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ، زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّمَاحَةِ، أَنْتَ كَالشَّمْسِ فِي الضِّيَاءِ، كَأَنَّ عُمَرَ فِي رَعِيَّتِهِ كَالْمِيزَانِ فِي الْعَدْلِ، أَنْتَ كَالْوَرْدَةِ لَمْسًا وَشَذًّا، إِنَّمَا النَّاسُ كَالسَّوَائِمِ فِي الرِّزْقِ، أَنْتَ مِثْلُ الْغُصْنِ لِيْناً، أَنْتَ كَاللَّيْثِ فِي الشُّجَاعَةِ وَالإِقْدَامِ، النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمِشْطِ فِي الْاسْتِوَاءِ، لَكَ شَعرٌ مِثْلُ حَظِّيْ فِي سَوَادٍ، أَنْتَ عِنْدِيْ كَلَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْقَدْرِ، الْعِشْقُ كَالْمَوْتِ يَأْتِيْ لَا مَرَدَّ لَهُ، وَكُنْ كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ كُلَّ يَوْمٍ، وَلَاتَكُ فِي التَّغِيْبِ كَالْهِلَالِ، كَأَنَّ عُمَرَ فِيْ رَعِيَّتِهِ كَالْوَالِدِ فِي الرَّحْمَةِ وَالْعَطْفِ، أَنْتَ كَالسَّيْفِ فِي قِرَاعِ الْخُطُوب، كَلَامُ فُلَانٍ كَالشَّهْدِ فِي الْحَلَاوَةِ، اَلْحَلِيْمُ كَالْجَبَلِ فِيْ سُكُوْنِهِ، كَأَنَّكَ سَحْبَانُ فَصَاحَةٍ۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍ ...زَيْدٌ كَالْبَحْرِ فِي السَّمَاحَةِ.

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "زَيْدٌ" مشبہ کو امر ثانی "البَحْرِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ "السَّمَاحَةِ" میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔

✍ ...النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمِشْطِ فِي الْاِسْتِوَاءِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "النَّاسُ" مشبہ کو امر ثانی "أَسْنَانِ الْمِشْطِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ "الْاِسْتِوَاءِ" میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔

فصل سوم: اقسام تشبیہ کا بیان

تشبیہ کی متعدد اقسام وانواع ہیں، چند درج ذیل ہیں۔
پہلی تقسیم: طرفینِ تشبیہ کے محسوس اور معقول ہونے کے اعتبار سے
طرفینِ تشبیہ کے محسوس اور معقول ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں:۔
۱۔ تشبیہ المحسوس بالمحسوس ۲۔ تشبیہ المعقول بالمعقول ۳۔ تشبیہ المحسوس بالمعقول ۴۔ تشبیہ المعقول بالمحسوس

۱۔۔۔ تشبیہ المحسوس بالمحسوس کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) حسی ہوں، جیسے "(وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ" وغیرہ۔ اس آیت میں مشبہ "مَوْجٍ" اور مشبہ بہ "جِبَالِ" ہے اور یہ دونوں محسوس ہیں۔

۲۔۔۔ تشبیہ المعقول بالمعقول کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) عقلی ہوں، جیسے "إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ" وغیرہ۔ اس آیت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وحی کی تشبیہ حضرت نوح علیہ السلام کی وحی کیساتھ دی گئی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ وحی ایک امر معقول ہے۔

۳۔۔۔ تشبیہ المحسوس بالمعقول کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو، جیسے "طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ." اس آیت میں مشبہ "طَلْعُ" محسوس اور مشبہ بہ "رُءُوْسُ الشَّيَاطِيْنَ" معقول ہے[1]۔

۴۔۔۔ تشبیہ المعقول بالمحسوس کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو، جیسے "العِلْمُ كَالنُّوْرِ" اس میں مشبہ "العِلْمُ" عقلی اور مشبہ بہ "النُّوْرِ" حسی ہے۔

وجہ حصر: مشبہ اور مشبہ دونوں حسی ہوں گے، یا دونوں عقلی ہوں گے، یا مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو گا، یا اس کے برعکس ہو گا، اگر دونوں حسی ہوں تو تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اگر دونوں عقلی ہوں تو تشبیہ المعقول بالمعقول، اگر مشبہ حسی

---

[1] عروس الافراح: ۲/۱۵۸۔

اور مشبہ بہ عقلی ہوں تو تشبیہ المحسوس بالمعقول اور اگر اس کے بر عکس ہوں تو تشبیہ المعقول بالمحسوس۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: ہر وہ شئ جو حواس ظاہرہ خمسہ (باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ، ذائقہ) سے مدرک ہو تو وہ حسی کہلاتا ہے اور جو مدرک بالعقل ہو تو وہ عقلی کہلاتا ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس کی پانچ صورتیں ہیں، مبصرات کی مثال، جیسے "خَدُّهُ كَالْوَرْدِ" رخسار مشبہ اور گلاب مشبہ بہ دونوں از قبیل مبصرات ہیں۔ مسموعات کی مثال، جیسے "الصَّوْتُ الضَّعِيْفُ كَالْهَمْسِ "صوت مشبہ اور ہمس مشبہ بہ دونوں از قبیل مسموعات ہیں۔ مشمومات کی مثال، جیسے "نَكْهَةُ زَيْدٍ كَالْعَنْبَرِ" "نَكْهَةُ" مشبہ اور عنبر مشبہ بہ دونوں از قبیل مشمومات ہیں۔ مذوقات کی مثال، جیسے "رِيْقُ زَيْدٍ كَالْخَمْرِ" لعاب زید مشبہ اور شراب مشبہ بہ دونوں از قبیل مذوقات ہیں۔ ملموسات کی مثال، جیسے "جِلْدُ زَيْدٍ كَالْحَرِيْرِ" مشبہ "جِلْدُ زَيْدٍ" اور مشبہ بہ "حَرِيْرِ" دونوں از قبیل ملموسات کے ہیں۔ [۱]

قاعدہ نمبر ۲: ہر وہ تشبیہ جس کو قوتِ خیالیہ نے ایسے امور سے منتزع کیا ہو، جو مدرک بالحواس ہوں، تو تشبیہ خیالی کہلاتا ہے، جیسے شعر ہے۔

وَكأنّ مُحْمَرَّ الشَّقِيقِ إذا تَصَوَّبَ أَوْ تَصَعَّدْ   أَعْلاَمُ يَاقُوتٍ نُشِرْنَ عَلَى رِمَاحٍ مِنْ زَبَرْجَدْ

ترجمہ: گلِ لالہ بادِ نسیم کے جھونکوں سے جب کبھی نیچے کی طرف جھکتا ہے اور کبھی اوپر کی طرف اٹھاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یاقوتی جھنڈیاں زبرجدی نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔

مذکورہ شعر میں "شَقِيْقِ" گل لالہ مشبہ ہے اور مشبہ بہ ان یاقوتی سبز جھنڈیوں کی ہیئت ہے، جو زبرجدی سبز نیزوں پر لہرا رہی ہوں، مشبہ بہ خود مدرک بالحواس نہیں، کیونکہ اس ہیئت کا خارج میں کوئی وجود نہیں، البتہ اس کا مادہ جھنڈیاں، یاقوت اور زبرجد مدرک بالحواس ہیں۔ [۲]

قاعدہ نمبر ۳: ہر وہ تشبیہ جو خود مدرک بالحواس نہ ہو، لیکن اس کا مادہ مدرک بالحواس ہو تو وہ تشبیہ خیالی کہلاتی ہے۔ [۳]

قاعدہ نمبر ۴: تشبیہ خیالی حسی کہلاتی ہے۔ [۴]

قاعدہ نمبر ۵: ہر وہ تشبیہ جو حواس ظاہرہ سے مدرک نہ ہو تو وہ عقلی کہلاتا ہے۔ [۱]

---

[۱] مختصر المعانی: ۳۱۲-۳۱۳، ہامش جواہر البلاغۃ: ۲۲۱۔

[۲] مختصر المعانی: ۳۱۵، ہامش جواہر البلاغۃ: ۲۲۱۔

[۳] ہامش جواہر البلاغۃ: ۲۲۱، علم البیان: ۶۸۔

[۴] ہامش جواہر البلاغۃ: ۲۲۱۔

قاعدہ نمبر ۶: ہر وہ تشبیہ جو نہ خود مدرک بالحواس ہو اور نہ اس کا مادہ مدرک بالحواس ہو تو وہ تشبیہ عقلی کہلاتی ہے، جیسے امرء القیس کا شعر ہے۔

أَيَقْتُلُنِيْ وَالْمَشْرَفِيُّ مُضَاجِعِيْ وَمَسْنُوْنَةٌ زُرْقٌ كَأَنْيَابِ أَغْوَالِ

ترجمہ: کیا وہ مجھے قتل کرے گا، حالانکہ مشرقی تلواریں اور چڑیلوں کے داڑھوں کی طرح تیز نوکدار نیزے ہمیشہ میرے ساتھ ہوتے ہیں۔

اس میں شعر میں شاعر نے تیز نوکدار نیزوں کی تشبیہ چڑیلوں کے داڑھوں سے دی ہے، جب کہ خارج میں چڑیل کا کائی وجود نہیں، لیکن اگر یہ پایا جائے تو اس کا احساس حواس ظاہرہ خمسہ میں سے آنکھوں سے ہو گا۔[۲]

قاعدہ نمبر ۷: ہر وہ تشبیہ جو نہ خود مدرک بالحواس ہو اور نہ ہی اس کا مادہ مدرک بالحواس ہو، لیکن اگر وہ موجود ہوا تو وہ مدرک بالعقل ہو تو وہ تشبیہ وہمی کہلاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"(طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوْسُ الشَّيَاطِيْنَ)"۔[۳]

قاعدہ نمبر ۸: تشبیہ وہمی تشبیہ عقلی کہلاتی ہے۔[۴]

قاعدہ نمبر ۹: ہر وہ چیز جو مدرک بالوہم ہو یا مدرک بالوجدان (جیسے بھوک، پیاس، غمی، خوشی وغیرہ) ہو تو وہ عقلی کہلاتا ہے۔[۵]

قاعدہ نمبر ۱۰: عقلی اور وہمی میں فرق یہ ہے کہ عقلی وہ چیز ہے، جس کا نہ باعتبار صورت وجود ہو اور نہ ہی باعتبار مادہ کے۔ اگر کوئی اس کا ادراک کرنا چاہے تو ادراک نہ کر سکے، جیسے "علم اور حیات" وغیرہ۔ اور وہمی وہ چیز ہے، جس کا نہ باعتبار صورت کے وجود ہو اور نہ ہی باعتبار مادہ کے وجود ہو، لیکن اگر کوئی اس کا ادراک کرنا چاہے تو کر سکے، جیسے "أَنْيَابُ غَوْلٍ" دندانِ غول۔ اب خارج میں نہ اس کی کوئی صورت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مادہ موجود ہے، لیکن اگر کوئی اس کا ادراک کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، مثلاً یوں کہے کہ انیاب اغوال ان چڑیلوں کے داڑھوں کو کہتے ہیں، جو انسانوں کو کھاتے ہیں[۶]۔

---

[۱] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۲۱۔

[۲] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۲۱۔

[۳] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۲۱، علم البیان:۶۹۔

[۴] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۲۱، علم البیان:۶۹۔

[۵] جواہر البلاغۃ:۲۲۲، علم البیان:۷۰۔

[۶] ملخصا مختصر المعانی:۲۱۵-۲۱۶۔

قاعدہ نمبر ۱۱: تشبیہ خیالی کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ لیکن صورت اور ہیئت موجود نہیں ہوتی، جب کہ تشبیہ وہمی میں مادہ اور صورت دونوں موجود نہیں ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۲: مدرکات ذہنیہ (جیسے علم، ذکاوت، شجاعت، اخلاق وغیرہ) از قبیل عقلی کہلاتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳: تشبیہ عقلی میں ادراک ظاہری حواس کے بجائے وجدان اور تخیل پر مبنی ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴: تشبیہ المعقول بالمحسوس اصل اور تشبیہ المحسوس بالمعقول فرع ہوتی ہے، کیونکہ محسوس اصل اور معقول فرع ہوتا ہے اور تشبیہ میں وجہ شبہ مشبہ بہ میں مشبہ کے بنسبت اقوی اور اشہر ہوتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۱۵: تشبیہ المحسوس بالمعقول علی سبیل المبالغہ ہوتی ہے، کیونکہ اس میں معقول کے محسوس ہونے کا ادعاء ہوتا ہے، گویا یہ تشبیہ المحسوس بالمحسوس ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۱۶: تشبیہ المحسوس بالمحسوس کو تشبیہ حسی بہ حسی، تشبیہ المعقول بالمعقول کو تشبیہ عقلی بہ عقلی، تشبیہ المعقول بالمحسوس کو تشبیہ عقلی بہ حسی اور تشبیہ المحسوس بالمعقول کو تشبیہ حسی بہ عقلی بھی کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۱: تشبیہ المحسوس بالمعقول جائز ہے یا نہیں؟ علامہ زنجانی نے "مِعْيَارُ النَّظَرِ" میں اور امام رازیؒ نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ اس میں اقوی کو اضعف کیساتھ تشبیہ دینا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے، علامہ تنوخی نے "الْأَقْصَى الْقَرِيْبُ" میں ان دونوں کا انکار کیا ہے کہ نہ محسوس کو معقول کیساتھ تشبیہ دینا جائز ہے اور نہ ہی معقول کو محسوس کیساتھ تشبیہ دینا جائز ہے، تاہم جمہور نے تشبیہ محسوس بالمعقول کو جائز قرار دیا ہے[۳]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق بلاغی کریں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ، وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ، كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ، وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ، قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ، فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ، وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ، وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا، خَدُّهُ كَالْوَرْدِ، الضَّلَالُ عَنِ الْحَقِّ كَالْعَمٰى، وَجْهُ هِنْدٍ كَالْبَدْرِ، وَشَعْرُهَا كَاللَّيْلِ، عَرْفُ هِنْدٍ كَأَرِيْجِ

---

(۱) مختصر المعانی: ۳۱۴۔

(۲) مختصر المعانی: ۳۱۴۔

(۳) ملخصا نیل الامانی: ۲/ ۵۷۔

الْمِسْكِ، العَطْرُ كَالْخُلُقِ الْكَرِيمِ، أَسْمَعُ صَوْتًا كَتَغْرِيْدِ الْحَمَامِ، وَدُوِيًّا كِدُوِيِّ الرَّعْدِ، الْجَهْلُ كَالْمَوْتِ، لُعَابُهُ كَالْعَسَلِ، وَشَرَابُهُ كَالْحَنْظَلِ، الوَرَقُ كَالْحَرِيْرَةِ فِي النُّعُوْمَةِ، الْمَنِيَّةُ كَالسَّبُعِ، الْمِسْكُ كَالْكَافُوْرِ، رَأْيُهُ كَفَلْقِ الصُّبْحِ، جِلْدُهُ كَالْحَرِيْرِ، الْعِلْمُ كَالْغَيْثِ، مُحَمَّدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ، الْبِنْتُ كَالْقَمَرِ فِي الْجَمَالِ، الْعِلْمُ كَالنُّوْرِ يَهْدِيْ كُلَّ مَنْ طَلَبَهُ، الْجَهْلُ مَوْتٌ، الْعِلْمُ حَيَاةٌ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ:

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "كَلِمَةً طَيِّبَةً" مشبہ کو امرِ ثانی "شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں۔

✍...وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُواْ كَمَا آمَنَ النَّاسُ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول " آمِنُواْ " مشبہ کو امر ثانی " آمَنَ الناسُ " مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ " كَ " حرفِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المعقول بالمعقول، اس لیے کہ طرفین عقلی ہیں۔

✍...مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ" (یعنی انفاقِ خالص) مشبہ کو امرِ ثانی " حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ " مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ " ك " حرفِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المعقول بالمحسوس، اس لیے کہ مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہے۔

فصل چہارم: طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کی افراد وترکیب کے اعتبار سے تقسیم

طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کی افراد وترکیب کے اعتبار سے کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ المفرد بالمفرد ۲۔ تشبیہ المرکب بالمرکب ۳۔ تشبیہ المفرد بالمرکب ۴۔ تشبیہ المرکب بالمفرد

۱۔۔۔ تشبیہ المفرد بالمفرد کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) مفرد ہوں، جیسے "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ" اس آیت میں "صَلْصَالٍ" مشبہ اور "الْفَخَّارِ" مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں مفرد ہیں۔

۲۔۔۔ تشبیہ المرکب بالمرکب کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں طرفین مرکب ہوں، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ امور متعددہ سے منتزع ہوں، جیسے "مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُواْ من دُونِ اللهِ أُوْلِيَاءَ كَمَثَلِ العَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً"۔ وغیرہ۔ اس آیت میں طرفین مشبہ "(الَّذِينَ اتَّخَذُواْ من دُون الله أُوْلِيَاءَ)" اور مشبہ بہ "(العَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً)" مرکب ہیں۔[۱]

۳۔۔۔ تشبیہ المفرد بالمرکب کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہو، جیسے "اللهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" وغیرہ۔ اس آیت میں "نُورِهِ" مشبہ اور "مِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" مشبہ بہ ہے، مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہے۔[۲]

---

[۱] عام کتب بلاغت میں تشبیہ المرکب بالمرکب کی وضاحت کے لیے درج ذیل شعر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُؤُوْسِنَا　　وَأَسْيَافَنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهْ

مذکورہ شعر میں شاعر نے گرد وغبار کی اس ہیئت کو جس میں تلواریں اِدھر اُدھر ہل رہی ہوں مشبہ بنایا ہے اور رات کی اس ہیئت کو جس میں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں مشبہ بہ قرار دیا ہے، یعنی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایسے ہیئت منتزعہ ہے، جو امور متعددہ سے مرکب ہے۔

[۲] متداول کتب بلاغت میں تشبیہ المفرد بالمرکب کی وضاحت کے لیے درج ذیل شعر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

وَكَأَنَّ مُحْمَرَّ الشَّقِيقِ إِذَا تَصَوَّبَ أَوْ تَصَعَّدْ　　أَعْلَامُ يَاقُوتٍ نُشِرْنَ عَلَى رِمَاحٍ مِنْ زَبَرْجَدْ

ترجمہ: گلِ لالہ بادِ نسیم کے جھونکوں سے جب کبھی نیچے کی طرف جھکتا ہے یا اوپر کی طرف اٹھاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یاقوتی جھنڈیاں زبرجدی نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔ مذکورہ شعر میں "شَقِيْقِ" گل لالہ مشبہ ہے اور مشبہ بہ ان یاقوتی سبز جھنڈیوں کی ہیئت ہے، جو زبرجدی سبز نیزوں پر لہرا رہی ہوں اور یہ مرکب ہے۔

۴۔۔۔تشبیہ المرکب بالمفرد کی تعریف[1]:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد ہو، جیسے متنبی کا شعر ہے۔

يَا صَاحِبَيَّ تَقَصَّيَا نَظَرَيْكُمَا تَرَيَا وُجُوهَ الأَرْضِ كَيْفَ تَصَوَّرُ

تَرَيَا نَهَارا مُشْرِقاً قد شَابَهُ زَهَرُ الرُّبَا فكأَنَّمَا هُوَ مُقْمِرُ

ترجمہ: اے میرے دونوں ساتھیو! اپنی نظروں کو گہرا کرو تم دیکھو گے زمین کی سطح کو کہ وہ کیسی خوبصورت بن گئی ہے، تم دھوپ والا دن دیکھو گے جس میں بلند مقام کے شگوفے ملے ہوئے ہیں گویا کہ وہ چاندنی رات ہے۔

اس شعر میں "نہار مشمس" مشبہ مرکب ہے اور "مقمر" مشبہ بہ مفرد ہے۔

وجہ حصر: مشبہ، مشبہ بہ ددنوں مفرد ہوں گے یا دونوں مرکب ہوں گے یا مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہو گا، یا اس کے برعکس ہو گا، اگر دونوں مفرد ہوں تو تشبیہ المفرد بالمفرد، اگر دونوں مرکب ہوں تو تشبیہ المرکب بالمرکب، اگر مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہو تو تشبیہ المفرد بالمرکب اور اگر اس کے برعکس ہو تو تشبیہ المرکب بالمفرد۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: تشبیہ المفرد بالمفرد کو تشبیہ بسیط اور تشبیہ المرکب بالمرکب کو تشبیہ تمثیل بھی کہتے ہیں۔[2]

---

[1] وما هذا حاله فهو على الندور والقلة، وإنما كان الأمر فيه كما قلناه من القلة، لأنه لا مبالغة فى تشبيه الأشياء المتعددة بشىء واحد، فلا جرم كان قليل الاستعمال، ثم هو فى قلة جريه على وجهين، الوجه الأول تشبيه شيئين مشتركين فى أمر معنوى بشىء واحد، ومثاله ما قاله أبو تمام فى وصف الربيع:

يا صاحبى تقصيا نظريكما ... تريا وجوه الأرض كيف تصور

تريا نهارا مشمسا قد شابه ... زهر الربا فكأنما هو مقمر

فشبه النهار المشمس مع الزهر الأبيض وقد اشتركا فى البياض والحسن، بضوء القمر، وهو تشبيه بالغ يقضى منه العجب، ويماثل فى نظمه وصفائه إكسير الذهب.

الوجه الثانى تشبيه شيئين ليس بينهما جامع ولا رابطة تشملهما وهذا كقول أبى الطيب المتنبى:

تشرق أعراضهم وأوجههم ... كأنها فى نفوسهم شيم

فشبه إشراق الأعراض والوجوه بإشراق الشيم، وهى الخلائق الطيبة، فإشراق الوجوه ببياضها، وإشراق الأعراض بشرفها وطيبها، وليس بينهما جامع كما ترى. (الطراز لأسرار البلاغة:١/١٥٢)

[2] البلاغۃ العربیۃ:٢/١٨٦۔

قاعدہ نمبر۲: تشبیہ المفرد بالمفرد عام ہے، خواہ دونوں مفرد مطلق غیر مقید ہوں، جیسے "وخدہ کالورد" وغیرہ۔ یا طرفین دونوں مقید ہوں، جیسے "السَّاعِيْ بِغَيْرِ طَائِلٍ كَالرَّاقِمِ عِلٰى الْمَاءِ" وغیرہ۔ یا مشبہ مقید اور مشبہ بہ مطلق ہو، جیسے "العَيْنُ الزَّرْقَاءُ كَالسِّنَانِ" وغیرہ۔ اوریا مشبہ مطلق اور مشبہ بہ مقید ہو، جیسے "ثَغْرُهُ كَاللُّؤْلُؤِ الْمَنْظُوْمِ" وغیرہ۔[1]

قاعدہ نمبر۳: قید سے وہ قید مراد ہے، جو وجہ شَبہ میں مؤثر ہو، جیسے " التَّعَلُّمُ فِي الصِّغْرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ" وغیرہ۔[2]

قاعدہ نمبر۴: قید سے مرکب تقییدی (مرکب اضافی، مرکب توصیفی، مرکب حالی، جار مجرور، مفعول) مراد ہے[3]۔

فائدہ نمبر۱: تشبیہ مرکب اور مفرد مقید کے درمیان ترکیب لفظی اور مفہوم دونوں کے اعتبار سے فرق واضح ہے، کیونکہ مرکب کے جملہ اجزاء میں سے ہر ایک جزء طرف تشبیہ کا جزء ہوتا ہے، بخلاف مفرد مقید کے کہ اس میں جزء طرف تشبیہ صرف مقید ہوتا ہے اور قید صرف شرط کے درجہ میں ہوتی ہے، نیز مرکب میں مقصود بالذات ہیئت منتزعہ ہوتی ہے اوراجزاء مقصود بالتبع ہوتے ہیں، تاہم مفرد مقید میں اجزاء مختلفہ میں سے کوئی ایک جزء مقصود بالذات ہوتا ہے اور باقی بالتبع ہوتے ہیں، البتہ متکلم کے قصد کے لحاظ ہوتا ہے جس کا امتیاز بجزء طبیعت سلیمہ کے نہیں ہو سکتا[4]۔

قاعدہ نمبر۵: جب طرفین میں سے کوئی ایک مشبہ یامشبہ بہ مرکب ہوں تولامحالہ طرف آخر مرکب ہوگا یا مفرد مقید ہوگا[5]۔

قاعدہ نمبر۶: تشبیہ المفرد بالمرکب اور تشبیہ المرکب بالمفرد دونوں قسموں میں مفرد سے مفرد مقید مراد ہے[6]۔

تمرین

مندرجہ ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق بلاغی کریں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالفَخَّارِ، يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ، وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ، يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الأَجْدَاثِ سِرَاعاً كَأَنَّهُمْ إِلىٰ نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ، فَإِذَا انْشَقَّتِ

---

[1] جواہر البلاغۃ:۲۲۳، علوم البلاغۃ:۱۵۳۔

[2] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۲۳، علوم البلاغۃ:۱۵۳، المنہاج الواضح للبلاغۃ:۱/۵۱۔

[3] علوم البلاغۃ:۱۵۳۔

[4] مختصر المعانی:۲/۲۰۷۔

[5] جواہر البلاغۃ:۲۱۸-۲۱۹۔

[6] جواہر البلاغۃ:۲۱۸-۲۱۹۔

السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ، وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ، مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ، التَّعَلُّمُ فِي الصِّغْرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ، فَالْوَجْهُ مِثْلُ الصُّبْحِ مُبْيَضٌّ، الشَّعْرُ مِثْلُ اللَّيْلِ مُسْوَدٌّ، ثَغْرٌ كَالدُّرِّ، وَخَدٌّ كَالْوَرْدِ، وَلَحْظٌ كَالسَّهْمِ، الشَّمْسُ كَالْمِرْآةِ فِي يَدِ الْمَشْلُوْلِ، وَاللُّؤْلُؤُ الْمَنْظُوْمُ كَالثَّغْرِ، مَثَلُ الْفَاجِرُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالفَخَّارِ:

تشبیہ اس لیے کہ امر اول "صَلْصَالٍ" مشبہ کو امر ثانی "الفَخَّارِ" مشبہ بہ کیساتھ وصفِ مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "ك" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں۔

✍..."التَّعَلُّمُ فِي الصِّغْرِ كَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ":

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "التَّعَلُّمُ فِي الصِّغْرِ" مشبہ کو امرِ ثانی "النَّقْشِ فِي الْحَجَرِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "ک" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ المعقول بالمحسوس، اس لیے کہ مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہے، تشبیہ المفرد المقید بالمفرد المقید، اس لیے کہ طرفین مفرد مقید ہیں۔

✍...مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُواْ من دُون اللهِ أُوْلِيَاءَ كَمَثَلِ العَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً.

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "الَّذِينَ اتَّخَذُواْ من دُون اللهِ أُوْلِيَاءَ" مشبہ کو امرِ ثانی "العَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "ك" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المرکب بالمرکب، اس لیے کہ طرفین مرکب ہیں۔

فصل پنجم: طرفین کے تعدد کے اعتبار سے تشبیہ کی تقسیم

طرفین کے تعدد کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ملفوف ۲۔ مفروق ۳۔ تسویہ ۴۔ جمع

۱۔۔۔ تشبیہ ملفوف کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں پہلے چند مشبہ ذکر ہوں، پھر اس کے بعد اس طریقے سے چند مشبہ بہ مذکور ہوں، جیسے حدیث میں آتا ہے۔ "مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوءِ كَمَثَلِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَادِ".اس حدیث میں پہلے دومشبہ "الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ، الْجَلِيْسِ السُّوْءِ"۔ مذکورہیں، پھر اس کے بعد دو مشبہ بہ (الْمِسْكِ، كِيْرِ الْحَدَادِ) مذکور ہیں۔

۲۔۔۔ تشبیہ مفروق کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں پہلے ایک مشبہ ہو، پھر اس کے بعد مشبہ بہ مذکور ہو، اور پھر ایک مشبہ ہو، اور اس کے بعد ایک مشبہ بہ مذکور ہو، جیسے "لَهُ سِيْرَةٌ كَالْمِسْكِ، وَأَخْلَاقُهُ كَالْعَنْبَرِ"۔ اس مثال میں پہلے ایک مشبہ (سِيْرَةٌ) ہے، پھر مشبہ بہ (الْمِسْكِ) ہے، پھر ایک مشبہ (أَخْلَاقُ) ہے، پھر مشبہ بہ (الْعَنْبَرِ) ہے۔

۳۔۔۔ تشبیہ تسویہ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ متعدد ہوں اور مشبہ بہ ایک ہو، جیسے "وِصَالُ الْحَبِيْبِ وَكَلَامُهُ كَدَوَاءِ الطَّبِيْبِ" اس مثال میں "وِصَالُ الْحَبِيْبِ" اور "كَلَامُ الْحَبِيْبِ" یکے بعد دیگرے مشبہ ہیں اور "دَوَاءُ الطَّبِيْبِ" مشبہ بہ ہے۔

۴۔۔۔ تشبیہ جمع کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ متعدد ہوں، جیسے "كَأَنهُن اليَاقُوتُ والمرْجَانُ" اور "مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ"۔ مذکورہ دونوں آیتوں میں مشبہ مفرد اور مشبہ بہ متعدد ہیں [1]۔

---

[1] عام کتب بلاغت میں اس کی وضاحت کے لیے یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَنْ لُؤْلُؤٍ مُنَضَّدٍ أَوْ بَرَدٍ أَوْ أَقَاحْ

ترجمہ: گویا وہ محبوب اسے صاف وشفاف موتی سے مسکراتا ہے، جو تہ بہ تہ ملے ہوئے ہیں، یا چمکدار اولوں سے یا گلِ بابونہ سے۔

مذکورہ شعر میں مشبہ ایک ہے، جو محذوف ہے، یعنی "الاسنان"۔ اور مشبہ بہ تین ہیں: (۱) لؤلؤ (۲) برد (۳) اقاح۔ یعنی دانتوں کو مذکورہ تین چیزوں کیساتھ تشبیہ دی ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے محبوب کے دانت غیر مرتب، بے رونق اور بدبودار نہیں، بلکہ موتیوں کی لڑی کی

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: کبھی سلسلہ بسلسلہ تشبیہ دی جاتی ہے، یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی، پھر مشبہ کو کسی اور چیز کیساتھ تشبیہ دی، پھر اس دوسرے مشبہ کو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی، اگرچہ یہ قسم تشبیہ مفروق میں داخل ہے، لیکن بعض نے اس کو ایک مستقل قسم تشبیہ مسلسل کے نام سے قرار دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: جب مشبہ اور مشبہ بہ حقیقت میں مشترک ہو تو صفت میں تغائر ضروری ہے اور اگر صفت میں مشترک ہوں تو حقیقت میں تغائر ضروری ہے، لیکن اگر دونوں کی حقیقت اور صفت ایک ہو یا دونوں کی حقیقت اور صفت بالکل مغائر ہو تو تشبیہ باطل ہو گی[۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: ہر وہ تشبیہ جس میں مشبہ، مشبہ کیساتھ اور مشبہ بہ، مشبہ بہ کیساتھ جمع ہوں تو وہ تشبیہ ملفوف کہلاتی ہے، ورنہ غیر ملفوف کہلائے گی۔[۲]

قاعدہ نمبر ۴: ہر وہ تشبیہ جس میں ایک مشبہ، مشبہ بہ کیساتھ اور دوسرا مشبہ، مشبہ بہ کیساتھ جمع ہوں تو وہ تشبیہ مفروق کہلاتی ہے، ورنہ غیر مفروق کہلائے گی۔[۳]

قاعدہ نمبر ۵: کبھی تشبیہ میں طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) مفرد ہوتے ہیں، لیکن وجہ شَبہ متعدد ہوتے ہیں، جیسے "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ". اس آیت میں "الْقَمَرَ" مشبہ اور "الْعُرْجُونِ" مشبہ بہ ہے اور دونوں مفرد ہیں، تاہم وجہ شبہ " الدِّقَّةُ وَالْانْحِنَاءُ وَالْاصْفِرَارُ" متعدد ہے۔ اسی طرح "يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالفَرَاشِ المبْثُوثِ". بھی ہے، اس آیت میں "النَّاسُ " مشبہ اور "الْفِرَاشِ الْمَبْثُوْثِ" مشبہ بہ ہے اور یہ دونوں مرکب ہیں، لیکن وجہ شَبہ "الْكَثْرَةُ وَالضُّعْفُ وَالتَّمَوُّجُ" متعدد ہے۔[۴]

فائدہ نمبر ا: تشبیہ میں ایک معنی اور مفہوم کی تشبیہ دوسرے معنی اور مفہوم کیساتھ دی جاتی ہے، جیسے "زَيْدٌ أَسَدٌ"۔ یا تشبیہ ایک معنی اور مفہوم کی دوسری صورت کیساتھ دی جاتی ہے، جیسے "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَعْمَالُهُمْ

طرح بالترتیب، اولوں کی طرح صاف وشفاف اور گلِ بابونہ کی طرح خوشبودار ہیں، مسکراتے وقت کوئی اس کے دانتوں کو دیکھے تو اسے یہ اوصاف نظر آئیں۔

[۱] الجامع الکبیر لابن الاثیر: ۹۱۔

[۲] جواہر البلاغۃ: ۲۲۵۔

[۳] جواہر البلاغۃ: ۲۲۵۔

[۴] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۸۸۔

كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ"۔ اس آیت میں مشبہ غیر مدرک بالحواس اور مشبہ بہ مدرک بالحواس ہے۔ یا ایک صورت کی تشبیہ دوسری صورت کیساتھ دی جاتی ہے، جیسے "وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئْتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ"۔ اس آیت میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں محسوس اور مدرک بالحواس ہیں[1]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ، كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ، مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ الْعَطَّارِ، النَّاسُ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، كَأَنَّ وَجْهَهُ مِثْلُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، النَّشْرُ مِسْكٌ، والْوُجُوهُ دَنَانِيرٌ، عِلْمٌ لَّا يَنْفَعُ كَدَوَاءٍ لَّا يَنْجَعُ، الصَّدِيْقُ الْمُنَافِقُ وَالْإِبْنُ الْجَاهِلُ كِلَاهُمَا كَجَمْرِ الْغَضَا، إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رَاكِبٍ، الْحِمِيَّةُ مِنَ الْأَنَامِ كَالْحِمِيَّةِ مِنَ الطَّعَامِ، مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِيْ لَا يُذْكَرُ اللهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ، الْخَدُّ وَرْدٌ وَالْعِذَارُ رِيَاضٌ وَالطَّرْفُ لَيْلٌ وَالْبَيَاضُ نَهَارٌ، الْعُمْرُ وَالْإِنْسَانُ وَالدُّنْيَا هُمْ كَالظِّلِّ فِي الْإِقْبَالِ وَالْإِدْبَارِ، مَن يَّصْنَعُ الْخَيْرَ مَعَ مَنْ لَيْسَ يَعْرِفُهُ كَوَاقِدِ الشَّمْعِ فِيْ بَيْتٍ لِّعُمْيَانَ، لَوْنُ الْحَبَشِ وَشَعْرُهُ كَسَوَادِ الْغُرَابِ، وَجْهُهُ كَالْبَدْرِ عَيْنُهُ كَالْقِدْرِ، مَثَلُ الَّذِىْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ ثُمَّ لَا يُحَدِّثُ بِهِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يَكْنِزُ الْكَنْزَ فَلَا يُنْفِقُ مِنْهُ، مَثَلُ الَّذِىْ يَتَكَلَّمُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ مَثَلُ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا، وَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرَ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍... "مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَادِ":

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السُّوْءِ" مشبہ کو امر ثانی "الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَادِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترک کہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "مَثَلُ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد المقید بالمفرد المقید، اس لیے کہ طرفین مفرد مقید ہیں۔ تشبیہ ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ پہلے دو مشبہ پھر اس طریقے سے بعد دو مشبہ بہ مذکور ہیں۔

✍... "مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ":

---

[1] الجامع الکبیر: ۹۲۔

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول"الْفَرِيقَيْنِ"مشبہ کوامرِ ثانی"الْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ"مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ"كَ"ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے،تشبیہ المحسوس بالمحسوس،اس لیے کہ طرفین حسی ہیں،تشبیہ المفرد بالمفرد،اس لیے طرفین مفرد ہیں،تشبیہ جمع غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ،اس لیے کہ مشبہ واحد اور مشبہ بہ متعدد ہیں۔

✍..."الصَّدِيْقُ الْمُنَافِقُ وَالْإِبْنُ الْجَاهِلُ كِلَاهُمَا كَجَمْرِ الْغَضَا":

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول"الصَّدِيْقُ الْمُنَافِقُ وَالْإِبْنُ الْجَاهِلُ"مشبہ کوامرِ ثانی"جَمْرِ الْغَضَا"مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ"كَ"ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے،تشبیہ المحسوس بالمحسوس،اس لیے کہ طرفین حسی ہیں،تشبیہ المفرد بالمفرد،اس لیے طرفین مفرد ہیں،تشبیہ تسویہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر جمع،اس لیے کہ مشبہ متعدد اور مشبہ بہ ایک ہے۔

فصل ششم: وجہ شَبہ کے انتزاع اور عدم انتزاع کے اعتبار سے تقسیم

وجہ شَبہ کے انتزاع اور عدم انتزاع کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ تمثیلی ۲۔ تشبیہ غیر تمثیلی

۱۔۔۔تشبیہ تمثیلی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ مرکب ہو، یعنی امورِ متعددہ سے منتزع ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ''مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا'' (الجمعة:۵)- اس میں وجہ شَبہ ''الْهَيْئَةُ الْحَاصِلَةُ مِنَ التَّعَبِ فِيْ حَمْلِ النَّافِعِ دُوْنَ فَائِدَةٍ'' ہے، یعنی وہ ہیئت ہے جو نافع ترین شیٔ کے انتفاع سے مشقت کے باوجود محروم ہونے سے حاصل ہوتی ہے، جو امورِ متعددہ سے منتزع ہے۔

۲۔۔۔تشبیہ غیر تمثیلی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ امورِ متعددہ سے منتزع نہ ہو، جیسے ''أُوْلٰئِكَ كَالأَنْعَامِ''۔ اس میں وجہ شبہ غفلت اور لاپرواہی ہے جو امور متعددہ سے منتزع نہیں۔

فصل ہفتم: تشبیہ تمثیلی کی اقسام وانواع

تشبیہ تمثیلی کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ظاہر الاداۃ ۲۔ خفی الاداۃ

۱۔۔۔ظاہر الاداۃ کی تعریف:

وہ تشبیہ تمثیلی ہے، جس میں ادات مذکور ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ ''مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ'' (البقرة:۱۷)، اس آیت میں مشبہ منافقین اور مشبہ بہ ''مُسْتَوْقِدُ النَّارِ'' ہے، وجہ شَبہ ''ضَلَالَةٌ بَعْدَ الْهِدَايَةِ'' ہے، جو امورِ متعددہ سے منتزع ہے اور اداتِ تشبیہ ''كَ'' اور ''مَثَلِ'' ہے۔

۲۔۔۔خفی الاداۃ کی تعریف:

وہ تشبیہ تمثیلی ہے، جس میں ادات مذکور نہ ہوں، جیسے اگر کسی متردد شخص کو کہا جائے۔ "أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلاً وَّتُؤَخِّرُ أُخْرىٰ" اس میں وجہ شَبہ " حَالَةُ الْإِقْدَامِ بِالشَّكِّ" ہے، جوامورِ متعددہ سے منتزع ہے اورادات تشبیہ مذکور نہیں۔

قواعدوفوائد

قاعدہ نمبر۱: تشبیہ تمثیلی میں وجہ شَبہ امور متعددہ سے منتزع ہوتا ہے، یاوجہ شَبہ مرکب کہلاتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر۲: تشبیہ تمثیلی میں طرفین اوروجہ شَبہ تینوں متعدد ہوتے ہیں۔[۲]

قاعدہ نمبر۳: وجہ شَبہ امورِ متعددہ سے منتزع ہو، یہ عام ہے، خواہ امورِ منتزعہ حسی ہوں یاغیر حسی ہوں۔[۳]

قاعدہ نمبر۴: تشبیہ تمثیلی زیادہ بلیغ اوراقوی ہوتی ہے، کیونکہ یہ نظر وفکر اور غوروخوض کے بعد حاصل ہوتی ہے۔[۴]

قاعدہ نمبر۵: تشبیہ تمثیلی کلام میں غایت قوت، مدح میں حددرجہ مبالغہ، ذم میں تشدیدوتغلیظ، وعظ ونصیحت میں تاثیر اور سحر انگیزی پیدا کرتی ہے۔[۵]

قاعدہ نمبر۶: اکثر تشبیہ تمثیلی ابتداء کلام میں مذکور ہوتی ہے، جس سے کلام کی غایت وضاحت مقصود ہوتی ہے، جیسے "أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ"(البقرۃ:۱۹) اور"(مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِئَةُ حَبَّةٍ [البقرة/٢٦١])" وغیرہ۔[۶]

قاعدہ نمبر: کبھی تشبیہ تمثیلی کلام کے آخر میں ہوتی ہے، جس سے معانی اور مفاہیم کی تحقیق اور تقریر مقصود ہوتی ہے، جیسے معروف شاعر لبید کا شعر ہے۔

وَمَا الْمَالُ وَالْأَهْلُوْنَ إِلَّا وَدَائِعٌ　　　وَّلَا بُدَّ يَوْماً أَنْ تُرَدَّ الوَدَائِعُ [۷]

---

[۱] علوم البلاغۃ:۱۶۷۔

[۲] علوم البلاغۃ:۱۶۸۔

[۳] جواہر البلاغۃ:۲۳۴، الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۷۶۔

[۴] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۷۸۔

[۵] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۸۰۔

[۶] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۷۹۔

[۷] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۷۹۔

قاعدہ نمبر ۷: تشبیہ اور تمثیل میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، تمثیل اخص مطلق اور تشبیہ اعم مطلق ہے، کیونکہ تمثیل صرف اس تشبیہ کو کہتے ہیں، جس میں وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع ہو۔[۱]

قاعدہ نمبر ۸: تمثیل ذم کے مقام میں انتہائی تشدد اور سختی پیدا کرتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: "مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ) "(الاعراف:۱۷۶) وغیرہ۔[۲]

قاعدہ نمبر ۹: تمثیل مقامِ وعظ اور انتباہ میں بے حد تاثیر پیدا کرتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: "كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا). (الحدید:۲۰).[۳]

قاعدہ نمبر ۱۰: تمثیل استدلال اور احتجاج میں انتہائی زور پیدا کرتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) "(العنکبوت:۴۱)[۴]

قاعدہ نمبر ۱۱: تمثیل مدح اور تعریف کے مقام میں حددرجہ مبالغہ پیدا کرتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔" (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا) "(ابراہیم:۲۴)[۵]

قاعدہ نمبر ۱۲: تمثیل اعتذار کے مقام میں انتہائی عجز و انکساری، تواضع اور خاکساری پیدا کرتا ہے، جیسے متنبی نے ایک موقع میں کہا تھا۔

لَا تَحْسَبُوْا أَنَّ رَقْصِيْ بَيْنَكُمْ طَرَبًا   فَالطَّيْرُ يَرْقُصُ مَذْبُوْحًا مِنَ الْأَلَمِ [۶]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

---

[۱] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۶۔

[۲] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۷۔

[۳] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۷۔

[۴] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۷۔

[۵] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۷۔

[۶] علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۷۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَياةِ الدُّنْيا كَماءٍ أَنْزَلْناهُ مِنَ السَّماءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَباتُ الْأَرْضِ، اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَياةُ الدُّنْيا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكاثُرٌ فِي الْأَمْوالِ وَالْأَوْلادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَباتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَراهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطاماً، إِنْ هُمْ إِلاَّ كَالأَنْعَامِ، أَسْنَانُكَ كَالثَّلْجِ فِي الْبَيَاضِ، رَأْيُ الْحَكِيْمِ كَالْمِيْزَانِ فِي الدِّقَّةِ، الْعَقْلُ لِلْمَرْءِ يُشْبِهُ التَّاجَ لِلْمَلِكِ، هٰؤُلَاءِ الْفُرْسَانُ مِثْلُ الْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ، الْكِتَابُ كَالصَّدِيْقِ يُؤَنِّسُكَ فِي الْوَحْشَةِ، الْبَدْرُ فِي السَّمَاءِ كَالدَّلِيْلِ فِي الْبَيْدَاءِ، دَمْعُ الْحَسْنَاءِ كَاللُّؤْلُؤِ، الْمُعَلِّمُ كَالشَّمْعَةِ، كَانَ الرَّسُوْلُ ﷺ كَالرِّيْحِ الْمُرْسِلَةِ جُوْدًا فِيْ رَمَضَانَ، مَثَلُ الَّذِیْ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَيَنْسٰی نَفْسَهُ مَثَلُ الْفَتِيْلَةِ تُضِیْءُ لِلنَّاسِ وَتَحْرِقُ نَفْسَهَا، مَثَلُ الَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا يُحْسِنُ الْفَرَائِضَ كَالْبُرْنُسِ لَا رَأْسَ لَهُ، مَثَلُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ خَضْرَاءَ لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، الْمُسْتَجِيْرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ كَالْمُسْتَجِيْرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ.

چند حل شدہ مثالیں:

...''مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ'':

تشبیہ اس لیے کہ امر اول عالم سوء مشبہ کو امر ثانی ''الْكَلْبِ'' مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ ''كَ'' ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں۔ تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں۔ تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ تعددِ طرفین نہیں۔ تشبیہ تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امورِ متعددہ سے منتزع ہے۔

... ''مَثَلُ الْعَابِدِ الَّذِیْ لَا يَتَفَقَّهُ كَمَثَلِ الَّذِیْ يَبْنِیْ بِاللَّيْلِ وَيَهْدِمُ بِالنَّهَارِ'':

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول ''الْعَابِدِ۔۔۔'' مشبہ کو امرِ ثانی ''الَّذِیْ يَبْنِیْ بِاللَّيْلِ وَيَهْدِمُ بِالنَّهَارِ'' مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ ''كَ'' ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں۔ تشبیہ المرکب بالمرکب، اس لیے کہ طرفین مرکب

ہیں۔ تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ تعددِ طرفین نہیں۔ تشبیہ تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امورِ متعددہ سے منتزع ہے۔

فصل ہشتم: وجہ شَبہ کے ذکر وحذف کے اعتبار سے تقسیم

وجہ شَبہ کے ذکر وحذف کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ مفصل ۲۔ مجمل

ا۔۔۔ تشبیہ مفصل کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ مذکور ہو، جیسے "زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ" اس مثال میں وجہ شَبہ "شُجَاعَت" ہے، جو مذکور ہے۔

۲۔۔۔ تشبیہ مجمل کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ مذکور نہ ہو، جیسے "النَّحْوُ فِي الْكَلَامِ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ" اس میں وجہ شَبہ صلاحیت اور تلذذ ہے، جو غیر مذکور ہے۔ تشبیہ مجمل میں کبھی وجہ شَبہ ظاہر ہو گا جیسے "زَيْدٌ كَالْأَسَدِ" میں ہے، اس میں وجہ شبہ ہر آدمی کو معلوم ہے کہ وہ شجاعت ہے اور کبھی مخفی ہو گا، جیسے "هُمْ كَالْحَلْقَةِ الْمُفَرَّغَةِ لَا يُدْرَى أَيْنَ طَرَفَاهَا"۔ یعنی جس طرح ڈھلے ہوئے حلقے کے اطراف کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کے اطراف کہاں ہیں اسی طرح ان میں بھی یہ تمیز نہیں کی جاسکتی ہے کہ ان میں سے کون فاضل اور کون افضل ہے۔ [1]

فصل نہم: وجہ شَبہ کے تحقق اور عدم تحقق کے اعتبار سے تقسیم

وجہ شَبہ کے تحقق اور عدم تحقق کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ تشبیہ حقیقیہ ۲۔ تشبیہ تخیلیہ

---

[1] جواہر البلاغۃ:۲۳۵۔

۱۔۔۔ تشبیہ حقیقیہ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقق ہو، جیسے "وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ" (الرحمن:۲۴)، یہاں وجہ شَبہ عظمت اور ضخامت ہے، جو طرفین مراکب اور جبال دونوں میں علی وجہ التحقیق موجود ہو۔

۲۔۔۔ تشبیہ تخیلیہ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ طرفین میں علی سبیل التخیل ہو، جیسے قاضی تنوخی کا شعر ہے۔

وَكَأَنَّ النُّجُوْمَ بَيْنَ دُجَاهَا سُنَنٌ لَّاحَ بَيْنَهُنَّ ابْتِدَاعُ

ترجمہ: ستارے رات کی تاریکیوں میں گویا ایسے ہیں، جیسے سنتیں کہ ان سے بدعت ظاہر ہو جائے۔

اس شعر میں وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو ایسی چمکدار اور روشن چیزوں کے وجود سے حاصل ہو جو ظلمت و تاریکی کے درمیان ہوں، اب یہ وجہ شبہ مشبہ یعنی "النُّجُوْمُ بَيْنَ الدُّجیٰ" میں تحقیقی ہے، لیکن مشبہ بہ یعنی "السُّنَنُ بَيْنَ الْابْتِدَاعِ" میں تخییلی ہے، اس لیے کہ اشراق و ظلمت اجسام کے اوصاف ہیں اور سبت و بدعت از قبیل معانی ہیں۔

وجہ حصر: طرفین میں وجہ شَبہ علی سبیل التحقق ہو گا یا علی سبیل التخیل ہو گا، اگر علی سبیل التحقق ہو تو تشبیہ حقیقیہ اور اگر علی سبیل التخیل ہو تو تشبیہ تخیلیہ۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: ہر وہ تشبیہ جس میں وجہ شَبہ یا وجہ شَبہ کا ملزوم مذکور ہو تو اسے تشبیہ مفصل کہتے ہیں۔ [1]

قاعدہ نمبر ۲: ہر وہ تشبیہ جس میں وجہ شَبہ یا وجہ شَبہ کا ملزوم مذکور نہ ہو تو اسے تشبیہ مجمل کہتے ہیں۔ [2]

قاعدہ نمبر ۳: کبھی تشبیہ مجمل میں وجہ شَبہ ظاہر ہو گا اور کبھی مخفی ہو گا۔ [3]

قاعدہ نمبر ۴: کبھی طرفین اور کبھی طرفین میں سے کسی ایک میں ایسا وصف ہو گا، جو وجہ شَبہ کی طرف مشیر ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا۔ [4]

---

[1] جواہر البلاغۃ: ۲۳۵۔

[2] جواہر البلاغۃ: ۲۳۵۔

[3] جواہر البلاغۃ: ۲۳۵۔

[4] جواہر البلاغۃ: ۲۳۵۔

قاعدہ نمبر ۵: کبھی وجہ شَبہ عدم تفصیل کی وجہ سے ظاہر ہو گا، جیسے "خَدُّہُ کَالْوَرْدِ" وغیرہ۔ اور کبھی قلت تفصیل کی وجہ سے ظاہر ہو گا، جیسے "وَجْهُهُ كَالْبَدْرِ" وغیرہ۔[۱]

قاعدہ نمبر ا: تشبیہ تخیلیہ میں وجہ شَبہ کا تحقق مشبہ بہ میں علی سبیل التاویل ہوتا ہے۔[۲]

قاعدہ نمبر ۲: وجہ شَبہ کبھی طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کی حقیقت میں داخل ہو گا اور کبھی خارج ہو گا[۳]۔

قاعدہ نمبر ۳: وجہ شَبہ اگر طرفین کی حقیقت میں داخل ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ وجہ شَبہ طرفین کی تمام حقیقت ہو، جیسے "تَشْبِيْهُ إِنْسَانٍ بِإِنْسَانٍ فِيْ كَوْنِهِ إِنْسَانًا" دوسری صورت یہ ہے کہ وجہ شَبہ طرفین کا جزء ہو، جیسے "تَشْبِيْهُ بَعْضِ الْحَيْوَانِ بِإِنْسَانٍ فِيْ كَوْنِهِ حَيْوَانًا" وغیرہ۔[۴]

قاعدہ نمبر ۴: وجہ شبہ طرفین کی تمام ماہیت ہو تو نوع ہو گی، جیسے "هٰذَا الْقَمِيْصُ مِثْلُ ذٰلِكَ فِيْ كَوْنِهِمَا كَتَانًا" یا جزء ماہیت ہو گی تو طرفین کے لیے جنس ہو گی، جیسے "هٰذا الْقَمِيْصُ مِثْلُ ذٰلِكَ فِيْ كَوْنِهِمَا ثَوْبًا" اور یا فصل ہو گی، جیسے "هذَا الْقَمِيْصُ مِثْلُ ذلِكَ فِيْ كَوْنِهِمَا مِنَ الْقُطْنِ" وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۵: وجہ شَبہ اگر طرفین کی حقیقت سے خارج ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا وہ صفت خارجیہ حقیقیہ ہو گی یا صفت خارجیہ اضافیہ ہو گی[۵]۔

قاعدہ نمبر ۶: اگر وجہ شَبہ صفت خارجیہ حقیقیہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ حقیقیہ حسیہ ہو، پھر اس کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) یا از قبیل مبصرات ہو گی۔ (۲) یا از قبیل مسموعات ہو گی۔ (۳) یا از قبیل مذوقات ہو گی۔ (۴) یا از قبیل مشمومات ہو گی۔ (۵) یا از قبیل ملموسات ہو گی۔ اور یا حقیقیہ عقلیہ ہو گی، جیسے کیفیات نفسانیہ وغیرہ[۶]۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ: ۲۳۵۔

[۲] مختصر المعانی: ۳۱۸، التشبیہات القرآنیہ: ۲۳۔

[۳] مختصر المعانی: ۳۱۸، التشبیہات القرآنیہ: ۲۴۔

[۴] مختصر المعانی: ۳۱۸، التشبیہات القرآنیہ: 24۔

[۵] التشبیہات القرآنیہ: 24۔

[۶] التشبیہات القرآنیہ: 24۔

قاعدہ نمبر ۷: اگر وجہ شبہ طرفین کی حقیقت سے خارج ہو تو یہ ایک ایسی صفت ہو گی جو طرفین کے ذات کیساتھ قائم ہو گی، پھر اس صفت کی تین قسمیں ہیں۔ یا صفت حقیقیہ ہو گی یا صفت اضافیہ ہو گی یا صفت اعتباریہ ہو گی[۱]۔

قاعدہ نمبر ۸: صفت حقیقیہ سے وہ صفت مراد ہے جو ذات میں متمکن اور متقرر رہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ حسی ہو گی یا عقلی ہو گی، حسی سے وہ جسمانی کیفیت مراد ہے، جو حواس ظاہرہ خمسہ سے مدرک ہو، جیسے رنگ، شکل، مقدار، حسن، قبح، خوشبو، بدبو، سختی، نرمی اور گرمی و سردی وغیرہ۔ اور عقلی وہ نفسانی کیفیت ہے جو عقل سے مدرک ہو، جیسے علم و معرفت، سخاوت، غضب و شجاعت وغیرہ[۲]۔

قاعدہ نمبر ۹: صفت اضافیہ سے وہ صفت مراد ہے جو ذات میں متمکن اور متقرر نہ ہو، بلکہ دو چیزوں سے متعلق ہو، جیسے کوئی شخص دلیل کو آفتاب سے تشبیہ دے، اس اعتبار سے کہ دونوں میں ازالہ حجاب کی صفت ہے اور یہ صفت دلیل اور آفتاب کی ذات میں ثابت نہیں، بلکہ دونوں سے متعلق ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۱۰: صفت اعتباریہ سے وہ صفت مراد ہے کہ اس کا مفہوم واقعۃً موجود نہ ہو، بلکہ صرف عقل کی اختراع ہو، جیسے غول کے لیے درندے کی شکل اور دانتوں کا اختراع کرنا، یہ صرف وہمی صورت ہے واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں[۴]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ، النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ، الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ، الدُّنْيَا مَتَاعٌ، قَلْبُهُ كَالْحِجَارَةِ قَسْوَةً وَّصَلَابَةً، مَثَلُ الْآيَاتِ مَثَلُ خَرَزَاتٍ مَّنْظُومَاتٍ فِي سِلْكٍ، إِنَّمَا مَثَلُ الْمَرْأَةِ كَمَثَلِ الضِّلَعِ، إِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ، جبِيْنُ فَلَانٍ كَصَفْحَةِ الْمِرْآةِ صَفَاءً وَّتَلَأْلُؤًا، وَيَدُهُ كَالْبَحْرِ جُوْدًا، وَكَلَامُهُ كَالدُّرِّ حُسْناً، وَأَلْفَاظُهُ كَالْعَسَلِ حَلَاوَةً، الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ، إِنَّمَا الدُّنْيَا كَبَيْتٍ نَسَجَهُ مِنْ عَنْكَبُوْتٍ، هُمْ كَالْحَلْقَةِ

---

[۱] مختصر المعانی: ۳۱۸۔

[۲] مختصر المعانی: ۳۱۸-۳۲۰۔

[۳] مختصر المعانی: ۳۲۱۔

[۴] مختصر المعانی: ۳۲۱۔

الْمُفَرَّغَةِ لَا يُدْرَى أَيْنَ طَرَفَاهَا، الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُ مَا قِيْدَ انْقَادَ، الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ، إِنَّ إِحْدَى عَيْنَيِّ الدَّجَّالِ كَأَنَّهَا زُجَاجَةٌ خَضْرَاءُ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "النَّاسُ مَعَادِنُ" مشبہ کو امرِ ثانی "مَعَادِنِ الذَّهَبِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے۔

✍..."النَّاسُ سَوَاءٌ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ":

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "النَّاسُ" مشبہ کو امرِ ثانی "أَسْنَانِ الْمُشْطِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے۔

فصل دہم: وجہ شَبہ کے ظہور اور خَفاء کے اعتبار سے تقسیم

وجہ شَبہ کے ظہور اور خَفاء کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ قریبہ ۲۔ تشبیہ بعیدہ

۱۔۔۔ تشبیہ قریبہ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شَبہ کے علی الفور ہو، جیسے "خَدُّهُ كَالْوَرْدِ" اور "وَجْهُهُ كَالْبَدْرِ" وغیرہ۔ ان میں وجہ شَبہ (سُرخی اور چمک و دمک) بالکل واضح اور ظاہر ہے، جس کے لیے فکر و تامل کی ضرورت نہیں۔

۲۔۔۔ تشبیہ بعیدہ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ عدم ظہورِ وجہ شَبہ علی الفور نہ ہو، جیسے شعر ہے۔ ؂

وَكَأَنَّ مُحْمَرَّ الشَّقِيقِ إِذَا تَصَوَّبَ أَوْ تَصَعَّدْ   أَعْلاَمُ يَاقُوتٍ نُشِرْنَ عَلَى رِمَاحٍ مِّنْ زَبَرْجَدْ

ترجمہ: گلِ لالہ بادِ نسیم کے جھونکوں سے جب کبھی نیچے کی طرف جھکتا ہے اور کبھی اوپر کی طرف اٹھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یاقوتی جھنڈیاں زبرجدی نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔

مذکورہ شعر میں "شَقِيْقِ" گل لالہ مشبہ ہے اور مشبہ بہ ان یاقوتی سبز جھنڈیوں کی ہیئت ہے، جو زبرجدی سبز نیزوں پر لہرا رہی ہوں اور وجہ شبہ وہ ہیئت منتزعہ ہے جو سرخ پردوں کے سبز پردوں پر بچھانے سے حاصل ہوتی ہے، یہاں وجہ شبہ غیر ظاہر ہے جس کی طرف علی الفور انتقال نہیں ہوتا ہے، بلکہ غایت تامل کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔[1]

تشبیہ قریب کے علل ودواعی

علماء بیانیین نے تشبیہ قریب مبتذل کے متعدد اسباب اور دواعی بیان کیے ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

ا۔۔۔ تشبیہ کا سطحی اور طائرانہ نظر پر مبنی ہونا، جیسے غور وفکر کے بغیر بادی النظر طور پر ایک شئ کی دوسری شئ کیساتھ معمول کے مطابق تشبیہ دی جائے، جس میں دقتِ مفہوم اور وسعتِ معانی ملحوظ نہ ہوں، اب ظاہر ہے کہ اس طرح کے تشبیہ میں کوئی بالغ نظری، لطافت اور کمال نہیں پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں عالم اور جاہل دونوں یکساں طور پر برابر ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔ ارکانِ تشبیہ کا قلیل العناصر ہو۔ کبھی تشبیہ ایسے معروف عناصر سے مرکب ہوتی ہیں، جن میں کوئی زیادہ تفسیر و تفصیل نہیں پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے تشبیہ میں کوئی خاطر خواہ دقت اور خفاء نہیں ہوتا، جیسے "زَيْدٌ كَالشَّمْسِ فِي الضِّيَاءِ"۔

۳۔۔۔ ارکان تشبیہ مشبہ بہ، یا وجہ شَبہ کا کثیر المشاہدہ ہونا۔ بسا اوقات مشبہ بہ، یا وجہ شَبہ معمول کے مطابق روزمرہ مشاہدات میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تشبیہ میں کوئی خاص دقت نہیں پائی جاتی ہے، جیسے "هُوَ كَاللَّيْلِ فِي السَّوَادِ"۔

۴۔۔۔ وجہ شَبہ کا ذہن میں ہمہ وقت حاضر ہونا۔ کبھی وجہ شَبہ ایسی عام فہم ہوتی ہے، جو ہر وقت دل ودماغ میں گردش کرتی ہے، جس کے لیے نظر وفکر کی احتیاج نہیں پڑتی ہے، جیسے "وَجْهُهُ كَالْقَمَرِ" وغیرہ۔

۵۔۔۔ مشبہ بہ یا وجہ شَبہ کا شعراء، ادباء اور خطباء میں متداول ہونا۔ کبھی مشبہ بہ، یا وجہ شَبہ شعراء، ادباء اور خطباء میں معروف ومتداول ہوتی ہے، جس کی وجہ حیز خفاء میں نہیں رہتی، جیسے "زَيْدٌ كَالْحِمَارِ فِي الْبِلَادَةِ" وغیرہ۔[2]

---

[1] دیکھئے جواہر البلاغہ: ۲۳۵۔

[2] دیکھئے البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۱۷۸-۱۸۰، علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۲۹-۲۳۱۔

تشبیہ بعید غریب کے علل دواعی

اہل علم نے تشبیہ بعیدہ غریبہ کے متعدد علل واسباب بیان کیے ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔وجہ شَبہ کا حد درجہ حیز خَفاء میں ہونا۔ کبھی وجہ شَبہ انتہائی درجہ مخفی ہوتی ہے، جس کے لیے بہت زیادہ تامل، غوروخوض اور دقتِ نظری کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔۔۔مشبہ بہ کا نادرالوجود ہونا۔ بسا اوقات مشبہ بہ میں بے حد اجنبیت اور غیر مانوسیت ہوتی ہے، جس کی طرف ذہن بادی النظر میں التفات نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے بیدار مغزی اور فکری نشاط کی احتیاج پڑتی ہے۔

۳۔۔۔مشبہ بہ کا امر وہمی ہونا۔ کبھی مشبہ بہ محض وہم پر مبنی ہوتا ہے، جس کی طرف ذہن آسانی کیساتھ انتقال نہیں کرتا، بلکہ بہت زیادہ سوچ وبے چار کے بعد حقیقتِ حال تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔

۴۔۔۔مشبہ بہ کا خیالی ہونا۔ کبھی مشبہ بہ محض خیالی ہوتا ہے، جو دقتِ نظری اور تیقظِ فکری کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۳۔۔۔مشبہ بہ کا عقلی ہونا۔ بسا اوقات مشبہ بہ معقولی ہوتا ہے، یعنی اس کے فہم کا مدار محض عقل پر مبنی ہوتا ہے اور صرف عقل ہی اس کی حقیقت اور کنہ تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔

۴۔۔۔مشبہ بہ کا قلیل الحس ہونا۔ کبھی مشبہ بہ بہت کم محسوس ہوتی ہے، جو نظر وفکر کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

۵۔۔۔وجہ شَبہ کا اوصاف متعددہ پر مشتمل ہونا۔ کبھی مشبہ بہ متعدد صفات اور متنوع وجوہ پر مشتمل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عام طور پر بعید از فہم بن جاتی ہے۔(۱)

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۶: تشبیہ قریبہ کو تشبیہ قریب مبتذل اور تشبیہ بعیدہ کو تشبیہ غریب بھی کہتے ہیں۔(۲)

قاعدہ نمبر ۷: تشبیہ بعیدہ تشبیہ قریبہ سے ابلغ ہوتی ہے، کیونکہ یہ فکر وتامل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸: ہر وہ تشبیہ جس میں تمام ارکان تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شَبہ، ادات) مذکور ہوں تو وہ تشبیہ کی اضعف قسم کہلاتی ہے۔(۳)

قاعدہ نمبر ۹: تشبیہ قریب مبتذل تشبیہ کا ادنی اور تشبیہ بعید غریب اعلی مرتبہ ہے۔(۱)

---

(۱) دیکھئے البلاغۃ العربیۃ:۱/ ۱۸۲-۱۸۳، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۲۹-۲۳۱۔

(۲) جواہر البلاغۃ:۲۳۵۔

(۳) ہامش دروس البلاغۃ للعثیمین:۱۰۵۔

قاعدہ نمبر ۱۰: بسا اوقات کلام میں متعدد تشبیہات قریبہ مبتذلہ لاکر اسے تشبیہ بعیدہ غریبہ میں داخل کیا جاتا ہے، جیسے شعر ہے۔

كَأَنَّمَا يَبْسِمُ عَن لُّؤْلُؤٍ مُّنَضَّدٍ أَوْ بَرَدٍ أَوْ أَقَاحْ [۲]

ترجمہ: گویا وہ محبوب اسے صاف وشفاف موتی سے مسکراتا ہے، جو تہ بہ تہ ملے ہوئے ہیں، یا چمکدار اولوں سے یا گلِ بابونہ سے۔

مذکورہ شعر میں مشبہ ایک ہے، جو محذوف ہے، یعنی "الْأَسْنَانُ"۔ اور مشبہ بہ تین ہیں: (۱) لُؤْلُؤٍ (۲) بَرَدٍ (۳) أَقَاحِ۔ یعنی دانتوں کو مذکورہ تین چیزوں کیساتھ تشبیہ دی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۱: کبھی ماہرین فن فصحاء اور بلغاء تشبیہ قریب مبتذل میں کچھ اس طرح تصرف کر دیتے ہیں کہ وہ تشبیہ بعید غریب کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہے، جیسے معروف شاعر متنبی نے اپنے ممدوح ہارون بن عبد العزیز کے مدح میں کہا تھا۔

لَمْ تَلْقَ هٰذَا الْوَجْهَ شَمْسُ نَهَارِنَا إِلاَّ بِوَجْهٍ لَّيْسَ فِيْهِ حَيَاءُ

مذکورہ شعر میں شاعر نے اپنے ممدوح کے چہرے کو سورج کیساتھ تشبیہ دی ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ قریب مبتذل ہے، لیکن شاعر نے اس میں عجیب وغریب تصرف کرکے اسے تشبیہ بعید غریب کے زمرے میں داخل کر دیا، کیونکہ اس میں غیر مانوس عناصر کا اضافہ کیا کہ ادب اور حیاء کا تقاضا یہ تھا کہ سورج ممدوح کے چہرہ انور کے سامنے نمودار نہ ہوتا، اس لیے کہ سورج کی روشنی ممدوح کی چہرے کی روشنی کے مقابلہ میں ہیچ ہے، لیکن سورج نے اپنی بے حیائی کا ثبوت دے کر ظاہر ہوا۔ [۳]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

مَثَلُ الْمُنَافِقِ مَثَلُ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً، كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ، كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ، الصِّيَامُ جُنَّةٌ، الصِّيَامُ جُنَّةٌ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ، مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهرٍ جَارٍ عَلَى بَابِ

---

[۱] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۱۷۸۔

[۲] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۱۸۱، علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۳۲۔

[۳] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۱۸۰، علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۳۱.

أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، الحَلِيْمُ كَالْجَبَلِ فِيْ سُكُوْنِهِ، مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، بَيْنَ يَدَي السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةُ أُمِّهِ، كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ عَظْمَ الْحَيِّ فِي الْإِثْمِ، زُرْنَا حَدِيْقَةً كَأَنَّهَا الفِرْدَوْسُ فِي الْجَمَالِ وَالْبَهَاءِ.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...مَثَلُ الْمُنَافِقِ مَثَلُ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً:

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول"الْمُنَافِقِ"مشبہ کوامرِ ثانی"الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ"مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ"مَثَلُ"ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے۔

✍...الحَلِيْمُ كَالْجَبَلِ فِيْ سُكُوْنِهِ:

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول"الحَلِيْمُ"مشبہ کوامرِ ثانی"الْجَبَلِ"مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ مذکورہ میں بواسطہ"كَ"ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مفصل، اس لیے کہ وجہ شبہ مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے۔

فصل یازدہم: اداتِ تشبیہ کے ذکر وحذف کے اعتبار سے تقسیم

اداتِ تشبیہ کے ذکر و حذف کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ مرسل ۲۔ تشبیہ مؤکد

۱۔۔۔تشبیہ مرسل کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں اداتِ تشبیہ مذکور ہوں، جیسے "مثل نورہ كمشكاة". اس مثال میں حرف تشبیہ "كَ" موجود ہے۔

۲۔۔۔تشبیہ مؤکد کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں اداتِ تشبیہ محذوف ہوں، حذف کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ متکلم اس بات پر زور دے رہا ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مشابہت بہت زیادہ ہے۔ جیسے: "أَنْتَ نَجْمٌ فِي الضِّيَاءِ وَالرَّفْعَةِ"۔ (تم روشنی اور بلندی میں ستارے ہو) یعنی ستارے کی طرح نہیں، بلکہ خود ستارہ ہو، کہہ کر بات میں زور پیدا کیا ہے۔

وجہ حصر: اداتِ تشبیہ مذکور ہوں گے یا محذوف ہوں گے، یا مذکور ہوں تو تشبیہ مرسل اور تشبیہ مؤکد۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: ہر وہ تشبیہ جس میں اداتِ تشبیہ کو حذف کرکے مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف کی جائے تو وہ تشبیہ مؤکد کہلاتی ہے، جیسے شعر ہے۔

وَالرِّيْحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُوْنِ وَقَدْ جَرَى ذَهَبُ الْأَصِيْلِ عَلىٰ لُجَيْنِ الْمَاءِ

اس میں محل استشہاد "لُجَيْنِ الْمَاءِ" ہے، جو اصل میں "الْمَاءِ الَّذِيْ هُوَ كَاللُّجَيْنِ" ہے، ادات تشبیہ کو حذف کر کے مشبہ بہ "لُجَيْنِ" کو مشبہ "الْمَاءُ" کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اب ترجمہ یوں ہوگا۔ ہوا شاخوں کیساتھ کھیل رہی ہے، ایسے وقت میں کہ پچھلے پہر کی زردی ایسے پانی پر ظاہر ہو چکی جو صفائی میں چاندی کی طرح ہے۔ واضح رہے کہ یہاں "لُجَيْن" (بِضَمِّ اللَّامِ وَفَتْحِ الْجِيْمِ) بمعنی چاندی ہے۔ اور "أَصِيْلِ" عصر سے مغرب تک کے وقت کو کہتے ہیں، جو خوشگوار اوقات میں سے شمار ہوتا ہے۔ علامہ خلخالیؒ اور علامہ طیبیؒ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ "لَجَيْنِ" (بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِالْجِيْمِ) ہے، جس وہ مرادوہ پتے ہیں، جو درخت سے جھڑ جاتے ہیں، شاعر نے ان کیساتھ "وَجْهُ مَاءٍ" کو تشبیہ دی ہے۔ "وَالْمَعْنٰى: أَنَّهُ قَدْ جَرَى ذَهَبُ الْأَصِيْلِ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ الشَّبِيْهِ بِالْوَرَقِ السَّاقِطِ مِنَ الشَّجَرِ". علامہ زوزنیؒ فرماتے ہیں کہ "أَصِيْلِ" سے مراد درخت ہے، جس میں جڑیں اور ریشے ہوتے ہیں اور "ذَهَبُ" سے مرادوہ پتے ہیں، جو موسم خریف میں زرد ہو کر پانی کی سطح پر گر جاتے ہیں۔ تاہم علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول غلط ہیں: پہلا قول اس لیے غلط ہے کہ "وَجْهُ مَاءٍ" کو گرے ہوئے پتوں کیساتھ تشبیہ دینا بے معنی ہے اور دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ جو پتے موسم خریف سے زرد ہو کر گر پڑے ہوں، ان کا اسی درخت کیساتھ اختصاص نہیں، جن کی جڑیں ہوں، لہٰذا یہ اضافت بے معنی ہے، نیز درخت پر "أَصِيْلِ" کا اطلاق نہ لغت کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ ہی عرف کے اعتبار سے صحیح ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: تشبیہ مؤکد تشبیہ مجمل سے ابلغ اور اوجز (مختصر) ہوتی ہے، ابلغ اس لیے ہوتی ہے کہ مشبہ کو بدونِ ادات تشبیہ مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے اور اوجز (مختصر) اس لیے ہوتی ہے کہ اس میں ادات تشبیہ محذوف ہوتے ہیں۔ [1]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ، حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ، بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى، الْقُلُوْبُ كَالطَّيْرِ فِي الْأُلْفَةِ إِذَا أُنِسَتْ، فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ، إِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ، الْمَالُ سَيْفٌ نَّفْعاً وَّضَرًّا، الْعَالِمُ سِرَاجُ أُمَّتِهِ فِي الْهِدَايَةِ وَتَبْدِيْدِ الظَّلَامِ، لَهُ هِزَّةٌ كَهِزَّةِ السَّيْفِ إِذَا طَرِبَ وَجُرْأَةٌ كَجُرْأَةِ اللَّيْثِ إِذَا غَضِبَ، مَفْتُوْلَةٌ مَّجْدُوْلَةٌ تَحْكِيْ لَنَا قَدَّ الأَسَلْ، الدُّنْيَا كَالمِنْجَلِ اسْتِوَاؤُهَا فِي اعْوِجَاجِهَا، أَنْتَ نَجْمٌ فِيْ رِفْعَةٍ

---

[1] جواہر البلاغۃ: ۲۳۸،

وَّضِيَاءٍ، وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ، هُمُ الْبُحُوْرُ عَطَاءً حِيْنَ تَسْأَلُهُمْ، الدُّنْيَا كَالْمَاءِ الْمَالِحِ كُلَّمَا ازْدَدْتَ مِنْهُ شُرْبًاازْدَدْتَ عَطْشًا، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا كَإِنَاخَةِ رَاكِبٍ أَوْ صِرُّ حَالِبٍ، مَنْ صَنَعَ الْمَعْرُوْفَ لِعَاجِلِ الْجَزَاءِ فَهُوَ كَمُلْقِي الْحَبِّ لِلطَّيْرِ لَا لِيَنْفَعَهَا بَلْ لِيَصِيْدَهَا، أُمَّتِيْ كَالْمَطَرِ لَا يُدْرٰى أَوَّلُهُ أَمْ آخِرُهُ.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...”كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ“:

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول مرجع ”هُنَّ“ ضمیر مشبہ کو امر ثانی ”بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ“ مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترک کہ غیر مذکورہ میں بواسطہ ”كَ“ ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔

✍...”إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ“:

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول ”الدُّنْيَا“ مشبہ کو امر ثانی ”حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ“ مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترک کہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مؤکد، اس لیے کہ ادات تشبیہ غیر مذکور ہے۔

فصل دوازدہم: تشبیہ بلیغ کا بیان

تشبیہ کی بلاغت اور عدم بلاغت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ بلیغ ۲۔ تشبیہ غیر بلیغ

۱۔۔۔ تشبیہ بلیغ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں محذوف ہوں، یعنی اس قسم تشبیہ میں زور پیدا کرنے کے لیے اداتِ تشبیہ اور وجہ تشبیہ دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں اتنی زیادہ مشابہت اور مماثلت ہے کہ گویا دونوں ایک ہی ہیں، جیسے ''الإِسْلَامُ حَيَاتُنَا'' (اسلام ہماری زندگی ہے۔) اس مثال میں اسلام کو زندگی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چونکہ اسلام کی ہدایت کے بغیر زندگی کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا، اس لیے بات میں زور پیدا کرنے کے لیے اداتِ تشبیہ اور وجہ شَبہ دونوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ تشبیہ غیر بلیغ کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ اور ادات دونوں مذکور ہوں، یا دونوں میں سے کوئی ایک مذکور ہو، جیسے ''الْأُسْتَاذُ كَالْوَالِدِ فِي التَّأَدُّبِ''۔ ''أَنْتَ أَسَدٌ فِي الشُّجَاعَةِ'' اور ''النَّحْوُ فِي الْعُلُوْمِ كَالْبَدْرِ فِي النُّجُوْمِ'' وغیرہ۔ پہلی

مثال میں وجہ شَبہ اور ادات دونوں مذکور ہیں، دوسری مثال میں صرف وجہ شَبہ مذکور ہے اور تیسری مثال میں صرف اداتِ تشبیہ مذکور ہے [(۱)]۔

تشبیہ بلیغ کی چند معروف صورتیں

تشبیہ بلیغ بلاغت کی اعلی نوع ہے، کیونکہ اس میں حد درجہ مبالغہ پایا جاتا ہے، علماء بیانیین نے اس کی مشبہ بہ کے مواقع اعراب کے اعتبار سے متعدد اقسام بیان کیں ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

پہلی صورت: جب مشبہ بہ، مشبہ کے لیے خبر واقع ہو، جیسے "الْمَاءُ لُجَيْنٌ" اس میں "لُجَيْنٌ" مشبہ بہ ہے، جو "المَاءُ" کے لیے خبر ہے۔

دوسری صورت: مشبہ بہ، مشبہ سے حال واقع ہو، جیسے "سَالَ الْمَاءُ لُجَيْنًا" اس مثال میں "لُجَيْنٌ" مشبہ بہ ہے جو "المَاءُ" سے واقع ہے۔

تیسری صورت: مشبہ بہ، مشبہ کی طرف مضاف ہو، جیسے "سَالَ لُجَيْنُ الْمَاءَ" اور "لَبِسَ الْمَرِيْضُ ثَوْبَ الْعَافِيَةِ" وغیرہ۔ اول الذکر مثال میں "لُجَيْنٌ" مشبہ بہ اور "الْمَاءُ" مشبہ ہے اور ثانی الذکر مثال میں "ثَوْبُ" مشبہ بہ اور "الْعَافِيَةِ" مشبہ ہے، ان دونوں صورتوں میں مشبہ بہ مشبہ کی طرف مضاف ہے۔

چوتھی صورت: مشبہ بہ مفعول ثانی اور مشبہ مفعول اول واقع ہو، جیسے "عَلِمْتُ الْمَاءَ لُجَيْنًا"۔ اس مثال میں "المَاءُ" مفعول اول اور "لُجَيْنٌ" مفعول ثانی ہے۔

پانچویں صورت: مشبہ بہ مفعول مطلق (نوعی) واقع ہو، جیسے "صَفَا الْمَاءُ صَفَاءَ اللُّجَيْنِ"۔ اس مثال میں "صَفَاءَ اللُّجَيْنِ" مشبہ بہ ہے، جو "صَفَا" فعل مذکور کے لیے مفعول مطلق ہے۔

چھٹی صورت: مشبہ بہ "مِنْ" بیانیہ کا مدخول ہو، جو مشبہ کے حال کو بیان کر رہا ہو، یعنی مشبہ بہ، مشبہ کے لیے بیان ہو، جیسے "جَرَى الْمَاءُ مِنْ لُجَيْنِ"۔ اس مثال میں "لُجَيْنِ" مشبہ بہ "المَاءُ" کے لیے حال واقع ہے۔

ساتویں صورت: مشبہ بہ از قبیل توابع ہو، یعنی مشبہ بہ، مشبہ کے لیے صفت وغیرہ ہو، جیسے "سَالَ مَاءٌ لُجَيْنٌ"۔ اس مثال میں "لُجَيْنٌ" مشبہ بہ "مَاءٌ" مشبہ کے لیے صفت واقع ہے [(۲)]۔

قواعد و فوائد

---

(۱) البلاغۃ العربیۃ: ۱/ ۱۷۳۔

(۲) ہامش البلاغۃ الواضحۃ: ۴٦، علوم البلاغۃ: ۱٦۱-۱٦۴۔

قاعدہ نمبر ۱: تشبیہ مؤکد اور تشبیہ مجمل مل کر تشبیہ بلیغ بن جاتی ہے۔
قاعدہ نمبر ۲: جملہ تشبیہات میں تشبیہ بلیغ ابلغ، اعلی، اوجز (مختصر) ہوتی ہے، کیونکہ اس میں مشبہ کو عین مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے اور اداتِ تشبیہ محذوف ہوتے ہیں۔ [۱]
قاعدہ نمبر ۳: قرآنِ مجید میں تشبیہ کی ایک عجیب و غریب صورت یہ ہے کہ اداتِ تشبیہ اسم اشارہ پر داخل کی جاتی ہیں اور اس کا مشارالیہ وہ معہود ہوتا ہے، جو ما قبل کلام سے مفہوم ہو رہا ہو، تو اس صورت میں اسمِ اشارہ مشبہ بہ ہوتا ہے اور اس کے بعد مشبہ مذکور ہوگا، جیسے " كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ " اس آیت میں "العذاب" مشبہ ہے، جو "ذلك" مشبہ بہ اور "ك" اداتِ تشبیہ سے مؤخر ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔ "العذاب كذلك "۔ [۲]
قاعدہ نمبر ۴: قرآنِ مجید میں کبھی ابتداء کلام سے مشبہ بہ کو اداتِ تشبیہ کیساتھ مصدر کیا جاتا ہے اور مشبہ صراحۃً مذکور نہیں ہوتا، تاہم وہ کلامِ سابق سے مفہوم ہوتا ہے، جیسے "كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا" وغیرہ۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ "دأب هؤلاء كدأب الذين من قبلهم من آل فرعون وغيرهم ". [۳]

قاعدہ نمبر ۵: قرآنِ مجید میں تشبیہ کی ایک نوع یہ بھی ہے کہ کبھی اداتِ تشبیہ "ك" مشبہ بہ پر داخل نہیں ہوتا، جیسے "كَمَا" وغیرہ میں ہوتا ہے، مثلاً قرآنِ مجید میں ہے۔ "كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ". تقدیرِ عبارت یوں ہوگی۔ "هٰذِهِ الْحَالُ كَحَالِ إِخْرَاجِكَ ". ایک جگہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ ". اس آیت میں اداتِ تشبیہ مشبہ بہ پر داخل نہیں، تقدیر عبارت یوں گی۔ "كُوْنُوْا أَنْصَارَ اللهِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّوْنَ أَنْصَارَ عِيْسٰى حِيْنَ قَالَ لَهُمْ: (مَنْ أنصَارِي إِلَى اللهِ)". [۴]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

---

[۱] جواہر البلاغۃ: ۲۳۸۔

[۲] خصائص التعبیر القرآنی: ۱/ ۲۹۱۔

[۳] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۸۵۔

[۴] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۸۳-۲۸۴۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ، وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ، النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ، لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ، وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَواقِحَ، أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ، وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ، إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِباساً، مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّن رِّيَاضِ الْجَنَّةِ، الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ، اجْعَلُوْا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلاَتِكُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا، الصِّيَامُ جُنَّةٌ، لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِن رِّيحِ الْمِسْكِ، حَقُّ كَبِيْرِ الْإِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهِ، كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ، الْحَمْوُ الْمَوْتُ، رَاغَ رَوْغَانَ الثَّعْلَبِ، لَبِسَ فُلَانٌ ثَوْبَ الْعَافِيَةِ۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ'':

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول مشبہ غیر مذکور کوامرِ ثانی ''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ''مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس،اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد،اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع،اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی،اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ،اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ،اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہوروجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مؤکد،اس لیے کہ ادات تشبیہ غیر مذکور ہے، تشبیہ بلیغ،اس لیے کہ وجہ شبہ اورادات تشبیہ دونوں غیر مذکور ہیں۔

✍...الْحَمْوُ الْمَوْتُ:

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول مشبہ ''الْحَمْوُ''کوامرِ ثانی ''الْمَوْتُ''مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمعقول،اس لیے کہ مشبہ حسی اور مشبہ عقلی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد،اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع،اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی،اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ،اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ،اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہوروجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مؤکد،اس لیے کہ ادات تشبیہ غیر مذکور ہے، تشبیہ بلیغ،اس لیے کہ وجہ شبہ اورادات تشبیہ دونوں غیر مذکور ہیں۔

فصل سیز دہم: مراتبِ تشبیہ کا بیان

مبالغہ کے اعتبار سے تشبیہ کی تین مراتب ہیں:۔

۱۔ ادنی ۲۔ متوسط ۳۔ اعلی

۱۔۔۔مرتبہ ادنی:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور ہوں، جیسے "خَالِدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ" وغیرہ۔

۲۔۔۔مرتبہ متوسطہ:

اس کی دو صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت: تشبیہ مرسل مجمل ہو، یعنی جس میں اداتِ تشبیہ مذکور ہو، لیکن وجہ شَبہ مذکور نہ ہو، جیسے "خَالِدٌ كَالْأَسَدِ" وغیرہ۔

دوسری صورت: تشبیہ مؤکد مفصل ہو، یعنی جس میں وجہ شَبہ مذکور ہو، لیکن اداتِ تشبیہ مذکور نہ ہوں، جیسے "خالدٌ أَسَدٌ فِي الشُّجَاعَةِ" وغیرہ۔

۳۔۔۔مرتبہ اعلی:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور نہ ہوں، جیسے "خَالِدٌ أَسَدٌ" وغیرہ۔[1]

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: تشبیہ کے مرتبہ اعلی میں اس بات کا ادعاء ہوتا ہے کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: ہر وہ تشبیہ جو مرسل و مفصل ہو تو وہ تشبیہ کا مرتبہ ادنی کہلائے گا۔

قاعدہ نمبر ۳: ہر وہ تشبیہ جو مرسل مجمل ہو یا موکد مفصل ہو تو وہ تشبیہ کا مرتبہ متوسطہ کہلائے گا۔

قاعدہ نمبر ۴: ہر وہ تشبیہ جو موکد مجمل ہو تو وہ تشبیہ کا مرتبہ اعلی کہلائے گا۔

قاعدہ نمبر ۵: تشبیہ متوسطہ اس لیے غیر بلیغ کہلاتی ہے کہ ادوات مذکور ہونے کی صورت مشبہ اور مشبہ بہ میں تفاوت بالکل واضح ہو جاتا ہے اور وجہ شبہ مذکور ہونے کی صورت میں تشبیہ ایک نوع حصر پیدا ہو جاتا ہے اور مشبہ و مشبہ بہ مذکور وجہ شبہ میں محصور ہو جاتے ہیں، غور و فکر اور تامل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، جس سے مبالغہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

فائدہ نمبر ۱: تشبیہ کا استعمال علی العموم آٹھ طریقوں پر ہوتا ہے:۔ (۱) مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ اور ادات تشبیہ چاروں مذکور ہوں، جیسے (زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ) "زید شجاعت میں شیر کی مانند ہے۔" (۲) مشبہ، مشبہ بہ اور وجہ شبہ مذکور ہوں، لیکن ادات تشبیہ محذوف ہوں (زَيْدٌ قَمَرٌ فِي الْحُسْنِ)، جیسے "زید حسن میں چاند ہے۔" (۳) مشبہ، مشبہ بہ اور ادات تشبیہ مذکور ہوں، لیکن وجہ شبہ محذوف ہو (زَيْدٌ كَالْأَسَدِ)، جیسے "زید شیر کی مانند ہے۔" (۴) مشبہ (استخبار کی حالت) میں محذوف ہو، اور باقی ارکان مذکور ہوں، جیسے "کوئی پوچھے زید کون ہے ؟ تو جواب دیا جائے کہ شیر کی مانند ہے۔" (۵) مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہوں، لیکن وجہ شبہ اور ادات محذوف ہوں، جیسے (زَيْدٌ أَسَدٌ) "زید شیر ہے۔" (۶) مشبہ اور ادات تشبیہ محذوف ہوں اور مشبہ بہ اور وجہ شبہ مذکور ہوں، جیسے "پوچھیں کہ زید کون ہے ؟ جواب دیں۔ (قَمَرٌ فِي الْحُسْنِ) "چاند ہے حسن میں" (۷) مشبہ اور وجہ شبہ محذوف ہوں اور مشبہ بہ اور ادات مذکور ہوں، جیسے "دریافت کریں کہ زید کیسا ہے ؟ (كَالْأَسَدِ) تو کہیں کہ شیر کی مانند ہے۔" (۸) مشبہ مذکور ہو، لیکن مشبہ بہ، وجہ شبہ اور ادات تینوں محذوف ہوں، جیسے "کوئی پوچھے زید کون ہے ؟ تو جواب دیں کہ شیر ہے۔" اب مذکورہ بالا تمام اقسام میں پانچویں اور آٹھویں قسم بہت زیادہ بلیغ ہیں، دوسری، تیسری، چھٹی اور ساتویں قسمیں متوسط ہیں، جب کہ پہلی اور چوتھی قسم انتہائی ضعیف ہیں، الغرض جس تشبیہ میں وجہ شبہ اور ادات دونوں محذوف ہوں تو وہ ابلغ کہلاتی

---

[1] جواہر البلاغۃ: علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۳۹۔

ہے اور جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک مذکور ہو گا وہ بہ نسبت پہلے کے ضعیف ہو گی، اور جس میں دونوں مذکور ہوں گے وہ زیادہ ضعیف ہو گی[۱]۔

فائدہ نمبر ۲: اکثر بیانیین حضرات حذف مشبہ بہ کے قائل نہیں، کیونکہ حذف مشبہ بہ نادرالوقوع ہے، ان حضرات کے نزدیک "مَنْ يُشْبِهُ الْأَسَدَ؟" کے جواب میں "زَيْدٌ" مبتداء محذوف الخبر ہے، لیکن بعض حضرات کے نزدیک مشبہ بہ کو بھی حذف کرنا جائز ہے، اس لیے ان کے نزدیک ارکان کے حذف وذکر کے اعتبار سے سولہ قسمیں ہوں گی: آٹھ قسمیں ماقبل بیان ہو چکی ہیں، اور آٹھ قسمیں یہ ہیں:۔ (۱) مشبہ بہ محذوف ہو، جیسے "زَيْدٌ مَّثَلٌ فِي الشُّجَاعَةِ،أَيْ مِثْلُ الْأَسَدِ"۔ (۲) مشبہ بہ اور مشبہ دونوں محذوف ہوں، جیسے "مَثَلٌ فِي الشُّجَاعَةِ،أَيْ زَيْدٌ۔" (۳) مشبہ بہ اورادات محذوف ہوں، جیسے "زَيْدٌ فِي الشُّجَاعَةِ،أَيْ زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ"۔ (۴) مشبہ بہ اور وجہ شبہ محذوف ہوں، جیسے "زَيْدٌ مَّثَلٌ،أَيْ زَيْدٌ مِّثْلُ الْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ"۔ (۵) مشبہ بہ، مشبہ اورادات محذوف ہوں، جیسے کوئی کہے۔ "فِيْ أَيِّ شَيْءٍ يُّشْبِهُ زَيْدٌ الْأَسَدَ؟" (زید کس بات میں شیر کے مشابہ ہے؟) اس کے جواب میں کہا جائے۔ "فِي الشُّجَاعَةِ"۔ (۶) مشبہ بہ، مشبہ اور وجہ شبہ محذوف ہوں، جیسے سائل کے سوال "مَاحُكْمُ زَيْدٍ مَّعَ الْأَسَدِ؟" کے جواب میں کہا جائے۔ "مَثَلٌ"۔ (۷) مشبہ بہ، وجہ شبہ اورادات محذوف ہوں، جیسے "مَن يُّشْبِهُ الْأَسَدَ؟" کے جواب میں کہا جائے۔ "زَيْدٌ"۔ (۸) تمام ارکان محذوف ہوں، جیسے تشبیہ معلق بالشرط میں ہوتا ہے۔ مثلاً: "عَزَمَاتُهُ مِثْلُ النُّجُوْمِ۔۔۔۔" اس کی تقدیر یوں ہو گی۔ "لَوْلَمْ يَكُنْ لِلثَّاقِبَاتِ أُفُوْلُ، لَكَانَتْ عَزَمَاتُهُ كَالثَّاقِبَاتِ"۔[۲]

قاعدہ نمبر ۶: اختلاف مراتب تشبیہ کبھی قوت وضعف میں مشبہ بہ کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اگر مشبہ بہ میں وجہ شبہ اقوی ہو تو اس تشبیہ کا مرتبہ اس تشبیہ کے مرتبہ سے اقوی ہو گا، جس میں مشبہ بہ میں وجہ شبہ ضعیف ہو، لہٰذا "زَيْدٌ كَالْأَسَدِ فِي الشُّجَاعَةِ" بمقابلہ "زَيْدٌ كَالذِّئْبِ فِي الشُّجَاعَةِ" ابلغ ہے، کیونکہ اول میں مشبہ بہ وجہ شبہ کے اندر اقوی ہے اور ثانی میں ضعیف ہے۔ اور کبھی اختلاف مراتب اختلاف ادات کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے "زَيْدٌ كَالْأَسَدِ" اور "كَانَ زَيْدٌ أَسَدًا"۔ اس میں تشبیہ ثانی تشبیہ اول کے مقابلہ میں بلیغ تر ہے، اس لیے کہ لفظ "كَانَ" ظن کے لیے ہے، جو یقین کی قسم ہے۔ "أَيْ أَظُنُّ أَنَّ زَيْدًا أَسَدٌ لِّشِدَّةِ الْمُشَابَهَةِ بَيْنَهُمَا۔"[۳]

---

[۱] عروس الافراح: ۲/ ۱۱۵۔

[۲] مختصر المعانی: ۲/ ۸۰۔

[۳] مختصر المعانی: ۲/ ۸۰۔

فائدہ نمبر۳: وجہ شبہ اورادات تشبیہ کو حذف کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف لفظا محذوف ہوں اور نظم کلام میں مقدر ہوں، بلکہ ان کا بالکلیہ ترک مراد ہے۔ تاہم مشبہ کے حذف سے صرف لفظ محذوف ہونا مراد ہے، کیونکہ اگر مشبہ کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے تو وہ تشبیہ سے نکل کر استعارہ میں داخل ہو جائے۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ، وَجِفَانٍ كَالجَوَابِ، فَلَا تَمِيْلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ، كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ، نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ، الْحَرْبُ خَدْعَةٌ، كَانَ(رَسُوْلُ اللهِ ﷺ)إِذَا سَرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ كَأَنَّهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ، إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ، الْعُمْرُ مِثْلُ الضَّيْفِ لَيْسَ لَهُ إِقَامَةٌ، الْعُمْرُ كَالطَّيْفِ لَيْسَ لَهُ إِقَامَةٌ، الدَّهْرُ كَالْبَحْرِ، الْعِلْمُ فِي الصَّدْرِ مِثْلُ الشَّمْسِ فِي الْفَلَكِ، وَالْعَقْلُ لِلْمَرْءِ مِثْلُ التَّاجِ لِلْمَلِكِ، مَثَلُ الَّذِيْ يَعْلَمُ الْخَيْرَ وَلَا يَعْمَلُ بِهِ مِثْلُ السِّرَاجِ الَّذِيْ يُضِيْءُ لِلنَّاسِ وَيَحْرِقُ نَفْسَهُ، إِنَّ الرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا أَدْنَاهَا مِثْلُ مَا يَقَعُ الرَّجُلُ عَلىٰ أُمِّهِ، مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا-

چند حل شدہ مثالیں:

✍---وَجِفَانٍ كَالجَوَابِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "جِفَانٍ" مشبہ کو امرِ ثانی "الجَوَابِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہوروجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔

فصل چہاردہم: غرضِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی تقسیم

غرضِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ حسن مقبول ۲۔ قبیح مردود

ا۔۔۔حسن مقبول کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس سے غرض تشبیہ حاصل ہو، جیسے "مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَالصَّائِمِ الْقَائِمِ"۔اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

۲۔۔۔قبیح مردود کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس سے غرض تشبیہ حاصل نہ ہو۔ ہر وہ تشبیہ جس میں وجہ شبہ یا طرفین کے اعتبار سے شروط تشبیہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو وہ مردود ہے۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: ہر وہ تشبیہ جس سے غرض تشبیہ حاصل ہو تو وہ تشبیہ حسن مقبول کہلاتی ہے اور جس سے غرض تشبیہ حاصل نہ ہو تو قبیح مردود کہلاتی ہے[1]۔

---

(۱) جواہر البلاغہ:۲۴۰۔

قاعدہ نمبر ۲: جس تشبیہ میں وجہ شبہ مشبہ بہ میں مشبہ کی بنسبت اقوی اور اشہر نہ ہو تو وہ تشبیہ قبیح مردود ہوتی ہے[1]۔
قاعدہ نمبر ۳: تشبیہ قبیح مردود میں یا وجہ شبہ طرفین میں متحقق نہیں ہوتا، یا متحقق ہوتا ہے، لیکن اس میں غایت بُعد پایا جاتا ہے[2]۔
قاعدہ نمبر ۴: محض غرض کے اعتبار سے تشبیہ کو مقبول اور مردود کیساتھ موسوم کرنا صرف ایک اصطلاح ہے، ورنہ ہر وہ تشبیہ جس میں وجہ شبہ یا طرفین کے اعتبار سے شروط تشبیہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو وہ مردود ہے، ورنہ مقبول ہے[3]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

مَثَلُ نُوْرِهِ كَمِشْكَاةٍ، كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ، الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، إِنَّ الْمَرْأَةَ مِثْلُ الضِّلَعِ إِنْ شِئْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا، إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ يَهْتَدِيْ بِهَا فِيْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، إِنَّ الإِنْسَانَ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ، إِنَّ كَسْرَ عَظْمِ الْمُسْلِمِ مَيْتًا مِثْلُ كَسْرِهِ حَيًّا، كَانَ كَلَامُهُ(ﷺ) كَلَاماً فَصْلاً يَّفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ، مَثَلُ أَصْحَابِيْ فِيْ أُمَّتِيْ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ، وما أَنَا وَالدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا، إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...الْعُلَمَاءُ فِي الأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "الْعُلَمَاءُ" مشبہ کو امرِ ثانی "النُّجُوْمِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ

---

(۱) جواہر البلاغہ: ۲۴۰۔

(۲) جواہر البلاغہ: ۲۴۰۔

(۳) نیل الامانی: ۲/ ۲۲۶۔

بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔

...الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ" مشبہ کو امرِ ثانی "الْبُنْيَانِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔

فصل پانزدہم: تشبیہ ضمنی کا بیان

تشبیہ کی باعتبارِ صورت دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ ضمنی ۲۔ تشبیہ غیر ضمنی

۱۔۔۔تشبیہ ضمنی کی تعریف:

وہ تشبیہ خفیہ ہے، جو صورۃً تشبیہ نہ ہو، یعنی اس میں مشبہ اور مشبہ بہ صراحۃً مذکور نہ ہوں، بلکہ مضمونِ کلام سے تشبیہ کا معنی مفہوم ہو رہا ہو، جیسے "وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ" اس آیت میں اگرچہ صورۃِ تشبیہ نہیں، لیکن مضمون کلام سے تشبیہ کا معنی مفہوم ہو رہا ہے[1]۔

۲۔۔۔تشبیہ غیر ضمنی کی تعریف:

---

[1] بين التشبيه الضمني والتشبيه التمثيلي:١- الأداة ووجه الشّبه محذوفان وجوبا في التشبيه الضمني لكنّهما محذوفان جوازا في التشبيه التمثيلي. ٢- المشبّه والمشبّه به معنى مركّب في كليهما من عدّة أجزاء. ٣- تربط المشبّه بالمشبّه به علاقة نحوية أو إعرابية في التشبيه التمثيلي، ولا يرتبطان في التشبيه الضمني بأية علاقة نحوية، بل تكون جملة المشبّه به استئنافية لا محلّ لها من الإعراب غالبا. (البلاغة العربية:١٧٥/١)

وہ تشبیہ ہے، جو صورۃً تشبیہ ہو، یعنی اس میں مشبہ اور مشبہ بہ صراحۃً ہوں، جیسے "إِنَّمَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ شَجَرَةٍ لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا"۔ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں صراحت کیساتھ مذکور ہیں۔

قواعدوفوائد

قاعدہ نمبر۱: تشبیہ ضمنی کو تشبیہ غیر صریح اور تشبیہ غیر ضمنی کو تشبیہ صریح بھی کہتے ہیں۔[1]

قاعدہ نمبر۲: تشبیہ ضمنی تشبیہ خفیہ کہلاتی ہے، یعنی اس میں مشبہ اور مشبہ صریح طور پر مذکور نہیں ہوتیں، بلکہ مضمونِ کلام سے تشبیہ کا مفہوم مستفاد ہوتا ہے۔[2]

قاعدہ نمبر۳: اکثر تشبیہ ضمنی میں مشبہ ایسے قضیہ اور دعوی ہوتا ہے، جو دلیل اور برہان کی طرف محتاج ہوتا ہے اور مشبہ بہ اس کے لیے دلیل اور برہان ہوتا ہے۔[3]

قاعدہ نمبر۴: تشبیہ ضمنی میں مشبہ بہ مشبہ کی صحت پر دلیل ہوتی ہے۔[4]

قاعدہ نمبر۵: تشبیہ ضمنی میں ہمیشہ اداتِ تشبیہ مذکور نہیں ہوتیں[5]۔

قاعدہ نمبر۶: تشبیہ ضمنی اکثر امثال اور مواعظ میں پائی جاتی ہے[6]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ، تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا إِنَّ السَّفِينَةَ لاَ تَجْرِي على الْيَبَسِ، اصْبِرْ عَلَى مَضَضِ الْحَسُودِ فَإِنَّ صَبْرَكَ قَاتِلُهْ، النَّارُ تأَكُلُ بَعْضَهَا إِنْ لَمْ تَجِدْ مَا تَأْكُلُهْ، لَيْسَ الحِجَابُ بِمُقْصٍ عَنْكَ لِيْ أَمَلاً إِنَّ السَّمَاءَ تُرَجَّى حِينَ تَحْتَجِبُ، فَإِنْ تَفُقِ الأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ، سَيَذْكُرُنِيْ قَوْمِيْ إِذَا جَدَّ جِدُّهُمْ وَفِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ يُفْتَقَدُ الْبَدْرُ،

---

[1] علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

[2] جواہر البلاغۃ:۲۳۹، علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

[3] جواہر البلاغۃ:۲۳۹، علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

[4] جواہر البلاغۃ:۲۳۹، علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

[5] علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

[6] علوم البلاغۃ:۱۷۳۔

فَإِنَّ فِي الْخَمْرِ مَعْنًى لَّيْسَ فِي الْعِنَبِ، إِنَّ السَّلَاحَ جَمِيْعُ النَّاسِ تَحْمِلُهُ وَلَيْسَ كُلُّ ذَوَاتِ الْمِخْلَبِ السَّبُعُ، وَأَصْبَحَ شِعْرِيْ مِنْهُمَا فِيْ مَكَانِهِ وَفِيْ عُنُقِ الْحَسْنَاءِ يُسْتَحْسَنُ الْعِقْدُ-

چند حل شدہ مثالیں:

إِنَّ المرْأَةَ مِثْلُ الضِّلَعِ إِنْ شِئْتَ تُقَوِّمُهَا كَسَرْتَهَا:

تشبیہ،اس لیے کہ امرِ اول"المرأة" مشبہ غیر مذکورکوامرِ ثانی"الضلع"مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ"مثل" اداتِ تشبیہ دی گئی ہے،تشبیہ المحسوس بالمحسوس،اس لیے کہ طرفین حسی ہیں،تشبیہ المفرد بالمفرد،اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں،تشبیہ غیرملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع،اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں،تشبیہ غیر تمثیلی،اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں،تشبیہ مجمل،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکورہے،تشبیہ حقیقیہ،اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے،تشبیہ قریبہ،اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہوروجہ شبہ علی الفورہے،تشبیہ مرسل،اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکورہے،غیر تشبیہ بلیغ،اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکورہے۔ تشبیہ مقبول،اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔تشبیہ غیر ضمنی،اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے۔

فصل شازدہم:تشبیہ مقلوب(معکوس)کابیان

تشبیہ کی قلب(الٹنے)اورعدم قلب کے اعتبار سے دوقسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ مقلوب ۲۔ تشبیہ غیر مقلوب

۱۔۔۔تشبیہ مقلوب کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے،جس میں مشبہ بہ کومشبہ قرار دیاجائے،تاکہ یہ بات ظاہر ہو کہ مشبہ بہ میں وجہ شَبہ مشبہ کے بنسبت زیادہ ظاہراورواضح ہے،جیسے"كَأَنَّ ضَوْءَ النَّهَارِ جَبِيْنُهُ"۔اس مثال میں"ضَوْءَ النَّهَارِ"مشبہ اور"جَبِيْنُهُ"مشبہ بہ ہے،لیکن اصل میں"جَبِيْنُهُ"مشبہ اور"ضَوْءَ النَّهَارِ"مشبہ بہ ہے،اس قلب کی وجہ یہ ہے کہ سامع اور مخاطب کو یہ تاثر دیاجاتاہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں مشبہ کے بنسبت زیادہ واضح ہے۔

۲۔۔۔تشبیہ غیر مقلوب کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ بہ کو مشبہ نہ قرار دیا جائے، جیسے "أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ" اس میں مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں[۱]۔

فصل ہفتدہم: تشبیہ تفضیلی کا بیان

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ تفضیلی ۲۔ تشبیہ غیر تفضیلی

۱۔۔۔ تشبیہ تفضیلی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں ایک شئ کی تشبیہ دوسری شئ کیساتھ دی جائے، خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً ہو، پھر تشبیہ سے اس لیے عدول کیا جائے کہ مشبہ مشبہ بہ سے اعلی اور افضل ہے، جیسے شعر ہے۔

حَسِبْتُ جَمَالَهَا بَدْراً مُّنِيْراً وَأَيْنَ الْبَدْرُ مِنْ ذَاكَ الْجَمَالِ

۲۔۔۔ تشبیہ غیر تفضیلی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں ایک شئ کی تشبیہ دوسری شئ کیساتھ دی گئ ہو، خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً ہو، لیکن تشبیہ سے عدول نہ کیا گیا ہو، جیسے "مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ"۔ اس میں "مُنَافِقِ" مشبہ اور "شَاةِ" مشبہ بہ ہے اور تشبیہ سے بھی کسی قسم کا عدول نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: تشبیہ مقلوب میں تفنن کلام مقصود ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: تشبیہ مقلوب میں حد درجہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔[۲]

قاعدہ نمبر ۳: تشبیہ مقلوب کو تشبیہ معکوس، تشبیہ منعکس، طرد وعکس اور غلبۃ الفروع علی الاصول بھی کہتے ہیں۔[۳]

قاعدہ نمبر ۴: اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآنِ مجید میں تشبیہ مقلوب پائی جاتی ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ اس کا مدار مبالغہ پر ہوتا ہے اور کلامِ باری علی وجہ التحقیق ہے نہ علی وجہ المبالغہ ہے، لیکن بعض

---

[۱] عروس الافراح: ۲/ ۸۳۔

[۲] جواہر البلاغۃ: ۲۴۰۔

[۳] جواہر البلاغۃ: ۲۴۰، علم البیان: ۹۵۔

حضرات اس کے قائل ہیں، کیونکہ تشبیہ مقلوب میں تفنن کلام اور بلاغت پائی جاتی ہے، قرآن مجید میں "إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا "اور"وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى "وغیرہ، اس کا قبیل سے ہیں۔ (۱)

فائدہ نمبر ا: تشبیہ مقلوب میں شرط ہے کہ وہ عرف اور عادت کے مطابق ہو اور اس میں انعکاس اور قلب متعارف ہو، لیکن اگر غیر معہود اسلوب ہو تو تشبیہ معیوب کہلائے گا (۲)۔

قاعدہ نمبر ۵: تشبیہ تفضیلی میں اس بات کا ادعاء ہوتا ہے کہ مشبہ مشبہ بہ سے اعلی اور افضل ہے۔ (۳)

قاعدہ نمبر ۶: تشبیہ مقلوب اور تشبیہ تفضیلی میں ایک نوع مشابہت پائی جاتی ہے۔ (۴)

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا، أَفَمَن يَّخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ، لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ، مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ، أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ، رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، حُمْرَةُ الْوَرْدِ مِثْلُ خَدَّيْ مَحْبُوْبَتِهِ، وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ وَجْهُ الْخَلِيفَةِ حِينَ يُمْتَدَحُ، كَأَنَّ ضَوْءَ النَّهَارِ جَبِيْنُهُ، كَأَنَّ نَشْرَ الرَّوْضِ حُسْنُ سِيْرَتِهِ، كَمْ مِنْ دَمٍ أَهْرَقْنَاهُ فِي الْبَرِّ، وَشَخْصٍ أَغْرَقْنَاهُ فِي الْبَحْرِ؛ فَأَصْبَحَ الْبَرُّ بَحْرًا مِّنْ دِمَائِهِمْ، وَالْبَحْرُ بَرًّا بِأَشْلَائِهِمْ. فَكَأَنَّهُ خَمْرٌ وَّلَا قَدَحٌ وَكَأَنَّهُ قَدَحٌ وَّلَا خَمْرٌ، الْخَمْرُ تُفَاحٌ جَرٰى ذَائِبًا كَذٰلِكَ التُّفَاحُ خَمْرٌ جَمَدْ، أَحِنُّ لَهُمْ وَدُوْنَهُم فَلَاةٌ كَأَنَّ فَسِيحَهَا صَدْرُ الْحَلِيْمِ

چند حل شدہ مثالیں:

✍...إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "الْبَيْعُ" مشبہ کو امر ثانی "الرِّبَا" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "مِثْلُ "اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المعقول بالمعقول، اس لیے کہ طرفین عقلی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ

---

(۱) خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۷۴-۲۷۹، التشبیہات القرآنیہ: ۴۲۔

(۲) علم البیان: ۱۰۱۔

(۳) جواہر البلاغۃ: ۲۴۰۔

(۴) ہامش جواہر البلاغۃ: ۲۴۰۔

حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔ تشبیہ غیر ضمنی، اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے۔ تشبیہ مقلوب، اس لیے کہ مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی، اس لیے کہ غیر معدول ہے۔

✍...لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امر اول "امہات المؤمنین" مشبہ کو امرِ ثانی "أَحَدٍ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "ك" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔ تشبیہ غیر ضمنی، اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے۔ تشبیہ مقلوب، اس لیے کہ مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی، اس لیے کہ غیر معدول ہے۔

فصل ہشتدہم: تشبیہ سلبی کا بیان

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تشبیہ سلبی ۲۔ تشبیہ غیر سلبی

۱۔۔۔ تشبیہ سلبی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ مسلوب عن الطرفین (مشبہ، مشبہ بہ) ہو، یعنی جس میں ترکیبِ تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ، اداتِ) ہونے کے باوجود طرفین میں کوئی وجہ شَبہ (وصفِ مشترکہ) نہ ہو، بلکہ طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) آپس میں ضدین ہوں یا ضدین کی مانند ہوں، جیسے " قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ " وغیرہ۔

۲۔۔۔ تشبیہ غیر سلبی کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں وجہ شَبہ مسلوب عن الطرفین (مشبہ، مشبہ بہ) نہ ہو، جیسے "مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَالصَّائِمِ الْقَائِمِ" وغیرہ۔ اس میں وجہ شبہ مسلوب عن الطرفین نہیں۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔

فصل نو دہم: تشبیہ مطلق اور تشبیہ مشروط کا بیان

۱۔۔۔ تشبیہ مطلق کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ بہ نہ کسی شرط کیساتھ مقید ہو اور نہ ہی تشبیہ میں کوئی عکس و تبدیلی ہو، جیسے " وَلَهُ الْجَوارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ" اس آیت میں "الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ" مشبہ اور "الْأَعْلَامِ" مشبہ بہ ہے، نہ تو اس میں کوئی شرط ہے اور نہ ہی کوئی عکس و تبدیل ہے۔

۲۔۔۔ تشبیہ مشروط کی تعریف:

وہ تشبیہ ہے، جس میں مشبہ بہ کسی شرط کیساتھ مشروط ہو، جیسے "وَجْهُ هُوَ كَالشَّمْسِ لَوْلَا كُسُوْفُهَا " اس مثال میں مشبہ بہ "شَمْسِ" اس شرط "لَوْلَا كُسُوْفُهَا" کیساتھ مشروط ہے، نیز شعر ہے۔

عَزَمَاتُهُ مِثْلُ النُّجُومِ ثَوَاقِباً   لَوْ لَمْ يَكُنْ لِلثَّاقِبَاتِ أُفُولُ

ترجمہ: ممدوح کے ارادے ستاروں کی طرح روشن ہیں اگر ستاروں کے لیے غروب ہونا نہ ہوتا۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: تشبیہ سلبی اکثر استفہام انکاری کی اسلوب میں پایا جاتا ہے۔ [۱]

قاعدہ نمبر ۲: کبھی تشبیہ سلبی میں استفہامِ انکاری ظاہر اً مذکور نہیں ہوتا، بلکہ قرائنِ خارجیہ سے استفہامِ انکاری کا مفہوم ہوتا ہے۔ قرینہ خارجیہ یا تو محض شریعت ہو گی، جیسے "نَفْيُ تَشْبِيْهٍ بَيْنَ الْبَيْعِ وَالرِّبَا" یا شریعت اور عقل دونوں ہوں گے، جیسے "نَفْيُ تَشْبِيْهٍ بَيْنَ مَن يَّخْلُقُ وَمَن لَّا يَخْلُقُ"، اور یا عادت اور واقع ہوں گے، جیسے "نَفْيُ تَشْبِيْهٍ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى." وغیرہ۔ [۲]

قاعدہ نمبر ۳: تشبیہ سلبی میں عموماً صرف مشبہ مذکور ہوتا ہے، باقی ارکانِ تشبیہ محذوف ہوتے ہیں، جیسے " (أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. .)." وغیرہ۔ اس آیت

---

[۱] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۹۰، ۲۷۴۔

[۲] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/ ۲۷۴۔

میں صرف مشبہ مذکور ہے، باقی ارکانِ تشبیہ محذوف ہیں۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔" أَفَمَنْ عَرَفَ اللهَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ اللُّطْفِ فَلَطَفَ بِهِ حَتّٰى شَرَحَ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَرَغِبَ فِيْهِ وَقَبِلَهُ كَمَن لَّا لُطْفَ لَهُ ".[۱]

قاعدہ نمبر۴: تشبیہ سلبی ارکانِ ثلاثہ (مشبہ بہ، وجہ شَبہ، ادات) کے محذوف ہونے کی وجہ سے بظاہر استعارہ بالکنایہ معلوم ہوتا ہے، لیکن بیانیین حضرات کے نزدیک تشبیہ ہی ہے، جس کے دو موانع ہو سکتے ہیں، پہلا مانع یہ ہے کہ اس میں ارکانِ محذوفہ مقدر ہوتے ہیں، کیونکہ استفہامِ انکاری کا جواب لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے، دوسرا مانع یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ میں ضرور ایسا رمز اور قرینہ ہوتا ہے جو مشبہ بہ کا قائم مقام ہوتا ہے، تاہم ان اسالیب میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے، استعارہ بالکنایہ نہیں۔[۲]

قاعدہ نمبر۵: تشبیہ سلبی اگرچہ تشبیہ ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود طرفین میں کوئی ربط اور مناسبت نہیں پائی جاتی ہے۔[۳]

قاعدہ نمبر۶: تشبیہ سلبی میں عموماً اداتِ تشبیہ مذکور ہوتے ہیں، تاہم کبھی مقدر بھی ہوتے ہیں۔[۴]

قاعدہ نمبر۷: کبھی تشبیہ سلبی میں اداتِ سلب کی جگہ ایسا فعل مذکور ہوتا ہے، جس سے نفی مفہوم ہوتا ہے، جیسے " (هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ) ؟." وغیرہ۔[۵]

قاعدہ نمبر۸: قرآن مجید میں تشبیہ سلبی وہاں ہوتی ہے، جہاں فریقین یا دو چیزوں میں باہمی مقارنت اور تقابل مقصود ہو۔[۶]

قاعدہ نمبر۹: تشبیہ سلبی میں طرفین آپس میں ضدین یا ضدین کی مانند ہوتے ہیں۔[۷]

قاعدہ نمبر۱۰: تشبیہ سلبی قرآنِ مجید کے خصائص اور مزایا میں سے ہے۔[۸]

---

[۱] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۵۔
[۲] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۴-۲۷۵۔
[۳] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۳۔
[۴] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۳۔
[۵] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۳۔
[۶] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۳۔
[۷] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۳۔
[۸] خصائص التعبیر القرآنی:۲/ ۲۷۵۔

قاعدہ نمبر ۱۱: اکثر قرآنِ مجید جب کفر اور ایمان، یا ہدایت اور گمراہی، یا اطاعت اور معصیت کے متعلق بحث کرتا ہے تو وہاں تشبیہ سلبی کے اسلوب کا اختیار کیا جاتا ہے، جیسے "(أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ). "(أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا" "(أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ" وغیرہ۔[1]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا، أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى، أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ، أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ، أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا، أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ، أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ، ذٰلِكَ بِأَنهُمْ قَالُوْا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا، أُشَبِّهُ وَجْهَهُ مُلَوَّنًا بِالْعِيْدِ الْمُقْبِلِ لَوْ كَانَ الْعِيْدُ تَبْقٰى مَيَامِنُهُ وَتَدُوْمُ مَحَاسِنُهُ، وَجْهُ هُوَ كَالشَّمْسِ لَوْلَا كُسُوْفُهَا وَالْقَمَرِ لَوْلَا خُسُوْفُهُ-

ایک حل شدہ مثال:

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "مُؤْمِنًا" مشبہ کو امرِ ثانی "فَاسِقًا" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ

---

[1] خصائص التعبیر القرآنی: ۲/۲۷۱۔

سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مرسل، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے، غیر تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور ہے۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔ تشبیہ غیر ضمنی، اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے۔ تشبیہ مقلوب، اس لیے کہ مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی، اس لیے کہ غیر معدول ہے۔ تشبیہ سلبی، اس لیے کہ تشبیہ مسلوب عن الطرفین ہے۔

فصل بستم: تشبیہ مکنی (مضمر) کا بیان

تشبیہ مکنی (مضمر) کی تعریف:

"هُوَ تَشْبِيْهٌ مُّضْمَرٌ لَّمْ يُذْكَرْ فِيْهِ لَفْظُ الْمُشَبَّهِ بِهِ، وَإِنَّمَا ذُكِرَ فِيْهِ بَعْضُ صِفَاتِهِ، أَوْ بَعْضُ خَصَائِصِهِ، أَوْ بَعْضُ لَوَازِمِهِ الْقَرِيْبَةِ أَوِ الْبَعِيْدَةِ كِنَايَةً عَنْهُ." یعنی وہ تشبیہ بلیغ ہے، جس میں مشبہ بہ مذکور نہ ہو، بلکہ مشبہ بہ کے بعض ایسے اوصاف اور خصائص یا لوازمِ قریبہ یا بعیدہ مذکور ہوں، جو اس کی طرف مشیر ہوں، جیسے "نَادَيْتُ خَالِداً فَجَاءَنِيْ بِجَنَاحِ السُّرْعَةِ". اس مثال میں خالد کی سُرعتِ مجیئت کو "طَائِرٌ" کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور مشبہ بہ غیر مذکور ہے، لیکن مشبہ بہ کے لوازمات میں سے "جَنَاحِ" کو ذکر کیا گیا ہے[1]۔

---

[1] ولم يذكر البيانيّون هذا القسم من أقسام التشبيه، لكن يُفْهم من بعض كلام الخطيب القزويني، إذْ ذهبَ إلى غير ما ذهب إليه السَّكاكي في الاستعارة التخييليّة، وهنا ألاحظ أنّ أمثلة كثيرة اختلطت على الباحثين والكاتبين في علم البيان، هل يجعلونها من التشبيه أمْ من الاستعارة التي يسمّونها استعارة تخييليّة؟ وكان ذلك منهم بسبب عدم فَرْزِ قسم التشبيه

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: تشبیہ مکنی مضمر اصل میں تشبیہ بلیغ ہوتی ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: تشبیہ بلیغ میں مشبہ بہ کو حذف کرنے سے تشبیہ مکنی مضمر بن جاتی ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: تشبیہ مکنی مضمر تشبیہ بلیغ سے ابلغ ہوتی ہے[۳]۔

قاعدہ نمبر ۴: تشبیہ مکنی استعارہ نہیں کہلاتا، کیونکہ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ کے اوصاف اس طرح مذکور ہوتے ہیں، جس سے تشبیہ کا مفہوم ہوتا ہے[۴]۔

قاعدہ نمبر ۵: اکثر بیانیین حضرات نے تشبیہ مکنی مضمر کو استعارہ تخییلیہ کے قبیل سے قرار دیا ہے، لیکن یہ بات محلِ نظر ہے، کیونکہ تشبیہ بلیغ کی معروف چھ صورتیں ہیں، جو ما قبل مذکور ہیں، اگر ان صورتوں میں سے کوئی ایک صورت متحقق ہو تو تشبیہ بلیغ کہلائی گئی، ورنہ استعارہ ہو گا[۵]۔

قاعدہ نمبر ۶: استعارہ کے تحقق کے لیے چھ عدمی شرائط ہیں، پہلا شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ کے لیے خبر نہ ہو۔ دوسرا شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ کے لیے حال واقع نہ ہو۔ تیسرا شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ کے لیے صفت نہ

المكنّي عن التشبيه البليغ الذي يُذْكَرُ فيه المشبَّهُ باللفظ الدّالّ عليه مباشرة، ويُغْضُونَ النظر عن الضابط الذي ذكروه للفرق بين الاستعارة والتشبيه، وهذا الفرق يقضي بأن لا يجتمع في الكلام المشبَّه والمشبَّه به على وجه يُنْبِئ عن التشبيه، في وجه من الوجوه السّتّة الآتي شرحُها مع أمثلتها، لدى الكلام على الاستعارة، وهي:"أن لا يكون المشبّه به خبراً عن المشبَّه - وأن لا يكون المشبّه به حالاً للمشبَّه - ولا صِفَةً له - ولا مضافاً إلى المشبَّه - ولا مَصْدراً مُبَيِّناً لنوعه - وأن لا يكون المشبَّهُ مبيّناً في الكلام للمشبَّه به".فالعبارات التي يكون فيها شيءٌ من هذه الوجوه السّتّة تكون من التشبيه لا من الاستعارة، بحسب ما قرّروا، وهو حقٌّ.غير أنّ كثيراً من الأمثلة الّتي يوردها بعض البيانيين في الاستعارة، ويعتبرونها من الاستعارة القائمة على التخييل، هي من التشبيه المكِنّي لدى التحليل. (البلاغة العربية:۲/۲۱۰)

[۱] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

[۲] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

[۳] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

[۴] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

[۵] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

ہو۔ چوتھا شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ مفعول مطلق (نوعی) واقع نہ ہو۔ پانچواں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ کے لیے بیان نہ ہو۔ چھٹا شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ کے لیے صفت نہ ہو[1]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں مذکورہ اقسام کی تعیین کیجیے، نیز انطباق کریں۔

يَنقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ، إِنَّ لِلطَّاعِمِ الشَّاكِرِ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَا لِلصَّائِمِ الصَّابِرِ، عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ فَارِسٌ شُجَاعٌ ذُوْ بَأْسٍ فِي الْحَرْبِ يَفْتَرِسُ أَقْرَانَهُ، إِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ عَطِيَّتِهِ كَمَثَلِ الْكَلْبِ، نَادَيْتُ خَالِدًا فَجَاءَنِيْ بِجَنَاحِ السُّرْعَةِ، فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلَى أَدْنَاكُمْ، مَثَلُ الَّذِيْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِيْ صِغْرِهِ كَالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ وَمَثَلُ الَّذِيْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِيْ كِبْرِهِ كَالَّذِيْ يَكْتُبُ عَلَى الْمَاءِ.

ایک حل شدہ مثال:

نَادَيْتُ خَالِدًا فَجَاءَنِيْ بِجَنَاحِ السُّرْعَةِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "سرعت مجیئت خالد" مشبہ کو امرِ ثانی "طائر" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مؤکد، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور نہیں، تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ ادات تشبیہ مذکور نہیں۔ تشبیہ مقبول، اس لیے کہ تشبیہ سے غرض تشبیہ حاصل ہے۔ تشبیہ غیر ضمنی، اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے۔ تشبیہ مقلوب، اس لیے کہ مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی، اس لیے کہ غیر معدول ہے۔ تشبیہ غیر سلبی، اس لیے کہ تشبیہ مسلوب عن الطرفین نہیں۔ تشبیہ مکنی مضمر اس لیے کہ وہ تشبیہ بلیغ ہے، جس میں مشبہ بہ مذکور نہیں، بلکہ مشبہ بہ کے بعض ایسے اوصاف اور خصائص مذکور ہوں، جو مشبہ بہ کی طرف مشیر ہیں۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۲۰۴۔

فصل یک بستم: اغراضِ تشبیہ کا بیان

اغراض تشبیہ بے شمار ہیں، اس لیے کہ متکلم کے ذہن میں بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، جن کی وجہ سے وہ ایک شئ کو دوسری شئ کیساتھ تشبیہ دے۔ جو اپنے اپنے موقع پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں، تاہم اتنی بات ہے کہ غرضِ تشبیہ اکثر مشبہ سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی مشبہ بہ سے بھی متعلق ہوتی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اغراض تشبیہ میں سے جن کا تعلق مشبہ کیساتھ ہے اور درج ذیل ہیں۔

۱۔ بیانِ امکانِ المشبہ ۲۔ بیانِ حالِ المشبہ ۳۔ بیانِ حالِ مقدار المشبہ ۴۔ تقریرِ حالِ المشبہ ۵۔ تزیین المشبہ ۶۔ تقبیح لمشبہ ۷۔ تشحیذ الاذھان ۸۔ استطراف المشبہ ۹۔ دقۃ المعانی ۱۰۔ تغطیۃ المقصود تادباو استحیاء۔

۱۔۔**بیانِ امکانِ المشبہ**: تشبیہ سے مشبہ کے وجود کا امکان ثابت کرنا۔ اور یہ وہاں ہوتی ہے کہ جہاں مشبہ کے ممتنع ہونے کا دعوی ہو سکے، اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ کیساتھ مشہور ہو اور امکانیت میں مسلم ہو تا کہ مشبہ کے ممکن ہونے پر دلیل ہو۔ جیسے متنبی کا یہ شعر ہے۔

فإن تَفُقِ الْأَنَامَ وَأَنْتَ مِنْهُمْ فَإِنَّ الْمِسْكَ بَعْضُ دَمِ الْغَزَالِ

متنبی نے اس شعر میں یہ دعوی کیا ہے کہ میرا ممدوح اپنے تمام ہم عصر لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے اور کمالِ فوقیت میں اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ گویا وہ ایک مستقل نوع ہے جو افرادانسان سے بالکل ممتاز ہے اور یہ چیز بظاہر محال ہے، اس لیے اس دعوی پر دلیل قائم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ بات کچھ بعید نہیں، کیونکہ مشک وکستوری ہرن کے خون سے پیدا ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اسے خون شمار نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح ممدوح بھی گو در حقیقت عام لوگوں میں سے ہ، مگر اوصافِ خاصہ کی وجہ سے عام لوگوں سے شمار نہیں ہوتا۔

۲۔۔۔**بیانِ حالِ المشبہ**: تشبیہ سے غرض مشبہ کی حال کی توضیح مقصود ہو، یعنی یہ دکھانا مقصود ہو کہ وہ کس وصف کیساتھ متصف ہے، مثلاً سفید ہے یا سیاہ ہے یا سرخ ہے وغیرہ، جیسے کسی چیز کو سیاہی یا سفیدی میں دوسری چیز کیساتھ تشبیہ دیں۔ اس قسم میں یہ شرط ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ کیساتھ مشہور ہو، اس لیے کہ جب مشبہ بہ وجہ شبہ کیساتھ مشہور ہو گا تو اس کے حال پر آگاہی ہو گی۔

۳۔ ۔۔**بیانِ حالِ مقدار المشبہ**: تشبیہ سے غرض مشبہ کے حال کی مقدار بیان کرنا مقصود ہو تا کہ مشبہ کا حال قوت وضعف اور زیادت ونقصان میں معلوم ہو جائے، اس صورت میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ کے حال کی مقدار مشبہ کے حال کی مقدار کے برابر مشہور ہو۔ نہ کم ہو اور نہ ہی زیادہ ہو۔ تا کہ مشبہ کے حال کی مقدار جیسی نفس الامر میں ہے ویسی

ہی معین کی جائے۔ مثلا: کالے کپڑے کو سیاہی میں کوے کیساتھ تشبیہ دینا، یا سفید کپڑے کو برف کیساتھ تشبیہ دینا اور شراب کو سرخی میں خونِ کبوتر کیساتھ تشبیہ دینا اور کمرِ یار کو باریکی میں بال کیساتھ تشبیہ دینا وغیرہ۔

۴۔۔۔ **تقریرِ حالِ المشبہ:** تشبیہ سے غرض مشبہ کا حال سامع کے ذہن نشیں کرنا مقصود ہو۔ اس قسم میں اکثر غرض تشبیہ بطور تمثیل کے واقع ہوتی ہے، اس صورت میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ کے اکمل اور اشہر ہو، کیونکہ طبیعت ومزاج کامل اور مشہور کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے، مثلا سعی بے فائدہ کو نقش بر آب سے تشبیہ دینا، اس لیے کہ دونوں جلد مٹ جاتے ہیں، یا کسی امر کے دلنشین ہونے کو پتھر کی لکیر سے تشبیہ دیں کہ وہ نہیں مٹتی ہیں۔

۵۔۔۔ **تزیین المشبہ:** تشبیہ سے غرض مشبہ کی تزیین وتحسین مقصود ہو، اس میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ حسن اور خوبصورتی میں معروف اور مشہور ہو۔ تاکہ مشبہ کی خوب توضیح ہو۔ جیسے معشوق کے رخ انور کی تشبیہ چاند کیساتھ دینا، سخی کی تشبیہ سمندر کیساتھ دینا، رخسار کی تشبیہ گلاب کیساتھ دینا وغیرہ۔

۶۔۔۔ **تقبیح المشبہ:** تشبیہ سے غرض مشبہ کی قباحت مقصود ہو، اس میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ قباحت میں معروف اور مشہور ہو۔ تاکہ مشبہ کی خوب توضیح ہو۔ اور سامع کے دل میں اس کی قباحت اور نفرت پیدا ہو جائے، جیسے چیچک رو کو مرغ کے کریدے ہوئے گوبر کے پنیڈ کیساتھ تشبیہ دی جائے۔ یا جیسے بدصورت کی تشبیہ دیو سے دینا۔ اور احمق کو گدھے کیساتھ تشبیہ دینا وغیرہ۔

۷۔۔۔ **تشحیذ الاذہان:** تشبیہ سے غرض سامع اور مخاطب کی تشحیذ ذہنی مقصود ہو اور دقت فکر اور بالغ النظر حضرات کی توجہ مبذول کا مطلوب ہو، جیسے قرآن مجید میں حق وباطل کی کشمکش اور معرکہ ایمان ومادیت کی موسلا دار بارش کیساتھ دی ہے، ارشاد باری تعالی ہے۔ " أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ "(سورۃ الرعد:۱۷)۔

۸۔۔۔ **استطراف المشبہ:** تشبیہ سے غرض مشبہ کا نادر اور طرفہ ہونا مقصود ہو، یعنی مشبہ تشبیہ کی وجہ سے ایسی صورت پر واقع ہو کہ عادت کے طور اس کی صورت کا ذہن میں حاضر ہونا ممتنع ہو۔ یہ تشبیہ پیشتر خیالی اور وہمی میں پایا جاتا ہے، مشبہ کے نادر اور طرفہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مشبہ بہ (جس کی وجہ سے مشبہ نادر اور طرفہ ہو جاتا ہے) فی نفسہ نادر الحضور فی الذہن ہو، جیسے "تَشْبِيْهُ الْفَحْمِ فِيْهِ جَمْرٌ مُوْقَدٌ بِبَحْرٍ مِّنَ الْمِسْكِ مُوَجَّهُ الذَّهَبِ" اس کوئلہ کو جس میں چنگاری سلگتی ہو مشک کے اس سمندر کیساتھ تشبیہ دی جائے جس کی موج پگھلا ہوا سونا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ مشبہ بہ عقلا اگرچہ ممکن ہے، لیکن عادۃ ممتنع ہے اور جو چیز عادۃ ممتنع ہوتی ہے وہ

غریب ہی ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشبہ بہ فی نفسہ نادر اور طرفہ نہ ہو، بلکہ مشبہ کے حضور فی الذہن کے وقت مشبہ بہ کا حضور فی الذہن نادر ہو، یعنی جس وقت مشبہ حاضر ہو اس وقت مشبہ بہ کی ندرت اور طرفگی متحقق ہو۔ جیسے ابن المعتز کا یہ شعر ہے۔ ع

وَلَا زَوَرْدِيَّةٍ تَزْهُوْ بِزُرْقَتِها ۔۔۔ بَيْنَ الرِّياضِ عَلَى حُمْرِ اليَواقِيتِ

كَأَنَّهَا فَوْقَ قَامَاتٍ ضَعُفْنَ بِهَا ۔۔۔ أَوَائِلُ النَّارِ فِي أَطْرَافِ كِبْرِيتِ

ترجمہ: گل بنفشہ کے شگوفے فخر کرتے ہیں اپنی تروتازگی کی وجہ سے باغات میں ان شگوفوں پر جو یاقوت کی طرح سرخ ہیں، گویا کہ وہ اپنے کمزور تنوں پر دیاسلائی کے مصالحہ کے سرے کی شروع شروع کی آگ ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "أَوَائِلُ النَّارِ فِيْ أَطْرَافِ كِبْرِيتِ" ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آگ کی اطراف کبریت کیساتھ اتصال گو نادر الحضور ہے، لیکن اتنا نہیں جتنا کہ "بَحْرُالْمِسْكِ الخ۔۔۔" نادر الحضور ہے، ہاں مشبہ یعنی بنفشہ کے حضور فی الذہن کے وقت بالکل نادر الحضور ہے، یعنی اس میں دو متباعد صورتوں کے ملاقی ہونے سے غرابت پیدا ہو چکی ہے۔ اور اُردو میں اس کی مثال یہ شعر ہے۔ ع

تری آنکھوں کی گردش دیکھ کر سب لوگ کہتے ہیں ۔۔۔ یہ پُتلی پھر رہی ہے واہ! کس انداز سے گُل پر

پُتلی کا گُل پر پھرنا کوئی عجیب بات نہیں، لیکن جب آنکھوں کی گردش کا اور پُتلی کے گل پر پھرنے کا تصور ہوا تو ان متباعد صورتوں کے متصل ہونے سے ندرت حاصل ہو گئی ہے۔

۹۔۔۔دقۃ المعانی: تشبیہ سے غرض دقیق معانی اور متنوع افکار کی تفہیم وترویج مقصود ہو، جن کی تحلیل وتوضیح کے لیے اسلوبِ تشبیہ سے ہٹ کر مختلف اسالیب اور دفاتر درکار ہوں، لیکن تشبیہ سے وہ تمام معانی اور مفاہیم انتہائی مختصر الفاظ میں بیان ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے لیے صرف کہہ دینا کہ "مِثْل هٰذا" (یہ اس کی مانند ہے) کافی ہو جاتا ہے۔

۱۰۔۔۔تَغْطِيَةُ الْمَقْصُوْدِ تَأَدُّبًا وَّاسْتِحْيَاءً: تشبیہ سے غرض کبھی مقصود کو ادب واحترام اور حیاء کی وجہ سے صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے، جیسے ازدواجی تعلق کو "وَضْعُ الْمِيْلِ فِي الْمُكْحُلَةِ." کیساتھ تشبیہ دینا۔

کبھی غرضِ تشبیہ مشبہ بہ سے وابستہ ہوتی ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔۔۔ ایہام اتمیۃ المشبہ بہ فی وجہ الشبہ: متکلم سامع کے ذہن میں یہ بات ڈالے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشبہ سے اقوی ہے، اس کو تشبیہ مقلوب کہتے ہیں، علامہ ابن الاثیرؒ نے کنز البلاغۃ میں اسے "غَلَبَةُ الْفُرُوْعِ عَلَى الْأَصْلِ" کیساتھ موسوم کیا ہے، اس کی مثال یہ شعر ہے، جو محمد بن وہیب نے مامون الرشید کی تعریف میں کہا ہے۔ ع

وَبَدَا الصَّبَاحُ كَأَنَّ غُرَّتَهُ ۔۔۔ وَجْهُ الخَلِيفَة حِيْنَ يُمْتَدَحُ

اس میں شاعر نے "خلیفہ کے چہرہ انور" کو مشبہ بہ اور "غرہ صباح" کو مشبہ بناکر یہ بتلایا ہے کہ ضیاء اور وضوح میں ممدوح کا چہرہ اتم اور اقوی ہے۔اس کی مثال یہ آیت بھی ہے۔"قیاس کا مقتضی" ہے، لیکن انہوں حلت رباء کو اصل قرار دیا ہے۔

۲۔۔۔**اہتمام المشبہ بہ:** مشبہ بہ کا اہتمام مقصود ہو۔اس کو اظہار مطلوب کہتے ہیں، جیسے کوئی بھوکا آدمی حسین و جمیل چہرے کو (جو چمک دمک اور گولائی میں چاند کی طرح ہو) روٹی کیساتھ تشبیہ دے۔[۱]

قواعد

قاعدہ نمبر ۱: مذکورہ تمام اغراض کا تعلق مشبہ کیساتھ ہے۔[۲]

قاعدہ نمبر ۲: اکثر تشبیہ کے اغراض کا تعلق مشبہ کیساتھ ہوتا ہے، تاہم تشبیہ مقلوب میں اغراضِ تشبیہ کا تعلق مشبہ بہ کیساتھ ہوتا ہے۔[۳]

قاعدہ نمبر ۳: بیان حال مشبہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مشبہ غیر معروف الصفۃ ہو تو مشبہ بہ ذکر کرکے اس کی کیفیت کو واضح کیا جاتا ہے۔ بیانِ حال مقدار مشبہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مشبہ غیر معروف الکمیۃ ہو تو مشبہ بہ ذکر کرکے اس کی کمیت (مقدار) کو واضح کیا جاتا ہے۔ تزیین مشبہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مشبہ کی تزیین اور تحسین مطلوب ہو۔ اور تقبیح مشبہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مشبہ کی تقبیح اور تنقیص مطلوب ہو۔

قاعدہ نمبر ۴: تشبیہ کا اسلوب اس اختیار کیا جائے گا کہ جب ناقص حقیقی کو (تشبیہ مستقیم) میں یا ناقص ادعائی کو (تشبیہ مقلوب میں) زائد (حقیقی یا ادعائی) کیساتھ لاحق کرنا مقصود ہو، لیکن اگر دو چیزوں کو کسی ایک صورت اور شکل میں صرف جمع کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں بہتر ہے کہ ان دونوں کو متشابہ الحکم قرار دیتے ہوئے تشبیہ کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ تشابہ بین الشیئین مقتضی تساوی ہے اور تشبیہ مقتضی تفاوت ہے اگر اس صورت میں تشبیہ کو ذکر کیا جائے تو ایک کی دوسرے پر ترجیح لازم آئے گی، حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے، جیسے ابو اسحاق صابی کا یہ شعر ہے۔

تَشَابَهَ دَمْعِي إِذْ جَرَى وَمُدَامَتي فمِنْ مِثْل مَا فِي الكأسِ عَيْنَي تَسْكبُ
فوَاللهِ مَا أَدْري أَبالخمر أَسْبَلَتْ جُفونيَ أمْ من عَبْرَتي كُنْتُ أشْرَبُ

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے البلاغۃ العربیہ للمیدانی: ۲/۱۶۸۔

(۲) البلاغۃ الواضحۃ: ۵۴۔

(۳) البلاغۃ الواضحۃ: ۵۵۔

ترجمہ:جب میرے آنسو جاری ہوئے تو میرے آنسو اور میری شراب مشابہ ہوگئے،پس جو کچھ شراب کے پیالہ میں ہے میری آنکھیں برسا رہی ہیں خدا کی قسم!مجھے نہیں معلوم کہ میری آنکھیں شراب رو رہی ہیں یا میں اپنے آنسو پی رہاہوں!

اس شعر میں شاعر کا مقصد شراب اورآنسووں میں مساوات ظاہر کرنا ہے،اس لیے اس نے تشبیہ کو ترک کرکے صرف اسلوب تشابہ پر اکتفاء کیا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۵:ایک تشبیہ کے متعدد اغراض بھی ہوسکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر٦:تشبیہ اور تشابہ میں فرق یہ ہے کہ تشبیہ وہاں ہوتی ہے،جہاں مشبہ بہ وجہ شَبہ میں مشبہ سے اقوی ہو اور تشابہ وہاں ہوتی ہے،جہاں طرفین وصف مشترکہ میں مساوی ہوں۔

---

[1] مختصر المعانی:۲/۶۰۔

خاتمہ بابِ اول

خاتمہ بابِ اول درج سات فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: تشبیہ کی چند تطبیقی مثالیں

فصل دوم: دلالت کا بیان

فصل سوم: دلالت کی اقسام وانواع

فصل چہارم: دلالت لفظی وضعی کی اقسام وانواع

فصل پنجم: وجہ شبہ کے تعدد اور عدم تعدد کے اعتبار سے تقسیم

فصل ششم: تشبیہات سورۃ البقرۃ

فصل ہفتم: تشبیہات سورۃ آل عمران

فصل اول: تشبیہ کی چند تطبیقی مثالیں

✍...خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالفَخَّارِ:

تشبیہ اس لیے کہ امر اول "صَلْصَالٍ" مشبہ کو امر ثانی "الفَخَّارِ" مشبہ بہ کیساتھ وصفِ مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر تمثیلی اس لیے کہ وجہ شَبہ امورِ متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مفصل اس لیے کہ وجہ شَبہ مذکور ہے، تشبیہ قریبہ اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہورِ وجہ شَبہ کے علی الفور ہے، تشبیہ حقیقیہ اس لیے کہ وجہ شَبہ طرفین میں علی سبیل التحقق ہے، تشبیہ مرسل اس لیے کہ اداتِ تشبیہ مذکور ہے، تشبیہ مقبول اس لیے کہ تشبیہ سے غرضِ تشبیہ حاصل ہے، تشبیہ غیر بلیغ اس لیے کہ وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور ہیں، تشبیہ غیر ضمنی اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس اس لیے کہ مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی اس لیے کہ غیر معدول ہے، تشبیہ غیر سلبی اس لیے کہ تشبیہ غیر مسلوب عن الطرفین، غرضِ تشبیہ بیانِ حال مشبہ و یا کہ تقریرِ مشبہ و یا کہ تزیینِ مشبہ۔

✍...النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "النَّاسُ مَعَادِنُ" مشبہ کو امرِ ثانی "مَعَادِنِ الذَّهَبِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "كَ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ مرسل اس لیے کہ اداتِ تشبیہ مذکور ہے، تشبیہ مقبول اس لیے کہ تشبیہ سے غرضِ تشبیہ حاصل ہے، تشبیہ غیر بلیغ اس لیے کہ وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور ہیں، تشبیہ غیر ضمنی اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس اس لیے کہ مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی اس لیے کہ غیر معدول ہے، تشبیہ غیر سلبی اس لیے کہ تشبیہ غیر مسلوب عن الطرفین، غرضِ تشبیہ بیانِ حال مشبہ و یا کہ تقریرِ مشبہ و یا کہ تزیینِ مشبہ۔

✍...مَثَلُ الْمُنَافِقِ مَثَلُ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول "الْمُنَافِقِ" مشبہ کو امرِ ثانی "الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ" مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں بواسطہ "مَثَلُ" ادات تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی

ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے۔ تشبیہ حقیقیہ اس لیے کہ وجہ شَبہ طرفین میں علی سبیل التحقق ہے، تشبیہ مرسل اس لیے کہ اداتِ تشبیہ مذکور ہے، تشبیہ مقبول اس لیے کہ تشبیہ سے غرضِ تشبیہ حاصل ہے، تشبیہ غیر بلیغ اس لیے کہ وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور ہیں، تشبیہ غیر ضمنی اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس اس لیے کہ مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی اس لیے کہ غیر معدول ہے، تشبیہ غیر سلبی اس لیے کہ تشبیہ غیر مسلوب عن الطرفین، غرضِ تشبیہ بیانِ حال مشبہ ویا کہ تقریرِ مشبہ ویا کہ تزیینِ مشبہ۔

✍...صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ:

تشبیہ، اس لیے کہ امرِ اول مشبہ غیر مذکور کو امرِ ثانی "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ "مشبہ بہ کیساتھ وصف مشترکہ غیر مذکورہ میں تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المحسوس بالمحسوس، اس لیے کہ طرفین حسی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد، اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر ملفوف غیر مفروق غیر تسویہ غیر جمع، اس لیے کہ طرفین متعدد نہیں، تشبیہ غیر تمثیلی، اس لیے کہ وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مجمل، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر مذکور ہے، تشبیہ حقیقیہ، اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین میں علی سبیل التحقیق ہے، تشبیہ قریبہ، اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شبہ علی الفور ہے، تشبیہ مؤکد، اس لیے کہ ادات تشبیہ غیر مذکور ہے، تشبیہ بلیغ، اس لیے کہ وجہ شبہ اور ادات تشبیہ دونوں غیر مذکور ہیں۔ تشبیہ غیر ضمنی اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس اس لیے کہ مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی اس لیے کہ غیر معدول ہے، تشبیہ غیر سلبی اس لیے کہ تشبیہ غیر مسلوب عن الطرفین، غرضِ تشبیہ بیانِ حال مشبہ ویا کہ تقریرِ مشبہ ویا کہ تزیینِ مشبہ۔

✍...العِلْمُ كَالنُّوْرِ فِي الهِدَايَةِ:

تشبیہ اس لیے کہ امرِ اول "العلم" مشبہ کو امرِ ثانی "النور" مشبہ بہ کیساتھ وصفِ مشترکہ "الھدایۃ" میں بواسطہ "ک" اداتِ تشبیہ کے تشبیہ دی گئی ہے، تشبیہ المعقول بالمعقول اس لیے کہ طرفین عقلی ہیں، تشبیہ المفرد بالمفرد اس لیے کہ طرفین مفرد ہیں، تشبیہ غیر تمثیلی اس لیے کہ وجہ شَبہ امورِ متعددہ سے منتزع نہیں، تشبیہ مفصل اس لیے کہ وجہ شَبہ مذکور ہے، تشبیہ قریبہ اس لیے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف انتقال بوجہ ظہور وجہ شَبہ کے

علی الفور ہے، تشبیہ حقیقیہ اس لیے کہ وجہ شَبہ طرفین میں علی سبیل التحقق ہے، تشبیہ مرسل اس لیے کہ اداتِ تشبیہ مذکور ہے، تشبیہ مقبول اس لیے کہ تشبیہ سے غرضِ تشبیہ حاصل ہے، تشبیہ غیر بلیغ اس لیے کہ وجہ شَبہ اور اداتِ تشبیہ دونوں مذکور ہیں، تشبیہ غیر ضمنی اس لیے کہ صورۃً تشبیہ ہے، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس اس لیے کہ مشبہ کو مشبہ بہ نہیں قرار دیا گیا ہے، تشبیہ غیر تفضیلی اس لیے کہ غیر معدول ہے، تشبیہ غیر سلبی اس لیے کہ تشبیہ غیر مسلوب عن الطرفین، غرضِ تشبیہ بیانِ حال مشبہ و یا کہ تقریرِ مشبہ و یا کہ تزیینِ مشبہ۔

فصل دوم: دلالت کا بیان

ا۔۔۔دلالت کی لغوی تعریف:

دلالت لغت میں "راہ نمودن" راستہ دکھانے کو کہتے ہیں۔

۲۔۔دلالت کی اصطلاحی تعریف:

"كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يَلْزَمُ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ الْعِلْمُ بِشَيْءٍ آخَرَ." "کسی شئ کا اس طرح ہونا کہ اس کے جاننے سے دوسرے شئ کا علم ہو جائے، اول کو دال اور دوسرے کو مدلول کہتے ہیں، جیسے دھواں دال اورآگ مدلول ہے۔اس تعریف کی مزید وضاحت یہ ہے کہ تمام موجودات پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میں بعض اشیاء کے درمیان اس قسم کا تعلق اوارتباط پایاجاتاہے کہ ان میں جب ایک چیز ہماری سمجھ میں آتی ہے تو اس کیساتھ دوسری چیز بھی سمجھ میں آجاتی ہے، مثلا آفتاب اور دن میں ایسا ربط و تعلق پایاجاتاہے کہ جب آفتاب کے موجود ہونے کا علم ہمیں حاصل ہو جاتاہے تو اس کیساتھ دن کی موجودگی بھی سمجھ میں آتی ہے، اب ان میں سے جو چیز پہلے سمجھ میں آتی ہے اسے دال اور دوسری چیز جو پہلی چیز سے سمجھ میں آتی ہے، اسے مدلول کہتے ہیں۔

فصل سوم: دلالت کی اقسام وانواع

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ دوچیزوں میں وہ ارتباط اور تعلق جو دلالت کا باعث ہوناہے، وہ کبھی قدرتی ہوتاہے، یعنی اس میں کسی واضع کے تعین وتقرر کوکوئی دخل نہیں ہوتا، جیسے دھویں اورآگ کا تعلق۔اور کبھی کسی کے تعلق اور تقرر سے پایاجاتاہے، جیسے تمام اسماء کاوہ تعین وتقرر جوواضعین کی طرف سے ان کے معانی ومفاہیم کے مقابلہ میں آیاہے۔اب اگر وہ ارتباط و تعلق کسی واضع کی تعیین و تخصیص سے ہو، جیسے تمام اسماء کاوہ ارتباط جو اس کے معانی کیساتھ واضعین کی تعیین و تخصیص سے پیدا ہو گیاہے، اس ارتباط سے جو دلالت ہو گی، اس کو دلالت وضعی کہیں گے۔

اگر وہ ارتباط کسی وضع واضع کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ قدرتی ہو تو پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر اس تعلق وارتباط کا باعث طبیعت ہو، یعنی کسی شئ کو مدلول عارض ہو جائے تو اس شئ کو طبیعت خودبخود دال کے اظہار پر مجبور ہو جائے، جیسے انسان کی طبیعت کو درد یابخار عارض ہو جائے تو انسان کی طبیعت خودبخود آہ! اوہ! اور نبض کی تیزی پر مجبور ہو جاتی ہے، تو اس قسم کے ارتباط سے دلالت پیدا ہو گی، اس کو دلالت طبعی کہیں گے اور اگر وہ ارتباط تقرر وضع اور اقتضاء طبع کے علاوہ کسی اور علاقہ سے ہو تو اس قسم کے ارتباط سے جو دلالت پائی جائے گی، اس کو دلالے عقلی کہیں گے، جیسے دھویں کی دلالت آگ پر۔اب اگر ان میں سے ہر ایک کا دال اگر لفظ ہو تو دلالت لفظی کہلائے گی، ورنہ غیر لفظی ہو گی۔اس اعتبار سے

دلالت کی کل چھ قسمیں ہوئیں:۔(۱) وضعی لفظی (۲) وضعی غیر لفظی (۳) طبعی لفظی (۴) طبعی غیر لفظی (۵) عقلی لفظی (۶) عقلی غیر لفظی۔

دلالت کی مذکورہ چھ قسموں میں صرف دلالت وضعی لفظی کارآمد اور مستعمل ہے، کیونکہ افادہ اور استفادہ اسی پر موقوف ہے۔

فصل چہارم: دلالت لفظی وضعی کی اقسام وانواع

دلالت لفظی وضعی کی تین قسمیں ہیں:۔
۱۔ مطابقی ۲۔ تضمنی ۳۔ التزامی

۱۔۔۔دلالت مطابقی کی تعریف:

وہ دلالت وضعیہ ہے، جس میں لفظ کی دلالت کل معنی موضوع لہ پر ہو، جیسے انسان کی دلالت مجموعہ حیوان ناطق پر۔ یا اسم کی دلالت مستقل بالمفہومیت اور غیر مقترن بالزمان دونوں پر۔

۲۔۔۔دلالت تضمنی کی تعریف:

وہ دلالت وضعیہ ہے، جس میں لفظ کی دلالت معنی موضوع لہ کے کسی جزء پر ہو، جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان، یا صرف ناطق پر، یا اسم کی دلالت صرف مستقل بالمفہومیت، یا صرف مقترن بالزمان پر۔

۳۔۔۔دلالت التزامی کی تعریف:

وہ دلالت وضعیہ ہے، جس میں لفظ کی دلالت معنی موضوع لہ کے لوازم خارجیہ پر ہو، جیسے انسان کی دلالت قابلیت علم پر۔

یہ منطقی تعبیرات ہیں، تاہم بیانیین حضرات پہلی قسم (مطابقی) کو دلالت لفظی کہتے ہیں، اس لیے کہ واضع نے لفظ کو کل معنی موضوع کے لیے وضع کیا ہے اور دوسری قسم (تضمنی) اور تیسری قسم (التزامی) کو دلالت عقلی کہتے ہیں، کیونکہ کل کا حصول مستلزمِ حصولِ جزء ہوتا ہے اور حصولِ ملزوم مستلزمِ حصولِ لازم ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حصول عقل سے ہوتا ہے، نہ کہ وضع سے۔ یعنی فہمِ جزء من الکل اور فہمِ لازم من الملزوم عقل پر موقوف ہے، اس لیے انہیں عقلی کہتے ہیں۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر۱: موضوع لہ عام ہے خواہ حقیقی ہو یا مجازی ہو۔ نیز ایک شئ کی دلالت دوسرے شئ پر عقلی یا طبعی یا وضعی ہو سکتی ہے۔

قاعدہ نمبر۲: دلالت طبعیہ کو دلالت فطریہ اور دلالت عقلیہ کو عقلیہ بحتہ بھی کہتے ہیں۔ نیز ہر وہ ملزوم جو اپنے لازم عقلی بحت (خالص) پر دلالت کرئے تو وہ دلالت عقلیہ کہلاتی ہے۔

قاعدہ نمبر۳: جملہ اصطلاحات اور محاورات کی دلالت اپنے معنی پر دلالت وضعیہ کہلاتی ہے۔

قاعدہ نمبر۴: دلالت وضعیہ میں عقل اور وضع' دلالت طبعیہ میں طبع اور عقل اور دلالت عقلیہ میں صرف عقل ہی کا ملاحظہ پایا جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر۵: جمہور مناطقہ کے نزدیک دلالت وضعیہ بمع جملہ اقسام (مطابقی، تضمنی، التزامی) علوم اور محاورات میں معتبر ہے، لیکن امام رازی اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک دلالت التزامی علوم میں مہجور ہے، جمہور کا مذہب راجح ہے۔

قاعدہ نمبر۶: دلالت مطابقی بالاتفاق وضعی ہے، لیکن تضمنی اورالتزامی میں اہل علم کے تین مذاہب ہیں، اکثر مناطقہ کے نزدیک یہ دونوں بھی وضعی ہیں، عام بیانیین کے نزدیک یہ دونوں عقلی ہیں اور جمہور اصولیین فرماتے ہیں کہ تضمنی وضعی اورالتزامی عقلی ہے۔

قاعدہ نمبر۷: دلالت التزامی میں لزوم شرط ہے، لیکن کونسا لزوم شرط ہے، اس کو سمجھنے کے لیے بطور مقدمہ اقسام لزوم کی تفصیل ضروری ہے، سو لزوم کی تین قسمیں ہیں: (۱) لزوم ذہنی خارجی، جیسے اربعہ کے لیے زوجیت کا لزوم۔ (۲) لزوم ذہنی فقط، جیسے عمی کے لیے بصر کا لزوم۔ (۳) لزوم خارجی فقط، جیسے غراب کے لیے سواد کا لزوم۔ لزوم ذہنی اس کو کہتے ہیں کہ جو امر موضوع لہ سے خارج ہے وہ اس طور پر ہو کہ جب موضوع لہ ذہن میں آئے تو اسی وقت وہ امر خارج میں بھی ذہن میں آجائے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بین (۲) غیر بین۔ (۱) لزوم بین وہ ہے کہ جس میں لازم وملزوم کا تصور ہی ان دونوں کے درمیان لزوم کے جزم کے لیے کافی ہو۔ (۲) غیر بین وہ ہے کہ جس میں جزم باللزوم کے لیے صرف اس کا تصور کافی نہ ہو، بلکہ وسائط کی احتیاج ہو، جیسے جود وسخاء کے لیے کثرت رماد کا لزوم بین ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، یعنی بالمعنی الاعم اور بالمعنی الاخص۔ اس تفصیل کے بعد یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مناطقہ اور بیانیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دلالت التزامی میں لزوم ذہنی شرط ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ لزوم ذہنی کی کونسی قسم ضروری ہے؟ محققین مناطقہ اس بات کے قائل ہیں کہ لزوم ذہنی بالمعنی الاخص شرط ہے اور بعض مناطقہ یہ کہتے ہیں کہ لازم بین ہونا چاہیے، خواہ بالمعنی الاخص ہو یا بالمعنی الاعم ہو۔ بیانیین حضرات کے نزدیک بھی صرف لزوم ذہنی شرط ہے، نہ کہ لزوم خارجی۔ لیکن لزوم ذہنی عام ہے، بین ہو یا غیر بین ہو، بالمعنی الاخص ہو، یا بالمعنی الاعم ہو۔ [۱]

فائدہ نمبر۱: علامہ تفتازانیؒ نے مطول میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دلالت صرف غیر لفظیہ اور عقلیہ میں منحصر ہے اور میر سید شریفؒ نے حواشی مطالع میں اس کی تصریح کی ہے، لیکن محقق دوانی اور دیگر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ دلالت طبعیہ غیر لفظیہ بھی متحقق ہے، جیسے دردمند کے چہرہ اور اس کی حاجبین کے بعض اوضاع عارضہ کا شدت

---

(۱) نیل الامانی: ۲/ ۱۴۲۔ نیز مزید تفصیل کے لیے دیکھئے قواعد المنطق۔

الم پر دلالت کرنا، چہرہ کی سرخی کا شرمندگی پر اور اس کی زردی کو خوف و دہشت پر دلالت کرنا، قوت حرکتِ نبض کا قوت مزاج، اور ضعف حرکتِ نبض کا ضعفِ مزاج پر دلالت کرنا، چارہ کی دیکھ کر گھوڑے کا زمین پر پاؤں مارنا وغیرہ سب دلالت طبعیہ غیر لفظیہ ہیں، علامہ میر شریفؒ نے ان تمام مواد کو دلالت عقلیہ مانتے ہیں، کیونکہ یہ از قبیل دلالت اثر بر مؤثر ہیں اور دلالت اثر بر مؤثر دلالت عقلیہ ہوتی ہے، تاہم صحیح اور حق بات یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں دو اعتبار ہیں، اول یہ ہے کہ امور باحداث طبیعت ہیں، اس لحاظ سے ان کی دلالت دلالتِ طبعیہ ہے۔ دوم ان کا از قبیل دلالت اثر بر مؤثر ہونا ہے، اس لحاظ سے ان کی دلالت دلالت عقلیہ ہے، پس علی الاطلاق دلالت طبعیہ غیر لفظیہ کے تحقق کا انکار کرنا بے جا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۸: ایک معنی کو ایسے طریقوں میں ادا کرنا جو وضوح و خفاء میں مختلف ہوں دلالت وضعی مطابقی میں ناممکن ہے، اس لیے جو طرق معنی واحدہ کو ادا کرنے کے لیے اختیار کیے جائیں، اگر ان میں سے ہر ایک کو سامع جانتا ہے کہ فلاں معنی کے لیے موضوع ہے تو اس وقت بعض دلالتوں کا اوضح اور بعض کا واضح ہونا غیر متصور ہے، اس وقت سامع کے علم کی وجہ سے سب دلالتیں برابر ہوں گی اور وضوح و خفاء میں اختلاف نہ ہوگا اور اگر سامع عالم نہ ہو تو یہ طرق اس معنی پر دلالت نہیں کریں گے، کیونکہ دلالت علم بالوضع پر موقوف ہے، مثلاً جب ہم کہیں "خَدُّهُ يَشْبَهُ الْوَرْدَ" تو سامع اگر مفردات کو جانتا ہے کہ "خَدُّ" رخسار کے لیے موضوع ہے اور "وَرْدَ" کا معنی گلاب ہے اور "يَشْبَهُ" معنی "يُمَاثِلُ" ہے اور ہیئتِ ترکیبیہ کو بھی سمجھتا ہے کہ اس کا مفاد "خَدُّ" اور "وَرْدَ" کے مابین مشابہت کو ظاہر کرنا ہے تو اب محال ہے کہ کوئی اور ترتیب کسی ایسے طریق پر اس معنی پر دلالت کرے، جو وضوح و خفاء میں مختلف ہو، کیونکہ جب ہر لفظ کی جگہ ہم معنی لفظ کو رکھا جائے، مثلاً یوں کہا جائے۔ "خَدُّهُ يُمَاثِلُ الْوَرْدَ" تو سامع اگر عالم بالوضع ہے تو فہم و دلالت میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور اگر وہ عالم بالوضع نہیں ہے تو معنی ہی نہیں سمجھے گا[2]۔

قاعدہ نمبر ۹: ایک معنی کو طرق مختلفہ میں ادا کرنا صرف دلالت عقلی (تضمنی اور التزامی) میں ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ اجزاء کا کل کے ساتھ اور لوازم کا ملزومات کیساتھ جو لزوم ہے، اس کے مراتبِ وضوح و خفاء میں مختلف ہوں، چنانچہ یہ اختلاف دلالت التزامی میں تو ظاہر ہے، کیونکہ ایک شئی کے لیے متعدد لوازم ہو سکتے ہیں، بعض قریب اور بعض بعید، جیسے "کرم" کے لیے متعدد لوازم ہیں، مثلاً "کثرتِ ضیفان، کثرتِ احراق حطب، کثرتِ رماد" اب اس ملزوم کو ایسے الفاظ سے ادا کرنا ممکن ہے، جو لوازم کے لیے موضوع ہوں اور وضوح و خفاء کے لحاظ سے مختلف الدلالۃ

---

(۱) نیل الامانی: ۲/ ۱۴۰۔

(۲) نیل الامانی: ۲/ ۱۴۴۔

ہوں، جیسے یوں کہاجائے۔"زَيْدٌ كَثِيْرُالضَّيْفَانِ،كَثِيْرُ إِحْرَاقِ الْحَطَبِ،كَثِيْرُ الرَّمَادِ" ۔اس میں "کثرت ضیفان" سے "کرم" کی طرف ذہن کا انتقال اسرع ہے، جب کہ باقی دو میں سریع ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک لازم کے لیے متعدد ملزومات ہوں کہ بعض کے لیے لزوم واضح ہو اور بعض کے لیے غیر واضح، جیسے حرارت کے لیے متعدد ملزومات ہیں، مثلاً شمس، نار، حرکت شدیدہ۔ اب اس لازم کے ایسے الفاظ کیساتھ ادا کیا جاسکتا ہے، جو ملزومات کے لیے موضوع ہونے کے علاوہ وضوح وخفاء میں مختلف ہوں، جیسے یوں کہاجائے۔"زَيْدٌ أَحْرَقَتْهُ النَّارُ أَوِالشَّمْسُ أَوِالْحَرَكَةُ الْقَوِيَّةُ" اس میں حرارت کالزوم آگ کے لیے اوضح ہے بہ نسبت شمس وغیرہ کے۔ اور دلالت تضمنی میں اختلاف کا بیان یہ ہے کہ ایک معنی ایک شئ کا جزء ہو۔ ایک اور شئ کے لیے جزء الجزء ہو۔ یہ امر ممکن ہے، جیسے "جسم" حیوان کا جزء ہے اور انسان کا جزء الجزء ہے، اب ظاہر ہے کہ حیوان کی دلالت جسم پر واضح تر ہے انسان کی دلالت سے۔ اور ایسے ہی "جِدَارْ" کی دلالت مٹی پر اوضح ہے "بَيْتْ" پر دلالت کرنے سے[1]۔

---

[1] نیل الامانی:۲/۱۴۶-۱۴۷۔

فصل پنجم: وجہ شبہ کے تعدد اور عدم تعدد کے اعتبار سے تقسیم

وجہ شبہ کے تعدد اور عدم تعدد کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:۔

۱۔وجہ شبہ واحد ۲۔وجہ شبہ مرکب ۳۔وجہ شبہ متعدد

۱۔ **قسمِ اول:** وجہ شبہ واحد: واحد سے مراد یہ ہے کہ عرف میں واحد متصور ہو، یہ مطلب نہیں کہ اس کے مطلقا اجزاء نہ ہوں۔

۲۔ **قسمِ ثانی:** وجہ شبہ مرکب: مرکب کا مطلب یہ ہے کہ بصورت ترکیب حقیقی امورِ مختلفہ سے مرکب ہو کر ایک حقیقت بن جائے، یعنی کئی چیزیں مل کر ایک چیز کے حکم میں ہو جائیں۔

۳۔ **قسمِ ثالث:** وجہ شبہ متعدد: متعدد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وجہ شبہ میں چند امور ملحوظ ہوں، جن میں سے ہر ایک میں طرفین کا اشتراک مقصود ہو، جیسے "زَيْدٌ كَعَمْرٍو فِيْ عِلْمِهِ وَحِلْمِهِ وَأَدَبِهِ وَإِيْمَانِهِ"۔

قسمِ اول (وجہ شبہ واحد) اور قسمِ ثانی (وجہ شبہ مرکب) میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، تو کل چار قسمیں ہوئیں:۔

۱۔واحد حسی ۲۔واحد عقلی ۳۔مرکب حسی ۴۔مرکب عقلی

قسمِ ثالث (وجہ شبہ متعدد) کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔متعدد حسی ۲۔متعدد عقلی ۳۔مختلف (بعض حسی بعض عقلی)

یہ کل سات قسمیں ہوئیں، ان میں جو تین قسمیں عقلی ہیں، یعنی واحد عقلی، مرکب عقلی، متعدد عقلی۔ ان کی طرفین حسی ہوں گی، یا عقلی ہوں، یا مشبہ حسی اور مشبہ عقلی ہوں گی، یا مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہوں گی۔ ان چاروں کو تین عقلی میں ضرب دینے سے بارہ قسمیں بن جاتی ہیں اور باقی چار یعنی واحد حسی، مرکب حسی، متعدد حسی، متعدد مختلف (حسی وعقلی) کی طرفین ہمیشہ حسی ہوتی ہیں۔ ان چار قسموں کو مذکورہ بارہ قسموں کیساتھ ملا کر سولہ قسمیں بن جاتی ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔واحد حسی۔ ۲-مرکب حسی۔ ۳-متعدد حسی۔ ۴-متعدد مختلف (بعض حسی اور بعض عقلی)۔ ۵-واحد عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں۔ ۶-واحد عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ دونوں عقلی ہوں۔ ۷-واحد عقلی، جس میں مشبہ حسی ہو اور مشبہ بہ عقلی ہو۔ ۸- واحد عقلی، جس میں مشبہ عقلی ہو اور مشبہ بہ حسی ہو۔ ۹-مرکب عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔ ۱۰- مرکب عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔ ۱۱- مرکب عقلی، جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔ ۱۲- مرکب عقلی، جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔ ۱۳-

متعدد عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں۔ ۱۴-متعدد عقلی، جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔ ۱۵-متعدد حسی، جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔ ۱۶-متعدد عقلی، جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔

۱۔۔۔**واحد حسی:** حواسِ ظاہرہ پانچ ہیں، اس لیے مثالیں بھی پانچ ذکر کی جاتی ہیں:۔(۱) قوتِ باصرہ کی مثال: "خَدُّهُ كَالْوَرْدِ فِي الْحُمْرَةِ"۔ (۲) قوتِ سامعہ کی مثال: "صَوْتُهُ كَالْهَمْسِ فِي الْخَفَاءِ"۔ (۳) قوتِ شامہ کی مثال: "نَكْهَةُ زَيْدٍ كَالْعَنْبَرِ فِيْ۔۔۔" (۴) قوت ذائقہ کی مثال: "رِيْقُ زَيْدٍ كَالْخَمْرِ فِيْ۔۔۔" (۵) قوتِ لامسہ کی مثال: "جِلْدُهُ كَالْحَرِيْرِ فِي النُّعُوْمَةِ"۔

۲۔۔۔**واحد عقلی:** جس میں طرفین عقلی ہوں، جیسے "وُجُوْدُ الشَّيْءِ الْعَدِيْمِ النَّفْعِ كَعَدْمِهِ كَالْعَرَاءِ عَنِ الْفَائِدَةِ"۔(غیر نافع چیز کا ہونا نہ ہونے کے مثل ہے فائدہ سے خالی ہونے میں) اس مثال میں وجہ شبہ "الْعَرَاءِ عَنِ الْفَائِدَةِ" ہے، جس کی طرفین مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہیں، اس لیے کہ وجود اور عدم دونوں امورِ عقلیہ میں سے ہیں۔

۳۔۔۔**واحد عقلی:** جس میں طرفین حسی ہوں، جیسے "الرَّجُلُ الشُّجَاعُ كَالْأَسَدِ فِي الْجُرْأَةِ"۔ اس میں مشبہ (الرَّجُلُ الشُّجَاعُ) اور مشبہ بہ (الْأَسَدِ) دونوں حسی ہیں۔

۴۔۔۔**واحد عقلی:** جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہوں، جیسے "الْعِلْمُ كَالنُّوْرِ فِي الْهِدَايَةِ"۔ اس میں مشبہ "عِلْمُ" عقلی اور مشبہ بہ "نُوْرِ" حسی ہے اور وجہ شَبہ "هِدَايَتِ" عقلی ہے

۵۔۔۔**واحد عقلی:** جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہوں، جیسے "الْعَطْرُ كَالْخُلُقِ الْكَرِيْمِ فِي اسْتِطَابَةِ النَّفْسِ"۔ اس میں مشبہ "الْعَطْرُ" حسی اور مشبہ بہ "الْخُلُقِ الْكَرِيْمِ" عقلی ہے اور وجہ شبہ "اسْتِطَابَةِ النَّفْسِ" واحد عقلی ہے۔

۶۔۔۔**مرکب حسی:** جس میں مشبہ، مشبہ بہ اور وجہ شبہ حسی ہوں۔ جیسے شعر ہے۔

وَقَدْ لاَحَ فِي الصُّبحِ الثُّرَيَّا كَما تَرَى ... كَعُنْقُودِ مُلاَّحِيَّةٍ حِينَ نَوَّرَا

ترجمہ: بے شک ظاہر ہوا صبح کے وقت ثریا ستارہ بالکل سفید انگور کے خوشے کی طرح جب اس کی کلیاں کھل جائیں۔

اس شعر میں مشبہ "الثُّرَيَّا" ہے اور مشبہ بہ "عُنْقُوْدِ" ہے اور وجہ شبہ وہ ہیئت منتزلہ ہے، جو ان صورتوں کے اجتماع اور تقارن سے حاصل ہو، جو سفید گول گول دیکھنے میں چھوٹی چھوٹی ایک خاص کیفیت پر نظر آئیں کہ نہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ متصل ہوں اور نہ شدید افتراق ہوں، بلکہ طول وعرض کے لحاظ سے مخصوص مقدار پر ہوں، یعنی یہاں چند چیزوں سے وجہ شبہ کو منتزع کیا گیا ہے۔

۷۔۔۔**مرکب عقلی:** جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔"{مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا} ."(سورۃ)اس میں وجہ شبہ "هَيْئَتِ حِرْمَانْ" ہے، جو چند چیزوں سے منتزع ہے، کہ انتہائی نافع چیز کے انتفاع سے اس وقت محروم رہنا جب کہ اس کو ساتھ رکھنے سے ایک غیر معمولی مشقت کا بھی سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے کہ مشبہ بہ "حِمَارِ "میں چند چیزیں ملحوظ ہیں، حمل کتب، محمول کا اوعیہ علوم ہونا، حمار کا ان علوم سے جاہل ہونا۔ اسی طرح مشبہ "یہود "میں چند چیزیں ملحوظ ہیں، حمل تورات، محمول کا اوعیہ علوم ہونا، محمول سے مستفید نہ ہونا۔ یعنی مشبہ کی اس حالت کو جو چند امور سے منتزع ہے مشبہ بہ کی اس ہیئت کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جو چند چیزوں سے منتزع ہے۔

۸۔۔۔**مرکب عقلی:** جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔

۹۔۔۔مرکب عقلی: جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔

۱۰۔۔۔**مرکب عقلی:** جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔

۱۱۔۔۔**متعدد عقلی:** جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں۔

۱۲۔۔۔متعدد عقلی: جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں۔

۱۳۔۔۔متعدد حسی: جس میں مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو۔

۱۴۔۔۔متعدد عقلی: جس میں مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو۔

۱۵۔۔۔**متعدد حسی:** جس میں مشبہ متعدد حسی ہو۔

۱۶۔۔۔متعدد مختلف: بعض حسی اور بعض عقلی۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: وجہ شبہ واحد حسی کے طرفین مفرد اور حسی ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: وجہ شبہ واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وجہ شبہ واحد ہو اور اس میں طرفین شریک ہوں، مرکب عام ہے خواہ مرکب حقیقی ہو یا مرکب اعتباری ہو، ان کا مجموعہ وجہ شبہ بنے گا وہ اجزاء نہیں بنیں گے جن سے وہ حقیقت مرکب ہو۔ اور وجہ شبہ متعدد کا مطلب یہ ہے کہ امور متعددہ سے وجہ شبہ مرکب ہو، تاہم وہ امور ایسے ہوں کہ ان میں سے ہر ایک وجہ شبہ بن سکتا ہو، یعنی مرکب اور متعدد میں فرق یہ ہے کہ مرکب میں وجہ شبہ امور مختلفہ کا مجموعہ ہوتا ہے اور متعدد میں وجہ شبہ ان امور کا مجموعہ نہیں ہوتا، بلکہ اس مجموعہ کے افراد من حیث الافراد ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: جب وجہ شبہ حسی واحد ہو، یا مرکب ہو، یا متعدد ہو، یا بتمامہ حسی ہو، یا بعض عقلی اور بعض حسی ہو۔ تو ان تمام صورتوں میں اس کی طرفین ہمیشہ حسی ہی ہوں گی، یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ طرفین یا ان میں سے کوئی ایک عقلی ہو۔ اس لیے کہ وجہ شبہ طرفین سے ماخوذ ہوتی ہے، اگر طرفین یا ان میں سے کوئی ایک عقلی ہو تو لا محالہ اس کا ادراک عقل سے ہو گا نہ کہ حس سے۔ کیونکہ حس کے ذریعے یا تو اجسام کا ادراک ہوتا ہے، یا ان اوصاف کا جو قائم بالاجسام ہوتے ہیں، جب کہ ہم نے وجہ شبہ حسی فرض کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے طرفین عقلی نہیں ہو سکتے ہیں، البتہ وجہ شبہ عقلی میں یہ جائز ہے کہ اس کی طرفین حسی ہوں یا عقلی ہوں یا ان میں سے ایک عقلی ہو اور دوسری حسی۔ کیونکہ عقل محسوسات کا ادراک کر سکتی ہے، نیز قیام معقول بالمحسوس میں بھی کوئی استحالہ نہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وجہ شبہ عقلی کیساتھ تشبیہ دینا عام ہے، وجہ شبہ حسی کیساتھ تشبیہ دینے سے۔ یعنی جس شئی میں وجہ شبہ حسی کیساتھ تشبیہ دینا صحیح ہو اس میں وجہ شبہ عقلی کیساتھ تشبیہ دینا بھی صحیح ہو گا، لیکن اس کے برعکس صحیح نہیں۔

فائدہ نمبر ۱: وجہ شبہ اور طرفین کے مرکب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چند چیزوں کے مجموعہ سے ایک ہیئت منتزع کی جائے، پھر اس ہیئت منتزعہ کو مشبہ، یا مشبہ بہ، یا وجہ شبہ قرار دی جائے، تاہم یہاں مرکب کا حقیقی معنی مراد نہیں، کیونکہ بیانیین حضرات "زَيْدٌ كَالْأَسَدِ" جیسے مثالوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں طرفین مفرد ہیں، حالانکہ "زَيْدٌ" حیوانیت اور ناطقیت سے اور "أَسَدِ" حیوانیت اور افتراسیت بہت سارے اجزاء سے مرکب ہیں۔ اور "زَيْدٌ كَالْعَمْرِو فِي الْإِنْسَانِيَّةِ" میں وجہ شبہ کو مفرد کہتے ہیں، حالانکہ انسان کئی اجزاء سے مرکب ہیں۔

فائدہ نمبر ۲: وجہ شبہ مرکب حسی کی چار قسمیں ہیں: (۱) وجہ شبہ مرکب حسی ہو اور طرفین مفرد ہوں، جیسے جیسے شعر ہے۔ ع

وَقَدْ لاَحَ فِي الصُّبْحِ الثُّرَيَّا كَما تَرَى   كَعُنْقُودِ مُلاَّحِيَّةٍ حِينَ نَوَّرَا

ترجمہ: بے شک ظاہر ہوا صبح کے وقت ثریا ستارہ بالکل سفید انگور کے خوشے کی طرح جب اس کی کلیاں کھل جائیں۔

اس شعر میں مشبہ "الثُّرَيَّا" اور مشبہ بہ "عُنْقُودِ" دونوں مفرد ہیں اور وجہ شبہ وہ ہیئت منتزلہ ہے، جو ان صورتوں کے اجتماع اور تقارن سے حاصل ہو، جو سفید گول گول دیکھنے میں چھوٹی چھوٹی ایک خاص کیفیت پر نظر آئیں کہ نہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ متصل ہوں اور نہ شدید افتراق ہوں، بلکہ طول و عرض کے لحاظ سے مخصوص مقدار پر ہوں، یعنی یہاں چند چیزوں سے وجہ شبہ کو منتزع کیا گیا ہے۔

(۲) وجہ شبہ مرکب حسی ہو اور طرفین مرکب ہوں، جیسے بشار بن بُردہ کا شعر ہے۔ ع

كَأَنَّ مُثَارَ النَّقْعِ فَوْقَ رُءُوْسِنَا   وَأَسْيَافَنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُه

ترجمہ: گویا اڑایا ہوا گرد وغبار جو ہماری تلواروں اور ہمارے سروں کے اوپر ہے، رات ہے جس میں ستارے ٹوٹ کر گرے ہوں۔

اس شعر میں میں وجہ شبہ وہ ہیئت منتزعہ ہے جو ایک سیاہ چیز میں چند پھیلے ہوئے چمکدار لمبے مناسب مقدار کے اجسام کے گرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس میں وجہ شبہ حسی کا مرکب ہونا تو ظاہر ہے، طرفین بھی مرکب ہیں، کیونکہ شاعر نے گرد وغبار کو لیل کیساتھ اور تلوار کو ستاروں کیساتھ تشبیہ نہیں دی ہے، بلکہ تلواروں کی اس ہیئت کی تشبیہ دی ہے جو لڑائی کے وقت انتہائی شباب کی حالت میں تلواریں اپنی نیاموں سے باہر نکل کر بڑی تیزی کیساتھ آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے سیدھی ٹیڑھی مختلف جہات میں متحرک ہونے سے جو ہیئت حاصل ہوتی ہے، اس ہیئت کی تشبیہ دینے کا قصد کیا ہے۔ اسی طرح مشبہ میں بھی ترکیب ہے، کیونکہ ستاروں کے گرنے میں تواقع، تداخل، استطالہ اور اشکال مختلفہ سب امور ملحوظ ہیں۔

(۳) وجہ شبہ مرکب حسی ہو اور مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب ہو، جیسے شعر ہے۔ ع

وَكأنّ مُحْمَرَّ الشَّقِيقِ إذا تَصَوَّبَ أَوْ تَصَعَّدْ   أَعْلاَمُ يَاقُوتٍ نُشِرْنَ عَلَى رِمَاحٍ مِنْ زَبَرْجَدْ

ترجمہ: گلِ لالہ بادِ نسیم کے جھونکوں سے جب کبھی نیچے کی طرف جھکتا ہے اور کبھی اوپر کی طرف اٹھاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یاقوتی جھنڈیاں زبرجدی نیزوں پر لہرا رہی ہوں۔

مذکورہ شعر میں "شقیق" گل لالہ مشبہ ہے اور مشبہ بہ ان یاقوتی سبز جھنڈیوں کی ہیئت ہے، جو زبرجدی سبز نیزوں پر لہرا رہی ہوں اور وجہ شبہ وہ ہیئت منتزعہ ہے جو سرخ پردوں کے سبز پردوں پر بچھانے سے حاصل ہوتی ہے، وجہ شبہ طرفین میں مشترک ہے، کیونکہ جس طرح بچھے ہوئے ہرے زمرد کے اوپر کھڑے کئے ہوئے یاقوت کے جھنڈے عمدہ نظر آتے ہیں، اسی طرح ہرے بھرے سبزہ زار میں ہواؤں کے جھونکوں سے شقیق کا پھول اوپر نیچے ہوتا ہے تو اس سے بھی منظر دل ربا لگتا ہے۔

(۴) وجہ شبہ مرکب حسی ہو اور مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد ہو، جیسے متنبی شعر ہے۔

تَرَيَا نَهاراً مُشْمِساً قَدْ شَابَهُ   زَهْرُ الرُّبا فَكأَنَّما هُوَ مُقْمِرُ

اس شعر میں "نَهاراً مُشْمِساً قَدْ شَابَهُ زَهْرُ الرُّبا" مشبہ مرکب ہے اور "لَيْلٌ مُّقْمِرٌ" مشبہ بہ مفرد ہے اور وجہ شبہ وہ ہیئت منتزعہ ہے جو سفید اور روشن چیز کے سیاہ اور تاریک چیز کیساتھ ملنے سے حاصل ہوتی ہے، یعنی جس طرح تاریک رات میں چودھویں کا چاند چمکتا ہوا نظر آتا ہے تو اسی طرح یہ منظر شام کے وقت ہرے بھرے ٹیلے پر سورج کی شعاؤں کے پڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر۳: یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ وجہ شبہ کبھی واحد ہوتی ہے، کبھی مرکب اور کبھی متعدد ہوتی ہے، اس کی سات قسمیں ہیں، تاہم یہ اس وقت ہے کہ جب وہمی اور وجدانی کو عقلی میں اور خیالی کو حسی میں داخل کیا جائے، لیکن اگر وہمی اور وجدانی کو عقلی میں خیالی کو حسی میں داخل نہ کیا جائے تو وجہ شبہ کی پینتیس (۳۵) قسمیں بنتی ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ واحد حسی۔ ۲۔ واحد خیالی ۳۔ واحد عقلی ۴۔ واحد وہمی ۵۔ واحد وجدانی ۶۔ مرکب حسی ۷۔ مرکب خیالی ۸۔ مرکب عقلی ۹۔ مرکب وہمی ۱۰۔ مرکب وجدانی ۱۱۔ متعدد حسی ۱۲۔ متعدد خیالی ۱۳۔ متعدد عقلی ۱۴۔ متعدد وہمی ۱۵۔ متعدد وجدانی ۱۶۔ متعدد بعض حسی بعض خیالی ۱۷۔ متعدد بعض حسی بعض عقلی ۱۸۔ متعدد بعض حسی بعض وجدانی ۱۹۔ متعدد بعض حسی بعض وہمی ۲۰۔ متعدد بعض خیالی بعض عقلی ۲۱۔ متعدد بعض خیالی بعض وہمی ۲۲۔ متعدد بعض خیالی بعض وجدانی ۲۳۔ متعدد بعض عقلی بعض وہمی ۲۴۔ متعدد بعض عقلی بعض وجدانی ۲۵۔ متعدد بعض وہمی بعض وجدانی ۲۶۔ متعدد بعض حسی بعض خیالی بعض عقلی ۲۷۔ متعدد بعض حسی بعض خیالی بعض وہمی ۲۸۔ متعدد بعض حسی بعض خیالی بعض وجدانی ۲۹۔ متعدد بعض حسی بعض عقلی بعض وہمی ۳۰۔ متعدد بعض حسی بعض عقلی بعض وجدانی ۳۱۔ متعدد بعض حسی بعض وہمی بعض وجدانی ۳۲۔ متعدد بعض خیالی بعض عقلی بعض وہمی ۳۳۔ متعدد بعض خیالی بعض عقلی بعض وجدانی ۳۴۔ متعدد بعض عقلی بعض وہمی بعض خیالی ۳۵۔ متعدد بعض عقلی بعض وہمی بعض وجدانی۔

مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک کی پھر چار صورتیں ہیں، وجہ شبہ یا تو طرفین میں تحقیقی ہو گی، یا تخییلی، یا مشبہ میں تحقیقی اور مشبہ بہ میں تخییلی، یا مشبہ میں تخییلی اور مشبہ بہ میں تحقیقی ہو گی۔ پینتیس (۳۵) کو چار سے ضرب دی جائے تو کل اقسام ایک سو چالیس (۱۴۰) بن جاتی ہیں۔

فصل ششم: تشبیہات سورۃ البقرۃ

ذیل میں سورۃ البقرۃ کے تشبیہات مع تطبیق پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

۱- ✍...وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ...

۱۔مشبہ: الامر للمنافقین للایمان	۲۔مشبہ بہ: ایمان الصحابۃ
۳۔اداتِ تشبیہ: "کـ"	۴۔وجہ شَبہ: صدق الایمان
غرض التشبیہ: اہتمام المشبہ بہ۔	
نوع التشبیہ: تشبیہ، تشبیہ المعقول بالمعقول، تشبیہ المفرد بالمفرد، تشبیہ غیر تمثیلی، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل، تشبیہ حقیقیہ، تشبیہ قریبہ، تشبیہ مقبول، تشبیہ غیر بلیغ، تشبیہ غیر ضمنی، تشبیہ غیر تفضیلی، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس تشبیہ سلبی۔	

۲- ✍...قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ

۱۔مشبہ: ایمان المنافقین	۲۔مشبہ بہ: ایمان السفہاء
۳۔اداتِ تشبیہ: کـ	۴۔وجہ شَبہ (غیر مذکور): کذب الایمان
غرض التشبیہ: اہتمام المشبہ بہ۔	
نوع التشبیہ: تشبیہ المعقول بالمعقول، تشبیہ المفرد بالمفرد، تشبیہ غیر تمثیلی، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل، تشبیہ حقیقیہ، تشبیہ قریبہ، تشبیہ مقبول، تشبیہ غیر بلیغ، تشبیہ غیر ضمنی، تشبیہ غیر تفضیلی، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس تشبیہ سلبی۔	

۳- ✍...مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (۱۷)

۱۔مشبہ: منافقین	۲۔مشبہ بہ: مستوقد النار
۳۔اداتِ تشبیہ: "کـ، مثل"	۴۔وجہ شَبہ (غیر مذکور):

نوع التشبیہ:تشبیہ المحسوس بالمحسوس، تشبیہ المفرد بالمفرد، تشبیہ تمثیلی، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل ،تشبیہ حقیقیہ، تشبیہ قریبہ، تشبیہ مقبول، تشبیہ غیر بلیغ، تشبیہ غیر ضمنی، تشبیہ غیر تفضیلی، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس تشبیہ غیر سلبی۔
غرض التشبیہ: تقبیح المشبہ۔

۴- ✍...صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (۱۸)

۱۔مشبہ: منافقین	۲۔مشبہ بہ: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ
۳۔اداتِ تشبیہ: محذوف	۴۔وجہ شَبہ (غیر مذکور): عدم الانتفاع بالحواس
نوع التشبیہ:تشبیہ المحسوس بالمحسوس، تشبیہ المفرد بالمفرد، تشبیہ غیر تمثیلی، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل ،تشبیہ حقیقیہ، تشبیہ قریبہ، تشبیہ مقبول، تشبیہ بلیغ، تشبیہ غیر ضمنی، تشبیہ غیر تفضیلی، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس تشبیہ غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ: تقبیح المشبہ۔	

۵- ✍...أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ

مشبہ: منافقین	مشبہ بہ: قوم أخذتهم السماء فی لیلۃ شدیدۃ المطر
اداتِ تشبیہ: "ک"	وجہ شَبہ (غیر مذکور): الشک والتردد
نوع التشبیہ:تشبیہ المحسوس بالمحسوس، تشبیہ المفرد بالمفرد، تشبیہ تمثیلی، تشبیہ مجمل، تشبیہ مرسل ،تشبیہ حقیقیہ، تشبیہ قریبہ، تشبیہ مقبول، تشبیہ غیر بلیغ، تشبیہ غیر ضمنی، تشبیہ غیر تفضیلی، تشبیہ غیر مقلوب غیر معکوس تشبیہ غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ: تقبیح المشبہ۔	

۶- ✍...الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ(۲۲)

۱۔ مشبہ: الارض	۲۔ مشبہ بہ: الفراش
۳۔ادات تشبیہ: غیر مذکور	۴۔وجہ شبہ: الانبساط و الاستقرار
نوع تشبیہ:-حسی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکّد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض الشبہ: بیان حال المشبہ و تزیینہ۔	

۷۔✍...والسمآء بناءً-----

۱۔ مشبہ: السماء	۲۔مشبہ بہ البناء
۳۔اداۃ التشبیہ: محذف	۴۔وجہ شبہ:۔الوقایۃ من الإضرار النازلۃ
نوع تشبیہ: حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکّد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:-بیان حال المشبہ و تزیینہ۔	

۸۔✍... وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرة:۲۵)

۱۔مشبہ: ثمار الجنۃ	۲۔مشبہ بہ: ثمار الدنیا، او ثمار الجنۃ التی سبق تناولها
۳۔اداۃ الشبیہ: محذوف	۴۔وجہ الشبہ: المنظر و اللون و الاسم
نوع تشبیہ: حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکّد، مقببول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	

غرض التشبیہ:۔بیان حال المشبہ۔

۹- ✍...فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (البقرة:۷۳)

۱۔مشبہ: احیاء اللہ تعالیٰ لجمیع الموتیٰ یوم القیٰمۃ	۲۔مشبہ بہ:۔إحیاء اللہ تعالیٰ لقتیل بنی اسرائیل
۳۔اداۃ التشبیہ:۔مذکور	۴۔وجہ الشبہ:۔القدرۃ العلیا لإحیاء بعد الموت
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان امکان المشبہ۔	

۱۰-✍... ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۷٤)

۱۔مشبہ:۔قلوب بنی إسرائیل	۲۔مشبہ بہ:۔الحجارۃ أو أشد قسوۃ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔غیر محذوف	۴۔وجہ الشبہ:۔القسوۃ
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب ،غیر معکقس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔	

۱۱- أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (البقرة:۱۰۸)

۱۔مشبہ:۔سوال الصحابۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۔مشبہ بہ:۔سوال بنی اسرائیل عن موسیٰ علیہ السلام

۳۔اداۃ التشبیہ:۔مذکور	۴۔وجہ الشبہ:۔قبح السوال
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تنثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مقبول، مرسل، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

۱۲- وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (١٠١)

۱۔مشبہ:۔اخبار الیہود	۲۔مشبہ بہ:۔الذین لا یعلمون
۳۔اداۃ التشبیہ:۔کأن	۴۔وجہ الشبہ:۔عدم العمل
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تفصیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، مرسل، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تمثیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

۱۳-وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (١١٣)

۱۔مشبہ:۔تکفیر العرب الذی لا کتاب لهم لبعضهم البعض او لغیرهم	۲۔مشبہ بہ:۔تکفیر اهل الکتاب لبعضهم البعض
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک""مثل"	۴۔وجہ الشبہ:۔تکفیر الغیر
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، مفصل، غیر تمثیلی، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر ضمنی، غیر بلیغ، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی،	

غرض التشبیہ:۔بیان حال الشبہ و تقبیحہ۔

۱۴- وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۱۱۸)

۱۔مشبہ:۔سوال مشرکی العرب تکلیم اللہ تعالیٰ	۲۔مشبہ بہ:۔سوال اہل الکتاب
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ك" "مثل"	۴:۔وجہ الشبہ:۔السوال الصادر عن استکبار و جحود
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر ضمنی، غیر بلیغ، غیر مقلوب ، غیر معکوس، غیر تفضیلی۔، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال المشبہ و تقبیحہ۔	

۱۵-وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ (۱۴۳)

۱۔مشبہ:۔جعل قبل أمة محمد ﷺ متوسطة بین المشرق والمغرب	۲:۔مشبہ بہ:۔جعل اُمّۃ محمّد ﷺ متوسطۃ بین الغلو والتقصیر
۳:۔اداۃ التشبیہ:۔مذکور	۴۔وجہ الشبہ:۔الواسطۃ
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔اہتام بالمشبہ بہ۔	

۱۶-الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۴۶)

۱۔مشبہ:۔معرفۃأھل الکتاب للنبی ﷺ	۲۔معرفتھم لابناءھم
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ الشبہ:۔المعرفۃ الجازمۃ
نوع التشبیہ:۔حسی،مفرد،غیر تمثیلی،مجمل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب ،غیر معکوس،غیر تفضیلی،غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال المشبہ۔	

۱۷۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۱۵۱)

۱۔مشبہ:۔تحویل القبلۃ	۲۔مشبہ بہ:۔إرسال محمد ﷺ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ الشبہ:۔إتمام النعمۃ
نوع التشبیہ:۔حسی،مفرد،غیر تمثیلی،مجمل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب ،غیر معکوس،غیر تفضیلی،غیر سلبی۔	

۱۸۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ (۱٦٥)

۱۔مشبہ: حب المشرکین للانداد	۲۔مشبہ بہ:۔حبھم اللہ تعالیٰ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ الشبہ:۔قوۃ الحب
نوع التشبیہ:۔حسی،مفرد،غیر تمثیلی،مجمل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب ،غیر معکوس،غیر تفضیلی،غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال المشبہ۔	

۱۹۔ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (١٦٧)

ا ۔ مشبہ:۔تمنی الاتباع التبراء من القارۃ فی الدنیا	۲ ۔مشبہ بہ:۔تبراء من الاتباع فی الاخرۃ
۳۔ اداۃالتشبیہ:۔"ک"	۴۔وجہ الشبہ:۔التبراء بعد الاتباع
نوع التشبیہ:۔حسی۔مفرد،غیر تمثیلی،مجمل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب،غیر معکوس،غیر تفضیلی،غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال الشبہ۔	

الثانی فیہ:

ا ۔مشبہ:۔رؤیۃالکفار لاعمالھم الجنۃ	۲ ۔مشبہ بہ:۔رؤیۃالکفار العذاب
۳۔اداۃ الشبہ:۔مذکور	۴۔وجہ الشبہ:۔الرؤیۃالمحققۃ الباعثۃ علیٰ الحسرۃ
نوع التشبیہ:۔حسی،مفرد،غیر تمثیلی،مجمل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب ،غیر معکوس،غیر تفضیلی،غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

۲۰۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (١٧١)

ا ۔ مشبہ:۔عدم استجابۃالکفار للدعوۃ	۲ ۔عدم استجابۃ البھیمۃ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"مثل"،"ک"	۴۔سماع الصوت وعدم فھم المراد
نوع التشبیہ:۔حسی،مفرد،تمثیلی،مفصل،قریبہ،حقیقیہ،مرسل،مقبول،غیر بلیغ،غیر ضمنی،غیر مقلوب،	

غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔

۲۱۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۸۳)

۱۔مشبہ:۔فرضیۃ صیام رمضان علیٰ امّۃ المحمدیۃ	۲۔مشبہ بہ:۔فرضیۃ الصیام علیٰ الامم السابقۃ
۳۔اداۃ التشبیہ۔:۔"ک"	۴۔وجہ الشبہ:۔التعبد بالصیام و اصل فرضیۃ
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معلوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۲۲۔أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (۱۸۷)

فی ھٰذہ الایۃ ثلاث تشبیہات:	
الاول:۔ ۱۔مشبہ:۔الزوج و الزوجہ	۲۔مشبہ بہ:۔اللباس
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ محذوف	۴۔وجہ الشبہ:۔الستر
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفصیلی، غیر سلبی۔	

غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	
الثانی:۔ ۱:۔مشبہ:۔الیلۃ و النہار۔	۲:۔مشبہ بہ:۔الاحیط الابیض و الخیط الاسود۔
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ محذوف۔	۴۔وجہ التشبیہ:۔البیاض و السواد۔
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	
الثالث:۔ ۱۔مشبہ:۔ بیان الاحکام عموماً	۲۔مشبہ بہ:۔ بیان احکام الصیام
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ ”ک“	۴۔وجہ التشبیہ:۔البیان و الایضاح
نوع التشیبہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشیبہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۲۳۔وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (۱۹۱)

۱۔مشبہ:۔ جزاء الکافرین	۲۔مشبہ بہ:۔ قتلوھم
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ مذکور	۴۔وجہ التشبیہ:۔ العقاب الشدید
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	

غرض التشبیہ:۔بیان مقدار حال الشبہ۔

۲۴۔ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۱۹۴)

۱۔مشبہ:۔عدوان المؤمنین علیٰ الکفار	۲۔مشبہ بہ:۔عدوان الکفار علیٰ المؤمنین
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"مثل"	۴۔وجہ التشبیہ:۔زمان العدوان
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان مقدار حال الشبہ۔	

۲۵۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (۱۹۸)

۱۔مشبہ:۔ذکر اللہ عزوجل	۲۔مشبہ بہ:۔ھدایۃ اللہ تعالیٰ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔مذکور	۴۔وجہ التشبیہ:۔الذکر الحسن
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان مقدار حال الشبہ۔	

۲۶۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (۲۱۹)

۱۔مشبہ:۔بیان الاحکام عموماً	۲۔مشبہ بہ:۔بیان احکام شرب الخمر ولعب المیسر والانفاق

۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔البیان والایضاح
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال الشبہ۔	

۲۷۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (۲۲۲)

۱۔مشبہ:۔المحیض	۲۔مشبہ بہ:۔الاذیٰ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔غیر مذکور	۴۔وجہ التشبیہ:۔التاذیٰ والقذارۃ
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ وتقبیحہ۔	

۲۹۔ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (۲۲۳)

۱۔مشبہ:۔الزوجہ	۲۔مشبہ بہ:۔الحرث
۳۔اداۃ التشبیہ:۔محذوف	۴۔وجہ التشبیہ:۔الاتّباع
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال الشبہ۔	

۳۰- وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۲۲۸)

۱۔مشبہ:۔حقوق الزوجۃ	۲۔مشبہ بہ:۔حقوق الزوج
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"مثل"	۴۔وجہ التشبیہ:۔الوجوب و الاستحقاق
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال الشبہ۔	

۳۱۔ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۳۳)

۱۔مشبہ:۔واجب الوارث	۲۔مشبہ بہ:۔واجب الاب
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"مثل"	۴۔وجہ التشبیہ:۔النفقۃ، والکسوۃ، وعدم الاضرار
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیا حال المشبہ۔	

۳۲-فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲۳۹)

۱۔مشبہ:۔ذکر اللہ عز و جل	۲۔مشبہ بہ:۔تعلیم اللہ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔الکیفیۃ
نوع التشبیہ:۔محتلط، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۳۳-كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲۴۲)

۱۔مشبہ:۔بیان اللہ تعالیٰ للایات	۲۔مشبہ بہ:۔بیان اللہ تعالیٰ لاحکام الاخرۃ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔البیان و الایضاح و التفصیل۔
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی،۔	
غرض التشبیہ:۔بیان حال الشبہ۔	

۳۴- مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲۶۱)

۱۔مشبہ:۔مضاعفۃ أجر الصّدقات الخالصۃ للہ	۲۔مشبہ بہ:۔انبات الحبۃ سبع مائۃ سنبلۃ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔المضاعفۃ، و النماء و الزیادۃ
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، حیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان مقدار حال المشبہ۔	

۳۵- يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ.. (۲٦٤)

۱۔مشبہ:۔المؤمن یبطل صدقۃ باالمن و الاذیٰ	۲۔مشبہ بہ:۔الکافر یصدق ریاءً
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ مذکور	۴۔وجہ التشبیہ:۔عدم الانتفاع بھذہ الصدقات
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔	

۳٦۔ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲٦٤)

۱۔مشبہ: الکافر الذی یصدق ریاءً او ھو نفس المشبہ بہ فی التشبیہ السابق	۲۔مشبہ بہ:۔الحجر المغطی بالتراب
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "کـ" "مثل"	۴۔وجی التشبیہ:۔سرعۃ الزوال وعدم القرار
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفجیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

۳۷۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲٦٥)

۱۔مشبہ:۔ مضاعفۃ الاجر للذین ینفقون اموالھم لوجہ	۲۔مشبہ بہ:۔ بستان علیٰ ربوۃ اصابھا مطر غذیر فاثمرت

اللہ	
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"مثل""ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔ النّماء و الزیادۃ
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد بالمرکب، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تزین المشبہ للترغیب فی الانفاق۔	

۳۸۔ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (٢٦٦)

ا۔مشبہ:۔بیان الایٰت	۲۔مشبہ بہ:۔الجنۃ المثمرۃ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک"	۳۔وجہ التشبیہ:۔الوضوح و البیان
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد بالمرکب، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۳۹۔ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (٢٧٥)

ا۔مشبہ:۔قیام المرء یوم قیامۃ	۲۔مشبہ بہ:۔قیام المجنون
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔اضطراب الاعضاء و الحرکات
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر	

معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔
غرض التشبیہ:۔ تقبیح الشبہ للتنفیر من الرباء۔

۴۰۔ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲۷۵)

۱۔مشبہ:۔ البیع	۲۔مشبہ بہ:۔ الرّباء
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "مثل"	۴۔وجہ التشبیہ:۔
نوع التشبیہ:۔ حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، مقلوب ، معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ اِیہام انّ المشبہ بہ اتّم من المشبہ فی وجہ الشبہ۔	

۴۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا.(۲۸۲)

۱۔مشبہ:۔ کتابۃ الدین	۲۔مشبہ بہ:۔ تعلیم اللہ لہ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "کـ"	۴۔وجہ التشبیہ:۔ الحق من غیر تدلیس و لا تقصیر
نوع التشبیہ:۔ حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۴۲۔لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا. (۲۸۶)

۱۔مشبہ:۔فرض التکالیف الشّاقة علیٰ الامة المحمدیه	۲۔مشبه به:۔فرض التکالیف الشاقة علیٰ الامم السابقة
۳۔اداة التشبیه:۔"ک"	۴۔وجه التشبیه:۔المشقة
نوع التشبیه:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبه، حقیقیه، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیه:۔بیان حال المشبه۔	

فصل ہفتم: تشبیہات سورۃ آل عمران

سورۃ ال عمران میں تقریباً پندرہ (۱۵) تشبیہات ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۱)

۱۔مشبہ:۔ کفر الیہود لنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۔مشبہ بہ:۔ کفر اٰل عمران لموسیٰ علیہ السلام
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔ العقاب جزاء تکذیبہم باٰیت اللہ
نوع التشبیہ:۔ حسی، نفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔	

۲۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۳۶)

۱۔مشبہ:۔ الذکر علیٰ سبیل التقی	۲۔مشبہ بہ:۔ الانثیٰ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔ محذوف
نوع التشبیہ:۔ حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۳۔ قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (۴۰)

۱۔مشبہ:۔ افعال اللہ تعالیٰ علیٰ وفق مشیتہ	۲۔مشبہ بہ:۔ قدرۃ اللہ علیٰ خلق الجنین من شیخ وعاقر

۳۔اداۃ التشبیہ:۔ ”ک“	۴۔وجہ التشبیہ:۔ القدرۃ المطلقۃ
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان امکان المشبہ۔	

۴۔ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكِ اللهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (٤٧)

۱۔مشبہ:۔ولادۃ عیسیٰ علیہ السلام من ابٍ	۲۔مشبہ بہ:۔خلق اللہ سبحانہ لمایشاء
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ ”ک“	۴۔وجہ التشبیہ:۔قضاء اللہ تعالیٰ للامر بقول کن فیکون
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان امکان المشبہ۔	

۵۔ وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ.(٤٩)

۱۔مشبہ:۔ماخلق عیسیٰ علیہ السلام من الطیر باذن اللہ	۲۔مشبہ بہ:۔الطیر الحقیقی الذی یخلقہ اللہ تعالیٰ
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ ”ک“	۴۔وجہ التشبیہ:۔ الشکل و القدرۃ علی الطیران
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	

غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ وتزیینہ۔

۶-إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ ۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ (۵۹)

۱۔مشبہ:۔ خلق عیسیٰ علیہ السلام	۲۔مشبہ بہ:۔ خلق آدم علیہ السلام
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک" "مثل"	۴۔وجہ التشبیہ:۔ خلقہ اللہ عزو جل من غیر اب
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان امکان المشبہ۔	

۷- قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (٦٤)

۱۔مشبہ:۔طاعۃ الکبراء فی التحلیل و التحریم علی سبیل النفی	۲۔الرب المستحق للعبادۃ
۳۔اداہ التشبیہ:۔ محذوف	۴۔وجہ التشبیہ:۔ خلق التحلیل و التحریم
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قتیبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان حال المشبہ۔	

۸- وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (١٠٣)

۱۔مشبہ:۔ بیان اللہ تعالیی لحجتہ و دلائلہ	۲۔مشبہ بہ:۔

۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔البیان و الاضیاح
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد بالمرکب، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔	

۹-وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۵)

۱۔مشبہ:۔حال المؤمنین علیٰ سبیل النفی	۲۔مشبہ بہ:۔حال الکتاب
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "ک"	۴۔وجہ التشبیہ: الاختلاف فی اصول الدین بعد مشاھدۃ الایات
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

۱۰- مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (۱۱۷)

۱۔مشبہ:۔ابطال الکفر لماینفقون	۲ مشبہ بہ:۔اھلاک الریح التی فیھا
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ "مثل"	۴۔الیضاع وعدم الانتفاع من الجھود و الاقوال المبذولہ بعد تعلق الایمان لھا
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر	

معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔

۱۱- وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (١٣٣)

۱۔مشبہ:۔عرض الجنة	۲۔مشبہ بہ:۔عرض السمٰوٰت و الارض
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ محذوف	۴:۔وجہ التشبیہ:۔ السبعۃ و العظمۃ
نوع التشبیہ:۔ حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ بیان مقدار حال المشبہ۔	

۱۲- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (١٥٦)

۱۔مشبہ:۔حآل المؤمنین علیٰ سبیل النفی	۲۔مشبہ بہ:۔حال الکفار و المنافقین
۳۔اداۃ التشبیہ:۔ ”ک“	۴۔وجہ التشبیہ:۔ عدم الیقین با اللہ عزوجل
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مفصل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔ تقبیح المشبہ۔	

۱۳- أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (١٦٢)

۱۔مشبہ:۔الطالب الرضی اللہ سبحانہ علیٰ سبیل	۲۔مشبہ بہ:۔ السخط ربہ

النفی	
۳۔اداۃ التشبیہ:۔"ک"	۴۔وجہ التشبیہ:۔محذوف
نوع التشبیہ:۔عقلی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، مرسل، مقبول، غیر بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تزیین المشبہ و تقبیح الشبہ بہ۔	

۱۴۔ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللهِ وَاللهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (۱٦۳)

۱۔مشبہ:۔العباد من اھل الایمان و الکفار	۲۔مشبہ بہ:۔الدرجات
۳۔اداۃ التشبیہ:۔محذوف	۴۔وجہ التشبیہ:۔التفاوت فی المنازل
نوع التشبیہ:۔حسی بالعقل، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔بیان مقدار حال المشبہ۔	

۱۵- إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۷۵)

۱۔مشبہ:۔التسلط	۲۔مشبہ بہ:۔شیطان
۳۔اداۃ التشبیہ:۔محذوف	۴۔وجہ التشبیہ:۔التسلط و التخذیل
نوع التشبیہ:۔حسی، مفرد، غیر تمثیلی، مجمل، قریبہ، حقیقیہ، موکد، مقبول، بلیغ، غیر ضمنی، غیر مقلوب، غیر معکوس، غیر تفضیلی، غیر سلبی۔	
غرض التشبیہ:۔تقبیح المشبہ۔	

باب دوم: حقیقت و مجاز

یہ باب درج ذیل آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: حقیقت کا بیان

حقیقت کی اقسام وانواع

فصل دوم: مجاز کا بیان

مجاز کی اقسام وانواع

فصل سوم: مجاز کی اقسام انواع

فصل چہارم: مجاز لغوی کی اقسام وانواع

فصل پنجم: مجاز مرسل کی اقسام وانواع

فصل ششم: مجاز مرسل کا بیان

فصل ہفتم: مجاز کے اجزاء کا بیان

فصلِ ہشتم: مجاز مرسل کی اقسام وانواع

فصل اول: حقیقت کا بیان

۱۔۔۔ حقیقت کا لغوی مفہوم:

لفظ "حَقِیْقَۃٌ" باعتبار لغت "فَعِیْلٌ" کے وزن پر وصف ہے، "فَعِیْلٌ" یا تو بمعنی اسم فاعل ہے، جو "حَقُّ الشَّيْءِ" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی "ثَبَتَ" ہے، یا بمعنی اسم مفعول ہے، جو "حَقِیْقَۃُ الشَّيْءِ" بمعنی "أَثْبَتُّہٗ" سے ماخوذ ہے۔

۲۔۔۔ حقیقت کا اصطلاحی مفہوم:

حقیقت کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ حقیقت وہ کلمہ ہے، جو ایسے معنی میں مستعمل ہو جو معنی زیر بحث اصطلاح میں موضوع لہ ہوں، یعنی اگر گفتگو بحیثیت لغت ہو تو لغۃً اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو، اگر گفتگو شرع میں ہو تو شرعاً اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو، اگر گفتگو کسی خاص اصطلاح میں ہو تو اصطلاحاً اپنے موضوع لہ مستعمل ہو، اور اگر گفتگو عرفِ عام میں ہو تو عرفاً اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو[1]۔

---

[1] لفظ "حقیقت" باعتبار لغت "فعیل" کے وزن پر وصف ہے "فعیل" یا تو بمعنی اسم فاعل ہے، جو "حق الشئی" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی "ثبت" ہے، یا بمعنی اسم مفعول ہے، جو "حقیقۃ الشئی" بمعنی "أثبتہ" سے ماخوذ ہے اور اس میں "تا" وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کے لیے ہے، یعنی لفظ "حقیقت" میں "تا" برائے نقل ہے، خواہ "فعیل" بمعنی "فاعل" ہو، یا "فعیل" بمعنی "مفعول" ہو، تاہم علامہ سکاکیؒ کے نزدیک بہر دو تقدیر "تا" برائے تانیث ہے کہ اگر "فعیل" بمعنی "فاعل" ہو تو "تا" کا برائے تانیث ہونا ظاہر ہے، کیونکہ "فعیل" بمعنی "فاعل" مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے۔ "رجل ظریف، وامراۃ ظریفۃ" وغیرہ۔ بتقدیر ثانی "تا" کا برائے تانیث ہونا اس طور پر ہے کہ لفظ "حقیقت" کو وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل سے قبل مؤنث کی ایسی صفت مان لی جائے گی جو جاری بر موصوف نہ ہو۔ چنانچہ علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں۔ "وهو أن الحقيقة إما فعيل بمعنى مفعول من حققت الشيء أحقه إذا أثبته، فمعناها المثبت والكلمة متى استعملت فيما كانت موضوعة له دالة عليه بنفسها كانت مثبتة في موضعها الأصلي، وإما فعيل بمعنى فاعل من حق الشيء يحق إذا وجب فمعناها الواجب وهو الثابت والكلمة المستعملة فيما هي موضوعة له ثابتة في موضعها الأصلي واجب لها ذلك، وأما التاء فهو عندي للتأنيث في الوجهين لتقدير لفظ الحقيقة قبل التسمية صفة مؤنث غير مجراه على الموصوف وهو الكلمة." شرح مفتاح شریفی میں ہے کہ جب "فعیل" بمعنی "مفعول" ہو تو جمہور کے نزدیک "تا" برائے نقل ہے اور جب بمعنی "فاعل" ہو تو برائے تانیث ہے۔

حقیقت کی اقسام وانواع

حقیقت کی چار قسمیں ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حقیقت لغویہ ۲۔ حقیقت شرعیہ ۳۔ حقیقت اصطلاحیہ ۴۔ حقیقت عرفیہ

۱۔۔۔ حقیقت لغویہ کی تعریف:

وہ حقیقت ہے، جس میں لفظ باعتبار لغت اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہو، جیسے "أَسَدٌ" لغت میں "حَيْوَانٌ مُّفْتَرِسٌ" کے لیے موضوع ہے، اسی معنی میں "أَسَدٌ" کا استعمال حقیقت لغویہ ہے۔

۲۔۔۔ حقیقت شرعیہ کی تعریف:

وہ حقیقت ہے، جس میں لفظ باعتبار شرع اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہو، جیسے لفظ "صَلَاةٌ" شرع میں نماز کے لیے موضوع ہے، اسی معنی میں لفظ "صَلَاةٌ" کا استعمال حقیقت شرعیہ ہے۔

۳۔۔۔ حقیقت اصطلاحیہ کی تعریف:

وہ حقیقت ہے، جس میں لفظ باعتبار اصطلاح اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہو، جیسے لفظ "فِعْل" نحات کی اصطلاح میں اس کلمہ کے لیے موضوع ہے، جس کا معنی مستقل ہو اور اس میں تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ پایا جائے، اب اسی معنی میں "فِعْل" کا استعمال حقیقت اصطلاحیہ ہے۔

۴۔۔۔ حقیقت عرفیہ کی تعریف:

وہ حقیقت ہے، جس میں لفظ باعتبار عرف اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہو، جیسے لفظ "دَابَّة" عرف عام میں زمین پر چلنے والے ہر ایک حیوان کے لیے موضوع ہے، اب اسی معنی میں "دابَّة" کا استعمال حقیقت عرفیہ ہے۔

فصل دوم: مجاز کا بیان

۱۔۔۔مجاز کا لغوی مفہوم:

مجاز مصدر میمی کا صیغہ ہے، جو دراصل "جاز المکان" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی تجاوز کرنا ہے۔

۲۔۔۔مجاز اصطلاحی مفہوم:

مجاز کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ مجاز وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی میں مستعمل ہو جو معنی زیرِ بحث اصطلاح میں موضوع لہ نہ ہوں، یعنی اگر گفتگو بحیثیت لغت ہو تو لغۃً اپنے موضوع لہ میں مستعمل نہ ہو، اگر گفتگو شرع میں ہو تو شرعاً اپنے موضوع لہ میں مستعمل نہ ہو، اگر گفتگو کسی خاص اصطلاح میں ہو تو اصطلاحاً اپنے موضوع لہ مستعمل ہو، اور اگر گفتگو عرفِ عام میں ہو تو عرفاً اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو[1]۔

مجاز کی اقسام وانواع

مجاز کی بھی چار قسمیں ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ مجاز لغوی　　۲۔ مجاز شرعی　　۳۔ مجاز اصطلاحی　　۴۔ مجاز عرفی

۱۔۔۔مجاز لغوی کی تعریف:

وہ مجاز ہے، جس میں لفظ باعتبار لغت اپنے معنی غیر موضوع میں مستعمل نہ ہو، جیسے "أَسَدٌ" کا استعمال "رَجُلٌ شُجَاعٌ" میں مجاز لغوی ہے، کیونکہ یہ اس کا معنی غیر موضوع لہ ہے۔

۲۔۔۔مجاز شرعی کی تعریف:

وہ مجاز ہے، جس میں لفظ باعتبار شرع اپنے معنی غیر موضوع میں مستعمل نہ ہو، جیسے لفظ "صَلَاۃٌ" کا استعمال "دعا" میں

---

[1] مجاز مصدر میمی کا صیغہ ہے، جو دراصل "جاز المکان" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی تجاوز کرنا ہے، پھر اس کلمہ کی طرف نقل کیا گیا ہے جو اپنے معنی موضوع لہ سے تجاوز کرئے۔ یا اس کلمہ کی طرف جس کے ذریعہ تجاوز کیا گیا ہو، اول الذکر صورت میں مصدر مبنی للفاعل (الکلمۃ الجائزۃ) اور ثانی الذکر میں مصدر مبنی للمفعول (الکلمۃ المجوزۃ) ہے، علامہ عبد الرحمن قزوینیؒ الایضاح فی علوم البلاغۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ "جعلت كذا مجازا إلى حاجتي" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی "مکان الجواز" طریق اور راستہ ہے، پھر غیر موضوع لہ میں مستعمل کلمہ کے لیے نقل کیا گیا ہے، یعنی جس طرح لفظ کے لیے اس کا معنی موضوع لہ طریق بنتا ہے، اسی طرح لفظ کے لیے اس کا معنی مجازی بھی طریق بنتا ہے، علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں۔

مجاز لغوی ہے، کیونکہ یہ اس کا معنی غیر موضوع لہ ہے۔

۳۔۔۔ مجاز اصطلاحی کی تعریف:

وہ مجاز ہے، جس میں لفظ باعتبار اصطلاح اپنے معنی غیر موضوع میں مستعمل نہ ہو، جیسے "فِعْل" کا استعمال "کام کرنے" میں مجاز لغوی ہے، کیونکہ یہ اس کا معنی غیر موضوع لہ ہے۔

۴۔۔۔ مجاز عرفی کی تعریف:

وہ مجاز ہے، جس میں لفظ باعتبار عرف اپنے معنی غیر موضوع میں مستعمل نہ ہو، جیسے "دَابَّةٌ" کا استعمال "إِنْسَانٌ" میں مجاز لغوی ہے، کیونکہ یہ اس کا معنی غیر موضوع لہ ہے۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: حقیقتِ لغویہ کے مقابلہ میں مجازی لغوی، حقیقتِ شرعیہ کے مقابلہ میں مجاز شرعی، حقیقتِ اصطلاحیہ کے مقابلہ میں مجاز اصطلاحی اور حقیقتِ عرفیہ کے مقابلہ میں مجاز شرعی آتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: حقیقت اور مجاز اصل میں الفاظ کے عوارض ہیں، کبھی معنی اور استعمال کو بھی حقیقت کیساتھ متصف کیا جاتا ہے کہ یہ معنی حقیقت ہے اور یہ مجاز ہے اور یہ استعمال حقیقت ہے اور یہ استعمال مجاز ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: حقیقت اور مجاز جس طرح مفرد میں جاری ہوتے ہیں، اسی طرح جملے میں بھی جاری ہوتے ہیں، اس سے علم معانی میں بحث کیا جاتا ہے اور مفرد کے حقیقت اور مجاز ہونے سے علم بیان میں بحث کیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر ۱: اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ جو لفظ معنی مجازی میں مستعمل ہو، اس لیے حقیقی معنی میں مستعمل ہونا شرط ہے یا نہیں؟ صحیح اور تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ امر شرط نہیں۔

فائدہ نمبر ۲: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں حقائق کا وقوع ہے اور جمہور علماء اکرام نے قرآن مجید میں مجاز کا وقوع بھی تسلیم کیا ہے، تاہم بعض اہل ظواہر، شوافع میں ابن القاص اور مالکیہ میں ابن خویز منداد نے قرآن مجید میں مجاز کے وقوع کا انکار کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ مجاز ایک قسم کا جھوٹ ہے اور قرآن مجید اس سے منزہ ہے، نیز متکلم مجاز کی طرف اس وقت جاتا ہے جب حقیقت پر تکلم ممکن نہ ہو تو اسی صورت میں وہ استعارہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ امر محال ہے، لیکن ان کا یہ شبہ باطل ہے، کیونکہ اگر قرآن مجید میں مجاز کی وقوع کا انکار کیا جائے تو کلام کی ایک بہت بڑی خوبی مفقود ہو گی، اس لیے کہ بلغاء حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حقیقت کی بہ نسبت

مجاز کا درجہ خوبی کلام میں بڑھا ہوا ہے، نیز جب قرآن مجید کو مجاز سے خالی مانا جائے تو لا محالہ وہ حذف، تاکید اور موقع بہ موقع قصص کے ذکر سے بھی خالی ہو گا[۱]۔
فائدہ نمبر۳: بحث حقیقت و مجاز میں مقصود اصلی صرف مجاز ہے، حقیقت کا تذکرہ تبعاً کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وضوح اور خفاء کے لحاظ سے مختلف طریقوں کیساتھ معنی واحد کی ادائیگی جو علم بیان کا معیار بحث ہے وہ صرف مجاز ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، مگر چونکہ حقیقت مجاز کے لیے بمنزلہ اصل ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ماوضع لہ میں استعمال کیا جائے اور مجاز یہ ہے کہ لفظ کو غیر موضوع میں استعمال ہو اور لفظ کا اپنے موضوع لہ میں استعمال ہونا اصل ہے اور غیر موضوع میں استعمال ہونا فرع ہے، اس لیے پہلے حقیقت کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ فرع کا اصل پر مقدم لازم نہ آئے[۲]۔
قاعدہ نمبر۴: مجاز کے لیے حقیقت کا اصل ہونا حقیقۃً نہیں ہے، بلکہ وہ بمنزلہ اصل کے ہے، کیونکہ ہر مجاز کے لیے حقیقت کا ہونا ضروری
نہیں، جیسے لفظ "رَحْمٰن" ہے یہ اپنے اصلی معنی (رقیق القلب) مستعمل نہیں، بلکہ مجازی طور پر منعم کے لیے استعمال ہوتا ہے، علامہ تفتازانیؒ نے مطول میں اسی کو اختیار کیا ہے[۳]۔
قاعدہ نمبر۵: استعمال سے پہلے لفظ کو نہ حقیقت کہے سکتے ہیں اور نہ ہی مجاز کہا جا سکتا ہے، نیز غلطی کی صورت میں لفظ غیر موضوع لہ میں استعمال ہو تو اسے نہ حقیقت کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی مجاز کہا جا سکتا ہے، جیسے کوئی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہے۔ "خُذْھٰذَا الْفَرَسَ"۔
قاعدہ نمبر۶: مرکب پر حقیقت کا اطلاق نہیں ہوتا، جیسے "قَامَ زَیْدٌ" وغیرہ کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیانیین حضرات حقیقت کی تعریف میں "کَلِمَۃٌ مُّسْتَعْمَلَۃٌ" کا قید لگاتے ہیں[۴]۔
قاعدہ نمبر۷: حقیقت کی چاروں اقسام واضع کے اعتبار سے ہیں، اگر واضع لغوی ہو تو اسے حقیقت لغویہ اور اگر واضع شرعی ہو تو اسے حقیقت شرعیہ کہتے ہیں، اگر واضع متعین ہو تو اسے حقیقت اصطلاحی اور اگر غیر متعین ہو تو اسے حقیقت عرفی کہتے ہیں اور مجاز کی چاروں اقسام اصطلاح کے اعتبار سے ہیں، اگر اہل اصطلاح لغوی ہوں تو اسے مجاز لغوی

---

[۱] ملخصاً نیل الامانی: ۲/ ۲۳۳۔
[۲] ملخصاً نیل الامانی: ۲/ ۲۳۳۔
[۳] نیل الامانی: ۲/ ۲۳۴۔
[۴] ملخصاً نیل الامانی: ۲/ ۲۳۷۔

اور اگر اہل اصطلاح اہل شرع ہوں تو اسے مجاز شرعی کہتے ہیں اور اگر اہل اصطلاح متعین ہوں تو اسے مجاز اصطلاحی اور اہل اصطلاح غیر متعین ہوں تو اسے مجاز عرفی کہتے ہیں۔

تمرین

وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ، وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ، وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا، فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ، وَأَقْرَضْتُمُ اللهَ قَرْضاً حَسَناً، وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُماتِ إِلَى النُّورِ، أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللهِ، أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ، الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ، أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ -

چند حل شدہ مثالیں:

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى:

”وَضَعْتُهَا“ حقیقت، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہے، حقیقتِ لغویہ اس لیے کہ لفظ باعتبار لغت اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ:

”وَضَعَ“ مجاز، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجازِ لغویہ اس لیے کہ لفظ باعتبار لغت اپنے معنی موضوع میں مستعمل نہیں ہے۔

فصل سوم: مجاز کی اقسام انواع

مجاز کی چار قسمیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مجاز فی المفرد ۲۔ مجاز فی المرکب ۳۔ مجاز فی الاسناد ۴۔ مجاز ساذج(قَائِمٌ عَلَى التَّوَسُّعِ فِي اللُّغَةِ دُوْنَ ضَابِطٍ مُّعَيَّنٍ)

۱۔۔۔مجاز فی المفرد کی تعریف:

"وَهُوَ اللَّفْظُ الْمُفْرَدُ الْمُسْتَعْمَلُ فِيْ غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ." یعنی وہ مجاز مفرد ہے، جس میں لفظ معنی غیر موضوع لہ میں کسی علاقہ اور مناسبت کی بنیاد پر استعمال ہو، جیسے "أَسَد"، رجل شجاع میں، لفظ "يَد" نعمت اور لفظ "عَيْن" جاسوس کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔مجاز فی المرکب کی تعریف:

"وَهُوَ اللَّفْظُ الْمُرَكَّبُ الْمُسْتَعْمَلُ بِهَيْئَتِهِ الْمُرَكَّبَةِ فِيْ غَيْرِ الْمَعْنَى الَّذِيْ وُضِعَ لَهُ، لِعَلَاقَةٍ مَّا، مَعَ قَرِيْنَةٍ صَارِفَةٍ عَنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ". یعنی وہ مجاز مرکب ہے، جو اپنے معنی (مرکبہ) موضوع لہ کے علاوہ غیر معنی موضوع لہ میں اپنی ہیئت ترکیبیہ کیساتھ مستعمل ہو، یعنی جو اپنے معنی موضوع لہ مرکبہ کے علاوہ غیر معنی موضوع لہ مرکبہ میں مستعمل ہو، جیسے "أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلاً وَّتُؤَخِّرُ أُخْرٰى، أَيْ: حَالُكَ كَحَالِ الْمُتَرَدِّدِ. أَنْتَ تَنْفُخُ فِيْ رَمَادٍ، أَيْ: حَالُكَ كَحَالِ مَن يَّنْفُخُ فِيْ رَمَادٍ، فِيْ ضِيَاعِ الْجُهْدِ." اور جیسے "اسْتِعْمَالُ الْجُمَلِ الْخَبَرِيَّةِ بِمَعْنَى الْإِنْشَاءِ. اسْتِعْمَالُ الْجُمَلِ الْإِنْشَائِيَّةِ بِمَعْنَى الْخَبَرِ."

۲۔۔۔مجاز فی الاسناد کی تعریف:

"وَهُوَ الْمَجَازُ الْعَقْلِيُّ الَّذِيْ يُسْنَدُ فِيْهِ الْفِعْلُ أَوْ مَا فِيْ مَعْنَاهُ إِلٰى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ فِي اعْتِقَادِ الْمُتَكَلِّمِ." وہ مجاز ہے، جس میں فعل یا معنی فعل (یعنی وہ چیز جو فعل کے معنی میں ہے) کی غیر ماھولہ کی طرف نسبت کرنا، جیسے "بَنَى الْأَمِيْرُ الْمَدِيْنَةَ"۔ اور "سَالَ الْوَادِيْ" وغیرہ۔ اس کو مجاز عقلی بھی کہتے ہیں۔

۳۔۔۔مجاز ساذج کی تعریف:

"الْمَجَازُ الْقَائِمُ عَلَى التَّوَسُّعِ فِي اللُّغَةِ دُوْنَ ضَابِطٍ مُّعَيَّنٍ" وَهُوَ الْمَجَازُ الَّذِيْ يَكُوْنُ التَّوَسُّعُ اللُّغَوِيُّ فِيْهِ بِوُجُوْهٍ مُّخْتَلِفَةٍ لَّا يَجْمَعُهَا ضَابِطٌ مُّعَيَّنٌ، كَالزِّيَادَةِ أَوِ الْحَذْفِ فِيْ بَعْضِ الْكَلَامِ، وَكَإِطْلَاقِ الْمَاضِيْ عَلَى الْمُسْتَقْبِلِ وَالْعَكْسُ، مِثْلُ: حَذْفِ الْمُضَافِ وَإِقَامَةِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مَقَامَهُ، نَحْوُ: اسْأَلِ

الْقَرْيَةَ، أَيْ: اسْأَلْ أَهْلَ الْقَرْيَةِ. زِيَادَةُ حُرُوفٍ فِيْ ضِمْنِ الْكَلَامِ لِلتَّأْكِيْدِ أَوْ لِلتَّزْيِيْنِ، نَحْوُ: لَفْظُ "مَا" بَعْدَ "إِذَا".

فصل چہارم: مجاز لغوی کی اقسام وانواع

مجاز لغوی کے معنی اصلی اور مجازی میں علاقہ اور عدم علاقہ کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ مجاز مستعار (استعارہ) ۲۔ مجاز مرسل

۱۔۔۔ مجاز مستعار (استعارہ) کی تعریف:

"وَهِيَ الْمَجَازُ الَّذِيْ تَكُوْنُ عَلَاقَتُهُ الْمُشَابَهَةُ بَيْنَ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ وَالْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ الَّذِي اسْتَعْمَلَ اللَّفْظُ لِلدَّلَالَةِ بِهِ عَلَيْهِ." یعنی وہ مجاز ہے، جس میں معنی اصلی اور معنی مجازی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو۔ یہ مفرد اور مرکب دونوں میں متحقق ہو سکتا ہے، اس کی تفصیل آگے انشاء اللہ آئے گی۔

۲۔۔۔ مجاز مرسل کی تعریف:

"الْمَجَازُ الَّذِيْ تَكُوْنُ الْعَلَاقَةُ فِيْهِ بَيْنَ الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيِّ وَالْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ الَّذِي اسْتَعْمَلَ اللَّفْظُ لِلدَّلَالَةِ بِهِ عَلَيْهِ أَمْرًا غَيْرَ الْمُشَابَهَةِ، أَوْ قَائِماً عَلَى التَّوَسُّعِ فِي اللُّغَةِ دُوْنَ ضَابِطٍ مُّعَيَّنٍ." یعنی وہ مجاز ہے جس میں معنی اصلی اور معنی مجازی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ نہ ہو۔ یا وہ مجاز ہے جس کا مدار توسع فی اللغۃ پر ہو، اور اس کے لیے کوئی خاص قانون اور ضابطہ نہ ہو۔

مجاز مرسل کو مرسل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کسی علاقہ کی تقیید نہیں ہوتی ہے، مجاز مرسل کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فی الجملہ مجاز عقلی بھی مجاز مرسل میں داخل ہے، اس لیے کہ اس میں بھی غیر تشبیہ کا علاقہ پایا جاتا ہے۔

فصل پنجم: مجاز مرسل کی اقسام وانواع

مجاز مرسل کی بھی چار قسمیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مجاز مرسل فی اللفظ المفرد ۲۔ مجاز مرسل فی اللفظ فی المرکب ۲۔ مجاز مرسل فی الاسناد ۴۔ مجاز مرسل ساذج(الْقَائِمُ عَلَى التَّوَسُّعِ فِي اللُّغَةِ دُوْنَ ضَابِطٍ مُّعَيَّنٍ)

۱۔۔۔ مجاز مرسل فی اللفظ المفرد کی تعریف:

"هُوَ اللَّفْظُ الْمُفْرَدُ الْمُسْتَعْمَلُ فِيْ غَيْرِ مَا وُضِعَ لَهُ فِي اصْطِلَاحٍ بِهِ التَّخَاطُبُ عَلَى وَجْهٍ يَّصِحُّ ضِمْنَ الْأُصُوْلِ الْفِكْرِيَّةِ وَاللُّغَوِيَّةِ الْعَامَّةِ، لِعَلَاقَةٍ غَيْرِ الْمُشَابَهَةِ مَعَ قَرِيْنَةٍ صَارِفَةٍ عَنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ." ، جیسے لفظ "عَيْن" جاسوس کے معنی استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ دونوں میں کلیت اور جزئیت کا علاقہ ہے، اسی طرح لفظ "يد" نعمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کیونکہ دونوں میں سببیت کا علاقہ ہے۔ بیانیین حضرات نے اس کے بیس سے زائد علاقے ذکر کیے ہیں۔

۲۔۔۔ مجاز مرسل فی اللفظ المرکب کی تعریف:

"هُوَ لَفْظٌ مُّرَكَّبٌ يُّسْتَعْمَلُ بِهَيْئَتِهِ التَّرْكِيْبِيَّةِ فِيْ غَيْرِ الْمَعْنَى الَّذِيْ وُضِعَتْ لَهُ صَيْغَةُ جُمْلَتِهِ فِي اصْطِلَاحِ التَّخَاطُبِ، لِعَلَاقَةِ غَيْرِ الْمُشَابَهَةِ، مَعَ قَرِيْنَةٍ مَّانِعَةٍ مِّنْ إِرَادَةِ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ." یعنی مجاز مرسل فی اللفظ المرکب وہ ہے، جو اپنی ہیئت ترکیبی کیساتھ غیر ماوضع لہ میں مستعمل ہو اور اس میں تشبیہ کا علاقہ نہ ہو اور معنی اصلی مراد نہ لینے پر قرینہ بھی ہو۔

مجاز مرسل فی اللفظ المرکب کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ المرکبات الخبریہ ۲۔ المرکبات الانشائیہ

۱۔۔۔ المرکبات الخبریہ:

وہ ہیں، جس میں خبر اپنے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی میں استعمال ہو۔ اس کی چند قسمیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔ خبر سے حسرت اور اظہار حزن مقصود ہو، جیسے شعر ہے۔

ذَهَبَ الشَّبَابُ فَمَالَهُ مِنْ عَوْدَةٍ وَأَتَى الْمَشِيبُ فَأَيْنَ مِنْهُ الْمَهْرَبُ؟

مذکورہ شعر میں معنی اصلی (اخبار) اور معنی مجازی (حسرت واظہار حزن) میں لزوم کا علاقہ ہے، اس لیے کہ شئی معلوم کے کھو بیٹھنا کو حسرت اور حزن لازم ہے، اس شعر میں بھی شاعر کا مقصود اخبار نہیں، بلکہ افسوس اور حسرت کا اظہار ہے۔

۲۔۔۔خبر سے دُعا مقصود ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"قَالَ لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ"۔(سورۃ یوسف:۹۲) اس آیت میں"يَغْفِرُ الله"معنی مجازی (دُعا) میں مستعمل ہے، اس لیے کہ اصلی(اخبار) اور معنی مجازی میں سببیت کا علاقہ ہے۔"إِذَ الدُّعَاءُ الَّذِيْ هُوَ إِنْشَاءُ طَلَبٍ مِّنَ اللّٰهِ سَبَبٌ فِيْ تَحْقِيْقِ الْاسْتِجَابَةِ بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّفَاؤُلِ وَالرَّجَاءِ۔"

۳۔۔۔ خبر سے امر یا نہی مقصود ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"الحج أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ ..." (سورۃ البقرۃ:۱۹۷) اس آیت میں"فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ" معنی مجازی نہی میں مستعمل ہے، اس لیے کہ معنی حقیقی(اخبار) اور معنی مجازی(نہی) میں مسببیت کا علاقہ ہے۔"لِأَنَّ حُصُوْلَ النَّفْيِ فِي الْوَاقِعِ مُسَبَّبٌ عَنْ طَاعَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَجِّ لِمَا يَنْهَى اللّٰهُ عَنْهُ، وَهٰذَا هُوَ الْمُنْتَظَرُ مِنْهُمْ، فَأُطْلِقَ الْمُسَبَّبُ، وَأُرِيْدَ سَبَبُهُ." اور ایک جگہ ارشاد ہے۔"وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ"۔ اس آیت میں"يُرْضِعْنَ"معنی مجازی (امر) کے معنی میں مستعمل ہے، اس لیے کہ معنی حقیقی اور معنی مجازی میں مسببیت کا علاقہ ہے۔"لِأَنَّ الْإِرْضَاعَ الْفِعْلِيَّ مُسَبَّبٌ عَنْ طَاعَةِ الْمُؤْمِنَاتِ لِأَمْرِ اللّٰهِ فِيْ شَأْنِ أَطْفَالِهِنَّ، وَهٰذَا هُوَ الْمُنْتَظَرُ مِنْهُنَّ، فَأُطْلِقَ الْمُسَبَّبُ وَأُرِيْدَ سَبَبُهُ."

۴۔۔۔خبر امتنان، ترغیب، تحضیض، تلویم، مدح، ہجاء، حسرت، استہزاء اور تندیم وغیرہ معانی میں مستعمل ہو۔

۲۔۔۔المرکبات الانشائیہ:

وہ ہیں، جس میں انشاء سے مجازی طور پر خبر مراد ہو، اس کی چند قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔ امر خبر کے معنی میں مستعمل ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَقَالَ الذين كَفَرُواْ لِلَّذِينَ آمَنُواْ اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِّن شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ"۔ (سورۃ العنکبوت:۱۲) اس آیت میں"وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ"صیغہ امر ہے، لیکن یہ مجازا خبر کے معنی میں مستعمل ہے۔"أَيْ سَيَحْمِلُوْنَ عَنْهُمْ خَطَايَاهُمْ إِذَا اتَّبَعُوْهُمْ"۔

۲۔۔۔ استفہام تقریر، امتنان، انکار، تمنی اور ترجی وغیرہ معانی میں مستعمل ہو۔

۲۔۔۔مجاز مرسل فی الاسناد کی تعریف:

"وَهُوَ الْمَجَازُ الْعَقْلِيُّ الَّذِيْ يُسْنَدُ فِيْهِ الْفِعْلُ أَوْ مَا فِيْ مَعْنَاهُ إِلٰى غَيْرِ مَا هُوَ لَهُ فِي اعْتِقَادِ الْمُتَكَلِّمِ." وہ مجاز ہے، جس میں فعل یا معنی فعل(یعنی وہ چیز جو فعل کے معنی میں ہے) کی غیر ما ہو لہ کی طرف نسبت

کرنا، جیس ے ''بَنَى الْأَمِيْرُ الْمَدِيْنَةَ''۔ اور ''سَالَ الْوَادِيْ'' وغیرہ۔ اس کو مجاز عقلی بھی کہتے ہیں۔ اس کی مکمل تفصیل علم المعانی میں ملاحظہ ہو۔

۴۔۔۔مجاز مرسل ساذج:

الْمَجَازُ الْمُرْسَلُ الْقَائِمُ عَلَى التَّوَسُّعِ فِي اللُّغَةِ دُوْنَ ضَابِطٍ مُّعَيَّنٍ، یعنی وہ مجاز مرسل ہے، جس کا مدار لغت پر ہے اور اس کے لیے کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر نہ ہو۔ اس قسم کے بے شمار اقسام وانواع ہیں، من جملہ ان میں سے مجاز بالحذف اور مجاز بالزیادۃ وغیرہ ہیں، جن میں ایک حرف کو حذف کرکے اس کے قائم مقام دوسرے حرف کو رکھا جائے، جیسے مضاف کو حذف کرکے اس کے قائم مقام مضاف الیہ کو رکھنا۔ یا بعض حروف کو محض تاکید اور تزیین کے لیے زیادہ کرنا، ماضی کو مستقبل کے معنی میں قرار دینا، اسم فاعل سے اسم مفعول اور اسم مفعول سے اسم فاعل کا معنی مراد لینا، مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر کے معنی میں قرار دینا، جمع کثرت کی جگہ جمع قلت استعمال کرنا، اس کے بر عکس کرنا وغیرہ۔

مذکورہ اقسام کا خلاصہ!

مذکورہ اقسام کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاز کی اولاً دو قسمیں ہیں:۔ ۱- مجاز لغوی (یہ مجاز لفظ میں ہوتا ہے) ۲- مجاز عقلی (یہ مجاز نسبت میں ہوتا ہے)، پھر مجاز لغوی کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱- مجازِ مفرد ۲- مجازِ مرکب۔ پھر مجازِ مفرد اور مجازِ مرکب میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، جس سے مجازِ لغوی کی کل چار قسمیں ہوں گی۔ یعنی مجازِ مفرد کی دو قسمیں ہیں: ۱- مجازِ مرسل ۲- مجاز مستعار (استعارہ) اور مجاز مرکب کی بھی دو قسمیں ہیں: ۱- استعارہ تمثیلیہ ۲- مجازِ مرسل مرکب۔ الغرض مجاز کی کل پانچ قسمیں ہوئیں، مجازِ لغوی کی چار قسمیں اور ایک قسم مجازِ عقلی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ ۱- مجازِ مفرد مرسل (مجازِ مرسل) ۲- مجازِ مفرد فی الاستعارہ (استعارہ) ۳- مجازِ مرکب مرسل (مجازِ مرکب) ۴- مجازِ مرکب بالاستعارہ (استعارہ تمثیلیہ) ۵- مجاز عقلی۔

فائدہ جلیلہ

اگر عبارت میں مجاز ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، مجاز لفظ میں ہوگا، یا جملے میں ہوگا اور یا نسبت میں ہوگا۔ اگر مجاز لفظ میں ہے اور لفظ کے معنی موضوع لہ و معنی مستعمل فیہ کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے مجاز مفرد بالاستعارہ یا صرف استعارہ کہتے ہیں۔ اگر غیر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے مجازِ مفرد مرسل یا مجازِ مرسل کہتے ہیں۔ اگر مجاز جملے میں ہو اور علاقہ

تشبیہ کا ہو تو اسے مجازِ مرکب بالاستعارہ یا استعارہ تمثیلیہ کہتے ہیں اور غیر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے مجاز مرکب مرسل یا مجاز مرکب کہتے ہیں۔ لیکن مجاز نسبت میں ہو تو اسے مجازِ عقلی کہا جاتا ہے۔

فصل ششم: مجاز مرسل کا بیان

عمومی قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کو اسی معنی کے لیے استعمال کیا جائے جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہو۔ لیکن ادیب اور شاعر بعض اوقات لفظ کو اس کے حقیقی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ اس کا مقصد کلام یا تحریر میں خوب صورتی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ لفظ کے اس استعمال کو مجاز کہتے ہیں۔

مجاز مرسل کی تعریف:

اصطلاح میں مجاز وہ لفظ ہے جو اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔ مثلاً: یہ کہا جائے کہ "اس کے ہاتھ پر زخم ہے"۔ اس میں زخم انگلی، انگوٹھے، ہتھیلی یا ہاتھ کی پشت پر ہو گا، لیکن انگلی، انگوٹھے یا ہتھیلی کی جگہ ہاتھ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ "فاتحہ پڑھیے۔" اس سے مراد یہ ہے کہ پوری سورہ فاتحہ پڑھیے، نہ کہ صرف لفظ فاتحہ۔ قرآن مجید میں بھی ادب کی اس صنف کا کثرت سے استعمال کیا ہے[1]۔

---

[1] مثال کے طور پر قرآن مجید کی درج ذیل تین آیات کو ملاحظہ کریں: يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ۔ (الزمر۳۹:۷)۔ (وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔) اور كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ (ابراھیم۱۴:۱) (یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔) اور وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (الانعام۶:۹۷) (اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔)

درج بالا آیات میں سے پہلی آیت میں لفظ "ظلمات" اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ ماں کے پیٹ میں حقیقتاً اندھیرا ہی ہوتا ہے۔ دوسری آیت میں "ظلمات و نور" کے الفاظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوئے۔ اس آیت میں قرآن مجید کے نزول کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے۔ یہاں تاریکی سے مراد حقیقی تاریکی نہیں ہے بلکہ اس سے اخلاقی برائیاں اور راہ حق سے دوری مراد ہے۔ اسی طرح نور یا روشنی سے مراد حقیقی روشنی نہیں بلکہ سیدھا راستہ مراد ہے جو انسان کو اللہ کی طرف لے جائے۔ تیسری آیت میں لفظ "ظلمات" کا استعمال حقیقی یا مجازی دونوں اعتبار سے ممکن ہے۔ کیونکہ سمندر یا خشکی میں سفر کرتے ہوئے مسافر کو حقیقت میں رات کا اندھیرا بھی پیش آ سکتا ہے اور راستوں کا علم نہ ہونا بھی گویا مجازی معنی میں اندھیرا ہے جو اسے صحیح راستے سے بھٹکا سکتا ہے۔

فصل ہفتم: مجاز کے اجزاء کا بیان

مجاز کے پانچ اجزا ہیں:۔

۱۔ لفظ مجاز ۲۔مجازی معنی ۳۔ سبب ۴۔ علاقہ یا تعلق ۵۔ قرینہ یا علامت

۱۔۔۔ لفظ مجاز: یہ وہ لفظ ہے جسے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔جیسے لفظ '' ظُلُمَاتْ''۔

۲۔۔۔ مجازی معنی: یہ وہ معنی ہے، جسے اصل معنی کی جگہ اختیار کیا جا رہاہو،مثلاً لفظ ''ظُلُمَاتْ'' کے اصل معنی کی جگہ اسے ''گمراہی''یا ''لاعلمی''کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۳۔۔۔ سبب: کسی لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کرنے کی کوئی وجہ ضرور ہونی چاہیے۔مثلاً گمراہ یا لاعلمی میں بھٹکنے والے شخص کی کیفیت اس شخص سے بہت ملتی ہے جو اندھیرے میں بھٹک رہا ہو۔اس وجہ سے لفظ ''ظُلُمَاتْ'' کا گمراہی یا لاعلمی کے معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۴۔۔۔علاقہ یا تعلق: لفظ مجاز اور مجازی معنی میں کوئی تعلق ہو،یہی تعلق ہی لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے۔

۵۔۔۔قرینہ یا علامت: جملے میں کوئی ایسی علامت یا قرینہ موجود ہونا چاہیے جو یہ ظاہر کرے کہ لفظ کو اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔یہ علامت لفظ کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے اور جملے کے معنی میں پوشیدہ بھی ہوسکتی ہے۔

فصل ہشتم: مجاز مرسل کی اقسام وانواع

مجاز مرسل کی متعدد قسمیں ہیں، جن کا رجع درج ذیل تین قسموں کی طرف ہوتا ہے۔

(أ) إِطْلَاقُ أَحَدِ الْمُتَنَاسِبَيْنِ: ١- إِطْلَاقُ السَّبَبِ عَلَى الْمُسَبَّبِ ٢- إِطْلَاقُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ ٣- إِطْلَاقُ الْجُزْءِ عَلَى الْكُلِّ ٤- إِطْلَاقُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ ٥- إِطْلَاقُ الْمَحَلِّ عَلَى الْحَالِ ٦- إِطْلَاقُ الْحَالِ عَلَى الْمَحَلِّ ٧- تَسْمِيَةُ الشَّيْءِ بِاعْتِبَارِ مَا كَانَ عَلَيْهِ ٨- تَسْمِيَةُ الشَّيْءِ بِاعْتِبَارِ مَا يَكُوْنُ عَلَيْهِ.

(ب) إِطْلَاقُ أَحَدِ الْمُتَضَائِفَيْنِ: ١- إِطْلَاقُ الْمُطْلَقِ وَإِرَادَةُ الْمُقَيَّدِ ٢- إِطْلَاقُ الْمُقَيَّدِ وَإِرَادَةُ الْمُطْلَقِ ٣- إِطْلَاقُ الْخَاصِ وَإِرَادَةُ الْعَامِ ٤- إِطْلَاقُ الْعَامِ وَإِرَادَةُ الْخَاصِ ٥- حَذْفُ الْمُضَافِ ٦- حَذْفُ الْمَوْصُوْفِ ٧- إِطْلَاقُ الشَّيْءِ وَإِرَادَةُ الْمُتَعَلَّقِ ٨- إِطْلَاقُ آلَةِ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ ٩- إِطْلَاقُ أَحَدِ الْبَدَلَيْنِ عَلَى الْأُخَرِ ١٠- إِطْلَاقُ النَّكِرَةِ وَإِرَادَةِ الْعُمُوْمِ ١١- إِطْلَاقُ أَحَدِ الضِّدَّيْنِ عَلَى الْآخَرِ ١٢- إِطْلَاقُ الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ عَلَى النَّكِرَةِ ١٣- حَذْفُ الْحَرْفِ وَالْكَلِمَةِ ١٤- زِيَادَةُ الْحَرْفِ وَالْكَلِمَةِ۔

(ج) إِطْلَاقُ أَحَدِ الصِّيغَةِ عَلَى الْأُخْرٰى: ١- كَإِطْلَاقِ الْمَصْدَرِ عَلَى اسْمِ الْمَفْعُوْلِ، ٢- إِطْلَاقُ اسْمِ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَصْدَرِ، ٣- إِطْلَاقُ اسْمِ الْفَاعِلِ عَلَى اسْمِ الْمَفْعُوْلِ، ٤- إِطْلَاقُ اسْمِ الْمَفْعُوْلِ عَلَى اسْمِ الْفَاعِلِ.

اب ذیل میں مذکورہ اقسام کی تفصیل کی جاتی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

۱۔۔۔**إِطْلَاقُ السَّبَبِ عَلَى الْمُسَبَّبِ:** سبب بول کر مسبب یا نتیجہ مراد لینا، یعنی لفظِ مذکورہ کا معنی موضوع لہ معنی مرادی کا سبب ہو، جیسے "فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ" (سورالبقرہ: ۱۹۴) اس آیت میں "اعْتِدَاءٌ" تین جگہ مستعمل ہے، جن میں پہلی اور تیسری جگہ اپنے معنی حقیقی (ظلم) میں مستعمل ہے اور دوسری جگہ میں "اعْتِدَاء" معنی مجازی (ظلم وزیادتی کا جزاء وقصاص لینا) میں مستعمل ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ لفظِ مذکورہ کا معنی حقیقی (اعْتِدَاء) معنی مرادی (جزاء وقصاص) کا سبب ہے، لہٰذا یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔ اردو محاورے میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔"بادل ایک گھنٹہ برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔" بادل سبب ہے بارش کا اور بارش نتیجہ ہے۔یہاں بادل برسنے سے بارش کا برسنا مراد ہے۔

۲...**إِطْلَاقُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ:** مسبب یا نتیجہ بول کر سبب مراد لینا، یعنی لفظِ مذکور کا معنی حقیقی مسبب اور معنی مرادی سبب ہو، جیسے "وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا" (سورۃ الغافر:۱۳) اس آیت میں "رزق" مسبب بول کر سبب "بارش" مراد لیا گیا ہے، کیونکہ بارش رزق کا سبب ہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔"اس کے

کمرے میں علم ہر طرف بکھرا پڑا تھا۔" یہاں علم سے مراد کتابیں ہیں۔ علم نتیجہ ہے کتاب خوانی کا۔ یہاں علم مسبب بول کر علم کا سبب یعنی کتاب مراد لی گئی ہے۔

۳...**إِطْلَاقُ الْجُزْءِ عَلَى الْكُلِّ:** جزو کہہ کر کل مراد لینا، جیسے "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ"۔(سورۃ البقرۃ:۱۴۴)، اس آیت میں "وُجُوْہَ" سے جسم اور بدن مراد ہے، کیونکہ استقبالِ قبلہ سینہ کیساتھ ضروری ہے۔ اور "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ.... وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ"۔ (سورۃ الغاشیۃ:۲۸) ان آیات سارے جسم کو میں "وُجُوْہَ" سے تعبیر کیاہے، کیونکہ آرام اور تکلیف سارے جسم کو حاصل ہوتی ہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ "قل شریف پڑھیں"۔ تو اس سے مراد ان چاروں سورتوں کی تلاوت ہے جن کے آغاز میں لفظ "قُلْ" آتا ہے۔ اور مجھے اپنا منہ دکھاجاو۔ یعنی مجھ سے مل جاو۔ وغیرہ۔

۴...**إِطْلَاقُ الْكُلِّ عَلَى الْجُزْءِ:** کل بول کر جزو مراد لینا: جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ"۔(سورۃ البقرۃ:۱۹) یہاں "أَصَابِعَ" سے پورے مراد ہیں، کیونکہ کانوں میں انگلیاں نہیں، بلکہ انگلیوں کے پورے ڈالے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ آیت ہے۔ "وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ" (سورۃ المنافقون:۳) اس میں "أَجْسِامُ" سے مراد ان کے چہرے ہیں۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے۔ مثلا: یہ کہا جائے۔ "کرسی ٹوٹ گئی ہے۔" اگرچہ کرسی کا کوئی بازو یا ٹانگ ٹوٹی ہو گی تو یہ کل بول کر جزءمراد لیا جائے گا اور جیسے زید قلعہ میں رہتاہے۔ جزء بول کر کل مراد لیا گیاہے، دراصل زید قلعہ کے ایک گوشہ مکان میں رہتاہے۔

۵...**إِطْلَاقُ الْمَحَلِّ عَلَى الْحَالِ:** محل(ظرف) بول کر حال(مظروف) مراد لینا: جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا" (سورۃ یوسف:۸۲) اس آیت میں محل "الْقَرْيَةَ" بول کر حال "باشندگان قریہ" کو مراد لیا گیاہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ "بوتل پیجیے۔" تو اس سے مراد بوتل(محل) کے اندر موجود مشروب(حال) پینا ہے۔ یا یہ کہیں کہ اس نے محفل میں کئی جام چڑھائے، تو اس سے مراد جام(محل) میں موجود شراب(حال) ہے۔

۶...**إِطْلَاقُ الْحَالِ عَلَى الْمَحَلِّ:** حال(مظروف) بول کر محل (ظرف) مراد لینا، جیسے "وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللهِ" (سورۃ ال عمران:۱۰۶) اس آیت میں "رَحْمَةِ" حال(مظروف) بول کر "جنّت" محل (ظرف) مراد لیا گیاہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔ "دودھ آگ پر رکھ دیجیے۔" اس سے مراد دودھ(حال) کا برتن(محل) چولہے یا آگ پر رکھنا ہے۔

۷...**تَسۡمِيَةُ الشَّيۡءِ بِاعۡتِبَارِ مَا كَانَ عَلَيۡهِ:** ماضی بول کر حال مراد لینا، یعنی کسی چیز کو اس کے سابقہ زمانہ کے نام سے تعبیر کرنا، جیسے "وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ" (سورۃ النساء:۲) اس آیت میں "یتیم" کا اطلاق باعتبار ماکان ہے۔ اسی جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى"۔ (سورۃ طہ:۷۴) اس آیت میں روز قیامت کو حاضر ہونے والے شخص کو آج روزِ محشر لفظ "مُجْرِمًا" سے تعبیر کرنا ماکان (دنیا) کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ "ریٹائرمنٹ کے بعد پروفیسر صاحب گھر پر ہی رہتے ہیں۔" اگرچہ ریٹائرمنٹ کے بعد آدمی پروفیسر نہیں رہتا، لیکن یہاں ماضی بول کر حال کی حالت مراد لی گئی ہے۔

۸...**تَسۡمِيَةُ الشَّيۡءِ بِاعۡتِبَارِ مَا يَكُوۡنُ عَلَيۡهِ:** مستقبل بول کر حال مراد لینا، یعنی کسی چیز کو موجودہ حالت میں اس کے مستقبل میں لگنے والے نام سے تعبیر کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا" (سورۃ یوسف:۳۶) اس آیت میں انگور کو "خمر" مایکون کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے۔ مثلاً دورانِ تعلیم میں طب کے طالب علموں کو ڈاکٹر کہنا۔ اگرچہ وہ اس وقت تک ڈاکٹر نہیں بنے ہوتے، لیکن ان کی مستقبل کی حالت بول کر حال مراد لیا جاتا ہے۔

۹...**إِطۡلَاقُ الۡمُطۡلَقِ وَإِرَادَةُ الۡمُقَيَّدِ:** مطلق بول کر مقید مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ" (سورۃ المائدۃ:۸۹) اس آیت میں غلام (مطلق) بول کر مؤمن غلام (مقید) مراد لیا گیا ہے۔

۱۰...**إِطۡلَاقُ الۡمُقَيَّدِ وَإِرَادَةُ الۡمُطۡلَقِ:** مقید بول کر مطلق مراد لینا، جیسے محاورہ ہے "لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُّوْسٰى" ہر ظالم کی سرکوبی کے لیے کوئی نیک بندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مثال میں ہر ظالم پر فرعون کا اور نیکوکار پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اطلاق کرنا۔ یہ مقید بول کر مطلق مراد لینا ہے[1]۔

۱۱....**إِطۡلَاقُ الۡخَاصِ وَإِرَادَةُ الۡعَامِ:** خاص بول کر عام مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ"۔ (سورۃ الشعراء:۱۶) یہاں صیغہ جمع کہنے کے بجائے صیغہ واحد (رسول) سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ تمام انبیاء علیہم السلام مقصد بعثت میں ایک ہی رسول کی طرح ہیں۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے، مثلا یوسف کہنا اور مردِ حسین مراد لینا۔

۱۲....**إِطۡلَاقُ الۡعَامِ وَإِرَادَةُ الۡخَاصِ:** عام بول کر خاص مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ" (سورۃ الشوری:۵) اس آیت میں "مَنْ فِي الْأَرْضِ" عام لفظ سے خاص مؤمنین مراد ہیں۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔ مثلا یہ کہنا کہ "کیا عمدہ جانور ہے" اور مراد گھوڑا ہو۔

---

[1] واضح رہے کہ یہ تب مجاز مرسل کی مثال ہو گی جب بحیثیت مفرد ہو۔ ورنہ یہ مثال بحیثیت جملہ استعارہ تمثیلیہ کی مثال ہے۔

۱۳۔۔۔حَذْفُ الْمُضَافِ: مضاف کو حذف کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا"(سورۃ یوسف:۸۲) اس میں "الْقَرْيَةَ" بول کر اہل قریہ مراد لیا گیا ہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ "آج کل زمانہ بہت خراب ہے اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔" یہاں زمانہ سے مراد اہل زمانہ یا لوگ ہیں، جن کی خرابی کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۴...حَذْفُ الْمَوْصُوْفِ: موصوف کو حذف کرنا، جیسے"أَنَا ابْنُ جَلَا"۔(میں مشہور آدمی کا بیٹا ہوں)اس میں "رَجُلٌ" کو حذف کیا گیا ہے۔

۱۵...إِطْلَاقُ الشَّيْءِ وَإِرَادَةُ الْمُتَعَلَّقِ: شئ بول کر متعلق شئ مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ"(سورۃ النساء:۴۳)، اس آیت میں "الْغَائِطِ"(کشادہ نشیبی) بول کر کشادہ زمین میں کیے جانے والا بول وبراز مراد ہے۔

۱۶...إِطْلَاقُ آلَةِ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ: آلہ شئ کا اطلاق شئ پر کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ"۔(سورۃ الشعراء:۸۴)اس آیت میں "لِسَانَ" بول کر ذکر حسن مراد لیا گیا ہے۔

۱۷...إِطْلَاقُ أَحَدِ الْبَدَلَيْنِ عَلَى الْأُخَرِ: احد البدلین کا اطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے محاورہ ہے۔"فُلَانٌ أَكَلَ الدَّمَ"۔ اس میں "الدَّمَ" خون بول کر دیت مراد لیا گیا ہے۔

۱۸...إِطْلَاقُ النَّكِرَةِ وَإِرَادَةِ الْعُمُوْمِ: نکرہ موضع اثبات میں ہو اور اس سے عموم مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے:"عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ"(سورۃ التکویر:۱۴)اس میں "نَفْسٌ" بول کر ہر نفس مراد لیا گیا ہے۔

۱۹...إِطْلَاقُ أَحَدِ الضِّدَّيْنِ عَلَى الْآخَرِ: احد الضّدین کا اطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے:"وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا"(سورۃ الشوری:۴۰)اس آیت میں "سَيِّئَةٌ" کا اطلاق دو معنوں پر کیا گیا ہے، پہلے "سَيِّئَةٍ" سے ظلم مراد ہے اور دوسرے "سَيِّئَةٌ" سے ظلم کا بدلہ مراد ہے، جن دونوں میں سے اول ناجائز ہے جب کہ ثانی یعنی ظلم کے برابر بدلہ جائز اور مباح ہے، یعنی عدم سیئہ پر مجازا سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۲۰۔۔۔إِطْلَاقُ الْمُعَرَّفِ بِاللَّامِ عَلَى النَّكِرَةِ: معرف باللام کا اطلاق نکرہ پر کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے:"وَادْخُلُوا الْبَابَ"(سورۃ البقرۃ:۵۸)اس آیت میں "الْبَابَ" معرفہ بول کر باب من الابواب مراد لیا گیا ہے۔

۲۱...حَذْفُ الْحَرْفِ وَالْكَلِمَةِ: کسی حرف یا کلمہ کو حذف کر دینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوْا"۔(سورۃ النساء:۱۷۶)اس آیت میں "لَا" حرف نفی کو حذف کیا گیا ہے۔

۲۲...زِيَادَةُ الْحَرْفِ وَالْكَلِمَةِ: کسی حرف یا کلمہ کوزیادہ کردینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“(سورۃ الشوری:۱۱)اس آیت میں معنی تشبیہ کے لیے دو کلمے ہیں، جن میں ایک زائد ہے۔

۲۳... آلہ بول کر صاحب آلہ مراد لینا: مثلاً یہ جملہ:” قلم کا درجہ تلوار سے زیادہ ہے۔“ یہاں قلم سے مراد اہل قلم اور تلوار سے مراد اہل سیف یا تلوار باز ہیں۔

۲۴....صاحب آلہ بول کر آلہ مراد لینا: مثلاً یہ جملہ:”اس کا پہلا وار ہی مخالف کی گردن کو تن سے جدا کر گیا۔“یہاں صاحب تلوار بول کر آلہ یعنی تلوار مراد لی گئی ہے۔

۲۵....لفظ بول کر متضاد مراد لینا: مثال کے طور پر کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر یہ کہا جائے: ”کیا خوب پڑھائی ہو رہی ہے۔“اگرچہ وہ پڑھائی نہیں ہو رہی لیکن پڑھائی بول کراس کا متضاد یعنی پڑھائی کا نہ ہونا مراد لیا گیا ہے۔

۲۶....لازم بول کرملزوم مرادلینا: جیسے”طَلَعَ الضَّوْءُ“۔یہاں لازم بول کرملزوم ”شمس“مرادلیاگیاہے۔ اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔”ابھی تک انگیٹھی میں حرارت باقی ہے۔“یہاں لازم بول کرملزوم آگ مراد لی گئی ہے،یعنی آگ موجود ہے۔

۲۷....ملزوم بول کرلازم مرادلینا: جیسے قرآن مجید میں ہے۔”الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ“۔ (سورۃ ابراہیم:۳) یہاں ملزوم بول کرلازم(اختیار)مرادلیاگیاہے۔اُردو محاورہ میں اس کی مثال یہ جملہ ہے۔”تن بدن میں آگ لگ گئی ہے۔“یعنی حرارت پیدا ہو گئی ہے۔یہاں ملزوم بول کرلازم حرارت مراد لی گئی ہے۔

۲۸....دومشابہ چیزوں میں سے ایک بول کر دوسرامرادلینا: جیسے دیوار پر بنی ہوئی انسان کی تصویر کے بارے میں”هٰذِهِ صُوْرَةُ إِنْسَانٍ“کے بجائے”هٰذَا إِنْسَانٌ“کہنا[1]۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر۱:ایک صیغے کی جگہ دوسرے صیغے کو رکھنا بھی مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے،اس کو تعلق اشتقاقی کہتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں۔(۱)مصدر بول کراسم مفعول مرادلینا،جیسے قرآن مجید میں ہے۔”صُنْعَ اللهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ“۔(سورۃ النمل:۸۸)اس آیت میں”صُنْعَ“مصدراسم مفعول”مَصْنُوْعٌ“کے معنی میں ہے۔(۲)اسم فاعل بول کرمصدرمرادلینا،جیسے قرآن مجید میں ہے۔”لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ“(سورۃ الواقعہ:۲)اس آیت میں”كَاذِبَةٌ“ اسم فاعل سے مصدر”تَكْذِيْب“مرادہے۔(۳)اسم فاعل بول کراسم مفعول مرادلینا،جیسے”لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ

---

[1] جواہر البلاغہ:۲۵۲۔

أَمْرِ اللهِ "۔(سورۃ:۴۳) اس آیت میں "عَاصِمَ" اسم فاعل سے اسم مفعول "مَعْصُوْمَ" مراد ہے۔(۴) اسم مفعول بول کر اسم فاعل مراد لینا، جیسے "حِجَابًا مَّسْتُوْرًا" (سورۃ الاسراء:۴۵) اس آیت میں "مَسْتُوْرًا" اسم مفعول سے اسم فاعل "سَاتِرًا" مراد لیا گیا ہے۔(۵) مفرد بول کر تثنیہ مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ" (التوبۃ:۶۲) اس آیت میں "يُرْضُوهُ" مفرد کا صیغہ بول کر تثنیہ "يُرْضُوهُمَا" مراد لیا گیا ہے۔(۶) تثنیہ بول کر مفرد مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"نَسِيَا حُوْتَهُمَا"۔(سورۃ الکھف:۶۱) اس آیت میں "نَسِيَا" تثنیہ بول کر مفرد "نَسِيَ" مراد لیا گیا ہے، کیونکہ یہاں بھولنے والے حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔(۷) جمع کا صیغہ بول کر مفرد مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"رَبِّ ارْجِعُوْنِ" (سورۃ المؤمنون:۹۹) اس آیت میں صیغہ جمع "ارْجِعُوْنِ" بول کر مفرد "ارْجِعْنِيْ" مراد لیا گیا ہے۔چونکہ سب کافروں کا یہی قول ہو گا، اس لیے جمع سے تعبیر کیا ہے۔ (۸) جمع بول کر تثنیہ مراد لینا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا" (سورۃ التحریم:۴) اس آیت میں "قُلُوبُكُمَا" جمع بول کر تثنیہ "قَلْبَاكُمَا" مراد لیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر ا: مجاز کی ایک قسم مجاز عن المجاز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقت سے ماخوذ مجاز کو دوسرے مجاز کی بہ نسبت حقیقت کے درجہ میں ارتادینا، یعنی ایک معنی مجازی کا دوسرے معنی مجازی کی طرف منتقل ہونا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا"۔(سورۃ الاعراف:۲۶) اس آیت میں "لِبَاسًا" بول کر باعتبار ما کان سوت مراد لیا گیا ہے۔ پھر اس مجازِ اول سوت سے علاقہ سببیت کی بناء پر پانی مراد لیا گیا ہے۔اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے۔ "لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا"۔ (سورۃ البقرۃ:۲۳۵) اس آیت میں بھی لفظ "سِرًّا" میں مجاز عن المجاز ہے، چنانچہ "سِرًّا" بول کر علاقہ ملازمت کی وجہ سے وطی مراد ہے، پھر وطی بول کر علاقہ سببیت کی وجہ سے عقدِ نکاح مراد لیا ہے۔

تمرین

درج مثالوں میں مجازِ مرسل کے اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ، قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا، وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ، وَآتُوا الْيَتَامٰى أَمْوَالَهُمْ، إِنِّي أَرَانِيْ أَعْصِرُ خَمْرًا، وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ، فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ، وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيْهَا، فَفِيْ رَحْمَةِ اللهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ،

يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً، وَاجْعَل لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ، فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ، يَابَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ، فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ، إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا:

"نَارًا""رِزْقًا"مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق المسبب علی السبب، اس لیے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

✍...وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي:

"عَيْنِي"مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق السبب علی المسبب، اس لیے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

خاتمہ باب دوم

دوم درج ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصلِ اول: مجازِ مرسل کی عملی تطبیق کی چند مثالیں!

فصل دوم: مجازِ مرسل کے اغراض و فوائد

فصل سوم: مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی کی بلاغت کا بیان

فصلِ اول: مجازِ مرسل کی عملی تطبیق کی چند مثالیں!

✍...وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا:

"رِزْقًا" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق المسبب علی السبب، اس لیے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

✍...كُلُّ شَيْءٍ هالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ:

" وَجْهَهُ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق الجزء علی الکل، اس لیے کہ جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

✍...يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ:

" أَصَابِعَهُمْ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق الکل علی الجزء، اس لیے کہ کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے۔

✍...إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلالٍ مُبِينٍ:

"ضَلالٍ مُبِينٍ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق الحال علی المحل، اس لیے کہ حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے۔

✍...وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّها:

" قَرْيَةٍ"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مفرد ہے،مجازِ مرسل،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق المحل علی الحال،اس لیے کہ محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

✍...إِنَّ كَثِيراً مِنَ الْأَحْبارِ وَالرُّهْبانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوالَ النَّاسِ بِالْباطِلِ:

"لَيَأْكُلُونَ"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مفرد ہے،مجازِ مرسل،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں اطلاق الملزوم علی اللازم،اس لیے کہ ملزوم بول کر لازم (أخذ) مراد لیا گیا ہے۔

✍...إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى:

"مُجْرِمًا"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مفرد ہے،مجازِ مرسل،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں تسمیۃ الشئ باعتبار ماکان علیہ،اس لیے کہ ماضی بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

✍...وَلا يَلِدُوا إِلَّا فاجِراً كَفَّاراً:

" وَلا يَلِدُوا"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مفرد ہے،مجازِ مرسل،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔مجاز مرسل کے علاقوں میں"تسمية الشيء باعتبار مايكون عليه"اس لیے کہ زمانہ حال بول کر مستقبل مراد لیا گیا ہے۔

✍...وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ:

"لِسَانَ صِدْقٍ"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مفرد ہے،مجازِ مرسل،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں "إِطْلَاقُ آلَةِ الشَيْءِ عَلَى الشَّيْءِ"اس لیے کہ آلہ (لسان) حال بول کر ذکر خیر مراد لیا گیا ہے۔

✍...صُنْعَ اللهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ:
"صُنْعَ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں ذکر المصدر وارادۃ المفعول ہے، اس لیے کہ مصدر بول کر مفعول (مصنوع) مراد لیا گیا ہے۔

✍...لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ:
"كَاذِبَةٌ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں ذکر اسم الفاعل وارادۃ المصدر ہے، اس لیے کہ اسم فاعل بول کر مصدر (تکذیب) مراد لیا گیا ہے۔

✍...وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا:
"مَسْتُورًا" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں باعتبارِ لغت مستعمل نہیں، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مفرد ہے، مجازِ مرسل، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ غیر علاقہ تشبیہ مستعمل ہے۔ مجاز مرسل کے علاقوں میں ذکر اسم المفعول وارادۃ اسم الفاعل ہے، اس لیے کہ اسم مفعول بول کر اسم فاعل (سَاتِرًا) مراد لیا گیا ہے۔

فصل دوم: مجازِ مرسل کے اغراض و فوائد

کلام میں حقیقت سے مجاز کی طرف عدول وانتقال کر متنوع اغراض پر مبنی پر ہوتا ہے اوراس میں متکلم کے مختلف اغراض ومقاصد ہوتے ہیں، جو کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتے ہیں، تاہم ان میں چند فوائد حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔ **کلام میں ایجازواختصار مطلوب ہو۔** جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا"(سورۃ الغافر:۱۳) یہ طریقہ تعبیر مختصر ہے اس عبارت سے کہ یوں کہا جائے۔"وَيُنَزِّلُ لَكُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ يَتَسَبَّبُ فِی إِيْجَادِ الرِّزْقِ"۔

۲۔۔۔ **چیز کو مبالغۃ تعبیر کرنا:** جیسے قرآن مجید میں ہے۔"جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ"۔ (سورۃ نوح:۷) یہاں"أَنَامِلَ"کی جگہ اصابع کو ذکر کیا ہے، جس کفار کی سرکشی اور حد درجہ عناد بیان کرنا مقصود ہے اوران کی اہل ایمان کیساتھ سخت نفرت کا بیان ہے، جس نے ان کی قوتِ شنوائی کو بالکل ہی معطل کر دیا تھا اوراس قسم کا مبالغہ "أَصَابِعَ" کو ذکر کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی بخیل کے متعلق یہ کہنا۔"فُلَانٌ فَحْمٌ" اس سے مقصود مبالغہ ہے کہ اتنا لالچی ہے کہ ہر چیز کو نگل لیتا ہے۔

۳۔۔۔**اسلوب مجاز** میں متکلم اور مضمون نگار کے سامنے ایک وسیع میدان ہوتا ہے کہ وہ جو الفاظ بھی استعمال کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے، نیز فصاحت کلام میں مخل ثابت ہونے والے الفاظ سے اپنے کلام کو پاک کر کے رکھنے کے لیے بھی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لیتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"أَوْ جَاءَ أَحَدُكُم مِّنَ الْغَائِطِ"(سورۃ النساء:۴۳) یہاں"الْغَائِطِ"(کشادہ نشیبی زمین) محل بول کر پاخانہ حال مراد لیا گیا ہے۔

۴۔۔۔ **متکلم کے مختلف اغراض ومقاصد** کے حصول میں مدو معاون ثابت ہونا، جیسے تعظیم، تحقیر اور ہولناکی وغیرہ بیان کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ"(سورۃ النساء:۲) اس آیت میں ایک اہم فریضہ کی طرف رغبت دلانے کے لیے باعتبار مَا كَانَ "الْيَتَامَى"سے تعبیر فرمایا تا کہ ان پر رحم اور شفقت کیا جائے۔

فصل سوم: مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی کی بلاغت کا بیان

مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی کی جملہ اقسام وانواع پر غور وفکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میں عموما معنی مقصودی کو اختصار کیساتھ ادا کیا جاتا ہے، چنانچہ "هَزَمَ الْقائدُ الجيشَ" (کمانڈر نے لشکر کو شکست دی) یا "قَرَّر الْمَجْلسُ كَذَا" (مجلس نے یہ فیصلہ کیا) یہ دو جملے مختصر ہیں، لیکن اگر اسی مضمون کو ان جملوں (هَزَمَ جُنودُ القائدِ الجيشَ، قرّرَأهلُ المجلسِ) میں ادا کیا جاتا تو اس میں ایجاز اور اختصار نہ رہتا۔ نیز مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی میں بلاغت کا ایک اور مظہر یہ بھی ہے کہ ان میں معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان علاقہ کا انتخاب انتہائی دقت اور باریک بینی کیساتھ کیا جاتا ہے جس سے معنی مقصودی کی بہترین عکاسی اور منظر کشی ہوتی ہے اور مجازِ عقلی میں شئ کی نسبت اس کے سبب یا اس کے مکان یا زمان کی طرف کرنے سے کلام میں غیر معمولی فصاحت اور بلاغت پیدا کر دیتی ہے۔ فن بلاغت کی معروف کتاب "البلاغۃ الواضحہ (ص:۱۴۳)" میں ہے۔

"وإذا دققْتَ النَّظرَ رَأيتَ أنَّ أغْلَبَ ضُرُوبِ الْمَجازِ الْمُرْسلِ وَالْعَقْليِّ لا تَخْلُوْ مِن مُّبالَغَةٍ بَديعَةٍ ذات أثرٍ في جعْلِ الْمجازِ رائِعاً خلاباً، فإطلاقُ الكلِّ علَى الجُزْءِ مبالغةٌ، ومِثلُهُ إطلاقُ الجُزْءِ وإرادَةُ الْكُلِّ، كَمَا إذَا قُلتَ: "فُلانٌ فمٌ" تُرِيدُ أنّ شَرَّهُ يَلْتَقِمُ كلَّ شيءٍ. أوْ "فلانٌ أنفٌ" عِندَ ما تُرِيْد أنْ تَصِفَهُ بِعَظْمِ الأنفِ فَتُبَالِغَ فَتَجْعلَهُ كلَّهُ أنْفاً. وممَّا يُؤْثَرُ عَنْ بعضِ الأُدَباءِ في وصْفِ رجُلٍ أنَافيٍّ قَولُه: "لسْتُ أَدرِيْ أَهُوَ في أَنْفِه أمْ أنفهُ فِيْه."[1]

"جب آپ مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی کے اقسام کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو یہ بات محسوس کریں گے کہ مجازِ مرسل اور مجازِ عقلی کے عمومی اقسام ایسے نادر مبالغہ سے خالی نہیں ہوتی ہیں، جو مجاز کو دلچسپ بنانے میں مؤثر ہوتا ہے، چنانچہ جزء پر کل کا اطلاق اور کل پر جزء کا اطلاق مبالغہ ہے، جیسے آپ کہیں "فلان فُم" (فلاں آدمی منہ ہے) آپ کی مراد ہے کہ وہ ایسا لالچی ہے جو ہر چیز کو نگل لیتا ہے۔ یا آپ کہیں گے "فلانٌ أنفٌ" (فلاں آدمی ناک ہے) آپ کی مراد ہے کہ وہ بڑی ناک والا ہے تو آپ اس کو منہ اور ناک کہنے میں مبالغہ کر رہے ہیں۔ ایک ادیب کا بڑی ناک والے آدمی کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ "مجھے نہیں معلوم کہ وہ اپنی ناک میں ہے، یا اس کی ناک اس میں ہے، یہ بھی مبالغہ پر مبنی ہے۔"

---

[1] جواہر البلاغہ:۲۵۷۔

باب سوم: استعارہ

یہ باب درج ذیل تیرہ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: استعارہ کا بیان

فصل دوم: ارکانِ استعارہ کا بیان

فصل سوم: استعارہ کی اقسام وانواع

فصل چہارم: طرفین کے مذکور ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

فصل پنجم: لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارہ فی المفرد کی تقسیم

فصل ششم: طرفین کے اجتماع اور عدم اجتماع کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

فصل ہفتم: استعارہ عنادیہ کی اقسام وانواع

فصل ہشتم: جامع کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی تقسیم

فصل نہم: جامع کے اعتبار سے استعارہ کی دوسری تقسیم

فصل دہم: استعارہ کی وجودِ ملائم اور عدمِ ملائم کے اعتبار سے تقسیم

فصل یازدہم: طرفین کے محسوس اور معقول ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

فصل دوازدہم: ارکانِ ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

فصل سیزدہم: استعارہ فی المرکب (استعارہ تمثیلیہ) کا بیان

فصل اول: استعارہ کا بیان

ا۔۔۔استعارہ کا لغوی مفہوم:

استعارہ کے لغوی معنی عارضی طور پر مانگ لینا، عاریتاً مانگنا، اُدھار مانگنا ہیں۔

۲۔۔۔استعارہ کا اصطلاحی مفہوم:

''هِي مَجَازٌ عَلاقَتُهُ الْمُشابَهَةُ''۔

استعارہ وہ مجاز ہے، جس میں تشبیہ کا علاقہ ہو، یعنی علم بیان کی اصطلاح میں استعارہ سے مراد حقیقی اور مجازی معنوں کے مابین تشبیہ کا علاقہ پیدا کرنا یعنی حقیقی معنی کا لباس عاریتاً مانگ کر مجازی معنی کو پہنانا استعارہ کہلاتا ہے، اس میں لفظ اپنے لغوی معنی ترک کر کے لسانی سیاق و سباق کے اعتبار سے مجازی معنی (نئے معنی) اختیار کرتا ہے، جیسے ''كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ''(ابراہیم:۱) یہاں ''الظُّلُمَاتِ'' سے گمراہی اور ''النُّورِ'' سے ہدایت مراد ہے، جو ان کا حقیقی معنی نہیں، بلکہ مجازی معنی ہے، لیکن معنی حقیقی اور معنی مجازی میں تشبیہ کا علاقہ ہے، اس طور پر کہ جس طرح ''النُّورِ'' سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایمان سے بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور جس طرح ''الظُّلُمَاتِ'' سے رہنمائی نہیں ملتی تو اس طرح گمراہی سے بھی رہنمائی نہیں ملتی۔ اس لیے گمراہی کو ''الظُّلُمَاتِ'' اور ہدایت کو ''النُّورِ'' کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

فصل دوم: ارکانِ استعارہ کا بیان

استعارہ کے بنیادی طور پر چار ارکان ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

ا۔۔۔**لفظ مستعار (لفظ منقول):** وہ لفظ جو مستعار منہ کے معنی پر دلالت کرے، جیسے مذکورہ مثال میں ''الظُّلُمَاتِ'' اور ''النُّورِ'' کے لفظ ہیں۔

۲۔۔۔**معنی مستعار لہ (مشبہ):** وہ چیز جس کے لیے کوئی لفظ یا خوبی ادھار لیا جائے، جیسے مذکورہ مثال میں ضلالت اور ہدایت مستعار لہ ہیں، یعنی ضلالت کے لیے ''الظُّلُمَاتِ'' اور ہدایت کے لیے ''النُّورِ'' کا لفظ ادھار لیا گیا ہے۔

۳۔۔۔**معنی مستعار منہ (مشبہ بہ):** وہ چیز جس سے کوئی لفظ یا خوبی مستعار لی جائے، جیسے مذکورہ مثال میں ''الظُّلُمَاتِ'' اور ''النُّورِ'' کے معانی مستعار منہ ہیں

۴۔۔۔**وجہ جامع (وجہ شَبہ):** مستعار لہ اور مستعار منہ میں جو وصف اور خوبی مشترک ہو اسے وجہ جامع کہتے ہیں، جیسے مذکورہ مثال میں تاریکی اور رہنمائی ہے[1]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: ہر وہ مجاز جس میں تشبیہ کا علاقہ ہو استعارہ کہلاتا ہے اور جس میں تشبیہ کے علاوہ اور کوئی علاقہ ہو تو وہ مجازِ مرسل کہلاتا ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ وہ مجاز ہے، جس میں علاقہ مشابہت کی وجہ سے ایک شئ کو دوسری شئ کیساتھ تشبیہ دی جائے، مگر اس میں صرف مشابہت کا وجود کافی نہیں ہے، بلکہ مشابہت کا قصد کرنا بھی ضروری ہے، پس جب انسان کے ہونٹ پر لفظ "مِشْفَر" کا اطلاق کیا جائے اور انسان کے ہونٹ کو اونٹ کے ہونٹ کیساتھ موٹائی میں تشبیہ دینا مقصود ہو تو یہ استعارہ ہو گا اور اگر یہ مقصود ہو کہ انسان کے ہونٹ پر "مِشْفَرُ إبِلٍ" کا اطلاق از قبیل اطلاق مقید علی المطلق ہے تو یہ مجاز مرسل ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک لفظ اطلاق ایک ہی شئ پر بطریق استعارہ بھی ہو سکتا ہے اور بطریق مجاز مرسل بھی ہو سکتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: استعارہ میں مشبہ کو مستعار لہ، مشبہ بہ کو مستعار منہ، وجہ شَبہ کو وجہ جامع اور جس لفظ کے ذریعہ استعارہ ہو تو اسے مستعار کہتے ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر ۴: مجاز اور استعارہ میں معنی مجازی مراد لینے پر قرینہ ضرور ہوتا ہے، پھر یہ قرینہ یا تو امر واحد ہو گا، جیسے "رَأَيْتُ أَسَدًا يَّرمِيْ" یہاں صرف "يَرمِي" ہے، یا قرینہ دو یا دو سے زائد امور ہوں گے، جیسے شعر ہے۔

فَإِنْ تُعَافُوا العَدْلَ وَالإِيْمَانَا   فَإِنّ فِي إِيمَانِنَا نِيْرَانَا

ترجمہ: اگر وہ عدل اور ایمان کو بُرا سمجھ کر چھوڑ دیں تو یقیناً ہمارا ہاتھوں میں آگ ہے۔

---

[1] قال العلامة الميداني رحمه الله: أركان الاستعارة على هذا أربعة:(١) اللفظ المستعار. (٢) المعنى المستعار منه، وهو المشبّه به. (٣) المعنى المستعار له، وهو المشبّه. (٤) القرينة الصارفة عن إرادة ما وُضِع له اللّفظ في اصطلاحٍ به التخاطب. والقرينة دليلٌ من المقال، أو من الحال، أو عقليٌّ صرْف. ولم يذكر البيانيّون هذا الركن وقد رأيت إضافته لأنّه إذا فقدت القرينة لم تصحّ الاستعارة.(البلاغة العربية:٢/٢٣٠)

[2] جواہر البلاغۃ:۲۵۸۔

[3] ہامش دروس البلاغۃ:۱۲۵۔

اس شعر میں عدل اور ایمان میں سے ہر ایک کیساتھ "تُعَافُوا" کا تعلق ہے، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ "نِيْرَانَا" سے مراد "سُيُوف" ہیں، کیونکہ اس تعلق سے معلوم ہوتاہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔"أَيْ تُحَارِبُونَ وَتَلْجَئُون" جس کو حذف کرکے اس کی علت "فَإنّ فِي إيمَانِنَاالخ" کواس کے قائم مقام کر دیا گیاہے۔ اوریا چند معانی آپس میں مربوط ہو کر مجموعی حیثیت سے قرینہ ہوتے ہیں، جیسے اس شعر میں ہے۔

وَصاعِقَةٍ في كَفِّهِ تَنْكَفِي بِهَا عَلَى أَرْؤسِ الأَعْدَاءِ خَمْسُ سَحَائِبِ

ترجمہ: اور بہت سی بجلیاں اس کی دھار سے لوٹاتی ہیں ہم عمروں کے سروں سے پانچ بادل بن کر۔

اس شعر میں شاعر نے انامل ممدوح کو بطریق استعارہ سحائب سے تعبیر کیاہے اس لیے کہ اس نے اولاً بطریق تجرید "صاعِقَةٍ" کو ذکر کرکے یہ بتایاہے کہ یہاں ایک آگ ہے جو شمشیر ممدوح کی دھار سے نکلتی ہے، اس کے بعد "أَرْؤسِ الأَعْدَاءِ" کو لایاہے، جس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ آگ تلوار کی دھار سے نکل کر دشمنوں کی گردنوں پر پڑتی ہے جس وہ ہلاک ہوجاتے ہیں پھر اس نے پانچ عدد کو ذکر کیا، پس ان امور کے مجموعہ سے ثابت ہو گیا کہ سحائب سے مراد انامل ممدوح ہیں۔

قاعدہ نمبر ۵: استعارہ کو مجازِ مستعار بھی کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ٦: استعارہ میں تین چیزوں (مستعار، مستعار منہ اور مستعار لہ) کا ضروری ہوتا ہے [۱]۔

قاعدہ نمبر ۷: استعارہ میں علاقہ تشبیہ اور ارادہ تشبیہ کا ہونا ضروری ہوناہے، اگر حقیقت اور مجاز کے درمیان نفس الامر میں مشابہت ہو، لیکن اس مشابہت کا ارادہ نہ ہو تو یہ استعارہ نہیں، بلکہ مجازِ مرسل کہلائے گا۔

قاعدہ نمبر ۸: جہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مذکور ہوں، لیکن اداتِ تشبیہ مذکور نہ ہوں تو علامہ تفتازانیؒ کے نزدیک تشبیہ بلیغ ہوگا اور جمہور کے نزدیک استعارہ ہوگا۔

---

[۱] واعلم أن الاستعارة جمع بين شيئين بمعنى مشترك بينهما يكسب (بيان) أحدهما بالآخر، ولا بد للاستعارة من ثلاثة أشياء: مستعار، ومستعار منه، ومستعار له، فاللفظ المستعار، قد نقل من أصل إلى فرع للإبانة. والمستعار منه والمستعار له، لفظان حمل أحدهما على الآخر في معنى من المعاني؛ هو حقيقي للمحمول عليه، مجازي للمحمول. مثال ذلك قوله تعالى: (واشتعل الرأس شيبا) فهذا مستعار، ومستعار منه، ومستعار له؛ فالمستعار هو الاشتعال، وقد نقل الأصل الذي هو النار إلى الفرع الذي هو الشيب، قصداً للإبانة، وأما المستعار منه فهو النار والاشتعال لها حقيقة. وأما المستعار له فهو الشيب، والاشتعال له مجاز.(الجامع الكبير في صناعة المنظوم من الكلام والمنثورلا بن الاثير:۸٤)

قاعدہ نمبر۹:جمہوراہل علم کے نزدیک استعارہ از قبیل مجاز ہے،کیونکہ اس میں لفظ غیر معنی موضوع میں مستعمل ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مجاز نہیں،کیونکہ اس میں معنی منقول نہیں ہوتا،امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ استعارہ اور مجاز میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے،یعنی استعارہ اخص مطلق اور مجاز اعم مطلق ہے[(۱)]۔

قاعدہ نمبر۱۰:جمہور کے نزدیک استعارہ مجازِ لغوی ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک مجازِ عقلی کہلاتا ہے[(۲)]۔

قاعدہ نمبر۱۱:استعارہ اور کذب میں فرق یہ ہے کہ استعارہ کا مدار تاویل پر ہوتا ہے،بایں طور پر کہ مشبہ کو مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد سمجھ کر مشبہ بہ کے اوصاف مشبہ کے لیے ثابت کیے جاتے ہیں،گویا کہ مشبہ بہ کے دوافراد ہیں،ایک فردِ متعارف اور دوسرا فردِ غیر متعارف۔جب کہ کذب میں اس قسم کی کوئی تاویل نہیں ہوتی۔دوسرا فرق یہ ہے کہ استعارہ میں معنی موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اور کذب میں کوئی قرینہ نہیں ہوتا،بلکہ معنی موضوع لہ کو چھپاکر معنی غیر موضوع لہ کو ترویج دینے کی کوشش کی جاتی ہے[(۳)]۔

قاعدہ نمبر۱۲:اعلامِ شخصیہ میں استعارہ متحقق نہیں ہوسکتا،کیونکہ استعارہ میں ادخال المشبہ فی جنس المشبہ کا ادعاء ہوتا ہے اور علمیت اس کا منافی ہے،یعنی استعارہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں مشبہ بہ کے متعارف،غیر متعارف دوفرد بناکر مشبہ کو جنس مشبہ بہ میں ادعاء کی داخل کیا جاتا ہے،اس سے یہ معلوم ہوا کہ علم شخصی میں استعارہ نہیں ہوسکتا،کیونکہ استعارہ مفہوم عام کو چاہتا ہے اور علم شخصی میں تعین ہوتا ہے اور عموم وتعین میں منافات ہے۔[(٤)]

قاعدہ نمبر۱۳:استعارہ اسم جنس اور علم جنسی اور اعلامِ وصفیہ میں متحقق ہوتا ہے،اس لیے کہ یہ معانی ذہنیہ میں سے ہیں،جن میں عموم ممکن ہے،جیسے"رَأيتُ خاتَمًا فِي الْبلَدِ"اور"سَمِعتُ اليَومَ سَحْبانَ" أَيْ خَطِيباً فَصِيحاً۔[(۵)]

قاعدہ نمبر۱۴:بعض حضرات کے نزدیک علم میں مجاز مرسل ہوسکتا ہے،تاہم امام فخر الدین رازیؒ نے محصول میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ علم میں مجاز مرسل نہیں ہوسکتا ہے[(۶)]۔

[(۱)] ہامش الفوائد المشوق:۸۹،نہایۃ الایجاز فی درایۃ الایجاز للرازی:۱۸۳،

[(۲)] المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/۱۰۵۔

[(۳)] المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/۱۰۶۔

[(۴)] جواہر البلاغۃ:۲۵۸،المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/۱۰۷۔

[(۵)] جواہر البلاغۃ:۲۵۸،المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/۱۰۷۔

[(۶)] ملخصانیل الامانی:۲/۲۶۰۔

قاعدہ نمبر ۱۵: استعارہ تشبیہ سے ابلغ ہوتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۱۶: استعارہ میں اتحاد اور امتزاج کا دعوی ہوتا ہے[۲]۔

فائدہ نمبر ۱۷: بیانیین حضرات فرماتے ہیں۔ تَزَوَّجَ المجازُ التَّشبِيْهَ فَتَوَلَّدَ مِنهُما الاستعارةُ.[۳]

تمرین

درج ذیل مثالوں میں طرفین اور جامع کی تعیین کیجئے۔ نیز تطبیق کریں۔

فِي قُلوبِهِمْ مَرَضٌ، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ، اللهُ ولِيُّ الذينَ آمَنوا يُخرِجُهم مِنَ الظُّلُماتِ إلىٰ النُّورِ، صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ، نَثَرَ الخطيبُ الدُّرَرَ، رَأيتُ بَحرًا فِي المسجدِ، أولٰئك قَومٌ يَصُوْمون عَنِ المعْروفِ وَيُفْطِرُوْن عَلَى الفحْشاءِ، رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ، فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا، وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ، أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ، قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ، إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خيرًا فَتَحَ لَهُ قُفْلَ قَلْبِهِ، أَفْضَلُ الصَّدقةِ حِفْظُ اللِّسانِ. حَامِلُ القرآنِ حَاملُ رَايَةِ الْإسلامِ الخَيلُ مَعقودٌ بِنَواصِيْها الخَيرُ إلى يومِ القيامةِ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...فِي قُلوبِهِمْ مَرَضٌ:

"مَرَضٌ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں علاقہ تشبیہ کی وجہ سے مستعمل ہے۔

✍...وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ:

"بِحَبْلِ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں علاقہ تشبیہ کی وجہ سے مستعمل ہے۔

---

[۱] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۵۸۔

[۲] ہامش جواہر البلاغۃ:۲۶۷۔

[۳] البلاغۃ العربیہ للمیدانی:۲/۲۳۰.

فصل سوم: استعارہ کی اقسام وانواع

استعارہ کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔استعارہ فی المفرد ۲۔استعارہ فی المرکب

ا۔۔استعارہ فی المفرد کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں لفظِ مستعار مفرد ہو، جیسے"أَقْبَلَ اللَّیْثُ فَاحْترقَ جَیشَ الْعَدوِّ"۔اس میں لفظ مستعار "اللَّیْثُ" (الفارسُ الشُّجاعُ)ہے اور یہ مفرد ہے۔

۲۔۔استعارہ فی المرکب کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں طرفین امورِ متعددہ سے منتزع ہوں،یعنی جس میں امورِ متعددہ سے منتزع ایک صورت کی تشبیہ دوسری صورت کیساتھ دی جائے، پھر مشبہ کو مبالغۃً مشبہ بہ قرار دی جائے، جیسے کسی ایک شخص سے کہ جو ایک کام کے کرنے نہ کرنے میں متردد ہو یوں کہیں "إِنِّی أَرَاكَ تُقَدِّمُ رِجْلا وَّتُؤخِّرُ أُخرٰی" یہ استعارہ فی المرکب ہے، کیونکہ اس میں ایک کام کے کرنے نہ کرنے کی ہیئت کو اس شخص کی ہیئت کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جو کسی کام کے لیے جانے نہ جانے میں متردد ہو کہ کبھی جانے کے ارادہ سے قدم بڑھاتا ہے اور کبھی نہ جانے کے ارادہ سے ہٹالیتا ہے اور اس میں وجہ شبہ وہ ہیئت ہے، جو اقدام واحجام کے مجموعہ سے منتزع ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ا: ہر وہ استعارہ جس میں لفظ مستعار متعدد الفاظ سے مرکب ہو اسے استعارہ فی المرکب کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ فی المرکب کو مجاز مرکب، استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اور استعارہ تمثیلیہ بھی کہا جاتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: استعارہ تمثیلیہ تشبیہ تمثیلی پر مبنی ہوتا ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۴: استعارہ تمثیلیہ جملہ استعارات میں ابلغ ہوتا ہے[۱]۔

---

[۱] البلاغۃ العربیہ:۲/۲۳۶۔

[۲] جواہر البلاغۃ:۲۸۶۔

قاعدہ نمبر ۵: استعارہ تمثیلیہ تراکیب میں متحقق ہوتا ہے[۲]۔
قاعدہ نمبر ۶: استعارہ تمثیلیہ میں ایسے قرینہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جو معنی حقیقی مراد لینے سے مانع ہو[۳]۔
قاعدہ نمبر ۷: استعارہ تمثیلیہ میں ارکانِ تشبیہ میں سے صرف مشبہ بہ مذکور ہوتا ہے، باقی ارکان محذوف ہوتے ہیں۔
قاعدہ نمبر ۸: استعارہ تمثیلیہ عموماً ضرب الامثال وغیرہ میں پایا جاتا ہے[۴]۔
قاعدہ نمبر ۹: صورت منتزعہ کبھی حقیقی (محقق الوجود) اور کبھی فرضی (اختراعی) ہوگی[۵]۔
قاعدہ نمبر ۱۰: استعارہ تمثیلیہ میں تشبیہ کے محاسن کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جیسے وجہ شَبہ کا طرفین کو شامل ہونا، غرضِ تشبیہ کا حاصل ہونا اور وجہ شَبہ کا طرفین میں اوضح اور اجلی ہونا وغیرہ[۶]۔
قاعدہ نمبر ۱۱: استعارہ تمثیلیہ جب امثال میں مستعمل ہو تو وہاں پر پوری مثال کو بغیر تغیر و تبدل کے استعمال کیا جاتا ہے، مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث وغیرہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے[۷]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں استعارہ فی المفرد اور استعارہ فی المرکب کی تعیین کیجئے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ، أَيُحِبُّ أحدُكُم أنْ يَّأكُلَ لحمَ أخيهِ ميْتاً فكرِهتُمُوهُ، وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ، قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيابٌ مِنْ نارٍ، اعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ، لَايُلدَغُ الْمُؤمنُ مِن جُحرٍ واحدٍ مرَّتينِ، بابُ النجَّار مخلَّع، يَنفُخُ في قِرْبة مَخْرُومَة، والْمَوْرِدُ الْعَذْبُ كَثيرُ الزِّحَام، ينْفُخُ فِي رَمادٍ، تَضْرِبُ فِي حَدِيدٍ باردٍ، حَاطِبُ لَيْلٍ، يَحْرُثُ فِي البَحرِ، إِنَّ الحَدِيدَ بِالْحَدِيدِ يُفْلَحُ، مَنْ بَنَى علیٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَبِنَاؤُه مُنْهَارٌ، يُحْصَدُ مَا زُرِعَ، السّكَافِيْ حَافٍ وَالحَائِكُ عُرْيانٌ-

---

[۱] جواہر البلاغۃ: ۲۸۹۔
[۲] جواہر البلاغۃ: ۲۸۹۔
[۳] جواہر البلاغۃ: ۲۸۹۔
[۴] جواہر البلاغۃ: ۲۸۹۔
[۵] جواہر البلاغۃ: ۲۸۸۔
[۶] جواہر البلاغۃ: ۲۹۰۔
[۷] البلاغۃ العربیہ للدیب: ۲/۲۶۸، جواہر البلاغۃ: ۲۸۸۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ:

"صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے۔

✍...أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ:

مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المرکب، مجاز مرکب، استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اور استعارہ تمثیلیہ، اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

فصل چہارم: طرفین کے مذکور ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

طرفین (مستعار منہ، مستعارلہ) کے مذکور ہونے کے اعتبار سے استعارہ فی المفرد کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔استعارہ تصریحیہ (مصرحہ)　　۲۔استعارہ مکنیہ (بالکنایۃ)

ا۔۔استعارہ تصریحیہ (مصرحہ) کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں مستعار منہ صراحۃً مذکور ہو، جیسے "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"۔اس میں مستعار منہ (الصِّرَاط) ہے، جو صراحۃً مذکور ہے۔

۲۔۔استعارہ مکنیہ (بالکنایۃ) کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں مستعارلہ صراحۃً مذکور ہو اور مستعار منہ مذکور نہ ہو، بلکہ مستعار منہ کے لوازم اور خصوصیات میں سے کوئی چیز مستعارلہ کے لیے ذکر کی گئی ہو، جیسے "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ" میں مستعار منہ "طَائِر" مذکور نہیں، بلکہ مستعار منہ کے لوازمات میں سے "جَنَاحَ" کو مستعارلہ "الذُّلِّ" کے لیے ثابت کیا گیا ہے اور یہ استعارہ تخییلیہ ہے کہ مستعار منہ کے لوازم میں سے من جملہ بعض لوازم کو مستعارلہ کے لیے ثابت کیے جائیں، اس کو استعارہ خالیہ اور استعارہ وہمیہ بھی کہا جاتا ہے۔

وجہ حصر: مستعار منہ صراحۃً مذکور ہو گا یا نہیں، اگر ہو تو استعارہ تصریحیہ مصرحہ اور اگر نہ ہو تو استعارہ مکنیہ بالکنایۃ۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: استعارہ تصریحیہ کو استعارہ مصرحہ، تحقیقیہ، حقیقیہ، محققہ، اور عقلیہ بھی کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ تصریحیہ میں مستعار منہ (مشبہ بہ) مذکور ہوتا ہے اور استعارہ مکنیہ میں مستعارلہ (مشبہ) مذکور ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: استعارہ بالکنایہ استعارہ تصریحیہ سے ابلغ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں انتہائی دقت پائی جاتی ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۴: مذہبِ معروف کے مطابق استعارہ لفظ کی صفت ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ پہلے معنی کو مستعار لیا جاتا ہے، پھر یہ لفظ معنی پر دلیل ہوتا ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۵: استعارہ حقیقت سے ابلغ ہوتا ہے[1]۔

---

[1] علوم البلاغۃ: ۲۰۱۔

[2] جواہر البلاغۃ: ۲۶۴۔

فائدہ نمبر ۱: استعارہ بالکنایہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا استعارہ جو کنایہ کیساتھ ہو، کیونکہ اس میں مشبہ بہ کی تصریح نہیں ہوتی ہے اور وہ چیز جو مشبہ بہ کے لوازم میں سے ہو اسے مشبہ کے لیے ثابت کرنے کا نام استعارہ تخیلیہ ہے، کیونکہ جب مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کو مشبہ کے لیے مانگا جائے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مشبہ مشبہ بہ کے جنس سے ہے۔

فائدہ نمبر ۲: استعارہ تصریحیہ اور استعارہ بالکنایہ مختلف اعتبارات سے ایک جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں، جیسے شعر ہے۔

لاَ تَعْجَبِي يَا سَلْمُ مِنْ رَجُلٍ ضَحِكَ الْمَشِيبُ برَأْسِهِ فَبَكَى

ترجمہ: اے سلمیٰ! تم اس آدمی پر تعجب نہ کرو جس کے سر پر بڑھاپا پورے طور پر ظاہر ہوا تو وہ رو پڑا۔

مذکورہ شعر میں لفظ "ضَحِكَ" میں استعارہ تصریحیہ ہے اس طور پر کہ "ضَحِك" مستعار منہ مذکور ہے، "ظُهُورُالشَّيبِ" مستعار لہ غیر مذکور ہے اور وجہ جامع "إشْراقْ" ہے، لیکن اگر اس شعر کی یوں توجیہ کی جائے کہ اس میں مستعار منہ "إنسان" محذوف ہے، مستعار لہ "الْمَشِيبُ" مذکور ہے، مستعار منہ کے لوازم میں سے من جملہ "ضَحِكَ" کو مستعار لہ "الْمَشِيبُ" کے لیے ثابت کیا گیا ہے اور "تَدْرِيجُ فِي ظُهُورِ الْبَياضِ" ہے تو اس توجیہ کے مطابق یہ استعارہ بالکنایہ ہو گا[۲]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں استعارہ تصریحیہ اور استعارہ مکنیہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنا، وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ، أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى، صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ، الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ، صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى، فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ، وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا، حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا، يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ، وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الأَلْوَاحَ، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ، (المكنية)، يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ(بالمكنبة التخييلية)، وَفِي عادٍ إِذْ أَرْسَلْنا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ، حَدَّثَنِي التَّارِيخُ عَن أَمْجادِ أُمَّتِي فَشَعَرْتُ بِالْفَخْرِ وِالْاعْتِزازِ، طَارَ الْخَبَرُ فِي المدينةِ، يَهْجُمُ عَلينَا الدَّهْرُ بِجَيْشٍ مِّن أيّامِهِ وَلَيَالِيْهِ، وَقَفَ الْغَضَنْفَرُ عَلىٰ الْمِنبرِ، بَكَتِ السَّماءُ فَضَحِكَتِ الأرضُ.

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۲۶۷۔

[۲] علوم البلاغۃ:۲۰۱۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ:

"الصِّرَاطَ "مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔

✍...ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنا:

"أَوْرَثْنَا"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض،مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ بالکنایہ،اس لیے کہ مستعار لہ مذکور ہے۔

فصل پنجم: لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارہ فی المفرد کی تقسیم

لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارہ فی المفرد کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اصلیہ ۲۔ تبعیہ

۱۔۔۔استعارہ اصلیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس ہو، حقیقۃِ اسمِ جنس کی مثال، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ "۔اس آیت میں لفظ مستعار "الظُّلُمَاتِ" اور"النُّورِ"ہیں اور یہ دونوں حقیقۃِ اسم جنس ہیں۔ اور تاویلا اسم جنس کی مثال، جیسے "رَأَيتُ حَاتَماً فِي المسجدِ" اس مثال میں "حَاتَماً" سخاوت کے لیے مستعار لیا گیا ہے اور یہ اسمِ جنس تاویلی ہے، اصل میں علم ہے، لیکن اس پر وصفیت غالب ہے۔

۲۔۔۔استعارہ تبعیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہ ہو، بلکہ فعل ہو یا اس کے مشتقات اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ وغیرہ، یا اسمِ فعل ہو، یا حرف ہو، جیسے "نَطَقتِ الْحَالُ، الْحَالُ نَاطِقٌ، هٰذا مَقْتَلُهُ، مَضٰى مَرْقَدُهُ". جیسے قرآن مجید میں ہے۔" أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ "وغیرہ۔

وجہ حصر: لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس ہو گا یا نہیں، اگر ہو تو استعارہ اصلیہ اور اگر نہ ہو تو استعارہ تبعیہ۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ استعارہ اصلیہ اور تبعیہ دونوں میں قرینہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، تاہم استعارہ تبعیہ کا مدار درج ذیل چیزوں پر ہوتا ہے۔

۱۔۔۔فاعل پر جیسے "إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ" وغیرہ۔ اس آیت میں استعارہ تبعیہ ہے اور قرینہ یہ ہے کہ "طَغَى" فعل معنی حقیقی کے اعتبار سے "الماء" کی طرف مسند نہیں ہو سکتا، کیونکہ "الْمَاءُ" سے "طُغْيَانْ" کا وقوع محال ہے اور اسی طرح" نَطَقتِ الْحَالُ بِكَذَا" میں استعارہ تبعیہ ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ "نُطْق" معنی حقیقی کے اعتبار سے "الْحَالُ" کی طرف مسند نہیں ہو سکتا، کیونکہ "حال" سے "نُطْق" کا وقوع محال ہے۔

۲۔۔۔نائبِ فاعل پر، جیسے "وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ "وغیرہ۔اس مثال میں استعارہ تبعیہ ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ "ضُرِبَتْ" معنی حقیقی کے اعتبار سے "الذِّلَّةُ" اور "الْمَسْكَنَةُ" کی طرف مسند نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان پر "ضَرْب" کا وقوع محال ہے، اس لیے کہ "الذِّلَّةُ" اور "الْمَسْكَنَةُ" دونوں امورِ معنویہ ہیں۔

۳۔۔مفعول بہ پر،جیسے ”جُمِّعَ الحَقَّ لَنَا فِي إمامٍ ... قَتَلَ الْبُخْلَ وَأَحْيَا السَّمِاحَا“اس مثال میں ”قَتَلَ“ اور ”أَحْيَا“ میں استعارہ ہے اوراس پر قرینہ یہ ہے کہ قتل حقیقی اوراحیاء حقیقی کا تعلق ”الْبُخْلَ“ اور ”جُودْ“کیساتھ نہیں ہوسکتا،کیونکہ یہ دونوں امورِ معنویہ ہیں،لہذا ”قَتْل“ازالہ اور ”أحياء“کثرت سے مستعار ہے۔

۴۔۔مجرور پر،جیسے ”فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ“. ”فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ“. ”بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ“۔ اس آیت میں ”بَشِّرْ“میں استعارہ تبعیہ ہے اور قرینہ یہ ہے کہ عذاب کا تعلق ”بَشِّرْ“کیساتھ نہیں ہوسکتا،کیونکہ ”تَبْشِير“ایسی چیز کی خبر کو کہتے ہیں،جس سے خوشی ومسرت حاصل ہو اور عذاب اس کی ضد ہے،تاہم یہاں تہکم کی غرض سے تضاد کو بمنزلہ تناسب فرض کرکے انذار کو تبشیر کیساتھ تشبیہ دے کر انداز کے لیے استعارہ کیاگیاہے۔

۵۔۔ کبھی استعارہ تبعیہ کا قرینہ مذکورہ مقامات کے علاوہ ہوتاہے،جیسے ”قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا“ ”إِذِ الْقَرِيْنَةُ فِي هٰذِهِ الآيةِ، كَوْنُهُ مِن كَلَامِ الْمَوتٰى، مَعَ قَولِهِ: ”هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُون“[1].

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱:اسمِ جنس سے اسمِ جامد،مصدر اور صفاتِ مخصوصہ وغیرہ مراد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲:اسمِ جنس تاویلا کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں علم ہو،لیکن وصفیت غالب آگئی ہو،جیسے ”رَأَيتُ حَاتَماً فِي المسجدِ“وغیرہ۔اس میں ”حَاتَماً“ اصل میں علم ہے،لیکن اس پر وصفیت غالب آچکی ہے۔

قاعدہ نمبر ۳:جملہ مشتقات(اسم فاعل،اسم مفعول،اسم تفضیل،صفتِ مشبہ،مبالغہ،اسم ظرف،اسم آلہ)اور حروف میں استعارہ تبعیہ کہلاتاہے۔

قاعدہ نمبر ۴:اگر لفظِ مستعار مصدر نہ ہو،بلکہ فعل ہو یا حرف ہو تو استعارہ تبعیہ کہلائے گا۔

قاعدہ نمبر ۵:ضمائر،اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ میں استعارہ تبعیہ کہلاتاہے،کیونکہ یہ نہ حقیقۃً اسمِ جنس ہیں اور نہ ہی تاویلا اسمِ جنس ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر ۶:استعارہ تبعیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل میں پہلے ان کے مستعار منہ کے لیے معنی مصدری ثابت کیاجاتاہے،پھر اس فعل یا شبہ فعل کے مشتق کے لیے ثابت کیاجاتاہے،اسی واسطہ کی وجہ سے اسے استعارہ تبعیہ کہتے

---

[1] جواہر البلاغۃ:۲۶۷۔

[2] ھامش جواھر البلاغۃ:۲۶۴۔

ہیں۔اور حروف میں پہلے ان کے متعلق کے لیے معنی مستعار ثابت کیا جاتا ہے، پھر حروف کے لیے ثابت کیا جاتا ہے، اس لیے اسے استعارہ تبعیہ کہتے ہیں[۱]۔

قاعدہ نمبر۷: فعل اور مشتقات وغیرہ میں استعارہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استعارہ تشبیہ پر موقوف ہے اور تشبیہ کا مقتضی یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں وجہ شبہ کیساتھ اس طرح موصوف ہوں کہ ان پر وجہ شبہ کا حکم لگایا جاسکے، بالفاظِ دیگر یوں کہہ لو کہ مشبہ اور مشبہ بہ ہر دو وجہ شبہ میں شریک ہوں، مثلاجب ہم یوں کہیں"زَيْدٌ كَعَمْرٍو فِي الشُّجَاعَةِ" تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زید شجاعت کیساتھ متصف ہے اور اس میں شجاعت اس طرح موجود ہے جس طرح عمرو میں ہے اور ظاہر ہے کہ موصوف بننے کی صلاحیت صرف حقائق (امورِ ثابتہ) میں ہوتی ہے، جیسے جسم ابیض (فی اسم العین) اور"بَيَاضٌ صَافٍ"(فی اسم المعنی) کہ جسم اور بیاض دونوں ثابت اور مستقل بالمفہومیت ہونے کی وجہ سے موصوف بننے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں بخلاف معانی افعال اور صفات مشتقہ کے کہ یہ متقرر ثابت نہیں ہوتے، کیونکہ زمانہ فعل کا جزء ہوتا ہے اور صفات کو عارض ہوتا ہے اور زمانہ غیر قادر ہے، پس جس کا جزء کا ہو گا، یا جس کو عارض ہو گا اس میں تقرر و ثبات نہیں ہو سکتا، بخلاف حرف کے کہ حرف نہ موصوف ہوتا ہے اور نہ ہی مستقل بالمفہومیت ہوتا ہے، لہٰذا افعال، مشتقات اور حروف میں استعارہ اصلیہ نہیں ہو سکتا ہے، تاہم بعض حضرات نے مذکورہ دلیل کو مسترد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ دلیل مذکور صحیح نہیں، کیونکہ موصوف کے لیے حقائق متقررہ ثابتہ کے علاوہ اور کسی چیز کا صالح نہ ہونا قابل تسلیم نہیں، اس لیے کہ"حَرَكَةٌ سَرِيْعَةٌ، هٰذَا الزَّمَانُ صَعْبٌ"میں حرکت اور زمانہ موصوف ہیں، حالانکہ یہ دونوں امور غیر متقررہ ہیں، نیز مصادر اور صفات میں عروض زمانہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، جب صفات میں عروض زمانہ کی وجہ سے تشبیہ جاری نہیں ہو سکتی تو مصادر میں بھی جاری نہیں ہونی چاہیے، حالانکہ مصادر میں استعارہ اصلیہ ہے اور استعارہ مبنی بر تشبیہ ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ دلیل صحیح ہے تو اس پر یہ لازم آتا ہے کہ ظرف زمان، مکان اور اسم آلہ وغیرہ مشتقات میں استعارہ اصلیہ ہو، کیونکہ ان میں موصوف بننے کی صلاحیت موجود ہے، کہا جاتا ہے۔"مَقَامٌ وَّاسِعٌ، مَجْلِسٌ فَصِيْحٌ، مِفْتَاحٌ مُّعْتَدِلٌ، زَمَانٌ صَعْبٌ" حالانکہ ان میں بالاتفاق استعارہ تبعیہ ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر۸: بعض بیانیین حضرات نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان مشتقات سے مراد جن میں استعارہ تبعیہ ہوتا ہے صرف صفات ہیں نہ کہ زمان، مکان، آلہ ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسم زمان، مکان اور آلہ میں

---

[۱] جواہر البلاغۃ:۲۶۵، علوم البلاغۃ للمراغی:۲۷۶، المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/۱۲۵۔

[۲] نیل الامانی:۲/۲۸۰۔

استعارہ اصلیہ ہوناچاہیے،حالانکہ یہ استعارہ تبعیہ ہے نہ کہ اصلیہ۔اس طور پر کہ ان کی نفس ذات میں تشبیہ جاری ہو اور بلاواسطہ ذات کا استعارہ کیاجائے نہ کہ بواسطہ مصدر،حالانکہ ایسانہیں،کیونکہ ایسانہیں ہے،کیونکہ جب ہم ”هٰذا مَقْتَلُ فُلانٍ“اس جگہ کے لیے یااس زمانی کے لیے کہیں جس میں فلان کو سخت ماراگیاہو اور ”هٰذا مَرْقَدُ فُلانٍ“اس کی قبر کے لیے کہیں تو معنی بطریق تشبیہ ہوتے ہیں،یعنی ضرب کو قتل کیساتھ اور موت کو رقاد بمعنی نوم کیساتھ تشبیہ دے کر ضرب کے لیے قتل کااور موت کے لیے مرقد کیساتھ تشبیہ دے کر مضرب کے لیے مقتل اور مکان موت کے لیے مرقد کا ستعارہ کیاجاتاہے۔

فائدہ نمبر ا: علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ افعال میں اوران جملہ مشتقات میں (صفات ہوں یاغیر صفات) جن میں مقصود وہ معانی ہوتے ہیں،جو ذات کیساتھ قائم ہوتے ہیں،ان میں استعارہ تبعیہ ہوتاہے،کیونکہ مشتقات جن معانی مقصودہ پر دال کرتے ہیں،ان پر مصدر مطابقۃً دلالت کرتاہے،لہذا مشتقات سے معانی مصدر یہ مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ تشبیہ اولاًبالذات اسی معنی کے لحاظ سے کی جائے گی جو مقصود بالذات اوراہم ہو اوروہ مصدر ہے،لہذا افعال ومشتقات میں پہلے مصدر میں استعارہ کیاجائے،اس کے بعد افعال ومشتقات میں ثابت ہوگا کہ افعال اور مشتقات میں استعارہ تبعیہ ہے،نہ کہ استعارہ اصلیہ ہے۔اگر مشتقات سے مقصود اصلی معانی مذکورہ نہ ہوں،بلکہ نفس ذوات ہوں تو پھر ضروری ہے کہ مشتقات کے بجائے وہ الفاظ ذکر کیے جائیں،جو صرف ذوات پر دال ہوں نہ معانی پر۔مثلاً ”ضَارِبٌ،قَاتِلٌ،مَضْرُوْبٌ،مَقْتُوْلٌ“کہنے کے بجائے زید،عمرو اور مرقد و مضرب کی جگہ ”مَكَانٌ فِيهِ الرُّقَادُ، مَكَانٌ فيهِ الضَّرْبُ“کہناچاہیے،حالانکہ ان الفاظ کوذکر نہیں کیاجاتاہے،بلکہ صفات کوذکر کیاجاتاہے،جس سے ثابت ہوتاہے کہ مشتقات سے مقصود اہم معانی ہیں،جو فاعل یامفعول یاذات آلہ اور یاذات مکان کیساتھ قائم ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۹: فعل اور مشتقات وغیرہ میں ذاتی طور پر استعارہ کی قابلیت نہیں،بلکہ ان میں استعارہ کسی واسطے سے ہوتاہے تو اب وہ واسطہ کیاہے؟واسطہ یہ ہے کہ ان میں استعارہ بواسطہ معنی مصدری ہوگا،یعنی پہلے معنی مصدری میں استعارہ ہوگا،بعدہ فعل ومشتقات میں استعارہ ہوتاہے اور حروف میں اس کے معنی کے متعلق کے واسطے سے ہوگا۔

فائدہ نمبر ۲: متعلق معنی حرف میں اختلاف ہے،علامہ سکاکیؒ کے نزدیک متعلق معنی حروف وہ چیز ہے،جس کو معانی حروف کی تفسیر کرتے وقت تعبیر کیاجاتاہے،مثلاً کہتے ہیں کہ کلمہ ”مِنْ“کے معنی ابتداء غایت ہیں اور ”فِيْ“کے معنی ظرفیت ہیں،پس یہ ان حروف کے معانی نہیں،ورنہ یہ حروف نہ ہوں گے،بلکہ اسماء ہوجائیں گے،کیونکہ اسمیت وحرفیت معنی کی وجہ سے ہوتی ہے،اگر کلمہ مستقل بالمفہومیت ہو تواسم ہے،ورنہ حرف۔اوراس بات میں کوئی شک

نہیں کہ معانی مذکورہ کی وجہ یہ حروف مستقل بالمفہومیت ہیں، معلوم ہوا کہ یہ ان کے معانی نہیں، بلکہ متعلقات معانی ہیں بایں طور پر کہ جب یہ حروف معانی جزئیہ ابتداء خاص، ظرفیت خاص کے لیے مفید ہیں تو معنی کلیہ ابتداء مطلق، ظرفیت مطلق کی طرف بطریق استلزام نوعی لوٹ آتے ہیں، یعنی معانی کلیہ کو مستلزم ہوتے ہیں، جیسے خاص عام کو مستلزم ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ معانی حروف معانی جزئیہ میں اور متعلقات معانی کلیہ اور مصنف کے نزدیک متعلقات معانی حروف ان کے مجرورات ہوتے ہیں، جیس "زَيْدٌ فِي نِعْمَةٍ" میں "نِعْمَةٍ" مجرور ہے، علامہ تفتازانیؒ کے نزدیک علامہ سکاکیؒ کا مذہب صحیح ہے، اس لیے فرماتے ہیں کہ صاحب تلخیص المفتاح کا متعلق معنی حرف کی تمثیل میں "كَالْمَجْرُورِ إلخ--" کہنا درست نہیں، کیونکہ مجرور متعلق معنی حرف نہیں، بلکہ متعلق معنی حرف معنی کلی ہیں، جو معنی جزئی کو لازم ہوتے ہیں، لہذا امثال مذکور میں متعلق حرف ظرفیت مطلقہ ہے نہ کہ نعمت ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۱۰: استعارہ اصلیہ اور تبعیہ دونوں استعارہ تصریحیہ اور مکنیہ ہوسکتے ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر ۱۱: استعارہ تبعیہ کا قرینہ مکنیہ کہلاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲: استعارہ تصریحیہ جس طرح اصلیہ اور تبعیہ ہوسکتا ہے اس طرح استعارہ مکنیہ بھی اصلیہ اور تبعیہ ہوسکتا ہے، تاہم استعارہ تبعیہ بالحرف (جس صورت میں لفظ مستعار حرف ہو) استعارہ مکنیہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ استعارہ مکنیہ میں مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے جب کہ حرف کے لیے کوئی چیز ثابت نہیں ہوسکتی اس لیے کہ حرف مجرد عن الاسناد ہوتا ہے۔[3]

قاعدہ نمبر ۱۳: علامہ سکاکیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اولی بات یہ ہے کہ فعل اور حرف میں استعارہ تبعیہ نہ بنایا جائے، بلکہ ان کے مدخول کو استعارہ بالکنایہ (مَعَ مُلَاحَظَةِ الْقَرِيْنَةِ) بنایا جائے، جیسے "أَنْشَبتِ الْمَنِيَّةُ أَظْفَارَهَا" میں فعل کے مدخول "الْمَنِيَّةُ" استعارہ بالکنایہ ہے[4]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں استعارہ اصلیہ اور تبعیہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

---

[1] عروس الافراح: ۲/ ۱۷۲۔

[2] جواہر البلاغۃ: ۲۶۴۔

[3] علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۷۶۔

[4] علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۷۶،

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى، أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ، مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ، خَتَمَ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ، فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ، وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ، يَاوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا، وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ، وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ، عَضَّنَا الدَّهْرُ بِنَابِهِ، جَلِيْلُ عَمَلِكَ نَاطِقٌ بِفَضْلِكَ، وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ، مَفَاتِيحُ الْغيبِ خَمسٌ لَّا يَعلمُهَا إِلّا اللهُ تَعَالىٰ، مَنْ أَلْقىٰ جِلْبَابَ الحياءِ فَلَا غِيْبَةَ لَهُ، لَا تَطْرَحُوا الدُّرَّ فِي أفْواهِ الخنازيرِ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى:

"الْعَمَى" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ اصلیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً اسمِ جنس ہے۔

✍...خَتَمَ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ:

"خَتَمَ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجازِ عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔

فصل ششم: طرفین کے اجتماع اور عدم اجتماع کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

طرفین کے اجتماع اور عدم اجتماع کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ وفاقیہ ۲۔ عنادیہ

۱۔۔۔وفاقیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں طرفین (مستعار منہ، مستعارلہ) کا اجتماع ممکن ہو، جیسے "أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي الناس" (سورۃ الانعام:۱۲۲)۔اس میں مستعار لہ "ھدایت "اور مستعار منہ "حیاۃ" ہے اور یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کہ ایک شخص زندہ بھی ہو اور ہدایت یافتہ بھی ہو۔

۲۔۔۔عنادیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں طرفین (مستعار منہ، مستعار لہ) کا اجتماع ممکن نہ ہو، جیسے اس کی مثال بھی یہ آیت ہے۔"أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي الناس"۔اس آیت میں "ضَلالة" مستعار لہ اور "مَوْت" مستعار منہ ہے اور یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے ہیں، ایسے نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مردہ بھی ہو اور گمراہ بھی ہو۔دوسری مثال یہ ہے، جیسے "هٰذَا الرَّجلُ مَيِّتٌ يَّمْشِيْ عَلىٰ الأَرضِ"۔اس میں مستعارلہ "رَجُل جَاهِل" اور مستعار منہ "مَوْت" ہے اور موت اور حیات دونوں جمع نہیں ہو سکتے[1]۔

فصل ہفتم: استعارہ عنادیہ کی اقسام وانواع

پھر عنادیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ تہکمیہ ۲۔ تملیحیہ

۱۔۔۔استعارہ تہکمیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں شئ اپنے حقیقی معنی کی ضد یا نقیض میں علىٰ سبيلِ التَّهَكُّمِ والاسْتهزاءِ مستعمل ہو، یعنی اس میں تضاد اور تناقض کو بغرض تہکم واستہزاء بمنزلہ تناسب قرار دیا جاتا ہے، جیسے "فبشّرْهُم بِعَذابٍ أَلِيْمٍ" اس آیت میں "بِشَارت" کا لفظ جو مسرت کے لیے موضوع ہے اس کو "إنذار" کے معنی میں مستعار لیا گیا ہے، جو پہلے معنی

---

[1] عروس الافراح:۱/ ۱۵۵۔

کی ضد ہے، ظاہر ہے کہ دونوں کا اجتماع ایک جہت سے ایک شئ میں ناممکن ہے اور یہ علیٰ سبیلِ التَّھَکُّمِ والاسْتھزاءِ مستعمل ہے۔

۲۔۔۔استعارہ تملیحیہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں شئ اپنے حقیقی معنی کی ضد یا نقیض میں علی سبیل الملاحت (ظرافتِ طبعی کے طور پر) مستعمل ہو، یعنی اس میں تضاد اور تناقض کو بغرض ملاحت وظرافت بمنزلہ تناسب قرار دیا جاتا ہے، جیسے کسی بزدل کے متعلق یہ کہنا۔ "رَأیتُ أسَدًا یَّتَکلّمُ"۔

یہاں بزدل کو شیر کہنا علی سبیل الملاحت ہے۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ۱: ہر وہ استعارہ جس میں طرفین کا اجتماع شئ واحدہ میں ممکن ہو تو استعارہ وفاقیہ کہلاتا ہے اور جس میں طرفین کا اجتماع شئ واحدہ میں ممتنع ہو تو استعارہ عنادیہ کہلاتا ہے [۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ تہکمیہ میں لفظِ دال علی الذم کی جگہ لفظِ دال علی المدح علیٰ سبیلِ التَّھَکُّمِ والاسْتھزاءِ مستعمل ہوتا ہے اور استعارہ تملیحیہ میں لفظِ دال علی الذم کی جگہ لفظِ دال علی المدح علی سبیل الملاحت (ظرافتِ طبعی کے طور پر) مستعمل ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: استعارہ تہکمیہ اور تملحیہ میں تہکم (استہزاء) اور ملاحت (ظرافت طبعی) کی وجہ سے تضاد کو بمنزلہ تناسب قراد دیا جاتا ہے [۲]۔

فائدہ نمبر ۱: استعارہ تہکمیہ اور تملحیہ میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں استعمال اللفظ فی ضد المعنی علی سبیل الاستہزاء ہوتا ہے اور ثانی الذکر میں استعمال اللفظ فی ضد المعنی علی سبیل الملاحۃ وتنشیط السامعین ہوتا ہے [۳]۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں استعارہ وفاقیہ، عنادیہ، تہکمیہ اور تملیحیہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ، فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ، رَأَيتُ مَعْدُوماً فِي المسجدِ، سَيْفِي يُدَاوِي رَأْسَ مَنْ يَشْكُو الصُّدَاعَا، فُلَانٌ أَحْيَتْهُ الموعظِةُ، رأيتُ مَيِّتاً يَّتَحَدّثُ،

---

[۱] البلاغۃ العربیہ للمیدانی: ۲/۲۶۲۔

[۲] علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۶۶۔

[۳] المنہاج الواضح للبلاغۃ: ۵/۱۱۰۔

زارني اليوم كريم(تريد رجلا بخيلا)، رَأَيْتُ أَسَدًا عَلىٰ فَرسٍ(تريد رجلا جبانا) تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعٌ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ:

"فَأَحْيَيْنَاهُ" مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ وفاقیہ، اس لیے کہ طرفین (ہدایت اور حیاۃ) کا اجتماع ممکن ہے۔

✍...فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ:

"فَبَشِّرْ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ عنادیہ، اس لیے کہ طرفین (بشارت ومسرت) کا اجتماع ناممکن ہے، تہکمیہ، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی حقیقی کی ضد میں علیٰ سبیلِ التَّهَكُّمِ والاسْتهزاءِ مستعمل ہے۔

فصل ہشتم: جامع کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی تقسیم

جامع کے اعتبار سے استعارہ تصریحیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔عامیہ مبتذلہ ۲۔ خاصیہ غریبہ

۱۔۔۔عامیہ مبتذلہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں جامع(وجہ شَبہ)ظاہر ہو،یعنی عام آدمی اس کو سمجھتا ہو، جیسے"رَأيتُ أَسدًا يَرْمِي"وغیرہ۔ یہاں جامع طرفین میں "شُجاعَت" ہے، جو بالکل ظاہر ہے، عام آدمی بھی اس کو سمجھتا ہے۔

۲۔۔۔خاصیہ غریبہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں جامع (وجہ شَبہ) ظاہر نہ ہو، یعنی خواص اس کو سمجھتے ہوں، جیسے"وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا"۔اس میں وجہ شبہ "التَّدَرُّجُ فِي الإِشْرَاقِ وَالوُضُوحِ."غیر ظاہر ہے، عام آدمی اسے سمجھ نہیں سکتا ہے، بلکہ ماہر فن ہی اسے سمجھ سکتا ہے۔

وجہ حصر: وجہ جامع ظاہر ہو گا یا غیر ظاہر ہو گا، اگر ظاہر ہو تو تشبیہ عامیہ، اگر غیر ظاہر ہو تو تشبیہ خاصیہ۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: ہر وہ استعارہ جس میں جامع عام فہم ہو استعارہ عامیہ مبتذلہ کہلاتا ہے اور جس میں جامع دقیق ہو تو استعارہ خاصیہ غریبہ کہلاتا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ عامیہ کو استعارہ مبتذلہ اور عامیہ مبتذلہ بھی کہتے ہیں اور استعارہ خاصیہ کو استعارہ غریبہ بھی کہتے ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: استعارہ خاصیہ میں غرابت (اجنبیت) کبھی نفس تشبیہ میں ہوتی ہے، جیسے یزید بن مسلمہ کا شعر ہے۔

وَإِذَا احْتَبىٰ قَرَبُوسَهُ بِعِنَانِهِ عَلَكَ الشَّكِيمَ إِلىٰ انْصِرافِ الزَّائِرِ

ترجمہ: جب وہ گھوڑے کی زین کے اگلے حصے کو اس کی باگ کیساتھ ملالیتا ہے تو وہ گھوڑا مالک کے لوٹنے تک اپنی باگ کی سلاخ کو چباتا رہتا ہے۔

---

[1] علوم البلاغۃ للمراغی:۲٦۸،

[2] علوم البلاغۃ للمراغی:۲٦۸

اس شعر میں شاعر نے گھوڑے کی لگام کی اس حالت کو جو اسے زین کے بلند حصہ پر ڈالنے سے لاحق ہوتی ہے کہ وہ گھوڑے کے منہ میں دونوں جانب سے کھنچی ہوئی ہو کپڑے کی اس حالت کیساتھ تشبیہ دی ہے جو بحالت احتباء حاصل ہوتی ہے اور تشبیہ کے بعد لگام کی حالت مذکورہ کے لیے احتباء کا لفظ مستعار لیا ہے، پس "احتباء" مستعار منہ اور "القاء عنان" مستعار لہ اور جامع "القاء شئ علی شئ بطریق مخصوص" ہے اور وہ غرابت یہ ہے کہ طرفین گو بنفسہ ظاہر ہیں، لیکن دونوں میں سے ایک کی تشبیہ نادر ہے، کیونکہ " القاء عنان" سے "احتباء" کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا اور دقت ترکیب اور اکثر اعتبارات نے تو اس غرابت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۴: استعارہ عامیہ میں کبھی ایسا عجیب و غریب تصرف کیا جاتا ہے کہ جس سے بجائے عامیہ کے خاصیہ غریبہ بن جاتا ہے، مثلاً کسی مناسبت یا اقتضاء مقام کی وجہ سے دیگر مجازات کو استعمال کیا جاتا ہے، جیسے اس شعر میں ہے۔

أَخَذْنا بأَطْرافِ الأحادِيثِ بَيْنَنا   وسالَتْ بأَعْناقِ المَطِيِّ الأباطِحُ

ترجمہ: ہم آپس میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگ گئے یہاں تک کہ سواریوں کی گردنوں سے نالے بہہ پڑے۔

اس شعر میں شاعر نے اونٹوں کی سریع اور نرم رفتار کو سیلاب کے بہاو کیساتھ تشبیہ دی ہے جو نالوں میں بہہ رہے ہوں، پھر سیلان مذکور کو اونٹوں کی رفتار کے لیے مستعار لیا ہے، اب سیلان سیول مشبہ بہ ہے اس کو مطی و اعناق کی طرف منسوب ہونا چاہئے تھا، لیکن شاعر نے اس کو محل یعنی اباطح کی طرف منسوب کر دیا، اس سے یہ بتلاتا ہے کہ اونٹ اس کثرت سے تھے کہ ان سے نالے بھر گئے، نیز شاعر نے تقدیری طور پر سیلان کی نسبت اعناق کی طرف بھی کی ہے، کیونکہ اعناق میں "ب" برائے ملابست ہے۔ "أيْ سَالَتْ الْأَبَاطِحُ مُتَلبّسةٌ بأعْناقِ الْمَطِيِّ" اس مجاز کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی رفتار کی سریع و بطی ہونا اس کی گردن سے ظاہر ہوتا ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں، بہر کیف ان دونوں تصرفوں کی وجہ سے استعارہ عامیہ میں غرابت پیدا ہو چکی ہے [1]۔

فائدہ نمبر ۱: استعارہ خاصیہ میں کبھی غرابت (اجنبیت) خود استعارہ میں ہو گی، کبھی غرابت متعدد استعارات جمع ہونے کی وجہ سے ہو گی اور کبھی استعارہ عامیہ میں انوکھے تصرف کی وجہ سے غرابت پیدا ہوتی ہے [2]۔

تمرین

درج مثالوں میں استعارہ عامیہ مطلقہ اور خاصیہ غریبہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

---

[1] مختصر المعانی: نیل الامانی: ۲/ ۲۶۹۔

[2] علوم البلاغۃ للمراغی: ۲۶۸۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا، لَاتَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ، فَأْتُوا حَرْثَكُمْ، أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللهِ، إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، رَأيتُ دُرَرًا فِي السَّماءِ، أَبْصرتُ شَمساً دَاخلَ غُرْفةٍ، وَرَدتُّ بَحرًا يُعطِيْ.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا:

"اشْتَعَلَ "مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔استعارہ عنادیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ناممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔

✍... رَأيتُ دُرَرًا فِي السَّماءِ:

"دُرَرًا"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔استعارہ عنادیہ،اس لیے کہ
طرفین کا اجتماع ناممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔

فصل نہم: جامع کے اعتبار سے استعارہ کی دوسری تقسیم

جامع کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔عامیہ داخلہ (ساذجہ) ۲۔خاصیہ غیر داخلہ (ساذجہ)

۱۔۔۔عامیہ داخلہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں جامع طرفین کے مفہوم میں داخل ہو، جیسے "وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا" (سورۃ الاعراف:۱۶۸) اس آیت میں مستعارلہ "تَفْرِيقُ الجَماعةِ" (تفرقہ بازی اور گروہ بندی) ہے، مستعار منہ "تَقْطِيع" (کاٹ دینا) ہے اور جامع "إِزالةُ الْاجتماعِ" (تفریق) ہے اور یہ مستعارلہ اور مستعار منہ دونوں کے مفہوم میں داخل ہے۔

۲۔۔۔خاصیہ غیر داخلہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں جامع طرفین کے مفہوم میں داخل نہ ہو، جیسے "رأيتُ أَسَدًا" اس مثال میں جامع "شُجاعت" مستعارلہ "زید"، مستعار منہ "أَسَد" کے مفہوم میں داخل نہیں، بلکہ "شُجاعت" طرفین کو عارض ہے۔

وجہ حصر: جامع داخل فی مفہوم الطرفین ہو گا یا نہیں، اگر ہو تو استعارہ عامیہ ساذجہ اور اگر نہ ہو تو استعارہ خاصیہ ساذجہ۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: استعارہ عامیہ ساذجہ کو داخلہ اور خاصیہ ساذجہ کو غیر داخلہ بھی کہتے ہیں [۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: جامع خارج عن مفہوم الطرفین عام ہے، خواہ مستعارلہ اور مستعار منہ دونوں کے مفہوم سے خارج ہو، یا فقط مستعارلہ کے مفہوم سے خارج ہو یا فقط مستعار منہ کے مفہوم سے خارج ہو [۲]۔

فائدہ نمبر ۱: جامع کا مفہوم طرفین میں داخل ہونے پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جامع کا طرفین میں داخل ہونا اجتماع متنافیین کو مستلزم ہے، کیونکہ جامع کا مفہوم طرفین میں داخل ہونا اس بات کو چاہتا ہے کہ اس میں کوئی تفاوت نہیں، اس لیے کہ جامع جب جنس ہونے کی وجہ سے داخل ہو گا تو وہ جزء ماہیت ہو گا اور فن حکمت میں یہ مسئلہ مبرہن ہے کہ اجزاء ماہیت میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا اور نہ وہ شدت وضعف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً جو حیوانیت اور ناطقیت

---

(۱) المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/ ۱۱۱۔

(۲) المنہاج الواضح للبلاغۃ:۵/ ۱۱۲۔

زید میں ہے وہی عمرو میں ہے یہ نہیں کہ زید میں کم ہے اور عمرو میں زائد ہے، حالانکہ اس امر کا جامع ہونا مقتضی تفاوت ہے، کیونکہ جامع کے لیے شرط یہ ہے کہ مستعار لہ کے بہ نسبت مستعار منہ میں اقوی اور زائد ہو۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ شدت وضعف کے اعتبار اجزاء ماہیت کا مختلف ہونا مطلقا نہیں، بلکہ یہ ماہیت حقیقیہ کیساتھ خاص ہے، البتہ ماہیت اعتباریہ کے اجزاء میں اختلاف ہو سکتا ہے اور لفظ سے جو ماہیت مفہوم ہوتی ہے اس کے لیے حقیقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ کبھی اعتباری بھی ہوتی ہے اور اس کے اجزاء میں اختلاف ہو سکتا ہے، جیسے "أَسْوَدُ" کا مفہوم "سَوَادٌ" (عرض) اور محل سواد، یعنی ذات (جوہر) سے مرکب ہے، جو ماہیت اعتباریہ ہونے کی بناء پر شدت وضعف کے لحاظ سے مختلف الاجزاء ہوتی ہیں، الغرض جامع مذکور بوجہ
اختلاف وتفاوت طرفین کے مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے[۱]۔

تمرین

درج مثالوں میں استعارہ عامیہ داخلہ (ساذجہ) اور خاصیہ غیر داخلہ (ساذجہ) کی تعیین کیجئے، نیز بلاغی تطبیق کریں۔

وَعِنْدَهُ مَفاتِحُ الْغَيْبِ، وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ، الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آياتِنا، رَبَّنا أَفْرِغْ عَلَيْنا صَبْراً، فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ، وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا، يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْواهِهِمْ، عَضَّنَا الدّهْرُ بِنَابِهِ، أبْصرتُ شَمْساً دَاخلَ غُرفةٍ، وردت بحرا يعطي" خَيْرُ الناسِ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ بِّعِنَانِ فَرَسِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً طَارَ إِليهَا رَأيتُ بَدْرًا يَتَحَدَّثُ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا:

"قَطَّعْنَاهُمْ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسم جنس نہیں۔ استعارہ عنادیہ، اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ناممکن ہے، استعارہ خاصیہ غریبہ، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ، اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین ہے۔

✍...وَعِنْدَهُ مَفاتِحُ الْغَيْبِ:

---

[۱] مختصر المعانی: نیل الامانی: ۲/ ۲۶۹۔

”مَفاتِحُ“ مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ اصلیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس ہے۔ استعارہ عنادیہ، اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ناممکن ہے، استعارہ خاصیہ غریبہ، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ، اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔

فصل دہم: استعارہ کی وجود ملائم اور عدمِ ملائم کے اعتبار سے تقسیم

استعارہ کی وجود ملائم (یعنی امرِ مناسب کے ہونے) اور عدمِ ملائم (یعنی امرِ مناسب کے نہ ہونے) کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ مطلقہ ۲۔ مجردہ ۳۔ مرشحہ

۱۔۔۔استعارہ مطلقہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں مستعارلہ اور مستعار منہ دونوں کے ملائم مذکور نہ ہوں، یعنی جس میں کوئی ایسی صفت یا تفریع کلام نہ ہو جو مستعارلہ اور مستعار منہ کے مناسب ہو، جیسے "عندی أسد" اس میں کوئی امرِ ملائم اور مناسب مذکور نہیں۔ نیز اوہ استعارہ بھی مطلقہ کہلاتا ہے جس میں مستعارلہ اور مستعار منہ دونوں کے ملائم مذکور ہوں۔

۲۔۔۔استعارہ مجردہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں صرف مستعارلہ کے ملائم مذکور ہوں، یعنی جو مستعارلہ کے مناسبِ حال امر سے مقترن ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے: "فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ" (النحل:۱۱۲) اس آیت میں معاندین پر نازل شدہ عذاب بھوک اور قحط سالی مستعار لہ اور "لباس" مستعار منہ ہے اور مستعارلہ کے ملائمات میں سے من جملہ "إذاقة" (چکھانے) کو مستعار منہ (لباس) کے لیے ثابت کیا گیا ہے[1]۔

۳۔۔۔استعارہ مرشحہ کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں صرف مستعار منہ کے ملائم مذکور ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے: "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ" (البقرة:۱۶) اس آیت میں "اشْتَرَى" مستعار منہ ہے اور "ربح وتجارت" اس کے ملائمات میں سے ہیں۔

وجہ حصر: صرف مستعارلہ کے ملائم مذکور ہوں گے یا صرف مستعار منہ کے ملائم مذکور ہوں گے یا دونوں کے ملائم مذکور نہ ہوں گے، اگر صرف مستعارلہ کے ملائم مذکور ہوں تو استعارہ مجردہ، اگر صرف مستعار منہ کے ملائم مذکور ہوں تو استعارہ مرشحہ اور اگر دونوں کے ملائم مذکور نہ ہوں تو استعارہ مطلقہ۔

قواعد وفوائد

---

[1] اگر اس کو استعارہ ترشحیہ بنانے کا ارادہ ہوتا تو "فأذاقها" کی جگہ "فکساها" ہوتا، لیکن اس جگہ "أذاقها" کے لفظ میں دکھ اور درد کا معنی ملحوظ ہے، اس لیے استعارہ مجردہ قرار دینا زیادہ بلیغ ہے۔ (نیل الامانی:۲/۲۸۷)

قاعدہ نمبر ۱: لفظِ مستعار کے قرینہ صارفہ (عَنْ إرادَةِ الْمعنَى الْأَصْلِيّ) کے علاوہ وہ اوصاف، تفریعات اور کلام جو مستعار منہ اور مستعار لہ کیساتھ متعلق ہو اسے ملائمات اور مناسبات مستعار منہ اور مستعار لہ کہتے ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۲: امر ملائم اور مناسب کا ہونا عام ہے، خواہ بطریق حقیقت ہو یا بطریق مجاز ہو، ممکن ہو یا محال ہو (فَإنَّ المُسْتَحِيلَ قَدْ يُوْصَفُ بهِ بِاعْتبارِالتَّخْيِيْلِ)، اس تعمیم کی وجہ سے امر ملائم کی چند قسمیں ہیں۔(۱) طرفین میں سے کسی ایک کے بھی مناسب نہ ہو، نہ حقیقۃً مناسب ہو اور نہ مجازا مناسب ہو، جیسے "رأيتُ أسَدًا بَحْرًا" اس میں لفظ "بحر" نہ شجاع کے مناسب ہے اور نہ ہی حیوان مفترس کے مشابہ ہے۔(۲) حقیقت کے لحاظ سے کسی کے مناسب نہ ہو اور مجاز کے اعتبار سے دونوں کے مناسب ہوں، جیسے "غَمْرُ الرِّدَاءِ" میں لفظ "غَمْرُ" باعتبارِ حقیقت نہ رداء حقیقی کے مناسب ہے اور نہ ہی رداء معروف کے مناسب ہے، البتہ مجازی معنی کے اعتبار سے دونوں کے مناسب ہے، جیسے کہا جاتا ہے۔ "ثَوْب غَمْرٌ ومَعرُوفٌ غَمْرٌ"۔(۳) حقیقت کے اعتبار سے ہر ایک کے مناسب ہو، جیسے "رَأيتُ أسدًا قَوِيًّا" یہاں لفظ "قَوِی" اسد اور رجل شجاع میں سے ہر ایک کے مناسب ہے۔(۴) حقیقت کے اعتبار سے صرف مستعار لہ کے مناسب ہوں، جیسے "رَأيتُ أسدًا يَّرْمِي بِالتشاب" یہاں حقیقۃً "رَمْی" رجل شجاع کے مناسب ہے، پس یہ استعارہ مجردہ ہے نہ کہ مطلقہ ہے۔(۵) باعتبار حقیقت صرف مستعار منہ کے مناسب ہو اور باعتبار مجاز ہر دو کے مناسب ہو، جیسے "رَأيْتُ أسَدًا تَرْمِي يدبة القَلْبِ بِالنَّبْلِ"۔ (۶) باعتبار حقیقت کے صرف مستعار منہ کے مناسب ہو، یہ قسم متعذر ہے، کیونکہ جب وہ وصف مستعار لہ کے مناسب نہیں، تو کلام میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔(۷) مستعار منہ کے حقیقۃً مناسب ہو اور مستعار لہ مجازاً مناسب ہو، یہی استعارہ مرشحہ ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: مجردہ کو تجریدہ اور مرشحہ کو ترشیحیہ کو بھی کہتے ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر ۴: مجردہ اور مرشحہ دونوں جمع بھی ہوسکتے ہیں، جیسے اس شعر میں ہے۔

لَدَى أَسَدٍ شَاكِي السِّلاحِ مُقَذَّفٍ　　　لَهُ لِبَدٌ أَظْفَارُهُ لَمْ تُقَلَّمِ

ترجمہ: میں مسلح جنگ آزمودہ بہادر آدمی کے پاس ہوں جس کے تہہ بتہ بال اور نہ کاٹے ہوئے ناخن ہیں۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ للمیدانی: ۲/ ۲۵۲۔
[2] نیل الامانی: ۲/ ۲۸۷۔
[3] جواہر البلاغۃ: ۲۸۴۔

اس شعر میں "شَاكِي السِّلاحِ" استعارہ مجردہ ہے، کیونکہ یہ وصف مستعار لہ (رجل شجاع) کے مناسب ہے اور قرینہ یہ ہے کہ "لَدَى" کی اضافت "أَسَدٍ" کی طرف ہے اور "لَهُ لِبَدٌ أَظْفَارُهُ لَمْ تُقَلَّمِ" استعارہ ترشیحیہ ہے، کیونکہ یہ مستعار منہ اسد حقیقی کے مناسب ہے۔ باقی رہا لفظ "مُقَذَّفٍ" سو یہ نہ استعارہ مجردہ ہے اور نہ ہی استعارہ ترشیحیہ ہے، اس لیے کہ "تَقْذِيْف" ایک ایسا وصف ہے جس کیساتھ مستعار لہ بھی متصف ہو سکتا ہے اور مستعار منہ بھی متصف ہو سکتا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۵: جب مجردہ اور مرشحہ جمع ہوں تو مطلقہ بن جاتا ہے، گویا کہ طرفین کے ملائم اصلاً مذکور ہی نہیں[2]۔

قاعدہ نمبر ۶: مجردہ اور مرشحہ کا اعتبار استعارہ کے متحقق ہونے کے بعد قرینہ پر ہوتا ہے، خواہ قرینہ مقالیہ ہو یا حالیہ ہو، لہٰذا مصرحہ کے قرینہ کو مجردہ اور مکنیہ کے قرینہ کو مرشحہ شمار نہیں کیا جائے، بلکہ وہ قرینہ ان کے علاوہ ہو گا[3]۔

قاعدہ نمبر ۷: مذکورہ اقسام میں استعارہ مرشحہ ابلغ کہلاتا ہے، کیونکہ اس میں مستعار لہ کا عین مستعار منہ ہونے کا ادعاء ہوتا ہے، گویا کہ استعارہ متحقق ہی نہیں ہوا۔ اور استعارہ مطلقہ استعارہ مجردہ سے ابلغ ہوتا ہے اور استعارہ مجردہ اضعف کہلاتا ہے، کیونکہ اس میں اتحاد کا ادعاء ضعیف تر ہوتا ہے[4]۔

قاعدہ نمبر ۸: استعارہ ترشیحیہ کا مدار تناسی تشبیہ پر ہے، یعنی اس بات کے اظہار پر ہے کہ مستعار لہ بعینہ مستعار منہ ہے اس کے مماثل کوئی اور شئ نہیں ہے، جیسے خالد بن یزید شیبانی کے مرثیہ میں ابو تمام طائی کا یہ شعر ہے۔

وَيَصْعَدُ حَتّى يَظُنَّ الْجَهُوْلُ　　　بِأَنَّ لهُ حاجةٌ فِي السَّماءِ

ترجمہ: اور وہ چڑھتا ہے یہاں تک کہ جاہل آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ آسمان میں اس کا کوئی کام ہے۔

اس شعر میں "صُعُوْد" مستعار منہ ہے، جو حسی درجات پر چڑھنے کے لیے موضوع ہے اور علو قدر وارتقاء مدارج کمال مستعار لہ ہے اور ان میں جامع وصفِ ارتقاء ہے، اور اظہار تناسی تشبیہ کی وجہ سے مستعار لہ یعنی علو قدر پر اس چیز کو مرتب کیا گیا ہے جو حقیقۃً مستعار منہ یعنی علو مکان پر مرتب ہوتی ہے اور وہ "ظنِ جھول" ہے، یعنی ناواقف کا یہ خیال کرنا کہ ممدوح کو آسمان پر چڑھنے کی کوئی ضرورت ہے! اس شعر میں شاعر نے ممدوح کی مدح میں مبالغہ کیا ہے، یعنی ممدوح کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کمی وکوتائی ہے، جس کی تلافی کے لیے وہ آسمان کی طرف

---

[1] نیل الامانی: ۲/۲۸۸۔

[2] جواہر البلاغۃ: ۲۸۴۔

[3] جواہر البلاغۃ: ۲۸۴، البلاغۃ العربیہ للمیدانی: ۲/۲۵۴۔

[4] جواہر البلاغۃ: ۲۸۴۔

صعود کر رہا ہے یہ صرف جہلاء کا کام ہے، رہے ارباب علم و دانش وہ تو اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ممدوح میں وہ جملہ اوصاف کمال جو انسان میں متحقق ہو سکتے ہیں بالفعل موجود ہیں اور یہ صعود وارتقاء محض اظہار تعلی کے لیے ہے، نہ کہ آسمان میں اسے کوئی حاجت ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: مرشحہ کو مرشحہ اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ یہ ملائم کے مذکور ہونے کی وجہ سے ایک نوع تقویت کے لائق ہوتی ہے اور مجردہ کو مجردہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زیادہ مبالغہ سے خالی ہوتا ہے، کیونکہ اس میں مشبہ مشبہ بہ سے کچھ بعید ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دعوی اتحاد میں ایک نوع ضعف ہوتا ہے [1]۔

فائدہ نمبر ۱: مذکورہ تینوں اقسام استعارہ مصرحہ اور مکنیہ دونوں کو شامل ہے، استعارہ تصریحیہ مطلقہ کی مثال، جیسے "قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ الحيَّةِ الْكُبرٰى" اس مثال میں "الحيَّةِ" مستعار منہ صراحتاً مذکور ہے اور "رَئِيسُ حِزْبِ الشرِّوَالفَسادِ" مستعارلہ غیر مذکور ہے، یہاں مستعار منہ اور مستعارلہ دونوں کے ملائم مذکور نہیں۔ لیکن اگر یوں کہا جائے "قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ النَّاهِشَةِ ذَاتِ السُّمِّ الْقاتِلِ" یہ استعارہ مکنیہ مطلقہ ہو گا، یہاں مستعار منہ صراحتاً مذکور نہیں، بلکہ مستعارلہ کے بعض لوازم "ذَاتِ السُّمِّ الْقاتِلِ" کو مستعار منہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں، تاہم مستعار منہ اور مستعارلہ دونوں کے کوئی ملائم مذکور نہیں۔ تصریحیہ ترشحیہ کی مثال، جیسے " قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ الحيَّةِ الْكُبرٰى الَّتِي بَاضَتْ وَفَرّخَتْ صِغَارَ الحَيَّاتِ وَالثَّعَابِيْنَ وَسَعَتْ تَنْهَشُ وَتَنْفُثُ سُمَّهَا". اس مثال میں مستعار منہ "الحيَّةِ" صراحتاً مذکور ہے اور مستعار منہ کے ملائمات "فَرّخَتْ، تَنْهَشُ، تَنْفُثُ سُمَّهَا" وغیرہ مذکور ہیں، لیکن اگر یوں کہا جائے۔ "قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ النَّاهِشَةِ ذَاتِ السُّمِّ الْقاتِلِ الَّتِي بَاضَتْ وَفَرّخَتْ صِغَارَ الحَيَّاتِ وَالثَّعَابِيْنَ وَسَعَتْ تَنْهَشُ وَتَنْفُثُ سُمَّهَا". یہ استعارہ مکنیہ ترشحیہ ہو گا، یہاں مستعار منہ صراحتاً مذکور نہیں، بلکہ مستعارلہ کے بعض لوازم "ذَاتِ السُّمِّ الْقاتِلِ" کو مستعار منہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں اور مستعار منہ کے بعض ملائم " فَرّخَتْ، تَنْهَشُ، تَنْفُثُ سُمَّهَا" وغیرہ مذکور ہیں۔ استعارہ تصریحیہ مجردہ کی مثال، جیسے "قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ الحيَّةِ الْكُبرٰى الّتي حَزَّبتْ أَشْرَارَ النَّاسِ، وَأَرَادتِ الْفِتْنَةَ، وَسَعتْ فِي إفْسادِ الْأَفْكارِ وَالنُّفُوسِ". اس مثال میں مستعار منہ "الحيَّةِ" صراحتاً مذکور ہے اور مستعارلہ کے ملائم "أَرَادتِ الْفِتْنَةَ، وَسَعتْ فِي إفْسادِ الْأَفْكارِ وَالنُّفُوسِ" وغیرہ مذکور ہیں، لیکن اگر یوں کہا جائے۔ "قَطَعَ وَزِيرُ الدَّاخِلِيّةِ رَأْسَ النَّاهِشَةِ ذَاتِ السُّمِّ الْقاتِلِ الَّتِي حَزَّبتْ أَشْرَارَ النَّاسِ، وَأَرَادتِ الْفِتْنَةَ، وَسَعتْ فِي إفْسادِ الْأَفْكارِ وَالنُّفُوسِ" یہ استعارہ مکنیہ مجردہ ہو گا، یہاں مستعار منہ صراحتاً

---

[1] جواہر البلاغۃ: ۲۸۴۔

مذکور نہیں، بلکہ مستعار لہ کے بعض لوازم "ذَاتِ السُّمِّ الْقَاتِلِ" کو مستعار منہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں اور مستعار لہ کے بعض ملائم أَرَادتِ الْفِتْنَةَ، وَسَعتْ فِي إِفْسادِ الْأَفْكَارِ وَالنُّفُوسِ "وغیرہ مذکور ہیں[1]۔

تمرین

درج مثالوں میں استعارہ مطلقہ، مرشحہ اور تجریدیہ کی تعیین کیجئے، نیز بلاغی تطبیق کریں۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا، أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ، الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ، وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ، يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ، يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ، وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ، وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى، لَا أَشْرَبُ مَا يَشْرَبُ عَقْلِي۔

ایک حل شدہ مثال:

✍...مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا:

"يُقْرِضُ" مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ وفاقیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔ استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ، مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔

---

[1] البلاغۃ العربیہ للمیدانی:۲/ ۲۵۲-۲۵۳،جواہر البلاغۃ:۲۸۵

فصل یازدہم: طرفین کے محسوس اور معقول ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

طرفین کے محسوس اور معقول ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ استعارہ محسوس بالمحسوس ۲۔ استعارہ معقول بالمعقول ۳۔ استعارہ محسوس بالمعقول ۴۔ استعارہ معقول بالمحسوس۔

۱۔۔۔ استعارہ محسوس لمحسوس کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں طرفین حسی اور جامع حسی ہوں، جیسے "وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً"(مریم:۴)اس میں مستعار منہ "نَار"اور مستعارلہ "شَيْب" ہے اور جامع انبساط ہے، ظاہر ہے کہ تینوں حسی ہیں اور طرفین حسی ہوں اور جامع عقلی ہو، جیسے "إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ"۔اس میں مستعارلہ "الرِّيح"ہوا، اور مستعار منہ "المرأة الْعَقِيمَ" بانجھ عورت ہے اور یہ دونوں حسی ہیں اور ان میں جامع عدم ظہورِ نتیجہ ہے، جو عقلی ہے۔
پھر استعارہ محسوس لمحسوس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔طرفین مشترک فی الذات مختلف فی الصفات۔ ۲۔مشترک فی الصفات مختلف فی الذات۔

۱۔۔۔ طرفین مشترک فی الذات مختلف فی الصفات:

وہ استعارہ حسیہ ہے، جس میں مستعارلہ اور مستعار منہ ذات کے اعتبار سے دونوں متحد ہوں، لیکن عوارض اور صفات میں کم اور کیف کے اعتبار سے اختلاف ہوں، جیسے "طیران" کا استعارہ "عَدو" کے لیے ہے کہ یہ دونوں حقیقت (حرکتِ مکانیہ) میں مشترک ہیں، تاہم "طیران" اسرع ہے "عَدو" کے بنسبت۔ اور یہ دونوں صفت یعنی قوت وضعف میں مختلف ہیں۔

۲۔۔۔ مشترک فی الصفات مختلف فی الذات:

وہ استعارہ حسیہ ہے، جس میں مستعار منہ اور مستعارلہ عوارض اور صفات میں مشترک ہوں، لیکن ذات کے اعتبار سے مختلف ہوں، جیسے کوئی شخص کہے "رأيتُ شَمْسًا" اور اس سے خوبصورت انسان مراد ہو۔ اب ظاہر ہے کہ مستعار منہ اور مستعارلہ عوارض اور صفات کے اعتبار سے متحد ہیں، لیکن ذات کے سے دونوں مختلف ہیں [۱]۔

۲۔۔۔ استعارہ معقول لمعقول کی تعریف:

---

[۱] الفوائد المشوق الی علوم القرآن:۹۲۔

وہ استعارہ ہے، جس میں طرفین عقلی ہوں، جیسے "وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ"(الاعراف:۱۵۴)۔ اس میں مستعارلہ "سُكُوت" خاموشی اور مستعارمنہ "زَوَال" زائل ہونا ہے اور یہ دونوں عقلی ہیں۔

۳....استعارہ محسوس لمعقول کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں مستعار منہ حسی اور مستعارلہ عقلی ہوں، جیسے "فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ"(آل عمران:۱۸۷) اس میں مستعار منہ "نَبَذَ"(إِلْقَاءُ الشَّيْءِ بِالْيَدِ)ہے، جو حسی ہے اور مستعارلہ "الأَمْرُ المُتَنَاسِيْ" بھولا بھلایا معاملہ ہے، جو عقلی ہے اور جامع ان میں عدم اعتناء ہے۔

۴....استعارہ معقول لمحسوس کی تعریف:

وہ استعارہ ہے، جس میں مستعار منہ عقلی اور مستعارلہ حسی ہوں، جیسے "حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَها "(محمد:۴)اس میں مستعارمنہ (حرب) عقلی اور مستعارلہ (سلاح) حسی ہے۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: استعارہ تشبیہ کے من جملہ انواع میں سے ایک نوع ہے، جس طرح تشبیہ کے محسوس اور معقول ہونے کی اعتبار سے چار قسمیں تھیں اسی طرح استعارہ کے بھی محسوس اور معقول ہونے کی اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔

فائدہ نمبر ۱: استعارہ محسوس لمحسوس کو "اسْتِعَارَةُ مُدْرَكٍ بِالحِسِّ الظَّاهِرِ لِمُدْرَكٍ بِالحِسِّ الظَّاهِرِ"، استعارہ معقول لمعقول کو "اسْتِعَارَةُ مُدْرَكٍ فِكْرِيٍّ أَوْ وِجْدَانِيٍّ لِّمُدْرَكٍ فِكْرِيٍّ أَوْ وِجْدَانِيٍّ"، استعارہ محسوس لمعقول "استعارة مُدْرَكٍ بالحسّ الظاهر لِمُدْرَكٍ فِكْرَيٍّ أو وجْدَاني" اوراستعارہ معقول لمحسوس "استعارةُ مُدْرَكٍ فِكْرِيٍّ أَوْ وِجْدَاني لِمُدْرَكٍ بِالحِسِّ الظَّاهِرِ" بھی کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: استعارہ فی المرکب (استعارہ تمثیلیہ) میں بھی مذکورہ چاروں اقسام متحقق ہوسکتے ہیں[1]۔

تمرین

درج مثالوں میں مذکور اقسام کی تعیین کیجئے، نیز انطباق کریں۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ، فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ، وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا، بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى البَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ، فَاصْدَعْ بِمَا

---

[1] البلاغۃ العربیہ للمیدانی:۲/۲۶۰،

تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ المشْرِكِيْن، إِذَا أُلْقُواْ فِيهَا سَمِعُواْ لَهَا شَهِيقاً وَهِيَ تَفُورُ ، تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الغَيْظِ، وَآيَةٌ لَّهُمُ الليلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النهارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ، وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ، وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ

چند حل شدہ مثالیں:

...وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ:

"تَنَفَّسَ"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہورومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکورہے۔ استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ وفاقیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔ استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ، مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔ استعارہ محسوس لمحسوس،اس لیے طرفین حسی ہیں۔

... ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ:

"حَبْلٍ"مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکورہے۔ استعار اصلیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ عنادیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔ استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ، مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔ استعارہ محسوس لمعقول،اس لیے مستعار منہ (حَبْلٍ) حسی اور مستعار لہ (عہد) عقلی ہیں۔

فصل دوازدہم: ارکانِ ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی تقسیم

ارکانِ ثلاثہ (مستعارلہ، مستعار منہ، جامع) کے اعتبار سے استعارہ کی چھے قسمیں ہیں:۔

ا.... **قسمِ اول:** طرفین (مستعارلہ، مستعار منہ) اور جامع تینوں حسی ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ" (طٰہٰ:۸۸)، اس میں مستعار منہ "عِجْلًا" (بچھڑا) ہے، مستعارلہ وہ حیوان ہے، جس کو سامری نے بنایا تھا اور جامع "شکل وصورت" ہے اور یہ تینوں امور حسی ہیں۔

۲..... **قسمِ ثانی:** طرفین حسی اور جامع عقلی ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ" (یٰس:۳۷)۔ اس میں مستعار منہ لفظ سلخ (كَشْطُ الجِلْدِ) کھال کا چھلنا ہے، مستعارلہ "كَشَفَ الضَّوءُ عَن مَّكَانِ اللَّيْلِ" دن کا نکلنا ہے اور یہ دونوں محسوس ہیں اور جامع "تَرَتُّبُ أَمْرٍ عَلٰى أَمْرٍ آخَرَ" ہے، یعنی جو صورت ایک کام کو دوسرے کام پر مرتب ہونے سے عقل میں حاصل ہوتی ہے، جیسے کھال کو چھیلتے وقت گوشت کے ظاہر ہونے سے اور روشنی کو ہٹاتے وقت تاریکی کے نمودار ہونے سے جو صورت اور ہیئت عقل میں حاصل ہوتی ہے وہ جامع ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم مکان لیل سے ضوء نہار کو ایسے نکال دیتے ہیں جیسے بکری وغیرہ کے گوشت سے کھال نکال لیا جاتا ہے[1]۔

---

[1] علامہ تفتازانیؒ نے مذکورہ آیت میں "کشف الضوء عن مکان اللیل" کو مستعارلہ قرار دیا ہے، یہ توجیہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ اس توجیہ کے مطابق "فاذاهم مظلمون" کا ماقبل پر ترتب بلا اشکال صحیح ہے، لیکن علامہ سکاکیؒ اور دیگر حضرات نے "ظهور النهار من ظلمة الليل" کو مستعارلہ مانا ہے، جو بقول علامہ طیبی اور فاضل یمنی زجاج نحوی کے قول سے ماخوذ ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ توجیہ صحیح نہیں، کیونکہ ظہور نہار کے بعد ابصار ہوتا ہے نہ کہ اظلام۔ لہٰذا مذکورہ آیت کا تتمہ "فاذاهم مبصرون" ہونا چاہئے تھا، نہ کہ "فاذاهم مظلمون"! کیونکہ اس کا ماقبل پر ترتب صحیح نہیں! تاہم بعض حضرات نے دونوں اقوال میں تین طریقوں سے یوں تطبیق دی ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ علامہ سکاکی ومن سلک مسلکہم کے کلام میں قلب ہے، اصل کلام یوں ہے۔ "ظهور ظلمة الليل من النهار"۔ یعنی مستعارلہ "ظهور ظلمة الليل" ہے، لہٰذا اب "فاذاهم مظلمون" کا ترتب ماقبل پر درست ہوگا، لیکن اس توجیہ مرجوح ہے، کیونکہ اس صورت میں آیت میں قلب کا ارتکاب لازم آئے گا۔ تقدیر عبارت یوں گی۔ "آية لهم الليل نسلخ منه النهار، اى نظهر ظلمة بانفصاله من النهار فاذاهم مظلمون"۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ظہور نہار سے مراد دن کارات کی تاریکی سے متمیز ہونا ہے، اس صورت میں عبارت مذکور میں کلمہ "من" "بمعنی" "عن" ہوگا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ عبارت مذکورہ میں ظہور بمعنی زوال ہے، جیسا کہ حماسی کے اس شعر میں ہے۔

أعيرتنا أَلْبَانهَا ولحومها وَذَلِكَ عَار يَا ابْن ريطة ظَاهر

ترجمہ: ہمیں اونٹوں کے گوشت اور دودھ پینے پر عار نہ دلا، کیونکہ یہ سب چیزیں مباح الاستعمال ہیں، لہٰذا یہ عار زائل ہے۔

علامہ جوہری اور امام مرزوقی فرماتے ہیں۔ وذالک عار ظاہر، ای زائل۔ بعینہ اس طرح ابو ذویب کے اس شعر میں ہے۔

وعيَّرها الواشون أَني أُحبُّها وتلك شَكَاةٌ ظاهرٌ عنكِ عارُها

۳..... **قسمِ ثالث:** طرفین حسی اور جامع مختلف ہو، جیسے کوئی شخص کہے کہ "رَأيتُ شَمْسًا" (میں نے آفتاب دیکھا) اور اس کی مراد اس سے خوبصورت اور شہرت یافتہ آدمی ہو۔ اب اس مثال میں مستعار منہ "سورج" مستعار لہ "انسان" ہے، جامع حسن طلعت اور نباہت نشان ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حسن طلعت حسی اور نباہت شان عقلی ہے، یعنی شعاوں کے پھیلنے کے اعتبار سے جامع حسی ہے اور شہرت کے اعتبار سے جامع عقلی ہے۔

۴..... **قسمِ رابع:** طرفین اور جامع تینوں عقلی ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا" (یٰس:۵۲)۔ اس میں مستعار منہ (رقاد) نیند ہے، مستعار لہ "موت" اور جامع "عدم ظہور فعل" ہے اور یہ تینوں امور عقلی ہیں۔ اب موت اور عدم ظہور فعل کا عقلی ہونا تو ظاہر ہے، مستعار منہ "رُقَاد" کے عقلی ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ "مَرْقَد" اگر مصدر میمی ہو تو بمعنی "نَوْم" ہے اور "نَوْم" کا عقلی ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس وقت طرفین موت اور نوم ہیں اور موت بمعنی عدم حیات اور نوم بمعنی انتفاء احساس ہے، جو بلاشبہ عقلی ہیں، اس وقت استعارہ اصلیہ ہو گا اور اگر "مَرْقَد" اسم مکان ہو بمعنی محل نوم تو اس کے عقلی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استعارہ تبعیہ کا مدار استعارہ اصلیہ پر ہوتا ہے، اگر استعارہ اصلیہ عقلی ہو تو استعارہ تبعیہ بھی عقلی ہو گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مکان اور جملہ مشتقات کی تشبیہ میں ذوات مقصود نہیں ہوتیں، بلکہ وہ معنی مقصود ہوتے ہیں، جو ذات کیساتھ قائم ہوں اور تشبیہ اس چیز میں ہوتا ہے، جو مقصود ہو، لہذا پہلے "مَرْقَد" کے مصدر "رُقَاد" میں تشبیہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے بعد "مَرْقَد" اسم مکان میں اعتبار کیا جائے گا اور "رُقَاد" بمعنی "نَوْم" عقلی ہے، لہذا "مَرْقَد" اسم مکان بھی عقلی ہو گا اور اس وقت یہ استعارہ تبعیہ ہو گا۔

۵..... **قسمِ خامس:** مستعار منہ حسی، مستعار لہ اور جامع دونوں عقلی ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ " فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (الحجر:۹۴)، اس آیت میں مستعار منہ "صَدْع" ہے، (جس کا معنی شیشہ توڑنے کے ہیں) اور یہ محسوس ہے اور اس محسوس کو ایک امر معقول "تَبْلِيغ" کے لیے مستعار لیا گیا ہے اور جامع دونوں میں "تَأْثِيْر" ہے۔ تبلیغ میں

اے محبوبہ! لوگوں نے جو تجھے کہا ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے سو یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے تجھے عار ہو، اگرچہ یہ بات تکلیف دہ ہے مگر دور ہو جائے گی۔

اس توجیہ کے مطابق "فاذاھم مظلمون" کا ما قبل پر ترتب صحیح ہے۔ علامہ قطب الدین شیرازی نے شرح مفتاح میں ایک دوسری توجیہ ذکر کی ہے، جس سے مذکورا شکال بلا تکلف رفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "سلخ" کے دو معانی ہیں، ایک نزع جلد، جیسے "سلخت الاھاب عن الشاۃ" (میں نے بکری سے کھال اتار دی) اور دوسرا معنی اخراج، جیسے "سلخت الشاۃ عن الاھاب" (میں بکری کو کھال سے نکال دیا)، علامہ تفتازانیؒ نے اول الذکر معنی کو اختیار کیا ہے اور علامہ سکاکیؒ و من سلک مسلکھم نے ثانی الذکر کو اختیار کیا ہے۔ اب مذکور آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ہم رات سے دن کو نکال لیتے ہیں اور علیحدہ کر دیتے ہیں۔ (مختصر المعانی)

اس طرح کہ امور تبلیغیہ قبل از تبلیغ مخفی ہوتے ہیں اور تبلیغ کے بعد گویا مبلغ نے اس میں ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ اب وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور شیشہ ٹوٹے کے بعد سالم نہیں رہتا۔ یہ ٹوٹنے کی تاثیر ہے۔ اور اب ظاہر ہے کہ تاثیر عقلی چیز ہے۔

۶..... **قسم سادس:** مستعارلہ حسی اور مستعار منہ اور جامع دونوں عقلی ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ"(الحاقة:۱۱)، اس آیت میں مستعارلہ "كَثْرَتُ الماءِ" حسی ہے، مستعار منہ "تَكَبُّر" اور جامع "اسْتِعْلَاء" اظہارِ بلندی ہے اور یہ دونوں عقلی ہیں [۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: طرفین حسی ہوں گے یا عقلی ہوں گے، اگر طرفین حسی ہوں تو جامع یا حسی ہو گا، یا عقلی ہو گا یا بعض حسی اور بعض عقلی ہو گا اور اگر طرفین عقلی ہوں، پھر یا دونوں طرفین عقلی ہوں گے، یا مستعار منہ حسی اور مستعارلہ عقلی ہو گا اور یا اس کے برعکس ہو گا۔

قاعدہ نمبر ۲: علامہ ابن الاصبع فرماتے ہیں کہ استعارہ کی یہ دوسری قسم (طرفین حسی اور جامع عقلی ہوں) پہلی قسم (طرفین اور جامع تینوں حسی ہوں) کی نسبت لطیف تر ہے [۲]۔

قاعدہ نمبر ۳: ضوء اور ظلمت اس وقت حسی ہیں جب ضوء اور ظلمت کی تعریف بقول بعض یوں کی جائے کہ ضوء ایک ایسا جرم لطیف ہے کہ جب وہ جسم محسوس سے متصل ہو تو عادتاً وہ جسم نظر آنے لگتا ہے اور ظلمت جب جسم محسوس سے متصل ہوتی ہے تو عادتاً وہ جسم نظر آنا بند ہو جاتا ہے اور اگر ضوء کے یہ معنی ہوں کہ وہ اجرام کا اس طور پر ہونا ہے کہ جب ان کیساتھ اجرام لطیفہ منیرہ متصل ہوں تو وہ نظر آنے لگیں اور ظلمت کے معنی اس کے برعکس ہوں تو اس وقت ضوء و ظلمت عقلی ہوں [۳]۔

فائدہ نمبر ۱: علامہ تفتازانیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس آیت "مَن بَعَثَنَا مِن مَّرقَدِنَا" میں جامع "بَعْث" ہے، جو مستعار منہ "نَوْم" میں ظہور اور شہرت کے اعتبار سے موت کی بہ نسبت نوم میں زائد ہے، کیونکہ بعث بعد نوم بلاریب ثابت ہے، جب کہ بعث بعد الموت میں اختلاف ہے، اس آیت میں "رُقَاد" استعارۃً موت کے لیے مستعمل ہے اور اس

---

[۱] الفوائد المشوق الی علوم القرآن:۹۷۔

[۲] نیل الامانی:۲/۲۷۲.

[۳] نیل الامانی:۲/۲۷۲.

پر قرینہ یہ ہے کہ یہ مردوں کا کلام ہے، جو قیامت کے دن قبروں سے اٹھ کریں گے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے نوم مراد نہیں لیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ نیند انہیں حاصل ہی نہیں ہوئی۔ ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ“ اس کی واضح دلیل ہے۔ بعض حضرات نے اس میں جامع ”عَدْمُ ظُهُوْرِ الْفِعْلِ“ قرار دیا ہے، تاہم یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ اس صورت میں وجہ شبہ کا مشبہ میں بہ نسبت مشبہ بہ کے اقوی ہونے کی خرابی لازم آئے گی، اس لیے کہ وجہ شبہ عدم ظہور فعل مشبہ (موت) میں بہ نسبت مشبہ بہ (نوم) کے اقوی ہے، کیونکہ موت میں روح اور ادراک دونوں زائل ہوتے ہیں جب کہ نیند میں صرف ادراک زائل ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر ۲: علامہ ابن الاصبع نے قسم رابع کو جملہ اقسام میں لطیف و دقیق قرار دیا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۴: جب مستعار منہ حسی اور مستعار لہ عقلی ہو تو اس وقت جامع لامحالہ عقلی ہو گا، کیونکہ حسی عقلی سے مستفاد اور ماخوذ نہیں ہو سکتا۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں اقسامِ استعارہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ، حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا، وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ، مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ، أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللهِ، الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا، فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا، أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ، تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً-

چند حل شدہ مثالیں:

✍...وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا:

”اشْتَعَلَ“ مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ بالکنایہ، اس لیے کہ مستعار لہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ وفاقیہ، اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے، استعارہ خاصیہ

---

[1] نیل الامانی: ۲/ ۲۷۶۔

غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعارلہ، مستعارمنہ) کے ملائم مذکور نہیں۔استعارہ محسوس لمحسوس،اس لیے طرفین حسی ہیں۔ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی قسم،اس لیے کہ مستعارمنہ (نار) مستعارلہ (شیب) اور جامع (انبساط) عقلی ہیں۔

...وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ:

"نَسْلَخُ" مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعارمنہ مذکور ہے۔استعار اصلیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔استعارہ عنادیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعارلہ،مستعارمنہ) کے ملائم مذکور نہیں۔استعارہ محسوس لمحسوس، اس لیے مستعارمنہ (كَشْطُ الْجِلْد) حسی اور مستعارلہ (كَشْفُ الضَّوءِ عَن مَّكَانِ اللَّيْلِ) دونوں حسی ہیں۔ ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی دوسری قسم ،اس لیے کہ مستعارمنہ مستعارلہ اور جامع (تَرَتُّبُ أَمْرٍ عَلىٰ أمْرٍ آخرَ) تینوں حسی ہیں۔

فصل سیزدہم: استعارہ فی المرکب (استعارہ تمثیلیہ) کا بیان

استعارہ فی المرکب (استعارہ تمثیلیہ) کی تعریف:

وہ استعارہ مرکبہ ہے، جس میں طرفین امورِ متعددہ سے منتزع ہوں، یعنی جس میں امورِ متعددہ سے منتزع ایک صورت کی دوسری صورت کیساتھ تشبیہ دی جائے، پھر مشبہ کو مبالغۃً مشبہ بہ قرار دی جائے، جیسے "وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ" یہاں معصیات کی تشبیہ اوزار ثقیلہ کیساتھ دی گئی ہے اور مشبہ کو حذف کرکے مشبہ بہ کو ذکر کیا گیا ہے اور وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع ہے[۱]۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: استعارہ تشبیہ بلیغ سے ابلغ ہوتی ہے، کیونکہ تشبیہ بلیغ میں اگرچہ مشبہ کا عینِ مشبہ بہ ہونے کا ادعاء ہوتا ہے، لیکن اس میں تشبیہ منوی طور پر ملحوظ ہوتی ہے اور بخلاف استعارہ کے، کیونکہ استعارہ میں تشبیہ بالکل نسیا منسیا ہوتی ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر ۲: ہر وہ ترکیب جو غیر ما وضع لہ میں علاقہ مشابہت کی وجہ مستعمل ہو تو وہ استعارہ تمثیلیہ کہلاتا ہے، بشرطیکہ معنی حقیقی پر محمول کرنے سے قرینہ مانعہ موجود ہو[۳]۔

فائدہ نمبر ۱: استعارہ غیر تمثیلیہ استعارہ فی المفرد کہلاتا ہے، جس کی تفصیل ما قبل گزر چکی ہے۔

---

[۱] وهذه الاستعارة يستعملها الناس في مخاطباتهم وأمثالهم الدارجة، في فصيح الكلام العربي، وفي اللِّسان العامّي الَّذي يتخاطبُ عامَّةُ الناس به، ويُسْتَعْمَل أيضاً في غير العربيَّة من اللُّغات الإنسانيَّة الأخرى. فمن العاميّ قول الناس إذا رأَوا صاحب صنعه أَوْ مَهْنة يُهْمِلُ أشياءه الخاصة التي يصنع مثلها لغيره بإتقان: "بابُ النجَّار مخلَّع" أو "السّكافي حافي والحايك عريان". وهذه الاستعارة قائمة على تشبيه حال هذا المُهْمِل لأشيائه الخاصة بحال النجّار الذي يصنع الأبواب المتقنة للناس مقابل ما يناله من أجر، ويُهْمِلُ باب داره إهمالاً مثيراً للانتقاد والتلويم، أو تشبيه حاله بحال الإِسْكاف الذي يُصْلح أحذية الناس ويمشي حافياً مُهْمِلاً إصلاحَ حِذَائه، أو تشبيه حاله بحال الحائك الذي يحيك الثياب للناس ويبيعها لهم، ويمشي هو كالعريان، بثيات مُمَزَّقة رثَّة. وقول العامة إذا رأَوْا إنساناً يعالج أمراً لا جدوى منه: "يَنْفُخُ في قِرْبة مَخْرُومَة". (البلاغة العربية:۲/۲۲۵)

[۲] جواہر البلاغۃ: ۲۹۴۔

[۳] علم البیان للعتیق: ۱۹۶۔

فائدہ نمبر۲: استعارہ تمثیلیہ اور تشبیہ تمثیلی میں فرق یہ ہے کہ استعارہ تمثیلیہ اور تشبیہ تمثیلی دونوں کا مدار تشبیہ پر ہوتا ہے اور دونوں میں وجہ شَبہ امورِ متعددہ سے منتزع ہوتا ہے، جس کی وجہ استعارہ تمثیلیہ جملہ استعارات میں ابلغ ہوتا ہے اور تشبیہ تمثیلی جملہ تشبیہات میں ابلغ کہلاتا ہے، اہل علم نے ان دونوں میں کئی فرق بیان کیے ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔پہلا فرق: استعارہ تمثیلیہ میں مشبہ بہ یا اس کے لوازم مذکور ہوتے ہیں اور تشبیہ تمثیلی میں طرفین اور ادات دونوں مذکور ہوتے ہیں۔

۲۔۔۔دوسرا فرق: استعارہ تمثیلی مرکبات میں متحقق ہوتا ہے اور جبکہ تشبیہ تمثیلی مفردات میں بھی متحقق ہوسکتا ہے، جیسے "الْمُنَافِقُ كَالْحِرْبَاءِ" وغیرہ۔

۳۔۔۔تیسرا فرق: استعارہ تمثیلی مجاز کی قسم ہے اور تشبیہ تمثیلی حقیقت کی قسم ہے۔

۴۔۔۔چوتھا فرق: استعارہ تمثیلیہ میں معنی حقیقی مراد نہ لینے کے لیے قرینہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، لیکن تشبیہ تمثیلی میں حقیقی معنی مراد لینے کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۵۔۔۔پانچواں فرق: استعارہ تمثیلیہ میں تشبیہ ملحوظ نہیں ہوتی اور تشبیہ تمثیلی میں تشبیہ ملحوظ ہوتی ہے۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں استعارہ تمثیلیہ اور غیر تمثیلیہ کی تعیین کیجئے، نیز تطبیق کریں۔

فَما بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّماءُ وَالْأَرْضُ، وَلا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إلى عُنُقِكَ، وَجَعَلْنا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا، فَلَمَّا تَراءَتِ الْفِئَتانِ نَكَصَ عَلى عَقِبَيْهِ، إِنَّا لَمَّا طَغَى الْماءُ حَمَلْناكُمْ فِي الْجارِيَةِ، وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ، قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيابٌ مِنْ نارٍ، فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى، ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ، وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، لَا تَنْثُرِ الدُّرَّ أَمَامَ الْخَنَازِيْرِ، يَنْفُخُ فِي رَمَادٍ، تَضْرِبُ في حَدِيدٍ بارِدٍ، حَاطِبُ لَيْلٍ، يَحْرُثُ فِي الْبَحْرِ، إِنَّ الحَدِيدَ بِالْحَدِيدِ يُفْلَحُ، مَنْ بَنَى على شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَبِنَاؤُه مُنْهَارٌ، يَحْصُدُ مَا زَرَعَ، السَّكَافِي حَافٍ وَالْحَائِكُ عُرْيَانُ۔

چند حل شدہ مثالیں:

✍...فَما بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّماءُ وَالْأَرْضُ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب، مجاز مرکب، استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب مجاز مرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍... لَا تَنْثُرِ الدُّرَّ أَمَامَ الْخَنَازِيْرِ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض، مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب مجاز مرکب، استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

خاتمہ باب سوم

یہ باب درج ذیل چھے فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: استعارہ کی عملی تطبیق کی چند مثالیں!

فصل دوم: استعارہ بالکنایہ کا بیان

فصل سوم: استعارہ کے فوائد و خصائص

فصل چہارم: محاسن الاستعارۃ کا بیان

فصل پنجم: تشبیہ اور استعارہ میں فرق

فصل ششم: استعارہ مجاز لغوی ہے یا مجاز عقلی؟

فصل اول: استعارہ کی عملی تطبیق کی چند مثالیں!

✍...اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ:

"الصِّرَاطَ" مجاز، اس لیے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ اس لیے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ بوجہ علاقہ مشابہت کے مستعمل ہے، استعارہ فی المفرد اس لیے کہ لفظِ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ حقیقیہ محققہ عقلیہ اس لیے کہ مستعار منہ صراحۃً مذکور ہے، استعارہ اصلیہ اس لیے کہ لفظِ مستعار اسمِ جنس ہے، استعارہ وفاقیہ اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے، خاصیہ غریبہ اس لیے کہ جامع غیر ظاہر ہے، خاصیہ ساذجہ اس لیے کہ جامع غیر داخل فی مفہوم الطرفین ہے، استعارہ ترشحیہ مرشحہ اس لیے کہ مستعار منہ کے ملائم (المستقیم) مذکور ہے، استعارہ محسوس لمعقول اس لیے کہ مستعار لہ عقلی اور مستعار منہ حسی ہے، استعارہ کی باعتبار ارکانِ ثلاثہ کی پانچویں قسم اس لیے کہ مستعار لہ عقلی، مستعار منہ حسی اور جامع عقلی ہے، غرض استعارہ تجسید المعانی و تشخیص المجردات۔

✍...أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ:

"عَلَى" مجاز اس لیے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ اس لیے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ بوجہ علاقہ مشابہت کے مستعمل ہے، استعارہ فی المفرد اس لیے کہ لفظِ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ حقیقیہ محققہ عقلیہ اس لیے کہ مستعار منہ صراحۃً مذکور ہے، استعارہ تبعیہ اس لیے کہ لفظِ مستعار اسمِ جنس نہیں، استعارہ وفاقیہ اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے، خاصیہ غریبہ اس لیے کہ جامع غیر ظاہر ہے، خاصیہ ساذجہ اس لیے کہ جامع غیر داخل فی مفہوم الطرفین ہے، استعارہ مطلقہ اس لیے کہ طرفین کے ملائم مذکور نہیں، استعارہ محسوس لمعقول اس لیے کہ مستعار لہ عقلی اور مستعار منہ حسی ہے، استعارہ کی باعتبار ارکانِ ثلاثہ کی پانچویں قسم اس لیے کہ مستعار لہ عقلی، مستعار منہ حسی اور جامع عقلی ہے، غرض استعارہ تجسید المعانی و تشخیص المجردات۔

✍...وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا:

"اشْتَعَلَ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور و مجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ بالکنایہ، اس لیے کہ مستعار لہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ وفاقیہ، اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے، استعارہ خاصیہ

غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ،مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔استعارہ محسوس لمحسوس،اس لیے طرفین حسی ہیں۔ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی قسم،اس لیے کہ مستعار منہ (نَار) مستعار لہ (شَیْب) اور جامع (انْبِسَاط) حسی ہیں۔غرض استعارہ تجسید المعانی وتنشیط الاذہان۔

✍...وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ:

"تَنَفَّسَ" مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔استعارہ وفاقیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔استعارہ مطلقہ،اس لیے کہ طرفین(مستعار لہ،مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔استعارہ محسوس لمحسوس، اس لیے طرفین حسی ہیں۔ ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی قسم،اس لیے کہ مستعار منہ، مستعار لہ اور جامع تینوں حسی ہیں۔غرض استعارہ تجسید المعانی وتنشیط الاذہان۔

✍...أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ:

"اشْتَرَى" مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عندالجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعار استعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المفرد،اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے،استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ،اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔استعارہ تبعیہ،اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔استعارہ عنادیہ،اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ناممکن ہے،استعارہ خاصیہ غریبہ،اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔استعارہ خاصیہ غیر داخلہ،اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین نہیں۔استعارہ ترشحیہ مرشحہ،اس لیے کہ صرف مستعار منہ کے ملائم مذکور ہیں۔ استعارہ محسوس لمحسوس، اس لیے طرفین حسی ہیں۔ ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی چوتھی قسم،اس لیے کہ مستعار منہ، مستعار لہ اور جامع تینوں عقلی ہیں۔غرض استعارہ تجسید المعانی وتشخیص المجردات۔

✍...وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا:

"قَطَّعْنَاهُمْ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ عنادیہ، اس لیے کہ طرفین کا اجتماع ناممکن ہے، استعارہ خاصیہ غریبہ، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ، اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین ہے۔ استعارہ مطلقہ، اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ، مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔ استعارہ محسوس لمحسوس، اس لیے طرفین حسی ہیں۔ ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی پہلی قسم، اس لیے کہ مستعار منہ، مستعار لہ اور جامع تینوں حسی ہیں۔ غرض استعارہ تجسید المعانی و تشخیص المجردات۔

✍...فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ:

"فَبَشِّرْ" مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المفرد، اس لیے کہ لفظ مستعار مفرد ہے، استعارہ تصریحیہ مصرحہ تحقیقیہ حقیقیہ محققہ عقلیہ، اس لیے کہ مستعار منہ مذکور ہے۔ استعارہ تبعیہ، اس لیے کہ لفظِ مستعار حقیقۃً یا تاویلاً اسمِ جنس نہیں۔ استعارہ عنادیہ، اس لیے کہ طرفین (بشارت اور مسرت) کا اجتماع ناممکن ہے، تہکمیہ، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی حقیقی کی ضد میں علی سبیل التہکم والاستہزاء مستعمل ہے۔ استعارہ خاصیہ غریبہ، اس لیے کہ وجہ شبہ غیر ظاہر ہے۔ استعارہ خاصیہ غیر داخلہ، اس لیے کہ وجہ شبہ داخل فی مفہوم الطرفین ہے۔ استعارہ مطلقہ، اس لیے کہ طرفین (مستعار لہ، مستعار منہ) کے ملائم مذکور نہیں۔ استعارہ معقول لمعقول، اس لیے طرفین عقلی ہیں۔ ارکان ثلاثہ کے اعتبار سے استعارہ کی چوتھی قسم، اس لیے کہ مستعار منہ، مستعار لہ اور جامع تینوں عقلی ہیں۔ غرض استعارہ تنشیط الاذہان۔

✍...فَما بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّماءُ وَالْأَرْضُ:

مجاز، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے، مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض، مجاز مستعار استعارہ، اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے، مجاز فی المرکب، مجاز مرکب، استعارہ علی سبیل التمثیل، تمثیل علی سبیل الاستعارہ، تمثیل مطلق اور استعارہ تمثیلیہ، اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیرموضوع لہ میں مستعمل ہے،مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجازمرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...يَنْفُخُ فِي رَمَادٍ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیرموضوع لہ میں مستعمل ہے،مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجازمرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...حَاطِبُ لَيْلٍ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیرموضوع لہ میں مستعمل ہے،مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجازمرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...إِنَّ الحَدِيدَ بِالْحَدِيدِ يُفْلَحُ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیرموضوع لہ میں مستعمل ہے،مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجازمرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...يَحْصُدُ مَا زَرَعَ:

مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیرموضوع لہ میں مستعمل ہے،مجازلغوی عندالجمہورومجازعقلی غیر مصطلح عندالبعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجازمرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

✍...السَّكَّافِي حَافٍ وَالحَائِكُ عُرْيَانُ:
مجاز،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے،مجاز لغوی عند الجمہور ومجاز عقلی غیر مصطلح عند البعض،مجاز مستعاراستعارہ،اس لیے کہ لفظ معنی غیر موضوع لہ میں بوجہ علاقہ تشبیہ مستعمل ہے،مجاز فی المرکب،مجاز مرکب،استعارہ علی سبیل التمثیل،تمثیل علی سبیل الاستعارہ،تمثیل مطلق اوراستعارہ تمثیلیہ،اس لیے کہ طرفین امور متعددہ سے منتزع ہیں۔

فصل دوم: استعارہ بالکنایہ کا بیان

استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخییلیہ کی تعریف میں بیانیین حضرات کا اختلاف ہے، جس میں تین مذاہب ہیں:۔
ا۔ متقدمین اور علامہ زمخشریؒ کا مذہب ۲۔ صاحب تلخیص المفتاح کا مذہب ۳۔ علامہ ابو یعقوب سکاکیؒ کا مذہب

ا۔۔۔ متقدمین اور علامہ زمخشری کا مذہب:

استعارہ بالکنایہ وہ ہے، جس میں صرف مستعار لہ (مشبہ) مذکورہ ہو اور مستعار منہ (مشبہ بہ) محذوف ہو، لیکن مستعار منہ کے لوازم میں سے کوئی لازم مستعار لہ کے لیے ذکر کیا گیا ہو، تاکہ لازم کے سبب سے ملزوم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور یہ استعارہ تخییلیہ ہے، یہی وجہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ استعارہ تخییلیہ کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا، کیونکہ استعارہ تخییلیہ استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہوتا ہے، لہذا جہاں استعارہ بالکنایہ ہو تو وہاں استعارہ تخییلیہ ضرور ہوگا۔

۲۔۔۔ صاحب تلخیص المفتاح کا مذہب:

استعارہ بالکنایہ وہ ہے کہ جس میں تشبیہ مضمر فی النفس ہو، یعنی ایک شئ کو دوسری شئ کیساتھ نفس میں تشبیہ دی جائے، مستعار منہ (مشبہ بہ) کو حذف کر کے صرف مستعار لہ (مشبہ) کو ذکر کیا جائے اور استعارہ تخییلیہ یہ ہے کہ مستعار منہ (مشبہ بہ) کے بعض لوازم اور خواص کو مستعار لہ (مشبہ) کے لیے ثابت کیا جائے۔ اس تعریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخییلیہ دونوں امرِ معنوی ہیں، کیونکہ یہ متکلم کے فعل ہیں، جو اس کی ذات کیساتھ قائم ہیں، لہذا اس پر مجاز کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ مجاز الفاظ کے عوارض میں سے ہے[1]۔

۳۔۔۔ علامہ ابو یعقوب سکاکیؒ کا مذہب:

استعارہ بالکنایہ صرف مشبہ (مستعار لہ) مذکور ہے، جو مشبہ بہ (مستعار منہ) محذوف میں مستعمل ہے بایں ادعاء کہ یہ مشبہ (مستعار لہ) عین مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے، اس صورت میں مشبہ بہ (مستعار منہ) کے دو فرد ہوں گے، ایک فرد حقیقی (فردِ متعارف) اور دوسرا فردِ ادعائی (فرد غیر متعارف)، جیسے "أَظْفَارُالْمَنِيَّةِ نَشَبَتْ بِفُلَانٍ" اس مثال میں "مَوْت" کی تشبیہ "حَيْوَانٌ مُّفْتَرِس" کیساتھ دی گئی ہے اور "مَوْت" کے "حَيْوَان مُّفْتَرِس" ہونے کا ادعاء کیا گیا ہے، ہمارا دعوی یہ ہے کہ موت "حَيْوَان مُفْتَرِس" کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور ان دونوں میں کوئی

---

[1] تلخیص المفتاح: ۳۲۵۔

تغائر نہیں، بلکہ مشبہ "مَوْت" عین مشبہ بہ "حَيْوان مُفترِس" ہے، یعنی مشبہ بہ (حیوان مفترس) کے دو فرد ہیں، ایک فردِ متعارف اور دوسرا فردِ غیر متعارف۔ پس یہ دوسرا فرد غیر متعارف "مَوْت" ہے، جس کے "حَيْوانٌ مُفْتَرِس" ہونے کا دعوی کیا گیا ہے اور مشبہ (المَنِيَّة) کا لفظ اس فرد غیر متعارف موت کے لیے (جس کے حیوان مفترس ہونے کا دعوی کیا گیا ہے) مانگا گیا ہے[۱]۔

اس تعریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علامہ سکاکیؒ کے نزدیک استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخییلیہ میں کوئی لزوم نہیں، بلکہ استعارہ بالکنایہ استعارہ تخییلیہ کے بغیر متحقق ہو سکتا ہے اور استعارہ تخییلیہ استعارہ بالکنایہ کے بغیر بھی متحقق ہو سکتا ہے۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ۱: صاحب تلخیص المفتاح کے نزدیک تشبیہ مضمر فی النفس کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔

---

[۱] قال العلامة الميداني رحمه الله: مع أنّ للسكّاكيّ نظرات ثاقبات في علوم البلاغة لكنّه فيما أرى أسرف هنا في التخيُّل وتعسّف، فعكس القضيّة، واعتبر التشبيه المضمر الذي هو من التشبيه المكنيّ على ما ظهر لي استعارةً تخييليّة، إذْ رأى أنّ لفظ "المشبّه" هو الذي استعمل في المشبّه به، بادّعاء أن المشبَّه هو عين"المشبه به" لا غيرُهُ بقرينة ذكر لازم المشبّه به.ففي قول الْهُذَلي:

وَإِذَا الْمَنِيَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا   أَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيمَةٍ لاَ تَنْفَعُ

رأى أنَّ كلمة "الْمَنَيَّة" وهي الموت مُسْتَعارَةٌ للدّلالة بها على الحيوان المفترس "السبع" فلمّا صَارتِ المنيّةُ في تَصَوُّر الشاعر عين السَّبع الذي هو في الأصل مشبَّه به تخيّلَ أنّ للمنيّة أظفاراً تَنْشَب، فقال: أَنْشَبَتِ المنيَّةُ أظفارها، وصاغَها شعراً فقال: وإذا المنيّةُ انشبت أظفارها، وسمّى هذا العمل "استعارة تخييليّة". ومع أنَّ هذِه النظرة من السّكّاكي نظرةٌ بَدِيعَة وجميلة، إلاَّ أنها اعتمدت على تحليل متعسّف قلّما يخطر في ذهن أصحاب الكلام أنفسهم حين تجري ألسنتهم أو أقلامهم بمثل هذا الكلام. والطريق الأَقربُ الذي يفهمه أصحاب الكلام أنفسهم هو أن يكون الكلام من قبيل التشبيه البليغ الذي يُذْكَرْ فيه المشبَّهُ به بلفظه، إنّما ذُكِرَ بَدَلَهُ مَا يَدُلُّ عليه من صفاته أو خصائصه أو لوازمه. وأصل الكلام في عبارة "الْهُذَلِيّ" المنيةُ سَبُعٌ يُنْشِبُ أَظْفَارَه، فإذا أقلبتِ المنيّة لم تنفع التمائم. هذا تشبيه بَلِيغٌ، لكنّه حذف لفظ المَشَبَّه به، وهو كلمة "سَبُع" واكتفى بذكر أداة افتراسه، وهي أنْ يُنْشِبَ أظفارَه، واسند هذا الإنشاب إلى المنيَّة بَدلَ أن يُسْنِدَ لفظ السَّبعِ إليها، واقتضى هذا الإسناد مقتضيات لفظيّة نحويّة، فجاء بتاء التأنيث وضمير المؤنث، مراعاة للفظ "المنيّة". وبهذا نكون قد أخذنا بالأظهر الذي لا تعقيد فيه ولا إبعاد، والتزمنا بقاعدة البيانيين بشأن الاستعارة، التي ذكروا لزوم عدم اجتماع المشبّه والمشبّه به فيها، أو ما يُكَنَّى به عنهما، على وجه يُنْبِئ عن التشبيه.(البلاغة العربية:۲/۲۴۵-۲۴۶).

قاعدہ نمبر۲: صاحب تلخیص المفتاح کے نزدیک استعارہ بالکنایہ اوراستعارہ تخیلیہ متکلم کے افعال میں سے دو فعل ہیں،ایک یہ کہ متکلم اپنے نفس میں تشبیہ دیتا ہے اور دوسرا یہ کہ مشبہ بہ کے لوازم کومشبہ کے لیے ثابت کرنا ہے،اس لیے تخیلیہ کے لیے ضروری ہے کہ مکنیہ کا قرینہ ہو اور مکنیہ کے لیے ضروری ہے کہ تخیلیہ کا قرینہ ہو۔

قاعدہ نمبر۳: صاحب تلخیص کے نزدیک استعارہ بالکنایہ مجاز لغوی کے قبیل سے نہیں، کیونکہ اس میں تمام الفاظ اپنے معانی موضوع لہ میں مستعمل ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر۱: علامہ ابویعقوب سکاکی حنفیؒ نے مفتاح العلوم میں استعارہ کی اس طرح تقسیم کی ہے کہ استعارہ کی دو قسمیں ہیں،ایک استعارہ مصرحہ اور دوسرا استعارہ بالکنایہ،استعارہ مصرحہ سے یہ مراد ہے کہ طرفین تشبیہ میں سے مشبہ بہ (مستعار منہ) مذکور ہو۔ استعارہ بالکنایہ وہ ہے کہ جس میں طرفین تشبیہ میں سے مشبہ (مستعار لہ) مذکور ہو۔ پھر استعارہ مصرحہ کی دو قسمیں ہیں، ایک استعارہ تحقیقیہ اور دوسرا استعارہ تخیلیہ، استعارہ تحقیقیہ وہ ہے کہ جس میں مشبہ (مستعارلہ) غیر مذکور متحقق ہو،خواہ باعتبار حس کے متحقق ہویاباعتبار عقل کے متحقق ہو،جیسے "رَأَیْتُ حِمَارًایَّتَکَلَّمُ" اس میں مشبہ غیر مذکور "زَیْد" باعتبار حس کے متحقق ہے اور "فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ" میں مشبہ غیر مذکور "نِفَاق" باعتبار عقل کے متحقق ہے اوراستعارہ تخیلیہ وہ ہے کہ جس میں مشبہ (مستعارلہ) غیر مذکور نہ باعتبار حس کے متحقق ہو اور نہ ہی باعتبار عقل کے متحقق ہو، بلکہ محض ایک وہمی صورت ہو، جس کو قوت متخیلیہ نے وہم کی مدد سے اختراع کیا ہو[1]۔

قاعدہ نمبر۴: استعارہ تخیلیہ میں مشبہ بہ کے جن لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے،وہ تین حال سے خالی نہیں یاان لوازم کووجہ شبہ کے قائم کرنے میں دخل ہو گایاوجہ شبہ کوکامل کرنے میں دخل ہو گایانہ وجہ شبہ کے قائم کرنے میں کچھ دخل ہو گااور نہ ہی کامل کرنے میں کچھ دخل ہو گا،اول الذکر کولوازم مقوِمہ،ثانی الذکر کولوازم مکملہ اور ثالث الذکرلوازمِ غیر مقومہ غیر مکملہ کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر۵: بسا اوقات استعارہ تخیلیہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں استعارہ تحقیقیہ اور تخیلیہ دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسے "زید کے گھر میں فاقے کا گھر رہتا ہے" اب اگر فاقے کو شخص فرض کریں اوراس کے لیے گھر ثابت کریں تو استعارہ

---

[1] ملخصا مفتاح العلوم:۳۷۳.

بالکنایہ اور تخیلیہ ہے اوراگرفاقے کے اثبات اور تمکن کوگھرسے تشبیہ دیں تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔اور جیسے یہ شعرہے۔

عشق نے جب سے کی جگہ دل میں　　　　عقل کے واسطے جگہ نہ رہی

اب اگر عشق کو کوئی شخص فرض کریں اوراس کے لیے گھر ثابت کریں تواستعارہ بالکنایہ اور تخییلیہ ہے اوراگر عشق کے اثبات اور تمکن کوگھرسے تشبیہ دیں تواستعارہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔اس کواستعارہ متحمل التحقیق والتخیل کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر۶:استعارہ تحقیقیہ کے احتمال کے وقت استعارہ بالکنایہ کاباقی نہ رہناصاحب تلخیص المفتاح کے مذہب کے موافق ہے،کیونکہ ان کے نزدیک استعارہ بالکنایہ کا قرینہ سوائے تخیلیہ کے اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی،جن حضرات کے نزدیک استعارہ تحقیقیہ بھی استعارہ بالکنایہ کاقرینہ ہوسکتاہے ان کے نزدیک استعارہ بالکنایہ کااحتمال باقی رہتاہے۔

فصل سوم: استعارہ کے فوائد وخصائص

استعارہ بلاغتِ کلام کی ایک اعلیٰ نوع ہے، جو بے شمار خصوصیات اور مزایا کے حامل ہے، جن میں چند خصوصیات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تجسید المعانی ۲۔ تشخیص المجردات ۳۔ سیر المعنویات والامور المجردۃ امام الاعین ۴۔ سیر فاقد الحیاۃ بالاستعارۃ حیا متحرکا ۵۔ تنشیط الاذہان۔

۱۔۔۔تجسید المعانی: معانی اور مفاہیم کو مجسم کرنا، جیسے "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" (سورۃ الانبیاء:۱۸) یہاں اور حق اور باطل کی کشمکش کو محسوس شئی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

۲....تشخیص المجردات: مجردات کو مشخص کرنا، جیسے "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" (سورۃ الاسراء:۸۱) یہاں حق اور باطل کو ایک مشخص صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

۳...سیر المعنویات والامور المجردۃ امام الاعین: معنویات اور مجردات کو آنکھوں کے سامنے پیش کرنا، جیسے "وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (فصلت:۳۹) اس آیت میں امور معنویہ کو ایک ایسی صورت میں پیش کیا جارہا ہے کہ گویا یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

۴.....سیر فاقد الحیاۃ بالاستعارۃ حیا متحرکا: جس چیز میں حیات نہ ہو اسے زندہ قرار دینا، جیسے "وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ" (سورۃ التکویر:۱۸) صبح میں حیات نہیں ہے، لیکن یہاں اس کو ایک ایسی صورت میں پیش کیا ہے کہ گویا یہ ایک زندہ چیز ہے جو سانس لیتا ہے۔ **۵.....تنشیط الاذہان:** ذہنی تفریح، جیسے "رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" (سورۃ مریم:۴) اس آیت میں پیرانہ سالی کو "اشْتِعَالُ الرَّأْسِ" سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ایک گونا لطافت پائی جاتی ہے۔

فصل چہارم: محاسن الاستعارۃ کا بیان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ استعارہ بلاغت کے انواع میں سب سے اعلی نوع ہے[۱]، تاہم اس میں حسن پیدا کرنے کے لیے چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ استعارہ تحقیقیہ اور استعارہ تمثیلیہ میں حسن پیدا کرنے کے لیے دو چیزوں ضروری ہیں، ایک یہ کہ ان اسباب کا لحاظ رکھا جائے جو باعث خوبی تشبیہ ہوتے ہیں، مثلا وجہ جامع مستعار لہ اور مستعار منہ دونوں کو شامل ہو، یعنی دونوں کے مفہوم کا جزء ہو یا ان کے مفہوم کو لازم ہو۔ اور اس کیساتھ ساتھ تشبیہ کامل طور پر مفید غرض بھی ہو۔ دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ الفاظ تشبیہ پر دال نہ ہوں اور نہ ہی بظاہر ان سے تشبیہ کی بُو آتی ہو، ورنہ استعارہ کا حسن باقی نہیں رہے گا، کیونکہ استعارہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مشبہ کو مشبہ بہ کی جنس میں داخل کرتے ہوئے دونوں کے اتحاد کا دعوی کیا جائے اور جب تشبیہ کی بُو آگئی تو یہ مقصد فوت ہو گیا، اس لیے کہ تشبیہ یہ بات بتلاتی ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں اتحاد نہیں، بلکہ وجہ شبہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلغاء حضرات فرماتے ہیں کہ استعارہ میں جامع جلی ہونی چاہیے، خواہ جامع بنفسہ جلی ہو، جیسے چہرہ انور کی تشبیہ چاند کیساتھ دینا، یا بواسطہ عرف عام ہو، جیسے زید کو بے وقوفی میں چوڑی گدی والے کیساتھ تشبیہ دینا۔ یا بواسطہ عرف خاص ہو، جیسے نائب فاعل کو حکم رفع میں فاعل کیساتھ تشبیہ دینا۔ بہر حال جامع کا جلی اور واضح ہونا ضروری ہے تاکہ استعارہ چیستان اور معمہ نہ بن جائے، اس لیے کہ لفظوں میں کوئی چیز تشبیہ پر دلالت کرنے والی نہیں ہو گی تو لامحالہ تشبیہ خفی ہو گی، اب اگر وجہ شبہ بھی جلی نہ ہو تو تشبیہ میں اور خفاء پیدا ہو جائے گا اور استعارہ چیستان اور معمہ بن کر رہ جائے گا۔

---

[۱] الاستعارة صورة من صور التوسع والمجاز في الكلام، وهي من أوصاف الفصاحة والبلاغة العامة التي ترجع إلى المعنى. وكما يقول عبد القاهر الجرجاني إنّ فضيلة الاستعارة الجامعة تتمثل في أنّها تبرز البيان أبدا في صورة مستجدة تزيد قدره نبلا، وتوجب له بعد الفضل فضلا، وإنّك لتجد اللفظة الواحدة قد اكتسبت فيها فوائد، حتى تراها مكررة في مواضع، ولها في كل واحد من تلك المواضع شأن مفرد، وشرف منفرد ... ومن خصائصها التي تذكر بها، وهي عنوان مناقبها: أنّها تعطيك الكثير من المعاني باليسير من اللفظ، حتى تخرج من الصدفة الواحدة عدّة من الدرر، وتجني من الغصن الواحد أنواعا من الثمر . ومن خصائصها كذلك التشخيص والتجسيد في المعنويات، وبث الحركة والحياة والنطق في الجماد، وقد التفت الجرجاني إلى شيء من ذلك بقوله: «فإنّك لترى بها الجماد حيا ناطقا، والأعجم فصيحا، والأجسام الخرس مبينة، والمعاني الخفية بادية جلية ... وتجد التشبيهات على الجملة غير معجبة ما لم تكنها، إن شئت أرتك المعانياللطيفة التي هي من خبايا العقل كأنّها قد جسمت حتى رأتها العيون، وإن شئت لطفت الأوصاف الجسمانية حتى تعود روحانية لا تنالها إلّا الظنون، وهذه إشارات وتلويحات في بدائعها» . (اسرار البلاغة:۳۲-۳۳، البیان عتیق:۱۹۶-۱۹۷)

استعارہ تحقیقیہ میں جامع کے خفی ہونے کی مثال، جیسے کسی گندہ دہن کو شیر کیساتھ تشبیہ دے کریوں کہیں۔ "رأیتُ أسدًا" اوراس سے مراد یہ لیں کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے منہ سے بدبُو آتی ہو۔ یہاں جامع مستعار لہ اور مستعار منہ دونوں میں خفی ہے، اس میں استعارہ تحقیقیہ الغازاور چیستان بن گیاہے، کیونکہ ذہن اسد سے گندہ دہن کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ "رَجُلٌ شُجَاعٌ" کی ذہن منتقل ہوتاہے اوراستعارہ تمثیلیہ میں جامع کے خفی ہونے مثال، جیسے مرد کامل نادرالوجود شخص کو شریف الاصل اونٹنی کیساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہیں۔ "رَأیتُ إبِلًا مِائَةً لَاتَجِدُ فِیْھا رَاحِلَةً"۔ یہاں "إبِل" سے شخص کامل ہے اور یہ بتاناہے کہ کامل انسان کاملنا بہت ہی مشکل ہے، بالکل ایسے جیسے عمدہ اونٹنی کاملناہے کہ سینکڑوں میں بھی نہیں ملتی۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس تمثیل میں وجہ شبہ مخفی ہے، کیونکہ "إبِل" سے انسان کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب وجہ شبہ مخفی ہو تو استعارہ متحقق نہیں ہوگا، بلکہ الغازاور معمہ کی صورت بن جائے گی، لہٰذا ایسے مقامات میں تشبیہ کے اسلوب کواختیار کیاجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تشبیہ عام ہے اوراستعارہ خاص ہے، جہاں استعارہ ہوگاوہاں تشبیہ بھی ہوگی، لیکن جہاں تشبیہ ہو تو وہاں استعارہ کاہوناضروری نہیں، کیونکہ ہوسکتاہے کہ وجہ شبہ جلی نہ ہو خفی ہو، جیسے مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں تشبیہ ہے، لیکن استعارہ نہیں۔

اسی طرح جب وجہ شبہ طرفین میں اتنی قوی ہو کہ دونوں متحد ہوں، جوکچھ ایک سے سمجھاجاتاہو وہی دوسرے سے سمجھ میں آئے تو ایسے مواقع میں استعارہ کے اسلوب کواختیار کرلینااولی ہے، جیسے علم اور نور کہ ان دونوں میں وجہ شبہ ہدایت ہے، جس کی وجہ سے ایک کی تشبیہ دوسری کیساتھ دی جاتی ہے، حتی کہ علم سے وہی معنی متبادر ہوتے ہیں جونور سے لیے جاتے ہیں، اسی وجہ سے دونوں لفظ متحد معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے موقع پر استعارہ کے اسلوب کواختیار کرنابہتر ہے، کیونکہ تشبیہ کی صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتاہے کہ شئ کواپنے نفس کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ استعارہ مکنیہ کے حسن کے لیے کیاشروط ہیں؟ تو استعارہ مکنیہ کے حسن کے لیے وہی شرائط ہیں، جواستعارہ تحقیقیہ کے لیے ہیں کہ وجہ شبہ طرفین کوشامل ہو اور تشبیہ سے غرضِ تشبیہ حاصل ہو اوراستعارہ تخییلیہ کاحسن استعارہ مکنیہ کے حسن پر موقوف ہے، کیونکہ وہ اسی کی تابع ہے، فی نفسہ اس میں تشبیہ نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس کاحسن متبوع کے حسن کے تابع ہوگا، لہٰذا استعارہ مکنیہ اچھاہوگا تو استعارہ تخییلیہ بھی اچھاہوگا۔

فصل پنجم: تشبیہ اور استعارہ میں فرق

تشبیہ اور استعارہ میں متعدد فرق ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۱۔۔۔ تشبیہ حقیقی ہوتی ہے اور استعارہ مجازی ہوتا ہے۔

۲۔۔۔ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے اور استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ بنالیا جاتا ہے۔

۳۔۔۔ تشبیہ میں حروف تشبیہ کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دیا جاتا ہے، جبکہ استعارہ میں وہ ہی چیز بنا دیا جاتا ہے۔

۴۔۔۔ تشبیہ کے ارکان پانچ ہیں اور استعارہ کے ارکان تین ہیں۔

۵۔۔۔ تشبیہ علم بیان کی ابتدائی شکل ہے اور استعارہ اس علم کی یک بلیغ صورت ہے۔

۶۔۔۔ تشبیہ کی بنیاد حقیقت پر ہوتی ہے اور استعارہ کی بنیاد خیال پر ہوتی ہے۔

فصل ششم: استعارہ مجاز لغوی ہے یا مجاز عقلی؟

استعارہ مجاز لغوی ہے یا مجاز عقلی ہے؟ اس میں بیانیین حضرات کا اختلاف ہے، تاہم اس سے پہلے یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مجاز عقلی سے مصطلح مجاز عقلی (کسی امر کی اسناد غیر ما ہولہ کی طرف کرنا) مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ امورِ عقلیہ میں خلاف ازواقع کوئی تصرف کیا جائے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جمہور بیانیین فرماتے ہیں کہ استعارہ مجاز لغوی ہے بایں معنی کہ استعارہ وہ لفظ ہے جو علاقہ مشابہت کی وجہ سے غیر موضوع لہ میں مستعمل ہو۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اہل لغت کی تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ استعارہ صرف مشبہ بہ ہی کے لیے موضوع ہے، نہ مشبہ کے لیے موضوع ہے اور نہ ہی مشبہ اور مشبہ بہ کے علاوہ کسی امر اعم کے لیے موضوع ہے، لہذا "رأَيْتُ أَسَدًا يَرْمِيْ" میں لفظ "أَسَد" نہ تو رجل شجاع کے لیے موضوع ہے اور نہ ہی امر اعم مثلاً حیوان مجتری کے لیے موضوع ہے، بلکہ سبع مخصوص کے لیے موضوع ہے، جس کا اطلاق غیر موضوع لہ (یعنی رجل شجاع) پر اس قرینہ کی وجہ سے ہے جو حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ استعارہ مجاز لغوی ہے نہ کہ مجاز عقلی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ استعارہ مجاز عقلی ہے، اس لیے کہ استعارہ میں تصرف عقلی پایا جاتا ہے، کیونکہ مشبہ پر استعارہ کا اطلاق اس وقت تک نہیں کیا جاتا ہے کہ جب تک اس کے جنس مشبہ بہ میں داخل ہونے کا ادعاء نہ ہو، مثلاً "أَسَد" کا اطلاق "رَجُلٌ شُجَاع" پر اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کو ادعائی طور پر مشبہ بہ "أَسَد" کی جنس سے فرض کر لیا جائے کہ یہ اس کا ایک فرد ہے اور جب "رَجُلٌ شُجَاع" جنس "أَسَد" کا ایک فرد بن گیا۔ تو یہ لفظ کا استعمال ماوضع لہ میں ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب لفظ اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہو (اگرچہ ادعاء ہی کیوں نہ ہو) تو وہ مجاز عقلی ہوتا ہے نہ کہ مجاز لغوی۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ "رَجُلٌ شُجَاع" پر "أَسَد" کا اطلاق ادعاءِ مذکور کے بغیر نہیں ہوسکتے۔ یہ اس لیے کہا ہے کہ اگر ادعاءِ مذکور کا اعتبار نہ کیا جائے تو تین خرابیاں لازم آئیں گی:۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ استعارہ مستعارہ نہیں رہے گا، اس لیے کہ استعارہ کے معنی یہ ہیں کہ لفظ کو مستعار کے لیے اس طرح نقل کیا جائے کہ اس کے وضعی معنی بھی ملحوظ ہوں تاکہ اس نقل اور الحاق میں مبالغہ پیدا ہوسکے اور مشبہ مشبہ بہ کی جنس سے متصور ہوسکے۔ ورنہ جملہ اعلامِ منقولہ، جیسے "يَزِيْدُ، يَشْكُرُ" وغیرہ محض نقل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے از قبیل استعارہ بن جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں یہ بات لازم آئے گی کہ استعارہ حقیقت سے ابلغ نہ ہوگا، اس لیے کہ استعارہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ منقول الیہ (مشبہ) کے معنی منقول منہ (مشبہ بہ) کیساتھ الحاق کی وجہ سے مبالغہ پیدا کیا جائے کہ مشبہ مشبہ بہ کا ایک فرد ہے۔ اب اگر استعارہ میں

لفظ کو اس کے اصلی معنی کا لحاظ کیے بغیر دوسرے کے لیے نقل کرلیا جائے اور ادعاءِ مذکور کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس میں کسی طرح مبالغہ نہ ہوگا اور استعارہ حقیقت کے مساوی بن جائے گا، حالانکہ استعارہ کا حقیقت سے ابلغ ہونا مسلم ہے۔تیسری خرابی یہ ہے کہ اگر استعارہ میں ادعاءِ مذکور کا لحاظ نہ ہو تو "رأيتُ أسَدًا" کہہ کر "زَيْدٌ رَجُلٌ شُجَاع" کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ کلام عرب میں کوئی اس قسم کا جملہ بولتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ "جَعَلَهُ أَسَدًا"۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے بچے کا نام اسد رکھ دے تو اس کے متعلق "جَعَلَهُ أَسَدًا" نہیں کہا جاتا ہے، کیونکہ صرف نام رکھنے میں بچے کے لیے اسد کی صفت ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے، اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ استعارہ مجاز عقلی ہے۔

الغرض اگر استعارہ میں ادعاءِ مذکور کا ملاحظہ نہ ہو تو یہ تین محال لازم آتے ہیں، جو باطل ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ استعارہ میں ادعاء مذکور ملحوظ ہے، یعنی مشبہ "زَيْد" کے لیے مشبہ بہ "أَسَدِ حقيقي" کے معنی کو ادعاءً ثابت کرکے مشبہ پر مشبہ بہ کا اطلاق کیا جائے گا اور جب نقل اسم مشبہ بہ بطریق مذکور ہے تو مشبہ بہ اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہوا۔ اور یہ بات ثابت ہوئی کہ استعارہ مجاز عقلی ہے نہ کہ مجاز لغوی۔ نیز فرماتے ہیں کہ مشبہ پر مشبہ بہ کا اطلاق ادعاء مذکور کے بعد ہوتا ہے، اسی لیے ابن العمید نامی شاعر کے اس شعر میں تعجب صحیح ہے، جو اس نے ایک حسین و جمیل غلام کے بارے میں کہا ہے۔ ع

قَامَتْ تُظَلِّلُنِي مِنَ الشَّمس نَفْسٌ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْ نَفْسي!

قَامَتْ تُظَلِّلُنِي، وَمِنْ عَجَبٍ شَمسٌ تُظَلِّلُنِي مِنَ الشَّمسِ!

ترجمہ: سورج سے مجھے سایہ دیتا ہے کھڑے ہوکر ایک ایسا نفس جو مجھے میرے نفس سے زیادہ محبوب ہے، وہ کھڑے ہوکر مجھے سادیہ دیتا ہے اور عجیب بات ہے کہ ایک سورج مجھے دوسرے سورج سے سایہ دے رہا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے غلام حسین کو آفتاب کا ایک فرد اور اس کو حقیقی سورج مانا ہے، اگر یہ نہ ہو تو تعجب بے معنی ہے، کیونکہ ایک حسین انسان کو دوسرے انسان پر سایہ کرنا قابل تعجب نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ سورج سورج سے سایہ کرے، کیونکہ سورج ذاتی طور پر سایہ فگن نہیں ہے، بلکہ مزیل سایہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابوالحسن محمد بن احمد کے اس شعر میں تعجب سے منع کرنا صحیح ہے۔ ع

لاَ تَعْجبوا مِنْ بلَى غِلاَلَتِهِ قَدْ زُرَّ أَزْرارهُ عَلَى القَمرِ

ترجمہ: تم اس کے بنیان کی بوسیدگی پر تعجب نہ کرو، کیونکہ اس کے بٹن چاند پر لگائے گئے ہیں۔

مذکورہ شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کو حقیقی ماہتاب فرض کیا ہے، اگر یہ نہ تو تعجب سے نہی بے معنی ہے، کیونکہ کتان کپڑا حقیقی قمر سے اتصال سے خستہ اور بوسیدہ ہوتا ہے نہ کہ اس انسان کے اتصال سے جو قمر کی طرح حسین وخوبصورت ہو۔

جمہور بیانیین نے اس مذہب کو اس طرح رد کیا ہے کہ مشبہ کا جنسِ مشبہ بہ میں ادعاء اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ استعارہ موضوع لہ میں مستعمل ہے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ "رأیتُ أسَدًا یَرْمِیْ "میں لفظ "أسَد" رجل شجاع میں مستعمل ہے اور اس کے وضعی اور حقیقی معنی سبع مخصوص کے ہیں، بلکہ ادعاء مذکور کے معنی ہیں کہ مشبہ بہ کو ایک ایسے وصف کیساتھ متصف کیا جائے، جو مشبہ اور مشبہ بہ ہر دو میں مشترک ہو، اور اس وصف کے دو افراد ہو، ایک متعارف اور دوسرا غیر متعارف۔ لہٰذا لفظ "أسَد "کا فرد متعارف تو وہ ہے جس کے لیے غایت جرات ایک مخصوص جسم کیساتھ پائی جاتی ہے اور فرد غیر متعارف وہ ہے جس میں غایت جرات تو ہے، لیکن ہیکل مخصوص میں نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ "اسد"فردِ متعارف کے لیے موضوع ہے نہ فردِ غیر متعارف کے لیے۔ البتہ اس میں مستعمل ضرور ہے اور لفظ "یَرْمِی" اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں متعارف معنی مراد نہیں، لہٰذا غیر متعارف معنی متعین ہوا، جو غیر موضوع لہ ہے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ استعارہ مجاز لغوی ہے نہ کہ مجاز عقلی۔

باقی رہی یہ بات کہ مذکورہ اشعار میں تعجب اور نہی عن التعجب کیسے صحیح ہوئے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعجب اور نہی عن التعجب کا صحیح ہونا تناسی تشبیہ پر مبنی ہے، یعنی تشبیہ کو اڑا کر مبالغۃ میں اضافہ مقصود ہے اور تشبیہ کا مقصد اصلی بھی یہی ہے تاکہ مبالغہ کا حق ادا ہو جائے اور یہ بات معلوم ہو کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں متحد ہیں کہ جو چیز مشبہ پر مرتب ہے، تعجب اور نہی عن التعجب وغیرہ وہ مشبہ پر بھی مرتب ہے۔

باب چہارم: کنایہ

یہ باب درج ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: کنایہ کا بیان

فصل دوم: مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تقسیم

فصل سوم: لوازم اور سیاق کے اعتبار سے کنایہ کی تقسیم

فصل اول: کنایہ کا بیان

ا۔۔۔کنایہ کالغوی مفہوم:

کنایہ لغت میں "کَنَیْتُ بِکَذَا، یاکَنَوْتُ بِکَذَا" ناقص یائی یاواوی سے ماخوذ ہے، جس کے معانی "پوشیدہ بات" کے ہیں۔

۲۔۔۔کنایہ کااصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں کنایہ اس لفظ کو کہتے ہیں، جس سے اس کے معنی کالازم مرادلیاگیاہو اور ملزوم کاارادہ کرنا بھی جائزہو، جیسے "طَوِیْلُ النَّجَادِ" اس میں "طولِ نجاد" سے طول قامت مرادہے، لیکن اس کے حقیقی معنی کاارادہ کرنا بھی جائزہے کہ فلاں لمبے پرتلے والاہے[1]۔ بالفاظِ دیگر علم بیان کی رو سے یہ وہ کلمہ ہے، جس کے معنی مبہم اور پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی قرینے کا محتاج ہو، وہ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہوا ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہوں۔ یعنی بولنے والا ایک لفظ بول کر اس کے مجازی معنوں کی طرف اشارہ کر دے گا، لیکن اس کے حقیقی معنیٰ مراد لینا بھی غلط نہ ہو گا۔ مثلاً :"بال سفید ہو گئے لیکن عادتیں نہ بدلیں۔" یہاں مجازی معنوں میں بال سفید ہونے سے مراد بڑھاپا ہے، لیکن حقیقی معنوں میں بال سفید ہونا بھی درست ہے اور جیسے قرآن مجید میں ہے:"وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَی یَدَیْہِ" (الفرقان:۲۷) قیامت کے دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا۔ اس سے اس جملے کالازمِ معنی مرادہے اور وہ ظالم کانادم اور شرمسار ہوناہے، کیونکہ عام طور پر پشیمان آدمی ہاتھوں کو منہ میں ڈال لیتاہے۔

---

[1] فرق ما بين الكناية والمجاز: إنَّ إرادة المعنى الأصليّ للّفْظ مع إرادة المعنى الآخَر الذي يُكَنَّى باللفظ عنه جائزةٌ ولكِنَّهَا غير لازمة دائماً، فقَدْ يُرَادانِ معاً، وقَدْ تُهْمَلُ إرادةُ المعنَى الأصلي ويرادُ المعنَى الآخر فقط، فقد يُقالُ: فُلاَنٌ كثيرُ الرَّمَادِ، أي: مضيافٌ جواد، مع أنَّه لا يَطْبُخُ الطعامَ لضُيُوفِه الكثرين بنار الحطب الّذي يُخَلّف رماداً، إنّما يطبُخ لهم بالأفران الكهربائية أو الغازيّة.وبهذا يظهر الفرق بين الكناية والمجاز، فالمجاز لا يصحّ معه إرادة المعنى الحقيقيّ للفظ، بل يتعيّن فيه إرادة المعنى المجازيّ فقط، مثل: خطب الأَسَدُ المغوار خُطْبَةً عظيمة في الجيش ألهب بها المشاعر، واستثار الحماسة. فلفظ "الأسد" هنا مجاز عن الرجل الشجاع، ولا يصحّ أن يُرادَ به معناه الحقيقي، وهو الحيوان المفترسُ المعروف. وتدخل الكناية في عموم التعبير عن المراد بأسلوب غير مباشر، فهي ممّا يتوارى، أو يختفي بساتر، ويَدُلُّ على المقصود بلازم له، أو مقارن له، أو بطرفٍ من أطرافه، أو نحو ذلك. (البلاغة العربية:۵۸۸)

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: کنایہ ہر اس لفظ کو کہتے ہیں، جو اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہو، لیکن مقصود وہ معنی نہ ہوں، بلکہ ایک دوسرے معنی ہوں جو پہلے معنی کے ملزوم ہوں۔ یعنی ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس کے لازمی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہو۔

فائدہ نمبر ا: کنایہ کی ایک مثال مشہور عرب شاعرہ حضرت خنساؓ کے قصیدہ کا یہ شعر ہے جو اس نے اپنے بھائی کے لیے کہا تھا:

طَوِيلُ النَجَادِ رَفِيعُ العِمَاد   كثيرُ الرَمَادِ اِذَا مَا شَتَا

ترجمہ: ''ان کی تلوار کا نیام طویل تھا، ان کے ستون اونچے تھے، اور سردی کے موسم میں ان کے ہاں راکھ بہت ہوتی تھی۔''

طویل النجاد حقیقی اور مجازی دونوں معنی میں درست ہے۔ ان کی تلوار کا نیام حقیقت میں بھی طویل ہو سکتا ہے اور یہ ان کی بہادری اور لمبے قد کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ''رَفِيعُ الْعِمادِ '' کا مطلب ان کے گھر کے بلند ستون بھی ہو سکتے ہیں اور قبیلے میں ان کا بلند مقام بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور کثیر الرماد یعنی چولہے میں بہت زیادہ راکھ ہونے کا بیان ان کی سخاوت کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ہاں غریبوں کے لیے بہت زیادہ کھانا پکتا تھا اور اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: کنایہ میں لازم اور ملزوم دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں، تاہم فرق یہ ہے کہ لازم بالعرض مراد ہوتا ہے اور ملزوم بالذات مراد ہوتا ہے، کیونکہ موضوع لہ کے مراد لینے کا غرض یہ ہوتا ہے کہ سامع کے ذہن میں اس کی تصویر حاصل ہو اور دوسرے معنی (مکنی عنہ) کی طرف انتقال ہو سکے، لیکن مجاز میں معنی موضوع لہ کا مراد لینا درست نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں استعمال لفظ کا ہی معنی غیر موضوع لہ میں ہوتا ہے، لہذا مجاز میں معنی موضوع لہ بالذات مقصود ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: کنایہ میں معنی حقیقی مراد نہیں ہوتا، بلکہ معنی غیر حقیقی مراد ہوتا ہے، تاہم معنی حقیقی مراد لینا بھی درست ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۴: علامہ ابن سراج مکیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کنایہ یہ ہے کہ شئی کی تصریح ترک کر کے اس کے لازم مساوی میں سے کسی ایک کو ذکر کیا جائے تاکہ اس سے ملزوم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے۔ لازم سے ملزوم کی طرف انتقال کرنے

کی قید سے استعارہ خارج ہوا، اسی وجہ سے امام رازیؒ نے نہایۃ الایجاز میں فرماتے ہیں کہ مجاز کنایہ سے الگ ہے اور حق یہ ہے کہ مجاز کو کنایہ کیساتھ وہی نسبت ہے جو مفرد کو مرکب کیساتھ ہے[1]۔

فائدہ نمبر ۲: علامہ سکاکیؒ اور بعض بیانیین حضرات نے مجاز اور کنایہ میں فرق یوں بیان کیا ہے کہ کنایہ میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال ہوتا ہے، جیسے "طولِ نجاد" سے "طولِ قامت" کی طرف اور مجاز میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے، جیسے "أسد" سے شجاعت کی طرف۔ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرق صحیح نہیں کیونکہ لازم جب تک ملزوم نہ ہو اس وقت تک اس سے ملزوم کی طرف انتقال ناممکن ہے، چنانچہ علامہ سکاکیؒ کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ انتقال کے لیے لازم کا ملزوم ہونا ضروری ہے، خواہ بلاواسطہ ہو، جیسے ناطق بلحاظ انسان کے کہ ناطق انسان کو لازم ہے اور ملزوم بھی ہے، کیونکہ دونوں مساوی ہیں، یا بواسطہ قرینہ ہو، جیسے "رأیتُ إنْسَانًا یُّلَازِمُ الْمَنَارَ" بول کر مؤذن سے کنایہ کریں کہ ملازم منار کے لیے گو یہ ضروری نہیں کہ وہ مؤذن ہی ہو، لیکن عرف میں ایسا شخص مؤذن ہی سمجھا جاتا ہے، لہذا بقرینہ عرف عام مؤذن لازم مساوی ہوا اور ملزوم بھی ہوا اور جب یہ لازم ملزوم ہوا تو انتقال ملزوم سے ہوا نہ کہ لازم سے۔ بعض حضرات نے علامہ سکاکیؒ کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ لازم سے علامہ سکاکیؒ کی مراد لازم مساوی ہے، کیونکہ لزوم بین الطرفین کنایہ کا خاصہ ہے، بخلاف مجاز کے کہ اس میں لازم سے مراد مطلق ہے مساوی ہو یا غیر مساوی، کیونکہ مجاز میں لزوم بین الطرفین شرط نہیں ہے، تاہم علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب ناقابل اعتبار ہے، اس لیے کہ لزوم بین الطرفین کو کنایہ کا خاصہ یا شرط قرار دینا بلا دلیل ہے۔ بعض حضرات نے علامہ سکاکیؒ کی طرف سے یوں جواب دیا ہے کہ مجاز اور کنایہ میں لازم اور ملزوم سے حقیقۃً لازم و ملزوم مراد نہیں، بلکہ تابع و متبوع مراد ہے، کنایہ میں اس چیز سے انتقال ہوگا جو اپنے وجود میں غیر کے وجود کے تابع ہو، جیسے "طَوِیْلُ النَّجَادِ" کہ یہ اپنے وجود میں طول قامت کے تابع ہے اور مجاز میں اس کا عکس ہوتا ہے، چونکہ لازم سے مراد تابع ہے، اس لیے علامہ سکاکیؒ کے ہاں لازم کا ملزوم سے اخص ہونا جائز ہے، ورنہ لازم متعارف کے اخص نہ ہونے میں تو کسی کو کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ لازم متعارف یا عام ہوتا ہے یا مساوی ہوتا ہے، اخص نہیں ہوتا۔ شارح تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس طرح مجاز میں متبوع سے تابع کی طرف انتقال ہوتا ہے، اسی طرح کبھی اس کا برعکس بھی ہوتا ہے، جیسے "أَمْطَرَتِ السَّمَاءِ نَبَاتاً" میں "غَیْث" پر "نَبَات" کا اطلاق ہوا ہے۔

فائدہ نمبر ۳: جن لوگوں نے قرآن مجید میں مجاز کے واقع ہونے کا انکار کیا ہے وہ کنایہ کے وقوع کے بھی قائل نہیں، اس انکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کنایہ بھی مجاز ہے، جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ کنایہ حقیقت

---

[1] بحر الفصاحۃ: ۴/۲۱۴۔

ہے،علامہ عزالدین بن عبد السلامؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر امر یہی ہے ،کیونکہ کنایہ کااستعمال ماوضع لہ میں ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کنایہ نہ حقیقت ہے اور نہ مجاز ہے، یہ رائے صاحبِ تلخیص کی ہے، چوتھا قول علامہ تقی الدین سبکیؒ کا ہے کہ کنایہ کی تقسیم حقیقت اور مجاز دونوں کی طرف ہوتی ہے، اگر لفظ کا استعمال اس کے معنی میں ہو کہ اس سے لازم معنی مراد ہوں تب تو وہ حقیقت ہے اور اگر لازم کی تعبیر بواسطہ ملزوم کی جائے تو اس وجہ سے کہ اس کا استعمال غیر ماوضع لہ میں ہوا ہے وہ مجاز ہو گا[۱]۔

قاعدہ نمبر۵: کنایہ اور مجاز میں فرق یہ ہے کہ کنایہ میں معنی غیر حقیقی مراد ہوتا ہے، تاہم اگر ملزوم معنی حقیقی مراد لیا جائے تو تب بھی صحیح ہے اور مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے، نیز مجاز میں معنی حقیقی اور معنی غیر حقیقی مراد لینے پر قرینہ ہوتا ہے، لیکن کنایہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر۶: مجاز اور کنایہ کا مبنی اور مدار کس چیز پر ہے؟ صاحبِ تلخیص المفتاح کے نزدیک مجاز اور کنایہ کا مبنی و مدار ملزوم سے لازم کے قصد کرنے پر ہے، لیکن فرق اس قدر ہے کہ مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے، ملزوم مراد نہیں ہوتا، جب کہ کنایہ میں لازم مراد ہوتا ہے، اگر ملزوم مراد لیا جائے تو بھی جائز ہے، جیسے "چاکِ گریبان" عاشق دیوانہ سے کنایہ ہے، اس لیے کہ عاشق دیوانہ کے لیے گریبان کا چاک ہونا لازم ہے ،لیکن اگر معنی ملزوم گریباں کا پھٹا ہوا ہونا مراد ہو تو بھی جائز ہے، علامہ سکاکیؒ کے نزدیک مجاز کا مدار ملزوم سے لازم کی طرف ذہن کے انتقال کرنے پر ہے، جیسے شجاع لازم اور شیر ملزوم ہے، تو ملزوم (شیر) سے لازم (شجاع) کی طرف انتقال ہوتا ہے اور کنایہ کا مبنی و مدار لازم سے ملزوم کی طرف انتقال پر ہے، صحیح اور راجح مذہب صاحبِ تلخیص کا ہے، اس لیے کہ لازم من حیث اللازم ملزوم پر دال نہیں ہوتا۔ نیز ممکن ہے کہ ملزوم لازم سے اعم ہو تو جس صورت میں لازم ملزوم سے اخص نہ ہو تو اس صورت میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال نہ ہو گا[۳]۔

قاعدہ نمبر۷: ملزوم اصل اور متبوع ہوتا ہے، اس لیے اس سے انتقال ہوتا ہے، جب کہ لازم فرع اور تابع ہوتا ہے، اس لیے اس کی طرف انتقال ہوتا ہے، اب اگر اصلیت اور فرعیت جانبین سے ہو اس طور پر کہ ہر ایک من وجہ اصل

---

[۱] ملخصا نیل الامانی:۲/۳۳۸۔

[۲] بحر الفصاحۃ:۴/۲۱۶۔

[۳] بحر الفصاحۃ:۴/۲۱۶۔

اور من وجہ فرع ہو تو طرفین سے مجاز جاری ہو گا، کیونکہ اصل کا استعمال فرع میں مجازاً جائز ہے، لیکن فرع کا استعمال اصل میں مجازاً جائز نہیں[۱]۔

قاعدہ نمبر۸: کنایہ میں لزوم سے لزوم فی الجملہ (انتقال) مراد ہے، جیسے کل فی الجملہ جزء کو لازم ہے اور سبب فی الجملہ مسبب کو لازم ہے، لہٰذا لزوم سے منطقی لزوم مراد نہیں کہ ملزوم سے لازم کا انفکاک ممتنع ہو[۲]۔

قاعدہ نمبر۹: کنایہ میں موضوع لہ کا ارادہ واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے ہے، اگرچہ خارج میں نہ ہو، جیسے "تنگ چشم" بول کر کنجوس آدمی مراد لیا جائے، اگرچہ مذکور شخص کی آنکھیں نہ ہوں اور اگر ہوں تو بڑی بڑی ہوں[۳]۔

تمرین

درج مثالوں میں کنایہ کی تعیین کیجیے۔

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى، وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ، أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ، هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ، كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ ، وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ، وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ ، وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ، فُلَانٌ نَظِيفُ الْيَدِ، فُلَانٌ طَوِيْلُ النَّجَادِ، المَجْدُ بَيْنَ بُرْدَيْهِ وَالْكَرَمُ تَحْتَ رِدَائِهِ، فُلَانَةٌ بَعِيْدَةُ مَهْوَى القُرْطِ، أَلْقىٰ فُلَانٌ عَصَاهُ، نَاعِمَةُ الْكَفَّيِنِ، قَرَعَ فُلَانٌ سِنَّهُ، يُشَارُ إِليهِ بِالْبَنَانِ، فُلانٌ لَّا يَضَعُ الْعَصَا عَلىٰ عَاتِقِهِ، كَبُرَتْ سِنُّ فُلَانٍ وَجَاءَهُ النذيرُ.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى:

کنایہ، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے، معنی لازمی مراد ہے معنی حقیقی مراد لینا بھی جائز ہے۔ کنایہ حقیقت عند البعض، ویا کہ مجاز عند البعض، ویا کہ لا حقیقت ولا مجاز عند البعض۔

✍... وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ:

کنایہ، اس لیے کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے، معنی لازمی مراد ہے معنی حقیقی مراد لینا بھی جائز ہے۔ کنایہ حقیقت عند البعض، ویا کہ مجاز عند البعض، ویا کہ لا حقیقت ولا مجاز عند البعض۔

---

[۱] بحر الفصاحۃ: ۴/ ۲۱۶۔

[۲] بحر الفصاحۃ: ۴/ ۲۱۶۔

[۳] بحر الفصاحۃ: ۴/ ۲۱۶۔

فصل دوم: مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تقسیم

مکنی عنہ ک اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ کنایہعن الصفة ۲-کنایہعن الموصوف ۳- کنایه عن نسبة حکمیة بین المسندو المسندالیه

۱....**کنایہعن الموصوف:** ہ کنایہ ہے جس میں مکنی عنہ موصوف ہو، یعنی کنایہ میں صفت سے موصوف کی ذات مطلوب ہو، جیسے "جَاءَ قابضُ یَدِہِ" اور "ھُوَ حَارِسٌ عَلٰی مالِہِ" وغیرہ۔ یہ دونوں بخیل سے کنایہ ہیں، یعنی اس صفت سے موصوف کی ذات مطلوب ہے۔

۲.... **کنایہعن الصفة:** وہ کنایہ ہے جس میں مکنی عنہ صفت ہو، یعنی کنایہ سے فقط صفت مقصود ہو، اس طور پر کہ ایک صفت ذکر کی جائے اور اس سے ایک اور صفت مراد لی جائے، جیسے "کَثیرُ الرَّمَاد" وغیرہ۔

۳.... **کنایہعن نسبة (حکمیة بین المسندو المسندالیه):** ہ کنایہ ہے جس میں مکنی عنہ نسبت حکمیہ ہو، یعنی جس میں کنایہ سے کسی صفت کا اثبات یا نفی کسی موصوف واسطے مقصود ہو، اثبات کی مثال، جیسے جس وقت کوئی شخص کسی کی کمال حمایت کرے کہ ہر کلام اسی بھلائی میں کہتا ہے تو کہیں کہ یہ تو اسی کا جامہ پہنے ہوئے ہے۔

قسم اول: کنایہ عن موصوف کی تقسیم

کنایہ عن موصوف کی دو قسمیں ہیں۔

۱- کنایہ قریبہ ۲-کنایہ بعیدہ

۱....قسم اول کنایہ قریبہ:

وہ ہے، جس میں کنایہ معنی واحد ہو، (یعنی مختلف جنسوں سے مرکب نہ ہو) اس طور پر کہ ایک ایسے وصف کو ذکر کیا جائے جو موصوف معین کیساتھ خاص ہو اور اس سے موصوف کی طرف رسائی ہو سکے، جیسے "مَوَاطِنُ الْاَسْرَار" ہے، جو دل سے کنایہ ہے۔ اور "مَجَامِعُ الْاَضْغَان" (کینوں کو جمع کرنا) کے ذریعے قلب سے کنایہ کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ دل کیساتھ خاص ہے۔ بالفاظ دیگر کنایہ کوئی ایسی صفت ہو جو کسی خاص شخصیت کی طرف منسوب ہو اور اس صفت کو بیان کر کے اس سے موصوف کی ذات مراد لی گئی ہو۔

۲۔۔۔ قسمِ ثانی کنایہ بعیدہ:

وہ ہے، جس میں کنایہ مختلف معانی کا مجموعہ ہو، یعنی پہلے ایک صفت کو لیا جائے، پھر اس کیساتھ دوسری صفت کو ضم کیساتھ جائے اور پھر تیسری صفت کو ضم کیا جائے اور یہ سب ایک موصوف کیساتھ خاص ہوں، تاکہ مجموعہ سے موصوف کی طرف رسائی ہو سکے، جیسے "مستوی القامۃ عریض الاظفار" بول کر انسان سے مراد لیا جائے۔ بالفاظ دیگر کنائے کی اس قسم میں بہت ساری صفتیں کسی ایک موصوف کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور ان کے بیان سے موصوف مراد ہوتا ہے۔ لیکن وہ ساری صفتیں الگ الگ اور چیزوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کو کنایہ بعید اور خاصہ مرکبہ بھی کہا جاتا ہے۔

قسمِ ثانی: کنایہ عن صفت کی تقسیم

کنایہ عن صفت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ کنایہ قریبہ ۲۔ کنایہ عن بعیدہ۔

۱۔۔۔ کنایہ قریبہ کی تعریف:

وہ کنایہ ہے، جس میں لازم اور ملزوم کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ کنایہ واضحہ ۲۔ کنایہ خفیہ

۱۔۔۔ کنایہ واضحہ کی تعریف: وہ ہے، جس میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بلا تامل و فکر ہو، یعنی جس میں منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ نہ ہو جیسے "طَوِيلُ الثَّوْبِ" جو طویل القامت سے کنایہ ہے۔ اس میں تامل اور فکر کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی، اس لیے کہ منتقل عنہ اور منتقل الیہ درمیان کے کوئی واسطہ نہیں۔

۲۔۔۔ کنایہ خفیہ کی تعریف: وہ کنایہ ہے، جس میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بالتامل ہو، یعنی جس میں منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ ہو، جیسے "كَثِيْرُالرَّمادِ" بول کر مہمان نواز سے کنایہ کرنا متعدد وسائط پر مشتمل ہے، اس لیے کہ "كَثِيْرُالرَّمادِ" سے بکثرت لکڑی جلانے کی طرف اس سے بکثرت کھانے پکنے کی طرف پھر بہت سے کھانے والوں کی طرف، اس کے بعد مہمانوں کے بہت ہونے کی طرف پھر اس سے مقصود کی طرف انتقال ہوتا ہے۔

کنایہ واضحہ کی اقسام وانواع

پھر کنایہ واضحہ کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ واضحہ ساذجہ　　۲-واضحہ مشوبہ بالتصریح

ا۔۔۔واضحہ ساذجہ کی تعریف:

وہ کنایہ ہے، جس میں تصریح کا شائبہ اور نام تک نہ ہو، جیسے "زَيْدٌ طَوِيْلٌ نَجَادُه"۔اس میں تصریح کا نام تک نہیں۔ اس لیے کہ "طَوِيْلٌ" صفت کا صیغہ ہے اور "نَجَادُه" اس لیے فاعل بن رہا ہے اور اس کا معنی بنے گا کہ زید لمبا ہے اس پر تلا۔اس صورت میں صرف "پر تلے" کا لمبا ہونا بیان ہو گا۔زید کے لمبے ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جائے گا،لہذا جب زید کے لمبے ہونے کی طرف کوئی تصریح نہ پائی گئی تو یہ ساذجہ کہلائے گا۔

۲۔۔۔واضحہ مشوبہ بالتصریح کی تعریف:

وہ کنایہ ہے، جس میں تصریح کا شائبہ ہو، جیسے "زَيْدٌ طَوِيْلُ النَّجَادِ"۔اس میں قدرے تصریح ہے،اس لیے کہ "طَوِيْلُ "صفت کا صیغہ ہے اور اس کی اضافت "طَوِيْلُ "کی طرف کی گئی ہے اور قانون یہ ہے کہ جس طرح فعل فاعل کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح صفت کا صیغہ بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں پر کوئی مذکور لفظ چونکہ فاعل نہیں بن رہا تھا،اس لیے ہم نے "زَيْدٌ" کی طرف لوٹے والی ضمیر کو مقدر مان کر فاعل بنایا ہے،اس صورت میں اس کا معنی بنے گا کہ "زَيْدٌ طَوِيْلُ النَّجَادِ" ہے،تو اس میں پُر تلا کے لمبے ہونے کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر زید کے لمبے ہونے کی طرف بھی اشارہ پایا جائے گا۔

قواعد وفوائد

قاعدہ نمبر ا: کنایہ کے ذریعے کسی موصوف کی کسی صفت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن صفۃ ہے،اگر خود موصوف کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن موصوف ہے اور اگر کسی صفت کی کسی موصوف کی جانب ہونے والی نسبت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن نسبۃ ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: کنایہ عن صفۃ وہ ہے جس میں کسی موصوف کی ایسی ایک یا چند صفات ذکر کیے جائیں، جن ایک یا چند صفات سے ذہن دوسری مکنی عنہ صفت (جو مقصود ہے) کی طرف چلا جائے جن کے درمیان ایسا تلازم اور ارتباط ہو کر ذہن اس صفتِ مذکور سے مکنی عنہ (صفت غیر مقصودہ) کی طرف چلا جائے، جیسے " وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا"۔(سورۃ لقمان:۱۸)اس میں چہرہ کو بگاڑنا اور زمین پر اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا اور ان دونوں صفتوں سے لازمی طور پر سمجھ میں آنے والی دو صفتوں (تکبر و فخر) سے کنایہ کیا گیا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۳: کنایہ عن موصوف وہ ہے جس میں مکنی عنہ موصوف ہو، یعنی کلام میں ایک یا چند ایسی صفات ذکر کرنا جو کسی خاص موصوف کیساتھ مختص ہوں اور اس ایک یا چند صفات کے ذکر کرنے سے وہ مخصوص موصوف مقصود ہو، جیسے "أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ"۔(سورۃ الزخرف:۱۸) اس آیت میں لفظ "بَنَات" کی تصریح چھوڑ کر "أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ" بول کر اس کا لازم معنی "بَنَات" مراد ہیں اور یہ ایسی دو صفات ہیں، جو ظاہراً عورت کیساتھ خاص ہیں۔

قاعدہ نمبر۴: کنایہ عن نسبۃ وہ ہے جس میں مکنی عنہ صفت ہو، یعنی متکلم کسی ذات کی طرف کسی صفت کی ثبوتی یا سلبی نسبت کرنا چاہتا ہے، لیکن اس (ذات و موصوف) کی طرف صراحتاً اس صفت کی نسبت کرنے کے بجائے ایسی چیز کی طرف نسبت کرتا ہے جو موصوف سے شدید الاتصال اور وثیق الارتباط ہے، اس سے نتیجۃً اس صفت کی نسبت معین موصوف کے لیے بھی ثابت ہو جاتی ہے، جیسے عرب کسی کی مدح کرتے وقت کہتے ہیں۔ "المَجْدُ بَين ثَوْبيْهِ وَالْكَرَمُ بَينَ بُردَيْهِ"۔(بزرگی اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے اور سخاوت اس کی دو چادروں کے درمیان ہے)۔ یہاں بزرگی اور سخاوت کی نسبت صراحتاً موصوف کی طرف کرنے کے بجائے اس سے شدید الاتصال چیز (کپڑا اور چادر) کی طرف کرنا، یہ خود موصوف کی بزرگی اور سخاوت کی نسبت کرنے کا کنایہ ہے[2]۔

فائدہ نمبر۱: کنایہ عن موصوف اور کنایہ عن صفت دونوں کی مثال یہ آیت ہے، جیسے "وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ"(سورۃ الانفال:۷) اس آیت میں دو کنایات ہیں:۔(۱) کنایہ عن موصوف، جو "ذَاتِ الشَّوْكَةِ" ہے، مسلمان چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہوں، جس میں کانٹا نہ چبے، یعنی لڑائی نہ ہو۔ یہاں "حَرْب" کی تصریح کیے بغیر کنائی لفظ "ذَاتِ الشَّوْكَةِ" استعمال فرما کر اس کا لازم معنی "حَرْب" مراد لیا گیا ہے۔ (۲) کنایہ عن صفۃ، جو "وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ" میں ہے، اس سے لازم معنی "بیخ کنی اور جڑ سے اکھیرنے" سے کنایہ کیا گیا ہے اور اس سے لازمی طور پر یہی معنی مراد ہے۔

---

[1] اجرائے بلاغت:۲۸۸۔

[2] اجرائے بلاغت:۲۸۸۔

تمرین

درج ذیل مثالوں میں اقسام کنایہ کی تعیین کیجیے۔

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ، فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ، إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ، فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ، لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ، سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ، يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا، وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ، فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ، المَجْدُ بينَ ثَوْبَيْهِ، فُلَانٌ طَوِيْلُ الرَّقَبَةِ، فُلَانٌ طَوِيلُ النَّجَادِ-

چند حل شدہ مثالیں:

✍... يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ:

کنایہ، اس لیے کہ لفظاپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے، معنی لازمی مراد ہے معنی حقیقی مراد لینا بھی جائزہے۔ کنایہ حقیقت عند البعض، ویا کہ مجاز عند البعض، ویا کہ لا حقیقت ولا مجاز عند البعض۔ کنایہ عن صفۃ، اس لیے کہ مکنی عنہ صفت ہے۔ کنایہ قریبہ، اس لیے کہ منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ نہیں۔ کنایہ واضحہ، اس لیے کہ لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بلا تامل ہے۔ کنایہ واضحہ ساذجہ، اس لیے کہ اس میں تصریح کا شائبہ نہیں۔

✍... يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا:

کنایہ، اس لیے کہ لفظاپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے، معنی لازمی مراد ہے معنی حقیقی مراد لینا بھی جائزہے۔ کنایہ حقیقت عند البعض، ویا کہ مجاز عند البعض، ویا کہ لا حقیقت ولا مجاز عند البعض۔ کنایہ عن موصوف، اس لیے کہ مکنی عنہ موصوف ہے۔ کنایہ قریبہ، اس لیے کہ منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ نہیں۔ کنایہ واضحہ، اس لیے کہ لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بلا تامل ہے۔ کنایہ واضحہ ساذجہ، اس لیے کہ اس میں تصریح کا شائبہ نہیں۔

فصل سوم: لوازم اور سیاق کے اعتبار سے کنایہ کی تقسیم

لوازم اور سیاق کے اعتبار سے کنایہ کی چار قسمیں ہیں:۔

ا۔ تلویح ۲۔رمز ۳۔ایماءواشارہ ۴۔تعریض

ا۔۔۔ تلویح کی تعریف:

لغت میں تلویح کے معنی گرم کرنا، کپڑوں کو چمکدار بنانا، اشارہ یا کنایہ کرنا ہیں۔ اوراصطلاح میں تلویح وہ کنایہ ہے کہ جس میں معنی اصلی اور معنی کنائی کے درمیان وسائطِ کثیرہ ہوں، جیسے "کَثِیْرُالرَّمَادِ" کنایہ ہے سخاوت سے۔ کیونکہ راک کازیادہ ہونا زیادہ آگ جلنے پر دال ہے اور جیسے "ٹھنڈے چولہے والا" کنایہ بخیل سے ہے، کیونکہ ٹھنڈے چولہے کو کھانانہ پکنا لازم ہے اور کھانانہ پکنے کولازم ہے کسی مہمان کانہ آنااورخوداس کابھوکارہنا۔ اورخودبھوکارہنے اورکسی مہمان کے نہ آنے سے بخل ثابت ہوتا ہے۔

۲۔۔۔ رمز کی تعریف:

لغت میں رمز کے معنی "آنکھوں اور بھنوؤں وغیرہ کا اشارہ" ذومعنی بات، پہلو دار بات، مخفی بات، طعنہ دینا، اشارہ آنکھ منہ اورابرو وغیرہ سے نوک جھونک، مخفی یا پوشیدہ بات وغیرہ ہیں۔ اوراصطلاح میں رمز وہ کنایہ ہے کہ جس میں معنی اصلی اور معنی کنائی کے درمیان وسائطِ کثیرہ نہ ہوں، لیکن اس میں تھوڑی سی پوشیدگی اور خفاء ہو، جیسے "عَرِیضُ الْقَفَا"۔ کنایہ بے وقوف اوراحمق سے کنایہ ہے۔ اس میں لازم سے ملزوم تک بہت سے واسطے نہیں ہیں، مگر کنایہ میں تھوڑی سی پوشیدگی اور خفاء ہے۔ جس کی وجہ سے ذہن کاانتقال ملزوم کی طرف غوروتامل کے بعدہوتاہے۔

۳۔۔۔ ایماءواشارہ کی تعریف:

وہ کنایہ ہے کہ جس میں معنی اصلی اور معنی کنائی کے درمیان نہ وسائطِ کثیرہ ہوں اورنہ ہی پوشیدگی اور خفاء ہو، جیسے کمرکاتوڑنااشارہ ہے عظیم صدمہ پہنچانے سے اور کانوں میں گھسیٹنااشارہ ہے ایذاءرسانی سے۔ ان میں لازم سے ملزوم تک نہ وسائط کثیرہ ہیں اورنہ ہی کوئی خفاءاورپوشیدگی ہے۔

۴۔۔۔ تعریض کی تعریف:

لغت میں تعریض کے معنی 'چوڑا کرنا، وسیع کرنا، بڑا کرنا، مخالفت کرنا، مزاحمت کرنا، کنایہ سے بات کہنا، اشارہ سے کوئی بات جتانا، کسی معاملے کو مشکل بنا دینا' وغیرہ ہیں۔ اوراصطلاح میں وہ کنایہ ہے کہ جس میں

مطلوب نسبت ہو، یعنی اشارہ ایک جانب ہو اور مراد دوسری جانب ہو، جیسے کسی موذی آدمی کے سامنے کہا جائے۔ ”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“۔ یا کسی بے عمل عالم کو کہا جائے کہ عالم وہ ہوتا ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔ یعنی تعریض کنائے کی اس قسم کو کہتے ہیں، جس میں موصوف کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اگر کوئی بادشاہ رعایا پر ظلم کر رہا ہو تو یہ کہا جائے کہ بادشاہی اس کو زیبا ہے جو رعیت کو آرام سے رکھے۔ یعنی وہ بادشاہی کے لائق نہیں ہے۔ تعریض کو بالعموم کسی پر تنقید کرنے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی پر تنقید کرنا چاہتا ہے اور واضح طور پر اس کا نام بھی نہیں لینا چاہتا۔ اس میں کسی حد تک طنز کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

قواعد و فوائد

قاعدہ نمبر ا: تلویح اصطلاح میں کنائے کی ایسی قسم کو کہتے ہیں کہ جس میں لازم سے ملزوم تک بہت سارے واسطے ہوں، جیسے ”الغرض مطبخ اس گھرانے کا رشک ہے آبدار خانے کا“۔ یہاں مطبخ کا رشک آبدار خانہ ہونا کنایہ ہے نہایت بخل سے، کیونکہ آبدار خانہ ہونے کو آگ کا نہ جلنا لازم ہے اور آگ کے نہ جلنے کو لازم ہے کھانے کا نہ پکنا اور کھانا نہ پکنے کو یہ بات لازم ہے کہ صاحب مطبخ نہ خود کچھ کھاتا ہے اور نہ دوسروں کو کچھ کھلاتا ہے اور اس سے بخل ثابت ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: اصطلاح میں رمز کنائے کی وہ قسم ہے جس میں زیادہ واسطے نہ ہوں، لیکن تھوڑی بہت پوشیدگی موجود ہو۔

قاعدہ نمبر ۳: اگر کنائے میں واسطوں کی کثرت بھی نہ ہو اور کچھ پوشیدگی بھی نہ ہو تو اس کو ایما و اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے سفید داڑھی والا سے بوڑھا آدمی مراد لیا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر: تعریض و کنایہ میں سے ہر ایک کی دلالت ایسے لازمی معنی پر ضرور ہوتی ہے جس پر الفاظِ کلام حقیقتاً دلالت نہیں کرتے، لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ تعریض میں الفاظ معنی تعریضی و معنی کنائی کے درمیان تلازم اُن خاص مواقف کی طرف راجع ہوتا ہے جو خاص مواقف سیاقِ کلام اور قرائن احوال سے مفہوم ہوتے ہیں، جب کہ کنایہ میں معنی مکنی بہ اور مکنی عنہ کے درمیان کا تلازم عرف و عادت اور خصوصیات اشیاء سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز لفظِ مفرد کا تعریضی معنی پر دلالت کرنا ممکن نہیں، اس لیے کہ لفظِ مفرد تعریضی معنی کو ادا نہیں کر سکتا، لہٰذا تعریض ہمشہ مرکب میں پائی جائے گی، جب کہ کنایہ مرکب اور مفرد دونوں میں پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] ملخصاً ہامش اجرائے بلاغت: ۲۸۸۔

قاعدہ نمبر۴:جب کنایہ غیر مذکور موصوف کے لیے بصورت عرضیہ ہوتواسے تعریض کہتے ہیں اورجب بصورت عرضیہ نہ ہوتوپھراگرلازم وملزوم کے مابین ایک سے زائدواسطے ہوں،تواسے تلویح کہتے ہیں اوراگروسائط بالکل نہ ہوں یاصرف ایک ہوتوپھراصلی معنی میں اورمستعمل فیہ معنی میں اگرلزوم بین الطرفین خفی ہوتواسے رمزکہتے ہیں اوراگرلزوم بین الطرفین خفی نہ ہوں تواسے ایماءاوراشارہ کہتے ہیں۔[1]

تمرین

درج مثالوں میں اقسام کنایہ کی تعیین کیجئے۔

وَثِيابَكَ فَطَهِّرْ، يَاأُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، فُلَانٌ سَمِين رِخْو، عَرِيضُ الْوِسادَةِ، غَلِيظُ الكَبِد، (قولك لشخص يضر الناس): خَيرُ الناسِ مَن يَّنفَعُ الناسَ، الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى، وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ، أُولٰئِكَ قَوْمٌ يُوقِدُونَ نَارَهُمْ فِي الْوادِيْ، هُو جَبَانُ الْكَلْبِ وَمَهْزُوْلُ الْفَصِيْلِ.

چند حل شدہ مثالیں:

✍...وَثِيابَكَ فَطَهِّرْ:

کنایہ،اس لیے کہ لفظاپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے،معنی لازمی مرادہے معنی حقیقی مرادلینا بھی جائزہے۔کنایہ حقیقت عندالبعض،ویاکہ مجازعندالبعض،ویاکہ لاحقیقت ولامجاز عندالبعض۔کنایہ عن موصوف،اس لیے کہ مکنی عنہ موصوف ہے۔کنایہ قریبہ، اس لیے کہ منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ نہیں۔کنایہ واضحہ، اس لیے کہ لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بلاتامل ہے۔کنایہ واضحہ ساذجہ،اس لیے کہ اس میں تصریح کاشائبہ نہیں۔ایماءواشارہ،اس لیے کہ معنی اصلی اور معنی کنائی کے درمیان نہ وسائطِ کثیرہ ہوں اورنہ ہی پوشیدگی اور خفاءہے۔

✍... خَيرُ الناسِ مَن يَّنفَعُ الناسَ:-(قولك لشخص يضر الناس)

کنایہ،اس لیے کہ لفظاپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل غیر مقصود ہے،معنی لازمی مرادہے معنی حقیقی مرادلینا بھی جائزہے۔کنایہ حقیقت عندالبعض،ویاکہ مجازعندالبعض، ویاکہ لاحقیقت ولامجاز عندالبعض۔کنایہ عن موصوف،اس لیے کہ مکنی عنہ موصوف ہے۔کنایہ قریبہ، اس لیے کہ منتقل عنہ اور منتقل الیہ میں کوئی واسطہ نہیں۔کنایہ واضحہ، اس لیے کہ لازم سے ملزوم کی طرف انتقال بلاتامل ہے۔کنایہ واضحہ ساذجہ،اس لیے کہ اس میں تصریح کاشائبہ نہیں۔تعریض،اس لیے کہ مطلوب نسبت ہے،اشارہ ایک جانب اورمراددوسری جانب ہے۔

---

[1] ملخصانیل الامانی:۲/۳۴۸۔

خاتمہ بابِ چہارم

خاتمہ بابِ چہارم درج ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: بلاغۃ الکنایہ کا بیان

فصل دوم: کیا مجاز اور کنایہ حقیقت اور تصریح سے زیادہ بلیغ ہے؟

فصل سوم: أثر علم البیان فی تادیۃ المعانی

فصل اول: بلاغۃ الکنایہ کا بیان

کنایہ بلاغت کا ایک ایسا مظہر اور آخری حد ہے جس کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو ذہن و فطین اور سلیم الطبع ہو، کنایہ میں بلاغت کے بے شمار راز پوشیدہ ہے، کنایہ میں راز یہ ہے کہ کنایہ انسان کو بہت سی صورتوں میں مدلل حقیقت اور ایسا قضیہ عطا کرتا ہے جس کی تہ میں دلیل چھپی ہوتی ہے، نیز کنایہ میں بلاغت کا ایک سبب یہ ہے کہ کنایہ غیر محسوس کو محسوس کی شکل میں پیش کرتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ فنون لطیفہ کا خاصہ ہے اور کنایہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے اپنے مخالف سے موقع دئے بغیر اپنی پیاس بجھانے کی قدرت حاصل کرلی جاتی ہے، کنایہ میں معانی غیر مستحسنہ کو کنایۃً مناسب الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں جماع کو "رَفَث" اور فرج کو "حَرْث" سے تعبیر کیا گیا ہے اور کبھی متکلم کسی کو مخفی رکھنا چاہتا ہے تو کنایہ کا اسلوب اختیار کرلیتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ"(سورۃ یوسف:۲۳) یہاں امراۃ العزیز کا نام ذکر کرنے کے بجائے کنائی اسلوب میں "الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا" فرمایا، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پاکدامنی کو انتہائی بلیغ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

بسا اوقات سامعین کے دل و دماغ میں کسی مضمون کی عظمت و وقعت یا خوف و حراست اور ہولناکی کو بٹھانے کے لیے کنائی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ"(سورۃ القارعۃ:۱-۵) ان آیات میں قیامت کی ہولناکی کو کنائی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

فصل دوم: کیا مجاز اور کنایہ حقیقت اور تصریح سے زیادہ بلیغ ہے؟

بیانیین حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجاز حقیقت سے اور کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے اور استعارہ تشبیہ سے بلیغ ہے مجاز کے حقیقت سے اور کنایہ کے تصریح سے زیادہ بلیغ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجاز میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں نے چاند کو دیکھا اور مراد اس سے معشوق ہو تو یہ کہنا اس کہنے سے زیادہ بلیغ ہوگا کہ میں نے معشوق کو دیکھا اس لیے کہ پہلا قول اس دعوی کی طرح ہے جس کیساتھ گواہ موجود ہوں، کیونکہ ہر ملزوم کا وجود اپنے لازم کے ہونے پر گواہ ہے، یعنی ملزوم کا ہونا لازم کے ہونے کو چاہتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ ملزوم ہو اور لازم نہ ہو، بخلاف اس کے کہ میں نے معشوق کو دیکھا یہ اس دعوی کی طرح ہے جس کیساتھ گواہ نہ ہوں اور جس دعوی کیساتھ گواہ موجود ہوں وہ اس دعوی سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے جس کیساتھ گواہ نہ ہو۔

استعارہ کی تشبیہ سے قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں مشبہ سے زیادہ کامل ہوتی ہے اور استعارہ میں مشبہ کے بعینہ مشبہ بہ ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے، یعنی معشوق کے بعینہ چاند ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے اور اس کے الفاظ تشبیہ پر بھی دلالت نہیں کرتے اور ایک قرینہ ایسا ہوتا ہے کہ معنی موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ امر ایسے دعوی کی طرح ہوا جس کے ہمراہ گواہ موجود ہوں۔ معروف عالم علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں۔

"مجاز اور کنایہ حقیقت اور تصریح سے ابلغ ہے، اس لیے کہ ان میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے تو گویا کہ یہ دعوی مع الدلیل ہوا، اس لیے کہ ملزوم کا وجود لازم کے وجود کا تقاضا کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ملزوم کا لازم سے جدا ہونا محال اور ناممکن ہے، کیونکہ ملزوم لازم کے بغیر نہیں پایا جاتا ہے، چنانچہ جب کوئی آدمی کہتا ہے کہ "زَیْدٌ کَثِیْرُالرَّمَادِ" تو یہ اس طرح ہے کہ گویا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ "زَیْدٌ کَرِیْمٌ لِأَنَّهُ کَثِیْرُالرَّمَادِ"۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ استعارہ تحقیقیہ اور تمثیلیہ تشبیہ سے ابلغ ہوتے ہیں، اس لیے کہ یہ تشبیہ کے لیے بمنزلہ مجاز ہوتے ہیں اور مجاز کے متعلق یہ بات واضح ہے کہ مجاز حقیقت سے ابلغ ہوتا ہے، لہذا یہ دونوں بھی تشبیہ سے ابلغ ہوں گے [1]۔"

---

[1] مختصر المعانی: ۲/ ۲۰۴۔

فصل سوم: أثر علم البیان فی تادۃ المعانی

(معانی و مفاہیم کی ادائیگی میں علم بیان کا کردار)

علم بیان کے مباحث مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی مفہوم کو متعدد اسالیب اور مختلف طریقوں سے ادا کیا جاسکتا ہے اس طور پر کہ ایک ہی معنی کو تشبیہ، یا استعارہ، یا مجاز مرسل، یا مجاز عقلی یا کنایہ کی عمدہ صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، ذیل میں ایک انسان کی سخاوت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک شاعر انسان کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

يُرِيدُ المُلُوكُ مَدىَ جَعفَرٍ   ولا يَصْنَعُون كَما يَصنعُ

وَليسَ بِأوْسَعِهِم فِي الْغِنىٰ   وَلٰكِنْ مَعْروفُهُ أَوْسَعُ

ترجمہ: بہت سے بادشاہ ممدوح جعفر کے مرتبہ پر پہنچنا چاہتے ہیں اور وہ ممدوح کی طرح سخاوت نہیں کرتے ہیں، حالانکہ ممدوح بادشاہوں سے زیادہ مالدار نہیں، لیکن ممدوح کا احسان بہت وسیع ہے۔

یہ کلام انتہائی بلیغ ہے، حالانکہ اس میں تشبیہ یا مجاز استعمال نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوتے کہتا ہے کہ دوسرے بادشاہ اس کے مرتبہ تک پہنچنا چاہتے ہیں، لیکن وہ مال سے تعریف کو نہیں خریدتے ہیں، ممدوح کی طرف۔ حالانکہ ممدوح ان سے زیادہ مالدار و تونگر نہیں ہے۔

کبھی شاعر سخاوت کو ایک دوسرے اسلوب میں بیان کرتا ہے، جیسے متنبی کا شعر ہے۔

كالبَحْرِ يَقذِفُ للقَريبِ جَواهِراً   جُوداً ويَبْعَثُ للبَعيدِ سَحائِبَا

ترجمہ: ممدوح سمندر کی طرح ہے جو قریب والوں کے لیے جواہرات پھینکتا ہے اور دور والوں کے لیے بادلوں کو بھیجتا ہے۔

اس شعر میں شاعر ممدوح کو سمندر سے تشبیہ دے کر آپ کے تصور و خیال کو ممدوح اور سمندر کے درمیان مماثلت کی طرف لے جارہا ہے جو قریب والوں کے لیے تو موتی پھینکتا ہے اور دور والوں کے لیے بادلوں کو بھیجتا ہے۔

ایک شاعر ممدوح کی سخاوت کو یوں بیان کرتا ہے۔

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ أيِّ النَّوَاحِيْ أتيتَهُ   فلُجَّتُهُ المعروفُ والجودُ ساحِلُهُ

ترجمہ: ممدوح سمندر ہے چاہے جس جانب سے بھی تم ان کے پاس آؤ۔ تو اس کی گہرائی احسان و بھلائی ہے اور اس کا ساحل سخاوت ہے۔

اس میں شاعر یہ دعوی کررہاہے کہ ممدوح خود سمندر ہے اور ایسی انوکھی تشبیہ پیش کررہاہے جو مبالغہ اور پورے طور پر مماثلت کے دعوی پر دلالت کررہی ہے۔
ایک شاعر ممدوح کی سخاوت کرتے ہوئے کہتاہے۔

عَلَا فَمَا يَسْتَقِرُّ المالُ فِي يَدِهِ وكيفُ تُمْسِكُ ماءً قُنَّةُ الجْبلِ

ترجمہ: وہ بلندی پر جاپہنچا کہ مال اس کے ہاتھ میں نہیں ٹھہر تاہے اور پہاڑ کی چوٹی پانی کو روک بھی کیسے سکتی ہے۔
اس شعر میں شاعر خفیہ طور پر تشبیہ دے رہاہے تاکہ کلام میں حد درجہ بلاغت پیدا ہو اور تاکہ وہ آپ کے سامنے تشبیہ ضمنی کے طور پر دعوی کیساتھ ساتھ دلیل بھی پیش کردے، کیونکہ وہ یہ دعوی کررہاہے کہ ممدوح کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے مال اس کے ہاتھ میں نہیں ٹھہر تاہے اور اس پر دلیل یہ پیش کی کہ پہاڑ کی چوٹی پانی روک بھی کیسے سکتی ہے۔
ایک شاعر ممدوح کی سخاوت کو اس اسلوب میں بیان کررہاہے۔

جَرَى النهْرُ حتّى خِلْتَهُ مِنكَ أنعُماً تُسَاقُ بِلَا ضَنٍّ وتعطَي بلا منِّ

ترجمہ: نہر جاری ہوگئی جس کو میں نے آپ کے ایسے احسانات خیال کیا جو بغیر بخل کے کیے جاتے ہیں اور بغیر احسان جتائے عطا ہوتے ہیں۔
شاعر مبالغہ میں زیادتی پیدا کرنے اور عمدگی کے اسالیب میں تفنن کے لیے تشبیہ مقلوب استعمال کررہاہے اور نہر کے پانی کو مدوح کے احسانات سے تشبیہ دے رہاہے جب کہ مشہور یہ ہے کہ ممدوح کے احسانات کو بہتی نہر سے تشبیہ دی جائے۔
ایک شاعر ممدوح کی سخاوت کو اس انداز میں بیان کرتاہے۔

كَأَنَّهُ حِينَ يُعْطِي المالَ مُبْتسِماً صَوْبُ الْغَمَامةِ تَهْمِي وَهِيَ تَأْتَلِقُ

ترجمہ: ممدوح جب مسکراتے ہوئے مال عطا کرتاہے تو گویا وہ ایسے بادل کی موسلادھار بارش ہے جو چمکتے ہوئے برستاہے۔
اس شعر میں شاعر تشبیہ مرکب پیش کررہاہے جو ایسی دلکش تصویر پیش کررہی ہے جس سے تیرے سامنے ممدوح کی حالت کی منظر کشی ہوتی ہے کہ سخاوت کرتے وقت اس کی خوشی سے مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقص کرتی ہے۔
ایک شاعر ممدوح کی سخاوت بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیاہے۔

وَأَقْبَلَ يَمشِي فِي البِسَاطِ فَمَا دَرَى..إلىٰ البَحرِ يَسعى أَمْ إلى البَدْرِ يرْتَقي

ترجمہ: وہ فرش پر چلتے ہوئے آرہا تھا تو اسے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ سمندر کے پاس جارہاہے یا چودھویں کے چاند کی طرف چڑھ رہاہے۔

اس شعر میں متنبی سیف الدولہ کے پاس روم کے قاصد کے آنے کی حالت بیان کررہاہے تو وہ ممدوح کی سخاوت کو استعارہ تصریحیہ میں بیان کررہاہے اورآپ جانتے ہیں کہ استعارہ تشبیہ کو جان بوجھ کر بھولنے پر مبنی ہوا کرتاہے اور استعارہ میں مبالغہ بہت زیادہ ہوتاہے اور دلوں پر اس کا اثر بھی بہت زبردست ہوتاہے۔

ایک شاعر ممدوح کی سخاوت یوں بیان کرتاہے۔

دَعوتُ نَدَاهُ دعوةً فأجابَنِي وعَلَّمنِي إحسانُهُ كَيْفَ آمُلهْ

ترجمہ: میں نے اس کی سخاوت کو پکارا تو اس نے مجھے جواب دیا اور اس کے احسان نے مجھے سکھا دیا کہ میں اس سے کیسے امید رکھوں۔

اس میں شاعر ممدوح کی سخاوت اور اس کے احسان کو انسان سے تشبیہ دے رہاہے، پھر مشبہ بہ کو حذف کرکے اس کی طرف اس کے ایک لازم سے اشارہ کررہاہے، یہ بھی مبالغہ کی ایک قسم ہے جس کے لیے استعارہ لایا جاتاہے۔

ایک شاعر نے یہ اسلوب اختیار کیاہے۔

ما زِلْتَ تُتْبِعُ ما تُولي يَداً بيَدٍ حتى ظَنَنْتُ حَياتي مِنْ أَيَادِيْكَا

ترجمہ: آپ برابر ہاتھوں ہاتھ مسلسل احسانات کرتے رہے یہاں تک کہ میں اپنی زندگی کو بھی آپ کے احسانات وعطایا کا حصہ گمان کرنے لگا۔

اس شعر میں شاعر تشبیہ اور استعارہ سے مجاز مرسل کی طرف عدول کررہاہے اور کلمہ ''یَد'' بول کر نعمت مراد لے رہاہے، کیونکہ ہاتھ نعمت کا آلہ اور سبب ہے۔

ایک شاعر ممدوح کی سخاوت کو یوں بیان کررہاہے۔

أَعَادَ يَوْمُكَ أيامِي لِنَضْرَتِهَا واقْتَصَّ جودُك مِنْ فَقرِي وإعْسَارِي

ترجمہ: تیرے نصیبہ والے دن نے میرے دنوں کی خوشحالی کو لوٹا دیا اور میری احتیاجی اور تنگ دستی سے تیری سخاوت نے قصاص لیا۔

اس شعر میں شاعر نے مجاز عقلی کے طور پر فعل کی ''یَوم'' اور ''جُوْد'' کی طرف نسبت کررہاہے۔

ایک شاعر نے ممدوح کی سخاوت بیان کرتے یہ اسلوب اختیار کیاہے۔

فما جازَهُ جُودٌ ولا حَلَّ دونَه ولٰكنْ يصيرُ الجودُ حيثُ يصيرُ

ترجمہ: سخاوت ممدوح سے کبھی نہیں ہٹی ہے اور نہ ممدوح کے علاوہ کے پاس گئی ہے، بلکہ سخاوت وہاں جاتی ہے جہاں ممدوح جاتا ہے۔

یہاں شاعر ممدوح کی طرف سخاوت کی نسبت سے کنایہ کررہا ہے اور یہ دعوی کررہا ہے کہ سخاوت ہمیشہ ممدوح کیساتھ چلتی ہے، اس لیے کہ اس نے ممدوح پر سخاوت کا حکم لگانے کے بجائے یہ دعوی کیا کہ سخاوت اس کیساتھ چلتی ہے وہ جہاں جاتا ہے۔ یہ کنایہ بلاغت میں دل پر اثر کرنے میں اور معنی کی اچھی منظر کشی میں اس سے بڑھ کر ہے جس کو سامع کلام کی بعض دوسری قسموں میں محسوس کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپ کو مذکور مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ کسی انسان کی صفت سخاوت کو گیارہ طریقوں سے بیان کیا جا سکتا ہے، جن میں ہر ایک طریقہ کا ایک حسن وجمال اور دلکشی ہے، اگر ہم چاہیں تو اسی مفہوم کو دوسرے بہت سے اسالیب میں ادا کر سکتے ہیں، اس لیے کہ شاعروں اور ادیبوں کو اسالیب ومعانی ادا کرنے میں ایسی مہارت اور کمال حاصل ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔

یہی مختلف اسالیب جن سے ایک معنی کو ادا کیا جاتا ہے یہ علم بیان کا موضوع ہے اور میرے خیال سے آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہوگی کہ ان نادر اسالیب کو ڈھالنے کی قدرت علم بیان پر موقوف ہے، اس لیے کہ کسی چیز کو اچھے اسلوب سے تعبیر کرنا بلاغت کے اصول وقواعد پڑھنے پر موقوف نہیں ہے، بلکہ آدمی ایک اچھا انشاپرداز، یا ایک شعلہ بیان مقرر، ادبی کتابوں کو بکثرت پڑھنے، عربوں کے ادبی آثار کو یاد کرنے سے، اشعار پر تنقید کرنے اور ان کو سمجھنے سے، فنی نثر کے مطالعے اور اس کے اسرار ورموز کو سمجھنے کا ذوق پیدا کرنے سے بھی ہو جاتا ہے اور اس سے اس کے اندر کلام کو اچھے اور عمدہ انداز سے پیش کرنے کا راسخ ملکہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی سلیم طبعیت اور حساس فطرت کا اس ملکہ کیساتھ ہونا اس ملکہ کے لیے معین ومددگار ہو جاتا ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود ہم علم بیان اور اس کے قوانین سے واقفیت کے فائدہ کا انکار نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ علم بیان اسالیب کے درمیان فرقوں کی تفصیل کے سبب اسالیب کی اقسام کو جاننے کے لیے ایک صحیح میزان ہے، ہر ایک اسلوب کی تلاش وجستجو کے لیے باریک ادبی تحقیق ومطالعہ ہے[1]۔

---

(1) الرحمۃ الواسعۃ: ۲۲۶-۲۳۱، البلاغۃ الواضحۃ: ۱۶۲، جواہر البلاغۃ: ۲۹۴۔

فنِ ثالث:

علم البدیع

مبادیاتِ فن

بدیع کا لغوی مفہوم:

"بدیع" لغت میں "بدع یبدع" باب "سمع" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی کسی بات کو اپنی طرف سے گھڑ لینا، بغیر نمونہ کے کوئی چیز بنانا، ایجاد کرنا، بے مثال اور انوکھی صفت کا حامل ہونا۔ اور اسی سے "بدیع" اللہ تعالی کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے، قرآن مجید میں ہے۔" بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ " (البقرۃ:۱۱۷)وہی آسمانوں اور زمین کو بلا کسی نمونہ پیدا کرنے والی ذات ہے۔ نیز اسی مادہ سے "بدعت" بھی ہے جس کے معنی یہ ہے کہ دین میں عبادت کے تصور سے کوئی ایسا عمل پیدا ایجاد کرنا جس کی نظیر دین اسلام میں نہ پائی جاتی ہو۔ ایسے شخص کو اردو میں بدعتی اور عربی میں مبتدع کہتے ہیں۔ اس علم کو بدیع اس لیے کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے کلام کو محسناتِ بدیعہ سے مزین کر لیتا ہے تو گویا اس کا وہ کلام نے مثال اور انوکھا ہو جاتا ہے، نیز یہ لفظ بٹی ہوئی رسی کے معنی میں بھی آیا ہے گویا وہ کلام جس کا تزئین وجودہ محسنہ بدیعہ کے ذریعہ تام ہو جائے وہ ایسا ہے جیسے تلڑ بٹی ہوئی رسی کہ مضبوط بھی ہوتی اور خوبصورت بھی۔

بدیع کا اصطلاحی مفہوم:

علم بدیع وہ علم ہے جس سے مطابقتِ مقتضی حال اور وضوحِ دلالت کی رعایت کے بعد کلام کے محسناتِ لفظیہ ومعنویہ معلوم ہوں، یعنی بدیع وہ علم ہے جس سے چند امور ایسے معلوم ہو جاتے ہیں جو خوبی کلام کا باعث ہوتے ہیں، مگر اول اس بات کی رعایت ضرور ہے کہ کلام مقتضی حال کے مطابق ہو اور اس کی دلالت مقصود پر خوب واضح ہو، کیونکہ ان دونوں خوبیوں کے بعد ہی کلام میں محسنات سے حسن وخوبی آسکتی ہے ورنہ بغیر ان امور کی رعایت کے علم بدیع پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے بد شکل عورت کو عمدہ لباس اور زیور پہنا دینا۔ یہی وجہ ہے کہ علم بدیع کے مرتبہ علم معانی اور علم بیان کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یوں تعریف کی ہے کہ علم بدیع وہ علم ہے جس سے کلام کی لفظی اور معنوی خوبیاں دریافت ہو سکیں۔

علم بدیع کا موضوع:

محسناتِ لفظیہ اور محسنات معنویہ کے اعتبار سے تراکیبِ بلغاء اس علم کا موضوع ہے۔

علم بدیع کی غرض وغایت:

فصیح اور مقتضیٰ حال کے مطابق کلام میں زیادہ حسن پیدا کرنے کے طریقے معلوم کرنا،یعنی کلام کو زیورِ حسن سے آراستہ کرنا۔

علم بدیع کی تدوین:

علم بدیع پر جو کتاب سب سے پہلے تالیف ہوئی وہ ابو العباس عبد اللہ بن معتز عباسی (م۲۹۶ھ) کی "البدیع فی البدیع" ہے، موصوف نے اس علم کو ایجاد کیا ہے اور اسی نے اس علم کا نام بدیع تجویز کیا ہے، خود انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے فنِ بدیع کو جمع نہیں کیا ہے، موصوف کی یہ کتاب علم بدیع کی سترہ انواع پر مشتمل ہے۔ ان کے بعد ابو الفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ (م۳۳۷ھ) نے مزید تیرہ انواع کا اضافہ کرکے انواع بدیع کو تیس تک پہنچایا۔ آپ کی "نقدالنثر"، "نقدالشعر" اور "جواھر الالفاظ" بڑی لاجواب اور عدیم النظیر کتابیں ہیں۔ علامہ ابن قدامہ کے بعد ابو ہلال حسن بن عبد اللہ بن سہل عسکری (م۳۹۵) نے تیس انواع پر سات کا مزید اضافہ کرکے انواع بدیع کو سینتیس تک پہنچایا۔ موصوف کی کتاب "الصناعتین" اپنی موضوع کے اعتبار سے بے نظیر کتاب ہے۔ علامہ عسکری کے بعد قاضی ابو بکر محمد بن طیب باقلانی (م۴۰۳ھ) نے "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک لاجواب کتاب تصنیف کی، جس میں موصوف نے صنائع کی خوب وضاحت کی اور ہر ایک صنعت کو ذکر کرنے کے بعد اس کی مثالیں اور شواہد ذکر کیے۔ علامہ باقلانی کے بعد علامہ ابو علی حسن بن رشیق ازدی (م۴۵۶ھ) نے اپنی کتاب "العمدة فی محاسن الشعر وآدابہ" میں مزید انواع کے استخراج سے انواع بدیع کو ستر تک پہنچایا ہے۔ علامہ رشیق ازدی کے بعد علامہ ابن ابی الاصبع مصری (م۶۵۴ھ) نے اس موضوع پر چالیس کتابوں کا مطالعہ کرکے ایک کتاب "تحریر التحبیر فی علم البدیع" کے نام سے تصنیف کی، جس میں انہوں نے بیس مزید انواع کا اضافہ کیا۔ اور انواع بدیع کی تعداد نوے تک پہنچائی ہے۔ علامہ ابن ابی الاصبع کے بعد علامہ ابو المظفر ابن منقذ شیر ازی (م۵۸۴ھ) نے "التفریع فی البدیع" کے نام سے کتاب لکھی جس میں انہوں نے بدیع کے پچانوے انواع کو جمع کیا اور جب علامہ تقی الدین ابن حجہ حموی (م۸۳۷ھ) کا زمانہ آیا تو انہوں نے "خزانة الادب" میں ایک سو بیالیس انواع بدیع ذکر کیے[1]۔

---

[1] عروس الافراح:۲/۳۰۸، مقدمہ البدیع فی البدیع:۴۵، قرة العیون:۱۲۶۔

مقدمہ

علم بدیع میں اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ الفاظ کے معنی اور صوری حُسن اور ان کے طریقے کیا ہیں اور وہ کون سی خوبیاں ہیں جس کے ذریعہ کلام کی معنوی اور ظاہری خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے ان کو صنائع معنوی کہا جاتا ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ کلام کی ان خوبیوں کا مطالعہ کیا جائے جو کلام میں معنوی اضافہ اس قدر نہیں کرتیں، جس قدر کہ ضائع معنوی کے ذریعہ کلام میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن اس سے الفاظ میں جدت، تازگی اور ندرت پیدا ہو جاتی ہے، انہیں صنائع لفظی کہتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ صنائع میں مضمون کا بروقت اور بر محل ہونا الفاظ کا مضمون سے پوری طرح مطابقت رکھنا بیان یعنی تشبیہات واستعارات وغیرہ کا موزوں ترین استعمال اور تکلف سے عاری بدیعیات کا اہتمام اور اس کے ساتھ اسلوب میں بے ساختگی وغیرہ جیسے تمام عناصر اس میں شامل ہیں۔ مضمون کی برجستگی سے مراد جو خیال پیش کیا جائے وہ اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے یا اپنے زمان ومکان کی حدود سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو۔ اور کلام میں استعمال شدہ الفاظ میں ہم آہنگی اور ایسی چستی پائی جائے کہ اگر ایک لفظ بھی اس میں سے خارج کر دیا جائے تو معنی میں خلل واقع ہو جائے۔ اسی طرح موضوع اور طرزِ بیان میں بھی پوری مطابقت ہونی ضروری ہے تاکہ دونوں باہم مربوط ہو کر ایک وحدت بن جائیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ کلام میں صنائع سے حسن تب پیدا ہو گا جب ان کا استعمال ایک حد تک رہے اور ان کا بے جا استعمال سے گریز کیا جائے، اسی وجہ سے علامہ ابو جعفر اندلسی نے کہا ہے کہ کلام میں انواعِ بدیع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک یا حسین گال پر تل کہ جب تک معتدل رہے تو بہتر ثابت ہو اور جب حد سے بڑھ جائے تو بُرا نظر آئے، بس! اسی طرح علم بدیع ہے کہ اس کی کثرت سے طبعتیں اکتا جاتی ہیں[1]۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صنائع کو محسنات بھی کہتے ہیں، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

ا۔۔۔ محسناتِ معنویہ کی تعریف:

محسنات معنویہ سے مراد وہ صنعتیں ہیں جن کے ذریعہ کلام کی معنوی اور ظاہری خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے، یعنی جن کیساتھ کلام کے معنی میں اولاً وبالذات حسن پیدا ہو اور ثانیاً اس سے الفاظ میں بھی خوبصورتی پیدا ہوتی ہو، جیسے

---

[1] نیل الامانی: ۲/ ۳۵۰۔

مثلاًطباق کی اس مثال میں ہے-"يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ"(البقرة:۷۷) یہاں اگر مذکورہ الفاظ کے مترادفات اور ہم معنی الفاظ ذکر کرکے یوں کہاجاتاکہ"يعلم ما يخفون وما يظهرون"توکلام میں یہ ظاہری اور معنوی حسن اور خوبصورتی باقی نہ رہتی۔

۲۔۔۔۔محسناتِ لفظیہ کی تعریف:

محسناتِ لفظیہ سے مراد وہ صنعتیں ہیں جن کے ذریعہ کلام کی ظاہری اور معنوی خوبصورتی میں اضافہ ہواور الفاظ میں جدت ، تازگی اور ندرت پیدا ہو۔یعنی وہ صنائع ہیں جن سے الفاظ کے اندراولاًوبالذات حسن پیدا ہو، اورثانیاًاس سے معنی میں بھی خوبصورتی پیدا ہوتی ہو۔جیسے جناس کی اس مثال میں ہے۔﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ "السَّاعَةُ" يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ "سَاعَةٍ"﴾[الروم:۵۵] اس آیت میں پہلی ﴿سَاعَة﴾ سے قیامت مراد ہے اور دوسری ﴿سَاعَة﴾ سے گھڑی مراد ہے۔یہاں اگر مذکورہ الفاظ کے مترادفات اور ہم معنی الفاظ ذکر کرکے یوں کہاجاتاکہ"ويوم تقوم الساعة يقسم المجرمون ما لبثوا إلا قليلا "توکلام میں یہ حسن اورخوبصورتی باقی نہ رہتی۔

حصہ اول: محسناتِ معنویہ

محسناتِ معنویہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ مایتعلق باجزاء الکلام ۲۔ مایتعلق بمضمون الکلام

(الف)۔۔۔مایتعلق باجزاء الکلام:

یہ درج ذیل سات ابواب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اول: جمع الضدین

بابِ دوم: جمع المتناسبین

بابِ سوم: لفظ ذو المعنیین

بابِ چہارم: ذکر المتعددات

بابِ پنجم: اطراف الجملة

بابِ ششم: اثباة الصفة

بابِ ھفتم: حسن الکلام۔

(ب)۔۔۔ مایتعلق بمضمون الکلام:

یہ درج ذیل دوابواب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اول: تحسین المضمون

بابِ دوم: اثباة المضمون۔

حصہ دوم: محسنات لفظیہ

محسناتِ لفظیہ درج ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اول: مایتعلق بتشابه اللفظین

بابِ دوم: مایتعلق بتحسین الکلمة

بابِ سوم: مایتعلق باختتام الفِقرة

بابِ چہارم: مایتعلق بتحسین الکلام

بابِ پنجم: السرقات الشعریة

حصہ اول: محسناتِ معنویہ

محسناتِ معنویہ کی دو قسمیں ہیں:۔
۱۔ مایتعلق باجزاء الکلام ۲۔ مایتعلق بمضمون الکلام

(الف)۔۔۔مایتعلق باجزاء الکلام:
یہ حصہ درج ذیل سات ابواب پر مشتمل ہے:۔
بابِ اول: جمع الضدین.
بابِ دوم: جمع المتناسبین.
بابِ سوم: لفظ ذو المعنیین.
بابِ چہارم: ذکر المتعددات.
بابِ پنجم: اطراف الجملة.
بابِ ششم: اثباة الصفة.
بابِ ہفتم: حسن الکلام.

(ب)۔۔۔مایتعلق بمضمون الکلام:
یہ درج ذیل دو ابواب پر مشتمل ہے:۔
بابِ اول: تحسین المضمون.
بابِ دوم: اثباة المضمون.

بابِ اول: جمع الضدین

جمع الضدین کا مطلب یہ ہے کہ جس میں دو متضاد چیزوں کو جمع کیا گیا ہو۔ اس کی درج ذیل تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ طباق ۲۔ تدبیج ۳۔ مقابلہ

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

ا۔۔طباق کی تعریف:

طباق کے لغوی معنی ہیں: منطبق کرنا، ملانا، برابر ویکساں کرنا" طابَقَ الشيءَ على الشيءِ مُطابقةً وطباقاً" کا معنی ہے ایک شئ کو دوسری شئ پر منطبق کرنا اور اس کیساتھ ملا دینا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے معنوں کو جمع کرنا جو ایک دوسرے کے ضد و مقابل ہوں [۱]، جیسے ﴿وَتَحْسَبُهُمْ "أَيْقَاظًا "وَّهُمْ "رُقُوْدٌ﴾ [الکهف:۱۸] اس میں "ایقاظ" اور "رقود" کو جمع کیا گیا ہے اور یہ معناً ایک دوسرے کے ضد اور مقابل ہیں۔ اس کو صنعتِ تضاد، مطابقت اور تقابل الضدین بھی کہتے ہیں [۲]۔

---

[۱] تقابل کی چار قسمیں ہیں:۔

ا۔ تقابل تضاد ۲۔ تقابل تضایف ۳۔ تقابل عدم و ملکہ ۴۔ تقابل ایجاب و سلب۔

ا۔۔ تقابل تضاد: یہ ہے کہ متقابلین وجودی ہوں اور ان میں سے ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف نہ ہو، جیسے: سیاہی اور سفیدی، گرمی اور سردی۔

۲۔۔۔ تقابل تضایف: یہ ہے کہ متقابلین وجودی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے: ابوت و بنوت۔

۳۔۔۔ تقابل عدم و ملکہ: یہ ہے کہ متقابلین میں سے ایک وجودی ہو اور دوسرا عدمی اور عدمی میں وجودی کی صلاحیت ہو، جیسے بینا اور نابینا۔ اول وجودی ہے اور دوم عدمی کیوں کہ اس کے مفہوم میں "نا" داخل ہے، مگر نابینا وہی کہلاتا ہے جو بینا ہو سکتا ہو، دیوار کو نابینا کوئی نہیں کہتا۔

۴۔۔۔ تقابل ایجاب و سلب: یہ ہے کہ متقابلین میں سے ایک وجودی ہو اور دوسرا عدمی، اور عدمی میں وجودی کی صلاحیت نہ ہو، جیسے انسان اور لا انسان، اول وجودی ہے دوم عدمی، کیوں کہ اس کے مفہوم میں "لا" داخل ہے اور لا انسان جیسے فرس، بقر، غنم وغیرہ ہمیشہ لا انسان ہی رہیں گے، وہ کبھی بھی انسان نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح" زید إنسان" اور" زیدلیس بإنسان" پہلا قضیہ موجبہ ہے، اس لیے وجودی ہے اور دوسرا سالبہ ہے، اس لیے عدمی ہے، اور سالبہ ہمیشہ سالبہ ہی رہے گا، وہ موجبہ نہیں ہو سکتا۔

[۲] تضاد کی دو قسمیں ہیں:

ا۔۔ تضاد مستقل: اس سے مراد الفاظِ متباینہ کا ازرُوئے معنیٰ دوامی طور پر باہم متضاد ہونا، جیسے مرد و زن، اور یہ جنسی تضاد ظاہر ہے ازل تا ہنوز رہا اور ہنوز تا ابد رہے گا، اس کی مثال دیکھیے:

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟

طباق کی اقسام وانواع

ایک کلمہ کے اعتبار سے طباق کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔ **طباق بین الاسمین:** دو اسموں کے درمیان طِباق ہو، جیسے﴿وَتَحْسَبُهُمْ "أَيْقَاظًا "وَّهُمْ "رُقُوْدٌ"﴾ [الکھف:۱۸]وایضاً: ﴿وَمَا يَسْتَوِي "الْأَعْمٰى" وَ"الْبَصِيْرُ"* وَلا "الظُّلُمٰتُ"وَلا "النُّوْرُ"*﴾[فاطر:۱۹-۲۰]پہلی آیت میں"ایقاظ"اور"رقود" دونوں اسم ہیں اور دونوں میں معنی ومفہوم کے اعتبار سے طباق ہے اور ثانی الذکر آیت میں"اعمی"اور"بصیر" "ظلمات" اور"نور"اسم ہیں اوران میں معنی ومفہوم کے اعتبار سے طباق ہے۔

۲۔۔۔ **طباق بین الفعلین:** دو فعلوں کے درمیان طِباق ہو، جیسے:﴿"وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا"﴾[النجم:٤٤]، وایضاً : ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ [اٰل عمران:۲۶]اول الذکر آیت میں دوفعلوں"امات"اور"احیاء"کے درمیان تضاد ہے اور ثانی الذکر آیت میں بھی دوفعلوں"تُؤْتِي"اور"تَنْزِعُ"اور"تُعِزُّ"اور"تُذِلُّ"کے درمیان تضاد ہے۔

۳۔۔۔**طباق بین الحرفین:** دو حرفوں کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَها، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرۃ:۲۸۶] اس آیت میں دو حرفوں"لام"اور"علی"کے درمیان تضاد ہے۔

اس کے مصرعۂ اوّل میں"خیر و شر" دو باہم مخالف المعنیٰ الفاظ ہیں اور شعر میں بھی اسی تضاد کی ترجمانی کی گئی ہے، اور یہ مسلَّم ہے کہ خیر وشر کی یہ کشمکش ازل سے چلی آرہی ہے اور ابد تک رہے گی، اس لحاظ سے یہ تضادِ دائمی ہو گا۔

۲۔۔۔ تضاد غیر مستقل: اس سے مراد الفاظِ متناقضہ کا اتفاقی وعارضی طور پر باہم متضاد ہونا، جیسے بہادری وبزدِلی، ظاہر ہے کہ ایک بہادر شخص بہر حال بہادر نہیں ہو تا بلکہ وہ اپنے سے مافوق کے لیے شاید بزدل ہو، اسی طرح ایک بزدل انسان ہر حال میں بزدل نہیں رہتا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اپنے سے کمزور کے لیے بہت شجاع ہو، اس کی بہت سی مثالیں ہیں: تعمیر وتخریب، آسانی ودشواری، سردی وگرمی۔ شعر کی صورت میں اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں کہ:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

اس کے دوسرے مصرعے میں"آسانیاں اور دشواریاں" دونوں الفاظ باہم متضاد المعنیٰ ہیں، اور ظاہر ہے کہ آسانی اور دشواری مستقل نہیں ہوتی بلکہ وقتی ہوتی ہے، اس لحاظ سے یہ تضادِ عارضی ہو گا۔

۴۔۔۔طباق بین الاسم والفعل: ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان طباق ہو، جیسے:﴿أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ﴾ [الأنعام:۱۲۲] ﴿رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ [البقرة:۲۶۰] اول الذکر میں ﴿مَيْتًا﴾ اسم اور ﴿أَحْيَيْنَا﴾ فعل کے درمیان تضاد ہے اور ثانی الذکر آیت میں ﴿تحي﴾ فعل اور ﴿اَلْمَوْتٰى﴾ اسم کے درمیان تضاد ہے۔

نسبت کے اعتبار سے طباق کی تقسیم

نسبت کے اعتبار سے طِباق کی دو قسمیں ہیں:۔
۱۔ طباقِ ایجابی ۲۔ طباقِ سلبی۔

۱۔۔۔طِبَاقِ اِیجَابِیْ کی تعریف:

"ایجاب" بابِ افعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: اثبات اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ طباق ایجابی وہ ہے جس میں دو معنوں کے درمیان تضاد ہو اور دونوں مثبت ہوں، یا دونوں منفی ہوں، یعنی اس میں ایجاب و سلب کا اختلاف نہ ہو، جیسے: ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى * وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا﴾ [النجم:۴۴-۴۳] ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ [الاعلیٰ:۱۳] اول الذکر آیت میں ﴿اَضْحَكَ - وَاَبْكٰى، اَمَاتَ - اَحْيَا﴾ دونوں فعل مثبت ہیں اور ان میں معانی کے اعتبار سے تضاد ہے اور ثانی الذکر آیتِ میں ﴿لَا يَمُوْتُ - لَا يَحْيٰى﴾ دونوں فعل منفی ہیں اور ان میں بھی معانی کے اعتبار سے تضاد ہے (۱)۔

۲۔۔۔طِبَاقِ سَلْبِیْ کی تعریف:

"سلب" لغت میں نفی کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ طباقِ سلبی وہ ہے جس میں ایجاب و سلب کا اختلاف ہو، یعنی ایک معنی مثبت ہو اور دوسرا منفی ہو، خواہ ایک مصدر کے دو فعلوں کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿يَسْتَخْفُوْنَ

---

(۱) اردو میں تضادِ ایجابی کی مثال۔ تضاد ایجابی اُس وقت جنم لیتی ہے جب کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال ہو جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثلاً: دن اور رات، صبح شام، ہجر و وصال وغیرہ۔ اس کی شعری مثال ملاحظہ ہو کہ:

یہ جبر مرگِ مسلسل ہی زندگی ہے منیرؔ
جہاں میں اس پہ کبھی اختیار کس کا تھا

اس شعر میں "جبر" کا متضاد "اختیار" اور "مرگ" کا متضاد "زندگی" ہے۔ اس طرح صنعت تضاد ایجابی ظاہر ہوتی ہے۔

مِنَ النَّاسِ وَلاَيَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ [النساء:۱۰۸]۔یاامر و نہی کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿فَـ"لا تَقُلْ" لَّهُمَا أُفٍّ وَلاتَنْهَرْهُمَا وَ"قُلْ "لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا﴾ [الإسراء:۲۳] ﴿فَـ"لاتَخْشَوُا" النَّاسَ وَ"اخْشَوْنِ﴾[المائدة:۴۴]۔اول الذکر آیت میں ﴿يَسْتَخْفُوْنَ﴾اور﴿وَلاَيَسْتَخْفُوْنَ﴾کے درمیان تضاد ہے اور ثانی الذکر میں ﴿لاتَقُلْ﴾ منفی اور﴿قُلْ﴾مثبت کے درمیان تضاد ہے اورآخری آیت میں ﴿لاتَخْشَوُا﴾ نہی اور﴿اخْشَوْنِ﴾امر کے درمیان اثبات و نفی کا اختلاف ہے[1]۔

وضوح وخفاء کے اعتبار سے طباق کی تقسیم

طباق کی وضوح و خفاء کی اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔طباقِ جلی ۲۔طباقِ خفی

۱۔۔۔طباقِ جلی کی تعریف:

"جلی" لغت میں واضح،روشن اور ظاہر کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ طباق جلی وہ ہے جس میں نثر یا شعر میں دو متضاد چیزوں کو جمع کیا گیاہو،جیسے:﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾[البقرة:۱۶] ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً، وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ [التوبة:۸۲] ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾]البقرة:۲۸۶] ﴿رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ [البقرة:۲۶].پہلی آیت میں ہدایت وضلالت متضاد اسموں کو جمع کیا گیاہے،دوسری آیت میں ﴿لِيَضْحَكُوْا﴾اور ﴿لِيَبْكُوْا﴾متضاد فعلوں کو اور﴿قَلِيْلاً﴾اور﴿كَثِيْرًا﴾دو

---

[1] اردو میں تضادِ سلبی یہ ہے کہ کلام میں دو ہم مصدر افعال یا مماثل اسماء استعمال کیے جائیں مگر ان میں سے ایک فعل یا اسم پر حرفِ نفی داخل کیا گیاہو .مثلاً: سمجھ اور ناسمجھ، بینا اور نابینا، کر اور مت کر وغیرہ۔اس کی شعری مثال ملاحظہ ہو کہ:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے،نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ شعر مرزا غالب کا ہے،اس میں تضادِ سلبی کی یہ امثلہ دیکھیں کہ ایک ہی فعل ہی دو دو صورتیں ہیں، مگر ایک مثبت اور دوسرا حرفِ نفی کیساتھ منفی :نہ تھا–تھا،نہ ہوتا –ہوتا۔

یادرہے کہ تضاد سلبی میں افعال یا اسماء لفظاً ومعناً مماثل یا فقط معناً مترادف ہوتے ہیں اور حرفِ نفی کے ذریعے تضاد پیدا کیا جاتا ہے اور تضاد ایجابی نفی کے بغیر دو متضاد المعنیٰ الفاظ کے ذکر کا نام ہے۔

اسموں کو جمع کیا گیا ہے اور تیسری آیت میں ”لام“ (انتفاع) اور ”علی“ (اضرار) متضاد حرفوں کو جمع کیا گیا ہے، اور چوتھی آیت میں دو متضاد اسم اور فعل کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔طباق خفی کی تعریف:

”خفی“ لغت میں مستور، پوشیدہ اور چھپی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ طباق خفی وہ ہے جس میں ایک معنی کو اس کے مقابل کے ساتھ تو جمع نہ کیا گیا ہو، بلکہ ایک معنی کو اس کے مقابل کے متعلّق کے ساتھ جمع کیا گیا ہو، جیسے:﴿قَالُوْا مَا أَنْتُمْ إِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلاَّ ”تَكْذِبُوْنَ“* قَالُوْا” :رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾[یٰس:۱۶-۱۵]”أي: ربُّنا يعْلمُ إنَّا لصَادِقوْن“،اس آیت میں کذب کے مقابلے میں صدق مذکور نہیں، البتہ صدق کا متعلق یعنی:”رسول ہونا“﴿إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ کے ذریعے بیان کیا اور کذب کے بالمقابل رسالت کو لا کر لطیف اشارہ فرمایا کہ رسول ہمیشہ سچے ہی ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر: بلغاء حضرات کے نزدیک تضاد ضد اور نقیض دونوں کو شامل ہے جب کہ مناطقہ ضدین اور نقیضین میں فرق کرتے ہیں کہ ضدین میں اجتماع محال اور ارتفاع ممکن ہوتا ہے، جیسے سواد وبیاض۔ یہ دونوں ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتیں، لیکن دونوں مرتفع ضرور ہو سکتی ہیں۔ اور متناقضین میں اجتماع اور ارتفاع دونوں محال ہوتے ہیں جیسے: موت وحیات اور لیل ونہار وغیرہ۔

قاعدہ نمبر: طباق ایجاب وسلب، طباق تضاد، طباق عدم وملکہ، طباق تضایف کو تقابل حقیقی کہتے ہیں [۱]۔

قاعدہ نمبر: صنعتِ طباق اس کو کہتے ہیں کہ کلام واحد میں دو ایسے معنوں کو جمع کیا جائے جن میں فی الجملہ تقابل ہو خواہ تقابل حقیقی ہو، جیسے قدم اور حدوث میں تقابل ہے کہ یہ دونوں ایک ذات میں بالکل جمع نہیں ہو سکتے ہیں، یا تقابل اعتباری ہو، جیسے احیاء اور اماتت کہ ان دونوں کے درمیان کوئی تقابل حقیقی نہیں ہے اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالی کے فعل خلق ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے۔”خلق الموت والحياة“، لیکن ان دونوں کے درمیان اعتباری فرق ہے کہ احیاء کا تعلق حیاۃ کیساتھ ہوتا ہے اور اماتت کو تعلق موت کیساتھ ہوتا ہے اور موت وحیات میں تقابل تضاد ہے کہ یہ دونوں ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں [۲]۔

طباق کی چند مثالیں:

---

[۱] الخلاصۃ فی علوم البلاغۃ:۵۷۔

[۲] البلاغۃ العربیۃ:۲/۳۸۱۔

اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ، هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا، ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَال، وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا، وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ، وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً، فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا، وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ، وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ، وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ. أبو الحسنِ صفيُّ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم وابنُهُ حبيبُه. مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ، ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ، أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ.

۲۔۔۔تدبیج کی تعریف:

تدبیج باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: مزین ہونا، خوبصورت ہونا، جیسے عربی محاورہ ہے۔"دبج المطر الارض" (بارش نے زمین کو خوبصورت اور سرسبز وشاداب کرلیا) اور اصطلاح میں تدبیج اس کو کہتے ہیں کہ مدح یا غیر مدح میں کنایہ یا توریہ کی غرض سے دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کیا جائے، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ [فاطر:۲۷]۔ اس آیت میں بعض مفسرین کے بقول واضح راستہ کو جادۂ بیضاء سے، مشتبہ راستہ کو جادۂ سوداء سے، اور درمیانی راستے کو جادۂ حمراء سے کنایہ کیا گیا ہے۔ بہ ہر حال آیت میں " بِيْضٌ، حُمْرٌ"، اور " سُوْدٌ" کے ذریعے مختلف راستوں کا کنایہ کیا گیا ہے۔

تدبیج کی دو صورتیں ہیں:۔

۱۔ تدبیج الکنایہ ۲۔ تدبیج التوریہ

۱۔۔۔تدبیج الکنایہ کی تعریف:

وہ تدبیج ہے جس میں کنایہ کے طور پر دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کیا جائے، جیسے ابو نہشل محمد بن حمید کے مرثیہ میں ابو تمام کا یہ شعر ہے۔

تَرَدّى ثِيابَ المَوتِ حُمرًا فَما أَتى لَها اللَيلُ إِلّا وَهيَ مِن سُندُسٍ خُضر

ممدوح نے موت کے سرخ کپڑے پہن لیے، ان کپڑوں پر رات نہیں آئی تھی کہ وہ سبز باریک ریشم کے بن گئے۔

اس شعر میں شاعر نے "حمراً" سرخ رنگ کو قتل سے کنایہ کیا ہے اور "سندس خضر" کو دخول جنت سے کنایہ کیا ہے۔

۲۔۔۔تدبیج التوریہ کی تعریف:

وہ تدبیج ہے جس میں توریہ کے طور پر دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کیا جائے، جیسے حریری کا قول ہے:«فمذ ازور المحبوب الأصفر، واغبر العيش الأخضر اسود يومى الأبيض، وابيض فودى الأسود، حتى رثى لنا العدو الأزرق، فحبذا الموت الأحمر». "جب سے میری زندگی گرد آلودہ ہوئی ہے اور زرد رنگ کے محبوب نے منہ پھیر لیا ہے تو میرا روشن دن سیاہ بن چکا ہے اور میرے کنپٹیوں کے سیاہ بال سفید ہوگئے، یہاں تک کہ سخت جان دشمن بھی مجھ پر رحم کھانے لگا، کیا ہی اچھی ہے سرخ موت!!" اس میں "المحبوب الأصفر" سے دو معنی ہیں: ایک معنی

قریب اور دوسرا معنی بعید۔ معنی قریب زدرنگ کا دوست ہے اور یہ معنی یہاں مقصود نہیں ہے اور معنی بعید: سونے کا دینار ہے اور یہی معنی مقصودی ہے تو حریری نے "المحبوب الأصفر" کہ کر سونے کے دینار سے تدبیج التوریہ کیا ہے اور باقی رنگوں کو کنایہ کے طور پر استعمال کیا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر: تدبیج دراصل طباق ہی ایک قسم ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر: طباق تدبیج بھی دراصل طباقِ جلی ہے، لیکن اس کے رنگوں کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے بُلغاء حضرات اس کو مستقل بیان کرتے ہیں[۳]۔

فائدہ: قدیم عربی اشعار اور محاورات میں تدبیج کی مثالیں شاذونادر ملتی ہیں، جب کہ متاخرین کے کلام میں تدبیج بکثرت پائی جاتی ہے، علامہ ثعالبیؒ نے اپنی کتاب "التوفیق للتلفیق" میں اس پر مستقل باب قائم کیا ہے، اس کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں اور اس کو تلفیق بین ذکر الالوان کے نام سے موسوم کیا ہے[۴]۔

تدبیج کی چند مثالیں:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ، وصل كتاب فاستلمته استلام الحجر الأسود، وتمتعت منه بالعيش الأخضر، وجمعت يدي على الياقوت الأحمر والباز الأبيض وملك بني الأصفر.

قال الشاعر:

والأرض قد برزت لنا في أخضر   في أصفر في أبيض في أحمر

قال المتنبِّي:

أَزُورُهُمْ وَسَوَادُ اللَّيْلِ يَشفَعُ لي   وَأنثَني وَبَيَاضُ الصّبحِ يُغري بي

وقال الشاعر:

من ملك الصفر احمر   لونه واخضر عيشه

---

[۱] بغیۃ الایضاح: ۴/ ۵۷۷۔
[۲] بغیۃ الایضاح: ۴/ ۵۷۷۔
[۳] عروس الافراح: ۲/ ۲۲۹۔
[۴] البلاغۃ: ۳۸۴۔

وقال الشاعر:

قول نعم أحسن من حمر   النعم تحمل بيض النعم

۳۔۔۔۔مقابلہ کی تعریف:

مقابلہ باب مفاعلہ کامصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: آمناسامنا، مٹھ بھیڑ اور ہم پائی۔"قابل الشئ بالشئ" کا معنی ہے: ایک شئ کو دوسری شئ کیساتھ ملانا، آمنے سامنے کرنا اور اصطلاح میں مقابلہ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں اولاً دو یا دو سے زیادہ متوافق معنوں کو ذکر کیا جائے، پھر ترتیب وار اُن کے مقابل معنوں کو لایا جائے، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً، وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا؛ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [التوبة:۸۲]﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى*وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى*فَسَنُيَسِّرُه لِلْيُسْرٰى*وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى* وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى*فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى﴾ [الليل:۱۰-۵] پہلی آیت میں ضحک وقلت کو ذکر کیا گیا ہے پھر اِن کے مقابل بکاء وکثرت کو ذکر کیا گیا ہے اور ثانی الذکر آیت میں" اِعطاء ،اِتقاء، تصديق حسنى،تيسير، يسرى" کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ان کے مقابلات" بخل، استغناء عن الدين، تكذيبِ حسنىٰ ، تيسير عسرىٰ"کو ذکر کیا گیا ہے۔

پھر مقابلہ کی مختلف صورتیں ہیں، چند درج ذیل ہیں:

۱۔۔۔مقابلةواحدةبواحدة: مقابلہ کبھی ایک ایک چیز کا ہوگا، جیسے {لا تأخذه سنة ولا نوم} [البقرة: ۲۵۵].
اس آیت میں "سنة "کا مقابلہ "نوم" کیساتھ ہے۔

۲۔ ۔۔ مقابلة اثنين باثنين: مقابلہ کبھی دو دو چیزوں میں ہوگا، جیسے﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ [التوبة: ۸۲]۔یہاں ضحک اور قلت اور بکاء وکثرت میں مقابلہ ہے۔

۳۔۔۔مقابلةثلاثةبثلاثة: مقابلہ کبھی تین تین چیزوں میں ہوگا، جیسے:﴿"يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ"، وَ"يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ"، وَ"يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ، وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ﴾ [الأعراف: ۱۵۷] یہاں امر کا نہی سے، معروف کا منکر سے اور" تحليلِ طيبات کا تحريمِ خبائث" سے مقابلہ ہے۔

۴۔ ۔۔مقابلة أربعة بأربعة: مقابلہ کبھی چار چار چیزوں میں ہوگا، جیسے ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى* وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى* فَسَنُيَسِّرُه لِلْيُسْرٰى* وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى* وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى* فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى﴾

[اللیل:۱۰-۵]۔یہاں"اِعطاء ،اِتقاء، تصدیق حسنی،تیسیر، یسری" کامقابلہ" بخل، استغناء عن الدین، تکذیبِ حسنیٰ ، تیسیر عسریٰ" سے ہے۔

۵۔۔۔مقابلة خمسة بخمسة: مقابلہ کبھی پانچ پانچ چیزوں میں ہوگا،جیسے﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ * الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾[البقرة۲۶-۲۷] ان آیات میں﴿بَعُوْضَةً ﴾کا﴿ فَمَا فَوْقَهَا﴾کیساتھ۔﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾کا﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾کیساتھ ۔﴿يُضِلُّ﴾کا﴿ يَهْدِيْ﴾کیساتھ۔ ﴿يَنْقُضُوْنَ ﴾کا﴿ مِيْثَاق﴾کیساتھ ۔ اور﴿يَقْطَعُوْنَ ﴾کا ﴿أَنْ يُّوْصَلَ﴾ کیساتھ مقابلہ ہے۔

۶۔۔۔مقابلة ستة بستة: مقابلہ کبھی چھے چھے چیزوں میں ہوگا،جیسے"زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ* قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ*"(ال عمران:۱۴-۱۵)ان آیات میں"النساء"کامقابلہ"جنات" کیساتھ۔"البنین" کامقابلہ "الانہار"کیساتھ۔"الذہب والفضۃ"کامقابلہ"خالدین"کیساتھ"الخیل المسومۃ"کامقابلہ"اَزواج" کیساتھ۔"الانعام"کامقابلہ"تطہیر"کیساتھ اور"الحرث"کامقابلہ"رضوان"کیساتھ کیاگیاہے[1]۔

---

[1] الزیادہ والاحسان فی علوم القرآن:۶/ ۲۵۴-۲۵۵۔

مقابلہ کی اقسام وانواع

مقابلہ کی تین قسمیں ہیں:۔

ا۔نظیری ۲۔نقیضی ۳۔خلافی

ا۔۔۔مقابلہ نظیری کی تعریف:

وہ مقابلہ ہے جس میں متقابلین ایک دوسرے کے نظیر ہوں، جیسے ”لا تأخذه سنة ولا نوم“ [البقرة: ۲۵۵].اس میں ”سنة“ کا مقابلہ ”نوم“ کیساتھ ہے اور یہ دونوں رقود کے انواع ہیں۔

۲۔۔۔مقابلہ نقیضی کی تعریف:

وہ مقابلہ ہے جس میں متقابلین ایک دوسرے کے نقیض ہوں، جیسے {وتحسبهم أيقاظًا وهم رقود}[الکھف: ۱۸]۔اس آیت میں ”ایقاظ“ اور ”رقود“ ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔

۳۔۔۔مقابلہ خلافی کی تعریف:

وہ مقابلہ ہے جس میں متقابلین ایک دوسرے کے خلاف ہوں، جیسے {وأنا لا ندري أشر أريد بمن في الأرض أم أراد بهم ربهم رشدًا} [سورة الجن: ۱۰] اس آیت میں ”شر“ کے مقابلہ میں ”رشد“ لایا گیا ہے اور یہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں، نقیض نہیں اس لیے کہ ”شر“ کی نقیض ”خیر“ آتی ہے اور ”رشد“ کی نقیض ”الغی“ آتی ہے۔

قاعدہ نمبر ا: اہل علم نے طباق اور مقابلہ میں کئی فرق بیان کیے ہیں، ایک فرق یہ ہے کہ طباق متضاد معانی میں ہوتا ہے جب کہ مقابلہ متقابل اور غیر متضاد دونوں معنوں میں متحقق ہو سکتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ طباق کا تصوّر صرف ضدین (ایک ایک) میں ہوتا ہے، جب کہ مقابلہ کا وجود ایک ایک سے بڑھ کر دو دو، تین تین یا زیادہ باہم متوافق معانی اور ان کے مقابلات میں ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: مقابلہ کی سب سے اعلی وابلغ نوع وہ ہے جس میں مقابلات کی تعداد بکثرت ہو، بشرطیکہ یہ کثرت اس حد تک نہ ہو جس میں تکلف وتصنع پائی جاتی ہو[۱]۔

قاعدہ نمبر ۳: علامہ سکاکیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مقابلہ اضداد میں سب سے ابلغ واعلی پایا جاتا ہے[۲]۔

---

[۱] علوم البلاغۃ: ۹۰۔

[۲] علوم البلاغۃ: ۹۰۔

مقابلہ کی چند مثالیں:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ، تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ، فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ، يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ، الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَات، وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ، إنكم لتكثرون عند الفزع وتقلون عند الطمع، ليس له صديق في السر ولا عدو في العلانية، فتىً كان فيه ما يسر صديقه ولكن فيه ما يسوء الأعاديا، وباسط خير فيكم بيمينه وقابض شر عنكم بشماله، ما أحسن الدين والدنيا إذا اجتمعا وأقبح الكفر والأفلاس بالرجل.

بابِ دوم: جمع المتناسبین

یہ باب درج ذیل چھے محسنات معنویہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔مراعاۃ النظیر ۲۔ایہام التناسب ۳۔تشابہ الاطراف ۴۔ارصاد ۵۔مشاکلت۔

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔مُرَاعَاۃُ النَّظِیْرِ کی تعریف:

"مراعاۃ" کا لغوی معنیٰ رعایت رکھنا، لحاظ کرنا ہے اور نظیر لغت میں مانند، مثل یا نمونہ کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ مراعاۃ النظیر وہ صنعت ہے جس میں باہم مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ایک جگہ ذکر کیا جائے اور یہ نسبت تضاد و تقابل کے علاوہ ہو۔یعنی کلام میں دو یا زیادہ باہم مشابہ (متناسب) چیزوں کو جمع کرنا جن میں تضاد نہ ہو،یعنی ایسی چیزوں کا ایک جگہ جمع کرنا جن میں تضاد کی نسبت کے سوا کسی طرح کی مناسبت وموافقت ہو، جیسے ﴿الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ" بِحُسْبَانٍ﴾ [الرحمٰن:۵]﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ "الذَّهَبَ، وَالْفِضَّةَ" وَلا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ﴾ [التوبۃ:۳۴] اول الذکر آیت میں سورج وچاند کو موافقت کی وجہ سے جمع کیا گیا ہے اور ثانی الذکر آیت میں سونا اور چاندی نقدیت میں شریک ہیں، اس لیے انہیں جمع کیا گیا ہے[1]۔

مراعاۃ النظیر کے ملحقات میں سے ایک ایہام التناسب ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ "ایہام" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: وہم ڈالنا اور "تناسب" باب تفاعل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: مناسبت اور مشابہت۔ ایہام التناسب کا معنی ہو گا: مناسبت اور مشابہت کا وہم ڈالنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسے معانی کو جو بذات خود غیر متناسب ہوں ایسے الفاظ کیساتھ جمع کرنا کہ وہ سب یا ان میں سے بعض غیر متناسب ہونے کے باوجود متناسب معنی والے ہوں۔یعنی کسی لفظ کے دو معانی ہوں ایک معنی مرادی اور دوسرا معنی غیر مرادی، ور

---

[1] شعر میں مراعاۃ النظیر کی مثال یہ ہے۔

إذا صدق الجد افترى العم للفتى مكارم لا تخفى وإن كذب الخال

ترجمہ: جب قسمت ٹھیک ہوتی ہے تو عوام بھی قیمتی پوشاک پہننے لگتے ہیں، ہم بلاجھجک کہتے ہین کہ ہمارے اس کریم جوان کی عنایات ونوازشات کا معاملہ اب ڈھکا چھپا نہیں رہا اگرچہ دوسروں کے نزدیک ہمارا یہ گمان صحیح نہ ہو۔

اس شعر میں شاعر نے "جد، عم" اور "خال" کو جمع کیا ہے اور یہ سب متبادر معنوں کے لحاظ سے باہم متناسب ہیں، لیکن یہاں مقصود وہ معنی نہیں ہیں جو بظاہر مفہوم ہوتے ہیں، بلکہ "جد" سے قسمت، "عم" سے عوام الناس اور "خال" سے ظن اور گمان مراد ہے۔

عبارت میں مذکورہ اشیاء اس معنیٔ غیر مرادی سے مشابہ ہوں، یہ دراصل مراعات النظیر ہی کی ایک نوع ہے، جیسے: ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَ"النَّجْمُ" وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ [الرحمٰن:۶-۵]۔ یہاں﴿النجم﴾کے دو معانی ہیں :۱۔ ستارہ ۲۔ بے ساق نبات۔ ان میں پہلا معنی عبارت میں مذکور اشیاء(شمس وقمر) کے مشابہ ضرور ہے،لیکن وہ معنی یہاں مراد نہیں، بلکہ یہاں مراد بے ساق نبات ہے، لہٰذا یہاں" نجم" اور" شمس وقمر" میں ایہامِ تناسُب ہے،البتہ نجم و شجر میں مراعاۃ النظیر ہے۔اورایہام التناسب کوایہام التناسب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حقیقی اعتبار سے ماقبل کیساتھ تناسب نہیں ہوتا۔

قاعدہ نمبر ا:مراعاۃ النظیر کو تناسب، صنعت توفیق، ایتلاف اور مؤاخاۃ بھی کہتے ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۲:ایک یاایک سے زائد متناسب چیزوں کوایک کلام میں جمع کر دیاجائے،لیکن تناسب تضادنہ ہوبلکہ توافق ہوتواس کوصنعت مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳:مراعاۃ النظیر میں کم سے کم باہم متناسب الفاظ کی تعداد دوہوتی ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

قاعدہ نمبر ۴:کسی لفظ کو اور اس کے صُوَری مناسبات وغیرہ کوجمع کرنے کومراعاۃ النظیر کہتے ہیں اوراس صنعت کو تناسب بھی کہتے ہیں، اس سے مراد نثر نگار یاشاعر کا چند ایسی چیزیں (یعنی الفاظ) جمع کرناجو باہم مناسبت رکھتی ہوں، جیسے ماہ و آفتاب، گُل وبُلبُل اور تیر و کمان۔

قاعدہ نمبر ۵: مراعاۃ النظیر کبھی دوچیزوں کوجمع کرنے سے ہوتی ہے،جیسے"الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبانٍ"۔(سورۃ الرحمن:۵)اس آیت میں شمس وقمر جسم سماوی اور نورانی ہونے کی وجہ سے جمع کیے گئے ہیں،کیونکہ یہ متقارن فی الخیال ہونے کی حیثیت سے متناسب ہیں۔ اور بعض اوقات تین چیزوں کوجمع کرنے سے مراعاۃ النظیر متحقق ہوتی ہے،جیسے بحتری کاشعر ہے۔

كالْقِسِيّ الْمُعَطَّفَاتِ بَلِ الأَسْهُمِ مَبْرِيَّةً بَلِ الأَوْتَارِ

ترجمہ:لاغر وضعیف اونٹ قوس کی طرح ہیں نہیں بلکہ اس سے بھی دقیق چھلے ہوئے تیروں کی مانند ہیں نہیں بلکہ قوس کے وتر کی طرح ہیں۔

قاعدہ نمبر ۶:کلام میں الفاظ ومعانی اوراس کے اول وآخر کامتناسب ہونابھی ایک ضروری امرہے اس کے نہ ہونے سے کلام معیوب شمار ہوتاہے۔

---

[1] البلاغۃ العربیۃ:۲/ ۳۸۲۔

قاعدہ نمبر ۷: ایک یا ایک سے زائد متناسب چیزوں کو ایک کلام میں جمع کر دیا جائے، لیکن تناسب تضاد نہ ہو تو اس کی کئی انواع ہیں، جن میں مراعاۃ النظیر "ائتلاف اللفظ والمعنى. ائتلاف اللفظ مع اللفظ. ائتلاف المعنى مع المعنى" وغیرہ ہیں، بیانیین حضرات ان سب کو مستقل اقسام شمار کرتے ہیں[1]۔

مراعاۃ النظیر کی چند مثالیں:

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ، أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ، فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ، فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا، مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ.

۳۔ تشابہ الاطراف کی تعریف:

تشابہِ اطراف کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ معنوی ۲۔ لفظی

۱۔۔۔ تشابُہ اَطْرَاف مَعْنوی کی تعریف:

کلام کو ایسے الفاظ پر ختم کیا جائے جن کی کلام کے ابتداء کیساتھ مشابہت ہو، یعنی ابتدائے کلام کے ساتھ معنوی طور پر مناسبت ومشابہت رکھنے والے الفاظ پر کلام ختم کرنے کو تشابہ اطراف معنوی کہتے ہیں، جیسے: ﴿لا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ، وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الخَبِيْرُ﴾ [الأنعام:۱۰۳]. یہاں ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الخَبِيْرُ﴾ پر کلام کو ختم

---

[1] انوار الربیع: ۱۹۴۔

کیا گیا ہے جس میں ﴿اللَّطِيْفُ﴾ جزوِ اول ﴿لَاتُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کے متناسب ہے، اور ﴿الْخَبِيْرُ﴾ جزوِثانی ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ کے متناسب ہے۔

۲۔۔۔۔تشابہِ اطراف لفظی [1] کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ ناثر یا ناظم جملۂ اُولیٰ یا مصراعِ اوّل کے آخری لفظ کو جملۂ ثانیہ یا مصراعِ ثانی کی ابتدا میں دو بارہ ذکر کرے، جیسے: ﴿فِيْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ، اَلزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾ [النور:۳۵] .یہاں جملہ اولی کے آخری لفظ ''زجاجة'' کو جملہ ثانیہ کے ابتداء میں دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ ناظم ہر بیت کے قافیہ کو بعد والے بیت کے شروع میں دوبارہ ذکر کرے، جیسے شعر ہے۔

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضاً مَرِيْضَةً   تَتَبَّعَ أَقْصٰى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِيْ بِهَا   هُمَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا

ترجمہ: جب حجاج کسی بیمار زمین میں اترتا ہے تو اُس کی بیماری کی جڑ کو تلاش کرکے اُس کا علاج کر دیتا ہے؛ اُس کا علاج کر دیتا ہے اُس لاعلاج بیماری سے جو وہاں ہوتی ہے۔ وہ ایسا سردار ہے کہ جب وہ نیزے کو حرکت دیتا ہے تو اُسے سیراب کر دیتا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے پہلے بیت کے قافیہ '' فَشَفَاهَا'' کو دوسری بیت کے اول میں ذکر کیا ہے۔۔

تشابہ الاطراف کی چند مثالیں:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا، وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا، قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ، لاَّ تُدْرِكُهُ الأبصار وَهُوَ يُدْرِكُ الأبصار وَهُوَ اللطيف الخبير.

---

[1] تشابہ اطراف لفظی کا تعلق محسناتِ لفظیہ کیساتھ ہے، یہاں اسے طرادًاللباب ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔۔۔اِرصاد کی تعریف:

"ارصاد"باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: نگہبان کو راستہ میں کھڑا کرنا، کسی کے لیے کوئی چیز تیار کرنا، جیسے عربی محاورہ ہے-" أرْصَد الجيش للقتال، والفرسَ للطِّراد."اس نے فوج کو لڑنے اور گھوڑے کو مسلسل دوڑانے کے لیے تیار کیا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام منظوم یا منثور کے آخری کلمہ سے پہلے ایسی چیز کو ذکر دی جائے جو عَجُز کلام پر دال ہو جب کہ کلام میں حرفِ روی [1] معلوم ہو۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں ارصاد کے معنی ہیں: نگہبان کو راستہ پر گھات میں کھڑا کرنا تاکہ راستہ کے حالات سے اطلاع ہو اور جو چیز عجز کلام پر دلالت کرتی ہے وہ بھی رقیب کی طرح عجز کلام کی کیفیت بتاتی ہے اس لیے اسے ارصاد کہتے ہیں۔اس کی مثال یہ ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِـ"يَظْلِمَهُمْ"وَلٰكِنْ كَانُوْآ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت:۴۰]، ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَـ"اخْتَلَفُوْا"، وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [يونس:۱۹] ان دونوں آیتوں میں ارصاد ﴿لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اور ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ ہے، کیونکہ یہ دونوں دلالت کرتے ہیں کہ آنے والا عجز مادۂ ظلم واختلاف سے ہو گا۔ اب اُن سے اگلی آیات کے فواصل پر وقف کرنے کی صورت میں فواصل میں مذکور حرفِ روی (نون) سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا عجز ﴿يَظْلِمُوْنَ﴾ اور ﴿يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ہو گا [2]۔

پھر ارصاد کی دو قسمیں ہیں:۔

---

[1] شعر کے پہلے مصرعہ کے پہلے لفظ کو صدر اور آخری لفظ کو عروض کہتے ہیں اور دوسرے مصرعہ کے پہلے لفظ کو ابتداء یا مطلع اور آخری لفظ کو ضرب یا عجز کہتے ہیں اور بیچ کے حصے کو حشو کہا جاتا ہے۔ قافیہ شعر کا آخری لفظ یا آخری حرف ہے اور روی قافیہ کا سب سے پچھلا بار بار آنے والا حرف ہے۔

[2] قال صاحب بديع القرآن: هو أن يكون ما تقدم من الكلام دليلا على ما تأخر أو بالعكس"ومثل المصنف للتسهيم بقوله تعالى: وَما كانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلكِنْ كانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ فإنه لو وقف القارئ على أنفسهم؛ لفهم أن بعده يظلمون، وكذلك قول الشاعر:

إذا لم تستطع شيئا فدعه ۔۔۔ وجاوزه إلى ما تستطيع

وفى اشتراط العلم بحرف الروى نظر، فإن ذلك قد يعلم من حشو البيت الواحد، أو صدره، وإن لم يعلم الروى، ألا ترى أنك لو وقفت فى هذا البيت على قوله: و" جاوزه إلى ما" لعلم أن تكميله (تستطيع) وكذلك ذكره ابن منقذ، وغيره، ولم يشترطوا فيه ذلك، ولذلك جعل منه الطيبي: وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ (۳) وقال: إنه يدل على العنكبوت. (عروس الأفراح:۲/۲۳۶)

۱۔۔۔جس میں حرفِ روی معلوم ہو، جیسے ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِـ"يَظْلِمَهُمْ" وَلٰكِنْ كَانُوْآ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [العنکبوت:۴۰] اس آیت میں محل استشہاد "لیَظْلِمَهُمْ" ہے یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کلام کا آخری لفظ مادہ "ظلم" سے ہونا چاہیے اور یہ بات ہمیں حرف روی سے معلوم ہوئی ہے اس لیے کہ اس سے پہلی آیت کے آخر میں نون اور واوَ ما قبل مضموم ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس آیت کے آخر میں بھی نون اور واوَ ما قبل مضموم ہو، چنانچہ اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے۔" وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ" اس آیت کے آخر میں نون اور واوَ ما قبل مضموم ہے یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ دوسری آیت کا اختتام بھی اسی طرح ہو گا۔

۲۔۔۔جس میں حرف روی معلوم نہ ہو، جیسے ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَـ"اخْتَلَفُوْا"، وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [یونس:۱۹] اس میں اگر پہلے سے نون کے حرف روی ہونے کا علم نہ ہوتا تو معلوم نہ ہوتا کہ اس کا عجز(آخری کلمہ) کیا ہے آیا "فِيْمَا فِيْهِم فِيْهِ اخْتَلَفُوْا" یا "فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ" ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: ارصاد کو تسہیم بھی کہتے ہیں، کیونکہ برد مسہم بیل بوٹوں سے مزین چادر کو کہتے ہیں جو کپڑے میں اصل مقصد سے زائد ہوتے ہیں اور چونکہ یہ بھی کلام میں ایک زائد چیز ہوتی ہے اس لیے اس کو تسہیم کہتے ہیں اور ارصاد میں بھی عجز پر دلالت ایک امر زائد ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: ارصاد کو ابو ہلال عسکری نے "توشیح" اور "تبیین" کے نام سے ذکر کیا ہے اور خطیب قزوینی نے اس کو "تسھیم" کے نام سے موسوم کیا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۳: کلام منظوم کی طرح کلام منثور میں جب کوئی بات اپنے تمام متعلقات کیساتھ ختم ہو جائے تو اسے فقرہ کہتے ہیں، جیسے حریری کا قول ہے۔"وهو يتبع الأسجاع بجواهر لفظه" (اور وہ ڈھال رہا تھا قافیہ بند کلام کو اپنے قیمتی الفاظ)۔ یہ ایک فقرہ ہے۔ "ويقرع الأسماع بزواجر وعظه" (اور وہ کانوں کو کھٹکھٹا رہا تھا اپنے ڈانٹ ڈپٹ والے وعظ کیساتھ) یہ دوسرا فقرہ ہے۔ اور عجز کلام منظوم یا کلام منثور کے آخری کلمہ کو کہتے ہیں اور حرف روی شعر یا نثر کے اس آخری لفظ کو کہتے ہیں جس پر اس شعر یا کلام کا دارومدار ہو۔

قاعدہ نمبر ۴: ارصاد حرف روی کے معلوم ہونے کے بعد کسی کلام منظوم یا منثور کے آخری لفظ سے پہلے اس لفظ کو کہتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ آخری لفظ (عجز) اس مادے سے ہو گا۔

---

[1] علوم البلاغۃ: ۱۰۲۔

ارصاد کی چند مثالیں:

ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُواْ وَهَلْ نجازي إِلاَّ الكفور، وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب، ولكلِّ أمة أجل إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون، إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ، أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ، وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ، لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ، وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ، وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ، إِذَا لَمْ تَسْتَطِعْ شيئاً فَدَعْهُ وجَاوِزْهُ إِلَى مَا تَسْتَطِيعُ.

۱۔۔ مُشَاکَلَہ کی تعریف(1):

"مشاکلہ" باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی مشابہت، یکسانیت اور مماثلت کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی معنی کو اس کے موضوع لفظ کے علاوہ ایسے لفظ سے تعبیر کرنا جس سے وہ لگا ہوا ہو، یعنی ایک شئ کو کسی دوسری شئ کے لفظ سے لفظی مناسبت کی بناپر بیان کیا جائے، جیسے: ﴿وَجَزٰؤُا سَيِّئَةٍ "سَيِّئَةٌ" مِّثْلُهَا﴾ [الشورٰی:۴۰] ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَـ"اعْتَدُوْا" عَلَيْهِ﴾. [البقرۃ:۱۹۴] دیکھئے بدلہ کے طور پر جو بُرائی کی جاتی ہے وہ حقیقۃً برائی نہیں ہوتی، محض صورۃً برائی معلوم ہوتی ہے، جس کو جزاء وعقاب کہا جاتا ہے؛ یہاں اس بدلہ پر ﴿سیئۃ﴾ کا اطلاق مشاکلۃً ہے، یعنی ظاہر میں دونوں لفظ ﴿سیئۃ﴾ یکساں ہیں مگر معنی میں مختلف ہیں ۔اور دوسری آیت میں ظلم کا بدلہ لینے پر اعتداء کا اطلاق کرنا مشاکلۃً ہے۔

قاعدہ: کسی چیز کو دوسری چیز کی تحقیقًا یا تقدیرًا صحبت میں واقع ہونے کی وجہ سے لفظ غیر موضوع لہ کیساتھ ذکر کرنے کو مشاکلہ کہتے ہیں۔ تحقیقًا صحبت میں واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لفظًا ایک چیز کو دوسری چیز کی صحبت میں ذکر کر دیا جائے اور تقدیرًا صحبت میں واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے معنی کے صحبت میں ذکر کی جائے۔ تحقیقًا صحبت میں واقع ہونے کی مثال، جیسے "تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ" (سورۃ

---

(1) خزانۃ الادب:۲/۲۵۲، انوار الربیع:۴۱۹، جواہر البلاغہ:۳۰۹۔

المائدہ:۱۱۶)اس آیت میں اللہ تعالی کی ذات پر نفس کی صحبت میں واقع ہونے کی وجہ سے نفس کا اطلاق کیا گیاہے ورنہ حقیقی معنی میں اللہ تعالی کو نفس کیساتھ متصف کرنا صحیح نہیں، اس لیے کہ نفس اس کو کہتے ہیں جس میں روح ہو اوراس کا وجود تنفس کا محتاج ہو، جب کہ اللہ تعالی کا وجود تنفس سے مبرا ومنزا ہے اس لیے حقیقی معنی میں اللہ پر نفس کا اطلاق صحیح نہیں۔ تقدیراً صحبت میں واقع ہونے کی مثال، جیسے "قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا.... صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ."(البقرۃ:۱۳۶-۱۳۸) اس میں "صِبْغَةَ" مصدر "آمَنَّا بِاللّٰهِ " کے مدلول کا مؤکد ہے، اصل عبارت یوں ہے-"صبغنا الله بالايمان صبغة"، " أي طهرنا الله تطهيرا" کیونکہ اللہ تعالی پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے کہ مؤمنوں کو شرک وکفر پاک وصاف کرتا ہے، پس ایمان کے لیے تطہیر لازم ہے اور "آمَنَّا بِاللّٰهِ " تطہیر باللہ پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوا کہ "صِبْغَةَ الله" بمعنی تطہیر اللہ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ "تطهير" کو "صبغ" سے کیوں تعبیر کیا گیاہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ "تطهير" چونکہ "صبغ" تقدیری کی صحبت میں واقع ہے، اس بناء پر "صِبْغَةَ الله" کو مشاکلۃً تعبیر کیا گیاہے۔ اس آیت کا پسِ منظر یہ ہے کہ نصاری کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے زرد رنگ کے پانی میں (جس کو وہ لوگ معمودیہ کہتے ہیں اوراس پانی کا رنگ زعفران ڈال کر زرد کر دیتے ہیں) غوطہ دیتے تھے اس اعتقاد پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائش کے تین دن بعد اس پانی میں نہلائے گئے تھے اورجب بچہ پانی کی رنگت کی وجہ سے پیلا ہو جاتا تھا تو اس وقت کہتے کہ "الآن صار نصرانياً حقاً"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ "صبغ" نہ قرآن میں مذکور ہے اورنہ کلام نصاری میں۔ ہاں! غمس اولاد نصاری میں موجود ہے جس سے "صبغ" ہی مراد ہے گویا اس کا تکلم نہیں ہوا۔ اوراس آیت کے نزول کا سبب بھی یہی غمس ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ "صبغ" گو حقیقۃً مذخور نہیں، لین تقدیری طور پر موجود ہے اور تطہیر چونکہ اس صبغ تقدیری کے قرب میں واقع ہوئی ہے اس لیے بنا بر حصول مشاکلت صبغ سے تعبیر کی گئی ہے۔

مشاکلہ کی چند مثالیں:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ، فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا، تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ، فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ، يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ، إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ

خَادِعُهُم، نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ، وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ، فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ.

مزاوجہ کی تعریف[۱]:

"مزاوجہ" باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: ملانا، جمع کرنا، میل جول کرنا، تعلق رکھنا۔" زاوج بين الشيئين "اس وقت کہا جاتا ہے جب دو چیزوں کو آپس میں ملا دیا جائے۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایسے دو معنی جو شرط و جزاء کی صورت میں واقع ہو ان کو اس بات میں جمع کر دیا جائے کہ جو چیز ان میں سے ایک پر مرتب ہو وہ دوسری پر بھی مرتب ہو،"(إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ)"(يوسف:٢٧) یہاں قمیص کا آگے سے پھٹ جانے پر زلیخا کی سچائی کا ترتب ہے اور قمیص کا پیچھے سے پھٹ جانے پر حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت کا ترتب ہے۔ اسی طرح بحتری کا یہ شعر ہے۔

إِذَا مَا نَهَى النَّاهِي فَلَجَّ بِيَ الْهَوَى　　　أَصَاخَتْ إِلَى الْوَاشِي فَلَجّ بهَا الْهَجْرُ

ترجمہ: جب منع کرنے والے نے مجھے منع کیا تو اس کی محبت میرے ساتھ لازم ہو گئی اور میری محبوبہ نے چغلخور کی بات غور سے سنی تو اس کو مفارقت لازم ہو گئی۔

اس شعر میں محلِ استشہاد" نَهَى النَّاهِي "اور"أَصَاخَتْ إِلَى الْوَاشِي" دونوں کو شرط و جزاء کی صورت میں ذکر کر کے ان دونوں پر ایک ہی چیز "لجوج" مرتب کی ہے اگرچہ ان دونوں لازموں میں فرق ہے کہ اول میں لزوم محبت مراد ہے اور ثانی میں لزوم ہجر مراد ہے، لیکن نفس لزوم کے معنی میں دونوں شریک ہیں[۲]۔

---

[۱] البلاغة العربية:٢/٤٣٦-

[۲] قال السعد التفتازاني في شرح التلخيص: ومن تتبع الأمثلة المذكورة للمزاوجة علم أن معناها ما ذكر، لا ما يسبق إلى الوهم من أن معناها من أن يجمع بين معنيين في الشرط ومعنيين في الجزاء، كما جمع بين الشرط بين نهي الناهي ولجاج الهوى، وفي الجزاء بين أصاختها إلى الواشي ولجاج الهجر، إذ لا يعرف أحد يقول بالمزاوجة في مثل قولنا: إذا جاءني زيد فسلم علي أجلسته فأنعمت عليه. انتهى.

وقال في شرح المفتاح: وقيل: معنى المزاوجة أن يجعل معنى لازما للشرط، ثم يجعل معنى مقارنا له في الجزاء، كما جعل لجاج الهوى به لازما للشرط الذي هو نهي الناهي، ثم جعل لجاج الهجر مارنا له في الجزاء الذي هو الإصاخة إلى الواشي. انتهى. (أنوارالربيع:٤٥٩)

مزاحیہ کی مثالیں:

إِذَا احْتَرَبَتْ يَوْماً فَفَاضَتْ دِمَاؤُهَا ... تَذَكَّرَتِ الْقُرْبَى فَفَاضَتْ دُمُوعُها

و منہ:

كأَنَّ الثُّرَيَّا عُلِّقَت في جَبِينِه ... وفي نَحْرِهِ الشِّعْري، وفِي خَدِّه القَمَرْ.

و منہ:

وَكُنَّا جمعيا شَرِيكي عنان ... رضيعى لبان خليلى صفاء

و منہ:

دَعْ عَنْكَ لومي فَإِن اللَّوْمَ إغراءُ ... ودَاوِنِي بِالَّتِي كَانَت هِيَ الدَّاء

و منہ:

لَا تَعْذِليه فإنَّ العذل يُولِعُه ... قد قلتِ حَقّاً وَلَكِن لَيْسَ يسمعهُ

بابِ سوم: لفظِ ذو معنیین

یہ باب درج ذیل چار محسناتِ معنویہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔توریہ ۲۔استخدام ۳۔تردید ۴۔توجیہ

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔تَوْرِیَۃ کی تعریف[1]:

"توریہ" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: چھپانا، عربی محاورہ ہے-"ورّيتُ الخبرَ تورِيةً:"اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب متکلم کسی بات کو صیغہ راز میں رکھ کر اس کے علاوہ کسی اور بات کو ظاہر کرے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم ایک ایسا لفظ استعمال کرے جس کے دو معنی ہوں ایک قریبی معنی (معروف ومتد اول معنی جو لفظ سے بہت جلد سمجھ میں آنے والا ہو) اور دوسرا بعیدی (غیر متد اول اور قلیل الاستعمال معنی)، اور متکلم کسی مخفی قرینے کی وجہ سے اسی معنی بعیدی کو مراد لے رہا ہو، جیسے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ، وَيَعْلَمُ مَا "جَرَحْتُمْ" بِالنَّهَارِ﴾ [الأنعام:٦٠] اس آیت میں ﴿جَرَحْتُمْ﴾ کے دو معنی ہیں، ایک معنی قریبی ظاہری غیر مرادی یعنی "زخم لگانا" اور یہی معنی مشہور بھی ہے، مگر یہاں مراد نہیں؛ اور دوسرا معنی بعیدی خفی مرادی یعنی اعضاء وجوارح سے کچھ کرنا (گناہ کرنا) اور یہاں یہی معنی مراد ہے، اور ظاہر ہے کہ معنیٔ قریب کے مناسبات یہاں مذکور نہیں ہے۔ اور قرینہ مقامِ مدح ہے، کیونکہ انسانوں کے ظاہری زخم لگانے کو تو عام لوگ بھی جانتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کے ظاہری وباطنی گناہوں کو صرف علیمٌ بذات الصدور ذات ہی جانتی ہے۔

توریہ کرنے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ: وہ معنیٔ بعیدی دل ودماغ میں اتر جائے؛ یا کبھی تصریح کرنے پر ضرر پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے؛ اس وجہ سے توریہ کیا جاتا ہے، جیسے سیدنا ابو بکر صدیق رضی راللہ عنہ سے کسی نے بوقت ہجرت آپ ﷺ کے بابت دریافت کیا کہ: یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا "هادٍ يَهْدِيْنِيْ"-"هادٍ" کے دو معنی ہیں:۔ ۱۔ معنی قریب غیر مرادی، راستہ بتانے والا۔ ۲۔ معنی بعید مرادی، صراطِ مستقیم کی راہ دکھانے والا۔ یہاں صدیقِ

---

[1] الإيضاح في علوم البلاغة:١ / ٩٦،١١٣، وجواهر البلاغة:١ / ١٥.

اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ پر ضرر کے خدشے سے ایسا لفظ استعمال فرمایا کہ نہ ضرر لاحق ہوا اور نہ ہی جھوٹ کا ارتکاب ہوا[۱]۔

توریہ کی اقسام وانواع

توریہ کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔مجردہ ۲۔مرشحہ ۳۔مبینہ ۴۔مهيأة.

۱۔۔۔توریہ مُجَرَّدَة کی تعریف:

وہ توریہ ہے کہ جس میں موریٰ بہ (معنی قریب) اور موریٰ عنہ (معنی بعید) کے لوازم میں سے کسی لازم کو ذکر نہ کیاجائے۔ بالفاظِ دیگر توریہ مجردہ وہ ہے کہ اس میں معنیٔ قریبی کے مناسبات مذکور نہ ہوں، جیسے :﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ "اسْتَوٰى"﴾ (طٰہٰ:۵)استواء کے دو معنی ہیں:۱۔ استقرار فی المکان اور یہی معنی قریب اور موریٰ بہ ہے، لیکن یہ معنی مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالی حدوث سے منزہ ہے اور اس کا کوئی لازم مذکور نہیں۔ ۲۔ استیلاء اور ملک ہے اور یہ معنی بعید ہے، یہاں یہی معنی مقصود ہے جس کو مذکور بالا معنی قریب متضمن ہے۔

۲۔۔۔توریہ مُرَشَّحَۃ کی تعریف:

وہ توریہ ہے جس میں موریٰ بہ (معنی قریب) کے لوازم مذکور ہوں۔ بالفاظِ دیگر توریہ مرشحہ وہ ہے کہ اس میں معنیٔ قریبی کے مناسبات مذکور ہوں، جیسے:" وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ"(سورۃ الذاریات:۴۷) آسمانوں کا ہاتھوں سے بنانا اس میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ "ید" سے ہاتھ مراد ہے اور یہی معنی موریٰ بہ ہے اور اس کے لوازم میں سے بطور ترشیح بنیان کو ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا احتمال قوت اور قدرت کا ہے جو معنی بعید ہے اور یہی مقصود ہے[۱]۔

---

[۱] سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:" أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَّى غَيْرَهَا وَكَانَ يَقُولُ: «الْحَرْبُ خَدْعَةٌ»"رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو جس سمت جانا ہوتا اس کے علاوہ کا توریہ کرتے اور فرماتے کہ جنگ دھوکہ کا نام ہے۔ یعنی دشمنوں کو بظاہر لگتا کہ آپ ﷺ فلاں راستے سے آرہے ہیں جبکہ آپ ﷺ دوسرے راستے سے جارہے ہوتے۔(سنن ابی داؤد:۳/۴۳،رقم:۲۶۳۷)

پھر مرشحہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔**پہلی قسم:** وہ ہے جس میں موریٰ بہ (معنی قریب) کے لوازم توریہ کے لفظ سے پہلے مذکور ہوں، جیسے: "وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ"(سورۃ الذاریات:۴۷) میں موریٰ بہ کے لازم "بنیان" کو لفظِ توریہ "ید" سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔۔۔**دوسری قسم:** وہ ہے جس میں موریٰ بہ (معنی قریب) کے لوازم لفظ توریہ کے بعد مذکور ہوں، جیسے " قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ "(المؤمنون:۸۸) میں موریٰ بہ معنی قریب کا لازم "مالکیت" لفظِ توریہ "ید" کے بعد مذکور ہے۔

۳۔۔۔توریہ مبینہ کی تعریف:

وہ توریہ ہے جس میں موریٰ عنہ کے لوازم مذکور ہوں، اس کو مبینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں موریٰ عنہ واضح اور ظاہر ہوتا ہے پھر مبینہ کی دو قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم: وہ توریہ مبینہ ہے جس میں موریٰ عنہ (معنی بعید) کے لوازم لفظِ توریہ سے پہلے مذکور ہوں، جیسے " وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا"(اٰل عمران:۱۰۳) اس میں موریٰ عنہ معنی بعید "کتاب اللہ" ہے اور اس کے لازم "اعتصام" کو لفظِ توریہ "حبل" سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری قسم: وہ توریہ مبینہ ہے جس میں موریٰ عنہ (معنی بعید) کے لوازم لفظِ توریہ کے بعد مذکور ہوں، جیسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔" أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ احْمِلْنِي، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ«إِنَّا حَامِلُوكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ» قَالَ: وَمَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:«وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ»"[۲]۔یہاں "وَلَدَ النَّاقَةِ "توریہ ہے اور موریٰ عنہ معنی بعید کا لازم «وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ» لفظِ توریہ کے بعد مذکور ہے۔

---

(۱) مذکورہ آیات کی جو تفسیر کی گئی ہے یہ عام مفسرین کرام کی رائے ہے۔ محققین اہل علم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان مفردات میں حقیقت ومجاز کی حیثیت سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ ان آیات میں استعارہ تمثیلیہ ہے کہ اللہ تعالی کے آسمان کو بہ ہیئت کذائی اپنی قوت اور قدرت ازلیہ سے پیدا کرنے کی صورت مجموعی کو ہاتھوں سے بنائی ہوئی دیوار کی ہیئت مجموعی کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور استیلاء علی العرش کی ہیئت کو استقرار علی السریر کی ہیئت کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس سے اس کی عظمت اور شان جلالی کو ذہن نشیں کرانا ہے۔ نیل الامانی:۲/۳۶۶۔

(۲) سنن ابی داؤد:۴/۳۰۰، رقم:۴۹۹۸۔

۴۔۔۔توریہ مہیاۃ کی تعریف:

وہ توریہ ہے جس میں توریہ ماقبل کے اعتبار سے ہو، یامابعد کے اعتبار سے ہو، یاتوریہ دولفظوں سے مرکب ہو، اس اعتبار سے توریہ مہیاۃ کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔قسمِ اول: وہ توریہ ہے جس میں توریہ ماقبل کے اعتبار سے ہو، یعنی اس لفظ میں خود توریہ نہ ہوبلکہ ماقبل الفاظ کااعتبار کرتے ہوئے اس میں توریہ ہو، جیسے شعر ہے۔

وأظهرت فينا من سماتك سنة　　　فأظهرت ذاك الفرض من ذلك الندب

ترجمہ: آپ کی نام کی بلندی کی وجہ سے ہم میں سنتیں ظاہر ہوئیں اورآپ نے اس فرض کو اُس مندوب سے جدا کر دیا۔

اس شعر میں محلِ استشہاد "فرض، ندب" ہیں، اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے فرض اور مستحب شرعی مراد ہوں، یہ اس کا معنی قریب موریٰ بہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ "فرض" سے عطاء اور "ندب" سے شریف آدمی مراد ہو اور یہ معانی بعیدہ ان کے موریٰ عنہ ہے۔اب اس شعر میں "سنة" کالفظ نہ ہوتاتواس سے موریٰ بہ معنی قریب (فرض اور مندوب) معلوم نہ ہوتے۔

۲۔۔۔قسمِ ثانی: وہ ہے جس میں توریہ مابعد کے اعتبار سے ہو، یعنی اس میں خود توریہ نہ ہو، بلکہ مابعد کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں توریہ پایاجاتاہو، جیسے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کے بارے میں کہاتھا۔" أنه كان يحرك الشمال باليمين "(وہ بائیں ہاتھ والی چادر کو دائیں ہاتھ سے لپیٹتا ہے)۔یہاں "شمال" میں دواحتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ شمال "شملہ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے:"جسم کوڈھانکنے والی چادر" یہ معنی بعید موریٰ عنہ ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "شمال" سے بائیں ہاتھ مراد ہے اور یہ معنی قریب موریٰ بہ ہے، اگر یہاں "شمال" کے بعد "یمین" کالفظ نہ ہوتاتواس سے سامع کوہاتھ مراد لینا سمجھ میں نہ آتا۔

۳۔۔۔قسمِ ثالث: وہ ہے جس میں توریہ دولفظوں سے مرکب ہو، اگر ان میں ایک لفظ نہ ہوتودوسرے میں توریہ نہ پایاجاتاہو، جیسے

شعر ہے۔

أيُّها المُنكحُ الثُريَّا سُهيلًا　　عَمرَكَ اللهَ كيفَ يَلتَقيَانِ

هيَ شاميَّةٌ إِذَا مَا استَقلّت　　　وسُهَيل إِذَا استَقلَّ يَمانِ

اس شعر میں محلِ استشہاد "ثریا" اور "سہیل" ہے، ثریا میں یہ احتمال ہے کہ اس سے علی بن عبد اللہ بن حارثؓ کی صاحبزادی مراد ہو، یہ معنی بعید موریٰ عنہ ہے اور یہی معنی مرادی ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے ثریا نامی ستارہ مراد ہو۔ اور اسی طرح سہیل میں یہ احتمال ہے کہ سہیل بن عبد الرحمن بن عوف یمانی مراد ہو، یہ معنی بعید موری عنہ ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے سہیل نامی مشہور ستارہ مراد ہو۔ اور یہی موریٰ بہ معنی قریب ہے۔ اگر اس شعر میں شاعر "ثریا" ذکر نہ کرتا تو "سہیل" سے سامع اس کا معنی بعید مراد نہ لے سکتا، نیز اگر ان میں سے کوئی ایک لفظ نہ ہو تو دوسرے میں توریہ نہیں پایا جاتا ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر: توریہ کو ایہام اور تخییل بھی کہتے ہیں اور یہ ایک ذو معنی لفظ کا استعمال کرنا ہے جو اشتراک یا تواطی یا حقیقت اور مجاز کے لحاظ سے دو معنی رکھتا ہو اور ان میں سے ایک معنی قریب اور دوسرے معنی بعید ہوں اور بعیدی معنی ہی مراد ہوں اور اس معنی کو قریب کے پردہ میں اس طرح مخفی کر دیا جائے کہ سننے والا ابتداءً اس لفظ سے اسی قریبی معنی کو مقصود سمجھے[۲]۔

قاعدہ نمبر: جس کیساتھ توریہ کیا جائے اس کو موریٰ بہ اور جس کے لیے توریہ کیا جائے اسے موریٰ عنہ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر: توریہ اور مجاز و کنایہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ توریہ میں قرینہ عموماً مخفی ہوتا ہے جب کہ مجاز و کنایہ میں عموما قرینہ ظاہر ہوتا ہے۔ نیز توریہ میں دونوں معانی لفظ ہی سے سمجھ میں آجاتے ہیں ان میں کسی واسطے اور علاقے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ جب کہ مجاز و کنایہ میں معنیٔ اصلی اور معنیٔ مجازی و کنائی کے درمیان علاقے کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر: توریہ اور استخدام کا شمار علم بدیع کی افضل ترین انواع میں کیا جاتا ہے، علامہ زمخشریؒ کا بیان ہے کہ علم بدیع میں توریہ سے بڑھ کر دقیق، لطیف، نافع اور متشابہات کلام الہی اور کلام رسول کی تاویل کرنے میں معین اور کوئی باب نظر ہی نہیں آتا۔ علامہ ابو جعفر اندلسیؒ نے استخدام کو توریہ سے بھی افضل قرار دیا ہے، تاہم رراجح قول کے مطابق دونوں برابر ہیں[۳]۔

---

[۱] خزانة الأدب وغاية الأرب:۲/۲۴۹، علم البديع:۱۳۱، علوم البلاغة:۷۷-

[۲] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۵، نیل الامانی:۲/۳۶۶۔

[۳] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۵۔

فائدہ نمبر: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ متقدمین حضرات توریہ سے کوسوں دور تھے، سب سے پہلے متنبی نے اسے نے نقاب کیا ہے اوراس کے بعد ابو العلاء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

قاعدہ نمبر: علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اکثر تشابہات توریہ کے قبیل سے ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر: توریہ مرشحہ دراصل استعارہ مرشحہ ہے اور توریہ مجردہ دراصل استعارہ مجردہ ہے، تاہم استعارہ مرشحہ اور توریہ مرشحہ میں فرق یہ ہے کہ استعارہ مرشحہ میں معنی بعید کو معنی قریب مراد لینے پر قرینہ صارفہ ہوتا ہے اور جب کہ توریہ مرشحہ میں اس طرح قرینہ صارفہ نہیں ہوتا[2]۔

توریہ کی چند مثالیں:

إِنَّكَ لَفِي ضَلاَلِكَ القديم، إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلاَلٍ مُّبِينٍ، إِنِّىْ سَقِيْمٌ، وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ رَمٰى، قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ، قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ، تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا، فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرَكِ، وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي فَلَا تُكَذِّبِينِي، فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ، وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ كَافَّةً لِلنَّاسِ. وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ.

۲۔۔۔استخدام کی تعریف:

"استخدام" باب استفعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کسی کو خادم بنانا، خدمت لینا، کام میں لانا اور اس میں بھی معنی موضوع لہ کو معنی غیر موضوع لہ کا خادم بنایا جاتا ہے اس لیے اس کو استخدام کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں استخدام کی تین صورتیں ہیں:۔

ا۔۔۔صنعتِ استخدام یہ ہے کہ ایک ایسا لفظ ذکر کیا جائے جس کے دو معنی ہوں اور ان میں سے کسی ایک کا ارادہ کیا جائے پھر اس مذکور لفظ کے لیے ضمیر لائی جائے اور اس سے لفظ کا دوسرا معنی مراد لیا جائے، جیسے :﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا

---

[1] عروس الافراح: ۲/ ۲۴۵۔

[2] عروس الافراح: ۲/ ۲۴۴۔

"الإِنْسَانَ" مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ* ثُمَّ "جَعَلْنٰـه" نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ﴾ [المؤمنون:۱۳-۱۲]؛ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ "الشَّهْرَ" فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة:۱۸۵] اول الذکر آیت میں﴿الإِنْسَان﴾ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور اس کی طرف راجع ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ کی ﴿هُ﴾ ضمیر سے ولد آدم مراد ہے۔ آیتِ ثانیہ: پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کا چاند پائے، اُسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔ ثانی الذکر آیت میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ میں ﴿شَهْر﴾ سے مراد ہلال ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی﴿فَلْيَصُمْهُ﴾ کی ضمیر﴿هُ﴾ مفعول سے متعین زمانہ (ماہِ رمضان (مراد ہے[1]۔

۲۔۔۔ ایک لفظ کے لیے دو ضمیریں لائی جائیں اور ان میں سے ایک ضمیر سے ایک معنی اور دوسری سے دوسرے معنی مراد ہوں، جیسے بختری نامی شاعر کا شعر ہے۔

فَسَقَى الغَضَى والسَّاكِنيهِ وإنْ هُمُ شَبُّوهُ بين جَوانحي وضلُوعي

ترجمہ: اللہ! سیراب کرے جھاؤ کو اس کے رہنے والوں کو اگرچہ انہوں نے میری کمر اور پسلیوں کے درمیان آگ جلائی ہے۔

اس میں شاعر نے "ساکنیہ" کی ضمیر سے وہ جگہ مراد لی ہے جس میں جھاؤ ہو اور دوسری ضمیر منصوب سے جو "شبوہ" میں ہے آگ مراد لی ہے جو جھاؤ کے درخت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں علامہ سکاکیؒ نے ذکر کی ہیں۔

۳۔۔۔پہلے ایک مشترک لفظ ذکر کیا جائے اور پھر دو الفاظ ایسے اور لائے جائیں جن میں سے ایک لفظ سے ایک معنی اور دوسرے سے دوسرے معنی مراد ہوں، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَتَقْرَبُوا "الصَّلوٰةَ" وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى، حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ، وَلا جُنُباً إِلاَّ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ [النساء:۴۳] یہاں﴿الصَّلوٰة﴾ کے دو معنی ہیں:

---

[1] یاد رہے کہ مذکورہ آیت میں استخدام اس وقت ہو گا جب کہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ﴾ میں شَهِدَ بمعنی رَأىٰ وأَبْصَرَ ہو؛ اگر شَهِدَ بمعنی حَضَرَ ہو تو اس وقت استخدام نہ ہو گا۔

عام کتب میں اس کی مثال یہ شعر ہے.

وَالْعَيْنُ قَرَّتْ بِهِمْ لَمَّا بِهَا سَمَحُوْا وَاسْتَخْدَمُوْهَا مَعَ الْأَعْدَاءِ فَلَمْ تَنَم

ترجمہ: آنکھ (عین) اُن (ممدوحین) کی وجہ سے ٹھنڈی ہوگئی جب کہ اُنھوں نے اُس (عین: سونے) کی فیاضی کی؛ اور جب دشمنوں کے مقابلے میں اُس (عین: جاسوس) سے خدمت لی تو وہ (عین: آنکھ) نہ سوئی۔ اس شعر میں لفظ "عَيْن" مذکور ہوا ہے، جو کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے، (آنکھ، سونا، جاسوس، چشمہ، گھنٹہ)، اور شاعر نے لفظ "العین" سے آنکھ مراد لی ہے، پھر اُس کی طرف دو ضمیریں راجع کی ہیں: اول بمعنیٰ: سونا ہے، اور ثانی بمعنیٰ: جاسوس ہے۔

فعلِ صلوٰۃ اور موضعِ صلوٰۃ؛ ان میں سے فعلِ صلوٰۃ ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ سے سمجھ میں آتے ہیں اور موضعِ صلوٰۃ کے معنی ﴿إِلاَّ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ سے مفہوم ہوتے ہیں۔ ”أيْ: لاتَقْرَبُوا الصَّلوٰۃ جُنُبا إلا عَابِرِيْ سَبِيْل“۔ علامہ ابن ابی الاصبعؒ نے اس کی یہ مثال دی ہے-” لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ“(سورۃ الرعد:۳۹) اس میں لفظ”کتاب“ امد محتوم(حتمی مدت)اورمکتوب ہردو معنی کا محتمل ہے اور لفظ”اجل“پہلے معنی کی اور لفظ”یمحو“دوسرے معنی کی تائید کرتاہے۔ اس قسم کو علامہ بدرالدین ابن جماعہؒ نے المصباح میں اور علامہ ابن ابی الاصبعؒ نے ذکر کیاہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۱:توریہ اور استخدام علم بدیع کے افضل ترین صنائع میں سے ہیں اور یہ دونوں مرتبہ میں مساوی ہیں، تاہم بعض حضرات نے استخدام کو افضل نوع قرار دیاہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۲:صنعتِ استخدام میں ہردو معنی کا حقیقی ہوناضروری نہیں بلکہ عام ہے حقیقی ہوں یامجازی یاایک حقیقی ہواور دوسرا مجازی ہو[3]۔

فائدہ نمبر۳:بعض حضرات کا کہناہے کہ قرآن مجید میں علامہ سکاکیؒ کی ذکرکردہ تعریف کے مطابق کوئی مثال نہیں۔لیکن علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں فرماتے ہیں کہ میں نے غوروفکر کے بعد اس طریقہ پر کئی آیات تلاش کی ہیں۔ من جملہ ان میں ایک یہ آیت ہے-” أَتَى أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ“ (سورۃ النحل:۱) ”امراللہ“ سے تین باتیں مرادہیں:۔۱۔قیامت کاآنا ۲۔ عذاب ۳۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت۔یہاں”امراللہ“ سے آخری معنی مرادہے جیساکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور”یستعجلوہ“کی ضمیر قیام قیامت اورعذاب کی طرف راجع ہے۔دوسری آیت یہ ہے-” يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ.... قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ“ (سورۃ المائدۃ:۱۰۱-۱۰۲) ” قَدْ سَأَلَهَا“کی ضمیر”أَشْيَاءَ“کی طرف راجع ہے، تاہم اس سے وہ اشیاء مراد نہیں جن کے متعلق اقوام سابقہ نے دریافت کیا تھا[4]۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۸۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۷۔

[3] البلاغۃ العربیہ:۲/۴۰۱، نیل الامانی:۲/۳۶۷۔

[4] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۸۔

قاعدہ نمبر ۴: استخدام اور توریہ میں فرق یہ ہے کہ استخدام میں لفظ کے دونوں معانی مراد ہوتے ہیں بایں طور کہ لفظ سے ایک معنی مراد لیں اور مرجع بناتے ہوئے دوسرا معنی مراد لیں۔ جب کہ توریہ میں بعیدی معنی ہی مراد ہوتا ہے، اور قریبی معنی مراد نہیں ہوتا۔

استخدام کی مثالیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْأِنْسَانَ مِنْ سُلالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ، لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ...قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ، أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ، وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ (۷۲) فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا، قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ، كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ، إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ.

۳۔۔ تردید کی تعریف[1]:

"تردید" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: بار بار لوٹانا، دوہرانا۔ "رددالقول" اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب ایک بات کو بار بار دوہرایا جائے۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں کسی کلمہ کو ذکر کرے پھر اسی کلمہ کو کسی دوسرے کلمے سے متعلق کرکے دُہرائے، جیسے: ﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا "لَيْلَةُ الْقَدْرِ"* "لَيْلَةُ الْقَدْرِ" خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ [القدر:۳-۲...]، ﴿مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ رُسُلُ "اللهِ"، "اَللّٰهُ "أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ [الأنعام:۱۲۴] پہلی آیت میں ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اول بار ترکیب میں خبر ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے، پھر اُسے دہراتے ہوئے مبتدا بنادیا ہے۔ دوسری آیت میں ﴿اَللّٰہ﴾ اول بار مضاف الیہ اور دوبارہ مبتدا ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے۔

تردید کی چند مثالیں:

الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ، كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ وَمَا أَدْرَاكَ

---

[1] انوار الربیع: ۲۵۷۔

مَا الْحَاقَّةُ، اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ.

۴۔۔توجیہ کی تعریف:

"توجیہ" باب تفعیل کامصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: تابع و مطیع ہونا، متوجہ ہونا، عربی محاورہ ہے۔"أینما أوجه ألق سعدا" میں جدھر منہ کرتاہوں برکت پاتاہوں اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جوالفاظ عرف میں بطور اعلام واسماء(خواہ اعلام شخصیہ ہوں، یاالقاب ہوں، یااعلام البلدان ہوں، یااعلام القبائل ہوں)اوراصطلاحات (خواہ صرفی نحوی اصطلاحات ہوں، یامنطقی اورعروضی اصطلاحات ہوں، یامصطلحات علوم الحدیث ہوں، یاعلم المعانی اور علم البدیع کے اصطلاحات ہوں) استعمال ہوتے ہیں ان کوکسی کلام میں لاکر ان کے معنی موضوع لہ مراد لیے جائیں(۱)، جیسے شاعرکاشعرہے:

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ "زُخْرُفٍ "تَرَاهُ "إِذَا زُلْزِلَتْ" "لَمْ يَكُنْ"

ترجمہ: اس مکان کی کیاخوبصورتی ہے جس پر ملمع کاری کی گئی ہواگراسے ہلادیاجائےتواسے یوں سمجھےگاکہ یہاں کوئی مکان تھاہی نہیں۔

---

(۱) وأما التوجيه في اصطلاح البديعيين فهو عند جماعة كالسكاكي، والخطيب والطيبي اسم لمسمى الإبهام المتقدم ذكره، وهو إيراد الكلام محتملا لمعنيين متضادين لا يتميز حدهما عن الآخر، كالمديح والهجاء وغيرهما، والإبهام عند هؤلاء: اسم مرادف للتورية لا لهذا المعنى. وجاء جماعة من المتأخرين فجعلوا الإبهام اسما لإيراد الكلام محتملا لمعنيين متضادين، لأنهم رأوا أن هذا الاسم أليق بهذا المسمى من التوجيه وقد مر الكلام على الإبهام بهذا المعنى مستوفى في محله مع ذكر شواهده. وجعلوا التوجيه عبارة عن أن يؤلف المتكلم مفردات بعض كلامه أو جمله، ويوجهها إلى أسماء متلائمة من أسماء الأعلام، أو قواعد العلوم، أو غيرها توجيها مطابقا لمعنى اللفظ الثاني من غير اشتراك حقيقي بخلاف التورية. وبهذا يظهر الفرق بينه وبين التورية خلافا لمن أدخله فيها. (أنوار الربيع:۲۰۰-۲۰۱)

اس شعر میں " زُخْرُفْ، إِذَا زُلْزِلَتْ، لَمْ يَكُنْ "یہ تینوں الفاظ قرآن مجید کے سورتوں کے نام ہیں، لیکن شعر میں ان سے ان کے معانی موضوعہ مراد ہیں، جو شعر کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

اسی طرح ایک شعر ہے۔

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُوْ وَالرَّبِيْعُ وَكَمْ غَدَاة   بِهِ الرَّوْضُ يَحْيٰ وَهُوَ لاشَكَّ جَعْفَرُ

ترجمہ: اسی سے نوازش اور بہار ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے باغات اس کی وجہ سے زندگی پاتے ہیں اور بلا شبہ وہ چیز (جس کی تعریف کی جارہی ہے) ندی ہے۔

اس شعر میں "فضل، ربيع، يحيٰ، جعفر "یہ سب نام ہیں، مگر شعر میں ان چاروں الفاظ سے ان کے معانی موضوعہ (فضیلت، موسم ربیع، زندہ ہونا، ندی) مراد لیے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو الفاظ اسماء واعلام اور اصطلاحات کے طور پر استعمال ہوتے ہوں انہیں کسی کلام میں لاکر ان کا معنی موضوع لہ مراد لیا جائے، خواہ وہ اعلام شخصیہ ہوں یا کسی خاص شہر کے نام ہوں، یا نحوی صرفی اصطلاحات ہوں، یا منطقی اور عروضی اصطلاحات ہوں، یا علوم الحدیث کے اصطلاحات ہوں، یا علم المعانی و علم البدیع کے مصطلحات ہوں، ان سب کی مثالیں اشعار عرب میں بکثرت ملتی ہیں۔ اعلام شخصیہ کی مثال، جیسے:

ثراؤك موهوب وبرك كامل   وحظك مسعود وفضلك منجح

وفعلك محمود ورأيك صالح   ووجهك وضاح وسعيك مصلح

وطبعك مشكور وعرضك سالم   وجدك منصور وراجيك مفلح

قرآن مجید کے سورتوں کے ناموں کو توجیہ کے طور پر ذکر کرنے کی مثال، جیسے:

ألا يا بني الروم القتال فدونكم   فأنا تدرعنا الحديد إلى الحشر

ولا زال آي الفتح تتلو رماحنا   وأسيافنا تتلو بها سورة النصر

قاعدہ نمبر: متقدمین حضرات کے نزدیک توجیہ اور توریہ میں ترادف ہے، یہی مذہب علامہ سکاکیؒ، خطیب قزوینیؒ اور علامہ طیبیؒ کا ہے اور متاخرین نے ان میں کئی فرق ذکر کیے ہیں:۔ ا۔ توریہ لفظِ مشترک میں ہوتا ہے اور توجیہ الفاظ مصطلحہ میں ہوتا ہے۔ ۲۔ توریہ ایک لفظ میں ہوتا ہے اور توجیہ کے لیے ایک سے زائد لفظوں کا ہونا ضروری ہے۔ ۳۔

توجیہ اس کو کہتے ہیں کہ جو الفاظ عرف میں بطور اعلام واسماء استعمال ہوتے ہیں ان کو کسی کلام میں لاکر ان کے معنی موضوع لہ مراد لیے جائیں اور جب کہ توریہ میں یہ معنی نہیں پایا جاتا ہے[1]۔

توجیہ کی مثالیں:

وفي بعض الكتب الأدبية: إن بعض المغفلين سأل بعض العلماء: إن الناس قد اختلفت مذاهبهم، فما مذهب الله تعالى؟ وما مذهب رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم؟ وما مذهب علي بن أبي طالب أمير المؤمنين؟ فقال له: الله مالكي، والنبي شافعي، وعلي إمامي، فاستحسن منه هذا الجواب.

و منه:

في النازعات غدا من باب يعشقكم ... والعاديات عليه منكم الحدق
وبالحديد تلاقوه إذا انفطرت ... أكباده وهو بالإخلاص يحترق
والذاريات جفوني حشوها أرق ... والمرسلات على الخدين تستبق
إذا ما غدا مثل الحديد فؤاده ... فو العصر إن العاشقين لفي خسر

و منه:

أضيف الدجى معنى إلى لون شعره ... فطال ولولا ذاك ما خص بالجر
وحاجبه نون الوقاية ما وفت ... على شرطها فعل الجفون من الكسر

ومنه القصيدة الغرامية للعلامة شهاب الدين أحمد بن فرح الإشبيلي الشافعي ، وقد اشتملت على العديد من المصطلحات الحديثية ، فهي قصيدة علي هيئة غزل، لكنها في الحقيقة تحتوي على أقسام الحديث وأنواعه.

غرامي صحيحٌ والرجا فيك معضل ... وحزني ودمعي مرسَلٌ و مسلسلُ
وصبريَ عنكم يشهد العقلُ أنـــه ... ضعيفٌ ومتروكٌ وذلـــــيَ أجملُ
مشافهةً يُملـــــــــى عليّ فأنقلُ ...ولا حسنٌ إلا إستـماعُ حديثِكـــــم

---

[1] انوار الربیع:۲۱۰۔

علـــــــــى أحدٍ إلا عليك المعوَّلُ ...وأمريَ موقـــوفٌ عليك وليس لي
علــــــى رغم عذالي ترقُ وتعدِلُ ...ولـــو كان مرفوعاً إليك لكنتَ لي
و زورٌ و تدليـــــسٌ يُردُ ويُهملُ ...وعذْلُ عذولي منكـــــرٌ لا أسيغه
أَقَضّي زماني فيك متصـــلَ الأسى ... ومنقطعـــاً عما بـــــــــه أتوصلُ
تكلفنـــــي مـــا لا أطيـــق فأحملُ ...وها أنا في أكفان هجرك مـــدرَجٌ
ومـا هـي إلا مهجتـــي تتحـلل ...وأجريتُ دمعي فوق خدي مدبّجاً
ومفتـرقٌ صبـري و قلبـي المبَلبَلُ ...فمتفقٌ جفنـــي وسُهدي وعبرتي
ومختلفٌ حظـــي وما منك ءامُلُ ...و مؤتلِفٌ وجدي وشجوي ولوعتي
فغيري بموضوع الهـــوى يتحمّلُ ...خذِ الوجدَ عنـي مسنداً ومعنعناً
وذي نُبَذٌ من مبهَـمِ الحب فاعتبر ... و غامضُـه إن رمتَ شرحاً أطوِلُ
عزيزٌ بكـــــــــم صبٌ ذليلٌ لعزكم ... ومشهورُ أوصافِ المحب التذللُ
وحقِـك عـن دار القِلـى متحَـوَلُ ...غريبٌ يقاســي البعدَ عنك وما له
إليك سبيـــلٌ لا ولا عنـك معـدِلُ ...فرفقاً بمقطـــــــوعِ الوسائل ما له
ولا زلتَ تعلو بالتجنـــي فأنزلُ ...فـــلا زلتَ في عـــزٍ منيـــعٍ ورفعـةٍ
وأنت الذي تُعنـــى وأنت المؤَمَلُ ...أورّي بسُعـدى و الربابِ وزينـــبٍ
من النصف منه فهو فيه مكمَلُ ...فخـــذ أولاً مـــن ءاخـرٍ ثـــم أولاً
أهيـمُ وقلبـــــي بالصبابة مُشعَلُ ...أبـــرُّ إذا أقسمـــتُ أنـــي بحبـــه[1]

---

[1] القصيدة الغرامية.

بابِ چہارم: ذکر المتعددات

یہ باب درج ذیل تیرہ محسناتِ لفظیہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔جمع ۲۔تفریق ۳۔تقسیم ۴۔جمع مع التفریق ۵۔جمع مع التقسیم ۶۔جمع مع التفریق والتقسیم ۷۔جمع المؤتلِف المختلف ۸۔لف ونشر ۹۔ترتیب ۱۰۔تدلی من الاعلی الی الادنی ۱۱۔ترقی من الادنی الی الاعلی ۱۲۔تعدیہ ۱۳۔اطراد۔

مذکورہ اقسام وانواع کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔۔۔جمع کی تعریف:

"جمع" باب "فتح" سے مصدر کا صیغہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں: ملادینا، جوڑدینا۔ "جمع القوم" کا معنی ہے دشمنوں کے مقابلے کے لیے جمع ہونا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ مختلف چیزوں کو ایک حکم میں اکٹھا کرنے کو جمع کہتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [المائدة:۹۰] ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ "زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾[الكهف:۴۶] پہلی آیت میں "خمر، میسر، انصاب ،ازلام" مختلف چیزوں کو حکم واحد ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ میں جمع کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں مختلف چیزوں (مال، اَولاد) کو دنیوی زندگی کی زینت ہونے میں جمع فرمایا ہے[1]۔

جمع کی چند مثالیں:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ، لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، لعن الله الواصلة والموصولة والنامصة والمنموصة والواشرة والموشورة،

---

[1] عام کتب بلاغت میں اس کی مثال یہ دی گئی ہے، جیسے ابو العتاہیہ کا یہ شعر ہے۔

إِنَّ الشَّبَابَ والْفَراغَ والْجِدَةَ ... مَفْسَدَةٌ لِلْمَرْءِ أيُّ مَفْسَدَةٍ

ترجمہ: جوانی، فراغت اور مالداری انسان کو بالکل خراب کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اس شعر میں "شباب، فراغۃ، جدۃ" محل استشہاد ہے کہ سب پر ایک ہی حکم لگایا گیا ہے کہ یہ سب انسان کو خراب کر دیتے ہیں۔

اور اسی طرح یہ ابن الرومی کا یہ شعر ہے۔

أرَاؤُكُمْ وَوُجُوهُكُمْ وَسُيُوفُكُمْ   في الْحَادِثَاتِ إِذَا دَجَوْنَ نُجوم

ترجمہ: تمہاری آراء، تمہارے چہرے اور تلواریں تاریکیوں میں روشن ستاروں کی مانند ہیں۔

اس شعر میں " أرَاء، وُجُوهُ، وَسُيُوفُ " پر ایک ہی حکم لگایا گیا ہے کہ یہ سب روشن ستاروں کی مانند ہیں۔

لعن رسول اللهﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهده وهو يعلم والمحلل والمحلل له. لم يكن رسول اللهﷺفاحشا ولا متفحشاً ولا سخابا فى الأسواق. اللّٰهُمَّ أنج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ربيعة والمستضعفين من المؤمنين اللّٰهُمَّ اشدد وطأتك على مضر واجعلها كسنى يوسف. كان إذا زاغت الشمس فى منزله جمع بين الظهر والعصر. والذى نفسى بيده لغدوة أو روحة فى سبيل الله خير من الدنيا وما فيها. من أصبح آمنا في سربه، معافى في بدنه، عنده قوت يومه؛ فكأنما حيزت له الدنيا بحذافيرها.

۲۔۔۔ تفریق فی الحکم کی تعریف[1]:

"تفریق" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: جدائی ڈالنا، پھوٹ ڈالنا، "فرق الشئ" کا معنی ہے کسی چیز کو ٹکڑے کرنا، بکھیر دینا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم تعریف ومدح کے مواقع میں ایک ہی مفہوم میں مشترک دو چیزوں کے درمیان جدائی و تفریق بیان کرے، جیسے: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ، هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ [فاطر:۱۲] اس آیت میں یہ دونوں چیزیں دریا ہونے میں مشترک ہیں، لیکن دونوں میں ﴿عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ﴾ اور ﴿مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ کے ذریعے تفریق وجدائی کر دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت بیان کرتے ہوئے شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فَجُودُ كَفَّيْهِ لَمْ تُقْلِعْ سَحَائِبُهُ   عَنِ الْعِبَادِ وَجُودُ السُّحْبِ لَم يَدُمِ

ترجمہ: آپ ﷺ کے ہاتھوں کی فیاضی کے بادل بندوں سے چھٹتے نہیں جب کہ بادلوں کی سخاوت کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت نہیں ہوا کرتی۔

حاصل یہ ہے کہ مطلق سخاوت میں تو آقا کی ہتھیلی اور بادل دونوں ضرور شریک ہیں، لیکن بادل کی سخاوت کو رسول اللہ ﷺ کی سخاوت سے کیا جوڑ! رسول اللہ ﷺ کی سخاوت بندوں پر دائمی تا قیامت ہے، بلکہ بعد قیامت ہمیشہ رہنے والی ہے جس کے بادل کبھی چھٹنے والے نہیں جب کہ بادل کی سخاوت غیر دائمی اور ختم ہونے والی ہے[2]۔

---

[1] تلخیص المفتاح: البلاغۃ العربیہ: ۲/۴۱۸۔

[2] تلخیص المفتاح اور دیگر کتب بلاغت میں تفریق کی مثال یہ دی گئی ہے، جیسے شعر ہے۔

مَا نَوالُ الْغَمَامِ وَقْتَ رَبِيعٍ ... كَنَوالِ الأَمِيرِ يَوْمَ سخَاءِ

تفریق کی چند مثالیں:

يَوْمَ يَأْتِ لاَ تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ. وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً. لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ. فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ. من قاس جدواك يوماً بالسحب أخطأ مدحك السحب تعطى وتبكي وانت تعطى وتضحك، من قاس جدواك بالغمام فما أنصف في الحكم بين شكلين أنت إذا جدُت ضاحكٌ أبدا وهو إذا جاد دامع العين، ورد الخدود أرقّ من ورد الرياض وأنعمُ هذاك تنشقهُ الأنو ف وذا يقبّله الفم.

۳۔۔۔۔ تقسیم کی تعریف[1]:

"تقسیم" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: حصہ حصہ کرنا، بانٹ دینا، "قسم القوم الشئ بینهم" کا معنی لوگوں کا آپس میں کوئی چیز بانٹ لینا اور اپنا اپنا حصہ لینے کے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ چند چیزیں ذکر کرنے کے بعد ہر چیز کو بقید تعیین اس کے منسوبات کی طرف نسبت کرنا۔ یعنی تقسیم ایک مرتبہ متعدد کو ذکر کرنے کے بعد پھر اس متعدد کے متعلقات میں سے ہر ایک کی تعیین کیساتھ متعدد کی طرف نسبت کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، چند یہ ہیں:

فنوال الأَمِيرِ بَدْرَةُ عَيْنٍ ... ونوالُ الْغَمَامِ قَطْرَةُ مَاءِ

ترجمہ: موسم بہار میں بادل کی عطاء ممدوح کی عطاء کی طرح نہیں ہے اس لیے کہ ممدوح کی عطاء دس ہزار درہم ہے اور بادل کی عطاء پانی کا ایک قطرہ ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ممدوح اور بادل کی عطاء میں فرق ثابت کیا ہے کہ دونوں عطاء ایک نوع میں ہونے کے باوجود ان میں تباین ہے کہ امیر کی عطاء زیادہ اور بادلوں کی عطاء کم ہے۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۳۰۵۔

پہلی صورت: متکلم جملہ اقسامِ محتملہ کا اس طرح احاطہ کرے کہ کوئی محتمل قسم باقی نہ رہے، جیسے ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ إِنَاثًا،وَيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ* أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا، وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ [الشوریٰ:۴۹] ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِيْ عَلٰٓى أَرْبَعٍ؛ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ...﴾[النور:۴۵] پہلی آیت میں اولاد کے اعتبار سے زوجین کے چار احوالِ محتملہ ذکر کیے ہیں کہ: وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں بخشتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، جسے چاہے جوڑے (بیٹے اور بیٹیاں دونوں) بخشتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے؛ اس مضمون سے متعلق یہی چار اقسام ہیں، جن کو اس جگہ جمع فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تمام اقسامِ محتملہ کا احاطہ کر کیا ہے کہ مخلوق اپنی خلقت وپیدائش کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں:۔ ۱۔ پیٹ کے بل چلنے والی ۲۔ دو پیروں پر چلنے والی ۳۔ چار پیروں پر چلنے والی۔[1]

دوسری صورت: کئی ایک چیزوں کو ذکر کیا جائے، پھر ہر ایک کی طرف متعین طور پر اس سے متعلق حکم کو منسوب کیا جائے۔ اسے "تفسیر" بھی کہا جاتا ہے، جیسے:﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ* فَأَمَّا ثَمُوْدُ فَأُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ*وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾ [الحاقة:۶-۴]۔ اس آیت میں پہلے چند چیزوں یعنی: قومِ ثمود اور قومِ عاد کی تکذیب کو ذکر کیا گیا ہے، پھر علی التعیین دونوں پر آنے والے عذاب کو ذکر کیا گیا ہے[2]۔

---

(۱) عام کتب بلاغت میں اس کی مثال یہ دی گئی ہے، جیسے زہیر بن ابی سلمیٰ کا شعر ہے۔

وَأَعلَمُ عِلمَ اليَومِ وَالأَمسِ قَبلَهُ ... وَلَكِنَّني عَن عِلمِ ما في غَدٍ عَمي

ترجمہ: میں آج کا علم بھی رکھتا ہوں اور کل کا بھی جو آج سے پہلے گذر چکا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنے والے کل کے حال سے بالکل بے خبر ہوں۔

اس شعر میں شاعر نے علم کے تمام اقسام، علم ماضی، علم حال اور علم مستقبل کو پورے طور پر بیان کیا ہے۔

(۲) تلخیص المفتاح اور دیگر کتب بلاغت میں تقسیم کی مثال یہ دی گئی ہے۔

وَلاَ يُقِيمُ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ إِلاَّ الأَذَلاَّنِ: عَيْرُ الْحَيِّ والْوَتِدُ

هذا عَلَى الخَسْفِ مَرْبُوطٌ بِرُمَّتِهِ وَذَا يُشَجُّ فَلا يَرْثِي لَهُ أَحَدُ

ترجمہ: ظلم کی جگہ کوئی نہیں ٹھہر سکتا ہے سوائے دو ذلیلوں کے ایک محلے کا گدھا اور دوسرا کیل۔ گدھا ذلت کیساتھ پرانی رسی کے ٹکڑے سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور جب کہ میخ کا سر کچلا جاتا ہے اور اس پر کوئی رحم نہیں کھاتا۔

اس شعر میں شاعر نے" عَيْرُ الْحَيِّ "اور"وتد"دو متعدوں کا ذکر کرنے کے بعد"ربط مع الخسف"کو"عیر الحی"کی طرف اور"شج"کو"وتد"کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

تیسری صورت: کسی شئ کے متعدد احوال کو اس طرح بیان کریں کہ ان میں سے ہر ایک حال کو طرف (بغیر شرط تعین) ایسی شئ منسوب ہو جو اس کے مناسب اور لائق ہو، جیسے ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ، "أَذِلَّةٍ" عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ "أَعِزَّةٍ" عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [المائدہ:۵۴] یہاں مؤمنین کے دو احوال مع القیود ("أَذِلَّةٍ" عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، "أَعِزَّةٍ" عَلَى الْكٰفِرِيْنَ) ذکر کیے گئے ہیں[1]۔

قاعدہ نمبر ۱: تقسیم اور لف ونشر میں فرق یہ ہے کہ صنعت تقسیم میں تعیین ہوتا ہے اور لف ونشر میں تعیین نہیں ہوتا، کیونکہ لف ونشر میں سامع اپنے ذہن سے ہر چیز کی مناسبت کو اس سے متعلق کر دیتا ہے۔ یعنی تقسیم کی تعریف میں تعیین کی قید ملحوظ ہے اور لف ونشر کی تعریف میں عدم تعیین کی قید ملحوظ ہے کہ اس میں متعلقات کو متعدد کیساتھ ملانے کا دارومدار سامع اور مخاطب پر ہوتا ہے کہ وہ قرائن معنویہ اور لفظیہ کو دیکھتے ہوئے متعلق کو اپنے متعدد کیساتھ ملاتا ہے کہ فلاں متعدد کا تعلق فلاں چیز ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: بعض حضرات نے تقسیم کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:۔

۱۔ تقسیم مرتب ۲۔ تقسیم غیر مرتب ۳۔ تقسیم تفریع ۴۔ تقسیم تضمین

۱۔ تقسیم مرتب: وہ ہے جس میں اشیاء بالترتیب مذکور ہوں۔ ۲۔ تقسیم غیر مرتب: وہ ہے جس میں اشیاء غیر مرتب مذکور ہوں۔ ۳۔ تقسیم تفریع: وہ ہے جس میں پہلے مصرع میں چند چیزیں بیان کریں اور دوسرے مصرع میں ان کے متعلق تعین کیساتھ چند چیزیں ذکر کریں۔ ۴۔ تقسیم تضمین: وہ ہے جس میں پہلے شعر میں چند چیزیں بیان کریں اور دوسرے شعر میں ان کے متعلق تعین کیساتھ چند چیزیں ذکر کریں[2]۔

---

[1] عام کتب میں اس کی مثال میں اس شعر کو پیش کیا جاتا ہے۔

أَنْتَ بَدْرٌ حُسْنًا وَشَمْسٌ عُلُوًّا   وحُسَامٌ عَزًّا وَبَحْرٌ نَوَالا

ترجمہ: آپ حسن کے اعتبار سے چودھویں کا چاند ہیں بلندی کے اعتبار سے سورج ہیں غلبہ کے اعتبار سے تیز تلوار ہیں؛ اور بخشش کے اعتبار سے سمندر ہیں۔

شاعر نے اس شعر میں مخاطب کے چار احوال: "بَدْرٌ، شَمْسٌ، حُسَامٌ، بَحْرٌ" ذکر کیے ہیں، پھر ہر حال کے مناسب ایک ایک وصف کو بھی ذکر کیا "بَدْر" کے لیے "حُسْن، شَمْس" کے لیے "عُلُوّ، حُسَام" کے لیے "عَزًّا، بَحْر" کے لیے "نَوَالا" کو ذکر کیا گیا ہے۔

[2] تقسیم کی ایک قسم تقسیم مسلسل بھی ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ شعر کے پہلے مصرعے میں چند اشیاء کے ذکر کا التزام کر کے دوسرے مصرعے میں ان کے مطابق الفاظ یا لوازم لانا، جیسے شعر ہے۔

کوئی ہے کافر کوئی مسلمان جدا ہر اِک کی ہے راہِ ایماں

قاعدہ نمبر ۳: تقسیم موجود چیز کی قسموں کے استقصاء کا نام ہے نہ کہ ان چیزوں کی اقسام کا جو عقلاً ممکن ہوتی ہیں[1]۔

تقسیم کی چند مثالیں:

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ، وَكُنْتُمْ أَزْوَاجاً ثَلاثَةً فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ، لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ، الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِهِمْ، قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ. وقالوا كونوا هودا أو نصارى، الكلمة اسم أو فعل أو حرف، لا ينجح إلا المتأدب والمجتهد هذا باجتهاده وذاك بحسن سيره، أنت شمس حسنا وبدرعلو، "رحم الله من تصدق من فضل، أو آسى من كَفَاف، أو آثر من قوت.

۴۔۔۔ جمع مع التّفریق کی تعریف[2]:

جمع مع التفریق کا لغوی معنی ہیں: چند چیزوں کو اکٹھا کر کے جدا کر دینا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو چیزوں کو ایک حکم میں داخل کرنے کے بعد جہتِ ادخال میں جدائی اور تفریق کر دی جائے، جیسے: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا، وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا، فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ، وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [الزمر: ۴۲] اس آیت میں تمام نفوس کو حکمِ واحد متوفیٰ (روح قبض کیا ہوا) میں داخل کیا گیا ہے، پھر اِرسال واِمساک کے حکم سے متوفی کی دو جہتوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے[3]۔

جو اُس کے نزدیک رہبری ہے وہ اِس کے نزدیک رہزنی ہے

اس شعر میں پہلے مصرع میں کافر اور مسلمان کا ذکر کیا گیا ہے، پھر انہی الفاظ کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں رہبری اور رہزنی ان کے لوازم کا ذکر کیا گیا ہے، اُس اور اِس سے تعیین بھی ہو رہا ہے۔

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۳۰۵۔

(۲) مختصر المعانی: عروس الافراح: ۲/ ۲۵۳، جواہر البلاغۃ: ۳۱۲، علوم البلاغۃ للمراغی: ۳۳۳۔

(۳) تلخیص المفتاح اور دیگر کتابوں میں جمع مع التفریق کی یہ مثال دی گئی ہے۔

جمع التفریق کی چند مثالیں:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً، خلقتني من نارٍ، وخلقته من طين وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الحرث إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ القوم وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ * فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلاًّ آتَيْنَا حُكْماً وَعِلْماً. تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ.

۵۔۔۔جَمْع مَعَ التَّقْسِيم کی تعریف[1]:

جمع مع التقسیم کے لغوی معنی ہیں: چند چیزوں کو اکٹھا کر کے تقسیم کرنا، اس کی دو صورتیں ہیں:۔

پہلی صورت: یہ ہے کہ متعدد چیزوں کو کسی حکم کے تحت جمع کر دیا جائے، پھر ان میں سے ہر ایک کے لیے جدا جدا حکم ثابت ثابت کر دیا جائے، جیسے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَّمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللهِ﴾ [فاطر:۳۲]۔اس آیت میں وارث بنانے کے حکم میں سب داخل ہیں، ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمانِ صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ " ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ" ہوئے اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں، نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ وولی۔ ان کو " مُّقْتَصِدٌ" فرمایا اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل وتوفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیلِ کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں

فوجهك كالنار في ضوئها ... وقلبي كالنار في حرها

ترجمہ: میری محبوبہ کا چہرہ چمکنے اور روشنی میں آگ کی طرح ہے اور میرا دل گرمی میں آگ کی طرح ہے۔

اس شعر میں شاعر نے پہلے محبوبہ کے چہرہ اور اپنے دل کو آگ ہونے میں داخل کر دیا اور پھر وجہ شبہ میں فرق بیان کر دیا کہ دونوں کی وجہ شبہ مختلف ہے، چنانچہ محبوبہ کا چہرہ چمکنے دمکنے میں آگ کی طرح ہے اور میرا دل جلنے اور تپش میں آگ کی طرح ہے۔

[1] عروس الافراح:۲/۵۵۳، انوار الربیع:۳۹۳، علوم البلاغۃ للمراغی:۳۳۳، البلاغۃ العربیہ:۲/۴۲۳، جواہر البلاغۃ:۳۱۲۔

چھوڑتے، اور گناہ کے خوف سے مکروہِ تنزیہی، بلکہ بعض مُباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں (یہ تفریق ہوئی)۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تواُن کو ہے، ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا، کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں[1]۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ متعدد چیزوں کو پہلے تقسیم کیا جائے، پھر ان کو جمع کرکے ان پر ایک ہی حکم لگادیا جائے، جیسے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مدح میں یہ شعر ہے۔

قَوْمٌ إِذَا حَارَبُوا ضَرَّوا عَدُوّهُمُ　　أَوْ حَاوَلُوا النَّفْع فِي أَشْيَاعِهِمْ نَفَعُوا

سَجِيَّةٌ تِلْكَ مِنْهُمْ غَيْرُ مُحْدَثَةٍ　　إِنَّ الْخَلاَئِقَ فَاعْلَمْ شَرُّهَا الْبِدَعُ

ترجمہ: صحابہ کرام ایسے لوگ ہیں جب وہ لڑتے ہیں تو اپنے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں اور جب اپنے دوستوں کو نفع پہنچانا چاہیں تو نفع پہنچاتے ہیں، یہ ان کی طبیعت میں داخل ہے کوئی نئی بات نہیں ہے، یقیناً طبیعتوں میں بدترین چیز وہ ہوتی ہیں جو نئی ہو۔

اس شعر میں پہلے صحابہ کرام کو تقسیم کیا گیا کہ وہ وہ دشمن کو نقصان اور دوستوں کو نفع دیتے ہیں اور پھر ان کا الفاظ کہ کر ایک ہی حکم میں جمع کر دیا کہ یہ ان کی فطری طبیعت اور ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے کوئی نئی بات نہیں ہے!!

جمع مع التقسیم کی چند مثالیں:

---

[1] تلخیص المفتاح اور دیگر کتب بلاغت میں جمع مع التقسیم کی یہ مثال دی گئی ہے، جیسے متنبی کا سیف الدولہ کی تعریف میں یہ شعر ہے۔

حَتَّى أَقَامَ عَلَى أَرْبَاضِ خَرْشَنَةٍ ... تَشْقَى بِهِ الرُّومُ والصُّلْبَانُ والْبِيَعُ

للسَّبْيِ مَا نَكَحُوا والْقَتْلِ مَا وَلَدُوا ... وَالنَّهْبِ مَا جَمَعُوا وَالنَّارِ مَا زَرَعُوا

ترجمہ: یہاں تک کہ انہوں نے غلبہ پایا خرشنہ کے شہر کے پناہ گاہ پر تو اس کی وجہ سے بدبخت ہوئے رہے ہیں اہل روم صلیب والے اور چرچ والے، ان کی بیویوں کے قید ہونے کی وجہ سے اور ان کی اولاد کے قتل ہونے کی وجہ سے اور ان کے جمع شدہ پونجی کے چھن جانے کی وجہ سے اور ان کے فصلوں کے جلانے جانے کی وجہ سے۔

اس شعر میں شاعر نے پہلے تمام کو ایک ہی حکم "شقاوت" میں جمع کر دیا ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حکم میں تقسیم کر دیا ہے کہ ان کی بیویوں کو قید کر دیا اور ان کی اولاد کو قتل کر دیا، ان کے جمع شدہ مال کو چھین کیا اور ان کی کھیتوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ تلخیص المفتاح: عروس الافراح: ۲/ ۵۵۳، البلاغۃ العربیہ: ۲/ ۴۲۳، جواہر البلاغۃ: ۳۱۲۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى. يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ. وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ.

۶ ـــ جمع مع التَّفْرِيق و التَّقْسِيم کی تعریف[1]:

جمع مع التَّفْرِيق والتَّقْسِيم کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ چیزوں کو ایک حکم میں جمع کیا جائے، پھر کسی زائد معنی کے ذریعے اُن میں جدائی بیان کی جائے، پھر جدا کی ہوئی چیزوں میں سے ہر ایک کی طرف ان کے مناسب حکم کو متعین طور پر منسوب کر دیا جائے، جیسے: ﴿يَوْمَ يَأْتِ "لاتَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ"؛ "فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ، وَسَعِيْدٌ"* "فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ* خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلاَّ مَا شَآءَ رَبُّكَ، إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ"* "وَأَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِيْ الجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلاَّ مَا شَآءَ رَبُّكَ، عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ"﴾ [هود:۱۰۸-۱۰۵] اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ﴿لاتَكَلَّمُ نَفْسٌ﴾ میں نکرہ تحت النفی لاکر تمام نفوس کو جمع کر دیا، پھر ان نفوس میں سے بعض کو شقی (بدحال) اور بعض کو سعید (خوش حال) قرار دے کر تفریق وجدائی بیان کی، پھر اشقیاء کی طرف ان کے مناسب حکم یعنی جہنم کے عذاب اور چیخنے کو منسوب کیا، اور سعداء کی طرف ان کے مناسب حکم، یعنی: ختم نہ ہونے والی جنت کی نعمتوں کو منسوب کیا[2]۔

---

[1] الجمع مع التفريق والتقسيم لم ينظم الشيخ صفي الدين ولا غيره من أرباب البديعيات الجمع مع التفريق والتقسيم، إما اكتفاء بالجمع مع التفريق، والجمع مع التقسيم، أو لأن البيت الواحد لا يتسع لنظمه. وقد ذكره السكاكي في المفتاح، والقزويني في التلخيص والإيضاح، والطيبي في التبيان، والسيوطي في الاتقان وجماعة آخرون. (أنوار الربيع:۳۹٤) مزید دیکھئے: تلخیص المفتاح: عروس الافراح:۲/۵۵۳، البلاغۃ العربیہ:۲/۴۲۳، جواہر البلاغۃ:۳۱۲۔

[2] فان قلت: ما معنى الاستثناء في قوله تعالى (إلا ما شاء ربك) قلت: هو استثناء من الخلود في عذاب النار والخلود في نعيم الجنة. فالاستثناء الأول محمول على أن فساق المؤمنين لا يخلدون في النار، والثاني محمول على أن

جمع مع التَّفْرِیق والتَّقْسِیم کی چند مثالیں:

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِیهِ وَأُمِّهِ وَأَبِیهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِیهِ لِکُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَأْنٌ یُغْنِیهِ وُجُوهٌ یَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِکَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوهٌ یَوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَئِکَ هُمُ الْکَفَرَةُ الْفَجَرَةُ.

ومنه:

وکم للیل عندي من نجوم ... جمعت النثر منها في نظامي
عتاباً أو نسیباً أو مدیحاً ... لخلّ أو حبیبٍ أو همامِ

ومنه:

لِمُخْتَلِفِي الْحَاجَاتِ جَمْعٌ بِبَابِهِ ... فَهَذَا لَهُ فَنٌّ وَهذا لَهُ فَنُّ
فَلِلْخَامِلِ الْعُلْیَا وَلِلْمُعْدِمِ الْغِنَی ... ولِلْمُذْنِبِ الْعُتْبَی ولِلْخَائِفِ الأَمْنُ

ومنه:

یقولون لي: صفها فأنت بوصفها ... خبیر أجل عندي بأوصافها علم
صفاء ولا ماء ولطف ولا هوا ... ونور ولا نار وروح ولا جسم

۷۔۔۔جمع المُؤتَلِف و المُختَلِف کی تعریف:

"مُؤتَلِف"، "ائتلاف" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنی ہیں: اکٹھا ہونا، ملاقات ہونا اور "مختلف"، "اختلاف" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو "اتفاق" کی ضد ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو ممدوحوں میں پائی جانے والی صفات ذکر کرکے دونوں میں برابری ثابت کی جائے، پھر دوسرے میں نقص بیان کیے بغیر محض پہلے ممدوح

أهل الجنة لهم سوی نعیمها ما هو أکبر وأجل وهو رضوان الله ولقاؤه عز وجل. وللمفسرین أقوال أخر في هذا الاستثناء هذا أصوبها.

وأما قوله (ما دامت السماوات الأرض) فهو کنایة عن التأبید ونفي الانقطاع، کقول العرب: لا أفعله ما أقام ثبیر، وما لاح کوکب.

کی فضیلت وبرتری ظاہر کرنے کے لیے اس کے مخصوص وصف کو بیان کیا جائے[1]، جیسے: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ* فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ [الأنبياء: ۷۹-۷۸]اس آیت میں علم وحکمت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں برابری ثابت کی گئی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام میں نقص بیان کیے بغیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت کو﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾سے ظاہر فرمایا۔

فائدہ: تفریق اور جمع المؤتلف والمختلف میں فرق یہ ہے کہ تفریق میں وصفِ مشترک کو کسی ایک کے لیے زیادہ اور دوسرے کے لیے کم ثابت کیا جاتا ہے، جب کہ جمع المؤتلف والمختلف میں اوصافِ مشترکہ کے علاوہ کسی وصفِ زائد کے ذریعے کسی ایک میں جزوی فضیلت ثابت کی جاتی ہے۔ تقسیم کے قریب قریب اور بہت سی قسمیں(لف ونشر، جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم) ہیں، جن میں زیادہ فرق نہیں۔

جمع المُؤتَلِف والمُختَلِف کی چند مثالیں:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَابُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَاأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَاإِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ.

و منه:

رأيت الهلال ووجه الحبيب ... فكانا هلالين عند النظر
فلم أدر من حيرتي فيهما ... هلال السما من هلال البشر
ولولا التورد في الوجنتين ... وما لاح لي من خلال الشعر
لكنت أظن الهلال الحبيب ... وكنت أظن الحبيب القمر[2]

---

[1] هذا النوع اختلف فيه أقوال المؤلفين، وعبروا عنه بعبارات غير سديدة، ومثلوا له بأمثلة غير مطابقة، والذي استقر عليه رأي المحققين أنه عبارة عن أن يريد المتكلم التسوية بين ممدوحين، فيأتي بمعان مؤتلفة في مدحهما، ويروم بعد ذلك ترجيح احدهما على الأخر بزيادة فضل لا ينقص بها مدح الأخر، فيأتي لأجل الترجيح بمعان تخالف معنى التسوية. (أنوارالربيع:۴۵۲)

[2] فقد سوى بينهما أولا ثم رجع ففضل الحبيب على الهلال.

و منه قول الشريف الرضي يخاطب الخليفة القادر بالله العباسي:

مهلا أمير المؤمنين فإننا ... في دوحة العلياء لا تتفرق.

ما بيننا يوم الفخار تفاوت ... أبدا كلانا في المعالي معرق.

إلا الخلافة ميزتك فإنني ... أنا عاطل منها وأنت مطوق.

۸۔۔۔لف و نشر کی تعریف[1]:

"لف" ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم مصدر ہے اس کا لغوی معنیٰ لپیٹنے کا عمل، ملفوف کرنا، لپیٹنا، پیچیدہ کرنا ہے اور "نشر" اس کی ضد ہے اس کا لغوی معنی اشاعت، پھیلاؤ، انتشار ہے علم البدیع میں ان دونوں الفاظ کو مرکبِ عطفی "لف و نشر" کی صورت میں لکھا جاتا ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ پہلے چند چیزوں کو اجمالاً یا تفصیلاً ذکر کیاجائے، پھر بلا تعیین ان میں سے ہر ایک کے مناسبات و متعلقات بیان کیے جائیں اور تعیین نہ کرنا اس اعتماد پر منحصر ہو کہ سامع اپنی فہم کے مطابق منسوب کو خود ہی اس کے منسوب الیہ سے متعلق کرلے گا۔ اس کو طی و نشر بھی کہتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ مناسبات سے کیا مراد ہیں؟ سو مناسبات سے مراد صفات، تشابہات، مستعارات، اجزائے کُل اور اخبار و افعال ہیں، یعنی اگر لف فاعل ہو اور فعل سے مقدم ہو تو مابعد فعل اس کا نشر ہو گا، لف اگر مبدل منہ ہے تو اس کا مابعد بدل اس کا نشر ہو گا، لف اگر موصوف ہو تو اس کے مابعد صفت اس کا نشر ہو گی لف اگر شبہ ہو تو اس کا مابعد مشبہ بہ اس کا نشر ہو گا، یہ تمام چیزیں مناسبات کے زمرے تو ضرور آئیں گی، لیکن ان کے آپس میں لف و نشر بننے کی شرط یہ ہے کہ کچھ چیزوں کو لپیٹ کر بیان کیا جائے پھر اگلے مرحلے میں انہی کو کھولا جائے، اگر یہ عمل نہ ہو تو انہیں یا تو مراعاۃ النظیر کہا جائے گا یا صنعتِ تقابل۔

لف و نشر کی اقسام و انواع

لف و نشر کی دو قسمیں ہیں:۔

[1] انوار الربیع:۶۸، الاتقان فی علوم القرآن:۳/۳۲۰۔

۱۔لف ونشر اجمالی ۲۔لف ونشر تفصیلی

۱۔۔لف ونشر اجمالی کی تعریف:

لف ونشر اجمالی کا مطلب یہ ہے کہ جس میں بوقت لف ابتداءً ہی دو یا زیادہ چیزوں کو اجمالا(غیر ممتاز) بیان کیا جائے، جیسے: ﴿وَقَالُوْا، لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ [البقرۃ:۱۱۱] یہاں ﴿قَالُوْا﴾ کی ضمیر یہود ونصاریٰ دونوں کی طرف اجمالا لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے: (''قالت اليهود'':'' لن يدخل الجنة إلا من كان هودا''، وقالت النصارىٰ: لن يدخل الجنة إلا من كان نصٰرٰى'')۔ گویا یہود ونصاریٰ دونوں ﴿قَالُوْا﴾ میں داخل ہیں؛ پھر ﴿إِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى﴾ کے ذریعے نشر کیا گیا ہے، یعنی ہر دو فریق کو لف میں اجمالاً ذکر کرکے جو چیز ان میں سے ہر ہر واحد کے لیے ہے اس کے مجموعہ کو نشر میں ذکر کیا گیا اور تعیین کو ترک کر دیا گیا ہے، اس لیے کہ یہود ونصاری کے مابین عناد ودشمنی ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ دو مخالف فریقوں میں سے کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے دخولِ جنت کا قائل ہو۔ ایسا لف ونشر، ترتیب وعدم ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتا، کیونکہ لف مجمل ہے جس کی وجہ سے اس میں ترتیب معلوم ہی نہیں۔

۲۔۔لف ونشر تفصیلی کی تعریف:

لف ونشر تفصلی کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔۔لف ونشر مرتَّب (لف ونشر غیر مشوّش) ۲۔۔لف ونشر غیر مرتب (لف ونشر مشوِّش)

۱۔۔لف ونشر مرتب (لف ونشر غیر مشوِّش):

لف ونشر مرتب کا مطلب یہ ہے کہ جس میں لف کے تمام مناسبات بالترتیب مذکور ہوں، ترتیب سے مراد یہ ہے کہ "لف" میں جو جو الفاظ ذکر کیے جائیں، ''نشر'' میں اسی ترتیب سے ان کے مناسبات ذکر کیے جائیں۔ بالفاظِ دیگر متعدد چیزوں کو تفصیلا ذکر کیا جائے، پھر بلا تعیین فہمِ سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم مرتب طور بیان کر دیا جائے، یعنی تفصیلاً جس ترتیب سے چند چیزوں کو ذکر کیا گیا ہو، اُسی ترتیب سے ہر ایک کے احکام بھی ذکر کر دیا جائے، جیسے: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ ''اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ'' ''لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ، وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ''﴾ [القصص:۷۳] ﴿ولاتَجْعَلْ يَدَكَ ''مَغْلُوْلَةً إِلىٰ عُنُقِكَ'' وَ''لاَتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ'' فَتَقْعُدَ ''مَلُوْمًا'' ''مَّحْسُوْرًا''﴾[إسرائيل ۲۹:] پہلی آیت میں ﴿اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ کو بذریعۂ عطف تفصیلا (علاحدہ اور ممتاز بیان کیا گیا ہے، اس کو ''لف'' کہتے ہیں، پھر ان دونوں کے مناسب احکام کو غیر متعین طور پر (احکام کو معین چیز کی طرف منسوب کیے بغیر) بالترتیب ﴿لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ، وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِه﴾ کے ذریعے ذکر کیے، فہم سامع پر اعتماد

کرتے ہوئے کہ: وہ اپنی سمجھ سے ان احکام کو ان کے مناسب چیزوں کے ساتھ ملحق کر دے گا؛ اس کو "نشر" کہتے ہیں۔ دوسری آیت ﴿مَلُوْمًا﴾ بخل کی طرف اور ﴿مَحْسُوْرًا﴾ اسراف کی طرف راجع ہے۔

۲۔۔۔لف ونشر غیر مرتب (لف ونشر مشوش):

لف ونشر غیر مرتب کا مطلب یہ ہے کہ جس میں "لف" کے مناسبات بالترتیب مذکور نہ ہوں، اگر "لف" جملہ اوّل میں پہلے نمبر پر ہے تو اگلے جملے میں اس کا مناسب نشر مثلاً تیسرے نمبر پر ہو، اگر "لف" پہلے جملے میں دوسرے نمبر پر ہے تو اس کا مناسب "نشر" مثلاً چوتھے نمبر پر ہو. یعنی متعدد چیزوں کو تفصیلا ذکر کیا جائے، پھر بلا تعیین فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کے مناسب حکم کو غیر مرتب طور پر بیان کیا جائے، جیسے: ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَنْ قَالُوْا: "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا"، "وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ"* "فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا"، "وَحُسْنَ ثَوَابَ الْآخِرَةِ"﴾ [اٰل عمران:۱٤۷] ﴿فَمَحَوْنَا "اٰيَةَ اللَّيْلِ" وَجَعَلْنَآ "اٰيَةَ النَّهَارِ" مُبْصِرَةً، "لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ" وَ"لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ"﴾ [بنی اسراءیل:۱۲] پہلی آیت میں امور دنیویہ واخرویہ کے متعلق دعاؤں کو تفصیلا ذکر کرتے ہوئے اوّلا امور اخرویہ سے متعلق دعا ﴿اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا﴾ کو ذکر کیا، ثانیاً امورِ دنیویہ سے متعلق دعا ﴿وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا﴾ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ "لفّ وطیّ" ہے اور "نشر" کے وقت اس کے مناسبات کو غیر مرتب طور پر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ﴿ثَوَابُ الدُّنْيَا﴾ کو پہلے ذکر کیا، جس کا متعلّق بوقتِ لف میں مؤخر تھا، اور ﴿حُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ کو مؤخر ذکر کیا، جس کا متعلق لف میں مقدم تھا۔ اور دوسری آیت میں رات اور دن کا دونشانیوں کے طور پر پیدا کرنے کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے ، یہ لف ہے اور نشر کے وقت ان کے مناسبات ("لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ" وَ"لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ") کو غیر مرتب طور پر ذکر کی گئی ہیں[1]۔

---

(۱) بعض حضرات نے لف ونشر کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ مرتب ۲۔ معکوس ۳۔ غیر مرتب

۱۔ **لف ونشر مرتب:** وہ ہے جس میں نشر اسی ترتیب سے ہو جس ترتیب سے لف ہو۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔" أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ "(سورۃ الضحیٰ:٦-١١) وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۱: لف و نشر اور تقسیم کی صورتِ ثانیہ میں فرق یہ ہے کہ: لف و نشر میں بعد میں ذکر کردہ احکام ماقبل میں مذکور چیزوں کی طرف غیر متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں؛ جب کہ تقسیم کی اس صورت میں ماقبل کی ہر چیز کی طرف احکام متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲: یاد رہے کہ: مذکورہ دو صورتیں یعنی: لف و نشر مرتب اور لف و نشر غیر مرتب، اسی وقت ہوں گی جب کہ بوقت "لف" دو چیزوں کو تفصیلاً یعنی علاحدہ علاحدہ اور ممتاز بیان کیا گیا ہو؛ ہاں اگر بوقتِ "لف" ابتداءً ہی دو یا زیادہ چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) بیان کیا ہو تو وہاں مرتب و غیر مرتب کی تقسیم نہ ہوگی، جیسے: ﴿وَقَالُوْا، لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا، أَوْ نَصٰرٰى؛ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾[البقرة:۱۱۱] -

قاعدہ نمبر ۳: لف و نشر کی ایک عجیب و غریب صورت یہ بھی ہے کہ دو یا زائد لفظوں کو پہلے ذکر کیا جائے اور پھر ایک ہی نشر میں لفظوں کے لیے جو کچھ ہے سب کا مجموعہ ذکر کیا جائے اور اس بات کی تعیین ہو کہ فلاں فلاں کے لیے ہے اور فلاں فلاں کے لیے ہے! جیسے "الراحة والتعب والعدل والظلم قدسد من أبوابها ماكان مفتوحاً وفتح من طرقها كان مسدوداً"۔ یہاں دو لف ہیں: ایک: "الراحة والتعب" دوسرے "العدل والظلم" اور "قدسد من أبوابها ماكان مفتوحاً وفتح من طرقها كان مسدوداً"۔ نشر واحد ہے جس میں لف کے لیے جو کچھ ہے سب کو علی التعیین ذکر کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۴: لف و نشر مرتب اور لف و نشر غیر مرتب میں کونسی قسم افضل ہے، اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، شلوبین کے نزدیک اول افضل ہے اور ابن رشیق کے نزدیک قسم ثانی افضل ہے، شیخ عزالدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی اختلاف نہیں، پہلا قول لغت کے اعتبار سے ہے اور دوسری قول بلاغت کے اعتبار سے ہے[1]۔

۲۔ **لف و نشر معکوس**: وہ ہے جس میں ہر ایک چیز کے منسوبات و متعلقات کی ترتیب بالکل الٹی ہو، جیسے "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ *وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ"(سورۃ آل عمران:۱۰۶-۱۰۷)

۳۔ **لف نشر غیر مرتب**: وہ ہے جس میں منسوبات اور متعلقات کا ذکر بلا ترتیب ہو، یعنی اس کی ترتیب نہ لف کی ترتیب کے مطابق ہو، نہ الٹی ہو بلکہ درہم برہم ہو، جیسے "هوشمس وأسدوبحر: جوداً وبهاءً وشجاعة"۔(بدر والفصاحۃ:۱۷۹)

(۱) نیل الامانی: ۲/۱۷۳۔

قاعدہ نمبر ۵: بعض اوقات لف کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں اس کے حذف ہونے پر نشر دلالت کر رہا ہو، جیسے کوئی سوال کرے" من الإنسان والفرس ؟"تو اس کے جواب میں کہا جائے۔"ناطق وصاهل" یہاں لف"الانسان والفرس"کو حذف کیا گیا ہے (۱)۔

قاعدہ نمبر ٦: لف ونشر معکوس میں یہ بات ضروری ہے کہ ترتیب ٹھیک الٹی ہو، لیکن لف ونشر غیر مرتب میں یہ ضروری نہیں (۲)۔

لف نشر مرتب اور لف نشر غیر مرتب کی چند مثالیں:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ. يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ. حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللهِ أَلا إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيبٌ. حَافِظُواْ عَلَى الصلوات والصلاة الوسطى وَقُومُواْ للهِ قَانِتِينَ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَاناً فَإِذَآ أَمِنتُمْ فاذكروا الله كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ. وَأَذِّن فِي الناس بالحج يَأْتُوكَ رِجَالاً وعلى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ. الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ. أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْأَمْثَالَ.

---

(۱) عروس الافراح:۲/۲۴۸۔

(۲) بدر والفصاحۃ:۱۷۹۔

۹۔۔۔ ترتیب کی تعریف:

”ترتیب“ باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی ہیں: تنظیم، صف بندی، آراستگی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایک موصوف کی چند صفات کو یا چند افعال کو فطری یا وقوعی ترتیب کے مطابق بیان کرنا، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ، ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ، ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلاً، ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا أَشُدَّكُمْ، ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا﴾ [غافر:٦٧]﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا﴾ [الشمس:۱۴] ﴿هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ﴾ [الحديد:٣].

پہلی آیت میں انسانی تخلیق کے مراحل (مٹی، پھر نطفہ، پھر گوشت کالو تھڑا، پھر بچہ پھر جوان اور پھر بوڑھا) کا علی الترتیب بیان ہے۔ دوسری آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ قوم ثمود پہلے تکذیب کی پھر ان پر عذاب الہی اترا۔ اور تیسری آیت میں باری تعالی کے چند صفات (اول، آخر، ظاہر، باطن) کو علی الترتیب بیان کیے گئے ہیں[1]۔

ترتیب کی چند مثالیں:

هُوَ الذي خَلَقَكُمْ مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لتبلغوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُواْ شُيُوخاً وَمِنكُمْ مَّن يتوفى مِن قَبْلُ ولتبلغوا أَجَلاً مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ، كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَآ إِذِ انبعث أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ الله نَاقَةَ الله وَسُقْيَاهَا فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا وَلاَ يَخَافُ عُقْبَاهَا. أَنزَلَ مِنَ السمآء مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فاحتمل السيل زَبَداً رَّابِياً وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النار ابتغآء حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كذلك يَضْرِبُ الله الحق والباطل فَأَمَّا الزبد فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ الناس فَيَمْكُثُ فِي الأرض كذلك يَضْرِبُ الله الأمثال. وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ.

---

(١) هذا النوع استخرجه شرف الدين التيفاشي، وسماه بهذا الاسم وقال: هو إيراد أوصاف شتى لموصوف واحد، في بيت أو أكثر، على ترتيبها في الخلقة الطبيعية، من غير إدخال وصف زائد عما يوجد علمه في الذهن، أو في العيان. (أنوار الربيع:٤٢٧)

۱۰۔۔۔تَدَلِّي مِن الأعلىٰ إلَى الأَدْنیٰ کی تعریف:

" تَدَلِّي" باب تفعّل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: بلندی سے اترنا، قریب ہونا۔"دالی" نیچے اترنے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترتے ہوئے بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا، جیسے: ﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [النساء:٦٩] . اس آیت میں منعوم علیہم میں سے پہلے انبیاء علیہم السلام، پھر صدیقین پھر شہداء اور پھر صالحین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تَدَلِّي مِن الأعلىٰ إلَى الأَدْنیٰ کی چند مثالیں:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ. وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَان. أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا. والله خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّن مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي على بَطْنِهِ وَمِنهُمْ مَّن يَمْشِي على رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي على أَرْبَعٍ يَخْلُقُ الله مَا يَشَآءُ إِنَّ الله على كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

۱۱۔۔۔تَرَقِّي مِن الأَدْنیٰ إلَى الأَعْلیٰ کی تعریف:

"تَرَقِّي" باب تفعّل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: بلند ہونا، اوپر چڑھنا، ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں پہنچنا۔ عربی محاورہ ہے-"مازال يترقى به الامرحتى بلغ غايته"-اس کی بات آگے بڑھتی گئی حتی کہ وہ مقصد تک پہنچ گیا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف چڑھتے ہوئے بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا، جیسے:﴿أَ لَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا؛ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَاتُنْظِرُوْنَ﴾ [الأعراف:۱۹۵] یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترقی کرتے ہوئے پہلے پاؤں پھر ہاتھ پھر آنکھ پھر کان کو ذکر فرمایا ہے اور بعد والا پہلے کے مقابلہ میں اشرف ہے۔

تَرَقِّي مِن الأَدْنیٰ إلَى الأَعْلیٰ کی چند مثالیں:

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ. قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا. وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ.

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ. أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ. إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ. يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ. وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ.

۱۲۔۔۔ تعدید کی تعریف:

"تعدید" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں: شمار کرنا، گنتی میں لانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ چند الفاظِ مفردہ کو ایک ساتھ تسلسل سے بلا عطف بیان کرنا جن میں باہم صنعتِ طِباق یا جِناس ہو۔ یہاں طباق سے مطلقاً محسنات معنویہ اور جناس سے مطلقاً محسنات لفظیہ مراد ہیں۔ یہ صنعت اکثر وبیشتر صفات کے ذکر میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾ [التوبة:۱۱۲] ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ﴾ [تحریم:۵] وغیرہ۔ لیکن اگر چند صفات متضادہ کو جمع کیا جائے تو اس وقت صفات کو بذریعہ عطف ذکر کیا جائے گا، جیسے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الحدید:۳].

تعدید کی چند مثالیں:

فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا. عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا. عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا. التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ.

۱۳۔۔۔۔ اِطِّرَاد کی تعریف[1]:

"اطراد" باب افعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: مسلسل ہونا، لگاتار ہونا۔ جاری ہونا، "اطرد الأنہار" ۔کا معنی ہے دریا کے پانی کا بہتے رہنا اور "اطراد الکلام" کا معنی ہے بات چیت کا ایک طرز و نہج پر جاری رہنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم اپنے ممدوح کے آباو واجداد کے اسماء کو معروف ترتیب (باپ، دادا، پردادا) کے خلاف وِلادت کی ترتیب (پردادا، دادا، باپ) پر ذکر کرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ [یوسف:۳۸] یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر دادا حضرت اسحاق علیہ السلام، پھر والد حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا محض باپ دادا کا نام بیان کرنا ہی مقصود نہ تھا بلکہ آپ نے ملت و مذہب کو بیان کرنے کے لیے پہلے بانی مذہب کا ذکر کیا پھر ان کے متبعین کا تذکرہ کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: اطراد اس کو کہتے ہیں کہ جس میں یا تو ممدوح اور اس کے آباء واجداد کا مسلسل ذکر ہو، یا آباء واجداد سے آغاز کر کے ممدوح کے نام پر مدح کا خاتمہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲: اطراد میں یہ بات ضروری ہے کہ آباء واجداد کے نام ذکر کرنے میں تکلف اور انقطاع نہ ہو، کیونکہ اطراد "" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پانی کا رواں دواں ہونا، لہذا اطراد میں بھی تسلسل کو برقرار رکھنا ضروری ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: شیخ صفی الدین حلی نے اطراد کی تعریف یوں کی ہے کہ متکلم اپنے ممدوح یا ممدوح کے علاوہ کسی کے آباو واجداد کے اسماء کو تسلسل کیساتھ وِلادت کی ترتیب پر ذکر کرے۔ یہ تعریف جمہور کی تعریف سے عام ہے، جیسے ربعہ بن عبید کا یہ شعر ہے۔

إنْ يَقْتُلُوكَ فَقَدْ ثَلَلْتَ عُرُوشَهُمْ　　　بعُتَيْبَة بْنِ الحَارِثِ بنِ شِهَابِ

ترجمہ: اگر وہ تجھے قتل کردیں تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے اس لیے ہ تم نے بھی ان کی عزت خاک میں ملادی ہے عتیبہ بن حارث بن شہاب کے قتل کر دینے کیساتھ۔

---

(۱) انوار الربیع فی انواع البدیع: ۲۵۰، الاتقان فی علوم القرآن: ۳/۲۹۶، مختصر المعانی: تلخیص المفتاح:

(۲) انوار الربیع فی انواع البدیع: ۲۵۰۔

اس شعر میں شاعر نے مذموم کو ودلات کی ترتیب کیساتھ ذکر کر کیاہے اس طور پر کہ پہلے مقتول کا پھر اس کے باپ اور پھر اس کے دادا کا ذکر کیاہے [1]۔

اطراد کی چند مثالیں:

واتبعت مِلَّةَ آبآئي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ. نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ.

الكريم ابْن الكريم ابن الكريم ابن الكريم يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم.

و منه:

قَتَلْنَا بِعَبْدِ اللّٰہِ خَيْرَ لِدَاتِهِ ... ذُؤَابَ بْنَ أَسْماءَ بْنِ زَيْدِ بْنِ قَارِبِ

---

[1] انوار الربیع فی انواع البدیع: البلاغۃ العربیہ: ٢/ ٤٥٩،

بابِ ششم: اِثباتۃ الصفۃ

یہ باب درج ذیل نو محسناتِ معنویہ پر مشتمل ہے:۔

١۔مبالغہ ٢۔تفویف ٣۔تجرید ٤۔ایہام ٥۔استتباع ٦۔ادماج ٧۔تاکید المدح بمایشبہ الذم ٨۔ تاکید الذم بمایشبہ المدح ٩۔الھزل ویرادبہ الجد۔

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

١۔۔مُبالغہ کی تعریف:

مبالغہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی ہیں: حد تک سے بڑھ کر تعریف یا برائی بیان کرنا، بڑا اچڑھا کر بیان کرنا، عربی محاورہ ہے۔"بالغَ فی الکلام: جاوز الحدود المعقولة"یعنی مبالغۂ کلام سے مراد (زیادتیٔ معنیٰ کے اعتبار سے) حدودِ عقلیہ سے تجاوز کر جانا ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ یہ ہے کہ کسی وصف کو شدت یا ضُعف میں اس حد تک پہنچادیں کہ اس حد تک اس کا پہنچنا بعید ہو یا محال ہو، تاکہ سُننے والے کو یہ گُمان نہ رہے کہ اس وصف کی شدت یا ضُعف کا کوئی مرتبہ باقی ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ* يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى، وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ [الحج:٢-١]﴿وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ [الأعراف:٤٠]۔پہلی آیت میں قیامت کی ہولناکی کا بیان ہے، جس کی تفصیل یہ ہے قیامت کے عظیم زلزلے دو ہیں: ١۔۔قیامت سے کچھ پیشتر زلزلے ہوں گے جو علامات قیامت میں سے ہیں۔ ٢۔۔نفخۂ ثانیہ کے بعد والا زلزلہ؛ اگر آیتِ مذکورہ میں پہلے والے زلزلے مراد ہیں تو آیت اپنے ظاہری معنی پر ہے، یعنی: دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں اسی حال میں محشور ہوں گی۔ اور اگر دوسرا زلزلہ مراد ہے تو قیامت کے اہوال وشدائد مراد ہوں گے اور ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا إلخ﴾ کو اہوال قیامت بیان کرنے میں مبالغۃً (بطورِ تمثیل) بیان کیا گیا ہے کہ اس دن اس قدر گبھراہٹ اور سختی ہو گی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں ہوں تو مارے گبھراہٹ اور شدتِ ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں؛ اس مبالغہ کے ذریعے ہر عقل مند کو اپنا انجام سوچنے اور قیامت کی ہولناکیوں اور شدائد سے نجات کی تیاری کرنے پر آگاہ کیا ہے۔ دوسری آیت یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا ہے، ہر زبان کے مُحاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو کسی دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں، یعنی: جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اسی جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ

اور چھوٹا ہو اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان مکذبین و مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے، کیونکہ باری تعالیٰ ان کے خلود فی النار کی خبر
دے چکا ہے [1]۔

مبالغہ کی اقسام انواع

مبالغہ کی تین قسمیں ہیں [2]:۔

ا۔تبلیغ ۲۔اِغراق ۳۔غُلو۔

ا۔۔ تبلیغ کی تعریف:

"تبلیغ" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: پہنچانا، ظاہر ہونا، بتلانا۔ "بلغ الشیب فی رأسه" کا معنی ہے اس کے سر میں بڑھاپا ظاہر ہوا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ تبلیغ وہ مبالغہ ہے جس میں مدعیٰ

---

(۱) مبالغہ اور اسمِ تفضیل میں فرق: اسمِ تفضیل میں شَے کا وصف علی سبیل الفوقیت ہوتا ہے یعنی ایک چیز کے لیے دوسری پر ترجیح دیتے ہوئے زیادتِ معنیٰ کو ثابت کیا جاتا ہے، یا وہ اسم صفت جو دوسری چیز کے مقابلے میں اپنے موصوف کی ترجیح ظاہر کرے جب کہ مبالغہ فی نفسہٖ تعریف و توصیف اور معنوی زیادتی کا نام ہے۔ پھر تفضیل کی تین قسمیں ہیں:۔

ا۔ تفضیلِ بعض ۲۔ تفضیلِ کل ۳۔ تفضیلِ نفسی۔

ا۔۔۔ تفضیلِ بعض: صفت کا وہ درجہ جس کے ذریعے ایک موصوف کی بعض پر ترجیح ظاہر کی جائے۔

۲۔۔۔ تفضیلِ کُل: صفت کا وہ درجہ جس کے ذریعے ایک موصوف کی تمام پر ترجیح ظاہر کی جائے۔

۳۔۔۔ تفضیلِ نفسی: صفت کا وہ درجہ جس میں موصوف کو کسی اور پر ترجیح اور فضیلت نہ دی جائے بلکہ فی نفسہٖ فضیلت کا بیان ہو، یہ قسم مبالغہ سے قریب تر ہے یعنی اُس سے مماثلت رکھتی ہے۔

(۲) بعض حضرات نے اس طرح تقسیم کی ہے کہ مبالغہ کی دو قسمیں ہیں:۔ ا۔ مبالغہ فی الاصل ۲۔ مبالغہ فی الزوائد

ا۔۔۔ مبالغہ فی الاصل: کسی حقیقت کو استعارہ میں بیان کرنا مبالغہ فی الاصل کہلاتا ہے، مثلاً:

یہ بھی ہے ادا کوئی خورشید نمط پیارے
منھ صبح دکھا جانا پھر شام چھپا جانا

یہاں شاعر نے اپنے محبوب کو خورشید سے استعارہ کیا ہے۔

۲۔۔۔ مبالغہ فی الزوائد: کسی چیز کو بغیر استعارہ سے مگر معنوی شدّت عطا کرنا مبالغہ فی الزوائد کہلاتا ہے

مبالغہ فی الزوائد کی تین اقسام ہیں:۔ ا۔ تبلیغ ۲۔ اغراق ۳۔ غلو۔

عقلاًوعادۃً ہر اعتبار سے ممکن ہو، جیسے حدیث میں ہے۔ "كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ"۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ وصفِ سخاوت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ بادشاہ لوگ بھی نہیں کرسکتے، عام حالات میں اس قدر سخی تھے کہ "إذا وجَدَ جادَ، وإنْ لم يجِدْ وَعَد، ولا يُخْلفُ المِيْعَاد" لیکن جب حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو ماہِ رمضان میں کلام اللہ شریف سناتے اس وقت آپ لوگوں کو بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے، یہاں حضرت کی صفتِ سخاوت کو ریح مرسلہ کی سخاوت سے زیادہ بتائی ہے، اور کیوں نہ ہو؟!! بارش کو حضرت کی سخاوت سے کیا نسبت! !بسا اوقات ہوائیں بے بارش بھی ہوتی ہیں، اور جب بارش برساتی ہیں تو صرف زمین کو زندہ کرتی ہیں، جب کہ حضرت کی سخاوت دلوں کو بھی زندہ فرماتی تھی اور قیامت تک آنے والی انسانیت کی ظاہری وباطنی ضروریاتِ دنیویہ ودینیہ کو پورا کرنے والی تھی[1]۔

۲۔۔۔اغراق کی تعریف:

"اغراق" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: حد سے بڑھنا، "اغرق فی الشئ" کا معنی ہے: کسی چیز میں حد سے بڑھ جانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اغراق وہ مبالغہ ہے جس میں مدعی کا وقوع عقلاً ممکن ہو، لیکن عادۃً ممکن نہ ہو، جیسے: حدیث امِ زرع میں امِ زرع کا اپنے دوسرے شوہر کی طرف سے ملنے والی عطاو بخشش اور اسبابِ عیش وعشرت اور ناز ونعمت پر فوقیت دیتے ہوئے ابوزرع کے بارے میں یہ کہنا: "لَوْ جُمِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِيْ زَرْعٍ". (۲)

---

[1] اسی طرح گھوڑے کی تعریف میں شاعر کا یہ شعر ہے:

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيْحُ فَرَّتْ وَأَلْقَتْ فِيْ يَدِ الرِّيْحِ التُّرَابَا

ترجمہ: جب اس گھوڑا کا ہوا سے مسابقہ ہوتا ہے تو وہ آگے نکل جاتا ہے اور ہوا کے ہاتھ میں دھول پھینک دیتی ہے۔ دیکھئے ہوا کے مقابلہ میں کبھی گھوڑے کا آگے نکل کر گرد وغبار کو اپنے پیچھے چھوڑ جانا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح ممکن ضرور ہے، لیکن شاعر کا مقصد یہاں پر گھوڑے کی تیز رفتاری بیان کرنا ہے اور اس کے لیے اس وصف کو بیان کر رہا ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہے، لہٰذا یہ تبلیغ کے قبیل سے ہوگا۔

[2] اسی طرح ایک شاعر اپنی سخاوت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِيْنَا وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالَا

ترجمہ: ہم پڑوسی پر احسان کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہمارے پڑوس میں رہے، اور اس کے پیچھے احسان کو بھیجتے ہیں جہاں کہیں وہ جائے۔ دیکھئے کسی سابقہ پڑوسی کے پیچھے پیچھے جہاں کہیں جائے احسانات اور نوازشوں کا بھیجتے رہنا عقلاً تو ممکن ہے، مگر عادتاً غیر ممکن ہے، کیوں کہ آدمی جب دور ہوجاتا ہے تو عام طور پر احسان ونوازش کا معاملہ ختم ہوجایا کرتا ہے، کیونکہ عموماً انسان بے مروتی، لالچ، بخل، حسد، نسلی اور وطنی تعصب وغیرہ جیسے اخلاق

۳۔۔۔غلو کی تعریف:

"غلو" ناقص واوی باب "فعل یفعُل" سے مصدر ہے اس کے معانی ہیں: بڑھ جانا، حد سے زیادہ ہو جانا، "غلا فی الدین والامر" کا معنی ہے: دین میں حد سے بڑھ جانا، متشدد ہونا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ غلو وہ مبالغہ ہے جس میں مدعیٰ عقلا و عادۃً دونوں اعتبار سے ناممکن ہو، جیسے ابو نواس کا شعر ہے۔

وَأخفتَ أهْلَ الشّرْكِ حَتّى إنّهُ لَتخافُكَ النُّطفُ التي لَمْ تُخلقِ

ترجمہ: مشرکین کو تو نے اس قدر ڈرایا کہ وہ نطفے بھی ڈرنے لگے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔

اس میں شاعر نے یہ ثابت کیا ہے کہ ممدوح اپنی ہیبت سے نطفوں کے بھی دل ہلا ڈالے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ عقلاً وعادۃً محال ہے۔

مبالغہ کی مذکورہ تینوں قسموں میں سے پہلی دو قسمیں (تبلیغ، اغراق) مقبول ہیں [1] اور تیسری قسم غلو ہے جو نہ مطلقاً مقبول ہے اور نہ ہی مطلقاً مردود ہے، بلکہ اس کی بعض قسمیں مقبول اور بعض غیر مقبول ہیں۔ غلوِ مقبول کی تین قسمیں ہیں:۔

ا۔۔۔وہ غلو ہے جس میں کوئی ایسا لفظ (مثلاً: كادَ، يُخَيَّل ، لَوْ، لَوْلَا وغیرہ) داخل کر دیا جائے جو کلام کو صحت کے قریب کر دے، جیسے: ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ [النور:۳۵]، ﴿ظُلُمْتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا﴾ [النور:٤٠] دیکھئے بدون آگ کے زیتون کے تیل کا روشن ہونا عقلاً وعادۃً ممتنع ہے، لیکن لفظ ﴿يَكَادُ﴾ نے فائدہ دیا کہ یہ روشن کرنا پایا نہیں گیا، لیکن روشن ہونے کے قریب کر دیا

رذیلہ اور اعمال سیئہ سے متاثر اور مغلوب رہتا ہے انہی رزائل اور سیئات کے اثرات ہیں کہ آج نوع انسان کے لیے دنیا باوجود وسعت کے تنگ ہو کر رہ گئی ہے!

[1] اختلفوا فی المبالغة، فمنهم من لا یری لها فضلا محتجان بأن خير الكلام ما خرج مخرج الحق، وكان على نهج الصدق، ولأنها لا تكون إلا من ضعيف عجز عن الاختراع، والتوكيد يعمد إليها لسد خلله، ومنهم من يقصر الفضل عليها وينسب المحاسن كلها إليها، محتجا بأن أحسن الشعر أكذبه. حكاهما فی المصباح، ومقتضى تعليله أن المبالغة كذب. وليس كذلك، ولو كانت كذبا لما وردت فی القرآن، ولا السنة، وقسم فی المصباح المبالغة إلى ما كان باستعمال فی غير موضوع كالاستعارة، وما كان بتكرار مثل: أَوْ كَظُلُماتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ (٣) أو تقسيم مثل: ونكرم جارنا البيت الآتی. (عروس الافراح:۲/۲۶۰)

ہے۔ دوسری آیت میں کفر کی ظلمت و تاریکی کا بیان ہے کہ جو کفار جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں، ان کی مثال یہاں بیان فرمائی کہ: اِن (کافروں کے اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ: سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اَور موج ہو، اور اُس کے اوپر بادل؛ غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے، اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی دیکھ نہ پائے۔ یعنی: اُن کے پاس روشنی کی اتنی چمک بھی نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں، کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔

۲۔۔۔ وہ غلو ہے جو ایسے اسباب پر مشتمل ہو جس سے وہم کو صحت وجواز کا تخیل پیدا ہو جائے، یعنی جو تخییلِ حسن پر مشتمل ہو، جیسے متنبی کا شعر ہے۔

عَقَدَتْ سَنَابِكُهَا عليها عثِيْرَاً   لو تَبْتَغِي عَنَقاً عليهِ أَمْكَنا

ترجمہ: گھوڑوں کے کھروں نے ان کے سروں پر اتنا غبار اکٹھا کر دیا اگر وہ گھوڑے اس غبار پر دوڑنا چاہیں تو دوڑنا ممکن ہے۔

اس شعر میں شاعر نے یہ دعوی کیا ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے غبار اڑ کر ان کے سروں پر اس طرح تہ بہ تہ جمع ہو گیا کہ گویا وہ زمین ہے جس پر دوڑا جا سکتا ہے اور یہ عقلاً وعادۃً محال ہے، لیکن یہ ایک تخیل حسن ہے جس کی وجہ سے مبالغہ مقبول ہے۔

۳۔۔۔ وہ غلو ہے جس میں کلام مسخرے پن اور بے باکی پر مبنی ہو، جیسے "أسكر بالأمس إن عزمت على الشرب غدا" (جب میں شراب پینے کا ارادہ کرتا ہوں تو ایک دن پہلے ہی مدہوش ہو جاتا ہوں) اس میں شاعر نے شراب نوشی کی کیفیت کا بتایا ہے کہ جب میں شراب پینے کا ارادہ کرتا ہوں تو ایک دن پہلے ہی بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز محال ہے، لیکن ہزل اور تمسخر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مقبول ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: علمائے بلاغت کے نزدیک مبالغہ کے لیے اور بھی نام ہیں: اِفراط فی الصفت، تبلیغ، اغراق اور غلو۔

فائدہ نمبر ۲: مبالغہ کے مقبول و مردود ہونے کے بارے میں علمائے بلاغت کی رائیں مختلف ہیں: قول اوّل: مطلقاً مبالغہ مقبول ہے، قول ثانی: مبالغہ مطلقا مردود ہے، قول ثالث: بعض انواعِ مبالغہ مقبول اور بعض مردود ہیں؛ یعنی: تبلیغ اور اغراق مقبول ہیں اور غلو کی بعض قسمیں مردود ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: مبالغہ کے صیغے دو قسموں پر ہیں، بعض میں فعل کی زیادتی کی وجہ سے مبالغہ پایا جاتا ہے اور بعض میں

مفعولات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے مبالغہ ہوتا ہے، جیسے :﴿توّاب﴾، من یتوب علیہ (مفعولات) میں کثرت کی بناء پر کہا جاتا ہے [۱]۔

قاعدہ نمبر ۴: مبالغہ نہ مطلقاً مقبول ہے اور نہ ہی مطلقاً مردود ہے، بلکہ بعض انواع مقبول ہیں اور بعض مردود ہیں، محسنات بدیعیہ میں سے مبالغہ مقبولہ ہے [۲]۔

قاعدہ نمبر ۵: اگر مدعیٰ عقلاً وعادۃً ہر اعتبار سے ممکن ہو تو تبلیغ ہے، اگر صرف عقلاً ممکن ہو تو اغراق ہے اور اگر ہر اعتبار سے محال ہے تو غلو ہے [۳]۔

قاعدہ نمبر ۶: علامہ رمانیؒ فرماتے ہیں کہ مبالغہ کے اقسام میں سے من جملہ یہ بھی ہے کہ صفت خاصہ کی جگہ صفت عامہ کیساتھ تعبیر کیا جائے، جیسے قرآن مجید میں ہے-" خالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (سورة الزمر:۶۲) نیز یہ بھی مبالغہ ہے کہ اللہ تعالی کے صفات کو اخبار کی صورت میں پیش کیے جائیں، جیسے "وَجاءَ رَبُّكَ" (سورة الفجر:۲۲) "فَأَتَى اللَّهُ بُنْيانَهُمْ مِنَ الْقَواعِدِ" (سورة النحل:۲۶) اور یہ بھی مبالغہ ہے کہ ممکن کو ممتنع پر معلق کیا جائے، جیسے " وَلا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِياطِ" (سورة الاعراف:۴۰) نیز کلام کو شک کی اسلوب میں ذکر نا بھی ایک قسم کا مبالغہ ہے، جیسے "وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلى هُدىً أَوْ فِي ضَلالٍ مُبِينٍ" (سورة سبا:۲۴) اور " قُلْ إِنْ كانَ لِلرَّحْمنِ وَلَدٌ" (سورة الزحرف:۸۱) اور اسی طرح جواب کا حذف کرنا بھی مبالغہ کی ایک قسم ہے، جیسے " وَلَوْ تَرى" (سورة السجدة:۱۲) وغیرہ [۴]۔

---

[۱] الزیادۃ والاحسان:

[۲] عروس الافراح: ۲/ ۲۶۰۔

[۳] عروس الافراح: ۲/ ۲۶۰۔

[۴] عروس الافراح: ۲/ ۲۶۲۔

(تنبيه): سمعت بعض المشايخ يقول: إن صفات الله - تعالى - التى هى على صيغة المبالغة كغفار، ورحيم وغفور، ومنان، كلها مجازات، وهى موضوعة للمبالغة ولا مبالغة فيها؛ لأن المبالغة أن يثبت للشئ أكثر مما له، وصفات الله - تعالى - متناهية فى الكمال لا تمكن المبالغة فيها، والمبالغة - أيضا - تكون فى صفات تقبل الزيادة والنقص، وصفات الله - تعالى - منزهة عن ذلك، وعرضت هذا الكلام على الوالد فاستحسنه، ولا شك أن هذا إنما يأتى تفريعا على أن هذه الأسماء صفات، فإن قلنا: علام؟ فلا يراد السؤال لأن العلم لا يقصد مدلوله الأصلى من مبالغة ولا غيرها، وسمعت بعض أهل العلم يقول: إنما لم يوجد لكثير من الشعراء المسلمين كثير

مبالغہ کی چند مثالیں:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ. يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ.

و منه:

فَعَادَى عِدَاءً بَيْنَ ثَوْرٍ وَنَعْجَةٍ ... دِرَاكاً فَلَمْ يَنْضَحْ بمَاءٍ فَيُغْسَلِ

و منه:

مِكَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ معاً ... كَجُلْمُودِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّيْلُ مِنْ عَلِ

و منه:

رَهَنْتُ يَدِي بالْعَجْزِ عَنْ شُكْرِ برِّه ... وَمَا فَوْقَ شُكْرِي للشكُور مَزِيدُ
وَلَوْ كَانَ مِمَّا يُسْتَطَاعُ اسْتَطَعْتُهُ ... ولَكِنَّ مَالاً يُسْتَطَاعُ شَدِيدُ

و منه:

لَمْ يُبْقِ جُودُكَ لِي شَيْئَاً أُؤَمِّلُهُ ... تَرَكْتَنِي أصْحَبُ الدُّنْيا بِلاَ أَمَلِ

و منه:

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِينَا ... ونُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَيْثُ مَالاَ

و منه: قول ابن الرّومي يذمّ بخيلاً ببخله:

لَوْ أَنَّ قَصْرَكَ يَا ابْنَ يُوسُفَ مُمْتَلٍ ... إِبَراً يَضِيقُ بِهَا فِنَاءُ الْمَنْزِلِ
وَأَتَاكَ يُوسُفُ يَسْتَعِيرُكَ إِبْرَةً ... لِيَخِيطَ قَدَّ قَمِيصِهِ لَمْ تَفْعَلِ

ومثلُهُ قولُ ابن الرومي أيضاً يَصِفُ بخيلاً:

فَتىً عَلَى خُبْزِهِ وَنَائِلِهِ ... أَشْفَقُ مِنْ وَالِدٍ عَلَى وَلَدِهْ
رَغِيفُهُ مِنْهُ حِينَ تَسْأَلُهُ ... مَكَانَ رُوحِ الْجَبَانِ مِنْ جَسَدِهْ

و منه:

يُخَيَّلُ لي أَنْ سُمِّرَ الشُّهْبُ في الدُّجى ... وشُدَّتْ بأَهْدَابِي إلَيْهِنَّ أجْفَانِي

من الشعر يمدحون به رسول الله ﷺ لأن الشعر إنما يحسن بالمبالغة، وهى متعذرة فى حقهﷺ لأن المادحين - وإن بذلوا جهدهم - لا يصلون إلى قطرة من بحره، عليه أفضل الصلاة والسّلام. (عروس الأفراح:۲/۲۶۳-۲۶٤)

و منه:

أَسْكَرُ بالأَمْسِ إِنْ عَزَمْتُ عَلَى الشُّرْ ... بِ غَداً. إِنَّ ذَا مِنَ الْعَجَبِ

٢۔۔۔۔ تفویت کی تعریف[1]:

تفویت لغت میں دوانگلیوں کے درمیان فاصلے کو کہاجاتاہے اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم مدح وثنا وغیرہ مضمون میں ممدوح کی مختلف صفاتِ حمیدہ کو الگ الگ جملوں میں بیان کرے جو جملے وزن میں باہم مساوی ہوں، یعنی متکلم مختلف اور متعدد معانی مدح،وصف اوراس کے علاوہ دیگر فنون اس طرح لائے کہ ہرایک فن میں ایک جملہ اپنے ساتھ کے دوسرے فن کے جملہ سے بالکل جداگانہ ہو، لیکن جملے وزن میں برابر ہوں، جیسے:﴿اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ*وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ*وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ* وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴾ [الشعراء:٨١-٧٨] ۔[2]

قاعدہ نمبر ١: تفویت طویل، متوسط اور مختصر ہرقسم کے جملوں میں متحقق ہوسکتاہے[3]۔

قاعدہ نمبر ٢: علامہ ابن ابی الاصبع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تفویت قصیر کی مثال نہیں[4]۔

تفویت کی چند مثالیں:

قُلِ اللَّٰهُمَّ مَالِكَ الملك تُؤْتِي الملك مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ الملك مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ بِيَدِكَ الخير إِنَّكَ على كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ، تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ، الرحمن * عَلَّمَ القرآن * خَلَقَ الإنسان * عَلَّمَهُ البيان *

---

(١) الاتقان فی علوم القرآن:٣/٣٠٤، البلاغۃ العربیۃ:٢/٥٢٩۔

(٢) وذكر بعض البديعيين باسم"التفويف" وهو في اللغة مشتق من الثوب المفوف الذي فيه خطوط بيض، والمراد تلوينه ونقشه. والتفويف في الصناعة، عبارة عن إتيان المتكلم بمعان شتى، من المدح والغزل وغير ذلك من الفنون والأغراض، كل فن في جملة من الكلام منفصلة عن أختها، مع تساوي الجملة في الوزنية. انظر: خزانة الأدب لابن الحجة:١/٢٤٦۔

(٣) الاتقان فی علوم القرآن:٣/٣٠٤۔

(٤) الاتقان فی علوم القرآن:٣/٣٠٤۔

الشمس والقمر بِحُسْبَانٍ * والنجم والشجر يَسْجُدَانِ، "اللَّهُمَّ احْفَظْنِي بِالإِسْلاَمِ قَائماً، واحْفَظْنِي بِالإِسْلاَمِ قَاعِداً، واحْفَظْنِي بالإِسْلاَمِ رَاقِداً، وَلاَ تُشْمِتْ بِيَ عَدُوّاً وَلاَ حَاسِدَاً، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهُ بِيَدِكْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهُ بِيَدِكَ، (قال قَسّ بين سَاعِدة الإِيَادِي في خطبته التي خطبها في سوق عكاظ):"أَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا وَعُوا، إِنَّهُ مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ. لَيْلٌ دَاج، ونهارٌ سَاج، وَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاج، ونُجُومٌ تُزْهِر، وبحَارٌ تزْخَر، وجبالٌ مُرْسَاة، وَأَرْضٌ مُدْحَاة، وأَنْهَارٌ مُجْرَاة، إنَّ في السَّمَاءِ لَخَبَرَا، وإِنَّ فِي الأَرْضِ لَعِبَرَا. مَا بَالُ النّاسِ يَذْهَبُونَ وَلاَ يَرْجِعُون؟ أَرَضُوا فَأَقَامُوا؟ أَمْ تُرِكُوا فَنَامُوا؟. يَا مَعْشَر إِيَاد، أَيْنَ الآبَاءُ والأَجْدَاد؟ وَأَيْنَ الْفَرَاعِنَةُ الشّدَاد؟ أَلَمْ يكُونُوا أَكْثَرَ منْكُمْ مَالاً؟ وأَطْوَلَ آجَالاً؟ طَحَنَهُمُ الدَّهْرُ بِكَلْكَلِه، ومَزَّقَهُمْ بِتَطَاوُلِهِ".

۳۔۔ تجرید کی تعریف:

"تجرید" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: علیحدگی، بے تعلقی، کسی شئ کو اس کی صفت یا تعلق سے ذہنی طور پر الگ کر کے اصل پر اعتماد کرنا اور نتیجہ نکالنا، خول اتارنا" جرد الثوب" کا معنی ہے: کسی کے کپڑے اترانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کسی موصوف کی صفت سے اس جیسی ایک دوسری صفت نکال کر مبالغۃً یہ باور کرائے کہ موصوف اس اتصافِ صفت میں اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ اس سے اس جیسا ایک اور امر منتزع کیا جاسکتا ہے، جیسے: ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللهِ النَّارُ، لَهُمْ "فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ"﴾ [حٰم السجدة:۲۸.] دیکھئے! آیت کا مطلب یہ نہیں کہ: جہنم میں ایک دار الخلد ہے اور دوسرا اس کے علاوہ دار الخلد ہے، بلکہ جہنم ہی خود دار الخلد ہے، اس کی ایک صفت عذاب ہے اور عذاب کی ایک صفت دار الخلد ہے۔ یہاں جہنم (موصوف) ہی دار الخلد ہے؛ لیکن عذاب جہنم (صفت) کی شدت اور اس کی ہولناکی میں مبالغہ و کمال بیان کرنے کے لیے عذاب جہنم (صفت) سے متصف ایک دوسرا دار نکالا گیا، اس کو دار الخلد کا نام دیا، اور بتایا کہ: جہنم کا عذاب اس قدر خوف ناک ہے کہ اس عذاب سے ایک دوسری جہنم (دار الخلد) بھی نکالی جاسکتی ہے۔

تجرید کی اقسام انواع

تجرید کی سات قسمیں ہیں:۔

ا۔۔ تجرید ”من“ ابتدائیہ کیساتھ: جس میں ”من“ جارہ منتزع منہ پر داخل ہو، جیسے ”لِي مِنْ فُلاَنٍ صَدِيقٌ حَمِيم“ (میرے لیے فلاں آدمی سے ایک نہایت ہی قریب دوست ہے) اس مثال میں صدیق سے ایک دوسرا شخص اسی کے مثل صفت صداقت سے متصف منتزع کیا گیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ فلاں شخص خلوصِ محبت کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ اس سے اس جیسا ایک اور شخص منتزع کیا جا سکتا ہے۔

٢۔۔۔ تجرید ”ب“ کیساتھ: جس میں ”ب“ جارہ منتزع منہ پر داخل ہو، جیسے ” لَئِنْ سَأَلْتَ فُلاَناً لَتَسْأَلَنَّ بِهِ البحْرَ، ولَئِنْ نَظَرْتَ إليه لترَيَنَّ به الْبَدْر، ولَئِنْ سَمِعْتَ كلاَمَه لتَجِدنَّ بِه السِّحْر.“ (اگر تم فلاں سے سوال کرو گے تو یقیناً تم اس کے ذریعے سمندر سے سوال کرو گے اور اگر تم فلاں کی طرف دیکھو گے تو یقیناً تم اس کے ذریعے چاند کو دیکھو گے اور اگر تم فلاں کی گفتگو سنو گے تو یقیناً اس کے ذریعے جادو پاؤ گے) اس میں ممدوح کی سخاوت میں مبالغہ کرنا ہے۔

٣۔۔۔ تجرید ”ب“ معیت کیساتھ: جس میں ”ب“ جارہ منتزع پر داخل ہو، جیسے شعر ہے۔

وَشَوْهَاءَ تَعْدُو بي إلَى صَارِخِ الْوَغَى　　بِمُسْتَلْئِمٍ مِثْلِ الْفَنِيقِ الْمُرَحَّلِ

ترجمہ: بہت سے بدصورت گھوڑے ہیں جو مجھے لے کر دوڑتے ہیں لڑائی میں مدد مانگنے والے کی طرف جو زرہ پہنے ہوئے ہیں اور چھنے ہوئے اونٹ کی طرح ہے۔

اس میں شاعر نے ضمیر متکلم مجرور ”بي“ میں تجرید کی ہے کہ متکلم اس حد تک جنگ وجدال کے لیے مستعد اور تیار رہتا ہے کہ اس سے ایک اور مستعد کو منتزع کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ”ب“ منتزع پر داخل ہے نہ کہ منتزع منہ پر۔

٤۔۔ تجرید ”فی“ کیساتھ: جس میں ”فی“ جارہ منتزع منہ پر داخل ہو، جیسے ” {ذَلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللهِ النار لَهُمْ فِيهَا دَارُ الخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوا بِآياتِنَا يَجْحَدُونَ}“ (سورۃ فصلت:٢٨) اس میں ”ہا“ ضمیر سے مراد جہنم ہے اور ”دار الخلد“ سے مراد بھی جہنم ہے۔ اس میں علی سبیل التجرید جہنم سے دار الخلد کو الگ کیا گیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ جہنم ناقابل برداشت حرارت وشدت میں اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ اس سے اسی جیسی جہنم کا انتزاع کیا جا سکتا ہے۔

۵۔۔۔ تجرید حرف عطف کیساتھ: جس میں حرف عطف منتزع منہ پر داخل ہو، جیسے "مَرَرْتُ بالرَّجُلِ الكريم، والنّسَمَةِ المباركة، والعالم التقي." اس میں "النّسَمَةِ المباركة" اور "العالم التقي" کو "الرَّجُلِ الكريم" پر عطف کیا گیا ہے اور عطف تغائر کا تقاضہ کرتا ہے، لیکن یہ عطف علی سبیل التجرید ہے کہ "النّسَمَةِ المباركة" اور "العالم التقي" کو "الرَّجُلِ الكريم" سے الگ کیا گیا ہے کہ گویا کہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔

٦۔۔۔ تجرید کنایہ کیساتھ: جیسے شعر ہے۔

يَا خَيْرَ مَنْ يَرْكَبُ الْمَطِيَّ وَلاَ　　يَشْرَبُ كَأْساً بِكَفِّ مَنْ بَخِلاَ

ترجمہ: اے ان لوگوں میں سے بہتر جو اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اور بخیل کے ہاتھ سے پیالہ نہیں پیتے۔

اس میں شاعر نے کنایہ کے طور پر مخاطب سے ایک سخی کا انتزاع کیا ہے جس کے ہاتھ سے ممدوح شراب پیتا ہے اس طور پر کہ جب بخیل کے ہاتھ سے پینے کی نفی کر دی ہے جو ملزوم ہے تو کریم کے ہاتھ سے پینا ثابت ہو گیا جو اس کو لازم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی اپنے ہی ہاتھ سے پیتا ہے اس لیے تجرید کنائی کے طور پر جواد اور کریم سے مراد ممدوح ہی ہوا۔

۷۔۔۔ تجرید اس طور پر ہو کہ انسان اپنی ذات سے ہم کلام ہو: اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ متکلم اپنی ذات سے ایک ایسے شخص کا انتزاع کر لے جو اس صفت میں متکلم کا مماثل ہو جس میں گفتگو کی جا رہی ہے۔ جیسے متنبی کا شعر ہے۔

لاَ خَيْلَ عِنْدَكَ تُهْدِيهَا وَلاَ مَالُ　　فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الْحَالُ

ترجمہ: نہ تیرے پاس گھوڑا ہے نہ مال کہ تم ممدوح کی خدمت میں ہدیہ پیش کر سکو، اگر تیرے پاس مال نہیں تو کم از کم زبان سے کام لے کر اس کی مدح تو کریں۔

اس میں شاعر نے اپنی ذات سے اپنے مثل نادرو بے بس کا انتزاع کر کے اس سے خطاب کیا ہے۔

۸۔۔۔ تجرید مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی حاصل ہو، جیسے قتادہ بن مسلمہ کا شعر ہے۔

فَلَئِنْ بَقِيتُ لأَرْحَلَنَّ بِغَزْوَةٍ　　تَحْوِي الْغَنائِمَ أَوْ يَمُوتُ كَرِيمُ

ترجمہ: اگر مجھے اجل نے موقعہ دیا اور زندہ رہا تو میں ایک عظیم غزوے کے لیے نکلوں گا جو غنیمت کے بے انتہا مالوں کو جمع کرنے کا باعث ہو گا اور اگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو ایک شریف انسان کے موت واقع ہو گی۔

قاعدہ: بیان تجرید کے لیے منتزع منہ پر تین حروف داخل کیے جاتے ہیں: ١۔ حرفِ: في، جیسے: لَكَ فِي دَارِكَ دَارُ كَرَامَة۔ ٢۔ حرفِ: باء، جیسے: لَئِنْ سَأَلْتَ فُلاناً لَتَسْأَلَنَّ بِهِ البَحْر۔ ٣۔ حرفِ: مِنْ، جیسے: لِيْ مِنْ فُلانٍ صَدِيْقٌ حَمِيْمٌ.

تجرید کی چند مثالیں:

لَئِنْ لَقيتَ فُلاَناً لَتَلْقَيَنَّ به الأسَدَ، ولَئِنْ سَأَلْتَهُ لَتَسْأَلَنَّ مِنْهُ الْبَحْرَ. وَلْتَكُن مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الخير وَيَأْمُرُونَ بالمعروف وَيَنْهَوْنَ عَنِ المنكر وأولائك هُمُ المفلحون[1]. لَئِنْ سَأَلْتَ فُلاَناً لَتَسْأَلَنَّ بِهِ البحْرَ، ولَئِنْ نَظَرْتَ إليه لترَيَنَّ به الْبَدْر، ولَئِنْ سَمِعْتَ كلامَه لتَجِدنَّ بِه السِّحْر. ذَلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللهِ النار لَهُمْ فِيهَا دَارُ الخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوا بِآياتِنَا يَجْحَدُونَ.

ومنه قول المتنبّي يخاطب نفسه على طريق التجريد:

لاَ خَيْلَ عِنْدَك تُهْدِيهَا وَلاَ مَالُ ... فَلْيُسْعِدِ النُّطْقُ إِنْ لَمْ تُسْعِدِ الحَالُ

٤۔۔۔ ایہام اور محتمل الضدین کی تعریف:

"ایہام" لغت میں وہم ڈالنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام کو اس طور پر لانا کہ دو مختلف ومتضاد معانی (مثلاً: مدح وذم) کا حامل ہو، جیسے ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاتَقُوْلُوْا" :رَاعِنَا" وَقُوْلُوا: انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا﴾ [البقرة: ١٠٤] یہود حضرت کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے اور بعضے جو اچھی طرح بات نہ سنتے وہ کہتے تھے ﴿رَاعِنَا﴾ یعنی ہماری رعایت کرو! یہ کلمہ سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ لہٰذا مؤمنین کو یہ کلمہ بولنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ: حضرت کی بات کو دھیان اور توجہ سے سنیں اور اگر کہنا ہے تو "انظرنا" کہیں، کیونکہ یہود

[1] أي: ولْتَكُونُوا يا أيُّها الّذِينَ آمَنُوا بمحمّد وبما جاء به عن رَبّه أُمَّةً يَدْعُونَ إلى الخير ويأمرون بالمعروف ويَنْهَون عن المنكر.

اس لفظ کو بد نیتی سے زبان دبا کر "رَاعِیْنَا" یعنی: ہمارا چرواہا کہتے تھے؛ نیز یہود کی زبان میں ﴿رَاعِنَا﴾ احمق کو بھی کہتے ہیں۔ ایہام کو محتمل الضدین بھی کہتے ہیں [1]۔

ایہام کی اقسام وانواع

ایہام کی پانچ قسمیں ہیں:۔

١۔ایہام نادر الوجود ٢۔ایہام التام ٣۔ایہام الترجمۃ ٤۔ایہام مرکب ٥۔ایہام الوصل۔

١۔۔۔ایہام نادر الوجود: وہ ایہام ہے جس کے تین سے زائد معانی ہوں۔

٢۔۔۔ایہام التام: وہ ایہام ہے جس کے تین معانی ہوں۔

٣۔۔۔ ایہام الترجمۃ: کلام میں ایسے الفاظ لانا جو دوسری زبان میں پہلے لفظ کا ترجمہ ہوں اور متکلم یا قاری اس سے دوسرے معنی مراد لیتا ہو۔

٤۔۔۔ایہام مرکب: کلام میں چند مفرد حروفِ تشبیہ وغیرہ کے طور پر اس طرح لائیں کہ ان کی ترکیب سے جو لفظ حاصل ہو، سامع اسے مقصد کلام سمجھے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کی ترتیب سے جو مفہوم حاصل ہوتا ہے وہ مقصد کلام ہوتا ہے۔

٥۔۔۔ایہام الوصل: شعر میں ایسے الفاظ لانا جن کے حروف جدا جدا پڑھنے سے وزنِ شعر درست ہو۔

قاعدہ نمبر ١: ایہام اور ادماج میں یہ فرق ہے کہ ایہام میں ایک لفظ کے دو یا زیادہ معنی ہوتے ہیں اور ادماج میں پورے کلام سے دو یا زیادہ معنی مفہوم ہوتے ہیں۔

---

[1] یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ توجیہ میں تضاد بین المعنیین شرط ہے جیسے بشار بن برد نے ایک کانے درزی کو جس کا نام عمر تھا ایک کپڑا سینے دیا۔ درزی نے کہا: میں اس کو ایسا سیوں گا کہ معلوم نہ ہوگا کہ یہ قباء یا ہے کچھ اور۔ بشار نے کہا میں تیرے حق میں ایسا شعر کہوں گا کہ معلوم نہ ہوسکے گا کہ وہ مدح ہے یا ہجو! چنانچہ درزی نے کپڑا ویسا ہی سی دیا اس پر بشار نے کہا:

خاطَ لِي عَمْرو قبَاءً   لَيْتَ عَيْنَيهِ سَوَاءٌ

قلتُ شعرًا ليس يُدرى   أَمَديح أمْ هجاء

اس میں """ دعا بھی ہوسکتی ہے، یعنی کیا اچھا ہوتا کہ عمرو کی دونوں آنکھیں صحیح ہوتیں اور بد دعا بھی ہوسکتی ہے، یعنی کیا اچھا ہوتا کہ جس طرح اس کی ایک آنکھ کانی ہے اسی طرح دوسری بھی کانی ہوتی۔

قاعدہ نمبر ۲: علامہ سکاکیؒ نے تشابہات القرآن کو ایہام اور محتمل الضدین کے قبیل سے قرار دیا ہے، تاہم یہ بات صحیح نہیں، اس لیے کہ تشابہات میں دو معنوں کے درمیان تضاد کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے جب کہ ایہام میں دو معنوں کے درمیان تضاد شرط ہے[1]۔

ایہام کی چند مثالیں:

إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ. وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ. قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ. وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى. وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ. قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ. مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا.

و منه:

بارك الله للحسن ... ولبوران في الختن

يا إمام الهدى ظفر ... ت ولكن ببنت من

۵۔۔۔استتباع کی تعریف[2]:

"استتباع" باب استفعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معانی ہیں: پیچھے چلنا، پیروی کرنا، تابع بنانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی شئ کی تعریف اس طرح کی جائے کہ وہ دوسری شئ کے مدح کو مستلزم ہو، یعنی کسی چیز کے لیے کوئی ایسی صفتِ مدح ذکر کرنا جو کسی دوسری صفتِ مدح کو مستلزم ہو، جیسے: ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة:۱۰۸] دیکھئے! آیت میں "مطهِّرين "کی تعریف کے ضمن میں طہارت کی تعریف بھی ہوگئی۔ اوراسی طرح متنبی کا شعر ہے۔

نَهَبْتَ مِنَ الأَعْمَارِ مَا لَوْ حَوَيْتَهُ ... لَهُنِّئَتِ الدُّنْيَا بِأَنَّك خَالِدُ

---

(۱) مختصر المعانی:

(۲) خزانۃ الادب لابن الحجۃ: ۳۰/۳۹۔

ترجمہ: تونے اتنی عمریں لوٹی ہیں کہ اگر تو انہیں جمع کرلیتا تو دنیا کو اس بات کی مبارک بادی دی جاتی کہ تو اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس شعر میں متنبی سیف الدولہ کی تعریف کررہاہے کہ تونے لڑائیوں میں لوگوں کو قتل کرکے ان کی اتنی عمریں چھینی ہیں کہ اگر ان تمام عمروں کو تیرے عمر کیساتھ جمع کیاجائے تو تو دنیامیں ہمیشہ رہے گا[١]۔ اس شعر میں متنبی نے ممدوح کی تعریف کمالِ شجاعت کیساتھ کی ہے کہ دشمنوں کا استیصال شجاعت کے بغیر ناممکن ہے اور یہ تعریف ممدوح کے لیے ایک دوسرے وصف کو مستلزم ہے اور وہ یہ ہے کہ ممدوح دنیاوی نظام کی خشت اول اور دنیاوالوں کی بہترین ضامن ہے کیونکہ بے فائدہ چیز کی مبارک بادی دینا کچھ معنی نہیں رکھتا[٢]۔

فائدہ: صنعتِ استتباع کو علامہ عسکری نے "مضاعف" کے نام کیساتھ موسوم کیاہے، علامہ ابن ابی الاصبع اور بعض دیگر حضرات نے اس کو "تعلیق" کیساتھ موسوم کیاہے اور علامہ زناجی نے اسے "موجہ" کے نام کیساتھ موسوم کیاہے[٣]۔

استتباع کی چند مثالیں:

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ. تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ. أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ. وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ. مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا. سأل صديق صديقه: هل نجحت في شهادة الدكتوراه؟ فقال له: نلتها – والحمدُ لله – بدرجة الشرف، وغدا العمل الممتاز بمرتَّب رفيع مُيَسَّراً، وأصبحت العروس التي تترقب نجاحي مستعدّة أن تنتقل إلى داري.

---

[١] اس بات میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کردیتاہے تو مقتول کی عمر وہی ہوتی ہے جس میں اس کا انتقال ہواہے یا قاتل مقتول کو عمر کو کم کرلیتاہے، اہل سنت کے نزدیک اس کی اتنی عمر ہوتی ہے۔ معتزلہ کا نظریہ ہے کہ قاتل مقتول کی عمر کو کم کرلیتاہے۔ مذکورہ شعر معتزلہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

[٢] والفرق بين هذا النوع وبين التكميل، إن التكميل يكمل ما وصف به أولا، والاستتباع لا يلزم به ذلك.

[٣] انوار الربیع: ٦٩؍٤۔

و منه:

تجري دماء الأعادي من سيوفهم ... مثل المواهب تجري من كفوفهم

و منه:

يستتبعون ببذل العلم بذل ندى ... ويحفظون المعالي حفظ عرضهم

٦۔۔۔ادماج کی تعریف:

"ادماج" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی لپیٹنے کے ہیں، "أدمج الشيء في الشيء" اس وقت کہاجاتا ہے جب ایک چیز کو دوسری چیز میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ایسے کلام کو کہتے ہیں کہ جو ایک معنی کے لیے لایا گیا ہو، لیکن دوسرے معنی کو بھی متضمن ہو، خواہ یہ دونوں معانی مدح کے قبیل سے ہوں یا نہ ہوں، جیسے: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلىٰ وَالْآخِرَةِ﴾ [القصص:٧٠]، ﴿فَإِنْ "طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ [النساء:٤] دیکھئے! یہ مضمون بیان کرنا مقصود ہے کہ قابلِ ستائش صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ مقصد ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ سے حاصل ہو گیا، لیکن اس معنی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ﴿فِي الْأُوْلىٰ وَالْآخِرَةِ﴾ کا لفظ بڑھا کر امورِ آخرت (حشر و نشر اور جزا و سزا) کی طرف بھی اشارہ فرمالیا۔ دوسری آیت میں "عَفَوْنَ" کے بجائے ﴿طِبْنَ﴾ کا لفظ استعمال فرما کر یہ بھی اشارہ کر لیا کہ اگر عورت کسی دباؤ میں آکر مہر کو مُعاف کرے تو یہ معافی صحیح نہیں (١)۔

قاعدہ نمبر ١: ادماج کو اصولیین اشارۃ النص کہتے ہیں [٢]۔

(١) عام کتب میں بلاغت میں ادماج کی مثال میں اس شعر کو پیش کیا جاتا ہے۔

أَقَلِّبُ فِيْهِ أَجْفَانِيْ كَأَنِّيْ ... أَعُدُّ بِهِ عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوْبَا

ترجمہ: میں اس رات میں اپنی پلکوں کو اس قدر کثرت سے پلٹتا تھا کہ گویا اس کے ذریعہ زمانے کے گناہوں کو شمار کر رہا ہوں۔ اس میں شاعر اصالۃً تو تکالیف سے بھری رات کی درازی کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ: کب یہ رات گزرے اور میں مصیبت سے رِہا ہوں؛ مگر اس مقصد کو بیان کرنے کے ضمن میں اس نے یہ بات بھی شامل کر دی، کہ: اہلِ زمانہ کے گناہ اور مظالم کی تعداد اس قدر بے حساب ہے کہ میں انہیں پلک کو جھپکا کر شمار کر رہا تھا تو بھی وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

(٢) انوار الربیع: ٥٠٢۔

قاعدہ نمبر ۲: ادماج اور استتباع کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ادماج عام مطلق ہے اور استتباع خاص مطلق ہے، اس لیے کہ استتباع مدح کیساتھ خاص ہے اور ادماج مدح اور غیر مدح دونوں میں پائی جاتی ہے یعنی استتباع خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ خاص ہے جب کہ ادماج تعریف اور غیر تعریف سب میں عام ہے۔

ادماج کی چند مثالیں:

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا. وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.

و منه قول ابن نُبَاتة:

وَلاَ بُدَّ لِي من جَهْلَةٍ فِي وِصَالِهِ ... فَمَنْ لِي بِخِلٍّ أُودِعُ الْحِلْمَ عِنْدَهُ

۷۔۔۔تاکید المدح بما یشبہ الذم کی تعریف[1]:

تاکید المدح بمایشبہ الذم کے لغوی معنی ہیں: ذم کی صورت میں کسی کی حد درجہ مدح اور تعریف کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ تعریف میں ایسے الفاظ لانا کہ ظاہر میں ہجو اور ذم معلوم ہو، لیکن حقیقت میں غایت درجہ کی تعریف ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں:۔

پھلی قسم:۔ ایک شئ سے جس صفت ذم کی نفی کی گئی ہے اسی صفت ذم سے صفت مدح کا استثناء کیا جائے یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ صفت مدح صفت ذم میں داخل ہے، جیسے ﴿لَايَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلاتَأْثِيْمًا*إِلاَّ قِيْلاً سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ [الواقعة:۲۶:۲۵] یہاں "إلا" سے قبل صفت ذم (سماع لغو وتأثیم) کی نفی ہے، پھر "إلا" کے بعد (مقامِ ذم میں) سلام (صفتِ مدح) کا اثبات فرمایا، حالانکہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ دونوں ہی صفت مدح ہیں۔ دیکھئے! عموماً صفتِ ذم کی نفی کے بعد صفتِ ذم کا استثنا کیا جاتا ہے، چنانچہ یہ ذم کی صورت میں مدح کرنا ہے، جو کہ لغو و تأثیم کے جنت میں نہ ہونے کو موکد بیان کرتا ہے[2]۔

---

[1] البدیع في البدیع:۱۵۷، نهاية الأرب في فنون الأدب:۷/۱۲۱، البلاغة العربية:۲/۳۹۲، جواہر البلاغة:۳۱۴، علوم البلاغة للمراغی:۳۴۲، عروس الافراح:۲/۲۶۹۔

[2] عام کتب بلاغت میں اس کی مثال میں اس شعر کو پیش کر جاتا ہے۔

وَلاَ عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ بِهِنَّ فُلُولٌ من قرَاعِ الْكَتَائِبِ

ترجمہ: ان میں اس چیز کے سوا اور کوئی عیب نہیں کہ ان کی تلواروں میں دشمن کی فوجوں کو کاٹنے کا ٹتے دندانے پڑ گئے ہیں۔

دوسری قسم:۔ کسی چیز کے لیے ایک صفت مدح کو ثابت کرکے پھر اس صفت کے بعد ادات استثناء یا ادات استدراک لاکر اس کے بعد متصلا دوسری صفت مدح کو لایا جائے، جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "أَنَا أَفْصَحُ العَرَبِ، بَيْدَ أَنِّيْ مِنْ قُرَيْشٍ"۔ آپ ﷺ نے اوّلا اپنے لیے ایک صفت مدح (فصیح ترین ہونا) کو ثابت فرمایا، پھر اس کے بعد "بَيْدَ" اَدات اِستثناء کو ذکر فرمایا جس سے یہ اشارہ ہو رہا تھا کہ: اب برائی بیان ہوگی، لیکن آپ ﷺ نے بعد میں فرمایا کہ: ہاں! میں قریش سے بھی تعلق رکھتا ہوں، یعنی: میں خود افصح ہوں اور افصح العرب (قریش) سے میرا تعلق بھی ہے؛ گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے فصیح وبلیغ ہونے کو ایسے الفاظ مدح سے مؤکد کیا جو واقعی ایک فصیح وبلیغ کی شان ہوتی ہے، کیوں ایک صفت مدح کے بعد استثناء کرنا، آنے والی صفت کے صفتِ ذم ہونے کی طرف مشیر ہوتا ہے[1]۔

تیسری قسم:۔ کلام میں ایسا مستثنیٰ لایا جائے جس میں مدح کے معنی ہوں اور وہ ایسے فعل کا معمول ہو جس میں ذم کے معنی ہوں، جیسے " وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا" (سورۃ الاعراف:١٢٦) اس آیت میں اداتِ

اس میں شاعر ممدوحین کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف یہ کہ ان کی تلواریں دندانہ دار ہیں اور ظاہر ہے کہ تلوار کا دندانہ دار ہونا عیب نہیں ہے بلکہ یہ محال ہے اور جو چیز معلق بالمحال ہو تو وہ خود محال ہوتی ہے، لہذا اس میں کسی عیب کا ہونا محال ہے، پس یہ مدح ہوئی جو پہلی مدح کی تاکید ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکور قسم میں تاکید مدح دو وجہوں سے ہے: ایک یہ کہ اس میں مدح کا اثبات ایسا ہے جیسے ایک چیز کو دلیل کیساتھ کردیا گیا ہو، کیونکہ شاعر نے نقیض مدعیٰ (اثباتِ عیب) کو محال پر معلق کی ہے اور معلق علی المحال محال ہوتا ہے، لہذا اس میں عیب کا نہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ استثناء میں اتصال اصل ہے اور انقطاع مجاز ہے اور جب اصل اتصال ہے تو مستثنیٰ سے قبل اداتِ استثناء کے مذکور ہونے سے سامع یہ سمجھے گا کہ متکلم مستثنیٰ منہ سے کسی چیز کو خارج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس طور پر کہ متکلم کے خیال میں بعض چیزیں مستثنیٰ منہ کے حکم سے خارج ہیں جن کو وہ نکال کر حکم مذکور کی ضد میں داخل کرنا چاہتا ہے کیونکہ استثناء نفی اثبات کا فائدہ دیتا ہے اور جب اس نے اداتِ استثناء کے بعد صفت مدح کو ذکر کرکے اتصال استثناء کو انقطاع کی صورت میں بدل دیا تو اس نے اس مدح میں تاکید پیدا کردی، کیونکہ اس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ میں نے ہر چند صفتِ ذم کی کوشش کی، مگر نہیں ملی، اگر مل جاتی تو اسی کا استثناء کرتا۔ اسی لیے میں نے مجبور ہو کر صفتِ مدح کو ذکر کرکے استثناء کے اتصال کو انقطاع سے بدل دیا۔ (مختصر المعانی)

[1] اس حدیث میں صفت مدح "افصح العرب" کے بعد استثناء (یعنی: "بید" بمعنی "غیر") ہے اس قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح استثناء منقطع ہے، کیونکہ یہاں مستثنیٰ منہ میں عموم ہی نہیں ہے، یہاں تک کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہوسکے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں استثناء کو متصل مقدر نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ یہاں جس صفت ذم کی علی العموم نفی کی گئی ہے اس کا وجود غیر متصور ہے اور جب تقدیرِ اتصال ناممکن ہے تو یہ قسم صرف دوسری وجہ کے لحاظ سے مفید تاکید ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے پہلی قسم افضل ہے، کیونکہ وہ دو وجہوں سے مفیدِ تاکید ہے۔

استثناء کے بعد صفتِ مدح "آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا" لائی گئی ہے اور یہ فعل منفی "تَنْقِمُ" کا معمول ہے جو معنی ذم پر مشتمل ہے۔ آیت کا معنی یوں ہوگا: " لا عيب فينا إلا الايمان إن كان عيباً، لكنه ليس بعيب فلاعيب فينا"۔

فائدہ نمبر۱: تاکید المدح بمایشبہ الذم علامہ ابن المعتز عباسی کی اختراع ہے، اس کو علامہ ابو ہلال عسکری اور ابن رشیق نے استثناء کے نام سے موسوم کیا ہے[1]۔

فائدہ نمبر۲: علامہ عبد الرحمن حنبکہؒ نے تاکید المدح بمایشبہ الذم کو " تأكيد الفكرة بما يشبه تقرير ضدّها" کے عنوان سے موسوم کیا ہے[2]۔

تاکید المدح بمایشبہ الذم کی چند مثالیں:

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ، لاَ يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْواً وَلاَ تَأْثِيماً * إِلاَّ قِيلاً سَلاَماً سَلاَماً، وَمَا نقموا إِلاَّ أَنْ أَغْنَاهُمُ الله وَرَسُولُهُ مِن فَضْلِهِ، الذين أُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلاَّ أَن يَقُولُواْ رَبُّنَا الله، هم فرسان الكلام إلاأنهم سادة أمجاد، قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلاَّ أَنْ آمَنَّا بِاللهِ، مَآ أَنَزَلْنَا عَلَيْكَ القرآن لتشقى * إِلاَّ تَذْكِرَةً لِّمَن يخشى، فَلاَ صَدَّقَ وَلاَ صلى * ولاكن كَذَّبَ وتولى، فَتَى كَمُلَتْ أَخْلاقُهُ غيْرَ أَنَّهُ جَوَادٌ فَمَا يُبْقِي مِنَ المَالِ بَاقِيَا، لَيسَ بِهِ عَيْبٌ سِوَى أنّه لا تَقَعُ الْعَيْنُ عَلَى مِثْلِهِ، تُعَدُّ ذُنُوبِي عِنْدَ قَوْمٍ كَثِيرةً وَلاَ ذَنْبَ لِي إلاَّ العُلاَ والفَضَائِلُ، لاَ عَيْبَ فِيهِمْ سِوَى أَنَّ النَّزِيلَ بِهِمْ يَسْلُو عَنْ الأَهْلِ والأَوْطَانِ والحَشَمِ، مَا نَقَمُوا مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ إِلاَّ أَنَّهُمْ يَحْلُمُونَ إِنْ غَضِبُوا، ولا عيب فيه غير أن خدوده بهن احمرار من عيون المتيم، ليس به عيب سوى أنه لا تقع العين على شبهه، ولا عيب في معروفهم غير أنه يبين عجز الشاكرين عن الشكر، ولا عيب فيكم غير أن ضيوفكم تعاب بنسيان الأحبة والوطن.

---

[1] الصناعتین:۳۹۶۔

[2] البلاغۃ العربیہ:۲/۳۹۲۔

۸۔۔۔تاکید الذم بمایشبہ المدح کی تعریف [1]:

تاکید الذم بمایشبہ المدح کے لغوی معنی ہیں: مدح کی صورت میں پکی مذمت بیان کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ صفتِ ذم کو ایسے الفاظِ مذمت سے مؤکد کرنا جو بظاہر مدح معلوم ہو، لیکن حقیقت میں انتہا درجہ کی مذمت ہو۔ یعنی: مدح کی صورت میں بُرائی کرنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم:۔ کسی صفتِ مدح منفی سے صفت ذم کو مستثنیٰ کرنا اس طور پر کہ استثناء کی ہوئی صفتِ ذم اُس منفی صفت مدح میں پہلے سے داخل تھی، یعنی ایک شئ سے جس صفتِ مدح کی نفی کی گئی ہے اسی صفتِ مدح سے صفتِ ذم کا استثناء کیا جائے یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ صفتِ ذم صفتِ مدح میں داخل ہے، جیسے﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ*وَّلاطَعَامٌ إِلاَّ مِنْ غِسْلِيْنٍ﴾ [الحاقة:۳۶-۳۵] یہاں "إلا" سے قبل صفت ذم (صدیق و حمیم کا نہ ہونا) کو ذکر کیا اور "إلا" کے بعد بھی صفت ذم (خبیث کھانے کے پائے جانے) کا اثبات کیا، حالانکہ صفت ذم کے استثناء کے بعد صفت مدح کو ذکر کیا جاتا ہے، جب کہ یہاں یہ دونوں صفت ذم ہیں۔

دوسری قسم:۔ یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے ایک صفتِ ذم کو ثابت کرنا، پھر اس صفت کے بعد اَدات استثناء یا اَدات استدراک لایا جائے جس سے متصل ایک اَور صفت ذم لایا جائے، جیسے "أَعْدَاؤه أَرَاذِلُ النَّاسِ جَمِيْعًا، لٰكِنَّهُمْ فِيْ الجَحِيْم". یہاں شاعر نے دشمنان رسول کی بُرائی اراذل الناس کہہ کر بیان کی ہے، پھر اداتِ استدراک لاکر (جو مقام مدح ہوا کرتا ہے) مزید بُرائی بیان کی کہ: وہ جہنمی ہیں۔ دوسری مثال یہ ہے "فلان فاسق إلاأنه جاهل"۔ اس میں فلاں کے لیے پہلے ایک صفت ذم ثابت کیا گیا ہے اور اداتِ استثناء (جو مقام مدح ہوا کرتا ہے) کے بعد دوسرا وصف جہالت کو ذکر کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: تاکید الذم بمایشبہ المدح کو تاکید الفکرۃ بمایشبہ تقریر ضدہا اور الہجاء فی معرض المدح بھی کہتے ہیں [2]۔

قاعدہ نمبر ۲: تاکید الذم بمایشبہ المدح کے پہلی قسم دو وجوہات کی بنیاد پر مؤکد ہوتی ہے اور دوسری قسم میں ایک طرح کی تاکید ہوتی ہے [3]۔

---

(۱) بغیۃ الإیضاح لتلخیص المفتاح:۴/۶۲۴، عروس الافراح:۲/۲۷۲، نهایۃ الأرب في فنون الأدب:۷/۱۲۲، جواہر البلاغۃ:۳۱۴، علوم البلاغۃ للمراغی:۳۴۳۔

(۲) البلاغۃ العربیہ:۲/۳۹۲، ہامش جواہر البلاغۃ:۳۱۴۔

(۳) علم البدیع للعتیق:۱۷۰۔

تاکید الذم بمایشبہ المدح کی چند مثالیں:

فلان لاخيرفيه إلا أنه يتصدق بمايسرق، فلان لاخيرفيه إلا أنه يسئى إلى من أحسن إليه، فلان فاسق إلّا أنه أحمق، لا حسن فى المنزل إلا أنه مظلم ضيق الحجرات، هو بذى اللسان غيرأنه صدره يجمع الأضغان، الجاهل عدو لنفسه لكنه صديق السفهاء، خلا من الفضل غير أنّي أراه في الحمق لا يجارى، لا فضلَ للقوم الا أنهم لا يعرفون للجار حقه، الجاهل عدوّ نفسه الا أنه صديق الحمقاء، فلان ليس أهلا للمعروف، إلا أنه يُسيء إلى من يحسن اليه، فلان حسودٌ إلا أنه نمّام، هو الكلبُ إلاّ أنّ فيه ملالةً وسوء مراعاة وما ذاك في الكلب، فلان لئيم الطباع سوى أنه جبانٌ يهون عليه الهوان.

۹۔۔۔الهزْل يُرَادُبِهِ الجِدُّ[۱]:

اس صنعت میں الگ الگ معنوں کے الفاظ موجود ہیں، یعنی "ھزل" اور "جد"۔ "ھزْل" لغت میں مذاق اور مسخرہ پن کو کہتے ہیں اور "جِدُّ" لغت متانت اور سنجیدگی کو کہتے ہیں اور علم بدیع کے اصطلاح میں اس صنعت سے یہ مراد ہے ایساکلام جو ظاہری طور پر مزاحیہ دکھائی دے، لیکن حقیقت میں اس کے پس منظر میں کوئی نصیحت یا معلومات بہم پہنچانا مقصود ہو۔ بالفاظِ دیگر میں کسی چیز کو ہنسی مذاق اور دِل لگی لیتے ہوئے ذکر کرنا اور اس سے کوئی سنجیدہ بات مقصود ہو، جیسے ابونواس کا شعر ہے۔

إِذَا مَا تَمِيمِيٌّ أَتَاكَ مُفَاخِراً فَقُلْ: عَدِّ عَنْ ذا. كَيْفَ أَكْلُكَ للضَّبّ؟

ترجمہ: کوئی تمیمی اگر اپنی خوبیوں پر ناز کرے تو اس کو کہہ دے کہ تو فخر کرنا چھوڑ! پہلے مجھے یہ بتا کہ تم لوگ گوہ کیسے کھاجاتے ہو! دیکھیے اشراف عرب گوہ کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔

اس شعر میں بظاہر "كَيْفَ أَكْلُكَ للضَّبّ؟" مزاح اور دل لگی ہے، لیکن حقیقت میں تمیمی کی مذمت ہے کہ وہ گُو کھانے والا ہے اور کوئی شریف خاندان گوہ کھانے کے لیے تیار نہیں۔ لہذا تمیمی شریف اور معزز لوگ نہیں[۲]۔

---

[۱] البدیع فی البدیع:۳۸۔أنوار الربیع:۱۱۶.

[۲] اردو میں اس کی مثال اکبر الہ آبادی کے یہ اشعار ہیں۔

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا

فائدہ نمبر ۱: "الهزْل يُرَادُ بِهِ الجِدُّ" علامہ ابن المعتز عباسی کی اختراع ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۱: " الهزْل يُرَادُ بِهِ الجِدُّ " علم بدیع کی ایک اعلی اور خوبصورت صنعت ہے جس میں حسن صیاغت کیساتھ ساتھ ظرافت بھی پائی جاتی ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۲: "الهزْل يُرَادُ بِهِ الجِدُّ" صرف مدح یاذم کیساتھ مختص نہیں بلکہ یہ غزل، شکوہ، اعتذار اور سوال وغیرہ میں بھی متحقق ہو سکتی ہے[3]۔

قاعدہ نمبر ۳: ہر وہ کلام جس میں مذاق اور مسخرے پن کے مضامین ہوں "الهزْل يُرَادُ بِهِ الجِدُّ" اسے کہتے ہیں۔

الهزْل يُرَادُ بِهِ الجِدُّ کی مثالیں:

قال امرء القيس:

وقد علمت سلمى وإن كان بعلها ... بان الفتى يهذي وليس بفعال.

وقال أبو العتاهية:

أرقيك أرقيك باسم الله أرقيكا ... من بخل نفسك عل الله يشفيك.

و قال الشاعر:

يا ذاهبا في داره جائيا ... بغير ما معنى ولا فائدة.

قد جن أضيافك من جوعهم ... فقرأ عليهم سور المائدة.

و قال الشاعر:

يقول أبو سعيد إذ رآني ... عفيفا منذ عام ما شربت.

على يد أي شيخ تبت قل لي ... فقلت على يد الإفلاس تبت.

شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ

کھاڈبل روٹی کلر کی خوشی سے پھول جا

بظاہر ان اشعار میں مزاح پھوٹتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں ان اشعار میں نصیحت پوشیدہ ہے۔

[1] البدیع فی البدیع:۳۸۔

[2] أنوارالربيع:١١٦۔

[3] أنوارالربيع:١١٦۔

وقال أبو نواس:

كفى بلاء حب من لا أرى ... ونحن في حيه وفي حاره.

أنا الذي أصلى بنار الهوى ... وحدي والعشاق نظاره.

تلعب الحب بقلبي كما ... تلعب السنور بالفاره.

و قال الشاعر:

قالوا فلان قد غدا تائبا ... واليوم قد صلى مع الناس.

قلت متى كان وأنى له ... وكيف ينسى لذة الكاس.

أمس بهذي العين أبصرته ... سكران بين الورد والآس.

ورحت عن توبته سائلا ... وجدتها توبة إفلاس.

و قال الشاعر:

تعقف فوق الخصيتين كأنه ... رشاء إلى جنب الركية ملتف.

كفرخ ابن ذي يومين يرفع رأسه ... إلى أبويه ثم يدركه الضعف.

بابِ ہفتم: ماتتعلق بحسن الکلام

یہ باب درج ذیل نو محسناتِ معنویہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔فرائد ۲۔نزاھت ۳۔اقتدار ۴۔ائتلاف اللفظ مع المعنی ۵۔انسجام ۶۔تھذیب ۷۔ارداف ۸۔رجوع ۹۔ابداع

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔۔۔فرائد کی تعریف[1]:

"فرائد" لغت میں "فریدۃ" کی جمع ہے اس کے لغوی معنی نفیس اور بیش قیمت موتی کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسا فصیح لفظ ذکر کرنا جو متکلم کی غایتِ فصاحت پر دال ہو، اگر اس لفظ کو ہٹا دیا جائے تو کلام فصاحت سے خالی ہو جائے، جیسے: ﴿قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ "حَصْحَصَ" الْحَقُّ﴾ [يوسف:٥١]، ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ "الرَّفَثُ" إِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ [البقرة:١٨٧]، ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا، وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [آل عمران:١٤١] دیکھئے! "حَصْحَصَ" کے معنی ہے حق و باطل کا پوشیدگی کے بعد حصہ حصہ (ممتاز) ہو کر اس طرح عیاں ہو جانا کہ حق واضح ہو کر سامنے آجائے کہ اس کا انکار نہ کیا جاسکے اور جھوٹ و باطل بے حقیقت ہو کر رہ جائے، اگر یہاں سے اگر "حَصْحَصَ" ہٹا دیا جائے تو کلام فصاحت سے خالی ہو کر رہ جائے گا۔ دوسری آیت دیکھیے: اس مثال میں "الرَّفَثُ" ہے، معروف لغوی امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ "الرَّفَثُ" ایسا جامع کلمہ ہے جو ہر ایسے قول و فعل پر مشتمل ہے جو میاں اپنی بیوی سے چاہتا ہے۔ تیسری آیت دیکھیے: "مَحَّصَ" کے معنی کسی (قیمتی) چیز کو اس میں موجود عیوب سے ایسا پاک صاف کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کھوٹ باقی نہ رہے، کھا جاتا ہے "مَحَّصَ الذَّهَبَ بِالنَّارِ" سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا۔ گویا ایمان والوں کو میل کچیل سے پاک صاف

---

[1] هذا النوع يختص بالفصاحة دون البلاغة، لأنه عبارة عن الإتيان بلفظة فصيحة، تتنزل منزلة الفريدة من القصيدة، وهي الجوهرة التي لا نظير لها، تدل على عظم فصاحة المتكلم وقوة عارضته، وجزالة غريبته، بحيث لو أسقطت من الكلام عري من الفصاحة، كقوله تعالى "الآن حصحص الحق" فلفظة (حصحص) فريدة، يعسر على الفصحاء الإتيان بمثلها في مكانها. ومثلها لفظة (الرفث) في قوله تعالى "أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلى نسائكم". ولفظة (فزع) في قوله تعالى "حتى إذا فزع عن قلوبهم". و"خائنة" في قوله تعالى "خائنة الأعين". (أنوارالربيع في أنواع البديع:٤١٦)

کرنے کو تشبیہ دی ہے سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا۔ اسی طرح (مَحَقَ) کے معنیٰ: بے برکت کرنا، بے اثر و بے نتیجہ بنانا، تباہ و برباد کرنا، اسی سے "المُحاق" ہے، یعنی چاند کی روشنی میں کمی، چاند پورا ہو جانے کی راتوں کے بعد اس میں آنے والی کمی، بے نوری اور نقص؛ یعنی اللہ پاک کافروں کو مختلف مواقع دے کر آہستہ آہستہ انہیں مکمل پھلنے پھولنے کا موقع دیں گے پھر انہیں ایسا تباہ و برباد کریں گے کہ نام و نشان مٹ جائے۔

فرائد کی چند مثالیں:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ. هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي. الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ. قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ.

۲۔۔۔۔نزاہۃ کی تعریف[1]:

"نزاہۃ" باب "علم" سے مصدر کا صیغہ ہے اس کے لغوی معانی ہیں: پاک و صاف ہونا، پاک دامن ہونا، "نزہ المکان" کا معنی ہے جگہ کا فضائی آلودگی سے دور ہونا اور صاف ستھرا ہونا اور "نزہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو ہر عیب و نقص سے پاک سمجھنا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ذم و ہجو اور عیب گیری کے موقع پر ایسے پُر وقار الفاظ ذکر کرنا جو سلیم المزاج اور لطیف الطبع لوگوں کے لیے بارِ خاطر نہ ہوں، قرآن مجید میں جہاں کسی کی مذمت بیان کی گئی ہے وہاں نزاہت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى،أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى،وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ [عبس١:٤]، ﴿وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [النور:٤٨]۔ اس کے بعد آگے فرمایا :﴿أَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، أَمِ ارْتَابُوْا، أَمْ

---

[1] النزاهة ضرب من الهجو، غير أنه يتعين أن يكون بألفاظه منزهة عن الفحش والسخف، وهو معنى قول أبي عمرو بن العلاء: خير الهجاء ما تنشده العذراء في خدرها، فلا يقبح بمثلها... قال الحافظ السيوطي وغيره: جميع هجاء القرآن من نوع النزاهة... فائدة- قال ابن بسام في الذخيرة: الهجاء ينقسم إلى قسمين، فقسم يسمونه هجاء الأشراف، وهو ما لم يبلغ أن يكون سبابا مقذعا، وهجوا مستشبعا، وهو طأطأ قديما من الأوائل، وثل عروش القبائل؛ غنما هو توبيخ وتعيير؛ وتقديم وتأخير؛ كقول النجاشي في بني عجلان؛ وشهرة شعره منعتني عن ذكره... والقسم الثاني- هو السباب الذي أحدثه جرير أيضاً وطبقته، وكان يقول: إذا هجوتم فاضحكوا، وهذا النوع منه لم يهدم قط بيتا، ولا عيرت به قبيلة. انتهى.(أنوارالربيع في أنواع البديع:١١٥-١١٦)

يَخَافُوْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهُ؛ بَلْ أُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [النور:۵۰]۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ متکلم کا غایتِ تکرّم واستحیاء ہے اور مخاطب کی غایتِ کرامت ہے کہ عتاب کے وقت بھی رُودررُو اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی، اور آگے خطاب کا صیغہ بطورِ التفات کے اس لیے اختیار فرمایا تاکہ اعراض کا شبہ نہ ہو، نیز وہ مضمون پہلے سے ہلکا ہے۔ دوسری آیت کو دیکھیے! یہاں منافقین کی گرفت فرماتے ہوئے کیسا اسلوب اختیار فرمایا ہے!

نزاہۃ کی چند مثالیں:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ. ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا. وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا. أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ. أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِين. أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ. صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ. فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا.

۳۔۔۔اقتدار کی تعریف[۱]:

"اقتدار" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: قادر ہونا، قابو پانا۔ اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ قادر الکلام متکلم ایک ہی مضمون کو مختلف جگہوں میں الگ الگ اسالیب (استعارہ، مجاز، کنایہ؛ ایجاز، اطناب وغیرہ) میں بیان کرے۔ یہ اسلوب قرآن مجید کے ذکر کردہ تمام واقعات میں ہے کہ ایک ہی معنی بیان کرنے والی چند آیتیں مختلف صورتوں اور الگ الگ سانچوں میں ایسی ڈھالی گئی ہیں کہ ہر دو آیتیں صورۃً مختلف ہیں، جیسے: ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الشعراء:۱۹] ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى، إِذْأَوْحَيْنَا...، إِذْ تَمْشِيْ أُخْتُكَ...، "وَقَتَلْتَ نَفْسًا" فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾ [طه:۴۰] دیکھیے: یہاں احسان جتاتے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف قتل کی نسبت فرمائی ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام وفرعون کے درمیان کے آپس گفتگو کے موقع پر باری تعالیٰ نے قتل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن:۳/ ۲۹۹۔

قاعدہ ۱: اقتدار کا مطلب یہ ہے کہ متکلم ایک معنی کو کئی صورتوں میں بیان کرے، جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسے نظم اور ترکیب کلام پر ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ معانی اور اغراض کو متعدد اور متنوع قوالب میں ڈھال سکتا ہے، کبھی استعارہ کی صورت میں، کبھی ارداف کی صورت میں، کبھی ایجاز کے قالب میں اور کہیں حقیقت کے سانچے میں اپنے مدعی کو ڈھال لیتا ہے[۱]۔

فائدہ: علامہ ابن ابی الاصبعؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے تمام قصص وواقعات اس طرز پر ہیں، کیونکہ ایک قصہ مختلف مقامات میں مختلف اسالیب کیساتھ مذکور ہے اور قصص کے بیان میں فرق پایا جاتا ہے[۲]۔

اقتدار کی چند مثالیں:

قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ نَاقَةَ اللهِ وَسُقْيَاهَا فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا، وَيَاقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ فَعَقَرُوهَا. وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ، وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ، وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا، وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ.

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۹۹۔

[۲] الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۹۹۔

۴۔۔۔۔اِئْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ المَعْنیٰ کی تعریف[(۱)]:

"ائتلاف" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں:: اکٹھا ہونا، ملاقات ہونا اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ الفاظ معانی کے موافق ہوں، جیسے معانی ایسے الفاظ ہوں، فخر و شجاعت کے لیے مستحکم الفاظ اور پُر شوکت عبارت منتخب کرنا۔ مدح و اظہارِ محبت کے لیے نرم و نازک اور عمدہ کلمات لانا۔ اسی طرح انوکھے معنی کے لیے نامانوس الفاظ اور مانوس معنی کے لیے مانوس الفاظ ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ [القمر:٤٢]، ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر:٣٧]، ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًا لَقَالُوْا: لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهُ! ءَأَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾ [حم السجدة:٤٤] پہلی آیت دیکھیے! اس مثال میں "قادر" بمعنی صاحب قدرت سے زیادہ بلیغ لفظ مقتدر یعنی "قابو پانے والا" ہے کیونکہ مقتدر کے معنیٰ: وہ ایسا قابو پانے والا ہے جس کے سامنے ساری کائنات بے بس ہے۔ دوسری آیت دیکھیے کہ جہنمی لوگ جہنم میں زور زور سے چلائیں گے "صَرَخَ "(ن) سے " صُراخًا" فریاد کرنا اور "اصطرخ "(افتعال) سے غیر معتاد (زور زور سے چیخنا چلانا۔ دیکھئے! ان کا چلانا غیر معتاد ہوگا اس تعبیر کے لیے ﴿يَصْطَرِخُوْنَ﴾ کا استعمال ابلغ ہے۔ تیسری آیت کو دیکھیے! باری تعالیٰ نے ان کے اس واہی و باطل اعتراض کہ "العیاذ باللہ" قرآن ِعجمی زبان میں ہونا چاہیے تھا! کو ﴿أَعْجَمِيًا - ءَأَعْجَمِيٌّ﴾ کے ایسے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اس کا پڑھنا اہل عرب کے یہاں کسی حد تک دشوار ثابت ہوا، اسی وجہ سے تو تسہیل کی ضرورت پیش آئی۔

فائدہ: علامہ ابن الحجہ حموی نے مطلقاً ائتلاف کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:۔

۱-ائتلاف اللفظ مع المعنی ۲-ائتلاف اللفظ مع الوزن ۳-ائتلاف المعنی مع الوزن ۴-ائتلاف اللفظ مع اللفظ[(۲)]۔

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن:۳/ ۲۹۹، المنہاج الواضح للبلاغۃ:۱/ ۱۷۶، البلاغۃ العربیہ:۲/ ۵۲۰، خزانۃ الأدب وغایۃ الأرب:۲/ ۴۴۲، جواہر البلاغۃ:۳۱۶۔

هذا النوع ذكره قدامة -أعني ائتلاف اللفظ مع المعنى- وترجمه منفردًا ولم يبين معناه وشرحه الآمدي وأطال، ولم توف عبارته بإيضاحه. وأوضحه ابن أبي الأصبع وقال: مختصر عبارة هذه التسمية أن تكون ألفاظ المعاني المطلوبة ليس فيها لفظة غير لائقة بذلك المعنى، إن كان اللفظ جزلًا كان المعنى فخمًا، أو رشيقًا رقيقًا كان المعنى غريبًا. خزانة الأدب وغاية الأرب:٢/٤٤٢-

(۲) خزانۃ الأدب وغایۃ الأرب:۲/ ۴۴۲۔

قاعدہ نمبر ۱: جب معانی دقیق اور جزیل ہوں تو ان کے لیے ان ہی جیسے کا الفاظ کا انتخاب ضروری ہے اور جب معانی میں دقت اور گہرائی نہ ہو تو ان کے لیے ان ہی جیسے الفاظ کا انتخاب ہو گا[1]۔

قاعدہ نمبر ۲: اگر معانی غریب اور غیر مانوس ہوں تو ان کے الفاظ بھی ان جیسے استعمال ہوں گے اور جب معانی متداول ہوں تو ان کے لیے بھی الفاظ متداولہ مستعمل ہوں گے اور جب معانی میں فخامت ہو تو الفاظ کا بھی فخیم ہونا ضروری ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۳: غزل میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ الفاظ عتاب اور تعاقب میں استعمال ہونے والے الفاظ کے علاوہ ہوتے ہیں اور جو الفاظ مدح میں استعمال ہوتے ہیں وہ ہجو اور مذمت میں استعمال نہیں ہوتے ہیں[3]۔

قاعدہ نمبر ۴: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ ائتلاف اللفظ مع المعنی کے بہترین مصداق ہیں۔

قاعدہ نمبر ۵: ائتلاف اللفظ مع المعنی کا تعلق ذوق سلیم اور فطرت سلیمہ کیساتھ ہے اور جو شخص عربی ادب پر عبور رکھتا ہو وہ اس کے کلام میں یہ صنعت پائی جاتی ہے، فصیح اور بلیغ شعراء اور ادیبوں کا کلام ائتلاف اللفظ معنی کا مصداق ہے[4]۔

اِئْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ المَعْنیٰ کی چند مثالیں:

وَأَقْسَمُواْ باللہ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لاَ يَبْعَثُ اللہ مَن يَمُوتُ بلى وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً ولكن أَكْثَرَ الناس لاَ يَعْلَمُونَ، وَلاَ تركنوا إِلَى الذين ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النار، لاَ يُكَلِّفُ اللہ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكتسبت، فَكُبْكِبُواْ فِيهَا هُمْ والغاوون * وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ، وَأْمُرْ أَهْلَكَ بالصلاة واصطبر عَلَيْهَا، إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيها وَلا تَعْرى، وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً، وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتاً.

---

[1] البلاغۃ العربیہ: ۲/۵۲۰۔

[2] البلاغۃ العربیہ: ۲/۵۲۰۔

[3] البلاغۃ العربیہ: ۲/۵۲۰۔

[4] البلاغۃ العربیہ: ۲/۵۲۰۔

۵۔۔۔اِنْسِجام کی تعریف[۱]:

"انسجام" کالغوی معنی ہے: یکسانیت، ہم آہنگی اور ربط کلام کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ کلام خوش گوار الفاظ، ہموار ترکیب اور مرغوب الطبع کلمات پر مشتمل ہو اور تکلف و نمود اور تصنع سے خالی ہو اور عدمِ تعقید کی بناء پر ڈھلان کی طرف بہنے والے پانی کی طرح آسانی کے ساتھ زبان پر رواں ہو۔ قرآن مجید میں یہ جملہ صفات علی وجہ الکمال ہیں، جیسے {فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ }، {وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا}، {فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلاَّ مَسَاكِنُهُمْ}، {وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ}، {وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ}،{فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيراً}وغیرہ[۲]۔

انسجام کی چند مثالیں:

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلاً، وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ، أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ، إِنَّا خَلَقْنَا الْأِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ، لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثاً، يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ، نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ. أنا النبي لا كذب أنا عبد المطلب، هل أنت إلا إصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت.

---

[۱] الانسجام في اللغة: الانصباب، وفي الاصطلاح أن يكون الكلام عذب الألفاظ، سهل التركيب؛ حسن السبك، خالياً من التكلف والعقادة؛ يكاد يسيل من رقته؛ وينحدر انحدار الماء في انسجامه، لا يتكلف فيه بشيء من أنواع البديع إلا ما جاء عفواً من غير قصد. وإذا قوي الانسجام في النثر جاءت فقراته موزونة من غير قصد، كما وقع في كثير من آيات القرآن العظيم، حتى وقع فيه من جميع البحور المشهورة أبيات، وأشطار أبيات.(أنوارالربيع:۲۶۱)

[۲] امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جس کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے، پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی (سُر اور راگ کا فطرتِ انسانی سے قریب ہونا) کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے -جس کا نفس منتظر تھا- تو اس وقت لذت دوگنا ہو جاتی ہے اور جب فواصل میں دونوں فقرے مشترک ہو جاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہو جاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوق سے موزون و مقفّی کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ (الفوز الکبیر)

٦۔۔۔تَھْذِیْب وتادیب کی تعریف[1]:

"تہذیب" باب تفعیل کامصدر ہے: کلام کومہذب وشائستہ بنانا، مہذب کلام کرنا۔"ھذب الکتاب"کا معنی ہے: کتاب کی تہذیب وتنقیح کرنا، غیر ضروری اضافات وزوائد حذف کرکے ملخص ومہذب کرنا۔ اور"تادیب"لغت میں تہذیب کوکہتے ہیں اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام اس قدر مہذب اور منقح ہوکہ سامعین اس سے لطف اندوزاورلذت افروزہوں اور فہمِ سامع سے ایسا قریب ہوکہ تدبروتفکر کیساتھ ذہن میں اس کامعنی ومفہوم مستحضرہوجائے۔

تہذیب وتادیب کی چندمثالیں:

جملہ آیاتِ قرآنی اوراحادیث مبارکہ تہذیب وتادیب کی اولین مصداق ہیں۔

٧۔۔۔اِرْدَاف کی تعریف[2]:

---

[1] هذا النوع ليس له شاهد يخصه وإن كان من مستحسنات البديع، لأنه وصف يعم كل كلام مهذب محرر لفظيا كان أو نثرا، وهو عبارة عن تهذيب المتكلم كلامه، وتنقيحه ومراجعته بالنظر والفكر فيه، فيسقط ما يجب إسقاطه، ويصلح ما يتعين إصلاحه، ويحرر مقاصده ومباينه، ويبين أغراضه ومعانيه، بحيث لا يمكن أن يقال فيه: لو كان غير هذا لكان أحسن، ولو زيد هذا لكان يستحسن، ولو قدم هذا لكان أجمل، ولو ترك هذا لكان أفضل.وقلما راجع الإنسان كلاما قاله إلا وعنت له هذه المقالة، كما قيل:

ما خط كف امرء شيئاً وراجعه ... إلا وعن له تبديل ما فيه

وقال ذاك كذا أولى وذاك كذا ... وهكذا إن يكن تسمو قوافيه (أنوارالربيع:٣٨٨)

[2] الإرداف في اللغة، مصدر أردفه: إذا حمله خلفه على ظهر الدابة، فهو رد يف، وردف. وفي الإصطلاح، هو والكناية شيء واحد عند علماء البيان، وفرق بينهما أئمة البديع، كقدامة، والحاتمي، والرماني، وغيرهم. قالوا: هو أن يريد المتكلم معنى فلا يعبر عنه بلفظه الموضوع له، بل بلفظ هو ردفه وتابعه، كقوله تعالى (وقضي الأمر) والأصل: وهله من قضى الله هلاكه، ونجى من قضى الله نجاته. وعدل عن ذلك إلى لفظ الإرداف لما فيه من الإيجاز، والتنبيه على أن هلاك الهالك ونجاة الناجي بأمر آمر مطاع، وقضاء من لا يرد قضاؤه، والأمر يستلزم آمرا، فقضاؤه يدل على قدرة الآمر به وقهره، وأن الخوف من عقابه والرجاء من ثوابه يحضان على طاعة الآمر، ولا يحصل ذلك كله من اللفظ الخاص.وكذا قوله (واستوت على الجودي) حقيقة ذلك (جلست) فعدل عن اللفظ الخاص بالمعنى إلى مرادفه، لما في الإستواء من الإشعار بجلوس متمكن لازيغ فيه ولا ميل، وهذا لا يحصل من لفظ الجلوس. (أنوارالربيع:٤٤٨)

”ارداف“ باب افعال کامصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: پے در پے ہونا، مسلسل ہونا، کسی کے پیچھے سوار ہونا، کسی کے بعد آنا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔” فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ“ (الانفال:۹) اورایک روایت میں ہے کہ خال المؤمنین سیدنامعاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:”لست من أرداف الْمُلُوك “میں بادشاہوں کے پیچھے رہنے والوں میں سے نہیں ہوں،اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم ایک معنی ومفہوم کو ادا کرنے کے لیے اس کے موضوع لفظ کے ردیف اور تابع لفظ کو ذکر کرے، جیسے ﴿وَلاهُمْ مِنَّا لايُصْحَبُوْنَ﴾ [الأنبياء:۴۳]،أيْ: لايُنْصَرُوْنَ . دیکھیے: اجتماع وصحبت یعنی ساتھ دیے بغیر نصرت کا تصوّر ممکن ہی نہیں، لہٰذا (لا يُنْصَرُوْنَ) کے بدلے اسی معنیٰ کو مبالغۃً ادا کرنے والے ردیف لفظ ﴿لايُصْحَبُوْنَ﴾ کو ذکر فرما کر نصرت کے ساتھ صحبت کی بھی نفی فرمائی۔

ارداف کی چند مثالیں:

الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ. وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ. وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ. وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ. أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا. فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ. وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطرف أَتْرَابٌ. وَلِلّٰهِ مَا فِي السماوات وَمَا فِي الأرض لِيَجْزِيَ الذين أَسَاءُواْ بِمَا عَمِلُواْ وَيجْزِيَ الذين أَحْسَنُواْ بالحسنى.

۸۔۔۔۔رجوع کی تعریف:

”رجوع“ کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا، واپس آنا، لوٹانا، جیسے قرآن مجید میں ہے:” ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔“(الملک:۴) اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی نکتہ (مثلاً: حیرت وافسوس اور غم) کی وجہ سے کلامِ سابق کو باطل کرنے کے لیے اس کی طرف لوٹنے کو رجوع کہتے ہیں، جیسے زہیر ابن ابی سلمیٰ کا شعر ہے۔

قِفْ بالدِّيَارِ الَّتي لَمْ يَعْفُهَا الْقِدَمُ   بَلَى وَغَيَّرَها الأَرْوَاحُ والدِّيَمُ

ترجمہ: تم رک جاؤ ان گھروں پر جن کو مرورِ زمانہ نے نہیں مٹایا ہے، بلکہ انہیں مسلسل تیز ہواؤں اور بارشوں نے تبدیل کر دیا ہے۔

اس شعر میں زہیر نے پہلے ان گھروں کے عدم تغیر کو بیان کیا کہ زمانے کے امتداد اور طوالت کے باوجود ان گھروں کے نشانات نہیں مٹے ہیں، پھر کو ہوش میں آکر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اپنے اس قول کو باطل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کر کے کہنے لگا کہ نہیں! بلکہ اسے تو مرور زمانہ ہواؤں اور مسلسل بارشوں نے بدل کر رکھ دیا ہے اس رجوع میں شاعر نے اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے۔

رجوع کی چند مثالیں:

منه:

أَلَيْسَ قِلِيلاً نَظْرَةٌ إِنْ نَظَرْتُهَا ... إِلَيْكِ وَكلاَّ لَيْسَ مِنْكِ قَلِيلُ

ومنه:

قَلِيلٌ مِنْكَ يَكْفِينِي ولَكِنْ ... قَلِيلُكَ لاَ يُقَالُ له قَلِيلُ

ومنه:

وقُوفُكَ بالْمَطِيِّ وَلَوْ قَلِيلاً ... وَهَلْ فِيما تَجُودُ بِهِ قَلِيلُ

ومنه:

وحَسْبِي قَلِيلٌ مِنْ جَزِيلِ عَطَائِهِ ... وَهَلْ مِنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ قَلِيلُ

۹۔۔۔اِبْدَاع کی تعریف:

"ابداع" باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: نئی بات پیدا کرنا، ایجاد کرنا، عدم سے وجود میں لانا اور بدعت کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی اصل شریعت میں نہیں پائی جاتی ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کا کلام بدیع کی چند مختلف و متنوع ضروب پر مشتمل ہو۔ قرآنِ مجید میں یہ صنعت کمال درجہ ہے، جیسے: ﴿وَقِيْلَ يٰٓأَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ، وَغِيْضَ الْمَآءُ، وَقُضِيَ الْأَمْرُ، وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ: بُعْدًا لِّلْقَوْمِ

الظّٰلِمِيْنَ﴾ [هود:۴۴]۔اس آیت میں سترہ الفاظ ہیں اور یہ علومِ بلاغت اور فنونِ بدیعیہ کے متنوع اقسام پر مشتمل ہے[۱]۔

یہ آیت جن علوم بلاغت اور فنون بدیعیہ پر مشتمل ہے وہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔مناسبتِ تامہ ۲۔استعارہ ۳۔مجاز مرسل ۴۔اشارہ ۵۔ارداف ۶۔تمثیل ۷۔تعلیل ۹۔صحۃ التقسیم ۱۰۔احتراس ۱۱۔مساوات ۱۲۔حسن النسق ۱۳۔ائتلاف اللفظ مع المعنی ۱۴۔ایجاز ۱۵۔تسہیم ۱۶۔تہذیب وتادیب ۱۷۔حسن البیان ۱۸۔اعتراض ۱۹۔کنایہ ۲۰۔تعریض ۲۱۔تمکین ۲۲۔انسجام ۲۳۔ابداع ۲۴۔ردالعجز علی الصدر ۲۵۔تنظیر ۲۶۔جناس ناقص ۲۷۔طباق ۲۸۔ارصاد ۲۹۔استعارہ متکررہ ۳۰۔تقدیم وتاخیر ۳۱۔ترتیب الجمل ۳۲۔انفصال ۳۳۔ایجازالحذف ۳۴۔ایجازِ قصر[۲]۔

ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔ ﴿أَبْلَعِيْ، أَقْلَعِيْ﴾ کے درمیان مناسبتِ تامہ ہے، کیونکہ دونوں جملوں میں توسط بین الکمالین کی وجہ سے صنعتِ وصل ہے۔

۲۔۔﴿أَبْلَعِيْ، أَقْلَعِيْ﴾ ان دونوں میں استعارہ ہے کہ آسمان وزمین کو جاندار سے تشبیہ دی ہے اور قرینہ آسمان وزمین کو ﴿أَبْلَعِيْ، أَقْلَعِيْ﴾ کا حکم دیناہے۔یعنی زمین میں پانی کی گہرائی کے لیے بطور استعارہ "بلع" کالفظ استعمال کیا"بلع"کا معنی ہے: کھائی ہوئی چیز سے پانی چوسنا۔پانی مخفی ٹھکانے میں پہنچ گیاتو اسی وجہ سے "بلع"کو ذکر کیا گیا

---

(۱) معروف مفسر علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفیؒ(م ۷۱۰ھ)اس کے آیت کے ذیل میں چند لطائف اور نکات ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

"ومن جهة الفصاحة المعنوية وهي كما ترى نظم للمعاني لطيف وتأدية لها ملخصة مبينة لا تعقيد يعثر الفكر في طلب المراد ولا التواء يشبك الطريق إلى المرتاد ومن جهة الفصاحة اللفظية فألفاظها على ما ترى عربية مستعملة سليمة عن التنافر بعيدة عن البشاعة عذبة على العذبات سلسلة على الأسَلات كل منها كالماء في السلاسة وكالعسل في الحلاوة وكالنسيم في الرقة ومن ثم أطبق المعاندون على أن طوق البشر قاصر على الإتيان بمثل هذه الآية ولله در شأن التنزيل لا يتأمل العالم آية من آياته إلا أدرك لطائف لاتسع الحصر ولا تظنن الآية مقصورة على المذكور فلعل المتروك أكثر من المسطور." (مدارک التزیل وحقائق التاویل:۲/۶۳)

(۲) الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:۲/۳۹۸،مدارک التنزیل:۲/۶۳،اعراب القرآن درویش:۴/۳۶۰-۳۷۰،الجدول فی القرآن صافی:۱۲/۲۷۵-۲۷۸۔

ہے، پھر ''الماء'' کو استعارۃً غذا کے لیے استعمال کیا، کیونکہ دونوں کے درمیان قوت کی مشابہت پائی جاتی ہے کہ زمین بھی پانی سے طاقت پاتی ہے جس طرح کھانے والے طعام سے طاقت حاصل کرتا ہے۔

۳۔۔۔ ﴿أَرْضُ، سَمَآءُ﴾ کے درمیان صنعتِ طباق ہے۔

۴۔۔۔﴿يٰسَمَآءُ﴾ میں مجاز مرسل ہے، کیونکہ اصل میں ''یا مطر السماء'' ہے، اس لیے کہ آسمان خود نہیں برستا تھا، بلکہ اس سے بارش برستی تھی، یہاں آسمان سے نازل ہونے والی بارش کو حکم ہے اور اس میں علاقہ مجاورت ہے۔

۵۔۔۔ ﴿غِيْضَ الْمَآءُ﴾ میں اشارہ ہے، یعنی لفظِ قلیل معانئ کثیرہ کی طرف مشیر ہو، یہاں پانی کے سوکھنے سے بادی النظر طور پر ذہن دو چیزوں (زمین کا پانی نگلنے اور آسمان کا تھم جانے) کی طرف انتقال کرتا ہے۔

۶۔۔۔ ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ میں صنعتِ اِرداف ہے، یہاں پانی کے سُکھ جانے کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ ''کشتی رُک گئی''؛ دیکھیے: کشتی یہ پانی نہ ہونے پر ہی رُکتی ہے ورنہ چلتی رہتی ہے، گویا﴿غَاضَ الْمَآءُ﴾ ''پانی سُکھ گیا'' کے لیے اس کا ردیف لفظ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ ''کشتی رُک گئی'' سے تعبیر فرمائی۔

۷۔۔۔ ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ میں تمثیل ہے، تمثیل کہتے ہیں کہ متکلم ایک معنی ادا کرنے کے لیے نہ اس کا موضوع لفظ لائے نہ اس کا ردیف و تابع لفظ لائے، بلکہ ردیف سے بھی دور ایک ایسا لفظ لائے جو معنیٰ مذکور کے لیے موضوع لفظ کی مثال بن سکے۔ گویا آسمان کے تھمنے اور پانی کے سُکھنے کو تمثیلی پیرایے میں تعبیر فرما کر بتایا کہ قومِ نوح کا سارا قصہ چُکا دیا گیا۔

۸۔۔۔ اس میں صنعتِ تعلیل ہے، کیونکہ پانی کا خشک ہو جانا استواء کی علت ہے۔

۹۔۔۔ اس میں صنعتِ تقسیم ہے، یعنی: پانی کم ہونے کی تینوں قسموں کو گھیر لیا ہے: آسمان کا تھمنا، زمین کا پانی نگلنا اور باقی پانی کا دھوپ سے سُکھ جانا۔

۱۰۔۔۔ اس میں صنعتِ احتراس ہے کہ ﴿بُعْداً للقَوْمِ الظّٰلِمِيْن﴾ میں ﴿الظّٰلِمِيْن﴾ میں احتراس ہے، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ غرق کرنا ظالمین و غیر ظالمین سب کے لیے تھا، حالانکہ ایسی بات نہ تھی۔

۱۱۔۔۔ اس میں صنعتِ انسجام ہے، اس لیے کہ آیت میں انتہائی سلاست اور روانگی ہے، جیسے جاری پانی بہتا ہو۔

۱۲۔۔۔ اس میں صنعتِ حسنِ نسق ہے، اس لیے کہ مضمون کو بیان کرنے کے لیے چند ایسے جملے بذریعۂ حرفِ عطف (واوٗ) ذکر کیے گئے ہیں، جو جملے آپس میں متناسب اور ترتیبِ واقعی کے مطابق ہیں۔

۱۳۔۔۔اس میں صنعتِ ایجاز ہے کیونکہ اس میں امر ہے تو نہی (اے آسمان پانی مت برسا) بھی ہے، خبر ہے تو ندا ء (انشاء) بھی ہے، اِہلاک ہے تو اِبقاء بھی ہے، سعادت مند بنانا ہے تو شقی و بد بخت بنانا بھی ہے۔

۱۴۔۔۔ اس میں صنعتِ ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ (جیسا معانی ویسے الفاظ) ہیں۔

۱۵۔۔۔ اس میں صنعتِ تسہیم ہے، اس لیے کہ اولِ آیت آخرِ آیت پر دلالت کرتی ہے۔

۱۶۔۔۔ اس میں صنعتِ تہذیب و تادیب ہے، اس کے مفردات انتہائی خوبصورت ہیں کیونکہ مفردات کا ہر ہر لفظ سہل المخارج کے قبیل سے ہے۔ نیز یہ کہ فصاحت بھی ہے کہ آیت میں نہ تنافر ہے نہ ہی تعقید۔

۱۷۔۔۔ اس میں صنعتِ حسنِ بیان ہے اس لیے کہ سامع کو آیت کے معانی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

۱۸۔۔۔ ''وغِيْضَ المآءُ'' میں صنعتِ اعتراض (جملہ معترضہ) ہے، گویا آسمان کے تھمنے اور زمین کے پانی نگلنے کے بعد سب کچھ خشک ہوا۔

۱۹۔۔۔ اس میں کنایہ ہے، اس لیے کہ آیت میں ذکر کردہ فاعلوں کی تصریح نہیں ہے کہ: '' مَنْ أغَاضَ الماءَ؟ مَنْ قَضٰى الأمْرَ، مَنْ قال؟!'' اس لیے کہ وہم و گمان کا کوئی گوشہ یہ نہیں کہتا کہ یہ حکم احکم الحاکمین کے سوا کوئی اور کر سکتا ہے۔

۲۰۔۔۔ اس میں تعریض ہے کہ رسولوں کی تکذیب کرنا ظلم ہے، اس لیے کہ تیز و تند طوفان اور یہ ہولناک منظر اسی ظلم کا نتیجہ تھا۔

۲۱۔۔۔ اس میں صنعتِ ابداع ہے، اس لیے کہ اس میں مختلف فنونِ بدیعیہ کو جمع کیا گیا ہے۔

۲۲۔۔۔اس میں صنعتِ تمکین ہے، اس لیے کہ اس میں فواصل انتہائی مناسب و موزون ہیں۔

۲۳۔۔۔اس میں ردالعجز علی الصدر ہے، اس لیے کہ جو لوگ طوفان کی زد میں آئے یہ وہی لوگ تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اڑا کرتے تھے تاکہ کوئی ضعیف الاعتقاد آدمی یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ طوفان عام تھا اس کی لپیٹ میں غیر مستحقین عذاب بھی آچکے ہوں گے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ طوفان کی زد میں صرف منکرین و معاندین اور ظالم و مشرک لوگ آئے ہیں۔

۲۴۔۔۔اس میں صنعتِ تنظیر ہے، اس لیے کہ قصہ طوفان نوح بے پنہا عبرت اور نصیحت آموز اسباق پر مشتمل ہے اس طرح جامعیت دیگر واقعات میں ناپید ہے۔

۲۵۔۔۔"ابلعي واقلعي"میں جناس ناقص ہے،اس لیے کہ ان دو کلموں میں صرف ایک لفظ مختلف ہے باقی تمام حروف ایک جیسے ہیں۔

۲۶۔۔۔اس میں صنعتِ طباق ہے اس لیے کہ آسمان وزمین متقابل ہیں۔

۲۷۔۔۔ارصاد:اس میں ارصاد ہے اس طور پر کہ اس میں قاری فاصلوں پر تلفظ کرنے سے پہلے انہیں پہچان لیتا ہے۔

۲۸۔۔۔اس میں"ابلعي واقلعي"استعارہ متکررہ ہے کہ دونوں لفظوں میں استعارہ ہے۔

۲۹۔۔۔اس میں تقدیم وتاخیر بھی ہے کہ پہلے زمین کو پانی نگلنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر آسمان کے پانی کو تھامنے پر حکم دیا گیا ہے۔نیز زمین کو آسمان سے پہلے لائے،اس لیے کہ طوفان زمین سے شروع ہوا۔

۳۰۔۔۔اس آیت میں تمام جملے میں صنعتِ ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے،اس طور پر کہ امر سے نداء کو مقدم کیا۔"یاأرض ابلعی ویاسماء اقلعی-"فرمایا۔اسی طرح"ابلعی یاارض،اقلعی یاسماء"نہیں فرمایا تاکہ جن کو اصل خطاب کیا ہے وہ مقدم ہوں۔

۳۱۔۔۔اس میں انفصال ہے اس لیے کہ اگر لفظ"قوم"کو ذکر نہ کیا جاتا تب بھی کلام تام ہوتا۔

۳۲۔۔۔اس میں ایجاز الحذف ہے اس لیے کہ" قیل، غیض،قضی،قیل"کو فاعلوں کو حذف کیا گیا ہے اور "أقلعي"کے معمول کو بھی حذف کیا گیا ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام امور عظام کسی فاعل قادر اور مکونِ قاہر کی تکوین سے ہی ممکن ہیں اور ان کا فاعل ایک ہی اللہ ہے!

۳۳۔۔۔اس میں ایجاز قصر ہے اس لیے کہ"غیض الماء"اور"قضی الأمر"معانی کثیرہ کو متضمن ہیں۔

۳۴۔۔۔واقعہ کا مقصد آخر میں لائے جو"قضی الامر"ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہلاکت کفار کا جو وعدہ تھا وہ پورا کر دیا گیا اور وہ ہلاکتِ کفار اور نجاتِ نوح علیہ السلام اور مؤمنین تھا،لہٰذا اس سے عبرت حاصل کرو۔

۳۵۔۔۔حروفِ نداء میں"یاء"لایا گیا،کیونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور منادیٰ کے بُعد پر دلالت کر رہا ہے،اس سے اظہار عظمت اور جلالتِ شان مقصود ہے اور یہ مفہوم منادیٰ کے دور ہونے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کے معمولی ہونے کو ظاہر کیا گیا ہے۔

۳۶۔۔۔"یاأرضی"نہیں کہا اس لیے کہ اس میں تہاون اور لاپروائی ہے،کیونکہ اضافت قرب کا تقاضہ کرتی ہے۔

۳۷۔۔۔"یا أیتها الأرض"نہیں فرمایا تاکہ مقصود کو بیان کرنے میں غایت درجہ اختصار رہے۔

۳۸۔۔۔یہاں ''ارض'' اور ''سماء'' کے الفاظ اس لیے اختیار کیے گئے ہے کہ اس لیے کہ یہ خفیف اور عام مستعمل ہیں۔

۳۹۔۔۔''ابلعی ''فرمایا اس لیے کہ اس میں ''ابتلعی '' کی بہ نسبت اختصار ہے اور اسی طرح اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''اقلعی عن المطر'' نہیں فرمایا، بلکہ صرف ''اقلعی'' پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

۴۰۔۔۔''یا أرض ابلعي ماءك فبلعت ویا سماء أقلعی فأقلعت'' نہیں فرمایا بلکہ بطور اختصار نتائج و عواقب کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

۴۱۔۔۔اختصار کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے ''غیض الماء'' کے بجائے'' غیّض الماء'' نہیں فرمایا اور اسی طرح ''الماء'' کے بجائے ''ماء الطوفان'' نہیں کہا گیا ہے۔

۴۲۔۔۔''قضی الامر'' فرمایا۔ الف لام عہدی لا کر اس واقعہ معہودہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ ''أمر نوح وقومه'' میں ایک قسم کی طوالت ہے اس لیے ایجاز کو ملحوظِ نظر رکھا گیا ہے۔

۴۳۔۔۔''وسويت على الجودي'' نہیں فرمایا جیسا کہ پہلے ''قیل، غیض ''مجہول کے صیغے لائے گئے ہیں یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ''وَهِيَ تَجْرِي بِهِم'' فعل معروف کی مطابقت کا لحاظ رکھا جائے۔

۴۴۔۔۔''بُعْدًا لِلْقَوْمِ'' کے بجائے ''لیبعد القوم'' نہیں فرمایا تاکہ اختصار و تاکید دونوں مقصود حاصل ہوں[1]۔

---

[1] ذیل میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں، جن میں مختلف فنون بلاغت کا ذکر ہے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (٢٦) وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ. (سورة يوسف ٢٦ – ٢٧).

یہ آیت متنوع فنونِ بلاغت پر مشتمل ہے، جن میں چند حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مناقضہ ۲۔ کنایہ ۳۔ نزاہت ۴۔ جناسِ اشتقاق ۵۔ استقصاء ۶۔ حسنِ بیان ۷۔ حسن تفسیر ۸۔ حسن تقسیم ۹۔ مزاوجہ ۱۰۔ ایہام ۱۱۔ مقابلہ ۱۲۔ عکس وتبدیل ۱۳۔ تمکین ۱۴۔ تسہیم ۱۵۔ تسجیع ۱۶۔ لزوم مالا یلزم ۱۷۔ ایجاز ۱۸۔ حسنِ نسق ۱۹۔ انسجام ۲۰۔ افتنان۔

مذکورہ فنون کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔۔۔اس آیت میں مناقضہ ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی یہ دعوی کر رہی ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے دعوی پر نقض وارد کرتے ہوئے کہا: '' هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نفْسِي '' مجھ سے اس نے مطالبہ کیا ہے۔

۲۔۔۔یہاں ''هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نفْسِي '' میں کنایہ ہے کہ یہ مجھ سے گناہ کا مطالبہ کر رہی ہے، ''مراودۃ'' معصیت و گناہ سے کنایہ ہے۔

۳۔۔۔اس میں صنعتِ نزاہت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کی بیوی کے اس عمل کو مہذب الفاظ کیساتھ تعبیر کرتے ہیں جب کہ زلیخا غیر مہذب گفتگو کرتی ہوئی کہتی ہے:"مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ"۔زلیخانے اس گفتگو میں صرف تہمت لگانے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ سزائیں بھی تجویز کیں۔

۴۔۔۔" وَشَهِدَ شَاهِدٌ "اس میں جناسِ اشتقاق ہے، اس لیے کہ دونوں کا مادہ اشتقاق و مصدر رہے۔

۵۔۔۔" مِنْ أَهْلِهَا " میں استقصاء ہے کہ گواہ کا تعلق عزیزِ مصر کے برادری تھا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور عفت پر ایک مضبوط دلیل ہے کہ عزیزِ مصر کا مشیر خاص اور اس کی برادری کا آدمی حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پاکدامی کی گواہی دے رہا ہے۔

۶۔۔۔ان آیات میں صنعتِ حسنِ بیان ہے کہ آیت کا معنی و مفہوم بالکل واضح ہے اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور صعوبت نہیں۔

۷۔۔۔ان آیات میں حسنِ تفسیر ہے کہ " إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ "اور اس کی مابعد والی آیت ماقبل شہادت کی تفسیر کرتے ہیں۔

۸۔۔۔ان آیات میں حسنِ تقسیم ہے کہ "قد قمیص "کی دو حالتیں بیان ہوئی ہیں اور ہر ایک مناسب حالت کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹ چکی ہے تو یوسف (علیہ السلام) سچا ہے اور زلیخا جھوٹی ہے۔

۹۔۔۔ان آیاتوں میں صنعت مزاوجہ ہے کہ شرط و جزاء باہم مزدوج ہیں کہ قمیص آگے سے پھٹنے پر زلیخا سچی ہے اور یوسف (علیہ السلام) قصوروار ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسف (علیہ السلام) سچا ہے اور زلیخا جھوٹی ہے۔

۱۰۔۔۔اس آیت میں صنعتِ ایہام ہے کہ پہلے حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کا ذکر اس طور پر کیا گیا ہے کہ دونوں کے دعووں میں صدق و کذب کا احتمال ہے، پھر شاہد و گواہ نے جن قرائن کا ذکر کیا ان کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام کو سچا قرار دیا گیا اور زلیخا کے جھوٹ کو بے نقاب کیا گیا۔

۱۱۔۔۔ان آیات میں صنعتِ مقابلہ ہے کہ "قُبل، دبر "اور "صدق، کذب "میں تقابل ہے۔

۱۲۔۔۔ان آیاتوں میں صنعت عکس و تبدیل ہے کہ پہلی آیت میں صدق کو مقدم کیا اور دوسری آیت میں صدق کو مؤخر کیا گیا ہے جب کہ پہلی آیت میں کذب کو مقدم کیا اور دوسری آیت میں کذب کو مؤخر کیا گیا ہے۔

۱۳۔۔۔ان دونوں آیتوں میں صنعتِ تمکین ہے کہ ان میں فاصلہ مناسب اور برابر ہے۔

۱۴۔۔۔ان آیتوں میں صنعتِ تسہیم ہے کہ "إِن كَانَ قَمِيصُهُ "تا" فَكَذَبَتْ "فاصلہ پر دال ہے اور اسی طرح بعد والی آیت بھی فاصلے پر دلالت کرتی ہے۔

۱۵۔۔۔ان آیتوں میں صنعتِ تسجیع ہے کہ دونوں آیاتوں میں فاصلے متماثل و برابر ہیں کہ پہلی آیت کے آخر میں "الکاذبین "ہے اور دوسری آیت کے آخر میں "الصادقین "ہے۔

۱۶۔۔۔ان آیات میں لزوم مالایلزم ہے کہ دونوں فاصلوں میں یاء ماقبل مکسور ہے۔

۱۷۔۔۔دونوں آیاتوں میں ایجاز ہے کہ "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِن أَهْلِهَا "سے پہلے "قال" محذوف ہے اور "قُد "کا فاعل دونوں جگہوں میں حذف کیا گیا ہے۔

۱۸۔۔۔ان دونوں آیتوں میں صنعت حسنِ نسق ہے کہ تمام جملے انتہائی خوبصورت پیرائے میں ذکر کیے گئے ہیں، پہلے عزیزِ مصر کی بیوی کی تکذیب کی، پھر شاہد کا تذکرہ کیا کہ شاہد و گواہ نے بھی دعوی تکذیب کی تائید و تصویب کی اور اس کیساتھ ساتھ شہادت کی بھی تفصیل بیان کر دی اور اس پر مرتب ہونے والے نتیجے کا تذکرہ بھی کیا۔

۱۹۔۔۔ان آیات میں صنعتِ انسجام ہے کہ تمام جملوں میں انتہائی روانی اور سلاست ہے۔

۲۰۔۔۔ان آیتوں میں صنعتِ افتنان ہے کہ اس میں مختلف فنون کا ذکر ہے۔

۲- وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (سورة البقرة:۱۷۹).

یہ آیت متنوع فنونِ بلاغت پر مشتمل ہے، جن میں چند حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔۔۔اس آیت میں ایجاز ہے، ایک وسیع مفہوم کو انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے عربی محاورہ یہ ہے۔"القتل أنفى للقتل"، لیکن اس محاورہ سے یہ جملہ " في القصاص حياة "زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ یہ چار کلموں پر مشتمل ہے اور جب کہ مذکورہ محاورہ چھے کلموں پر مشتمل ہے۔

۲۔۔۔اس آیت میں مجازِ مرسل ہے، کیونکہ اس میں تقویتِ حیات کو حیات کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

۳۔۔۔قصاص کو معرفہ اور حیاۃ کو نکرہ لا کر جنس قصاص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جنسِ قصاص میں تمہاری لیے بہت بڑی زندگی ہے۔

۴۔۔۔حیاۃ کا لفظ کو ذکر کر کے قصاص کی ترغیب و تشویق دلائی گئی ہے کہ قصاص ہی زندگی ہے۔

۵۔۔۔اس آیت میں صنعتِ طباق ہے کہ باہم ضدین حیات اور موت کو ذکر کیا گیا ہے، اس طور پر کہ موت کو قصاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۶۔۔۔حیاۃ کو نکرہ لا کر ایک عظیم خوشخبری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قصاص میں قوم و ملت کی حیات کا راز مضمر ہے، کیونکہ عرب معاشرے میں ایک آدمی کے بدلے میں کئی افراد کو قتل کر دیا جاتا، جس سے فتنے اور فساد کی ایک لہر دوڑتی اور کئی نسلوں تک یہ آگ پھیل جاتی اور یوں ہی خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔

۷۔۔۔اس آیت میں تعمیم ہے کہ محض قتل قصاص کا سبب نہیں، بلکہ اس میں تمام جروح اور قصاص الاطراف شامل ہے کہ اگر کسی کے زخمی کرنے سے کوئی مر جائے تو اس پر بھی قصاص کا حکم جاری ہو گا۔

۸۔۔۔ اس میں صنعتِ تہذیب و تادیب ہے، اس کے مفردات انتہائی خوبصورت ہیں کیونکہ مفردات کا ہر ہر لفظ سہل المخرج ہے۔ نیز یہ کہ فصاحت بھی ہے کہ آیت میں نہ تنافر ہے نہ ہی تعقید۔

۹۔۔ اس میں صنعتِ حسنِ بیان ہے اس لیے کہ سامع کو آیت کے معانی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

۱۰۔۔۔اس آیت میں ایک وسیع مفہوم بیان کرنے کے باوجود کوئی تکرار نہیں۔

۱۱۔۔۔اس آیت میں ایک قسم کا مبالغہ ہے کہ قصاص ہی حیات ہے۔

۱۲۔۔۔ اس میں صنعتِ ابداع ہے، اس لیے کہ اس میں مختلف فنونِ بدیعیہ کو جمع کیا گیا ہے۔

۱۳۔۔ اس میں صنعتِ ائتلاف اللفظ مع المعنی (جیسا معانی ویسے الفاظ) ہیں۔

۱۴۔۔ اس میں صنعتِ انسجام ہے، اس لیے کہ آیت میں انتہائی سلاست اور روانگی ہے، جیسے جاری پانی بہتا ہو۔

۱۵۔۔۔اس میں صنعتِ تعلیل ہے اس لیے کہ قصاص حیات کا سبب ہے۔ (إعراب القرآن درویش:۱/ ۲۵۴-۲۵۶)

٤ - (إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (٢٦) الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (٢٧). (سورة البقرة: ٢٦ - ٢٧)

یہ دونوں آیتیں متنوع علومِ بلاغت پر مشتمل ہیں، چند حسب ذیل ہیں:۔

۱۔۔"إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا "میں صنعتِ مشاکلہ ہے کہ معاندین کہا کرتے تھے کہ" أما يستحي رب محمد أن يضرب مثلاً بالذباب "اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔" إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا۔۔"

۲۔۔۔اس آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔

۳۔۔۔اس آیت میں صنعتِ مماثلت ہے۔

۴۔۔۔اس میں "مَا بَعُوضَةً "میں حد درجہ ابہام ہے۔

۵۔۔۔"فَوْقَهَا "میں صنعتِ ایہام و محتمل الضدین ہے اس لیے کہ فوقیت میں حقارت اور ضخامت دونوں معنوں کا احتمال ہے۔

۶۔۔۔اس آیت میں حسنِ تقسیم ہے کہ ایک فریق مؤمن و مصدق ہے اور دوسرا فریق کافر و مکذب ہے۔

۷۔۔۔اس آیت میں صنعت مقابلہ ہے کہ اس میں " آمنوا "اور "كفروا"، "يضل "اور "يهدى "کا باہم مقابلہ ہے۔

۸۔۔۔اس میں تعطف ہے کہ دو مرتبہ "مثلا"، دو مرتبہ "یضل "اور دو مرتبہ "کثیرا "کو ذکر کیا گیا ہے۔

۹۔۔۔اس آیت میں بیان بعد الابہام ہے کہ پہلے فرمایا" يُضل به كَثيراً وَيَهْدى به كثيراً "، لیکن مہدیین اور مضلین کو بیان نہیں کیا کہ یہ کون کون ہیں؟ پھر اس کے بعد مضلین کی نشاندہی فرمائی کہ "وَمَا يُضِل بِهِ إلا الفَاسِقِينَ"۔

۱۰۔۔۔اس آیت میں بیانِ تفسیر ہے کہ "فاسقین" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔" الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ"۔

۱۱۔۔۔۔اس آیت میں صنعتِ نزاہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاندین کی مذمت بیان کرتے ہوئے کوئی غیر مہذب نہیں لایا اور نہ ہی منکرین کی قبیح الفاظ میں مذمت کی، بلکہ ان کی مذمت یوں بیان کی کہ انہوں نے میثاق الٰہی کو توڑ دیا، احکامات کو پامال کیا اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوئے۔

۱۲۔۔۔اس آیت میں صنعتِ تکافؤ ہے، کیونکہ اس میں ارکان طباق میں مقابلہ مجازاً ہے کہ " يَنقُضُونَ عَهْدَ الله مِن بَعْد ميثَاقه وَيَقْطعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِه أن يُوصَلَ "میں نقض، میثاق، قطع اور وصل میں مقابلہ مجازی ہے اس لیے کہ نقض، قطع وغیرہ مرکبات حسیہ میں متحقق ہوتے ہیں۔

۱۳۔۔۔" يَنقُضُونَ عَهْدَ الله"میں استعارہ ترشیحیہ ہے۔

۱۴۔۔۔دونوں آیتوں کا سجع ایک ہے، پہلے آیت کے آخر میں فرمایا۔"وَمَا يُضِل به إلا الفَاسقينَ "اور دوسری آیت کے آخر میں فرمایا:" أولئكَ هُمُ الخَاسِرُونَ".

۱۵۔۔۔"أولئكَ هُمُ الخَاسِرُونَ"میں صنعتِ تذییل ہے کہ ماقبل فساق کے اوصاف سے یہی معلوم ہو رہا تھا کہ یہ خسران میں ہوں گے، لیکن تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ" أولئكَ هُمُ الخَاسِرُونَ"۔

بابِ ھشتم: ماتتعلق بہ تحسین المضمون

یہ باب درج ذیل نو محسناتِ معنویہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔حسن النسق ۲۔عطف المفردات ۳۔ارسال المثل ۴۔استطراد ۵۔افتنان ٦۔مغایرۃ ۷۔مراجعہ ۸۔تنکیت ۹۔التفات ۱۰۔تجاھل العارف۔

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔حُسْنِ النَسْق کی تعریف:

"نسق" لغت میں پرونے کو کہتے ہیں۔" نسقت الکلام نسقا" اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب ایک کلام کو دوسرے پر عطف کیا جائے۔ اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ متکلم یکے بعد دیگرے ایسے چند صفات یا جملے ذکر کرے جو مرتب ہوں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱٦۔۔۔اس میں صنعتِ حسنِ نسق ہے، اس لیے کہ مضمون کو بیان کرنے کے لیے چند ایسے جملے بذریعہ حرفِ عطف (واؤ) ذکر کیے گئے ہیں، جو جملے آپس میں متناسب اور ترتیبِ واقعی کے مطابق ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جو مثال بھی بیان کرے تو کر سکتا ہے، پھر علی سبیل التمثیل فریق کی مثال بیان فرمائی کہ بعض مؤمن اور بعض کافر ہیں، منکرین بھی کثیر تعداد میں ہے اور منقادین بھی۔ پھر ضلالت کی وجہ بیان کی۔ اور آخر میں فاسقین کے اوصاف مذمومہ کو بیان فرمایا۔

۱۷۔۔۔اس میں کئی جگہ مجاز ہے، جیسے "ینقضون"، "یقطعون" اور "یوصلون" میں مجاز ہے۔

۱۸۔۔۔اس میں صنعتِ ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ (جیسا معانی ویسے الفاظ) ہیں۔

۱۹۔۔۔اس میں صنعتِ انسجام ہے، اس لیے کہ آیت میں انتہائی سلاست اور روانگی ہے، جیسے جاری پانی بہتا ہو۔

۲۰۔۔۔ اس میں صنعتِ تہذیب و تادیب ہے، اس کے مفردات انتہائی خوبصورت ہیں کیونکہ مفردات کا ہر لفظ سہل المخرج ہے۔ نیز یہ کہ فصاحت بھی ہے کہ آیت میں نہ تنافر ہے نہ ہی تعقید۔

۲۱۔۔۔ اس میں صنعتِ حسنِ بیان ہے اس لیے کہ سامع کو آیت کے معانی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

۲۲۔۔۔اس میں صنعتِ ابداع ہے، اس لیے کہ اس میں مختلف فنونِ بدیعیہ کو جمع کیا گیا ہے۔

۱۔ تنسیق الصفات ۲۔ تنسیق الکلمات

۱۔۔۔تنسیق الصفات کی تعریف:

تنسیق الصفات اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کے یکے دیگرے چند صفات کو ذکر کیا جائے، جیسے (هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ) .اس آیت میں اللہ تعالی کے نو صفات یکے بعد دیگرے مذکور ہیں۔

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

وأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الغَمامُ بوَجْهِهِ　　ثِمالُ اليَتَامَى عِصْمَةٌ للأَرَامِلِ

۲۔۔۔تنسیق الکلمات کی تعریف:

تنسیق الکلمات اس کو کہتے ہیں کہ متکلم یکے بعد دیگرے ایسے جملوں کو ذکر کرے جو باہم مرتب ہوں اور معنوی طور پر ایسے متحد ہوں کہ ہر جملہ بذاتِ خود مضمون کو ادا کر دیتا ہو اور عمدگی کے ساتھ حرفِ عطف کے ذریعے مربوط ہوں، جیسے: ﴿وَقِيْلَ :يٰأَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ، وَيٰسَمَآءُ أَقْلِعِيْ، وَغِيْضَ الْمَآءُ، وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ [هود:۴۴] دیکھئے! زمین سے پانی کو کم کرنا اہلِ سفینہ کا مقصد تھا، اس مقصد کے پورا ہونے کو بیان کرنے کے لیے چار جملوں کو مرتّب بہ ترتیبِ وقوعی حرفِ عطف کے ذریعے ایسا ذکر فرمایا ہے کہ ہر جملہ اصحابِ سفینہ کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔

حسنِ نسق کی چند مثالیں:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ. حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا. فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ. إِنَّ اللّٰہَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ.

۲۔۔۔عطف المُفْرَدَات کی تعریف:

عطف المفردات کامطلب یہ ہے کہ وصل کااسلوب اختیار کرنا، یعنی ایک مفرد کو دوسرے مفرد پر عطف کیاجائے اور یہ اسلوب اس وقت اختیار کیاجاتاہے کہ جب مفردات میں آپس کا تناسب ہو، جیسے ﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام:١٦٢] ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾ [البقرة:٢٨٥] اول الذکر آیت میں ''نُسُكِيْ، مَحْيَايَ، مَمَاتِيْ''کو''صَلاَتِيْ''ایک دوسرے پر عطف کیاگیاہے اور ثانی الذکر آیت میں'' مَلٰئِكَتِهِ، كُتُبِهِ، رُسُلِهِ''کو لفظ''اللهِ''پر عطف کیاگیاہے۔

قاعدہ: مفردات کے درمیان عطف کے موقع پر معطوف اور معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقديم ما حقُّه التقديم، تاخيرما حقُّه التاخير) کی رعایت ضروری ہے، اسی وجہ سے عطف المفردات کے موقع پر تقدیم وتاخیر سے بہت سے دقائق ولطائف کا علم ہوتاہے، مثلا:

۱۔۔۔مؤخر کی شرافت کی طرف اشارہ کرنا، جیسے ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوْآ إِلاَّ ''إِيَّاهُ''، وَبِـ''الْوَالِدَيْنِ'' إِحْسَانًا﴾ [الإسراء:٢٣] آیت میں والدین کا عطف ذات باری سبحانہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر پر کرنے سے والدین کی خدمت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

۲۔۔۔مقدم کی تعظیم وتشریف کی طرف اشارہ کرنا، جیسے ﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ ''النَّبِيّنَ'' وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [النساء:٦٩]۔ اس آیت میں''النَّبِيّنَ''کومقدم کرنے سے مقصود تعظیم وتکریم ہے۔

۳۔۔۔ تقدُّمِ زَمانی کی طرف اشارہ کرنا، جیسے ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي "التَّوْرٰةِ" وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ [التوبة:١١١] دیکھیے: قرآنِ مجید کا درجہ تورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے، لیکن تقدُّم زمانی کی رعایت میں تورات، انجیل اور قرآن کا مرتب بہ ترتیب زمنی تذکرہ فرمایا ہے۔

۴۔۔۔ کبھی مفردات کی ترتیب میں تَدَلِّي منَ الأعْلىٰ الَى الأدْنىٰ یا تَرَقِی منَ الأدْنىٰ الَى الأعْلىٰ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ [الحجرٰت:٧] میں تَدَلِّي منَ الأعْلىٰ إلَى الأدْنىٰ ہے۔ ایسے مواقع پر اور بہت سارے دقائق واسرار کا استخراج ہو سکتا ہے۔

قاعدہ: خبر کا انشاء پر اور انشاء کا خبر پر عطف کے جواز میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بلاغین، ابن مالک اور ابن عصفور اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، لیکن صفار اور اہل علم کی ایک جماعت جواز کے قائل ہیں اور اسی طرح جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف اور جملہ فعلیہ کا جملہ اسمیہ کے عطف میں بھی اختلاف ہے جمہور جواز کے قائل ہیں اور بعض اہل علم عدم جواز کے قائل ہیں [1]۔

عطف المفردات کی چند مثالیں:

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ. إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ. وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا. أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ. وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ.

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن: ٢ / ٣٨٢۔

٥۔۔۔۔إِرْسَالُ الْمَثَل اور کلام جامع کی تعریف:

ارسال المثل کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کلام لاجائے، جو بہت سی جگہوں میں ضرب المثل اور کہاوت بن سکے، جیسے: ﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلىٰ مُوْسىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ* فَـ"وَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"﴾ [الأعراف:١١٨-١١٧] یہ کلام ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کے معنی بتلانے کے مواقع پر بطورِ کہاوت اور ضرب المثل کے استعمال کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔

إِذَا جَاءَ مُوْسىٰ وَأَلْقَى الْعَصَا فَقَدْ بَطَلَ السِّحْرُ وَالسَّاحِرُ

ترجمہ: جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام آئے اور اپنا عصا ڈالا، فوراً جادو اور جادو گر دونوں کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح کوئی کہے: "لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحْلِ"۔ سرمے کے ذریعہ آنکھوں کو سیاہ کرنا وہ فطری سیاہ آنکھ والے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے! یہ مثال حقیقی اشیاء اور مصنوعی اشیاء کے درمیان فرق بتانے کے مواقع میں کہاوت اور ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، مثلاً: ایک آدمی فطری باادب ہو، اور دوسرا بہ تکلف باادب بنا ہوا ہو، اس سے کہا جائے کہ سرمہ لگا کر آنکھیں سرمگیں کرنا، اس سرمگیں آنکھ کی طرح نہیں ہو سکتا، جو پیدائشی سرمگیں ہو۔

قاعدہ: ارسالِ مثل اور کلام جامع دونوں میں فرق یہ ہیں کہ ارسالِ مثل کسی شعر کا ایک جزء ہوتا ہے، جیسا کہ مثالِ اول میں متنبی کے شعر کا ایک جزء یعنی مصرعہ ثانیہ ہے، جو اس نے سیف الدولہ سے اس کی فطری و طبعی وصف (حلم وبردباری) کے بارے میں کہا تھا، اور قسمِ ثانی مکمل ایک شعر ہوتا ہے، جیسا کہ مثالِ ثانی سے ظاہر ہے۔ اور یہ پورا شعر مثل کے طور پر ہر اس موقع میں استعمال ہوتا ہے جہاں اہل باطل اور باطل کی کمزوری اور تباہی کا ذکر کرنا مقصود ہو اور اہل حق اور حق کے ثبات اور قوت کا اظہار کرنا مطلوب ہو۔

قاعدہ: کلام جامع پورے بیت میں مثل لانے کو کہتے ہیں اور ارسال مثل ایک مصرعے میں مثل لانے کو کہتے ہیں[1]۔

ارسال المثل کی چند مثالیں:

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ <u>وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ</u>. مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ <u>وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ</u>. إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ <u>أَلَيْسَ الصُّبْحُ</u>

---

[1] دیکھئے: خزانۃ الادب:١/١٨٦۔

بِقَرِيبٍ. اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ. ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا. وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا. إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا. لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين. لا ضرر ولا ضرار. خير الأمور أوساطها. المرء مع من أحب. المستشار مؤتمن وهو بالخيار ما لم يتكلم. ذو الوجهين لا يكون عند الله وجيهًا يوم القيامة. البلاء موكل بالمنطق.

٤۔۔۔اِسْتِطْرَاد کی تعریف[1]:

"استطراد" باب استفعال کا مصدر ہے اس کے اس کے لغوی معنی ہیں: سلسلہ کلام جاری رکھنا، بات میں سے بات نکالتے رہنا، گفتگو کو لمبا کرنا، اضافہ کرتے چلے جانا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کلام کے ایک غرض کو بیان کررہا ہو پھر کسی مناسبت کی وجہ سے دوسری غرض کو بیان کرنے لگے اور پھر پہلی غرض کی طرف لوٹ آئے، جیسے: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ *إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا* وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [بني إسرائيل :٧٨] یہاں چار نمازیں: ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾ میں آگئیں اور ﴿قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ میں فجر کی نماز آگئی۔ اس کے بعد ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ﴾ سے تہجد کی نماز کا حکم بیان کیا گیا ہے اور پانچ نمازوں اور نمازِ تہجد کے درمیان ﴿إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے نماز فجر کا۔

---

[1] الاستطراد في اللغة: مصدر استطراد الفارس لقرنه، إذا طرد فرسه بين يديه، يوهمه الفرار، ثم يعطف عليه على غرة منه، وهو ضرب من المكيدة. وفي الاصطلاح، هو أن يكون الناظم أو الناثر آخذاً في غرض من أغراض الكلام، من غزل أو مدح أو وصف أو غير ذلك، فيخرج منه إلى غرض آخر.

وقال ابن أبي الحديد: الاستطراد، هو أن تخرج بعد تمهيد ما تريد أن تمهده إلى الأمر الذي تروم ذكره، فتذكره وكأنك غير قاصد لذكره بالذات، بل قد حصل ووقع ذكره بالعرض من غير قصد، ثم تدعه وتتركه وتعود إلى الأمر الذي كنت في تمهيده كالمقبل عليه وكالملغي لما استطردت بذكره. (أنوارالربيع:٤١)

فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے مزید برکت وسکینہ کا- موجب ہونا بیان کیا گیا ہے، جس کو﴿قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے ایک گونہ مناسبت ہے۔

استطراد کی چند مثالیں:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا. وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا. وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا. وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ. وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ. كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ نَاقَةَ اللهِ وَسُقْيَاهَا فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا.

۵---افتنان کی تعریف(۱):

"افتنان" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: مختلف ڈھنگوں سے گفتگو کرنا، باتیں بنانا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کا اپنے کلام میں دو متنوع فنون کو جمع کرنا، خواہ وہ دونوں متضاد ہوں یا مختلف ہوں یا متفق، مثلاً: ایک کلام میں مدح اور ہجو، یا غزل اور حماست اور یا تعزیت اور تہنیت کو جمع کرے، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ* وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ [انفطار:۱۳] یہاں دو مختلف فنون مؤمنین کی مدح اور مشرکین کی ہجو کو ایک ساتھ جمع فرمایا ہے، اس کی دوسری مثال عبد اللہ بن ہمام سلولی کا وہ قول ہے جسے اس نے یزید کے سامنے اس زمانے میں

---

(۱) أنوارالربيع:٦٣-٦٤، خزانة الأدب:١/١٣٨- نهاية الأرب في فنون الأدب:١٤٣/٧، الاتقان فی علوم القرآن:٣/٢٩٨۔

کہاتھاجب اس کے والد خال المومنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تھی ۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سلطنتِ اسلامیہ کے لیے اپنا جانشیں یعنی ولی عہد مقرر فرمایا تھا۔

«آجرك الله على الرزية، وبارك لك في العطية، وأعانك على الرعية فقد رُزئت عظيماً، واعطيت جسيما، فاشكر الله على ما أعطيت، واصبر على ما رُزيت، فقد فقدت الخليفة، وأعطيت الخلافة، ففارقت خليلا ووهبت جليلاً»-

اصبرْ يزيدُ فقدْ فَارَقت ذامقة　　　واشكرُ حباءَ الَّذِي بالملكِ أصفاكا

لاَ رُزْءَ أعظمُ بالأقوام إذْ عَلمُوا　　　ممّا رُزِئْتَ وَلَا عُقبَىَ كعقبَاكَا

ترجمہ:اے یزید!اللہ تعالی تمھیں اس جان گذار مصیبت(انتقال والد)کابدلہ دے اوراس بخشش(سلطنتِ اسلامیہ)میں تمہارے لیے برکت عطافرمائے اور رغبت کے مقابلے میں تمہاری مدد فرمائے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اس وقت دوآزمائشوں سے دوچار ہو۔ ایک آزمائش تو یہ ہے کہ تم اپنے والد بزگوار کی وفات کے سبب سے بڑی مصیبت میں مبتلاہوگئے اور دوسری آزمائش یہ ہے کہ تم ایک نہایت بڑی نعمت یعنی سلطنتِ اسلامیہ سے نوازے گئے۔ اللہ تعالی کا شکر بجاؤلا کہ تمھیں سلطنت سے نوازا گیا اور اس بڑی مصیبت پر صبر وضبط سے کام لو جس میں تم مبتلاہو، تمھیں مضطرب نہ ہوناچاہیے اس لیے کہ تم اگرچہ خلیفہ کی زندگی سے محروم کر دیئے گئے ہو ، لیکن خلافت جیسی نعمت سے بھی تونوازے گئے ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ تمھیں اگرچہ ایک محبوب سے بچھڑ جانا پڑاہے، لیکن کیایہ کم خوش نصیبی ہے کہ تم ایک عظیم سلطنت اسلامیہ سے سرفراز کیے گئے ہو۔(اس کے بعد یہ اشعار کہے) یزید!صبر وتحمل سے کام لو، بلاشبہ تواپنے سب سے بڑے سرپرست قابل اعتمادوالد بزگوار سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوچکے ہو اوراس جلیل القدر پاک ہستی کی بخشش کاشکر بجالاؤ جس نے تمھیں سلطنت اسلامیہ کے لیے منتخب کرلیاہے، ہمیں معلوم نہیں ہے کہ دنیا کی گذشتہ قوموں پر کوئی اتنی بڑی مصیبت نازل ہوئی ہو جتنی بڑی تم پر آئی اور یہ نہ معلوم ہے کہ کسی کو ایسا اچھابدلہ ملاہو جیساکہ تمھیں ملاہے !

دیکھئے اس پورے کلام میں عبد اللہ بن ہمام سلولی نے تعزیت وتہنیت کے تمام فنون کو کیسے عجیب وغریب انداز میں پیش کیاہے اورایک طرح تعزیت کررہاہے تو دوسری طرح اس کیساتھ ساتھ یزید کو اسلامی مملکت کی سربراہی پر مبارک باد بھی دے رہاہے!!

قاعدہ نمبر ا: تعزیت کے مناسب مردے کے اوصافِ حمیدہ ذکر کر کے رونے، رُلانے یا صبر و تسلی دینے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں، جب کہ اس کے بالمقابل تہنیت میں نعمتوں پر مسرت اور دل لگی وغیرہ جذبات ادا کرنے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ غزل بمعنیٰ عشقیہ مضمون، اس کے لیے نرم ونازک اور محبت بڑھانے والے الفاظ ہونے چاہیے۔ حماسہ (شجاعت) پر مشتمل مضمون، اس کے لیے پر شوکت اور تیز و تند اور سخت الفاظ ہونے چاہیے، اسی پر مدح وذم کو قیاس کر لیجئے۔

قاعدہ نمبر ۲: افتنان نظم اور نثر دونوں میں متحقق ہو سکتا ہے [١]۔

قاعدہ نمبر ۳: افتنان میں دیگر فنون کی بہ نسبت تعزیت اور تہنیہ کو جمع کرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے کہ دونوں میں صریح تناقض پایاجاتاہے [٢]۔

افتنان کی چند مثالیں:

وَإِن مِّنكُمْ إِلاَّ وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْماً مَّقْضِيّاً. ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَواْ وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيّاً. قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ، كل من عليها فانٍ. ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام.

و منه قول المتنبّي يعاتب سيف الدولة ويمدحه من قصيدة:

يَا أَعْدَلَ النَّاسِ إلاَّ في مُعَامَلَتي ... فِيكَ الخِصَامُ وأنْتَ الخَصْمُ والحَكَمُ

وقول فيها:

أُعِيذُها نَظَراتٍ مِنْكَ صَادِقَةً ... أَنْ تَحْسَبَ الشَّحْمَ فِيمَنْ شَحْمُهُ وَرَمُ

ومن الجمع بين الهجاء والمدح أو الفخر قول أبي العلاء المعري:

بأي لسان ذامني متجاهل ... عليّ وخفق الريح فيّ ثناء

تكلم بالقول المضلّل حاسد ... وكل كلام الحاسدين هراء

أتمشي القوافي تحت غير لوائنا ... ونحن على قوالها أمراء

ولا سار في عرض السماوة بارق ... وليس له من قومنا خفراء

---

[١] أنوارالربيع:٦٣-٦٤.

[٢] أنوارالربيع:٦٣-٦٤.

۶۔۔۔مغایرۃ کی تعریف(۱):

"مغایرۃ" باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: مخالفت کرنا، برعکس ہونا، تبادلہ کرنا "غایرہ بالسلعة" کا معنی ہے اس نے سامان کا تبادلہ کیا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم ایک شئ کی مدح بیان کرنے کے بعد اس کی مذمت بیان کرے یا مذمت بیان کرنے مدح بیان کرے، جیسے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [بقرة:۲۱۹] یہاں پہلے شراب پینے کے نقصانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور قبیحہ (لڑائی، قتل وغیرہ) سے بچاتی ہے اور اس سے مختلف قسم کے امراضِ روحانی وجسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعثِ ہلاکت ہیں، پھر اس کی معمولی تعریف کی کہ ہاں اس میں سرسری نفع بھی ہے، مثلاً شراب پی کر لذت وسرور ہو گیا، اور جوا کھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔ اسی طرح دوسری مثال یہ ہے، جیسے حریری نے دینار کی مدح کرنے کے بعد اس کی مذمت بیان کی ہے۔

"أكرم به أصفر راقت صفرته، تبًّا لُه من خادع ممارق".

ترجمہ: کس قدر عزیز ہے وہ زرد دینار جس کی حسین زردی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے! خدا اسے تباہ وبرباد کرے کہ وہ دینار کس قدر دغاباز ہے اور دوستی کا دم بھرنے والا خوشامدی ہے!

قاعدہ: مغایرۃ کو تغایر اور تلطف بھی کہتے ہیں۔

فائدہ: علامہ ثعلبیؒ نے مغایرہ پر "الطرائف واللطائف" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

مغایرۃ کی چند مثالیں:

الدنيا خمر الشيطان، من شرب منها سكر، فلم يفق منها إلا في عسكر الموتى. الدنيا قحبة، فيوما عند عطار ويوما عند بيطار. ما أصف من دار أولها عناء، وآخرها فناء في حلالها حساب، وفي حرامها عقاب، من استغنى فيها فتن، ومن افتقر فيها حزن، ومن ساعاها فاتته؛

---

(۱) المغايرة والتغاير، ويسميه قوم التلطف، هو أن يتلطف الناظم أو الناثر في التوصل إلى مدح مذموم، أو ذم ممدوح، سواء كان هو الذي ذمة أو مدحه من قبل نفسه أو غيره. فمن ذلك مدح علي عليه السلام للدنيا بعد أن ذمها هو وغيره. فمن ذمها له قوله رضى الله عنه: ما أصف من دار أولها عناء، وآخرها فناء في حلالها حساب، وفي حرامها عقاب، من استغنى فيها فتن، ومن افتقر فيها حزن، ومن ساعاها فاتته؛ ومن قعد عنا واتته، ومن أبصر بها بصرته، ومن أبصر إليها أعمته. (أنوارالربيع:۱۶۲)

ومن قعد عنا واتته، ومن أبصر بها بصرته، ومن أبصر إليها أعمته. صورة الخط في الأبصار سواد، وفي البصائر بياض.

۷۔۔۔۔مراجعہ کی تعریف[1]:

"مراجعہ" باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: رجوع کرنا، سوال جواب کرنا، بحث مباحثہ کرنا، "راجع الکتاب" کا معنی ہے: کتاب کی طرف رجوع کرنا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم زمانۂ ماضی میں دو آدمیوں کے درمیان ہوئی گفتگو یا سوال وجواب کو نہایت مختصر عبارت اور مناسب سانچہ میں ڈھال کر تعبیر کرے، جیسے: ﴿قَالَ: "إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا"، "قَالَ: وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ"، "قَالَ: لايَنَالُ عَهْدِے الظّٰلِمِيْنَ"﴾ [البقرة:۱۲٤] ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الشعراء:۱۹] اس آیت میں تین مراجع ہیں:۔

۱۔۔ آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بنائیں گے یعنی تمام انبیاء آپ کی متابعت پر چلیں گے۔

۲۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میری اولاد میں بھی پیشوا ہوں گے۔

۳۔۔ اللہ پاک نے جواب دیا، ہاں! لیکن میرا اقرار ظالموں کو نہ پہنچے گا! اس جگہ اِن تین مراجع کے ساتھ اس مختصر سی عبارت نے چند فنون کو بھی جمع کیا ہے:۔ ۱۔ خبر واستخبار (سوال وجواب) ۲۔۔ اثبات ونفی ۳۔۔ بشارت ونذارت ۴۔۔ وعدہ ووعید، جو منطوقِ کلام یا مفہومِ کلام سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کو امام فخر الدین رازیؒ اس کو صنعتِ سوال جواب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مراجعہ کی چند مثالیں:

اذهب أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلاَ تَنِيَا فِي ذِكْرِي * اذهبآ إلى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طغى * فَقُولاَ لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يخشى * قَالاَ رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَن يطغى * قَالَ لاَ تَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ

---

[1] المراجعة- وسماها جماعة منهم الإمام فخر الدين الرازي السؤال والجواب- عبارة عن أن تحكي المتكلم ما جرى بينه وبين غيره من سؤال وجواب، بعبارة رشيقة وسبك لطيف، يستحلي ذوقه السمع، أما في بيت واحد أو في أبيات. قال الشيخ صفي الدين الحلي في شرح بديعته: وذكر ابن أبي الإصبع: أن هذا النوع من مخترعاته، وقد وجدناه في كتب غيره بالاسم الثاني. انتهى. (أنوارالربيع:۱۵۷)

أَسْمَعُ وأرى * فَأْتِيَاهُ فقولا إِنَّا رَسُولاَ رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بني إِسْرَائِيلَ وَلاَ تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ والسلام على مَنِ اتبع الهدى * إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَآ أَنَّ العذاب على مَن كَذَّبَ وتولى * قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا ياموسى * قَالَ رَبُّنَا الذي أعطى كُلَّ شَيءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هدى * قَالَ فَمَا بَالُ القرون الأولى * قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لاَّ يَضِلُّ رَبِّي وَلاَ يَنسَى. أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ. أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ. وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا.

۸۔۔۔تنکیت کی تعریف[1]:

"تنکیت" باب تفعیل کامصدرہے اس کے لغوی معانی ہیں: نکتہ آفرینی، نکتہ بینی، چھلکے چھوڑنا" نکت فی قولہ" کا معنی ہے: اپنی بات میں نکتے پیدا کرنا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے کسی

---

[1] التنكيت في اللغة، مصدر نكت، إذا أتى بنكتة، وأصله من النكت، وهو أن تضرب في الأرض بقضيب ونحوه فتؤثر فيها، لأن المتكلم إذا أتى في كلامه بدقيقة احتاج السامع في استخراجها إلى فضل تأمل وتفكر ينكت معه الأرض، كما هو شأن المتأمل. وفي الاصطلاح: هو أن يقصد المتكلم إلى شيء بالذكر دون غيره مما يسد مسده لأجل نكتة في المذكور، ترجح اختصاصه بالذكر على غيره، ولولاها لكان ذكره دون ما يسد مسده خطأ ظاهرا عند أهل النقد، كقوله تعالى "وأنه هو رب الشعرى"، خص الشعرى بالذكر دون غيرهما من النجوم وهو تعالى رب كل شيء، لأن قوما من العرب في الجاهلية كانوا عبدوا الشعرى العبور، وكان رجل يعرف بابن أبي كبشة أول من عبدها ودعا إلى عبادتها وقال: قطعت السماء عرضا، ولم يقطع السماء عرضا نجم غيرها نعبدها. فأنزل الله تعالى: وأنه هو رب الشعرى، التي ادعيت فيها الربوبية. (أنوارالربيع:٤٣٥-٤٣٦)

مخصوص لفظ کو ذکر کرے اور اپنی بات میں نکتہ بیان کرے، حالانکہ وہاں دوسرے لفظ سے بھی تعبیر ممکن ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ [النجم:٤٩] ﴿فَإِنْ "طِبْنَ" لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾[النساء:٤] ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ [مریم:١٢] پہلی آیت دیکھئے! اللہ تعالی "رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ" ہے، پھر بھی﴿رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ سے تعبیر فرمائی، کیونکہ "شِعْرٰی" ایک بہت بڑا استارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں یہ بتلادیا کہ " شِعریٰ"کا رب بھی اللہ ہی ہے اور دنیا کے تمام اُلٹ پھیر اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں، شعریٰ بھی ایک ادنی مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے، اِس نکتے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ﴿رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ فرمایا۔ دوسری آیت کی وضاحت "اِدماج" کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔ تیسری آیت دیکھئے حضرت مریم عابدہ ومطیعہ تو تھیں ہی۔ لیکن عبادت واطاعت میں کامل مَردوں سے کم بھی نہیں تھیں، یہ نکتہ بیان کرنے کے لیے بجائے "القَانِتَاتِ" کے ﴿القَانِتِيْنَ﴾ فرمایا ہے۔

تنکیت کی چند مثالیں:

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا. إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ . ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ . وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى. وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ.

۹۔۔۔التفات کی تعریف(۱):

"التفات" باب افتعال کامصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: متوجہ ہونااور مشہوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام میں تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف انتقال کرنا تاکہ سامع میں نشاط اور تیقظ پیدا ہوجائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے۔ علامہ سکاکیؒ نے یوں تعریف کی ہے کہ کسی ایسے کلام کی دو اسلوب میں

(۱) البلاغۃ العربیہ:۱/۴۷۹۔

سے ایک اسلوب کیساتھ تعبیر کی جائے جس میں اس اسلوب کے علاوہ دوسرے متروک اسلوب کیساتھ تعبیر کیے جانے کا حق پایا جاتا ہے۔ التفات کی چھ صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔التفات من التکلم الی الخطاب: سامع کو متکلم کا کلام سننے پر ابھارنے کے لیے تکلم سے خطاب کی طرف انتقال کرنا، جیسے :﴿وَمَا لِيَ لاَ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [یٰسٓ:۲۰] یہاں **تکلم** ''وإلیه أرجع'' کے بجائے خطاب کی طرف التفات ہے اور یہ بتایا کہ جس ذاتِ عُلیٰ کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور اسی کی طرف تمھیں بھی لوٹ کر جانا ہے، پھر ہم اس کی عبادت کیوں نہ کریں!۔

۲۔۔۔التفات من التکلم إلی الغیبوبة: تکلم سے غیبوبت کی طرف انتقال کرنا، جیسے﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا...، فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَ''رَسُوْلِهِ''﴾ [الأعراف:۱۵۸] ﴿إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ* فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر:۲-۱] پہلی آیت دیکھئے!اس میں ''فآمنوا بالله وبي'' کے بجائے﴿بِرَسُوْلِهِ﴾لاکر اشارہ فرمایا کہ میں رہوں یا نہ رہوں رسول کی اتباع کو لازم پکڑنا۔ دوسری آیت دیکھئے! یہاں مخاطب میں نشاط پیدا کرنے کے لیے ایک نیا اسلوب بجائے ''فصل لنا'' کے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ تکلم سے غیبوبت کی طرف التفات فرما کر ﴿رَبِّ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا کہ رب کی ذات تیری ہی عبادت اور نماز کے لیے زیادہ حقدار ہے۔

۳۔۔۔التفات من الخطاب إلی التکلم: خطاب سے تکلم کی طرف انتقال کرنا، جیسے: ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ [هود:۹۰] یہاں مقتضائے حال کے مطابق خطاب یعنی ''إن ربکم رحیم ودود'' کے بجائے﴿إِنَّ رَبِّيْ﴾ فرمایا ہے اور یہ التفات رب ذوالجلال ہی کے لیے عظمت، رحمت اور اجابت کو خاص کرنا ہے جو فائدہ ''إن ربکم'' میں حاصل نہ ہو پاتا۔

۴۔۔۔التفات من الخطاب إلی الغیبة: حکایتِ حال یا تعجب کے اظہار کے لیے خطاب سے غیبوبت کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ [یونس:۲۲]، أي: وجرین بکم.

یہاں التفات میں یہ نکتہ ہے کہ جب مشرکین پر ہر طرف سے موت نظر آتی ہے تو اصل فطرت انسانی کے تقاضہ کے مطابق تمام فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگتے ہیں اور یہ مقام، حضور ومشاہدہ کا ہوتا ہے اس کو خطاب سے تعبیر فرمایا، پھر جب وہ نجات پالیں تو خدا سے دور ہو جاتے ہیں اسی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے غیبوبت سے تعبیر فرمایا۔

۵۔۔۔التفات من الغيبة إلى التكلم: غیبوبت سے تکلم کی طرف انتقال کرنا، جیسے :﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾[فاطر:۹] اس آیت میں غیبوبت ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ﴾ سے تکلم ﴿فَسُقْنٰهُ﴾، ﴿فَأَحْيَيْنَا بِهِ﴾ کی طرف التفات ہے، اس التفات سے ہواؤں کو چلانے اور بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے کی اہمیت اور خاص قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ مقصود ہے(۱)۔

۶۔۔۔التفات من الغيبة إلى الخطاب: غیبوبت سے خطاب کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ* اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ* مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ* إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحہ:۴-۱]. اس جگہ غیبوبت ﴿مٰلِكِ﴾ سے خطاب﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی طرف التفات ہے اور اس التفات میں بلاغت یہ ہے کہ بندے کے دل میں خشوع وخضوع اور تقرب کو پیدا کرنا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کی حمد سے ابتدا کی، پھر اللہ کی ربوبیت کی عمومیت بتائی تمام عالمین کے لیے، پھر اس کی بہت زیادہ رحمت سے متصف ہونا، اس کے بعد اس ذات کا روزِ جزا کا مالک ہونا بتلایا، جس سے بندہ کے دل میں باری تعالیٰ سے غایت قرب حاصل ہوا، چنان چہ بندہ خطاب کر رہا ہے۔﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ حمد اور تعریف تو ایک انسان دوسرے محسن کی کر سکتا ہے، لیکن عبادت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں کی جاسکتی۔

قاعدہ نمبر۱: التفات کے متحقق ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ منتقل الیہ میں جو ضمیر ہوتی ہے اور در حقیقت منتقل عنہ کی طرف عائد ہوتی ہو۔ ورنہ اس مثال ''أَنْتَ صَدِيقِي''کو بھی التفات ماننا پڑئے گا حالانکہ یہ التفات نہیں(۲)۔

قاعدہ نمبر۲: علامہ زمخشریؒ اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ التفات کا دو جملوں میں ہونا شرط ہے(۳)۔

قاعدہ نمبر۳: علامہ تنوخی نے اپنی کتاب ''اقصی القریب'' میں اور علامہ ابن الاثیرؒ وغیرہ نے التفات کی ایک غریب اور نادر الوقوع قسم ذکر کی ہے کہ مبنی للفاعل فعل (فعل معلوم مخاطب ہو یا متکلم ہو) کے بعد مبنی للمفعول فعل (فعل مجہول) ذکر کرنا، جیسے{أَنْعَمْتَ} مبنی للفاعل فعل کے بعد{غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ}مبنی للفعول فعل کو ذکر کیا گیا ہے، صاحب عروس الافراح نے اس نوع کو ماننے میں توقف کیا ہے(۴)۔

---

(۱) البلاغۃ العربیۃ:۱/ ۴۷۹۔

(۲) الاتقان فی علوم القرآن:۳/ ۲۹۳۔

(۳) الاتقان فی علوم القرآن:۳/ ۲۹۳۔

(۴) الاتقان فی علوم القرآن:۳/ ۲۹۴۔

فائدہ: التفات کے متعدد فوائد ہیں، من جملہ ایک فائدہ یہ ہے کہ التفات میں اسالیب مختلفہ کی طرف انتقال کرنے سے ذہن میں ایک قسم کی نشاط اور تیقظ پیدا ہوتا ہے اور یہ فائدہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے ایک ہی طریقہ پر برابر گفتگو کرتے رہنے کی خرابی سے بچ سکتے ہیں۔ نیز التفات میں کلام کے ہر ایک موضع کو اس کے محل اور موقع کے اختلاف کے لحاظ سے عمدہ عمدہ باریکیوں اور لطیفوں کیساتھ خاص بناتا ہے [1]۔

قاعدہ نمبر ۴: علامہ ابن ابی الاصبعؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں التفات کی ایک عجیب وغریب قسم ہے جس کی مثال میں مجھے اشعار عرب میں نہیں ملی اور وہ نوع یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں دو بالترتیب مذکور چیزوں کو مقدم کرے اور پھر ان میں سے پہلے امر کی خبر دے کر اس کے خبر دینے سے روگردانی کرتا ہو اور دوسرے امر کی خبر دینے لگے اور اس کے بعد امر اول کی خبر دے، جیسے قرآن مجید میں ہے-{إِنَّ الْأِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ * وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ} کہ اس میں متکلم انسان کی خبر دیتا ہوا اس سے پلٹ کر اس کے رب العالمین کی خبر بتانے کی طرف جا پہنچا اور پھر رب العالمین کی خبر دینے سے پلٹتا ہوا دوبارہ انسان کی خبر دینے لگا اور فرمایا {وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ}۔ علامہ ابن ابی الاصبعؒ کہتے ہیں کہ اس کا نام التفات الضمائر رکھنا زیادہ مناسب ہے [2]۔

فائدہ نمبر ۲: علامہ تنوخیؒ اور علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں کہ واحد یا تثنیہ یا جمع کے خطاب سے دوسرے شخص کے خطاب کی طرف کلام کو منتقل کر دینا بھی التفات کے قریب قریب ہے اور اس کی چھ قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔ **الالتفات من الواحد الی الاثنین**، جیسے {قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الأَرْضِ}-

۲۔۔۔ **الالتفات من الاثنین الی الواحد**، جیسے {فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَى...فَلا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى}-

۳۔۔۔ **الالتفات من الواحد الی الجمع**، جیسے {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ}-

۴۔۔۔ **الالتفات من الاثنین الی الجمع**، جیسے {وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتاً وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً}-

۵۔۔۔ **الالتفات من الجمع الی الواحد**، جیسے {وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ}-

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۸۹۔

(۲) الاتقان فی علوم القرآن: ۳/ ۲۹۴۔

۶۔۔۔**الالتفات من الجمع الی الاثنین،** جیسے{يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالأِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ....فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ}[1]۔

قاعدہ نمبر: التفات کی اقسام میں سے من جملہ ایک قسم یہ بھی ہے کہ ماضی، مضارع یا امر میں سے ایک دوسرے کی جانب انتقال کرنا بھی ہے:

۱۔۔۔**الانتقال من الماضی الی المضارع،** جیسے{رْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ}، {خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ}، {إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰہِ}۔

۲۔۔۔**الانتقال من الماضی الی الامر،** جیسے{قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ} ، {وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الأَنْعَامُ إِلاَّ مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا}.

۳۔۔۔**الانتقال من المضارع الی الماضی،** جیسے{وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ}، {وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ}.

۴۔۔۔**الانتقال من المضارع الی الامر،** جیسے{قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللّٰہَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ}۔

۵۔۔۔**الانتقال من الامر الی الماضی،** جیسے{وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا}.

۶۔۔۔**الانتقال من الامر الی المضارع،** جیسے {وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلاةَ وَاتَّقُوهُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ}[2]۔

التفات کی چند مثالیں:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا. أَمْراً مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ. وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰہِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ. وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ. ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ. وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا. سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ....بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا...إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ. وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً. أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ. وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً. إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۹۵۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۹۵۔

أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ. وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا. وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنا راجِعُونَ.

١٠۔۔۔۔ تجاہل العارف کی تعریف[1]:

تجاہل العارف کو تجاہل عارفانہ بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض یا کسی خاص نکتے یا مقصد کے لیے بات کو جاننے کے باوجود انجان بن جانا، مثلاً: کسی چیز کی عظمت بتانے کے لیے تجاہل عارفانہ کا اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿قَالَ مُوْسٰى أَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هٰذَا وَلا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ [يونس:٧٧].

تجاہل عارفانہ کا اسلوب کسی نکتے کی بناء پر اختیار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

١۔۔۔۔ کبھی تعریف و مدح میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے،، جیسے ''وجهُك بدْرٌ أمْ شَمْسٌ ؟'' اور اسی طرح بختری کا شعر ہے۔

أَلَمْعُ بَرْقٍ سَرَى أَمْ ضَوْءُ مِصْبَاحِ؟ ... أَمِ ابْتِسَامَتُهَا بِالْمَنْظَرِ الضَّاحِي

ترجمہ: کیا رات کے وقت آسمانی بجلی کی چمک ظاہر ہوئی ہے یا چراغ کی روشنی یا محبوبہ کے چمکتے چہرے کی چمک دمک ظاہر ہوئی۔

یہاں شاعر کو اس بات کا علم ہونے کے باجود کہ رات کی تاریکی میں دیواروں پر پڑنے والی چمک محبوبہ کی مسکراہٹ ہی کی تھی تجاہل عارفانہ کے طور پر محبوبہ کی تعریف میں مبالغہ پیدا کرنے کی غرض سے کہہ رہا ہے کہ معلوم نہیں رات کی

---

[1] تجاهل العارف هو كما سماه السكاكي: سوق المعلوم مساق غيره لنكتة. قال: ولا أحب تسميته بالتجاهل، لوروده في كلام الله تعالى. والتسمية الأولى لابن المعتز، وخصه بعضهم بأن يكون على طريق التشبيه، ليوهم أن شدة التشبيه بين المشبه والمشبه به أحدثت التباس أحدهما بالآخر، وفائدته المبالغة سواء كان على طريق التشبيه أو غيره، لكن لا بد له من نكتة، كالمبالغة في المدح، أو الذم، أو التعظيم، أو التحقير؛ أو التوبيخ؛ أو التقرير؛ أو التدله؛ أو التعريض، أو غير ذلك. قال التفتازاني: ونكت التجاهل أكثر من أن يضبطها العالم. (أنوار الربيع:٣٨١-٣٨٢)

تاریکی میں دیواروں پر پڑنے والی یہ چمک کونسی تھی محبوبہ کے مسکرانے کی وجہ سے اس کے دانتوں کی چمک تھی یا کوئی اور چیز تھی؟!!

۲۔۔۔بعض اوقات توبیخ کے لیے تجاہل عارفانہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَآ أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [الطور:۱۵] اسی طرح لیلیٰ بنت طریف کا شعر ہے جو اس نے اپنے مقتول بھائی ولید بن طریف کے مرثیہ میں کہا ہے۔

أَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرَقًا   كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلٰى اِبْنِ طَرِيْفِ

ترجمہ: اے خابوز نامی درخت! آخر تو کیوں پتہ دار اور تر و تازہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ تجھے میرے بھائی ابن طریف پر کوئی غم نہیں ہے۔

اس شعر میں شاعر یہ بات جاننے کے باجود کہ درخت کسی کے مرنے پر رونا دھونا نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ کام ذوالعقول کا ہے، لیکن اس کے باوجود تجاہل عارفانہ کے طور پر اسے ذوالعقول کی طرح فرض کرکے اسے ڈانٹ دیا جارہا ہے کہ اس درخت کو بھی چاہیے تھا کہ میرے بھائی کے مرنے پر جزع فزع کرتا اور اس کی وجہ سے کمزور ہو کر اس کے پتے جھڑ جاتے، لیکن اس کے پتوں کا اس پر موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے ابن طریف کے مرنے پر کوئی جزع فزع نہیں ہے۔

۳۔۔۔بسا اوقات ہجو اور ذم میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے زہیر ابن ابی سلمی کا یہ شعر ہے۔

وَمَا أَدْرِي وسَوْفُ إِخَالُ أَدْرِي   أَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ أَمْ نِسَاءُ؟!

مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصن مرد ہیں عورتیں ہیں؟!

اس شعر میں شاعر کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ آل حصن مرد ہیں، لیکن ان کی مذمت میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کرکے ان پر مرد ہونے سے انکار کرکے انہیں عورتیں کہا ہے!

۴۔۔۔ بعض اوقات کسی کی محبت میں بڑھ جانے اور تحیر کا اظہار کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے حسین ابن عبد اللہ کا یہ شعر ہے۔

بِاللهِ يَا ظَبَيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا   لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ؟

ترجمہ: اے چٹیل میدان کی ہرنیو! تمہیں خدا کی قسم ہے بتاؤ کہ میری لیلی تم میں سے ہے یا لیلی انسانوں میں سے ہے؟!

شاعر کو بخوبی معلوم ہے کہ لیلی انسان ہی ہے، لیکن اس کی محبت کا استغراق ظاہر کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کے طور پر پوچھ رہا ہے کہ تم بتاؤ کہ وہ انسان ہے یا ہرنوں کی نسل میں سے ہے، کیونکہ میں اس کی محبت میں بالکل دیوانہ ہو گیا، اسی وجہ سے مجھے تو پتہ ہی نہیں چل رہا ہے کہ وہ انسان ہے یا نہیں!؟

۵۔۔۔بعض اوقات کسی کو مانوس اور مالوف کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔"وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَامُوسَى قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآءرِبُ أُخْرَى."(طٰہٰ:۱۷-۱۸)

قاعدہ: تجاہل عارفانہ کو علامہ سکاکیؒ سوق المعلوم مساق غیرہ کہتے ہیں، علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کا نام تجاہل عارفانہ رکھنا پسند نہیں کرتا، کیونکہ یہ قرآن مجید میں واقع ہے، جیسے "وما تلک بیمینک یاموسی؟" اور ظاہر ہے کہ تجاہل کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرنا سوءادب ہے[۱]۔

تجاہل العارف کی چند مثالیں:

أَفَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ. وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ. وَإِذْ قَالَ اللهُ يَاعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللهِ. وَما جَعَلْنا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ. كُلُّ نَفْسٍ ذائِقَةُ الْمَوْتِ. أَأَنْتَ فَعَلْتَ هذا بِآلِهَتِنا يا إِبْراهِيمُ. مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ. قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ. وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ.

و منه:

أَلَمْعُ برقٍ سرَى أم ضوءُ مصباحِ　　　أم ابتسامتُها بالمنظر الضاحي

و منه:

أَلمحةٌ من سنا برق رأى بصري　　　أمن وجْهُ نُعمٍ بَدا لي أم سنا نارِ

و منه:

أهذه جنَّةُ الفرْدَوسِ أمْ إرم　　　أم حضرةٌ حفَّها العلياءُ والكرم

---

[۱] البلاغۃ العربیہ:۲/۳۹۶۔

بابِ نہم: ماتتعلق به إثباة المضمون

یہ باب درج ذیل نو محسناتِ معنویہ پر مشتمل ہے:۔

١۔تکریر ٢۔اسلوب الحکیم ٣۔المذھب الکلامی ۴۔الاثبات ۵۔التسلیم ٦۔القول بموجب العلۃ ٧۔قسم ٨۔حسن تعلیل ٩۔مواربہ۔

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

١۔۔۔تکریر کی تعریف[1]:

"تکریر" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: بار بار دہرانا، اعادہ کرنا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ یا جملے کو دو یا زیادہ مرتبہ کسی نکتہ کی بناء پر مکرر ذکر کرنا۔ اس کو تکرار بھی کہتے ہیں، تکرار کی مختلف اغراض ہوتی ہیں:۔

١۔۔۔تاکید: سامعین کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے کلام کو مکرر ذکر کرنا، جیسے ﴿كَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ [التکاثر:۴-٣] یہاں تاکیدِ انذار کی غرض سے ﴿كَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے اوراسی طرح سورۃ مرسلات میں مختلف احوال کو ذکر کرنے کے لیے بعد اس آیت ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ [المرسلٰت:١۵] تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے۔

٢۔۔۔تذکیر: کلام میں ایک لفظ یا جملے کو دو سے زیادہ مرتبہ ذکر کرنا جس کا مقصد کبھی تو اللہ کی لا محدود اور غیر متناہی نعمتوں کو یاد دِلانا ہوتا ہے، جیسے سورۃ الرحمن میں اس آیت ﴿فَبِأَيِّ اٰلآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ [الرحمٰن:١٣] کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ اللہ تعالی کی غیر محصور نعمتوں کی یاد دہانی ہے۔

٣۔۔۔تعظیم وتہویل: کسی چیز کی عظمت وہولناکی بیان کرنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو مکرر ذکر کرنا، جیسے: ﴿اَلْقَارِعَةُ، مَا الْقَارِعَةُ﴾،﴿أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ [الواقعة:٢٧] ان آیات کو عظمت وتہویل کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے۔

۴۔۔۔ حث علی التدبر وأخذ العبرۃ: انجام وعاقبت کو سوچنے اور ماضی سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے پر اُبھارنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو بار بار ذکر کرنا، جیسے :﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر:١٧] اللہ تعالیٰ نے سورۂ قمر میں مختلف امم سابقہ کی تکذیب واعراض کے واقعات ذکر فرماتے ہوئے سامعین کو عبرت اور تدبر پر ابھارنے کے لیے اس آیتِ کریمہ کو بار بار دہرایا ہے۔

---

[1] انوار الربیع:۴٣٣۔

۵۔۔۔**اظہارِ ضعف**: اپنی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کو زیادہ لانا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ [مریم:۴] یہاں اگر "رب إني قد كبرت" فرماتے تو کبر سنی کی خبر دینا تو ہو جاتا؛ لیکن اپنے ضعف کا اظہار نہ ہو پاتا۔

۶۔۔۔**زيادة استبعاد**: ایک چیز کے غایت استبعاد کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کو مکرر ذکر کرنا، جیسے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ﴾ [المؤمنون:۳۶]۔

۷۔۔۔**حصولِ تلذذ**: تلذذ اور لذت حاصل کرنے کے لیے الفاظ کو مکرر ذکر کرنا، جیسے شعر ہے۔

سقى الله نجدا والسلام على نجد ويا حبذا نجد على النأي والبعد

نظرت إلى نجد وبغداد دونه لعلي أرى نجدا وهيهات من نجد

اس شعر میں لفظ "نجد" کو پانچ مرتبہ تلذذ کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔۔۔**تنويه بشأن المذكور**: عظمت اور جلالتِ شان کی بناء پر ایک لفظ کو مکرر ذکر کرنا، جیسے "الكريم بن الكريم بن الكريم بن الكريم يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم[1]." اس حدیث میں لفظ "الكريم" کو عظمت اور جلالتِ شان کی بناء پر مکرر ذکر کیا گیا ہے۔

۹۔۔۔**تیقظ اور بیداری**: بعض اوقات تیقظ اور انتباہ کے لیے ایک لفظ کو مکرر لایا جاتا ہے، جیسے ﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ *يَاقَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاع﴾ [غافر:۳۸-۳۹] رجل مؤمن نے اپنی اس ایمان افروز تقریر میں حرف نداء کو اس لیے مکرر ذکر کیا تاکہ اپنی قوم کو متنبہ کرے۔

۱۰۔۔۔**طول کلام**: کبھی طولِ کلام کی بناء پر ایک لفظ کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے، پھر یہ تکرار کبھی رابط سے خالی ہو گا، جیسے "ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ." اس آیت میں "ربك" کو رابط کے بغیر مکرر ذکر کیا گیا ہے اور کبھی اس میں رابط مذکور ہو گا، جیسے " لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ" اس آیت میں "لا تحسبن" کو دوبارہ "فلا تحسبنهم" رابط "ف" کیساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری (۳/۱۲۳۷، رقم ۳۲۰۲) مسند أحمد (۲/۴۱۶، رقم ۹۳۶۹) سنن الترمذی (۵/۲۹۳، رقم ۳۱۱۶) مسند أبی یعلی (۱۰/۳۳۸، رقم ۵۹۳۲)، صحیح ابن حبان (۱۳/۹۲، رقم ۵۷۷۶).

۱۱۔۔۔حسرت وافسوس: کبھی حسرت اورافسوس کی بناء پر ایک لفظ کومکرر ذکر کیاجاتاہے، جیسے"يَقُولُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَاوَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا"(الفرقان:۲۷-۲۸) اس آیت میں"لَيْتَنِي"کوحسرت اورافسوس کی وجہ سے مکرر لایا گیاہے۔

۱۲۔۔۔زیادۃ المدح: غایتِ مدح کی وجہ سے الفاظ کومکرر ذکر کرنا، جیسے"وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ" یہاں اہل جنت کی حد درجہ مدح مقصود ہے اس لیے تکرار کا اسلوب اختیار کیا گیاہے۔

تکریر کی چند مثالیں:

أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ. رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ. وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا. الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ. أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ثُمَّ أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى. قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ لَمُهْتَدُونَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ. كَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلاَّ سَوْفَ تَعْلَمُونَ. ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْراراً.

۲۔۔۔اسلوب الحکیم کی تعریف:

اسلوب الحکیم کامطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے کلام کے وہ معنی مراد لیناجواس نے مراد نہ لیے ہوں، یعنی کسی کے کلام کو اپنے حسبِ منشا معنی پہنا دینا۔ بالفاظِ دیگر کلام کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا۔ اس کی اوّلاً دو قسمیں ہیں:۔

ا۔۔۔ سائل کو ایسا جواب دیناجو اس نے نہیں پوچھا، اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ اس جواب کے مناسب سوال کرنا زیادہ مناسب تھا۔ یہ جواب، سوال کے بالکل مباین ہوتاہے یا اَعم، یا اَخص ہوتاہے۔ مباین کی مثال، جیسے فرعون

کے سوال:﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء:۲۳] کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں دیا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ [الشعراء:۲۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال ﴿وما ربُّ العٰلمِيْن﴾ کے مقتضٰی کے خلاف جواب دیا کہ ''وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو''۔ اور یہ بتایا کہ: سوال یعنی: رب العالمین کون ہے؟ سے ہونا چاہیے تھا، کیونکہ ''ما'' کے ذریعے حقیقت وماہیت اور جنس کا سوال ہوتا ہے، باری تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کرنا بڑی غلطی ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں جس کو ''ما'' کے جواب میں بیان کی جائے اور نہ ہی اس کی حقیقت کا ادراک ہوسکتا ہے کہ جواب میں حقیقت بیان کی جائے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلط سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ صحیح جواب دے کر صحیح سوال کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں سوال ''مَنْ رَبُّ العَالَمِيْنَ؟'' ہونا چاہیے تھا[۱]۔

جواب سوال کے مقابلے میں عام ہو اس کی مثال، جیسے ﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ [أنعام:۶۳] کا جواب: ﴿قُلِ: اللهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ [أنعام:۶۴] سے دلوایا گیا۔ اس سوال میں ظلماتِ بر وبحر میں پھنسنے والوں کو نجات دلانے والی ذات کے متعلق سوال تھا کہ تم کو جنگل اور دریا کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عمومیت پیدا کرتے ہوئے ہر قسم کی شدائد ومصائب میں پھنسنے والے کو داخل فرما کر جواب دیا کہ: اللہ عز وجل تمہیں ظلمات بر وبحر سے اور ہر قسم کی شدائد ومصائب سے نجات دِلانے والے ہیں[۲]۔

جواب سوال کے مقابلے میں خاص ہو اس کی مثال، جیسے: ﴿إِئْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ﴾ کا جواب یوں دیا گیا کہ ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾ [یونس:۱۵] معاندین کے اس سوال کے جواب میں صرف تبدیل کا ذکر فرمایا ہے کہ میں اس قرآن میں تبدیلی نہیں کرسکتا! اختراع کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ سوال میں دونوں کا ذکر تھا۔ اس اختصار کی وجہ یہ ہے کہ تبدیل کرنا اختراع سے آسان ہوتا ہے، جب تبدیلی کی نفی کر دی تو

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۶۹۔

(۲) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۶۹۔

اختراع کی نفی تو بدرجہ اَولیٰ ہو گئی۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ تبدیل کرنا بشر کے لیے کسی حد تک ممکن ہے، لیکن اختراع ممکن ہی نہیں!۔ [1]

۲۔۔۔۔ مخاطب کو ایسا جواب دینا ہے جس کا وہ منتظر نہ ہو، جیسے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ: الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ﴾[اِسراء: ۸۵] روح کے متعلق سوال کا جواب دیا گیا کہ وہ میرے رب کا امر ہے۔ یہودیوں نے روح کے متعلق یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ لفظِ روح ایک مشترک لفظ ہے جس میں انسان، قرآن، عیسیٰ علیہ السلام، جبرئیل علیہ السلام اور ملائکہ کی ایک جماعت داخل ہیں۔ محمد ﷺ ان میں سے جو بھی جواب دیں گے، ہم دوسرے معنیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کی تردید کریں گے۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وحی کی روشنی میں خلافِ منتَظر ایسا مجمل جواب دیا کہ ان کی چال دھری کی دھری رہ گئی [2]۔

فائدہ: علامہ عبد القاہر جرجانی نے اسلوب الحکیم کو "مغالطه" کے نام کیساتھ موسوم کیا ہے [3]۔

فائدہ: علامہ ابن الحجہ اور بعض دیگر حضرات نے اسلوب الحکیم اور قول بالموجب کو ایک ہی صنعت قرار دیا ہے، تاہم ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ قول بالموجب میں متکلم مخاطب کے کلام کے بعض الفاظ کو مخاطب کے مقصود کے خلاف کسی دوسرے معنی پر محمول کرتا ہے اور اسلوب الحکیم میں سائل کو ایسا جواب دینا ہوتا ہے جو اس نے نہیں پوچھا، اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ اس جواب کے مناسب سوال کرنا زیادہ مناسب تھا۔ البتہ یہ دونوں صنعتیں اخراج الکلام علی خلاف مقتضی الظاہر میں مشترک ہیں [4]۔

اسلوب الحکیم کی چند مثالیں:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ. وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ.

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۶۹۔

(۲) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۳۶۹۔

(۳) أنوار الربیع: ۱۲۶، البلاغہ العربیہ: ۱/ ۴۹۸۔

(٤) انوار الربیع: ۱۲۶۔

٣ـــ المَذْهَبُ الكَلامِيُّ کی تعریف[١]:

مذہب کلامی کا مطلب یہ ہے کہ حضراتِ متکلمین کے طرز پر متکلم اپنے مدّعیٰ کے اثبات اور خصم کے دعوی کے ابطال کے لیے مخاطب کے نزدیک مسلم حجت قطعیہ سے دلیل پیش کرے، جیسے:﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ إِلاَّ اللهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[الأنبياء:٢٣] ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى: نَحْنُ أَبْنٰؤا اللهِ وَأَحِبَّآؤه قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾[المائدة:١٨] اس آیت میں توحید کے اثبات اور تعدُّدِ الٰہ کے ابطال پر نہایت پختہ اورواضح دلیل بیان کی ہے؛ اوروہ یہ ہے کہ: اگر آسمان وزمین میں دویاچند خداہوتے توہر ایک کی زُور آزمائی سے عالم کاموجودہ نظام درہم برہم ہوجاتا(یہ مقدم ہے) لیکن عالم کانظام درہم برہم نہیں ہوا(یہ تالی ہے)۔ لہٰذامعلوم ہواکہ آسمان وزمین میں چند خدانہیں، کیونکہ جب لازم (یعنی فساد عالم) باطل ٹھہرا، توملزوم (تعدد الٰہ) بھی باطل ٹھہرے گا۔ دوسری آیت دیکھئے کہ اے یہود ونصاریٰ یہ تمہارے مسلمات کے قبیل سے ہے کہ پہلے تمہیں عذاب دیا جاچکاہے اور بھلاکوئی اپنے ہی بیٹوں کوعذاب دیاکرتاہے!معلوم ہواکہ تم اللہ کے بیٹے نہیں![٢]۔

---

[١] الجاحظ أول من ذكره، وأنكر وجوده فى القرآن (وهو أن يورد المتكلم حجة للمطلوب لما يدعيه على طريقة أهل الكلام) وينقسم إلى: قياس اقترانى، واستثنائى، واستقراء، وتمثيل وهو القياس المذكور فى الأصول وإنما لم يسموه المنطقى؛ لأن هذا المذهب أصله، كما ذكره ابن مالك عبارة عن نصب حجة صحيحة ما قطعية الاستلزام، فهو منطقى. أو ظنية فهى جدلية، غير أنه قد يقال - أيضا - أهل الكلام مطالبهم قطعية فكيف تسمى الحجة الظنية كلامية؟ وجوابه أنهم ربما يذكرون الحجة الظنية ليحصل من مجموعها القطع كقوله تعالى: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَافإن هذه مقدمة استثنائية ذكر فيها المقدمة الشرطية، وتقديره: لكنهما لم يفسدا، فلم يكن فيهما آلهة فالمقدمة الثانية استثناء نقيض التالى، فلازمه نقيض المقدم.(عروس الأفراح:٢/٢٦٤)

[٢] ولك أن تقول: هذا النوع كله ليس من البديع، لأنه ليس فى هذا تحسين لمعنى الكلام والمقصود، بل المعنى المقصود هو منطوق اللفظ، فالإتيان بهذا الدليل هو المقصود، فهو تطبيق على مقتضى الحال، فيكون من المعانى لا من البديع، وأنشد ابن رشيق فى المذهب الكلامى:

فيك خلاف لخلاف الذى فيه خلاف لخلاف الجميل

وقال عبد اللطيف البغدادى: إن المذهب الكلامى كل ما فيه محي العلوم العقلية كقوله:

محاسنه هيولى كل حسن ومغناطيس أفئدة الرجال۔ (عروس الافراح:٢/٢٦٦)

قاعدہ نمبر ا: مذہبِ کلامی کو علامہ ابن النقیبؒ نے احتجاج نظری کے نام کیساتھ موسوم کیاہے اس کا موجد امام جاحظ ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ اثباتِ مطلوب کے لیے متکلمین کے طرز پر دلیل کو قیاس اقترانی یا استثنائی کی صورت میں اس طور پر لایا جائے کہ اس کے مقدمات تسلیم کرنے کے بعد عقلی یا عادی طور وہ مطلوب کو مستلزم ہو، مگر ان مقدمات کا کلام میں بالفعل موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ بالقوۃ موجود ہونا کافی ہے، جیسے یہ آیت ہے-" لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا "(الانبیاء:٢٢) یہ آیت تعددآلہہ کے بطلان پر قیاسِ استثنائی کی صورت میں لائی گئی ہے جس میں قضیہ شرطیہ مذکور ہے اور قضیہ استثنائیہ اور مطلوب دونوں محذوف ہیں۔ اصل کلام یوں ہے۔"ولوكان فيهما إلهة إلا الله لفسدتا، لكنهما لم يفسدا فلم يكن فيهما آلهة"۔ اس میں مقدمہ ثانیہ نقیض تالی کا استثناء ہے یعنی لازم باطل ہے تو ملزوم بھی باطل ہے۔علامہ تفتازانیؒ کا خیال ہے کہ یہ ملازمہ اتناعی ہے جو خطابیات میں ملحوظ ہوتی ہے، ملازمہ قطعی نہیں جو برہانیات میں ہوتی ہے، لیکن علامہ تفتازانیؒ کا خیال علی الاطلاق درست نہیں، بلکہ صرف اس وقت درست ہے کہ جب فساد سے مراد آسمان وزمین کا ہیئتِ کذائیہ پر نہ رہنا ہو۔ اور اگر فساد سے مراد عدم الکون ہے، یعنی اگرچند معبود ہوتے تو فساد کیا؟ سرے سے زمین وآسمان کا وجود ہی نہ ہوتا! تو اس صورت میں ملازمہ قطعی ہوگا۔اس وقت ترکیب یوں ہوگی-"لو تعدد الآلهة لجاز اختلفاهما ولوتوافقا بالفعل، جوازالاختلاف يستلزم جوازالامتناع وإمكان التمانع وهو يستلزم عجز الآلهة وهويستلزم عدم وجودهما، لكن عدم وجودهما باطل بالمشاهدة فالملزوم باطل-"اگرچند معبود ہوتے تو اختلاف ممکن تھا اور امکان اختلاف مستلزم جوازِ تمانع ہے اور جوازِ تمانع مستلزم عجزِ آلہۃ ہے اور عجزِ آلہۃ مستلزم عدم وجود سماء وارض ہے، لیکن ان کا عدم وجود بالمشاہدہ باطل ہے، لہٰذا ملزوم یعنی تعدد آلہۃ بھی باطل ہے[1]۔

قاعدہ: مذہبِ کلامی کی ایک مثال نابغہ ذبیانی کے اس قصیدہ کے یہ چند اشعار ہیں جو اس نے نعمان بن عمرو بن منذر غسانی سے اعتذاراً کہے تھے۔

حَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً ... ولَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ لِلْمَرءِ مَطْلَبُ
لَئِنْ كُنْتَ قَدْ بُلّغْتَ عَنِّي خِيَانَةً ... لَمُبْلِغُكَ الْوَاشِي أَغَشُّ وأَكْذَبُ
وَلَكنَّنِي كُنْتُ امْرَأً لِيَ جَانِبٌ ... مِنَ الأَرْض فِيه مُسْتَرَادٌ وَمَذْهَبُ
مُلُوكٌ وإِخْوَانٌ إِذَا مَا مَدَحْتُهُمْ ... أُحَكَّمُ في أَمْوَالِهِمْ وَأُقَرَّبُ

---

[1] البلاغۃ العربیہ: ٢/ ٤٤٦۔

كَفِعْلِكَ فِي قَوْمٍ أَرَاكَ اصْطَفَيْتَهُمْ ... فَلَمْ تَرَهُمْ فِي مَدْحِهِمْ لَكَ أَذْنَبُوا

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ آل جفنہ ایک قوم تھی جس کا اصل مسکن یمن تھا، لیکن بعد میں یہ لوگ شام میں آباد ہوئے تھے، نابغہ ذیبانی کا تعلق اس قبیلے سے تھا ایک موقعہ پر وہ ان کے ہاں آیا اور ان لوگوں نے اس کا پر زور استقبال کیا اور بڑی خاطر و مدارت سے پیش آئے۔ جس سے نابغہ ذیبانی بہت متاثر ہوئے اور اس نے آل جفنة کی بلیغ اشعار میں تعریف کی۔ آل جفنة اور نعمان بن منذر غسانی میں پہلے سے عداوت چلی آرہی تھی اس لیے نعمان اس کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے نابغہ ذیبانی پر عتاب کرتے ہوئے کہا کہ تو میرا دشمن ہے کہ میری ہجو و مذمت بیان کرتا ہے اور دوسروں کی تعریف کرتا ہے اس پر نابغہ ذیبانی نے مذکور اشعار کہے۔ جس میں یہ بتایا کہ اگر میرا اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا جرم ہے تو آپ کے کرم پروردہ لوگوں کا آپ کی تعریف کرنا بھی جرم ہو گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، لہذا اس سلسلہ میں آپ کا ناراض ہونا اور مجھ پر عتاب کرنا بے معنی ہے!!

قاعدہ: مذہبِ کلامی کو علامہ ابن نقیب نے مقدمہ تفسیر ابن النقیب میں احتجاج نظری کے نام سے موسوم کیا ہے [1]۔

مذہبِ کلامی کی چند مثالیں:

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ. وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ. وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ. لَوْ كانَ هؤُلاءِ آلِهَةً ما وَرَدُوها. إِذْ قَالُواْ مَآ أَنزَلَ الله على بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الكتاب الذي جَآءَ بِهِ موسى نُوراً وَهُدًى لِّلنَّاسِ. وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ. وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ. فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ.

۴۔۔۔۔اثبات کی تعریف:

"اثبات" باب افعال کا مصدر ہے، لغت میں واضح کرنے، اچھی طرح جاننے اور پایہ ثبوت تک پہنچانے کو کہتے ہیں، یہ متکلمین کا ایک اسلوب ہے کہ احکاماتِ شریعت کو ادلہ قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ

---

[1] مقدمہ تفسیر ابن النقیب: ۲۸۵۔

ہے کہ متکلم اپنے مدعیٰ کے اثبات اور خصم کے دعوی کے ابطال پر بلا تکلف دلیلِ عقلی قطعی پیش کرے، جیسے: ﴿أَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ، بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ [يٰس:٨١] ﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ﴾ [القيامة:٤]-ان آیات میں بعث بعد الموت کے اثبات اور خصم کے دعوی کے ابطال پر بلا تکلف دلائل عقلیہ پیش کیے گئے ہیں۔

اثبات کی چند مثالیں:

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ. ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتَى وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ. وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُون. وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.

۵---تسلیم کی تعریف(١):

"تسلیم" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: سپرد کرنا، فیصلہ ماننا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کسی ایسی چیز کو ذکر کرے جس کا محال ہونا یا مشروط بشرط المحال ہونا ثابت ہو چکا ہو، پھر قیاسِ جدلی کے انداز میں اس کے

---

(١) قال بعضهم هو أن يفرض المتكلم حصول أمر قد نفاه، أو فهم استحالته، أو شرط فيه شرطا مستحيلا، ثم يسلم وقوع ذلك بما يدل على عدم فائدته. وقال الأكثرون: هو أن يفرض المتكلم فرضا محالا منفيا أو مشروطا بحرف الامتناع، ليكون المذكور ممنوع الوقوع لامتناع وقوع شرطه، ثم يسلم وقوعه تسليما جدليا، ويدل على عدم الفائدة لو وقع. فالأول أعني المحال المنفي كقوله تعالى: (ما تخذ الله من ولد وما كان معه من إله إذا لذهب كل إله بما خلق ولعلا بعضهم على بعض) . فإن معنى الكلام ليس مع الله من إله، ولو سلم أن معه سبحانه إلها لزم من ذلك التسليم، ذهاب كل إله من الاثنين بما خلق، وعلو بعضهم على بعض، فلا يتم في العالم أمر ولا ينفذ حكم ولا تنتظم أحواله. والواقع خلاف ذلك؛ ففرض إلهين فصاعدا محال لمن يلزم منه المحال.
(أنوار البديع:١٢٨)

وقوع کو تسلیم کرلے، اس کے بعد اس (امر محال یا مشروط بالمحال) کے بطلان یا غیر مفید ہونے کو بیان کرے، جیسے: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ، وَّمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ، "إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ، وَلَعَلاَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [المؤمنون:۹۱] دیکھیے باری تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو یہ ایک امرِ مُحال ہے، اس بات کو مختلف دلائل سے باری تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے، یہاں بطور قیاس جدلی اُن کے اس مدعیٰ (امرِ محال) کو تسلیم کرکے جواب دیا ہے کہ اگر ایسا (امر محال) ہوتا تو ہر ایک با اختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علاحدہ علاحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کرکے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا! اور عالم کا یہ مضبوط و مستحکم نظام چند روز بھی نہ رہ سکتا۔

تسلیم کی چند مثالیں:

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ.

٦ــــ القَوْلُ بِمُوْجَبِ العِلَّة کی تعریف[1]:

---

[1] هذا نوع من البيع غريب المعنى؛ لطيف المبنى؛ راجح الوزن في معيار البلاغة، مفرغ الحسن في قالب الصياغة، وهو الأسلوب الحكيم رضيعا لبان، فرسا رهان؛ حتى زعم بعضهم أن أحدهما عين الأخر، وليس كذلك، بل بينهما فرق كما سنبينه فيما بعد، مع مشيئة الله تعالى. ولهم في تعريف هذا النوع عبارات مختلفة، فقال ابن أبي الأصبع: انه عبارة أن يخاطب المتكلم مخاطبا بكلام أخر، فيعمد المخاطب إلى كلمة من كلام المتكلم فيبني عليها من لفظها ما يوجب عكس معنى المتكلم، وذلك عين القول بالموجب، لأن حقيقته، رد الخصم كلام خصمه من فحوى كلامه. وقال بعضهم: هو أن تخصص الصفة بعد أن كان ظاهرها العموم، أ، تقول بالصفة الموجبة للحكم، ولكت تثبتها لغير من أثبتها المتكلم. انتهى. قال في عروس الأفراح: وهو قريب من القول بالموجب المذكور في الأصول والجدل، وهو تسليم الليل مع بقاء النزاع. انتهى. وقسمه الخطيب في التلخيص؛ والإيضاح؛ إلى ضربين:...قال الحافظ السيوطي: ولم أرى من أورد لهذا الضرب مثالا من القرآن وقد ظفرت بآية منه، وهي قوله تعالى: (ومنهم الذين يؤذون النبي ويقولون هو أذن قل إذن خير لكم) . انتهى. وسبقه إلى ذلك الطيبي في التبيان، فقال بعد تلاوة الآية: كأنه قيل نعم، هو أذن ولكن نعم الأذن، أي هو أذن ما قلتم، إلا أنه أذن خير لا أذن سوء؛ فسلم لهم قولهم فيهم؛ إلا أنه فسره بما هو مدح له، وإن كان قصدوا به المذمة، ولا شيء أبلغ في الرد من هذا الأسلوب، لأن فيه إطماعا في الموافقة، وكرا إلى إجابتهم في الإبطال، وهو كالقول في بالموجب في الأصول. انتهى. قلت: وهذا الضرب الثاني من هذا النوع، هو الذي نظمه أرباب البديعيات وتداوله أهل

قول بالموجب اس کو کہتے ہیں کہ متکلم مقتضی کلام مخاطب کو تسلیم کرے اور اس کے مقصود کی نفی اس طور پر کر دے کہ مخاطب کے حکم کی علت کو کسی اور چیز میں ثابت کر دے، یا مخاطب کے کلام کے بعض الفاظ کو مخاطب کے مقصود کے خلاف کسی دوسرے معنی پر محمول
کرلے۔ پھر قول بالموجب کی دو قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم:۔۔ یہ ہے کہ غیر کے کلام میں کوئی صفت کسی سے کنایہ کرکے اس کے لیے کوئی حکم ثابت کر دیا جائے تو متکلم حکم کی طرف نفیًا یا اثباتاً تعرض کیے بغیر اس وصف کو اس کے غیر کے لیے ثابت کر دے اس طور پر کہ وہ غیر کا بھی احتمال رکھتا ہو، جیسے ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ "لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ"، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ، وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون:٨] اس آیت میں منافقوں نے "الْأَعَزُّ" کہہ کر منافقوں سے اور "الْأَذَلَّ" کہہ کر مؤمنوں سے کنایہ کیا ہے اور یہ حکم ثابت کیا ہے کہ یہ منافق ان مؤمنوں کو نکالیں گے تو اس کے جواب میں اللہ تعالی نے صرف اتنا کہا ہے کہ یعنی معزز یہ منافق نہیں ہیں، بلکہ معزز اللہ، اللہ کا رسول اور مؤمنین ہیں، اس میں "اخراج" کے حکم کی طرف اثباتاً یا نفیاً کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

دوسری قسم:۔۔۔ یہ ہے کہ مخاطب بات کرتے ہوئے کوئی لفظ بول کر اس کا ایک معنی مراد لے اور متکلم وہی لفظ بول کر اس کا کوئی متعلق ذکر کرکے اس سے کوئی اور معنی مراد لیں، جیسے ابن الحجاج بغدادی کا یہ شعر ہے۔

قَالَ: ثَقَّلْتُ إِذْ أَتَيْتُ مِرَاراً   قُلْتُ ثَقَّلْتَ كَاهِلِي بالأَيَادِي

ترجمہ: میں نے کہا کہ میں نے بار بار آکر آپ کو بوجھل کر دیا تو اس نے جواب میں کہا کہ میرے کندھوں کو تو نے نعمتوں اور انعامات سے بھاری کر دیا ہے۔

اس شعر میں لفظ "ثَقَّلْتُ" سے مراد کھانے پینے کا سامان ہے شاعر کہہ رہا ہے ہم آپ کے پاس آکر کھانے پینے کے سلسلہ میں آپ پر بوجھ بن گئے تو مخاطب "ثقل" کو اس کا متعلق "الأَيَادِي" کیساتھ ذکر کرکے دوسرے معنی میں

الأدب؛ وحذاق البديع أخلوا هذا النوع من لفظه (لكن) وخصوا بها نوع الاستدراك، ليحصل الفرق بينهما.
(أنوار الربيع:١٢٤)

لیاہے کہ آپ ہمارے پاس آکر ہمارے لیے بوجھ نہیں بنے ہو، بلکہ یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ آپ ذرہ نوازی کرتے ہوئے ہمارے پاس بار بار آکر ہم پر مہربانی فرماتے ہیں[1]۔

قول بالموجب کی چند مثالیں:

إن تَسْتَفْتِحُواْ فَقَدْ جَآءَكُمُ الفتح وَإِن تَنتَهُواْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ. سَيَحْلِفُونَ بالله لَكُمْ إِذَا انقلبتم إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُواْ عَنْهُمْ فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ، يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ والأقربين واليتامى والمساكين وابن السبيل وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ الله بِهِ عَلِيمٌ. وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ العفو. وَقَالُوا: قَدْ صَفَتْ مِنَّا قُلُوبٌ نَعَمْ صَدَقُوا ولكِنْ مِنْ وِدَادِي.

٧۔۔۔قَسَم کی تعریف[2]:

---

[1] ما رُوي من قصّة "القبعثرى" و"الْحَجَّاج بن يُوسف الثقفي" وإلى بني أُميَّة على العراق.قالُوا: اجتمع نُدَماء من أهل الشّعْر والأدب في مَجْلِس شراب، إلى جانب شجرة من أشجار العنب ذاتِ عناقيد مُدَلاّة، وكان "القبعثرى" واحداً منهم، يعبث بعنقودِ عِنَبٍ مدلى من غُصْنِه، فذكر أحد النّدماء "الحجّاج بن يوسف" فقال "القبعثرى" وبيده عنقودُ العِنب المدلى من غُصْنه: قَطَع الله عُنُقَهُ وسقاني من دَمه. فأبْلَغ أحدُ الوشاة كلمتَهُ إلى الحجّاج، فاستدعاه وقال له: أنت الذي قُلْتَ: قطع الله عنُقه وسقاني دمه؟ قال: نعم، وقد قَصَدْتُ عُنْقودَ العنب الّذي كان بيدي. قال له الحجّاج: لأَحْمِلَنّك على الأدهم (أي: لأُقيّدنَّكَ بالحَدِيد) .قال القبعثرى: مثْلُ الأمير يَحْمِل على الأدهم والأشهب (قاصداً من الخيل) .قَال الحجّاج: قَصَدْتُ الحديد.قال القبعثرى: لأنْ يكون حديداً خيرٌ من أن يكون بليداً". (البلاغة العربية:١/٤٩٩)

[2] والقسم هو أن يريد المتكلم الحلف على شيء، فيحلف بما يكون فيه تعظيم لشأنه، وفخر له، أو تنويه له أو لغيره، أو دعاء على نفسه، أو هجاء وذم لغيره، أو جاريا مجرى الغزل والتشبيب.فالأول كقوله تعالى: (فورب السماء والأرض إنه لحق مثل ما أنكم تنطقون) ، أقسم سبحانه بقسم يوجب الفخر لتضمنه التمدح بأعظم قدرة وأجل عظمة، لا يشاركه فيها غيره، ولا يطمح إليها نظر أحد سواه. والثاني - وهو القسم بما يكون فيه تعظيم وتنويه لغير المتكلم، مثاله قوله تعالى: (لعمرك إنهم لفي سكرتهم يعمهون) أقسم سبحانه بحياة نبيه ﷺ تعظيما لشأنه وتنويها بقدره ليعرف الناس عظمه عنده، ومكانته لديه.ومنه قوله تعالى: (وطور سينين وهذا البلد الأمين) . وقوله تعالى: (ص والقرآن ذي الذكر) ، فإن في القسم به من تعظيم القرآن ووصفه بأنه ذو الذكر

بعض اوقات آدمی اپنے مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے کسی بیان یا وعدے کو زور دار تاکید کیساتھ پیش کرے تو اس وقت قسم کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ متکلم اپنے مدّعی کو ثابت کرنے کے لیے ایسی چیز کی قسم کھاتا ہے جو اس کے لیے باعثِ فخر ہو، یا اس سے مقسم بہ کی قدر و منزلت بڑھانا مقصود ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔﴿فَـ"وَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ "إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾[الذاریات:۲۳] اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔"فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ"۔نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿"لَعَمْرُكَ" إِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾[الحجر:۷۲]پہلی آیت میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر فخر فرماتے ہوئے قسمیں کھائی ہے۔ دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر قسم اٹھائی ہے، آپ ﷺ بہ کثرت ان الفاظ سے قسم کھایا کرتے تھے:"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!"، جس سے مقسم بہ کا ثبوت مقصود ہے اور اِن الفاظ سے قسم اُٹھانا باعث فخر بھی ہے اور تیسری مثال میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کی قسم کھائی ہے اس سے مقصود مقسم بہ کی قدر و منزلت بڑھانا مقصود ہے۔

قاعدہ نمبر ا: قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں وہ اوّل تو عربی فصاحت وبلاغت کا اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ درحقیقت اس دعوے کی دلیل ہوتی ہے جو اِن قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے، جیسے:﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا*فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا*فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا* "إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ"﴾ [الصّٰفّٰت:۴-۱]قرآن مجید میں دو سو سے زائد قسمیں ہیں، صریح قسمیں ایک سو کے قریب ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام و غیرہم کی قسمیں داخل ہیں[1]۔

فائدہ نمبر ا:قسم کی دو قسمیں ہیں:۔۱۔قسمِ ظاہر ۲۔قسمِ مضمر

ا۔۔۔قسمِ ظاہر کی تعریف:

وہ ہے کہ جس میں فعلِ قسم اور مقسم بہ کی تصریح ہو اور بعض دفعہ فعلِ قسم کو حذف کر دیتے ہیں اور حرف جر (باء، تاء، واؤ) کو لے آتے ہیں۔

المتضمن لتذكير العباد ما يحتاجون إليه، والشرف والقدر ما يدل على المقسم عليه، وهو كونه حقا من عند الله غير مفترى كما يقوله الكافرون. ولهذا قال كثيرون: إن تقدير الجواب: إن القرآن لحق، وهذا يطرد في كل ما شأنه ذلك، كقوله تعالى: (ق والقرآن المجيد). (أنوارالربيع:۲۲۰-۲۲۳)

[1] لغۃ القرآن الکریم، دکتور عبدالجلیل:۲۵۵۔

٢۔۔۔قسمِ مضمر کی تعریف:

وہ ہے جس میں فعل قسم اور مقسم بہ کی تصریح نہ ہو، صرف جوابِ قسم پر آنے والا لام مؤکد اس پر دلالت کرے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔{لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ}.(ال عمران:١٨٦) یہاں قسم "واللہ!" مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ "والله لتبلون---"[١].

فائدہ نمبر٢: قسم کی چار قسمیں ہیں:۔

قسمِ اول: مقسم بہ کو عالم الغیب اور متصرف و مختار سمجھ کر قسم کھائی جائے اور مقسم بہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اسے میرے حالات کی خبر ہے اور مجھے نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے ایسی حلف اللہ تعالی کیساتھ خاص ہے اور اس کے اعتقاد سے غیر اللہ کی قسم کھانا شرک اور کفر ہے، عوام کالانعام میں اس قسم کا عام رواج ہے۔

قسمِ دوم: بعض اوقات کسی مدعی کے اثبات کے لیے مقسم بہ کو بطور دلیل اور شاہد پیش کیا جاتا ہے اور یہ قسم غیر اللہ کی بھی جائز ہے، علامہ چلپی نے حاشیہ مطول میں اس کے جواز کی تصریح کی ہے، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "الفور الکبیر" میں اس قسم کی یہ مثال پیش کی ہے۔ "**قسم بہ لب میگون تو و زلف شبگون تو کہ تو محبوب دلربائی**"۔ اس میں سرخ لبوں اور سیاہ بالوں کو اس کے محبوب ہونے پر بطور شاہد پیش کیا گیا ہے، قرآن مجید کے آخری پارے میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، جیسے " وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ "میں زمانہ کو مابعد کے مضمون پر بطور شاہد لایا گیا ہے۔

قسم سوم: کبھی الفاظِ قسم کو دعا کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسے ﴿"لَعَمْرُكَ" إِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ [الحجر:٧٢] یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح عرف عام میں کہتے ہیں۔ تیری زندگی کی قسم، یعنی خدا کرے کہ تمہاری زندگی دراز ہو۔

قسم چھارم: کبھی قسم کو بد دعا کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ قسم کھا کر اہل مکہ سے خطاب کرتے ہیں۔

ثكلت بُنَيَّتي إن لم تَرَوْها   تثير النَّقع مِن طَرِفِي كداءُ

---

[١] مباحث فی علوم القرآن مناع قطان:٣٠٣-٣٠٤۔

ترجمہ: اے مکہ والوں! اگر تم ان گھوڑوں کو کداء پہاڑی کے دونوں طرف گرد و غبار اڑاتے نہ دیکھو تو میں اپنی بیٹی کا غم دیکھوں، یعنی اگر میں جھوٹ بولوں تو اللہ تعالی مجھ سے یہ نعمت چھین لے، گویا حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس نعمت کے چلے جانے کی قسم کھائی تھی۔ اس لیے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کداء پہاڑی کے دونوں طرف سے گھوڑوں کو لاؤ اور فرمایا کہ آج ہم نے حسان بن ثابت کی قسم پوری کر دی[1]۔

قسم کی چند مثالیں:

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ. لا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ. قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ. وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلاهَا. وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ. وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الأَمِينِ. فَلا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ. فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ. وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحاً فَالْمُورِيَاتِ قَدْحاً. وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى.

۸۔۔۔۔ حسنِ تعلیل کی تعریف:

حسنِ تعلیل کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کی ایسی علت یا سبب بیان کرنا جو اس کی اصل علت، وجہ یا سبب تو نہ ہو، لیکن اس طرح بیان میں آئے کہ اس سے کلام میں کوئی خوبی پیدا ہو اور اسے پڑھ کر یا سن کر سامع لطف اندوز ہو۔ بالفاظِ دیگر متکلم کسی حکم کے لیے ایسی علت کا دعویٰ کرے جو حقیقی نہ ہو، لیکن میں کوئی نُدرت وجدت اور عمدگی ضرور ہو۔ حقیقی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو، بلکہ وہ اس طرح ملحوظ ہو کہ اس کی صحت متخیل ہو، جیسے: ﴿لَوْلَا كِتَٰبٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [أنفال: ٦٨] دیکھئے! یہاں عذابِ الٰہی سے نجات کی حقیقی علت "تقدیرِ الٰھی" ہے کہ اللہ تعالی نے عذابِ عظیم کی دو صورتوں میں نفی فرما دی ہے:

١- ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾- ٢- ﴿وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ گویا رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں عذاب کو نہ بھیجنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے، لیکن یہاں انوکھا پن بیان کرتے ہوئے اس کی علت ﴿كِتَابٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ﴾ یعنی: آپ لوگوں کو قیدیوں کے بارے میں (وحی غیر متلو کے ذریعے) پہلے سے

---

[1] مقدمہ جواہر القرآن: ١/ ١٠۔

اختیار دیا گیا تھا یا قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا اس غیر حقیقی علت کی وجہ سے ''عذابِ الیم'' نہ آیا، ورنہ یہ غلطی تو اس قدر عظیم تھی کہ سخت عذاب ان پر نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح شاعر کا شعر ہے۔

مازَلْزَلَت مِصْرُ مِنْ كَيْدٍ أَلَمَّ بِهَا　　　لٰكِنَّهَا رَقَصَتْ مِنْ عَدْلِكُمْ طَرَبًا

ترجمہ: مصر میں زلزلہ کسی خفیہ تدبیر کی وجہ سے نہیں آیا، جو اس کو لاحق ہوئی ہو؛ لیکن وہ آپ کے انصاف کی وجہ سے خوشی سے ناچنے لگا ہے۔

دیکھئے! مصر میں زلزلہ آنے کا سبب حقیقی تو دوسرا ہے، لیکن شاعر نے اس کو ایک انوکھی علت کی طرف منسوب کر دیا کہ مصر میں زلزلہ ممدوحین کے عدل وانصاف کی وجہ سے مارے خوشی کے زمین میں ناچ اور رقص پیدا ہو گیا اور یہ علت ایسی ہے کہ اس میں غرابت، ندرت اور انوکھا پن پایا جاتا ہے، لہٰذا اس کو حسنِ تعلیل کہا جائے گا[1]۔

اسی طرح شعر ہے۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ　　　لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْها عِقْدَ مُنْتَطِقِ

ترجمہ: اگر جوزاء (ایک برج آسمانی کا نام ہے) کی نیت اس محبوب کی خدمت نہ ہوتی تو اس پر خدمت گار کے پٹے کی طرح گرہیں نہ دیکھتا۔

حسنِ تعلیل کی اقسام وانواع

حسنِ تعلیل کی چار قسمیں ہیں:۔

ا۔۔۔ جس وصف کے لیے کسی علتِ مناسبہ کا دعوی کیا گیا ہے نفس الامر میں اس کی کوئی علت تو ہو، لیکن عادۃً اس کے علاوہ کسی اور کا اس وصف کے لیے علت ہونا ظاہر نہ ہو، جیسے متنبی نے ہارون بن عبد العزیز کی مدح میں کہا تھا۔

لَمْ تَحْكِ نَائِلَكَ السَّحَابُ وإِنَّما　　　حُمَّتْ بِهِ فَصَبِيبُهَا الرُّحَضَاءُ

ترجمہ: بادل تیرے عطایا کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتے ہیں وہ تو اس کی بخار چڑھ گیا ہے تو ان کی بارش وہی بخار کا پسینہ ہے۔

اس شعر میں متنبی نے نزول مطر وصفِ ثابت کے لیے بخار کا چڑھنا علت بنایا ہے حالانکہ نزول مطر کے لیے بخار کا چڑھنا علت نہیں، لیکن عادۃً اس کے لیے کوئی اور علت بھی ظاہر نہیں ہے، تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ

---

[1] جواہر البلاغۃ:۳۰۷۔

نزول مطر کے لیے حقیقت میں کوئی علت ہی نہیں ہے حقیقت میں ہر معلول کے لیے کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا نہ ہو تو یہاں بھی کوئی علت ضرور ہے اگرچہ وہ ظاہر نہیں ہے [1]۔

٢۔۔۔ جس وصف کے لیے کسی علتِ مناسبہ کا دعوی کیا گیا ہے اس وصف کے لیے اس علت کے علاوہ کوئی علت بھی ظاہر ہو، جیسے بدر بن عمار کی تعریف میں متنبی کا شعر ہے۔

مَا بِهِ قَتْلُ أَعَادِيهِ وَلَكِنْ يَتَّقِي إِخْلاَفَ مَا تَرْجُوا الذِّئَابُ

ترجمہ: دشمنوں کو لڑائیوں میں قتل کرنے سے ان کی کوئی اور غرض نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ بھیڑیوں کے امید کی خلاف ورزی سے بچنا چاہتا ہے۔

اس شعر میں متنبی نے اپنے ممدوح کی سخاوت و شجاعت بیان کی ہے کہ میر اممدوح لڑائیوں میں دشمنوں کو صرف اس وجہ سے قتل کرتا ہے کہ جب وہ لڑائی کے لیے نکلتا ہے تو جنگل کے بھیڑیا یہ آس لگائے بیٹھ جاتے ہیں کہ ممدوح جب دشمنو ں کا قتلِ عام کرے گا تو ہم ان کا گوشت کھا کر اپنا پیٹ بھریں گے تو ان کی اس امید کو پوری کرنے کے خاطر وہ دشمنوں کو قتل کرتا ہے ورنہ انہیں دشمنوں کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس شعر میں متنبی نے ان کی سخاوت اور شجاعت دو وصفوں کو جمع کیا ہے کہ وہ اتنا بہادر اور شجاع ہے کہ جانوروں کو بھی ان کی شجاعت اور سخاوت کا علم ہے۔ یہاں پر متنبی نے قتلَ اعداء صفتِ ثابتہ کے لیے "اخلاف" کو علت بنایا ہے، حالانکہ عادۃً ایک اور علت اس کے لیے ظاہر ہے کہ وہ "دفع مضرت" ہے، لیکن اسے علت بنانے کے بجائے غیر ظاہر کو علت بنا دیا گیا ہے [2]۔

---

[1] اس کی (وہ صفت ثابت ہو اور نہ بیان کی ہوئی علت ظاہر ہو اور اسی طرح نہ کوئی دوسری علت سامنے آئے) اردو میں یہ مثال ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

حسن فنا نہیں ہوتا خوب صورت لوگ مرنے کے بعد دوبارہ گل و لالہ کی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں، یہ علت درست نہیں، لیکن اصل علت بھی معلوم نہیں۔

[2] اردو میں اس کی (وصف ثابت ہو اور بیان کی ہوئی علت کے علاوہ دوسری علت بھی ظاہر ہو) مثال یہ ہے۔

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

شمع بجھ جائے تو دھواں اٹھنے کا اصل سبب نامکمل طور پر جلنا ہے، لیکن شاعر کے خیال میں اصل علت اور بنیادی سبب کچھ اور ہے اور وہ کہتا ہے کہ شمع بجھ نے کے بعد اٹھنے والا دھواں، شمع کے سوگ میں سیہ پوش ہے، یہاں شاعر نے دھواں کے رنگ (سیاہ) سے نئی علت اور سبب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔۔۔جس وصف کے لیے کسی علتِ مناسبہ کا دعوی کیا گیا ہے غیر ثابت ہو، لیکن نفس الامر میں وہ ممکن ہو، جیسے ولید بن مسلم کا شعر ہے۔

يَا وَاشياً حَسُنَتْ فِينَا إِسَاءَتُهُ نَجَّى حِذَارُكَ إِنْسَانِي مِنَ الْغَرَقِ

ترجمہ: اے وہ چغلخور جس کی برائی کرنا ہمارے لیے اچھا ہے کیونکہ تجھ سے ڈرنے نے میری آنکھ کی پتلی کو (روکر) ڈوبنے سے بچایا ہے۔

اس شعر میں شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں اپنی محبوبہ کی یاد میں بے صبری کی وجہ سے روزانہ رویا کرتا تھا تو چغلخور فوراً جاکر اس کو بتاتا تھا کہ آج فلاں آدمی تیرے غم میں رو رہا ہے۔ اب اس شکایت کی وجہ سے جب بھی محبوبہ کی یاد آتی ہے تو میں رونا بند کر دیتا ہوں تاکہ چغلخور جاکر محبوبہ کو نہ بتائے تو اس کی میرے ساتھ یہ برائی میری آنکھوں کے لیے اس کی نیکی بن گئی کہ اس خوف سے میری آنکھوں نے رونا بند کر دیا ہے۔ استحسان اساءۃ واشی (چغلخور) وصفِ ممکن ہے، لیکن خارج کے اعتبار سے غیر ثابت ہے کہ لوگ اس کو غیر مستحسن سمجھتے ہیں، شاعر نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اساءۃ واشی اس لیے مستحسن ہے کہ یہ میرے خائف ہونے کا سبب ہے جس سے میرا رونا ختم ہو گیا ہے کیونکہ ڈرتا ہوں کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے اور جب رونا ختم ہو گیا تو آنکھوں کو آنسو بہانے سے نجات مل گئی[1]۔

۴۔۔۔جس وصف کے لیے کسی علتِ مناسبہ کا دعوی کیا گیا ہے وہ وصف معلول غیر ثابتہ غیر ممکنہ ہو، جیسے اس شعر میں ہے۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ نِيَّةُ الْجَوْزَاءِ خِدْمَتَهُ لَمَا رَأَيْتَ عَلَيْها عِقْدَ مُنْتَطِقِ

ترجمہ: اگر جوزاء (ایک برج آسمانی کا نام ہے) کی نیت اس محبوب کی خدمت نہ ہوتی تو اس پر خدمت گار کے پٹے کی طرح گرہیں نہ دیکھتا۔

---

[1] اردو میں اس کی (وصف ثابت نہ ہو لیکن اس کا موجود ہونا ممکن ہو) مثال یہ شعر ہے۔

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف

قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

اس شعر میں یہ وصف ثابت نہیں، لیکن ممکن ہے کہ پھول کھلتا ہے تو اس کے اندر کا زیرہ جو سونے سے مشابہ ہے اس سے یہ قارون کے خزانے کی علت پیدا کی گئی ہے۔

اس شعر میں شاعر نے جوزاء کی نیت خدمت ممدوح کے لیے پٹکا باندھنے کا ذکر کیا ہے، حالانکہ یہ غیر ممکن ہے اس لیے کہ نیت وارادہ عقل مند ہی سے متصور ہوسکتا ہے، لیکن شاعر نے اس کو علتِ مناسبہ کے ذریعہ ثابت کیا ہے اور علتِ مناسبہ جوزاء کا نطاق باندھے ہوئے ہونا ہے [١]۔

قاعدہ نمبر ا: کسی وصف کے لیے نظرِ دقیق سے ایسی علت کا دعوی کرنا جو اس وصف کے مناسب اور غیر حقیقی ہو حسن تعلیل کہتے ہیں۔ غیر حقیقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت اور نفس الامر میں اس وصف کا وہ علت نہ ہو، بلکہ محض عقلی اور تخمینی ہو، لیکن اگر حقیقت میں بھی وہی علت ہوتا تو اسے حسن تعلیل نہیں کہا جائے گا، جیسے اس مثال میں "قتل فلان أعاديه لدفع الضرر" اس میں چونکہ "دفع الضرر" قتل کے لیے حقیقت اور نفس الامر میں بھی علت ہے اس لیے یہ جملہ حسن تعلیل کے قبیل سے نہ ہو گا۔

حسنِ تعلیل کی چند مثالیں:

منه قول أبي تمّام:

لاَ تُنْكِرِي عَطَلَ الكريمِ مِنَ الغِنَى ... فَالسَّيلُ حَرْبٌ لِلْمَكَانِ الْعَالِي

و منه قول أبي هِلالٍ العسكري:

زَعَم البَنَفْسَجُ أنَّه كعِذَارهِ ... حُسْناً فسَلُّوا مِن قَفَاه لسانَهُ

و منه قول المعرّي في الرّثاء:

وَمَا كُلْفَةُ البَدْرِ المُنيرِ قَديمةً ... ولَكِنَّهَا فِي وَجْهِهِ أَثَرُ اللَّطْمِ

و منه قول ابن الرومي في المدح:

أمَّا ذُكَاءُ فَلَمْ تَصْفَرَّ إذْ جَنَحَتْ ... طَبْعاً وَلَكِنْ تَعَدَّاكُمْ مِنَ الخَجَلِ

---

[١] اردو میں اس کی (وصف ثابت نہ ہو اور اس کا موجود ہونا بھی محال ہو) مثال یہ شعر ہے۔

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے
کوئی بے تاب تہ خاک تڑپتا ہو گا

زلزلہ ویسے تو زمین کے اندر بعض ارضیاتی تبدیلیوں کے نتیجے میں آتا ہے، لیکن اس شعر میں شاعر نے زلزلے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ کوئی بے تاب عاشق زمین کے نیچے تڑپ رہا ہے اور یہ وصف ثابت نہیں اور اس کا موجود ہونا ناممکن ہے۔

۹۔۔۔مُوَارَبَۃ کی تعریف:

"موار بہ" باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کسی کو فریب دینا، کسی کیساتھ مکاری کرنا، اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ یہ ہے کہ متکلم پہلے ہی سے احتیاطاً اپنا کلام اس انداز سے کرے کہ گرفت کے موقع پر طریقۂ تحریف وتصحیف سے کلام میں تبدیلی کر سکے، جس کا مخاطب انکار نہ کر سکے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کی بات اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے :﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ [یوسف:۸۱] یہاں ایک قرأت ﴿سُرِّقَ﴾ کی بھی ہے۔ معروف لغوی امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ (سرق) دو معنوں کا محتمل ہے: واقعی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، آپ کا بیٹا چور ٹھہرایا گیا!۔ دیکھئے! یہاں گرفت کے موقع پر حرکات بدل کر بات بدلی جاسکتی ہے۔ اور جیسے شعر ہے :

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِيْ عَلٰى بَابِكُمْ   كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلٰى خَالِصَهْ

ترجمہ : بخدا! میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح ضائع ہو گیا جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے سے ہار ضائع ہو گیا۔ جب اس پر ہارون رشید نے پکڑ کی تو شاعر نے فوراً کہہ دیا، نہیں، میں نے اس طرح شعر کہا تھا۔

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِيْ عَلٰى بَابِكُمْ   كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلٰى خَالِصَهْ

ترجمہ: بخدا میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح چمکتا ہے جیسا کہ خالصہ کے گلے میں ہار چمکتا ہے۔

یہ شعر ابونواس شاعر کا ہے، جو اس نے ہارون رشید پر قصیدہ خوانی کے باوجود انعام واکرام سے محروم رکھنے پر کہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ : میرے شعر کی ناقدری ایسی ہی کی گئی، جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے میں ہار ڈال کر اس کی ناقدری کی گئی۔ ہاروں رشید نے شعر سنتے ہی چونک کر اس سے استفسار کیا کہ کیا مطلب؟ تو شاعر نے اپنے شعر کی اس طرح توجیہ کر دی کہ میں نے تو "ضَاءَ" ہمزہ کے ساتھ کہا ہے، عین کے ساتھ نہیں کہا اور "ضَاءَ" کے معنی ہے روشن ہونا اور "ضَاعَ" (بالعین) کے معنی ہے ضائع ہونا۔ شاعر نے شعر میں یہ توجیہ کر کے برائی کے پہلو میں تعریف کا پہلو پیدا کر دیا اور اس طرح بادشاہ کی گرفت سے بچ گیا، اور "ضَاءَ" اور "ضَاعَ"؛ دونوں ہی لکھنے بولنے میں ملتے جلتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ا: موار بہ کو مراوغہ اور مجاراۃ ظاہر القول بھی کہتے ہیں [1]۔

---

[1] البلاغۃ العربیۃ:۲/۴۶۹۔

قاعدہ نمبر ۲ : تَحْرِیْف لفظ یا معنی کے بدل دینے کو کہتے ہیں اور تَصْحِیْف لفظ کے بعض حروف کے بدل دینے کو کہتے ہیں۔
موار بہ کی چند مثالیں:

أن بعض الملوك كان له ولد أسمه يحيى، ووزير اسمه نجم، وكان الوزير يهوى ولد الملك، فبلغ به الحب حتى كتب على فض خاتمه (نجم عشق يحيى) فوشى به بعض أعدائه إلى الملك؛ فدعاه ولامه على عشقه لولده؛ وكتابته ذلك على خاتمه؛ وتهدده بالوعيد الشديد؛ فأنكر أنه يعشقه وقال: إنما كتبت في خاتمي دعاء وتوسلا باسم سورة من القرآن وهو (بجم عسق نجني) فصحف النون بباء موحدة؛ والجيم بحاء مهملة والشين المعجمة بالمهملة؛ والياءين المثناتين من تحت بنونين؛ والحاء المهملة بجيم. ومنها ما روي: قصة أبي مسلم الخراساني مع سليمان بن كثير وهي: أن أبا مسلم قال لسليمان: بلغني أنك كنت في مجلس، وقد جرى ذكري فقلت: اللّٰهُمَّ سود وجهه واقطع رأسه واسقني من دمه، فقال نعم قلت ذلك، ونحن جلوس تحت كرم حصرم؛ فاستحسن أبو مسلم ذلك منه. ومنها ما روي: إن المتوكل رمى عصفورا فأخطأه فقال ابن حمدون النديم: أحسنت والله يا سيدي، فاستشاط المتوكل غيظا وقال: ويلك أتهزأ بي؟ أحسنت؟ فقال: إلى العصفور يا أمير المؤمنين، فسكن غيظه وضحك، فافسد ظاهر كلامه بجعله أحسنت بمعنى أسديت الإحسان إلى العصفور بعدم أصابتك له. كقول اليهود عند السَّلام: السّام عليكم، يُوهِمُون أنّهم يقولون: السّلام عليكم، وهم يقصدون: الموت، لأن السّام الموت. وحين أمرهم الله على لسان نبيٍّ من أنبيائهم أن يدخلوا باب القرية سُجَّداً ويَقُولوا: حطَّة، بمعنى: اللَّهُمَّ احْطُط عنَّا خطيئاتنا، حَرَّفوا الكلمة وواربوا فيها، وقَصَدُوا معنى غير الذي طُلِبَ منهم.

حصہ دوم: محسنات لفظیہ

حصہ دوم میں محسناتِ لفظیہ کا بیان ہے، تاہم اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے ایک بات کا جاننا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح محسناتِ معنویہ میں بعض محسنات ایسے تھے جن کا تعلق اصالۃً معنی کیساتھ تھا، لیکن بالتبع ان سے الفاظ میں بھی حسن پیدا ہورہا تھا اسی طرح محسناتِ لفظیہ میں سے بعض ایسے محسنات ہیں، جن سے اصالۃً الفاظ میں حسن پیدا ہوتا ہے، لیکن بالتبع معنی میں بھی حسن پیدا ہوتا ہے۔ محسناتِ لفظیہ درج ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

بابِ اول: مایتعلق بتشابہ اللفظین

بابِ دوم: مایتعلق بتحسین الکلمۃ

بابِ سوم: مایتعلق باختتام الفِقرۃ۔

بابِ چہارم: مایتعلق بتحسین الکلام

بابِ پنجم: السرقات الشعریۃ

بابِ اوّل: مایتعلق بتشابہ اللفظین

یہ باب ایک صنعتِ جناس پر مشتمل ہے، "جناس" باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: ایک جیسا ہونا اور اصطلاح میں جناس اس کو کہتے ہیں کہ دو لفظ تلفظ اور صورت میں مشابہ ہوں اور معنی میں مختلف ہوں، جیسے ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ "السَّاعَةُ" يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ، مَا لَبِثُوْا غَيْرَ "سَاعَةٍ"﴾[الروم:۵۵] اس آیت میں پہلی ﴿سَاعَة﴾ سے قیامت مراد ہے اور دوسری ﴿سَاعَة﴾ سے گھڑی مراد ہے، دونوں لفظ تلفظ اور صورت کے اعتبار سے باہم مشابہ ہیں، لیکن معنی دونوں کا مختلف ہے۔جناس کو تجنیس، تجانس اور مجانسہ بھی کہتے ہیں۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ کلام کو غور سے سننے کی طرف توجہ دلایا جائے، کیونکہ الفاظ کا باہم مناسب ہونا ان کی جانب ایک خاص قسم کی توجہ اور غور کی دعوت دیتا ہے اور اس کی طرف طبعیت میں ایک طرح کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، علامہ ابو جعفر اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ محسناتِ لفظیہ میں سب سے افضل ولطیف نوع جناس ہے[۱]۔

یہ باب درج ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:۔

۱۔جناسِ لفظی ۲۔جناسِ معنوی ۳۔ملحقاتِ جناس

فصلِ اول: جناس لفظی کا بیان

جناس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔جناس لفظی ۲۔جناس معنوی

۱۔۔۔جناسِ لفظی کی تعریف:

وہ جناس ہے جس میں معانی کے علاوہ باقی تمام چیزوں میں یا بعض چیزوں میں یکسانیت پائی جاتی ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔جناس تام ۲۔جناس غیر تام

۱۔۔۔جناسِ تام کی تعریف:

کلام میں دو ایسے لفظوں ہوں جو حرکات وسکنات، نوع، عدد اور ترتیبِ حروف میں ایک جیسے ہوں، صرف معانی میں مختلف ہوں، یعنی جن میں معانی کے علاوہ مکمل یکسانیت پائی جاتی ہو۔بالفاظِ دیگر جناس تام وہ صنعتِ لفظی ہے جس میں

---

[۱] انوار الربیع فی انواع البدیع:۱٦، نیل الامانی:۲/۴۰۷۔

کم از کم دو ایسے لفظ ہوں جن کے تمام حروف امور اربعہ ہیئت (یعنی حرکت، سکون، نقطہ)، نوع (یعنی اسم، فعل، حرف)، عدد (یعنی تعداد حروف) اور ترتیبِ حروف میں متفق ہوں، جیسے ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ [الروم:۵۵] یہاں ﴿اَلسَّاعَةُ﴾ اور ﴿سَاعَةٍ﴾ دونوں چار چیزوں (ہیئت، نوع، عدد اور ترتیبِ حروف) میں متفق ہیں۔

پھر جناس تام کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ مُمَاثِل ۲۔ مُسْتَوْفِیْ ۳۔ جناسِ ترکیب

۱۔۔۔جناسِ مُمَاثِل کی تعریف:

"مماثل" باب مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی: مشابہ، مانند، نظیر، ہمشکل وغیرہ کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس مماثل وہ جناس ہے کہ جس میں دونوں متجانس الفاظ ایک ہی قسم کے ہوں، یعنی دونوں اسم، دونوں فعل یا پھر دونوں حرف ہوں۔ بالفاظِ دیگر وہ جناسِ تام ہے جس میں دو متجانس لفظ حروف کی ہیئت، نوعیت، عدد اور ترتیب میں موافق ہونے کیساتھ ساتھ نوعیتِ کلمہ میں بھی متفق ہوں، یعنی دونوں اسم ہوں یا فعل ہوں یا حرف ہوں، جیسے ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِه يَذْهَبُ بِـــ"الْأَبْصَارِ"* يُقَلِّبُ اللهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ؛ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي "الْأَبْصَارِ"﴾ [النور:۴۴-۴۳] اس آیت میں پہلے ﴿اَلْأَبْصَارُ﴾ سے نظر مراد ہے اور دوسرے سے عقل مراد ہے اور یہ دونوں لفظ ہیئت، نوعیت، عدد اور ترتیبِ حروف میں موافق ہونے کیساتھ ساتھ ایک نوع کے ہیں، یعنی دونوں اسم ہیں۔ اس کو جناس مماثل اس لیے کہتے ہیں کہ متکلمین اتحاد فی النوع کی تعبیر مماثلت سے کرتے ہیں، اس لیے اسے جناس مماثل کہتے ہیں۔

۲۔۔۔جناسِ مُسْتَوْفِی کی تعریف:

"مستوفی" لفیف مفروق باب استفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی "کامل اور پورا حق لینا" ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں دونوں متجانس دو نوع کے ہوں، یعنی مثلاً ایک اسم ہو تو دوسرا فعل ہو۔ بالفاظِ دیگر وہ جناسِ مستوفی وہ جناسِ تام ہے جس میں دو متجانس لفظ حروف کی ہیئت، نوعیت، عدد اور ترتیب میں موافق ہوں، لیکن نوعیتِ کلمہ میں مختلف ہوں یعنی ایک اسم ہو دوسرا فعل ہو، اس کو جناس مغایر بھی کہتے ہیں، جیسے ابن فضالہ کا شعر ہے۔

فَـ"دَارِ"هم مَا دُمْتَ فِي "دَارِ"هِم وَ"أَرْضِهِم" مَا دُمْتَ فِي "أَرْضِهِمْ"

ترجمہ: جب تک مخالفین کے گھروں میں رہو ان کیساتھ نرمی اور رواداری کیساتھ پیش آؤ اور جب تک انکے ملک میں رہو انہیں راضی رکھو۔

اس شعر میں پہلا "دار" (جس کا معنی ہے: رواداری کیساتھ پیش آؤ) فعل (امر) ہے جس کا مصدر "مُداراۃ" ہے اور دوسرا "دار" اسم (جس کا معنی ہے: گھر) ہے اسی طرح پہلا "ارض" (جس کا معنی ہے: راضی رکھو) فعل (امر) ہے جس کا مصدر "ارضاء" ہے اور دوسرا "ارض" (جس کا معنی ہے: زمین) اسم ہے [۱]۔

۳۔۔۔جناسِ ترکیب کی تعریف:

"ترکیب" باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی: مختلف اجزاء کو باہم ملانا، بناوٹ، ساخت اور وضع کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں دو متجانس لفظوں میں ایک لفظ دو کلموں سے مرکب ہو۔ بالفاظِ دیگر جناسِ ترکیب وہ جناسِ تام ہے جس میں دو متجانس الفاظ حروف اور تلفظ کے اعتبار سے یکساں ہوں اور ان میں سے ہر ایک دو کلموں سے مرکب ہو، یا ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔مُتَشَابِہٌ ۲۔مَفْرُوْقٌ

۱۔۔۔متشابہ کی تعریف:

"متشابہ" لغت میں باب تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متشابہ وہ جناسِ ترکیب ہے جس میں دو متجانس لفظوں میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو اور کتابت و طرزِ تحریر میں بھی دونوں یکساں ہوں، جیسے شعر ہے۔

إِذَا مَلَكٌ لَمْ يَكُنْ "ذَا هِبَةٍ" فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهُ "ذَاهِبَةٌ"

ترجمہ: جب کوئی بادشاہ داد و دہش والا نہ ہو، تو اُسے چھوڑ دے اس لیے کہ اس کے بادشاہت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔
اس شعر میں محلِ استشہاد لفظ "ذَاهِبَة" ہے، پہلا "ذَا هِبَةٍ" مرکب ("ذَا" بمعنی صاحب ہے اور "هِبَة" بمعنی داد و دہش ہے) ہے اور دوسرا لفظ "ذَاهِبَةٌ" مفرد ہے (جو "ذِهَاب" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: "جانا")۔ اور یہ دونوں کتابت اور طرزِ تحریر میں یکساں ہیں [۲]۔

۲۔۔۔مفروق کی تعریف:

---

[۱] جواہر البلاغۃ: ۳۲۶۔

[۲] اردو میں جناسِ متشابہ کی مثال یہ شعر ہے۔

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم پہ مرہم
حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں مر گئے مر ہم

اس شعر میں پہلا "مرہم" مفرد ہے اور دوسرا لفظ "گئے مر" اور "ہم" سے مرکب ہے۔

"مفروق" لغت میں اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی "جدا اور علیحدہ کیا ہوا" کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مفروق وہ جناسِ ترکیب ہے جس میں دو متجانس لفظوں میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو، لیکن کتابت اور طرزِ تحریر میں دونوں یکساں نہ ہوں، جیسے شعر ہے۔

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ وَلاجَامَ لَنَا مَاالَّذِيْ ضَرَّ مُدِيْرَ الْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نے جامِ شراب لے لیا اور ہم ہیں کہ ہمارے لیے ایک جام بھی نہ رہا اگر ساقی نے ہم سے بھی اچھا برتاؤ کیا ہوتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا؟!

اس شعر میں محلِ استشہاد لفظِ ''جَامَ لَنَا'' اور ''جَامَلَنَا'' ہے، ان میں سے پہلا لفظ مرکب اور دوسرا مفرد ہے اور دونوں کتابت اور طرزِ تحریر میں جدا جدا ہیں[1]۔

٢۔۔۔جناسِ ناقص کی تعریف:

"ناقص" ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی "گھٹنا" ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ جناس غیر تام ہے جس میں دو متجانس لفظ امورِ اربعہ مذکورہ (ہیئت، نوع، عدد اور ترتیب) میں سے کسی ایک کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ اس کو جناسِ غیر تام بھی
کہتے ہیں، اس کی متعدد اقسام ہیں، چند درج ذیل ہیں:۔

١۔جناسِ مُضَارِع ٢۔جناسِ لاحِق ٣۔ جناسِ مطرَّف ٤۔جناسِ مذیَّل ٥۔جناسِ مُحرَّف ٦۔جناسِ مُصحَّف ٧۔ جناسِ قَلْب۔

١۔۔۔جناسِ مُضَارِع کی تعریف:

"مضارع" بابِ مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی "مشابہ، مماثل" کے ہیں۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناسِ مضارع وہ جناس غیر تام ہے جس کے دونوں متجانس لفظ ایسے دو حرف میں مختلف ہوں، جن کے مخارج قریب قریب ہوں، یعنی جس میں دو لفظ نوعیتِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ سوائے ایک حرف کے باقی حروف

---

[1] اردو میں جناسِ ترکیب کی مثال یہ شعر ہے۔

جستجو کرنی ہر ایک امر میں نادانی ہے
جو کہ پیشانی پر لکھا ہے پیش آنی ہے

اس شعر میں "پیشانی" اور "پیش آنی" دونوں میں سے ہر ایک کے لکھنے کا طریقہ الگ ہے۔

یکساں ہوں اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہوں ان دونوں کے مخارج قریب قریب ہوں[1] ۔اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔حرفِ مختلف شروع میں ہو گا۔ ۲۔حرفِ مختلف درمیان میں ہو گا۔ ۳۔حرفِ مختلف آخر میں ہو گا۔

۱۔۔۔حرفِ مختلف شروع میں ہو اس کی مثال، جیسے حریری کا قول ہے۔"بيني وبين كني ليل دامس وطريق طامس"۔ میرے اور میرے گھر کے درمیان تاریک رات اور نشان مٹے ہوئے راستہ ہے۔اس میں "دامس" اور "طامس" جناس میں مختلف حرف ہیں اوران دونوں کے شروع میں "میم" اور "طاء" مختلف ہیں اور یہ دونوں حروف حلقی قریب المخرج ہیں۔اُردو میں اس کی مثال "علم" اور "حلم" ہے۔

۲۔۔۔حرفِ مختلف درمیان میں ہواس کی مثال، جیسے﴿وَهُمْ "يَنْهَوْنَ" عَنْهُ وَ"يَنْئَوْنَ" عَنْهُ﴾ [الأنعام:۲۶] یہاں ﴿يَنْهَوْنَ، وَيَنْئَوْنَ﴾ میں جناس ہے،ان میں "همزه" اور "ها" میں اختلاف ہے اور یہ دونوں حروف حلقی قریب المخرج ہیں۔اُردو میں اس کی مثال "لال" اور "لعل" ہے۔

۳۔۔۔حرفِ مختلف آخر میں ہو اس کی مثال، جیسے "الخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الخَيْرُ"۔یہاں "الخَيْلُ، الخَيْرُ" کے درمیان جناس ہے اوران کا آخری حرف ایک دوسرے سے مختلف ہے کہ اول کے آخر میں لام اور ثانی کے آخر میں "راء" ہے اور یہ دونوں حروف حلقی قریب المخرج ہیں۔اُردو میں جناس مضارع کی مثال "آزار" اور "آزاد" ہے۔

۲۔۔۔جناسِ لاحق کی تعریف:

"لاحق" ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے،اس کے لغوی معنی "ملاہوا،وابستہ ،کسی چیز کے پیچھے یعنی آخر میں لگاہوا" کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناسِ لاحق وہ جناس غیر تام ہے جس کے دونوں متجانس لفظ بعید المخرج ہوں، بشرطیکہ اس میں ایک سے زیادہ مختلف نہ ہو، ورنہ دونوں لفظوں میں بعد واقع ہو جائے گا،یعنی جس میں دو لفظ نوعیتِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ سوائے ایک حرف کے باقی
حروف یکساں ہوں اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہو ان دونوں کے مخارج بعید ہوں،اس کی تین قسمیں ہیں:۔

---

[1] اردو میں جناسِ ترکیب کی مثال یہ شعر ہے۔

ہمارے عہد کو یہ رنج بھی سہنا پڑے گا
جو چھوٹا ہے اسے سب سے بڑا کہنا پڑے گا

اس شعر میں "سہنا" اور "کہنا" میں ایک حرف مختلف ہے اور یہ مختلف حروف قریب المخرج بھی ہیں۔

ا۔ حرفِ مختلف شروع میں ہو گا۔ ۲۔ حرفِ مختلف درمیان میں ہو گا۔ ۳۔ حرفِ مختلف آخر میں ہو گا۔
ا۔۔۔ حرفِ مختلف شروع میں ہو، اس کی مثال، جیسے: "وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ"-(الهمزه:۱)اس میں "هُمَزَةٍ" اور "لُمَزَةٍ" میں ایک حرف "هاء" اور "لام" کا اول میں اختلاف ہے اور یہ دونوں حروف بعید المخرج ہیں۔ اُردو میں اس کی مثال "خفاء" اور "جفاء" ہے۔
۲۔۔۔ حرفِ مختلف درمیان میں ہو، اس کی مثال، جیسے: "فَأَمَّا اليتيم فَلاَ تَقْهَرْ * وَأَمَّا السآئل فَلاَ تَنْهَرْ." اس میں "تَقْهَرْ" اور "تَنْهَرْ" میں ایک حرف "قاف" اور "هاء" کا درمیان میں اختلاف ہے اور یہ دونوں حروف بعید المخرج ہیں۔ اُردو میں اس کی مثال "مار" اور "مور" ہے۔
۳۔۔۔ حرفِ مختلف آخر میں ہو، اس کی مثال یہ ہے، جیسے ﴿وَإِنَّهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ* وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ [العاديات:۸-۷] یہاں ﴿لَشَهِيْدٌ﴾ اور ﴿لَشَدِيْدٌ﴾ میں "ه" اور "د" کے علاوہ تمام حروف یکساں ہیں اور مذکورہ دونوں حروف کے مخارج مختلف ہیں اور بعید المخرج ہیں۔ اُردو میں اس کی مثال "پتلی" اور "پتلاء" ہے۔

۳۔۔۔جناسِ مُطرَّف کی تعریف:

"مطرف" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، "طرف الشئ" کا معنی ہے: کسی چیز کو ایک طرف رکھنا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس مطرف وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل ایک حرف زائد ہوں، پھر اس کی تین قسمیں ہیں:۔
ا۔ حرفِ زائد لفظ کے شروع میں ہو گا۔ ۲۔ حرفِ زائد لفظ کے درمیان میں ہو گا۔ ۳۔ حرفِ زائد لفظ کے آخر میں ہو گا۔
ا۔۔۔ حرفِ زائد لفظ کے شروع میں ہو۔ اس کو جناسِ مردوف کہتے ہیں، اس کی مثال، جیسے ﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِـ"السَّاقِ"* إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ "الْمَسَاقُ"﴾[القيامة:۳۰-۲۹]، یہاں لفظِ ﴿المَسَاقُ﴾ میں ﴿سَاقُ﴾ کے مقابلہ میں ایک حرف زائد ہے اور اسی طرح یہ مثال ہے۔ "سَاءَ مَسَاءُ المُجْرِمِ إِذْ ضَاءَ مَضَاءُ سَيْفِ الْجَلاَّدِ" وغیرہ۔
۲۔۔۔ حرفِ زائد لفظ کے درمیان میں ہو۔ اس کو جناس مکتنف کہتے ہیں، اس کی مثال، جیسے "جدى جهدى"۔ یہاں "جدى" میں "جهدى" کے مقابلہ میں "ها" زائدہ ہے اور "مَنْ فَقَدَ بالسُّكْرِ عَقْلَهُ كُشِفَ سِتْرُهُ، واسْتُبِيحَ سِرُّهُ" اس میں "سِرُّهُ" کے مقابلہ میں "سِتْرُهُ" میں "تاء" زائدہ ہے۔

۳۔۔ حرفِ زائد لفظ کے آخر میں ہو اس کی مثال، جیسے﴿ثُمَّ "كُلِيْ" مِنْ "كُلِّ" الثَّمَرٰتِ﴾[النحل:۶۹] یہاں "کل" کے مقابلہ میں "کلی" میں "ی" زائدہ ہے،اس کی دیگر مثالیں یہ ہیں:۔ "سَارٍ" و"سَارِق". و"عَارٍ" و"عَارِف". و"قاضٍ" و"قاضِم". و"جَوارٍ" و"جَوَارِح".وغیرہ[1]۔

۴۔۔۔جناسِ مُذیَّل کی تعریف:

"مذیل" بابِ تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے "تذیل" کا معنی ہے: ہر چیز کا آخری حصہ، کپڑے کا دامن، حاشیہ، تتمہ وغیرہ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناسِ مذیل وہ جناسِ غیر تام ہے جس کے دونوں لفظ صرف تعدادِ حروف میں مختلف ہوں اور زیادتی لفظِ متجانس کے آخری حصے میں ہو،یعنی جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل دو حروف زائد ہوں، جیسے ﴿وَانْظُرْ "إِلىٰ" "إِلٰهِكَ"﴾ [طٰهٰ:۹۷] یہاں دوسرے کلمے میں دو حروف "ھاء" اور "کاف" زائد ہیں۔ اسی طرح اس کی مثال حضرت خنساء کا یہ شعر ہے۔

إِن الْبُكَاءَ هُوَ الشِّفَاءُ مِنَ الجَوَى بَيْنَ الجَوَانِح

ترجمہ: یقیناً رونا پسلیوں کے درمیان غم کی وجہ سے جلنے والے دل کی سوزش کے لیے شفاء ہے۔

اس شعر میں "جوی" اور "جوانح" میں دو حرفوں کا فرق ہے کہ "جوی" میں کم اور "جوانح" میں دو حرف "نون" اور "حاء" زائد ہیں، اس طور پر کہ اگر ان دونوں حرفوں کو حذف کر دیا جائے تو جناس تام بن جائے گا۔ اس کو جناس مذیل اس لیے کہ کہتے ہیں کہ "ذیل" کا معنی ہے: قمیص کا دامن۔ اور دامن قمیص کے آخر میں ہوتی ہے اور اس میں بھی کلمہ کے آخر میں زیادتی ہوتی ہے اس لیے اس کو مذیل کہتے ہیں۔ اُردو میں جناس مذیل کی مثال یہ ہے، جیسے "مانگ" اور "مانگتی"۔ "تر" اور "ترساتی"۔ "قل" اور "قلقل" وغیرہ۔ اور جیسے یہ مثال ہے۔ "میں اس کے گلشنِ فراق میں شب کو شبنم کی طرح کی ہاتھ مل مل کے روتا ہوں کہ اَشکوں سے میرا تر اندام ہو جاتا ہے"۔

---

[1] عام کتب بلاغت میں اس کی مثال یہ دی گئی ہے، جیسے ابو تمام کا شعر ہے۔

يَمُدُّونَ مِنْ أَيْدٍ عَوَاصٍ عَوَاصِمٍ تَصُولُ بِأَسْيَافَ قَوَاضٍ قَوَاضِبِ

ترجمہ: وہ مارنے والے اور حفاظت کرنے والے ہاتھ بڑھاتے ہیں اور حکم کرنے والی اور کاٹنے والی تلواروں کیساتھ حملہ کرتے ہیں۔

اس شعر میں دونوں مصرعوں کے آخر میں "عواص، عواصم" اور "قواض، قواضب" محلِ استشہاد ہے ان میں سے اول میں "میم" بڑھا دیا ہے اور ثانی میں "باء"۔ اگر ان کو حذف کر دیا جائے تو دونوں لفظ برابر ہو جائیں گے اور جناس تام بن جائے گا۔

۵۔۔۔جناسِ مُحَرَّف کی تعریف:

"محرف" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، یہ "حرف القول" سے ماخوذ ہے، یعنی اس نے قول کو اس موقع سے پھیر دیا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس محرف وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ صرف ہیئتِ حروف (حرکات و سکنات) میں مختلف ہوں، خواہ دونوں اسم ہوں، یا دونوں فعل ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل ہو۔ اس کو تجنیس التشکیل بھی کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنْذِرِيْنَ* فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۷۳-۷۲] یہاں "مُّنْذِرِيْنَ" میں زبر زیر کا فرق ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ، فحَسِّنْ خُلقِيْ"۔ اس حدیث میں "خَلْقِيْ، اور خُلُقِيْ" میں صرف ہیئتِ حروف کا فرق ہے، جیسا کہ حرکت و سکون سے ظاہر ہے۔ اسی طرح یہ قول ہے۔ "أعيا الناس من أطال الخطبة وأساء الخطبة." یہاں "الخُطبة" اور "الخِطبة" میں صرف ہیئت حروف کا اختلاف ہے [1]۔

۶۔۔۔جناسِ مُصَحَّف کی تعریف:

"مصحف" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے لغوی ہیں: تبدیل شدہ، اصل وضع سے ہٹا ہوا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جس میں دونوں لفظوں میں صرف نقطوں کا فرق ہو۔ بالفاظِ دیگر جناس مصحف وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دونوں لفظ رسم الخط میں متفق ہوں اور نقطوں میں مختلف ہوں اس طور پر کہ اگر نقطوں کو ختم کیا جائے یا بدل دیا جائے تو ایک کلمہ دوسرے جیسا ہی ہو جائے، اس کو تجنیس التصحیف اور تجنیس خطی بھی کہتے ہیں، جیسے ﴿وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ* وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ [الشعراء: ۸۰-۷۹] ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [الکھف: ۱۰۴] پہلی آیت میں ﴿يَسْقِيْنِ، يَشْفِيْنِ﴾ میں "ف" اور "ق" کے نقطے ہٹا دیے جائیں تو دونوں کلمے ایک جیسے ہو جائیں گے اور دوسری آیت میں ﴿يَحْسَبُوْنَ، يُحْسِنُوْنَ﴾ "باء" اور "نون" کے نقطے بدل دیے جائیں تو دونوں کلمے ایک جیسے ہو جائیں گے، یہاں دونوں کلمے رسم الخط میں یکساں ہیں صرف نقطوں میں اختلاف ہے۔ اردو میں جناس مصحف کی مثال یہ ہے، جیسے خواب و جواب، عیب و غیب، خط اور خظ وغیرہ [2]۔

---

(۱) اردو میں جناس محرف کی مثال یہ شعر ہے۔

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تمہیں ہم کو شکایتیں کیا کیا!

اس شعر میں پہلا "گلے" گاف کے فتحہ کیساتھ اور دوسرا اس کے کسرہ کیساتھ ہے۔

(۲) اردو شاعری میں جناس مصحف کی مثال یہ شعر ہے۔

۷۔۔۔۔۔جناسِ قلب (مقلوب) کی تعریف:

"مقلوب" ثلاثی مجرد سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی "پلٹ دینا، اوپر کا نیچے کر دینا، پھیر دینا" کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس مقلوب وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو متجانس لفظ ترتیبِ حروف میں مختلف ہوں ،اس کو جناس العکس بھی کہتے ہیں، جیسے ﴿إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ "بَيْنَ" "بَنِيْ" إِسْرَآءِيْلَ﴾ [طٰہٰ:۹۴] یہاں "بَيْنَ" اور "بَنِيْ" دونوں ترتیبِ حروف میں مختلف ہیں، تاہم دونوں میں حروف ایک ہیں۔ اکثر بدیعیین حضرات کی رائے یہ ہے کہ جناس قلب میں قلب الحروف من کل الوجہ ضروری نہیں، بلکہ ایک حرف یا دو حرفوں کے قلب سے بھی جناس قلب حاصل ہو جائے گا[1]۔

جناسِ قلب کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔قلبِ کل ۲۔قلبِ بعض ۳۔مجنح ۴۔مستوی

۱۔۔۔قلبِ کل کی تعریف:

قلبِ کل وہ ہے جس میں جناس اول کی پوری ترتیب بدل دی گئی ہے، یعنی کلمہ اول کے حرف اول کو دوسرے کلمہ کے آخر میں ذکر کر دیا جائے، اسی طرح درمیان کو درمیان میں اور کلمہ اول کے حرف کو دوسرے کلمہ کے شروع میں ذکر کر دیا جائے، اس کو قلبِ کلی بھی کہتے ہیں، جیسے احنف بن قیس کا شعر ہے۔

حُسَامُكَ فِيه لِلأَحْبَابِ فَتْحٌ   ورُمْحُكَ فِيهِ للأَعْدَاءِ حَتْفُ

ترجمہ: تیری تلوار دوستوں کے لیے مدد ہے اور تیرا نیزہ دشمنوں کے لیے موت ہے۔

اس میں "حتف" اور "فتح" میں تجنیس ہے اور اس میں دونوں کلموں کی ترتیب بالکل الٹ دی گئی ہے کہ جنیسِ اول کے شروع میں "ح" ہے تو اسے جنیسِ ثانی کے آخر میں ذکر کر دیا ہے اور جنیسِ اول کے آخر میں "ف" ہے تو اسے جنیسِ ثانی کے شروع میں ذکر کر دیا ہے۔

۲۔۔۔قلبِ بعض کی تعریف:

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار ہا

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہوشیار بھی نہیں

اس شعر میں متجانس الفاظ "خلوت" اور "جلوت" میں صرف نقطوں کا فرق ہے۔

[1] انوار الربیع:۳۵۔

قلب بعض وہ ہے جس میں متجانسین کی پوری ترتیب نہ بدل دی جائے، بلکہ ان میں سے بعض حروف کی ترتیب بدلی جائے،اس کو قلب جزئی بھی کہتے ہیں، جیسے حدیث میں ہے-"اللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْراتِنَا وَآمِنْ رَوْعاتِنَا."اس میں"عَوْراتِنَا" اور "رَوْعاتِنَا"الفاظِ متجانسہ ہیں اوران میں کچھ حروف کی ترتیب بدلی گئی ہے۔

۳---قلبِ مجنح کی تعریف:

جناسِ قلب کی ایک قسم جناس مجنح ہے،"مجنّح"باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے،" تجنیح"کے لغوی معنی"کسی شئ کو جھکانا اور مائل کرنا"ہے اوراصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس مجنح وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں متجانسین میں ایک شعر کے اول میں ہو اور دوسرا شعر کے آخر میں واقع ہو، جیسے یہ شعر ہے۔

لاحَ أنوارُ الهُدَى　　　من كَفِّه في كلِّ حَال

ترجمہ:اس کے ہتھیلی میں رشد وہدایت کے انوارت ہر حال میں ظاہر ہوگئے۔

اس میں"لاح"اور"حال"متجانسین ہیں،ان میں سے ایک شعر کے اول میں ہے اور دوسرا شعر کے آخر میں ہے اوران کے درمیان حروف کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔اس کو قلب مجنح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں الفاظ متجانسہ دومصرعوں کے کناروں میں واقع ہوتے ہیں اور مجنح"جناس"سے ماخوذ ہے اور"جناس" پَر اور بازو کو کہتے ہیں اور چونکہ بازو اور پَر بھی طرف میں واقع ہوتے ہیں اور یہ بھی اطراف میں واقع ہوتے ہیں،اس لیے اسے بھی قلب مجنح کہتے ہیں[1]۔

۴---قلبِ مستوی کی تعریف:

قلب مستوی یہ ہے کہ کلام کے دو جزؤں کو اس طور پر مکرر ذکر کرنا کہ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جائے، جیسے:" عَادَاتُ السَّادَاتِ سَادَاتُ العَادَاتِ"وغیرہ۔ اس میں"عادات"احد الطرفین ہے اور"سادات"اس کے لیے مضاف الیہ ہے، پھر ان میں"سادات"کو"عادات"پر مقدم کرکے اس کا عکس کر دیا گیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل صنعت"مالا یستحیل بالانعکاس"کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] منه قولُ ابن نُبَاتة:

سَاقٍ يُرِينِي قَلْبُهُ قَسْوَةً ... وَكُلُّ سَاقٍ قَلْبُهُ قَاسٍ

ومنه:

جَانٍ عَلَيْنَا فِي الهَوَى ظَالِمٌ ... هَلْ هُوَ مِنْ نَارِ الْهَوَى نَاجٍ

۸۔۔۔جناسِ مزدوج کی تعریف:

"مزدوج" لغت میں "ازدواج" سے ماخوذ ہے، اس کے لغوی معنی مشابہ اور مماثل ہونے کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناس مزدوج وہ جناسِ غیر تام ہے کہ جس میں ایک متجانس دوسرے متجانس کے قریب اور متصل واقع ہو، جیسے ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ﴾[النمل:۲۲]اس آیت میں "سبأ" اور "نبأ" الفاظِ متجانسہ ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کیساتھ واقع ہیں۔ اس کو جناسِ ازدواج، جناسِ مکرر اور جناسِ مرَدَد بھی کہتے ہیں۔ اس کو جناس مزدوج اس لیے کہتے ہیں کہ یہ "ازدواج" سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں: ملنا ملانا اور اس میں بھی دو الفاظِ متجانسہ ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے اسے مزدوج کہتے ہیں، مکرر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تکرار سے ماخوذ ہے اور تکرار کے معنی ہیں ایک چیز کا ایک بار سے زیادہ لانا اور اس میں بھی ایک چیز کو ایک بار سے زیادہ دلایا جاتا ہے اور مرَدَد اس لیے کہتے ہیں کہ مرَدَد کے معنی ہیں: لوٹانا اور اس میں بھی ایک لفظ کو دوبارہ لوٹایا جاتا ہے اس لیے کہ مرَدَد کہتے ہیں[1]۔

واضح رہے کہ جناس مزدوج مذکورہ تمام اقسام میں جاری ہوتی ہے۔ جناس تام کی مثال، جیسے "تقوم الساعة فی ساعة "۔ تجنیس محرف کی مثال، جیسے "لك جبة وجنة من البردللبرد"۔ تجنیس ناقص کی مثال، جیسے "جدی جهدی" اور تجنیس مقلوب کی مثال، جیسے "هذاالسيف للاعداء والاولياء حتف وفتح"۔

قاعدہ نمبر ا: جناس سے سامع کی توجہ مائل کرنا یا توجہ باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ عبارت میں مناسب الفاظ کو ذکر کرنا۔ نیز لفظِ مشترک سے اولاً ایک معنی اور ثانیاً دوسرا معنی مراد لینا بھی سامع و قاری کے دل میں شوق پیدا کرتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲ر: تشابہ وہ جناس ترکیب ہے جس میں دو مفرد اور مرکب لفظ حروف کی نوعیت، تعداد، حرکات وسکنات اور ترتیب میں متفق ہوں، نیز طریقۂ تحریر میں بھی ایک ہوں، یعنی: دونوں لکھنے میں متفِق ہوں، لیکن اِفراد و ترکیب میں مختلف ہوں۔

قاعدہ نمبر ۳: مفروق وہ جناس ترکیب ہے کہ جس میں دو کلمے حروف کی نوعیت، تعداد، حرکات و سکنات اور ترتیب میں متفق ہوں؛ لیکن طریقۂ تحریر دونوں کا مختلف ہوں؛ نیز نوعیتِ کلمہ میں افراد و ترکیب کا اختلاف ہو۔

---

[1] جناس مزدوج کی مثال فارسی کا یہ شعر ہے۔

در صرف صرف کردی عمرِ عزیز زرا
در نحو محو گشتی نہ شناختی خدارا

اس شعر میں "صرف، صرف" اور "نحو، محو" متجانس ہیں اور دو مرتبہ متصلاً مذکور ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴: مطرف اور مذیل کی تعریف میں دو طرح سے فرق معلوم ہوتا ہے: مطرف میں ایک حرف کی زیادتی ہوتی ہے اور مذیل میں دو حرف کی زیادتی ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: اگر یہ دو بعید المخارج حروف متجانس (ہم جنس) ہیں تو اس کو ''اِزدِواج'' کہتے ہیں، جیسے ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَأٍ بِنَبَأٍ يَّقِيْنٍ﴾ [النمل: ۲۲.] اس آیت میں ''سبأ'' اور بِنَبَأٍ '' میں سین اور نون کا اختلاف ہے، جن کے مخارج بعید ہیں۔

قاعدہ نمبر ۶: جِناسِ ناقِص: وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے کے ایک یا دو حروف دوسرے کلمے سے کم ہوں یا زیادہ ہوں؛ چاہے یہ زیادتی شروع میں ہو یا درمیان یا اخیر میں ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: مُطرَّف، مُذیَّل۔

قاعدہ نمبر ۷: جناس مصحف کو جناسِ خط بھی کہتے ہیں [1]۔

قاعدہ نمبر ۸: تصحیف و تحریف باری تعالیٰ کے فرمان میں ایک ساتھ جمع ہو گئیں ہے، جیسے: ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [الکھف: ۱۰۴]۔

قاعدہ نمبر ۹: صنعت جناس کا حال بھی دیگر صنائع بدیعیہ کی طرح ہے کہ جناس میں نہ اسراف محمود ہے اور نہ ہی بکثرت جناس کا استعمال مستحسن ہے، یہی وجہ ہے کہ فصحاء وبلغاء کے نزدیک جناس کی کثرت اور اس کا دیوانہ ہونا مذموم قرار دیا گیا ہے، کیونکہ کلام میں اصل معانی ہی ہیں، الفاظ تو معانی کے لیے قوالب ہیں اور معانی ہر جگہ ان الفاظ کا ساتھ نہیں دیا کرتے جن الفاظ کی طرف تجنیس کھینچ کرلے جایا کرتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰: بے موقع لفاظی کرنا علم ادب کے خلاف ہے، ہاں ایسے الفاظ کا بلا تکلف مربوط کلام میں آجانا جن میں صنعت تجنیس ہو اور وہ الفاظ و معانی مقتضیات کے مطابق بھی ہوں یہ مستحسن ضرور ہیں۔

درج ذیل مثالوں میں جناس اور اس کے اقسام کی تعیین کیجئے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. ذو الوجهين لا يكون عند الله وجيهاً، ولما رأيت الجهل في الناس فاشيا تجاهلت حتى قيل أني جاهل، الظلم ظلمات يوم القيامة. صولة الباطل ساعة، وصولة الحق إلى الساعة، ركبت حماراً ولقيت حماراً، الفضل فضل، الربيع ربيع. يا أسفي على يوسف، أَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وَغِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، قصر ثيابك فإنه أبقىٰ وأتقى وأنقىٰ، لو كنت تاجرًا ما اخترت غير العطر، إن فاتني ربحه لم تفتني ريحه، خلف الوعد خلق الوعد، وَلَقَدْ

---

[1] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۴۹۷۔

أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنذِرِينَ، فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ، "اللّٰهُمَّ كما حسنت خلقي فحسن خلقي، جبة البرد جنة البرد، رطب الرطب ضرب من الضرب، لا زالت الملوك ببابه وقوفًا، والقدار له سيوفًا، والخلق له في دار الدنيا ضيوفًا، ودين دين الحق إذا جردوا لتقاضيه سيوفا سيوفي. إن الصديق الصدوق أول العقد وواسطة العقد، البدعة شرك الشرك. جبلت القلوب على معاداة المعادات، يقال لصاحب القرآن يوم القيامة اقرأ وارق، حسامه فتحٌ لأوليائه، وحتفٌ لأعدائه، اللّٰهُمَّ استر عوراتنا، وآمن روعاتنا، رحم الله امرأ، أمسك ما بين فكيه، وأطلق ما بين كفيه. من طلب وجدّ وجد. ومن قرع ولجّ ولج. النبيذ بغير النغم غم وبغير الدسم سم.

فصلِ دوم: جناسِ معنوی کا بیان

جناسِ معنوی کی تعریف:

جناسِ معنوی وہ ہے جس میں دو کلموں میں ایک کلمہ معناً پر جناس پر دال ہو[1]۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ جناس الاضمار ۲۔ جناس الاشارہ

ا۔۔۔جناسِ اضمار کی تعریف:

وہ جناس معنوی ہے جس میں متکلم ایسا لفظ لائے جو اس کے ذہن میں ایک دوسرے لفظ کو حاضر کر دے اور قرائن کی بنیاد پر اس لفظ محضر سے اس معنی و مفہوم کے علاوہ دوسرا معنی مراد لیا جائے۔ بالفاظِ دیگر جس میں متکلم الفاظِ جناس میں سے کسی ایک لفظ کو مخفی رکھے اور لفظوں میں الفاظِ جناس کے کسی ایک مرادف کو ذکر کرے تاکہ وہ لفظِ خفیہ پر دلالت کرے اور اگر مرادف کو ذکر کرنا متعذر ہو تو ایسے لفظ کو لایا جائے جو اس لفظِ مخفی کی طرف مشیر ہو۔ جیسے شعر ہے۔

منعم الجسم تحكى الماء رقّته وقلبه قسوة يحكى ابا أوس

ترجمہ: ملائم جسم والا ہے پانی کی طرح نرم و نازک ہے اور اس کا دل سنگدلی میں ابو اوس کی مانند ہے۔

اس شعر میں شاعر نے "ابو اوس" کا لفظ ذکر کیا ہے، ابو اوس عرب کا مشہور و معروف شاعر ہے اس کے باپ کا نام حجر ہے، یہاں بظاہر "ابو اوس" سے ذہن اس کے باپ حجر کی طرف انتقال کرتا ہے، لیکن حجر سے اوس نامی شاعر کا باپ مراد نہیں، بلکہ اس پتھر مراد ہے۔

۲۔۔۔جناسِ اشارہ کی تعریف:

وہ جناسِ معنوی ہے جس میں ارکانِ جناس میں سے کوئی ایک مذکور ہو اور دوسرے کی طرف ایسے لفظ کیساتھ اشارہ کیا جائے جو اس پر دلالت کر رہا ہو، خواہ وہ صفت ہو یا عکس ہو مصحف ہو یا اس کا مترادف ہو، اس کو جناس الکنایہ بھی کہتے ہیں، یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ درحقیقت اس جگہ شاعر جناس لفظی کا ارادہ کرتا ہے، لیکن اس صورت میں وزنِ شعری باقی نہیں رہتی، اس لیے ایک لفظ کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جیسے شعر ہے۔

---

[1] وقل من ذكر هذا النوع، وهو عزيز الوجود جداً، وأكثر من ألف في المعاني والبيان أغفل ذكره، فسلم يذكره الساكي في مفتاحه، ولا القزويني في تلخيصه ولا إيضاحه، ولا ابن رشيق في العمدة، ولا ابن أبي الأصبع في تحريره، على تبحره، ولا ابن منقذ في كتابه. وإنما نظمه الشيخ صفي الدين في بديعيته، لأنها نتيجة سبعين كتاباً في هذا الفن، كما ذكره في شرحها.(أنوارالربيع:۲۷)

يا حمزة! اسمح بوصلٍ و امُنن علينا بقُربِ
في ثغرِ: اسمك أضحى مصحّفاً و بقلبي

اس شعر میں شاعر نے متجانسین میں ایک لفظ "حمزہ" کو ذکر کیا ہے اور دوسرے کی طرف ایسے لفظ کیساتھ اشارہ کیا ہے جو اس پر دال ہے اور وہ لفظ "حمزہ" ہے، اگر "حمزہ" کے نقطوں میں تصحیف کیا جائے تو یہ "خمرہ" اور "جمرہ" بن جائے گا اور اس صورت میں "خمرہ" کا معنی شراب اور "جمرہ" کا معنی چنگاری ہو گا، یہاں جناس اسی طرح ہے کہ "حمزہ" کو صراحۃً ذکر کیا ہے اور "جمرہ" اور "خمرہ" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر انہیں بھی ذکر کیا جاتا تو وزن شعری باقی نہ رہتا[۱]۔

---

[۱] جواہر البلاغہ: ۳۳۰.

فصل سوم: ملحقاتِ جناس کا بیان

ملحقاتِ جناس کو لواحقِ جناس بھی کہتے ہیں اور درج ذیل دو ہیں:۔

۱۔جناسِ اشتقاق ۲۔جناس شبیہ بالا شتقاق

۱۔۔جناسِ اشتقاق کی تعریف:

"اشتقاق" بابِ افتعال کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جناسِ اشتقاق وہ جناس ہے جس میں دو لفظ ایک اصل کی طرف راجع ہوں، یعنی دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہو، لیکن معانی الگ الگ ہوں۔ یہ صنعت کلامِ الٰہی اور کلامِ نبوی میں بہ کثرت پائی جاتی ہے، اس کو تجنیس الاشتقاق اور جناسِ مقتضب بھی کہتے ہیں، جیسے: ﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا" وَ "یُرْبِي" الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة:٢٧٦]، ﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ* فَـ"رَوْحٌ" وَّ "رَيْحَانٌ" وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ﴾[الواقعة:٨٩] اول الذکر آیت میں "الرِّبٰوا" اور "یُرْبِي" دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہے، لیکن معنی الگ الگ ہیں۔ اور ثانی الذکر آیت میں "رَوْحٌ" اور "رَیْحَانٌ" دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہے، لیکن معنی الگ الگ ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اَلظُّلْمُ"، "ظُلُمَاتٌ" یَوْمَ الْقِیَامَةِ . وغیرہ(۱)۔ یہاں "اَلظُّلْمُ" اور "ظُلُمَاتٌ" دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہے، لیکن معنی الگ الگ ہیں (۲)۔

باقی رہی یہ بات کہ اشتقاق سے اشتقاقِ کبیر مراد ہے یا اشتقاق صغیر؟ علامہ تفتازانیؒ کا رائے یہ ہے کہ یہاں پر اشتقاقِ صغیر مراد ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر اشتقاقِ کبیر مراد ہے ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: {أثاقلتُم إلى الأَرْض أَرَضيتُمْ بالحياة الدُّنيا} (التوبة: ٣٨) اس میں "ارض" اور "أَرَضيتُمْ" میں تجانس

---

(۱) ففهم من كلام التلخيص والمطول أنّ إطلاق التجنيس على تجنيس الاشتقاق وتجنيس الإطلاق على سبيل التشابه وإطلاقه على التجنيس الخطي على سبيل الاشتراك اللفظي، وأنّ المعدود في المحسنات اللفظية هو التجنيس بمعنى تشابه اللفظين في اللفظ. وقد صرّح به المحقق التفتازاني في آخر فن البديع، وقال: إنّ كون الكلمتين متماثلتين في الخط كما ذكرنا ليس داخلا في علم البديع، وإن ذكره بعض المصنفين فيه. (كشاف اصطلاحات الفنون:١/٥٩٠)

(۲) اُردو میں جناس اشتقاق کی مثال یہ شعر ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہی

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اس شعر میں "شہود، شاہد، مشہود" سب کا مادہ اشتقاق ایک ہے۔

ہے اور دونوں شبیہ بالاشتقاق ہیں۔ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر اشتقاق کبیر مراد لینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اشتقاقِ کبیر اس اشتقاق کو کہتے ہیں جو اصولِ حروف میں ہو، یعنی دو کلمے حروف اصلی میں ایک دوسرے کے موافق ہوں ترتیب میں موافق نہ ہوں، جیسے "القمر، الرقم، المرق" وغیرہ میں ہے جب کہ مذکورہ آیت میں تو دونوں کلمے حروف اصلی میں بھی ایک دوسرے کے موافق نہیں، کیونکہ "ارض" میں تمام حروف اصلی ہیں اور "ارضیتم" میں ہمزہ استفہام کا ہے اصلی نہیں تو اس کو ہم اشتقاق کبیر کیسے کہیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں اشتقاق کبیر مراد لینا غلط ہے [1]۔

۲۔۔۔ جِنَاس شَبِیْہ بالاشْتِقَاق کی تعریف:

"شبیہ" کالغوی معنی "مثل، مانند" کے ہیں۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ ہوں جن کا بظاہر مادہ اشتقاق ایک معلوم ہو، لیکن دراصل ان کا ماخذ علیحدہ ہو۔ بالفاظِ دیگر شبیہ بالاشتقاق وہ جناس ہے جس میں دو لفظوں کے تمام یا اکثر حروف میں یکسانیت ہو، لیکن دونوں کا مادہ اشتقاق الگ الگ ہوں، اس کو تجنیس الاطلاق بھی کہتے ہیں، جیسے:
﴿قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ [الشعراء:۱٦۸]. دیکھئے! "قال"، "قولٌ "(اجوف واوی) سے مشتق ہے اور "قالین"، " قِلیً "(ناقص یائی) سے مشتق ہے [2]۔

درج ذیل مثالوں میں جناسِ اشتقاق اور جناسِ شبیہ بالاشتقاق کی تعیین کیجئے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينَ القيم. وجَنى الجنتيْن دَان. لِيُرِيَهُ كيْفَ يُواري. وإنْ يُرِدْكَ بخَيْرٍ فَلاَ رَادَّ لَهُ. أثاقلتُم إلى الأَرْض أرَضيتُمْ بالحياة الدُّنيا. وَإِذَا أنْعَمْنَا على الإِنْسَان أعْرَضَ ونأَى بجانِبِه، وإِذا مَسَّهُ الشَّرُّ فذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ.

---

[1] جواہر البلاغۃ:۳۲٦۔

[2] وقال المحقق التفتازاني في شرحه المطول: ليس المراد بما يشبه الاشتقاق الاشتقاق الكبير لأنه هو الاتفاق في حروف الأصول من غير رعاية الترتيب مثل القمر والرقم. ولا شك أن قال في المثال المذكور في القول والقالين من القلى، بل المراد به ما يشبه الاشتقاق وليس باشتقاق وذلك بأن يوجد في كل من اللفظين جميع ما يوجد في الآخر من الحروف أو أكثر، لكن لا يرجعان إلى أصل واحد في الاشتقاق. (كشاف اصطلاحات الفنون:۱/۵۹۰)

بابِ دوم: مایتعلق بتحسین الکلمة

یہ باب درج ذیل تین محسناتِ لفظیہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔ ائتلاف اللفظ مع اللفظ ۲۔ توزیع ۳۔ حذف

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔۔اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ کی تعریف:

اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ مانوس وغیر مانوس ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مناسب ہوں، تاکہ کلام میں عمدگی اور مناسبت پیدا ہو جائے، جیسے: ﴿تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ا[یوسف:۸۵] اس آیت میں قسم کے لیے ''تاء'' کو استعمال کیا گیا ہے جو حرفِ قسم ''باء ''اور''واؤ'' کے بہ نسبت قلیل الاستعمال ہے تو اسی کی مناسبت سے استمرار کے معنی کے لیے ''تَفْتَؤُا''کو اختیار فرمایا جو ''تَزَالُ'' کے بہ نسبت قلیل الاستعمال اور غیر مانوس ہے، اسی طرح ہلاکت کے لیے ﴿حَرَضاً﴾ کا استعمال بھی قلیل ہے یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ غرابت اور قلتِ استعمال کے اعتبار سے سب یکساں ہوں۔

اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ کی چند مثالیں:

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. وَأْمُرْ أَهْلَكَ بالصلاة واصطبر عَلَيْهَا. وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا. وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ. وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا. وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا. وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ.

۲۔۔۔توزیع کی تعریف:

''توزیع'' باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: تقسیم کرنا، باٹنا، ''وزع الکتاب'' کا معنی ہے: کتاب کو تقسیم کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم کسی جملے (خواہ نظم ہو یا نثر ہو) کے تمام یا اکثر الفاظ میں بلا تکلف ومشقت حروفِ ہجائیہ میں سے کسی ایک حرف کو ہر کلمے میں ذکر کرے، بشرطیکہ اس میں تکلف کا ارتکاب نہ ہو، جیسے: ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا* وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا* إِنَّكَ كُنْتَ بِنَابَصِيْرًا﴾[طٰہٰ:۳۵-۳۳] دیکھئے! اس آیتِ مذکورہ کے

کلمات میں سے سات کلموں میں حرفِ "کاف" کو بلا تکلف آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے۔ نیز حرفِ "نون" کا تذکرہ بھی پانچ کلموں میں پانچ مرتبہ ہے۔

فائدہ: یہ شیخ صفی الدین حلی کی اختراع ہے [۱]۔

قاعدہ: توزیع کلام منظوم اور منثور دونوں میں متحقق ہو سکتی ہے [۲]۔

توزیع کی چند مثالیں:

لزم في كلماتها القاف أولها:

رشقت قلبي أحاق الرشاق ... فسقامي لسقام بالحداق.

وقول الحظوري وفي كل كلمة همزة:

بأبي أغيد أذاب فؤادي   إذ تناءي وأظهر الأغراضا.

رشأ يألف الخباء فإن   أبدي لآمليه انقباضا.

لزم فيه حرف الميم:

محمد المصطفى المختار من ختمت ... بمجده مرسلو الرحمن للأمم.

لزم فيه حرف الراء:

عسير حرب يسير الرعب ينصره ... شهرا بشير نذير طاهر الأرم.

لزوم فيه حرف الياء:

توزيع لفظي لمدحي فيهم شرفي ... في النشأتين ففخري في مديحهم.

۳۔۔۔حذف کی تعریف:

"حذف" کے لغوی معنی "ساقط کرنا، دور کرنا اور گرا دینا" کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں کسی حرف یا بعض حروف کے نہ لانے کا التزام کرے۔ یعنی متکلم کلام میں حروف تہجی میں سے کسی ایک حرف یا کئی حروف کے نہ لانے کا التزام کرے، یا کلام میں تمام حروف معجمہ (حروف منقوطہ) لانے کا التزام کرے یا تمام حروفِ

---

[۱] انوارالربیع:۷۹:۴۔

[۲] انوارالربیع:۷۹:۴۔

مہملہ (حروفِ غیر منقوطہ) لانے کاالتزام کرے،بشرطیکہ اس میں تکلف کاارتکاب نہ کرے۔اس صنعت کو قطع الحروف بھی کہتے ہیں[1]۔الغرض حذف کی درج ذیل تین صورتیں ہیں:۔

ا۔۔۔حذف کی ایک صورت یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں حروف مہملہ (حروف غیر منقوطہ)لانے کاالتزام کرے،جیسے اس شعر میں حروفِ منقوطہ لانے سے احتراز کیا گیاہے۔

أَعْدِدْ لِحُسَّادِكَ حَدَّ السِّلاحِ　　وَأَوْرِدِ الآمِلَ وِرْدَ السَّمَاحِ

ترجمہ:حسد کرنے والوں کے لیے ہتھیار کی دھار تیار رکھنا اور امید رکھنے والے کو سخاوت کی گھاٹ پر لے جا۔

اس شعر میں اس طرح کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیاہے جس پر نقطہ ہو۔اسی طرح معروف ادیب ابوالقاسم حریری (م۵۱۶ھ)نے"مقامہ سمرقندیہ"کے خطبہ میں حروف مہمہ (غیر منقوطہ)لانے کاالتزام کیاہے،ذیل میں اس سے ایک مختصر اقتباس پیش کیاجاتاہے۔

"الحمدُ للهِ المَمْدوحِ الأسْماء. المحْمودِ الآلاء. الواسعِ العَطاء. المدْعُوّ لحَسْمِ اللأواء. مالِكِ الأمَمِ. ومصوِّرِ الرّمَمِ. وأهْلِ السّماحِ والكرَمِ. ومُهلِكِ عادٍ وإرَمَ. أدْرَكَ كلَّ سِرٍ عِلمهُ. ووَسِعَ كلَّ مُصِرٍ حِلمُهُ. وعَمّ كلَّ عالَمٍ طَوْلُهُ. وهدّ كلَّ مارِدٍ حولُهُ. أحْمَدُهُ حمْدَ موَحِّدٍ مُسلِمٍ. وأدعوهُ دُعاءَ مؤمِّلٍ مسَلِّمٍ. وهوَ اللهُ لا إلهَ إلا هوَ الواحِدُ الأحَدُ. العادِلُ الصّمَدُ. لا ولَدَ له ولا والِد. ولا رِدْءَ معَه ولا مُساعِد[2]."

برصغیر کے مشہور عالم علامہ ابوالفیض فیض اللہ بن مبارک فیضی(م۱۰۰۴ھ)نے"سواطع الالہام"کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی،جس میں موصوف نے قرآنی آیات کی تفسیر غیر منقوط حروف کیساتھ کی ہے اول سے لے کر آخر تک ایساکوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیاہے جس پر نقطہ ہو،یہ تفسیر علامہ فیضی کی فصاحت،بلاغت اور عربی پر عبور کی عکاس ہے[3]۔

۲۔۔۔حذف کی ایک صورت یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں حروف معجمہ (حروف منقوطہ)لانے کاالتزام کرے،جیسے حریری کایہ شعر ہے۔

---

(1) انوارالربیع:۸/۴۷۔

(2) مقامات الحریری:۲۸۱۔

(3) اسی طرح مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے معروف ادیب علامہ ولی رازی صاحب نے سیرت پر"ہادی عالم"کے نام سے غیر منقوط کتاب لکھی،جو موصوف کی تبحر علمی پر بین ثبوت ہے۔

فتَنَتْني فجنّنَتْني تجَنّي   بتَجنٍّ يفْتَنّ غِبَّ تجَنّي
شغَفَتني بجَفنِ ظَبْي غَضيضٍ.   غنِجٍ يقْتَضي تغَيُّضَ جَفْني [1]

۳۔۔۔حذف کی ایک صورت یہ ہے کہ متکلم کلام میں حروف تہجی میں سے کسی ایک حرف یا کئی حروف کے نہ لانے کاالتزام کرے، جیسے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک خطبہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں گفتگو فرمارہے تھے کہ دورانِ بحث یہ بات سامنے آئی کہ کلام میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حرف "الف" ہے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیع ایک طویل خطبہ دیا جس میں انہوں نے "الف" استعمال نہیں کیا، یہ خطبہ فصاحت وبلاغت کا ایک عظیم شاہکار ہے، ذیل میں اس سے ایک مختصر اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

" حمدت من عظمت منيته، وسبقت رحمته، وتمت كلمته؛ ونفذت مشيته: وبلغت حجته، وعدلت قضيته. حمدته حمد مقر بربوبيته، متخضع لعبوديته، متنصل من خطيئته، معترف بتوحيده، مؤمل من ربه مغفرة تنجيه، يوم يشغل عن فصيلته وبنيه.ونستعينه ونسترشده ونؤمن به ونتوكل عليه، وشهدت له بضمير مخلص مؤمن موقن، وفردته تفريد مؤمن متيقن، ووحدته توحيد عبد مذعن، ليس له شريك في ملكه، ولم يكن له ولي في صنعه، جل عن مشير ووزير، وتنزه عن مثل ونظير.علم فستر، وبطن فخبر، وملك فقهر، وعصي فغفر، وحكم فعدل. لم يزل ولن يزول وليس كمثله شيء، وهو قبل كل شيء وبعد كل شيء، رب متفرد بعزته، متملك بقوته، متقدس بعلوه، متكبر بسموه؛ ليس يدركه بصر، ولم يحط به نظر، قوي منيع بصير سميع، علي حكيم، رؤوف رحيم. عجز عن وصفه من يصفه، وضل في نعته من يعرفه. قرب فبعد، وبعد فقرب، يجيب دعوة من يدعوه، ويرزق عبده ويحبوه، ذو لطف خفي، وبطش قوي؛ ورحمة موسعة، وعقوبة موجعة، رحمته جنة عريضة مونقة، وعقوبته جحيم موصدة موبقة. شهدت ببعث محمد عبده ورسوله، صفيه وحبيبه وخليله، بعثه خير عصر، وفي حين فترة وكفر، رحمة لعبيده، ومنة لمزيده، ختم به نبوته؛ وقوى به حجته، فوعظ ونصح، وبلغ وكدح، رؤوف بكل مؤمن، ولي سخي زكي رضي؛ عليه رحمة وتسليم، وبركة وتكريم، من رب غفور رحيم، قريب مجيب. وصيتكم معشر من حضرني بوصية ربكم، وذكرتكم بسنة نبيكم. فعليكم برهبة تسكن قلوبكم،

---

[1] مقامات الحریری:۴۹۵۔

وخشية تذري دموعكم، وتقية تنجيكم قبل يوم يذهلكم ويبليكم، يوم يفوز فيه من ثقل وزن حسنته، وخف وزن سيئته، ولتكن مسألتكم مسألة ذل وخضوع، وشكر وخشوع، بتوبة ونزوع وندم ورجوع. وليغتنم كل مغتنم منكم صحته قبل سقمه، وشبيبته قبل هرمه، وسعته قبل عدمه، وخلوته قبل شغله، وحضره قبل سفره، قبل هو يكبر ويهرم، ويمرض ويسقم، ويمله طبيبه، ويعرض عنه حبيبه، ويتغير عقله وينقطع عمره ثم قيل هو موعوك."[1]

فائدہ: یہ امام ابو المعالی عز الدین بن عبد الوہاب زنجانی صاحب "معیار النظر" کی اختراع ہے[2]۔

قاعدہ: حروف منقوطہ کو حروف معجمہ اور حروف غیر منقوطہ کو حروف مہملہ کہتے ہیں۔

قاعدہ: حروف معجمہ پندرہ ہیں، جو یہ ہیں: "ب، ت، ث، ج، خ، ذ، ز، ش، ض، ظ، غ، ف، ق، ن، ی" اور حروف مہملہ چودہ ہیں، جو یہ ہیں: "أ، ا، ح، د، ر، س، ص، ط، ع، ک، ل، م، و، ه"۔

فائدہ: اسماعیل بن عباد نے اہل بیت کی مدح میں ایک طویل قصیدہ (جو ستر ابیات پر مشتمل ہے) لکھا ہے جس میں حرف الف استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ پھر اس طرح قصیدوں کا ایک تسلسل شروع ہوا جس میں ہر ایک آدمی نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنے قصیدے میں حروف تہجی میں کوئی ایک حرف استعمال نہ کریں[3]۔

حذف کی چند مثالیں:

الحمد لله سامع الدعاء، وساطع اللألأء، وحاسم اللأواء، ومدمر الأعداء، وصلى الله على رسوله محمد أحمد الرسل أحكاما، وأعلاهم إعلاما، وأسعدهم طالعا، وأسماهم مطالعا. نعوذ برب قدير، من شر كل مصير، ونسأله عفو من رضى عنه، ومغفرة من قبل منه، فهو ولي مسألتي، ومنجح طلبتي، فمن زحزح عن تعذيب ربه سكن في جنته بقربه، وخلد في قصور مشيدة.

---

(١) انوار الربیع فی انواع البدیع: ٦/ ٢٧٤۔

(٢) انوار الربیع: ٦/ ٢٧٤۔

(٣) انوار الربیع: ٦/ ٢٧٧۔

بابِ سوم: مایتعلق بالتقدیم و التأخیر

یہ باب درج ذیل تین محسناتِ لفظیہ پر مشتمل ہے:۔

۱۔عکس و تبدیل ۲۔مالا یستحیل بالانعکاس ۳۔تصدیر (ردالعجز علی الصدر)

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔عکس و تبدیل کی تعریف[1]:

عکس لغت میں الٹنے پلٹنے کو کہتے ہیں، "عکس الکلام" کا معنی ہے: بات کو پلٹنا، متکلم کی مراد کے خلاف کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایک جزء کو دوسرے پر مقدم کرکے پھر اس کا عکس کر دیا جائے کہ جو جزء پہلے مؤخر تھا اس کو مقدم کیا جائے اور مقدم تھا اسے مؤخر کیا جائے، یعنی کلام کے دو جزؤں کو اس طور پر مکرر ذکر کرنا کہ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جائے، الغرض اجزائے کلام کو بالکل پلٹ دیا جائے۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

۱۔۔ ایک جملے کے دو طرفوں میں تقدیم و تاخیر ہو، یعنی جملہ کے احد الطرفین اور اس کے مضاف الیہ میں عکس واقع ہو، جیسے: "عَادَاتُ السَّادَاتِ سَادَاتُ العَادَاتِ" وغیرہ۔ اس میں "عادات" احد الطرفین ہے اور "سادات" اس کے لیے مضاف الیہ ہے، پھر ان میں "سادات" کو "عادات" پر مقدم کرکے اس کا عکس کر دیا گیا ہے۔

۲۔۔۔دو جملوں کے دو متعلقوں میں تقدیم و تاخیر ہو، جیسے: ﴿وَتُخْرِجُ الحَيَّ مِنَ المَيِّتِ، وَتُخْرِجُ المَيِّتَ مِنَ الحَيِّ﴾ [آل عمران:۲۷]۔ اس آیت میں "وَتُخْرِجُ الحَيَّ مِنَ المَيِّتِ" ایک جملہ ہے اور " وَتُخْرِجُ المَيِّتَ مِنَ الحَيِّ " دوسرا جملہ ہے، جملہ اولی میں "تُخْرِجُ" فعل کا متعلق "مِنَ المَيِّتِ " ہے اور جملہ ثانیہ میں "تُخْرِجُ" فعل کا متعلق "مِنَ الحَيِّ " ہے یہ دونوں الگ الگ متعلق ہیں، لیکن جملہ اولی میں "مِنَ المَيِّتِ " متعلق کو مقدم کیا گیا ہے اور جملہ ثانیہ میں مؤخر کر دیا گیا ہے۔

۲۔۔۔دو جملوں کے طرفین سے مناسبت رکھنے والے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو، جیسے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ، وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [البقرۃ:۱۸۷] اس آیت میں پہلے غائب کی ضمیر ہے اس کے بعد مخاطب کی ضمیر ہے پھر مخاطب کی ضمیر اور اس کے بعد غائب کی ضمیر ہے۔

عکس و تبدیل کی چند مثالیں:

---

[1] البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۴۴۰.

كَلامُ المُلُوْكِ مُلُوْكُ الكَلامِ، لاخَيْرَ فِيْ السَّرَفِ ولاسَرَفَ فِيْ الخَيْرِ، تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ، وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ، لاهُنَّ حِلٌّ لَهُمْ، وَلاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ، كَلاَمُ الأَمِيرِ أَمِيرُ الكلام. مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّن شَيْءٍ، وَطَعَامُ الذين أُوتُواْ الكتاب حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ، جار الدار أحق بدار الجار، شيم الأحرار أحرار الشيم، كتب الأحباب أحباب الكتب. اشكر لمن أنعم عليك، وانعم على من شكرك. إن من خوفك حتى تلقى الأمن خير ممن آمنك حتى تلقى الخوف. إذا لم يكن ما تريد فأرد ما يكون. أجد ما لا اشتهي، وأشتهي ما لا أجد، وأنا في زمان سوء، من وجد لم يجد، ومن جاد لم يجد.

۲۔۔۔مالا یَسْتَحِیل بالانعِکاس کی تعریف:

اس کو قلب اور عکس لفظی بھی کہتے ہیں، اس کی تعریف یہ ہے کہ کلمہ یاکلام کو اوّل سے آخر تک پڑھنا اور آخر سے اول کی طرف پڑھنا یکساں ہو کہ لفظ و معنیٰ میں کوئی فرق نہ آئے، یعنی اگر اُسے اُلٹا پڑھا جائے تو بھی بعینہٖ ویسا ہی کلام رہے، جیسے:﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ﴾ [یٰس: ۴۰]،﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾[المدثر:۳]اس کو قلب بھی کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر:مالا یستحیل بالانعکاس کو قلب، مقلوب مستوی، مقلوب الکل اور عکس لفظی بھی کہتے ہیں[۱]۔

قاعدہ نمبر: قلب کی اس صناعت میں معکوس حالت میں مقصور کا ممدود ہو جانا، اور ممدود کا مقصور ہو جانا نقصان دہ نہیں۔ اسی طرح مشدد کا مخفف ہو جانا، اور مخفف کا مشدد ہو جانا؛ ہمزہ کا الف ہو جانا یا الف کا ہمزہ ہو جانا؛ اسی طرح بعض حرکات وسکنات میں تبدیلی کا ہو جانا نقصان دہ نہیں ہوتا[۲]۔

قلب کی مثال شعر میں جیسے :

مَوَدَّتُه تَدُوْمُ لِكُلِّ هَوْل وَهَلْ كُلُّ مَوَدَّتُه تَدُوْمُ

اس شعر میں قلب مجموعی طور پر موجود ہے، یعنی اگر ثانی مصرعہ کے آخری حرف میں قلب کیا جائے تو بعینہ پہلا کلام بن جائے گا[۳]۔

---

[۱] انوارالربیع فی انواع البدیع:۴۲۰۔

[۲] عروس الافراح:۲/۳۰۵۔

[۳] عام کتابوں میں اس کے مثال میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

سَرِيعٌ إِلى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ وَلَيْسَ إِلى دَاعِي النَّدَى بسَرِيع

قاعدہ نمبر: بعض اوقات قلب دو مصرعوں میں ہوگا، جیسے "أرانَا الإلٰهُ - هِلاَلاً أَنَارَا" (اللہ چاند کو روشن کرے جس نے نور پھیلا دیا) یہاں دونوں مصرعوں میں قلب ہے پہلے مصرعہ کا عکس دوسرا ہے اور دوسرے کا عکس پہلا ہے۔
قاعدہ نمبر: کبھی قلب مفرد میں بھی ہوتا ہے، جیسے "سلس، باب، ساس، کعك، کوك" وغیرہ۔ ان کو دونوں جانبوں سے دیکھا جائے تو وہی لفظ بنتا ہے جو پہلے تھا۔
مالا یستحیل نالانعکاس کی چند مثالیں:

كَبِّر رجاءَ أجر ربك- جار الدار أحق بدار الجار. القتل أنفى للقتل، ساكب كاس، ارض خضرا، رمح أحمر، كن كما أمكنك سائل اللئيم يرجع ودمعه سائل «الحيلة ترك الحيلة» طلب ملكهم فسلب ما طلب، ونهب ما لهم فوهب ما نهب. سِهام الموت وهي له سهام شيم الأحرار أحرار الشيم. كتب الأحباب أحباب الكتب. اشكر لمن أنعم عليك، وانعم على من شكرك. لا تحقرن المال فالعين للإنسان كالإنسان للعين. يقال لصاحب القرآن يوم القيامة اقرأ وارقا. أبدا لا تدوم إلا مودة الأدباء. سور حماة بربها محروس. كن كما أمكنك. كبرت آيات ربك. مودتي يحيي تدوم. حوت فمه مفتوح. عقرب تحت برقع. أمحمد دم حما.

۳۔۔۔تَصْدِیْر (ردالعجز علی الصدر) کی تعریف[1]:

"تصدیر" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: آگے بڑھانا، پیش کرنا۔ "صدر الکتاب" کا معنی ہے کتاب کا پیشِ لفظ لکھنا اور "صدر الفرس" کا معنی ہے ایک گھوڑے کا دوسرے گھوڑوں سے آگے نکل جانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام نثر میں دو مکرر یا متجانس یا ملحق بالمتجانسین میں سے ایک لفظ کو فقرے کے شروع

ترجمہ: میرا چچازاد بھائی اپنے چچازاد بھائی کے چہرے (یعنی میرے چہرے) پر طمانچہ مارنے میں تو بہت تیز ہے، لیکن جو چیز فیاضی کا باعث ہوتی ہے اس میں تیز نہیں ہے۔
اس شعر میں مکرر لفظ "سریع" ایک بیت کے آخر میں ہے اور دوسرا مصرعہ اولی کی ابتداء میں ہے۔

[1] هذا النوع سماه بعضهم بالتصدير، والأول أولى، لأنه مطابق لمسماه، وخير الأسماء ما طابق المسمى. أول من تكلم عن هذا الفن البديعي اللفظي عبد الله بن المعتز، فقد عده في كتابه أحد فنون البديع الخمسة الكبرى، وسماه «رد أعجاز الكلام على ما تقدمها»، وقسمه ثلاثة أقسام ومثل له نثرا وشعرا للدلالة على أنه يرد في الكلام بنوعيه. (أنوار الربيع في أنواع البديع:۱۸۸، علم البديع:۲۲٤)

میں اور دوسرے کو فقرے کے آخر میں لانا۔اس کو ردالعجز اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کلام منثور یا منظوم میں فقرہ اور پچھلے حصے کو پہلے لایا جاتا ہے، جیسے ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ﴾[الأحزاب:۳۷]﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الوَهَّابُ﴾[آل عمران:۸]۔اول الذکر آیتِ کریمہ کی ابتداء ﴿تَخْشٰى﴾ سے ہے اور ختم بھی ﴿تَخْشٰى﴾ پر ہی ہے،یعنی اس میں دو مکرر لفظ(تَخْشَى، تَخْشٰهُ) ہیں اور یہ لفظ و معنی دونوں میں متفق ہیں۔اور ثانی الذکر آیت کی ابتداء﴿ وَهَبْ﴾سے ہے اور ختم بھی﴿الوَهَّابُ﴾پر ہی ہے اور یہ دونوں لفظ بھی لفظ و معنی میں متفق ہیں۔

ردالعجز کلام منثور اور کلام منظوم دونوں میں پایا جاتا ہے،کلامِ منثور میں دو مکررین، یا متجانسین یا متشابہین یا شبہ متشابہین میں آخر میں مذکور فقرہ کو لانے کو ردالعجز کہتے ہیں۔اس کی چار صورتیں بنتی ہیں:۔

۱۔مکررین کے درمیان ردالعجز ہو۔ ۲۔ متجانسین کے درمیان ردالعجز ہو۔ ۳۔ ملحقین بالمتجانسین مشتقین کے درمیان ردالعجز ہو۔ ۴۔شبہ الاشتقاق ملحق بالمتجانسین کے درمیان ردالعجز ہو۔

۱۔۔ مکررین کے درمیان ردالعجز ہو،یعنی مکررین میں سے ایک فقرہ کے اول میں ہو اور دوسرا فقرہ کے آخر میں ہو،جیسے قرآن مجید میں ہے-﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ﴾ [الأحزاب:۳۷] اس میں "تَخْشَى"مکرر ہے کہ دونوں جگہوں پر اس کا معنی ایک ہے ایک فقرہ کے شروع میں ہے جب کہ دوسرا فقرہ کے آخر میں ہے۔۔

۲۔۔ متجانسین کے درمیان ردالعجز ہو،جیسے"سَائِلُ" اللَّئِيْمِ يَرْجِعُ وَدَمْعُهُ سَائِلٌ" اس میں "سَائِلٌ"مکرر ہے کہ ایک فقرہ کے آخر میں ہے جب کہ دوسرا فقرہ کے شروع میں ہے اور یہ دونوں متجانسین ہیں کہ الفاظ متحد ہیں، لیکن ان کے معنی میں اتحاد نہیں ہے کہ اول "سَائِلٌ" کے معنی بھکاری ہے اور ثانی "سَائِلٌ" کے معنی بہنا ہے۔

۳۔۔۔ ملحقین بالمتجانسین مشتقین کے درمیان ردالعجز ہو،یعنی جن دونوں لفظوں کا ماخذِ اِشتقاق ایک ہو، اُن میں سے لفظِ اول کلام کی ابتداء میں ہو اور لفظِ ثانی کلام کے آخر میں ہو، جیسے :﴿فَقُلْتُ: "اسْتَغْفِرُوْا" رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ "غَفَّارًا"﴾ [نوح:۱۰] یہاں﴿اِسْتَغْفِرُوْا﴾ اور ﴿غَفَّارًا﴾ دونوں نہ مکرر ہیں اور نہ ہی متجانسین ہیں؛ بلکہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمتجانسین ہیں۔

۴۔۔۔ شبہ الاشتقاق ملحق بالمتجانسین کے درمیان ردالعجز ہو۔یعنی جن دو لفظوں کا مَاخذِ اشتقاق ایک جیسا معلوم ہوتا ہو، لیکن حقیقت میں الگ الگ ہوں ، جیسے: ﴿"قَالَ" إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ "الْقَالِيْنَ"﴾[الشعراء:۱۶۸] یہاں

﴿قَالَ﴾ "قول" سے فعل ماضی ہے اور ﴿قَالِيْنَ﴾ "قلی" سے اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ ہے جو حالتِ جری میں ہے اور ان دونوں کا استعمال دو آیت کے طرفوں میں ہوا ہے۔ بظاہر ان دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں کا مادہ اشتقاق الگ الگ ہے، چنانچہ پہلا "قول" اجوف واوی (کہنا) سے اور دوسرا "قلی" ناقص یائی (برا سمجھنا، ناپسند کرنا) سے مشتق ہے۔

اگر ردالعجز علی الصدر کلام منظوم میں ہو تو اس کی بھی یہی تعریف ہے کہ شعر کے آخری لفظ کو پہلے لانا، پھر اس کی چار صورتیں ہیں:۔ ا۔ آخری لفظ پہلے مصرعے کے شروع میں ہوگا۔ ۲۔ آخری لفظ پہلے مصرعے کے درمیان میں ہوگا۔ ۳۔ آخری لفظ پہلے مصرعے کے آخر میں ہوگا۔ ۴۔ آخری لفظ دوسرے مصرعے کے شروع میں ہوگا۔ اب ان چار صورتوں کو سابقہ چار صورتوں کیساتھ ضرب دینے سے سولہ صورتیں بن جائیں گی، مثلاً: چار صورتیں مکررین کی، چار صورتیں متجانسین کی، چار صورتیں ملحق بالمتجانسین کی اور چار صورتیں شبہ ملحق بالمتجانسین کی ہیں۔ صاحبِ تلخیص المفتاح نے تیرہ صورتوں کی مثالیں ذکر کی ہیں [1] اور آخری چار صورتوں میں سے صرف ایک صورت کی مثال ذکر کی ہے باقی تین صورتوں کی مثالیں ذکر نہیں کیں، تاہم ذیل میں تمام صورتوں کی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:۔

(الف)۔۔۔ مکررین کی چار صورتوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:۔

ا۔۔۔ مکررین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے مغیرہ بن عبد اللہ کا یہ شعر ہے۔

سَرِيعٌ إلى ابْنِ الْعَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ　　　وَلَيْسَ إلى دَاعِي النَّدَى بسَرِيعِ

ترجمہ: میرا چچازاد بھائی اپنے چچازاد بھائی کے چہرے (یعنی میرے چہرے) پر طمانچہ مارنے میں تو بہت تیز ہے، لیکن جو چیز فیاضی کا باعث ہوتی ہے اس میں تیز نہیں ہے۔

اس شعر میں مکرر لفظ "سریع" ایک بیت کے آخر میں ہے اور دوسرا مصرعہ اولی کی شروع میں ہے۔

۲۔۔۔ مکررین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے درمیان میں ہو، جیسے صمہ ابن عبد اللہ قشیری کا یہ شعر ہے۔

تمَتعْ مِنْ شِميم عَرَارِ نجْدٍ　　　فَمَا بَعْدَ العَشِيَّةِ من عَرَارِ

ترجمہ: سرزمین نجد کے عرار نامی پھول کی خوشبو سونگھنے سے لطف اندوز رہو کیونکہ شام کے بعد کوئی عرار نامی پھول نہیں ہوگا۔ یعنی شام ڈھلنے تک ہم نجد کے علاقے سے نکل جائیں اس لیے دن ہی دن میں اس کی خوشبو سونگھتے ہوئے مستفید ہو جاؤ۔

اس شعر میں "عرار" مکرر ہے جو پہلے مصرعے کے درمیان میں ہے اور دونوں جگہوں میں اس کا معنی ایک ہے۔

---

(۱) تلخیص المفتاح: ۳۹۲۔

۳۔۔۔مکررین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے آخر میں ہو، جیسے ابو تمام کا یہ شعر ہے۔

وَمَنْ كَانَ بِالبِيضِ الكواعِبِ مُغْرَماً　　　فَما زِلْتُ بِالبِيضِ القَوَاضِبِ مُغْرَمَاَ

ترجمہ: اگر کوئی سفید رنگ کی خوبصورت ابھرے ہوئے چھاتیوں والی دوشیزہ لڑکیوں پر عاشق ہو تو کوئی بات نہیں اس لیے کہ میں تو ہمیشہ سے سفید کاٹنے والی تلواروں کا عاشق رہا ہوں۔

اس میں شعر میں "مغرم" مکرر ہے جو پہلے مصرعے کے آخر میں ہے اور دوسرے مصرعے کے بھی آخر میں ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے۔

۴۔۔۔مکررین میں سے آخری لفظ دوسرے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے ذی الرمہ کا شعر ہے۔

أَلِمَّا عَلَى الدَّارِ الَّتِي لَوْ وَجَدْتُهَا　　　بِهَا أَهْلُهَا مَا كَانَ وَحْشاً مَقِيلُهَا

وَإِنّ لَمْ يَكُنْ إلاَّ مُعَرَّجَ سَاعَةٍ　　　قَلِيلاً فإِنِّي نَافِعُ لي قَلِيلُهَا

ترجمہ: تم اس گھر میں اتر جاؤ کہ اگر میں اس گھر میں اس کے باشندوں کو پالیتا تو دوپہر کے وقت اس میں میرے لیے ٹھہرنا وحشت کا باعث نہ ہوتا، اگرچہ اس کا اترنا تھوڑی سی دیر کے لیے ہو تو اس تھوڑی سی دیر کے لیے اترنا بھی میرے مفید ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری محبوبہ زیادہ دیر کے لیے میرے ہاں نہیں ٹھہر سکتی ہے تو نہ ٹھہرے کوئی بات نہیں! تھوڑی دیر کے لیے ہی ٹھہر جائے اس سے میرے عشق کی جلن اور تڑپ کے لیے فائدہ پہنچ جائے گا۔ اس شعر میں "قلیل" مکرر ہے اور دونوں جگہوں میں ایک ہی معنی ہے۔

(ب)۔۔۔متجانسین کی چار صورتوں کی مثالیں درج ذیل ہیں (۱):۔

۱۔۔۔متجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے قاضی ارجانی کا یہ شعر ہے۔

دَعَانِي مِنْ مَلامِكُمَا سَفَاهاً　　　فَدَاعِي الشَّوْقِ قَبْلَكُما دَعَانِي

ترجمہ: تم بے وقوف سمجھتے ہوئے مجھے ملامت کرنا چھوڑ دو اس لیے کہ مجھے جمال یار کے دیکھنے کے شوق نے تم سے پہلے بلایا ہے۔

اس شعر میں "دعانی" مکرر ہے جو پہلے مصرعے کے شروع میں ہے اور دونوں جگہوں میں ان کے معنی میں فرق ہے، پہلے "دعانی" کا معنی "چھوڑ دو" کے ہے اور ثانی "دعانی"، "بلانے" کے معنی میں ہے۔

۲۔۔۔متجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے درمیان میں ہو، جیسے ثعالبی کا شعر یہ ہے۔

---

(۱) مختصر المعانی: ۲/۲۸۳۔

وإِذَا الْبَلاَبِلُ أَفْصَحَتْ بِلُغَاتِهَا   فَانْفِ الْبَلاَبِلَ باحْتِسَاءِ بَلاَبِلِ

ترجمہ: جب بلبلیں فصاحت کیساتھ چہچہانے لگ جائیں تو تم شراب کا کوزہ نوش کر کے غم دور کرو۔

اس شعر میں "بَلاَبِلُ "متجانسین میں سے ہے اور مکرر ہے جو پہلے مصرعے کے درمیان میں ہے اور دوسرا متجانس دوسرے مصرعے کے آخر میں ہے اور دونوں جگہوں میں اس کا معنی مختلف ہے، پہلے "بَلاَبِلُ "، "بلبل" کی جمع ہے یہ ایک مشہور پرندہ ہے اور دوسرا "بَلاَبِلُ "، "بلبلۃ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے: شراب کا لوٹا۔

۳۔۔۔ متجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے آخر میں ہو، جیسے اہل بصرہ کے متعلق حریری کا یہ شعر ہے۔

فَمَشْغُوفٌ بآياتِ الْمَثَانِي   ومَفْتُونٌ بِرَنَّاتِ الْمَثَانِي

ترجمہ: اہل بصرہ میں کچھ لوگ قرآنی آیات پر عاشق ہیں اور کچھ باجوں کے ساز کے سروں پر فریفتہ ہیں۔

اس شعر میں "مثانی "متجانس مکرر پہلے مصرعے کے آخر میں ہے اور دوسرے کے بھی آخر میں ہے، دونوں جگہوں میں اس کے معانی الگ الگ ہیں، پہلی جگہ "مثانی "کا معنی قرآن ہے اور دوسری جگہ "مثانی "کا معنی باجے اور ستار کے ہیں

۴۔۔۔ متجانسین میں سے آخری لفظ دوسرے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے قاضی ارجانی کا یہ شعر ہے۔

أَمَّلْتُهُمْ ثُمَّ تَأَمَّلْتُهُمْ   فَلاَحَ لي أنْ لَيْسَ فِيهِمْ فَلاَحْ

ترجمہ: میں نے ان سے امید کی پھر میں نے ان میں غور کیا تو مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان میں کامیابی نہیں ہے۔

اس شعر میں "فلاح "متجانس مکرر ہے جو دوسرے مصرعے کے شروع میں ہے اور دونوں جگہوں پر ان کے معنی مختلف ہیں، پہلے لفظ "فلاح "کا معنی ظاہر ہونے کے ہیں اور دوسرے "فلاح "کا معنی کامیابی کے ہیں۔

(ج)۔۔۔ ملحق بالمتجانسین کی چار صورتوں کی مثالیں درج ذیل ہیں[1]:۔

۱۔۔۔ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے بحتری کا یہ شعر ہے۔

ضَرَائِبُ أَبْدَعْتَهَا فِي السَّمَاحْ   فَلَسْنا نَرَى لَكَ فِيها ضَرِيبا

ترجمہ: تونے سخاوت کے باب میں کچھ ایسی طبیعتیں ایجاد کی ہیں کہ ہم ان میں تیرا کوئی مثل نہیں دیکھتے ہیں!

اس شعر میں "ضَرَائِبُ "جہت اشتقاق کے اعتبار سے متجانسین کیساتھ ملحق ہے اور یہ پہلے مصرعے کے شروع میں ہے اور دوسرے مصرعے کے آخر میں ہے اور دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہی ہے۔

۲۔۔۔ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے درمیان میں ہو، جیسے امرؤالقیس کا یہ شعر ہے۔

إذا المَرْءُ لم يَخزُنْ عَلَيهِ لِسَانَهُ   فَلَيْسَ على شَيْءٍ سِوَاهُ بخَزّانِ

---

[1] مختصر المعانی: ۲/ ۲۸۴۔

ترجمہ: جب آدمی اپنی زبان کی حفاظت نہ کرسکے تو وہ اس کے علاوہ سے اپنی حفاظت بطریق اولی نہیں کرسکتا ہے۔
اس شعر میں "لم یخزن" اور "خزان" اشتقاق کے اعتبار سے ملحق بالمتجانسین ہیں اوران دونوں کاماخذ اشتقاق "حزن" ایک ہے۔
۳۔۔۔ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے آخر میں ہو، جیسے ابن عیینہ مہلبی کا یہ شعر ہے۔

فَدَعِ الْوَعِيدَ فَمَا وَعِيدُكَ ضَائِرِي أَطَنِينُ أَجْنِحَةِ الذُّبَابِ يَضِيرُ

ترجمہ: تم دھمکی دینا چھوڑ دو اس لیے کہ تمہاری دھمکی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے کیا مکھی کے پروں کی بھنبھناہٹ کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔
اس شعر میں "ضائری" اور "یضیر" ملحق بالمتجانسین ہے دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہے جو "ضیر" ہے جس کا معنی ہے ضرور پہنچانا۔
۴۔۔۔ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ دوسرے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے ابو تمام کا شعر ہے جو انہوں نے محمد بن نہشل کے مرثیہ میں کہا تھا۔

وَقَدْ كَانَتِ الْبِيضُ الْقَوَاضِبُ في الوغَى بَوَاتِرَ وهْيَ الآنَ مِنْ بَعْدِهِ بُتْرُ

ترجمہ: یقیناً سفید کاٹنے والی تلواریں لڑائیوں میں استعمال کرنے والے کی وجہ سے اچھی تھیں، لیکن وہ ابھی ان کے بعد بیکار ہیں، کیونکہ ان کا استعمال کرنے والا نہیں رہا تو ویسے ہی بیکار پڑے پڑے بیکار ہوگئی ہیں۔
اس شعر میں "بواتر" اور "بتر" ملحق بالمتجانسین ہیں، کیونکہ دونوں کا مشتق منہ ایک "بتر" ہے اس میں لفظ مکرر دوسرے مصرعے کے شروع میں ہے۔
(ہ)۔۔۔ شبہ ملحق بالمتجانسین کی چار صورتوں کی مثالیں درج ذیل ہیں[1]:۔
ا۔۔۔ شبہ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے حریری کا شعر ہے۔

ولاحَ يلْحَى على جرّي العِنانَ الى ملْهًى فسُحْقاً لهُ من لائِحٍ لاحِ

اس شعر میں "لَاحَ" اور "لاحِ" شبہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمتجانسین ہیں، اس میں "لاح" واحد مذکر غائب فعل ماضی کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں: ظاہر ہونے والا اور دوسرا "لاحی"، "لحاہ" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی ملامت کرنا اوران دونوں کا مشتق منہ جدا جدا ہے۔
۲۔۔۔ شبہ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے درمیان میں ہو، جیسے ابو العلاء کا یہ شعر ہے۔

---

[1] عروس الافراح: ۲/۲۹۸، البلاغۃ العربیۃ: ۲/۵۱۶۔

لَوِ اخْتَصَرْ تُمْ مِنَ الإِحْسَانِ زُرْتُكُمُ　　　والْعَذْبُ يُهْجَرُ لِلإِفْرَاطِ فِي الْخَصَرِ

ترجمہ: اگر تم احسان کرنا چھوڑ دو تو میں تمہاری ملاقات کرتا اس لیے کہ زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے میٹھے پانی کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس شعر میں "اخْتَصَرْ تُمْ" اور "الخَصَرِ" شبہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمتجانسین ہیں ان میں ایک کو پہلے مصرعہ کے درمیان میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ شبہ اشتقاق کے ملحق ہونے کے اعتبار سے ہیں کہ ان کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا مشتق منہ ایک ہے جب کہ حقیقت میں ان کا مشتق منہ ایک نہیں ہے، بلکہ "اخْتَصَرْ تُمْ" باب افتعال "اختصار" سے مشتق ہے اور "الخَصَرِ" اسم جامد ہے اس کے معانی ہیں: ٹھنڈا پانی۔۔

۳۔۔شبہ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ پہلے مصرعے کے آخر میں ہو، جیسے حریری کا شعر ہے۔

ومُضْطَلِعٌ بتلْخيصِ المعاني　　　ومُطّلِعٌ الى تخْليصِ عانِ

اس شعر میں "المعاني" اور "عانِ" شبہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمتجانسین ہیں، کہ ان کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا مشتق منہ ایک ہے جب کہ حقیقت میں ان کا مشتق منہ ایک نہیں ہے، بلکہ ان میں "معانی"، "عنی یعنی" سے مشتق بمعنی مفہوم و مدلول ہے اور "عان"، "عنایعنوا" سے مشتق ہے، اس کے معانی ہیں: قیدی آزاد کرنا۔

۴۔۔شبہ ملحق بالمتجانسین میں سے آخری لفظ دوسرے مصرعے کے شروع میں ہو، جیسے شعر ہے۔

لعمري لقد كان الثريا مكانه　　　ثراء فأضحى الآن مثواه في الثرى

اس شعر میں "ثراء" اور "الثری" شبہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بالمتجانسین ہیں، کہ ان کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا مشتق منہ ایک ہے جب کہ حقیقت میں ان کا مشتق منہ ایک نہیں ہے، بلکہ ان میں "ثراء"، "ثریٰ یثروا" سے ناقص واوی ہے جس کے معانی ہیں: کثرت و فراوانی۔ اور جب کہ "الثری" ناقص یائی ہے جس کے معانی ہیں: مٹی۔

قاعدہ نمبر ۱: دو مکرر الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنی دونوں میں متفق ہوں، جیسے: ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيْهِ وَ "تَخْشَى النَّاسَ" وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ "تَخْشٰهُ"﴾[الأحزاب:۳۷].

قاعدہ نمبر ۲: متجانس الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو صرف لفظوں میں مشابہ ہوں معنی میں مشابہ نہ ہوں، جیسے: "سَائِلُ" اللَّئِيْمِ يَرْجِعُ وَ دَمْعُهُ "سَائِلٌ" کمینے شخص سے کسی چیز کا سوال کرنے والا اس حال میں لوٹے گا کہ اس

کے آنسو بہہ رہے ہوں گے۔ اور ملحق بالمتجانسین سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنیٰ میں مختلف ہوں، لیکن دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو، جیسے: ﴿فَـ"أَقِمْ" وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ "الْقَيِّمِ"﴾[الروم:۱۲][1]۔

ردعلی العجز کی چند مثالیں:

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ. لا تَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ كَذِباً فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذابٍ وَقَدْ خابَ مَنِ افْتَرى. انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنا بَعْضَهُمْ عَلى بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا، وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ ما كانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُنَ. من مقت نفسه فقد آمنه الله من مقته. القتل أنفى للقتل. الحيلة ترك الحيلة. طلب ملكهم فسلب ما طلب، ونهب ما لهم فوهب ما نهب.

و منه:

إذا لم تستطع شيئا فدعه   وجاوزه إلى ما تستطيع

و منه:

أمّا القبور فإنهن أوانس   بجوار قبرك والديار قبور

و منه:

تمنّت سليمى أن أموت صبابة   وأهون شيء عندنا ما تمنّت

و منه:

وما إن شبت من كبر ولكن ... لقيت من الأحبّة ما أشابا

و منه:

زرت الديار عن الأحبة سائلا ... ورجعت ذا أسف ودمع سائل

و منه:

ونزلت في ظل الأراكة قائلا ... والربع أخرس عن جواب القائل

و منه:

يقول لي انتظر زمنا ومن لي ... بأن الموت ينتظر انتظاري

و منه:

ولكنني في ذا الزمان وأهله ... غريب وأفعالي لديه غرائب

---

[1] انوار الربیع:۱۸۸۔

بابِ چہارم: مایتعلق باختتامِ الفِقرۃ

یہ باب درج ذیل چار محسناتِ لفظیہ پر مشتمل ہے:۔
۱۔ سجع ۲۔ لزوم مالا یلزم ۳۔ مماثلت ۴۔ تشریع
مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔سجع کی تعریف:

"سجع" لغت میں خوش الحان پرندوں کے چہچہاہٹ کو کہتے ہیں، یہ "سجع الحمام" (کبوتر غٹر غوں) سے ماخوذ ہے اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع دو فاصلے کلام کے آخر میں ایک حرف پر جمع ہوں، یعنی کلامِ منثور کے دو یا چند فاصلوں کا حرفِ آخر میں یکساں اور موافق ہو، خواہ یہ یکسانیت ایک ہی حرف کے اعتبار سے ہو، یا دو قریب المخرج حروف کے اعتبار سے ہو، جیسے: ﴿وَالطُّوْرِ* وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ* فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ* وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ **[الطور:۴-۱]** ﴿قٓ* وَالْقُرْاٰنِ "الْمَجِيْدِ"* بَلْ عَجِبُوْٓا أَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ "عَجِيْبٌ"﴾ **[قٓ:۱-۲]** اول الذکر آیات کے تمام جملوں کے آخر میں حرفِ "ر" ہے۔ ثانی الذکر آیات میں دال اور باء قریب المخرج ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: علامہ سکاکیؒ اور خطیب قزوینیؒ کے نزدیک سجع کے لیے دو فاصلوں کے حرفِ آخر کا ایک ہونا ضروری ہے، جب کہ عام بلغاء کے نزدیک قریب المخارج حروف میں یکسانیت کا ہونا بھی سجع میں داخل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ﴿يُّرَادُ* إِلاَّ اخْتِلاَقٌ﴾ کی دو آیتوں میں ہے[1]۔

قاعدہ نمبر ۲: چند جملوں کے آخر میں واقع ہونے والا لفظی تناسب یا تو کلام اللہ میں ہوگا یا کلام الناس میں ہوگا، اگر کلام اللہ میں ہے تو اُس کو "فاصلہ" کہتے ہیں اور اگر کلام الناس میں ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کلامِ نثر میں ہوگا، یا کلامِ نظم میں ہوگا، اگر نثر میں ہے تو اُس کو "سجع" کہتے ہیں، اور نظم میں ہے تو اُس کو "قافیہ" کہتے ہیں؛ اور قافیہ کا سب سے پچھلا بار بار آنے والا حرف جس پر نظم و قصیدہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کو "رِوی" کہتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: دو فقروں (وہ جملے جو فاصلہ پر ختم ہوتے ہیں) کا معنوی طور پر مغائر ہونا سجع کے لیے ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر فقرۂ ثانیہ فقرۂ اولیٰ کے معنی میں ہوتے ہوئے معنوی طور پر تاکید پیدا کرتا ہو، یا فقرۂ اولیٰ کی وضاحت کرتا ہو تو یہ

---

(۱) البلاغۃ:۴۶۴۔

بھی سجع میں داخل ہے، ایسا کلام الٰہی میں وارد ہے اور محمود بھی ہے، کیونکہ یہ اطناب ہے اور اطناب بلاغت میں داخل ہے،ہاں ! بلا وجہ معانی کا تکرار مذموم ہے۔اطنابِ محمود کی مثال، جیسے قرآن مجید میں ہے: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ* مَلِكِ النَّاسِ* إِلٰهِ النَّاسِ﴾ [الناس:۲-۱] یہاں "رب، ملك ، إلٰه"کا ایک ہی معنی ہے، لیکن﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ میں باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ذکر ہے، ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ میں شان بادشاہت کا ذکر ہے اور ﴿إِلٰهِ النَّاسِ﴾میں اسی کے معبودِ برحق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سجع کی چند مثالیں:

وَعَجِبُوْآ أَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّاب** أَجَعَلَ... الْأٰلِهَةَ.... إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَاب* وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ...... إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ...* مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلاَّ اخْتِلاَق. اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ * وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ.

يقول العبد: مالي مالي، وإنما لك من مالِك يا بن آدم ما أكلت فأفنيتَ، أو أعطيت فأمضيتَ، أو لبست فأبليت. قال النبيﷺ: أيها الناس، أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام. وفي أقوال أصحابه -رضي الله عنهم وأرضاهم- ما جاء من قول عبد الله بن عباس في وصف أبي بكر -رضي الله عنه: "رحم الله أبا بكر، كان والله للقرآن تاليًا، وعن المنكر ناهيًا، وبذَنْبه عارفًا، ومِن الله خائفًا، وعن الشبهات زاجرًا، وبالمعروف آمرًا، وبالليل قائمًا، وبالنهار صائمًا، فاق أصحابه ورعًا وكَفافًا، وسادهم زُهدًا وعفافًا".

أيها الناس، اسمعوا وعوا، من عاش مات، ومن مات فات، وكل ما هو آت آت، ليل داج، ونهار ساج، وسماء ذات أبراج، وأرض ذات فجاج، ونجوم تزهر، وبحار تزخر.

سجع کی اقسام وانواع

سجع کی درج ذیل پانچ قسمیں ہیں:۔

۱۔سجعِ مُرَصَّع ۲۔ سجعِ مُتَوازِی ۳۔ سجعِ مُطَرَّف ۴۔سجعِ مُشطَّر ۵۔سجعِ مصَرع

۱۔۔۔سجع مُرصَّع کی تعریف(1):

---

(1) شعر کی تعریف:وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیاہو،یعنی موزون ومقفّی کلام کو شعر کہتے ہیں۔

۱۔۔۔وزنِ شعری:وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مقطع اور قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے، کل اوزانِ شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحویؒ نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امام اخفشؒ نے پیش کیا ہے۔

۲۔۔۔وزنِ عروضی : وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات وسکنات ہیں جو قواعد علمِ عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔وزنِ شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: ۱۔سبب(دو حروف)، ۲۔وتد(تین حروف کے مجموعہ) ۳۔فاصلہ(تین یاچار حرفوں کا مجموعہ)سے۔ ہر ایک کی بالترتیب مثالیں یہ ہیں:۔ ۱۔سبب، جیسے :لَكَ، هَبْ ۲۔وتِد، جیسے:نَعَمْ، مَاتَ ۳۔ فاصلہ، جیسے :سَكَنُوْا، قَتَلَهُمْ۔آنے والی مثال میں : ''نَعِيْمِنْ جَحِيْمِنْ ''وتدِ مجموع اور سببِ خفیف سے مرکب ہے۔

قاعدہ نمبر: سجع: کلامِ منثور میں دو فاصلوں کے آخرِ الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل(حرکت وسکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے:﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾[انفطار ۱۴-۱۳]۔

قاعدہ نمبر ۱:رِوِی:وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثالِ مذکور میں حرفِ ''میم'' روی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲:یادرہے کہ مطرف نام کی دو اصطلاحات ہیں ایک جناس غیر تام کی قسم ہے اور ایک سجع کی قسم ہے۔

قاعدہ نمبر ۳:وزنِ عروضی:وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے (آنے والی حرکات وسکنات ہیں جو قواعد علم عروض کے مطابق ہوں جس پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛وہ دس ہیں:۔

١- فَعُوْلُنْ، ٢- مَفَاعِيْلُنْ، ٣- مُفَاعَلَتُنْ ، ٤- فَاعِلَاتُنْ ، ٥- فَاعِلُنْ، ٦- فَاعِلَاتُنْ ، ٧- مُسْتَفْعِلُنْ ، ٨- مُتَفَاعِلُنْ ، ٩- مَفْعُوْلَاتُ ، ١٠- مُسْتَفْعِلُنْ.

قاعدہ نمبر ۴:وزنِ عروضی میں حرفِ مشدد کو دو حروف شمار کیے جاتے ہیں : پہلا ساکن دوسرا متحرک، اسی طرح حرفِ منوّن کو بھی دو حروف شمار کیے جاتے ہیں، نیز حرکت کو حرکت کے مقابل کیا جاتا ہے، اگرچہ کسرہ فتحہ کے مقابل کیوں نہ ہو، اور سکون سکون کے مقابل ہوتا ہے۔وزنِ عروضی تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے:اسباب، اوتاد اور فواصل۔

قاعدہ نمبر ۵:اگر دو فاصلے صرف وزن میں متفق ہوں قافیہ میں متفق نہ ہوں تو اس کو''موازنہ'' کہتے ہیں، جیسے:﴿وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ﴾[الغاشية:١٦-١٥]یہاں﴿مَصْفُوْفَةٌ﴾اور﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾دونوں وزن میں متفق ہیں کہ دونوں مفعول کے وزن پر ہے، لیکن قافیہ (حرف روی) پہلے میں فاء ہے اور دوسرے میں ثاء ہے)

"مرصع" بابِ تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لغوی ہیں: کسی شئی پر ہیرے جواہرات یا موتی وغیرہ جڑنا، جواہرات سے آراستہ
کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع مرصع وہ سجع ہے جس میں دو فقروں کے تمام الفاظ یا اکثر الفاظ کا وزن اور قافیہ دونوں کے اعتبار سے
ایک دوسرے کے موافق ہوں، یعنی جس میں دو فقروں (سجع دار جملوں) میں سے ہر ایک کے تمام یا اکثر الفاظ وزنِ عروضی اور قافیہ میں دوسرے فقرے جیسے ہوں، ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيمٍ* وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ [انفطار ۱۴-۱۳] ﴿إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ* ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ [الغاشية:۲۶-۲۵] پہلی آیت میں ﴿أبْرَار، لفي﴾ یہ وزن اور قافیہ میں "فُجْجَارْ، لفي" کی طرح ہے اور "نَعِيْمِنْ، جَحِيْمِنْ" کی طرح ہے اور دونوں کا قافیہ حرف "میم" پر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت کا قافیہ بھی حرفِ "میم" پر ہے۔ اور اسی طرح حریری کا قول ہے۔" فَهُوَ يَطْبَعُ الأَسْجَاعَ بِجَوَاهِرِ لَفْظِهْ، ويَقْرَعُ الأَسْمَاعَ بِزَوَاجِرِ وَعْظِهْ."(وہ مقفّی کلام اپنے الفاظ کی موتیوں کیساتھ ڈھال رہا تھا اور ڈرانے والے وعظ کیساتھ کانوں کو کھٹکھٹا رہا تھا) اس میں تمام اوزان وزن اور قافیہ دونوں میں ایک دوسرے کے مطابق ہیں، چنانچہ "یطبع" اور "یقرع" مطابق ہیں، "الاسجاع" اور "الاسماع" مطابق ہیں، "جواهر" اور "زواجر" مطابق ہیں اور "لفظه" اور "وعظه" مطابق ہیں[1]۔

سجع مرصع کی چند مثالیں:

إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ * ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ. وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا * فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا * فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا * فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا * فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا. اللّٰهُمَّ أعطِ منفقًا خلفًا، وأعط ممسكًا تلفا. إن بعد الكدر صفواً، وبعد المطر صحواً.

قاعدہ نمبر ۶: یاد رہے کہ جس طرح ایک شخص کے کلام میں سجع ہوا کرتا ہے اسی طرح دو شخصوں کے کلام میں بھی سجع ہوا کرتا ہے، جیسے آقائے مدنی ﷺ نے کسی کافر کے قاتل کے بارے میں دریافت فرمایا، تو صحابہ نے جواب دیا: "ابن الأكوع" -أي قتله ابن الأكوع-"، اس پر آپ ﷺ نے خوش خبری سنائی: "له سلبه أجمع" !دیکھئے صحابہ کے جواب اور آپ کے حکم، دونوں کے اخیر میں حرف روی عین ہے۔

[1] البلاغة العربية: ۲/ ۵۰۵۔

۲۔۔۔ سجع متوازی کی تعریف:

"متوازی"لفیف مفروق بابِ تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے،اس کے لغوی معنی ہیں: دو چیزوں کا برابر ہونا، مساوی ہونااور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع متوازی وہ سجع ہے جس کے صرف دو فاصلے وزن عروضی اور رَوِی میں متفق ہوں ،پھر اس کی تین صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔ سجع متوازی کی پہلی صورت یہ ہے کہ جس میں ایک فقرہ دوسرے فقرہ کیساتھ اقل الفاظ میں وزن اور قافیہ دونوں میں برابر ہو، جیسے﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ* وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ﴾[الغاشیۃ:۱۴-۱۳]یہاں صرف ﴿مَّرْفُوْعَةٌ﴾اور﴿مَّوْضُوْعَةٌ﴾ایک دوسرے کیساتھ وزن اور قافیہ میں برابر ہیں،باقی الفاظ ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں۔

۲۔۔۔ سجع متوازی کی دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فقرے صرف وزن میں مختلف ہوں،جیسے" والمُرسلات عرفاً فالعاصفات عصفاً"(المرسلات:۱-۲)یہاں"المُرسلات"اور"العاصفات"اوراسی طرح"عرفاً"اور "عصفاً"دونوں قافیہ میں برابر ہیں،لیکن صرف وزن میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۳۔۔۔ سجع متوازی کی تیسری صورت یہ ہے کہ صرف قافیہ میں اختلاف ہو،جیسے"حسدَ الناطق والصامت، وهلك الحاسد والشامت"۔یہاں تمام جملے وزن میں ایک دوسرے کے مطابق ہیں،چنانچہ"حصل"اور"ھلک"کاوزن ایک ہے،"ناطق"اور "حاسد"کاوزن ایک ہے اوراسی طرح"صامت"اور"شامت"کاوزن ایک ہے،لیکن قافیہ میں اکثر مختلف ہیں[1]۔

سجع متوازی کی چند مثالیں:

اللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ. الْحِقْدُ صَدَأُ الْقُلُوبْ، واللَّجَاجُ سَبَبُ الْحُروبْ. ارْتِفَاعُ الأَخْطَارْ باقْتِحَامِ الأَخْطَارْ. وقال أعرابي لرجُلٍ سأَلَ لَئيماً:"نَزَلْتَ بِوَادٍ غَيْرِ مَمْطُورْ، وَفِنَاءٍ غَيْرِ مَعْمُورْ، وَرَجُلٍ غَيْرِ مَيْسُورْ، فَأَقْدِمْ بِنَدَمْ، أو ارْتَحِلْ بِعَدَمْ. قال أعْرابِيّ:بَاكَرَنَا وَسْمِيّ، ثُمَّ خَلَفَهُ ولِيّ، فالأَرْضُ كَأَنَّهَا وَشْيٌ مَنْشُورْ، عَلَيْهِ لُؤْلُؤٌ مَنْثُورْ، ثُمَّ أَتَتْنَا غُيُومُ جَرَادْ، بِمَنَاجِلِ حَصَادْ، فَجَرَدَتِ الْبِلاَدْ، وَأَهْلَكَتِ الْعِبَادْ، فَسُبْحانَ مَنْ يُهْلِكُ الْقَوِيَّ الأَكُولْ، بالضَّعِيفِ الْمَأْكُولْ.

---

[1] البلاغۃ الصافیہ:۱۹۴۔

۳۔۔۔ سجع مُطرَّف کی تعریف:

"مطرف" بابِ تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: ایک طرف رکھنا، کنارہ بنانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع مطرف وہ سجع ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل (آخری کلمے) وزن عروضی میں مختلف ہوں، البتہ رَوِی (حرفِ آخر) میں متفق ہوں، جیسے: ﴿مَا لَكُمْ لاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا* وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ [نوح:۱۴-۱۳] یہاں ﴿وَقَاراً﴾ اور ﴿أَطْوَارًا﴾ کا وزنِ عروضی مختلف ہے، البتہ روِی (حرف اخیر) دونوں میں "راء" ہے۔

سجع مطرف کی چند مثالیں:

ألم نجعل الأرض مهاداً والجبال أوتاداً. هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا. الإِنْسَانُ بآدَابهْ لاَ بزِيِّهِ وَثِيَابِهْ.

۴۔۔۔ سجع مُشطَّر کی تعریف:

"مشطر" باب تفعیل سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اس کے لغوی ہیں: آدھا آدھا کرنا، دو حصے کرنا، ایک مصرعہ میں اپنی طرف سے دوسرا مصرعہ لگانا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع مشطر وہ سجع ہے جس میں ایک مصرعے کا قافیہ دوسرے مصرعے کے قافیہ کے خلاف ہو۔ یعنی دونوں مصرعے سجع میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ سجع کی یہ قسم صرف شعر کیساتھ خاص ہے، جیسے متنبی کا شعر ہے۔

تَدْبِيرُ مُعْتَصِمٍ: بِاللّٰهِ مُنْتَقِمٍ لِلّٰهِ مُرْتَغِبٍ. فِي اللّٰهِ مُرْتَقِبِ

ترجمہ: معتصم باللہ کی تدبیر جو صرف اللہ کے لیے انتقام لیتا ہے اس کی خوشنودی کے کاموں میں رغبت رکھتا ہے اور اسی کے ثواب کا منتظر ہے۔

اس شعر میں پہلے مصرعے کے آخر میں "میم" ہے اور دوسرے مصرعے کے آخر میں "ب" ہے۔

۵۔۔۔ سجع مصَّرع کی تعریف:

"مصرع" باب تفعیل سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: دو مصرعوں کے قافیے برابر کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع مصرع وہ سجع ہے جس میں مصرعِ اول کا قافیہ مصرعِ ثانی کے قافیہ کیساتھ مشابہ ہو۔ یعنی

جو وزن مصرع اول کے قافیہ کا ہو وہی وزن مصرع ثانی کے قافیہ کا بھی ہو، اور یہ اکثر قصیدوں کے اول میں ہو تا ہے، سجع کی یہ قسم بھی صرف اشعار میں پائی جاتی ہے، جیسے امرؤ القیس کا شعر ہے۔

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ ومَنْزِلِ   بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

ترجمہ: اے دوستو! ذرا ٹھہر و تاکہ ہم محبوبہ اور اس کے گھر کی یاد میں رولیں جو ریت کے ٹیلہ کے آخر پر مقام دخول اور مقام حومل میں واقع ہے۔

اس شعر میں مصرع اول کے قافیہ "مَنْزِلِ" اور مصرعِ ثانی کے قافیہ "حَوْمَلِ" کا وزن ایک ہے۔

سجع کی اقسام وانواع

سجع کی طول وقصر کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ سجعِ قصیر ۲۔ سجعِ طویل

۱۔۔۔۔سَجعِ قَصِیر کی تعریف:

"قصیر" لغت میں "قصر الشئ" سے ماخوذ ہے اس کے لغوی معنی ہیں: لمبائی میں چھوٹا ہونا، کوتاہ ہونا، چھوٹے قد کا ہونا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجعِ قصیر وہ مسجع کلام ہے جس کی ترکیب میں کم از کم دو کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ دس کلمے ہوں، جیسے قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالمُرْسَلٰتِ عُرْفًا* فَالعٰصِفٰتِ عَصْفًا* والنّٰشِرٰتِ نَشْرًا* فَالفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ [المرسلات:۴-۱]﴿يٰأَيُّهَا المُدَّثِّرْ* قُمْ فَأَنْذِرْ* وَرَبَّك فَكَبِّرْ* وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ* وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [المدثر:۵-۱]﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى* مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰے* وَمَايَنْطِقُ عَنِ الهَوٰے*﴾[النجم:۳-۱][1]

۲۔۔۔۔سَجعِ طَوِیل کی تعریف:

"طویل" لغت میں "قصیر" کی ضد ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: لمبا، دراز، بڑا، بلند وغیرہ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سجع طویل وہ مسجع کلام ہے جس میں کم از کم گیارہ کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ بیس کلمے ہوں، جیسے: ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الإنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ، إِنَّهُ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ* وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ

---

[1] علوم البلاغۃ، البدیع، والبیان والمعانی:۱۰۹۔

لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ، إِنَّه لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ﴾[ھود:۱۰-۹]؛﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْه مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ* فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْه تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ [التوبۃ:۱۲۹-۱۲۸][1]

قاعدہ نمبر ۱: فقروں کی تساوی اور عدم تساوی کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہیں:

۱۔۔۔ سجع کے تمام فِقرے متساوی ہوں، جیسے: ﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ* وَطَلْحٍ مَنْضُوْدٍ* وَظِلٍّ مَمْدُوْدٍ﴾ [الواقعۃ:۲۸] ﴿فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَاتَقْهَرْ* وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَاتَنْهَرْ﴾ [الضحیٰ:۱۰-۹]۔

۲۔۔۔ سجع کا دوسرا فقرہ اعتدال کے ساتھ معمولی طول لیے ہوئے ہو، جیسے :﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى* مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى* وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى* إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُّوْحىٰ﴾[النجم:۴-۱]۔

۳۔۔۔ سجع کے پہلے دو فقرے برابر سرابر ہوں اور تیسرا فقرہ معمول طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ* ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ* ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾[الحاقۃ:۳۲-۳۰]۔

۴۔۔۔ سجع کا دوسرا فقرہ پہلے فقرے کے بالمقابل معمولی اختصار لیے ہوئے ہو، جیسے:﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ* أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ* وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ﴾[الفیل:۳-۱]۔

قاعدہ نمبر ۲: فقرہ اس جملے کو کہتے ہیں جو فاصلہ پر منتہی ہو اس کو "قرینہ" بھی کہتے ہیں؛ اور ہر فقرہ میں کم از کم دو الفاظ کا ہونا ضروری ہے، اور زیادہ سے زیادہ بیس الفاظ ہوتے ہیں، جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: سب سے بہترین سجع وہ ہے جس کے تمام فقرے مساوی ہوں، جیسے ایک اعرابی سے پوچھا گیا کہ آپ کے بھائیوں میں سے کون باقی رہا تو اس نے کہا" كلب نابح، وحمار رامح، وأخ فاضح." اور اسی طرح وہ سجع بھی احسن شمار کی جاتی ہے جس کے تمام کلمات مسجع ہوں اور ہر کلمہ میں سجع ہو، جیسے "إِنَّ إِلَيْنا إِيابَهُمْ* ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنا حِسابَهُمْ"(الغاشیۃ:۲۵-۲۶) اس کے تمام کلمات (إلينا- علينا، إيابهم- حسابهم). میں سجع ہے[2]۔

قاعدہ نمبر ۴: تمام اسجاع کا دارومدار قوافی کے آخر کو ساکن کرنے پر ہے کہ اگر آخر کو ساکن پڑھا جائے تو سجع برابر ہوگا ورنہ نہیں، جیسے "ما أبعد ما فات وما أقرب ما آت" اگر اس میں "فات" اور "آت" کو متحرک

---

(۱) علوم البلاغۃ، البدیع، والبیان والمعانی:۱۰۹۔

(۲) علوم البلاغہ، البدیع، البیان والمعانی:۱۱۱۔

پڑھا جائے تو سجع برابر نہیں سکتا ہے اس لیے کہ ”فات“ ماضی کا صیغہ ہے اور متحرک مفتوح ہے اور ”آت“ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور منون مکسور ہے[۱]۔

قاعدہ نمبر ۵: قرآن مجید میں مسجع مستعمل ہونے والے کلام کو سجع کہنے میں اختلاف ہے، بعض حضرات (جس میں علامہ باقلانی سر فہرست ہیں) کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سجع اصل لغت کے اعتبار سے کبوتر کی غٹر غوں اور دوسرے پرندوں کی آواز کو کہتے ہیں، اس لیے قرآنی آیات پر سجع کا اطلاق کرنے میں ایک قسم کی سوء ادبی ہے، اس لیے اس کو سجع کے بجائے فواصل کہنا بہتر ہے، کیونکہ فواصل میں بلاغت ہے اور سجع فی نفسہ عیب ہے اس لیے کہ فواصل معانی کے تابع ہوتے ہیں اور اسجاع میں معانی تابع ہوتے ہیں۔ نیز سجع کاہنوں کی اختراع ہے۔ اور بعض اہل علم اسے سجع کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ہیں[۲]۔

سجع قصیر اور سجع طویل کی چند مثالیں:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ القَمَرُ* وَإِنْ يَّرَوْا آيَةً يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ* وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْآ أَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ. أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحابِ الْفِيلِ* أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ الفيل. النار ذات الوقود إذ هم عليها قعود وهم على ما يفعلون بالمؤمنين شهودٌ. الله المستعان على ألسنة تصف، وقلوب تعرف، وأعمال تخلف. (ولمّا مدح عتيبة بن مرداس عبد الله بن عبّاس قال): لا أعطي من يعصي الرحمن، ويطيع الشيطان، ويقول البهتان.

---

[۱] مختصر المعانی: ۲/ ۲۹۱۔

[۲] يقول الإمام الشهاب نقلًا عن البقاعي في كتابه (مصاعد النظر): "اختلف السلف في السجع، فقال أبو بكر الباقلاني في كتاب (الإعجاز): ذهب أصحابنا الأشاعرة كلهم إلى نفي السجع عن القرآن، كما ذكره أبو الحسن الأشعري في غير موضع من كتبه، وذهب كثير ممن خالفهم إلى إثباته. والقول الثاني فاسد؛ لِمَا في القرآن من اختلاف أكثر فواصله في الوزن والرَّوي، ولا ينبغي الاغترار بما ذكره بعض الأماثل كالبيضاوي والتفتازاني من إثبات الفواصل والسجع فيه، وأن مخالفة النظم في مثل هارون وموسى بحسبه. ونقل أبو حيان في قول الله تعالى: {وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ} (فاطر: ٢١) أنه لا يقال في القرآن: قَدَّم كذا أو أَخَّر كذا للسجع؛ لأن الإعجاز ليس في مجرد اللفظ، بل فيه وفي المعنى، ومتى حُوِّل اللفظ لأجل السجع عما كان لا يتم به المعنى بدون سجع، نُقِضَ المعنى. (البلاغة: ٤٦٧-٤٧٠)

۴۔۔۔لُزُومُ مَالَا یَلْزَم کی تعریف:

لزوم مالا یلزم لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ سجع یانثر میں جو چیز لازم نہ ہو اس کا اہتمام کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ حرفِ روی یافاصلہ سے پہلے ایسے لفظ کے لانے کو کہتے ہیں جس کالانا سجع اور فاصلہ کے لیے حقیقتاً لازم نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر لزوم مالا یلزم وہ سجع ہے جس میں ناظم یاناثر بعض یا اکثر فقروں میں حرف روی کے ماقبل حروف میں بلا تکلف یکسانیت کو برقرار رکھے، اس صنعت کے استعمال سے کلام میں حسن وخوبصورتی پیدا کرنا اور اپنی قادرالکلامی ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اس کی مثال، جیسے: ﴿فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلا تَقْهَرْ* وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلاتَنْهَرْ﴾[الضحیٰ:۱۰-۹] یہاں آیت کے فواصل ﴿تَقْهَرْ﴾ اور ﴿تَنْهَرْ﴾ کے حرف آخر(راء) میں یکسانیت کے ساتھ حرفِ ماقبل(ھاء) میں بھی یکسانیت ہے، یعنی دونوں جگہوں میں اس آیت کا فاصلہ ''راء'' ہے اور دونوں جگہوں میں ''راء'' سے پہلے ''ھاء'' کا التزام کیا گیا ہے، حالانکہ فاصلہ کے لیے ''راء'' سے پہلے ''ھاء'' کالانا ضروری نہیں۔

شعر میں لزوم مالا یلزم کی مثال عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کی مدح میں عبد اللہ بن زبیر اسدی کے یہ اشعار ہیں۔

سَأَشْكُرُ عَمْراً مَا تَراخَتْ مَنِيَّتِي ‏ ‏ ‏ أَيادِيَ لَمْ تُمْنَنْ وَإِنْ هِيَ جَلَّتِ

فَتىً غَيْرُ مَحْجُوب الْغِنَى عَنْ صَدِيقِهِ ‏ ‏ ‏ ولا مُظْهرُ الشَّكْوى إِذَا النَّعْلُ زلَّتِ

رَأَى خَلَّتِي مِنْ حَيْثُ يَخْفَى مَكَانُهَا ‏ ‏ ‏ فَكَانَتْ قَذَى عَيْنَيْهِ حَتَّى تَجَلَّتِ

ترجمہ: میں عمرو کا شکریہ ادا کروں گا اگر میری موت مؤخر ہوگئی اور نعمتوں کا شکریہ ادا کروں گا جو منقطع نہیں ہوئی ہیں اگرچہ وہ بڑھ گئی ہیں، ایسا نوجوان ہے جس کے دوستوں سے اس کی مال داری چھپی نہیں ہے اور نہ شکایت کرنے والا ہے جب اس پر کوئی پریشانی آجائے اس نے میری غربت ایسی جگہ سے معلوم کی جو چھپی ہوئی تھی تو وہ اس کی آنکھ کا تنکا بن گئی یہاں تک وہ زائل ہوگئی۔

ان اشعار میں آخری حرف حرفِ روی ''ت'' ہے سجع برابر کرنے کے لیے اس سے پہلے ''لام'' لانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ''لام'' کے بغیر بھی سجع برابر ہوسکتا تھا، مثلاً یوں کہہ دیتے: ''جَلَّت، مدت، ومنت، وانشقت'' وغیرہ، لیکن اس کے باجود ان میں ''ت'' سے پہلے ''لام'' لانے کا اہتمام کیا گیا ہے تو یہ لزوم مالا یلزم ہے۔

قاعدہ: لزوم مایلزوم کو التزام، اعنات اور تضیق بھی کہتے ہیں [1]۔

---

[1] خزانۃ الادب لابن الحجۃ: ۲/ ۴۳۳۔

فائدہ: ابو العلاء نامی شاعر نے اپنے اشعار میں لزوم مالا یلزم کا بہت اہتمام کیا ہے، "اللزومیات" کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے [1]۔

لزوم مالا یلزوم کی چند مثالیں:

إِنَّ الذين اتقوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشيطان تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الغي ثُمَّ لاَ يُقْصِرُونَ. فَلا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ، الْجَوَارِ الْكُنَّسِ. مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ، وَإِنَّ لَكَ لأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ. وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ، وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ. لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا. وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا.

قال الحماسی:

إِنَّ الَّتِي زَعَمَتْ فُؤَادَكَ مَلَّهَا ... خُلِقَتْ هَوَاكَ كَمَا خُلِقْتَ هَوىً لَهَا
بَيْضَاءُ بَاكَرَهَا النَّعِيمُ فَصَاغَهَا ... بِلَبَاقَةٍ فَأَدَقَّها وَأَجَلَّهَا
حَجَبَتْ تَحِيَّتَهَا فَقُلْتُ لِصَاحِبِي: ... مَا كَانَ أَكْثَرَهَا لَنَا وَأَقَلَّهَا
وَإِذَا وَجَدْتَ لَهَا وَسَاوِسَ سَلْوَةٍ ... شَفَعَ الضَّمِيرُ إِلَى الْفُؤادِ فَسَلَّهَا

قال الفرزدق:

مَنَعَ الْحَيَاةَ مِنَ الرِّجَالِ وَنَفْعَهَا ... حَدَقٌ تُقَلِّبُها النِّسَاءُ مِرَاضُ
وَكَأَنَّ أَفْئِدَةَ الرِّجَالِ إِذَا رَأَوْا ... حَدَقَ النِّسَاءِ لِنَبْلِهَا أَغْرَاضُ

۵۔۔۔ مُماثَلت کی تعریف:

"مماثلت" کے لغوی معنی مشابہت، مشابہ ہونا، مانند ہونا کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مماثلت اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل صرف وزنِ عروضی میں متفق ہوں اور قافیہ کے حرف رَوِی میں مختلف ہوں، جیسے ﴿وَالسَّمَآءِ وَ"الطَّارِقِ"* وَمَآ أَدْرٰكَ مَا "الطَّارِقُ"*النَّجْمُ "الثَّاقِبُ"*إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا "حَافِظٌ"﴾ [الطارق:۴-۱] یہاں ﴿طارق﴾، "ثاقب" اور "حافظ" وزن میں مماثل ہیں، قافیہ میں مماثل نہیں، کیونکہ حرفِ روی "قاف، باء" اور "ظاء" ہے۔

مماثلت کی چند مثالیں:

---

[1] خزانۃ الادب لابن الحجۃ: ۲/ ۴۳۳۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًاوَنَرَاهُ قَرِيبًا. أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا * فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا. وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ * وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ * وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ. اسودّ يومى الأبيض، وابيضّ فودى الأسود.

و منه:

إنما الدنيا طعام و مدام و غلام
فإذا فاتك هذا فعلى الدنيا السلام

و منه قول أبي تمام:

فَأَحْجَمَ لَمَّا لَمْ يَجِد فِيكَ مَطْمَعاً وَأَقْدَمَ لَمَّا لَمْ يَجِدْ عَنْكَ مَهْرَباً

۴۔۔۔تشریع (توشیح) کی تعریف[1]:

"تشریع" باب تفعیل کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: دستور اور قانون سازی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ نظم ونثر کی بناء ایسے دو قافیوں پر رکھی جائے کہ اگر کسی ایک قافیہ کو حذف کر دیا جائے، تب بھی اس کا مطلب صحیح رہے، جیسے :﴿إِذَا وَقَعَتِ الوَاقِعَةُ* لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةْ*... ، وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلاَثَةْ*: فَأَصْحَابُ المَيْمَنَةْ؛ مَا أَصْحَابُ المَيْمَنَةْ* وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةْ؛ مَا أَصْحَابُ الْمَشْئَمَةْ*﴾[الواقعة] دیکھیے: یہاں آٹھویں اور نویں آیت کے قافیہ والا فقرہ حذف کر کر دیا جائے تو بھی مطلب صحیح رہتا ہے:﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلاَثَةْ* فَأَصْحَابُ

---

(1) التشريع في اللغة مصدر شرع بالتضعيف. يقال: شرع بابا إلى الطريق تشريعا، أي فتحه وبينه، كأشرعه إشراعا، وشرع الناقة تشريعا إذا أدخلها في شريعة الماء – وهي مورد الإبل على الماء – والتشريع أيضاً إيراد أصحاب الإبل إبلهم شريعة لا يحتاج معها إلى الاستقاء من البئر، ومنه حديث علي رضى الله عنه: إن أهون السقي التشريع. ومن المعنى الأول نقل الاصطلاح وهو أن تبنى القصيدة على وزنين من أوزان العروض وقافيتين، فإذا أسقط من أجزاء البيت جزء أو جزآن صار ذلك البيت من وزن آخر، كأن الشاعر شرع في بيته بابا إلى وزن آخر. ولما خفي على ابن أبي الإصبع وجه مناسبة التشبيه بين اللغوي والاصطلاحي، أو استعبده، سمى هذا النوع التوأم ليطابق بين الاسم والمسمى. قال الحافظ السيوطي في الإتقان: وزعم قوم اختصاصه بالشعر، وقال آخرون: بل يكون في النثر، بأن يبنى على سجعتين لو أقتصر على الأولى منها كان الكلام تاما مفيدا، وإن ألحقت به السجعة الثانية كان في التمام والإفادة على حاله مع زيادة معنى ما زاد من اللفظ. (أنوارالربيع:٣٤٩)

الْمَيْمَنَةْ* وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةْ﴾ اسی طرح ﴿مِمَّا خَطِيْئَتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخَلُوْا نَارًا؛ وَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَنْصَارًا﴾[نوح:۲۵] بھی ہے[۱]۔

شعر میں تشریع کی مثال یہ ہے۔

يَا خَاطِبَ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ   إِنَّهَا شَرَكُ الرَّدَى. وَقَرَارَةُ الأَكْدارِ

ترجمہ: اے کمینی دنیا سے نکاح کرنے والے یقیناً دنیا ہلاکتوں کا جال اور حوادثات کی جگہ ہے۔

اس شعر میں "الرَّدَى" اور "الأَكْدارِ" دونوں ایسے قافیہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر وقف کرنے کی صورت میں شعر کے معنی اور وزن پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

قاعدہ نمبر ا: تشریع کو توشیح اور ذوالقافیہ بھی کہتے ہیں، توشیح کے معنی ہیں: مزین کرنا، خوبصورت کرنا اور اس کیساتھ بھی چونکہ کلام خوبصورت بنتا ہے اس لیے اسے توشیح کہتے ہیں اور ذوالقافیہ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دو قافیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

فائدہ: تشریع کا موجد حریری ہے، علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا نام تشریع رکھنا بے ادبی سے خالی نہیں، کیونکہ تشریع ان اشیاء کیساتھ خاص ہے جن کا تعلق شریعت مطہرہ سے ہے۔ علامہ ابن ابی الاصبعؒ نے اس کو "توام" سے تعبیر کی ہے جو اسم بامسمیٰ ہے[۲]۔

---

[۱] اسی طرح یہ شعر ہے۔

يٰأَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ "عَمَّ الْوَرىٰ"   مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْرٌ "يَنْظُرُ"

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ اٰخَرَ "فِيْ عَصْرِنَا"   مَا كَانَ فِي الدُنْيَا فَقِيْرٌ "مُعْسِرٌ"

ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخاوت مخلوق پر عام ہے، سخیوں میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی، اگر اس زمانہ میں آپ کی طرح کوئی دوسرا بھی بادشاہ ہوتا تو دنیا میں کوئی تنگ دست اور فقیر نہ رہتا۔

دیکھئے! ان چار مصرعوں کے آخری الفاظ "عَمَّ الْوَرىٰ، يَنْظُرُ؛ فِيْ عَصْرِنَا، مُعْسِرٌ" کو اگر حذف کر دیا جائے تو بھی یہ دونوں اشعار کا مطلب صحیح باقی رہے گا، اور شعر یوں ہو جائے گا۔

يٰأَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِي   مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْر

لَوْ كَانَ مِثْلُكَ اٰخَرَ   مَا كَانَ فِي الدُنْيَا فَقِيْرٌ

ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخیوں میں کوئی مثال نہیں ہے، اگر آپ کا مماثل کوئی اور بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی شخص فقیر نہ رہتا۔

[۲] خزانۃ الادب لابن الحجۃ: ۱/ ۲۶۶۔

قاعدہ نمبر ۲: تشریع کا تحقق کلام منثور میں بھی ہوسکتا ہے، لیکن علامہ ابو جعفر اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ نظم میں چونکہ ایک وزن سے دوسرے کی طرف انتقال ہوتا ہے، اس لیے تشریح کی خوبی نظم میں ہی ظاہر ہوسکتی ہے، نثر میں ظاہر نہیں ہوسکتی ہے۔

تشریع کی مثالیں:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ * وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ * فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ *رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ* فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ * بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ * فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ *فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ * فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ* كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ* وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ * فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ* يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ * فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ* سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ *فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، لتعلموا أن الله على كل شيء قدير وأن الله قد أحاط بكل شيء علما.

قال الشاعر:

مَنْ رَامَ أَنْ يَنْجَحَ في. مَقْصُودِهِ   فَلْيَتَّئِدْ. وَلْيَتَّقِ الْجَبَّارْ
ولْيِمْشِ فِي صَبْرٍ على. مِنْهاجِهِ   وَلَيَسْتَنِدْ. لِلْوَاحِدِ الْقَهَّارْ
وَلْيَتَّخِذْ أَسْبَابَهُ. بِحَصَافَةٍ   وَلْيَسْتَفِدْ. مِنْ سَالِفِ الأَخْبَارْ

بابِ پنجم: ماتتعلق بتحسين الكلام

یہ باب درج ذیل گیارہ صنعتوں پر مشتمل ہے:

۱۔حسن ابتداء ۲۔براعتِ استہلال ۳۔براعتِ مطلع ۳۔حسن تخلص ۴۔عنوان ۵۔اقتضاب ۶۔براعۃ طلب ۷۔اقتباس ۸۔تضمین ۹۔تلمیح ۱۰۔حسن انتہاء۔

مذکورہ صنعتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔۔۔حُسنِ اِبتِداء کی تعریف[1]:

حسن ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ متکلم مقتضاءِ حال کے مطابق لطیف ودقیق معانی اوربلندبانگ خیالات کے اظہار کے لیے اپنے کلام کے آغاز میں فصاحت ولطافت سے لبریز کلمات اور عمدہ تراکیب لائے تاکہ مخاطب ابتداء ہی سے اس کلام کی طرف راغب ہوجائے اورخوب توجہ اوراعتناء سے بات سن کر محفوظ کرلے، جیسے: ﴿الرَّحْمٰنُ * عَلَّمَ القُرْآنَ * خَلَقَ الإِنْسَانَ * عَلَّمَهُ البَيَانَ﴾.[2] دیکھیے اس سورۃ کے اول میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمن کو ذکر فرماکر انسان کو اپنے احسانات (انسان کی خلقت، قرآن کا فہم ،زمین وآسمان کی تخلیق، مشرق ومغرب اوربروبحر کانظام وغیرہ) یاد دِلائے ہیں ،تاکہ سامعین رب ذی الجلال کے احکامات کوغورسے سن کراس پر عمل

---

(۱) قال أهل البيان، من البلاغة حسن الابتداء، ويسمى براعة المطلع. وهو أن يتألق المتكلم في أول كلامه، ويأتي بأعذب الألفاظ، وأجزلها وأرقها وأسلسها وأحسنها، نظماً وسبكاً، وأصحتها مبنيً، وأوضحها معنىً وأخلاها من الحشو، والركة والتعقيد، والتقديم والتأخير الملبس والذي لا يناسب.قالوا: وقد أتت فواتح السور من القرآن المجيد على أحسن الوجوه وأبلغها وأكملها، كالتحميدات ، وحروف الهجاء، والنداء وغير ذلك. (أنوارالربيع:۳)

(۲) ان مواقع میں فن کاری دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر کلمات شریں، ترکیبات عمدہ اور مقتضائے حال کے مطابق لطیف وعمدہ معانی لائے۔ متکلم اگران مواقع میں اپنے فن کا مظاہرہ نہ کرے تولوگ اس کے کلام کو قبیح اور معیوب شمار کریں گے۔اسی طرح ممدوح کی تشریف آوری پر تعریف کرتے ہوئے شاعر نے کہا:

طَلَعْتُمْ بُدُوْرًا فِيْ أَعَزِّ الْمَطَالِعِ فَبَشَّرَنِيْ قَلْبِيْ بِسَعْدِ طَوَالِعِيْ

ترجمہ: آپ لوگ معزز مطلع میں چودھویں رات کی چاند کی طرح طلوع ہوئے، پس خوشخبری دی میرے دل نے میرے نصیبے کے نیک بخت ہونے کی۔

پیرا ہوں۔
فائدہ نمبر ۱: قرآنی سورتوں کے اوائل حسنِ ابتداء کے بہترین شاہکار ہیں[۱]۔
فائدہ نمبر ۲: عربی شعراء اپنے قصیدوں کے آغاز میں عجیب وغریب مناظر اور ہولناک واقعات کا تذکرہ کرکے اپنے قصیدوں کو مزین کرتے تھے۔اس لیے باری تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج اپنایا ہے، جیسے: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا*فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾ [الصافات:۱-۲]﴿وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا*فَالْحَامِلاَتِ وِقْرًا﴾.[الذاریات:۱-۲]بعض علماء نے "ذاریات" سے ھوائیں، "حاملات" سے بادل، "جاریات" سے ستارے، "مقسمات" سے فرشتے مراد لیے ہیں۔
حسنِ ابتداء کی چند مثالیں:
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا * قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا *مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا* وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا. كهيعص * ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا * إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا * قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا. عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ* عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ * الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ.

۲۔۔۔بَرَاعَتِ اسْتِهْلَال کی تعریف:

"براعت استہلال" لغت میں مہینہ کے شروع میں نئے چاند کے نکل جانے پر اعلان کرنے کو کہتے ہیں اور یہ "برع الرجل" سے ماخوذ ہے، یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے تمام احباب اور ساتھیوں سے علم و کمال میں فوقیت حاصل کرے اور اصطلاح میں مقصود سے پہلے کسی ایسے جملے کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں جس سے مقصود کی طرف اشارہ ہو جائے۔یعنی متکلم مقصود شروع کرنے سے پہلے آغازِ کلام میں ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہنمائی کریں[۲]، جیسے:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ* اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ [الفاتحۃ:۲-۱]سورۃ

---

[۱] انوار الربیع:۲۔

[۲] براعۃ الاستہلال کی مثال، جیسے ابو محمد خازن کے قصیدے کے مطلع کا یہ شعر صاحب عباد کو اس کے نواسے کی پیدائش پر مبارک باد دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

فاتحہ یہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے اور علومِ قرآنی کا مرجع ہے، معروف تابعی حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اللہ پاک نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں، جن کے علوم کو چار کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) میں جمع کر دیا ہے، پھر تورات، زبور اور انجیل کے علوم کو قرآن مجید میں محفوظ کیا ہے اور قرآن مجید کے تمام علوم کو سورۂ فاتحہ میں جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ * اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيم﴾ میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تذکرہ ہے۔ ﴿الذِيْنَ أنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں معرفتِ نبوات کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں معرفتِ معاد کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں علم العبادات کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ * اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں علمِ سلوک کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ﴾ میں اممِ سابقہ اور قرونِ اولیٰ کی طرف اشارہ ہے جن واقعات سے مطیعین کی سعادت اور عاصیوں کی شقاوت واضح ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے یہ مقاصد کو باری تعالیٰ نے عمدہ الفاظ، واضح ترکیبات، خوبصورت فواصل اور مختلف علوم بلاغت پر مختصر جملوں میں سمیٹ کر آگے آنے والے علومِ قرآن کی طرف اشارہ فرمالیا ہے۔

اسی طرح سورۃ نور کے اول میں فرمایا:﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ [النور:۱] اس لیے کہ سورۂ نور بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصطلاحات پر مشتمل ہے، اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: ﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾، تاکہ مخاطبین سمجھ لیں کہ: اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ نیز اسی طرح سود ہود کی ابتدائی آیات(﴿الٓر كِتٰبٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾[ھود:۱-۲]) کو دیکھ لیجئے! کہ جس

بشرى فقد أنجز الإقبال ما وعدا وكوكب المجد في أُفق العلى صعدا

ترجمہ: خوشی کی بات ہے کہ نیک بختی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اُفق پر بزرگی کا ستارہ بلند ہوا۔

اس شعر کے شروع میں ہی ابو محمد خازن نے لفظ "بشری" ذکر کر کے شعر کے شروع ہی سے خوشخبری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آئندہ کہی جانے والی بات کا تعلق خوشخبری سے ہے۔

مرثیہ میں براعۃ الاستہلال کی مثال، جیسے ابو الفرج ساوی کا فخر الدولہ کے انتقال پر یہ شعر ہے۔

هي الدنيا تقول بملء فيها حذار حذار من بطشي وفتكي

ترجمہ: یہ دنیا علی الاعلان کہتی ہے کہ میری سخت پکڑ اور اچانک موت کے حملے سے بچو بچو!!

اس شعر کے ابتداء ہی میں غم اور دکھ پر دلالت کرنے والے الفاظ موجود ہیں۔

طرح خطوط کے آغاز میں مرسِل اور مرسَل الیہ کے نام کی القاب کے ساتھ وضاحت ہوتی ہے اس طرح باری تعالیٰ نے بھی مرسِل (اپنی ذات عالی) کا تذکرہ بہترین صفات میں فرماکر مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا اتنی تاکید سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے!۔

براعۃ الاستہلال کو براعۃ المطلع بھی کہتے ہیں، براعۃ المطلع کا مطلب یہ ہے کہ شاعر مقصود شروع کرنے سے پہلے کلام کی ابتداء میں مقام کے مناسب شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات میں مقصود کی طرف اشارہ کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہ نمائی کریں، کیونکہ یہ مقولہ مشہور ہے۔" إن الشعر قُفْل، وأوّلُهُ مِفْتَاحٌ"، جیسے شعر ہے۔

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَّسَلامٌ　　　خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْأَيَّامُ

ترجمہ: یہ ایک ایسا محل ہے جس پر ہماری دعا وسلام پہنچے، اس کو زمانے نے اپنے جمال کا لباس عطا کیا ہے۔

مصراعِ اول تہنیت ومبارکبادی کی جانب غمازی کرتا ہے۔

فائدہ: کلام کی ابتداء ایسے کلام کیساتھ کرنی چاہیے کہ مضمون کی عکاسی کرتے ہوں، خطبہ نکاح کے اول میں وہ الفاظ ہونے چاہیے تو نکاح کی طرف مشیر ہوں، اسی طرح عید کے خطبہ میں وہ الفاظ آنے چاہیے جو عید کی خوشیوں کی ترجمانی کرتے ہوں[1]۔

قاعدہ نمبر ۱: ابتدا کی تیسری صورت قبح ابتدا ہے، یعنی: وہ ابتدا جو شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیبات سے عاری ہو اور اس میں مقتضائے حال کی رعایت بھی نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲: براعۃ الاستہلال کلام منظوم اور کلام منثور دونوں میں پایا جاتا ہے۔

براعۃ الاستہلال کی چند مثالیں:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ.
سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ.

---

[1] قال الجاحظ: كان يقول: فرق بين صدر خطبة النكاح وخطبة العيد وخطبة الصلح، حتى يكون لكل فن من ذلك صدر يدل على عجزه، فإنه لا خير في كلام لا يدل على معناك، ويشير إلى مغزاك، وإلى العمود الذي إليه قصدت، والغرض الذي إليه نزعت. قالوا: والعلم الأسنى في ذلك، سورة الفتح، التي هي مطلع القرآن فإنها مشتملة على جميع مقاصده. (أنوارالربيع:٦)

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا. قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ.

۳۔۔۔حسنِ تخلّص کی تعریف:

"تخلص" کے لغوی معنی ہیں: جدا ہونا، رہائی پانا، نجات پانا اور اصطلاح میں تخلص اس کو کہتے ہیں کہ متکلم تشبیب [۱]، ادب وافتخار، شکایت، مدح و ہجو سے احتراز کرکے اصلی مقصود کی طرف نہایت لطیف طریقہ پر منتقل ہو جائے اور اس انتقال کے وقت اس میں اس قدر دقیق معنی پیدا کر دے کہ سامع کو اس انتقال کا پتہ ہی نہ چلے اور جب معلوم ہو جائے تو اس وقت معلوم ہو جائے جب متکلم معنی اول سے معنی ثانی کی طرف منتقل ہو چکا ہو۔ اس موقعہ پر اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ سامع شروع سے ہی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ میرا متکلم تشبیب وغیرہ کو چھوڑ کر مقصود کس طرح شروح کرتا ہے، لہٰذا جب چھوڑنا اور شروع کرنا بہتر انداز میں ہوگا تو اس کی نشاط میں اور جوش پیدا ہوگا اور انتہائی شوق وذوق کیساتھ پورے کلام کو سنے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابتداءِ کلام میں غیر مقصود کلام کو بطورِ تمہید و مقدمہ ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہو جانا "حسن تخلّص" کہلاتا ہے؛ بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت ہو، جیسے: ﴿الٓر* تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ* إِنَّآ أَنزَلْنٰهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُون* "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ" "أَحْسَنَ الْقَصَصِ" "بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ"* إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ [یوسف:۵-۱] یہ سورت قصہ یوسف علیہ السلام کے لیے موضوع ہے اس واقعہ کا افتتاح قرآنِ مجید کے تذکرہ سے

---

[۱] تشبیب کے لغوی معنی ہیں: جوانی اور مستی کے زمانے میں صنف نازک کی نازک حرکات و سکنات کا ذکر کرنا، لیکن پھر مجازاً استعمال ہر اس چیز میں ہوتا ہے جس سے کسی چیز کی ابتداء کی جائے، خواہ اس میں جوانی اور ایام شباب کا ذکر ہو یا نہ ہو۔

فرمایا، اس میں ﴿الٓر، تلك﴾ میں حسنِ ابتدا ہے اور ﴿أحسن القصص﴾ میں براعتِ استہلال ہے، پھر حسن تخلص ﴿نَحْنُ نَقُصُّ...... لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ کے ذریعے افتتاح سے مقصود کی طرف انتقال فرمایا۔ اسی طرح سورۃ النساء کے اول میں ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفًا

فَمَرَّتْ بِهِ...﴾ [الأعراف:۱۸۹]۔

اس آیت میں بطورِ مقدمہ آدم وحواء علیہما السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر مطلق مرد وعورت کے احوال کی طرف منتقل ہوگئے ہیں[1]۔

حسنِ تخلص کی چند مثالیں:

قُلِ الحمد لِلّٰهِ وَسَلَامٌ على عِبَادِهِ الذين اصطفىٰٓءَآللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ * أَمَّنْ خَلَقَ السماوات والأرض وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السمآء مَآءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُواْ شَجَرَهَا أَإلاه مَّعَ الله بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ. سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا. مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ.

---

[1] عام کتب بلاغت میں اس کی مثال یہ اشعار ہیں، جیسے عبد اللہ بن طاہر کی تعریف میں ابو تمام کا یہ شعر ہے۔

يقُولُ في قُومَسٍ صَحْبِي وَقدْ أَخَذَتْ مِنَّا السُّرَى وخُطَى المَهْرِيَّةِ القُودِ

أَ مَطْلِعَ الشّمْسِ تَنْوِي أَنْ تَؤُمَّ بنَا فَقُلتُ: كلاّ، ولكنْ مَطْلِعَ الجُودِ

ترجمہ: قومس مقام میں کہہ رہا تھا اس صورت میں کہ رات کے سفر اور عمدہ قسم کے لمبی گردنوں اور لمبی کمر والے اونٹوں کے تیز تیز چلنے کی وجہ سے ہم میں سفر کی ہمت ختم ہوچکی تھی، کہہ رہے تھے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سورج تم پر طلوع ہوجائے تو میں نے کہا کہ ہرگز نہیں میں تو مطلع الجود کا نکلنا جانتا ہوں، یعنی عبد اللہ بن طاہر الجواد کا طلوع ہونا چاہتا ہوں۔

اس شعر میں "مطلع الشمس" سے "مطلع الجود" (ممدوح) کی طرف انتقال کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان انتہائی زیادہ مناسبت اور گہرا تعلق ہے کیونکہ طلوع شمس اور طلوع جود دونوں امور ممدوحہ اور امور مطلوبہ ہیں۔

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ.

۵۔۔۔اقتضاب کی تعریف:

"اقتضاب" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: کاٹنا، ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف بغیر کسی مناسبت کے منتقل ہونا، "اقتضب الکلام" کا معنی ہے: برجستہ اور فی البدیہہ بولنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اقتضاب اس کو کہتے ہیں کہ ابتداءِ کلام کو بطورِ تمہید و مقدمہ ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہو جانا، بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت نہ ہو، جیسے آیت میں لفظ "هٰذا"، ﴿هٰذَا وَإِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾[صٓ:۵۵] یہاں پرہیزگاروں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد شریروں کے انجام کو ذکر کرنے کی طرف منتقل ہونے کے لیے "ھذا" کو استعمال کیا ہے۔

اقتضاب درحقیقت جاہلی شعراء (امرؤالقیس، زہیر بن ابی سلمٰی، طرفہ بن عبید)، ان کے قریب مخضرمین (لبید، حسان بن ثابت، کعب بن زہیر) اور اکثر اسلامیین وغیرہ کا مذہب ہے۔ مخضرمین ان شعراء کو کہتے ہیں، جن کی کچھ زندگی جاہلیت اور کچھ اسلام میں گزری ہو۔ اقتضاب کی مثال، جیسے ابو تمام کا شعر ہے

لو رأى الله أن في الشيب خيرا جاورته الأبرار في الخلد شيبا

كل يوم تبدي صروف الليالي خلقا من أبي سعيد رغيبا

ترجمہ: اگر اللہ تعالی بڑھاپے میں کچھ بھلائی دیکھتے تو جنت میں اس کے پڑوسی بوڑھے ہوتے، حوادثات زمانہ ابو سعید کے وجود سے ہر دن نئے اخلاق ظاہر کرتے ہیں۔

اس شعر میں پہلے شاعر نے پہلے شاعر نے بڑھاپے کی برائی و مذمت بیان کی، پھر دوسرے شعر میں ابو سعید کی تعریف کی ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، اس لیے یہ اقتضاب کے قبیل سے ہوگا[1]۔

قاعدہ نمبر ۱: اقتضاب حسنِ تخلص کے قریب قریب ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: حمد و صلاۃ کے بعد قائل کا قول "أَمَّا بَعْدُ" کہنا بھی اقتضاب کے قبیل سے ہے، اسی طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے کے لیے لفظ "هٰذَا" کہنا، اور "هٰذَا بَابٌ" اور "هٰذَا فَصْلٌ" بھی اقتضاب ہی کے قبیل سے ہے۔

---

(۱) مختصر المعانی: انوار الربیع: ۲۴۸۔

قاعدہ نمبر۳: اِستِطراد (جس کا تذکرہ محسنات معنویہ میں گذر چکا) اور حسن تخلص کے درمیان فرق یہ ہے کہ حسن تخلص میں مقصود کی طرف انتقال کے بعد تمہید کی طرف عود کرنا نہیں ہوتا جب کہ استطراد میں غرض اول کی طرف عود ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر۴: قرآنِ مجید میں سورت کے درمیان نہایت مفید مضمون (حمد وثنا، احسان وامتنان، وعدہ ووعید) کو اسلوبِ بدیع (انوکھے بلیغ کلام) سے ذکر فرماتے ہیں، جیسے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى؛ آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[النمل:۵۹] اور اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے۔ ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾[الحج:۳۹] یعنی مسلمان اپنی قلت اور بے سروسامانی پر نہ گھبرائیں، اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کر سکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کو نصرت وامداد کا وعدہ تھا، جیسے دنیا کے بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شانِ وقار واستغناء دِکھلانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں! تمہارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر۵: علامہ ابو العلاء غانمی کا نقطہ نظریہ ہے کہ قرآن مجید میں صنعتِ اقتضاب نہیں، لیکن صحیح قول کے مطابق قرآن کریم میں بلا تکلف حسنِ تخلص اور اقتضاب پائے گئے ہیں[1]۔

فائدہ: اقتضاب کی ایک نوع یہ ہے کہ کاتب ایک حدیث لکھنے کے بعد دوسری حدیث کے شروع کرنے سے پہلے "ہذا باب" کا جملہ لکھے، کیونکہ اس میں بھی بظاہر کوئی ربط نہیں ہے اس لیے کہ ایک حدیث ختم ہوگئی اور دوسری حدیث

---

[1] ذهب أبو العلاء محمد بن غانم المعروف بالغانمي إلى أنه لم يقع في القرآن شيء من التخلص لما فيه من التكلف، وقال: إن القرآن إنما ورد على الاقتضاب الذي هو طريقة العرب من الانتقال إلى غير ملائم وقد أنكر عليه جماعة من العلماء ذلك، وغلطوه في قوله هذا، وقالوا: إن في القرآن من التخلصات العجيبة ما يحير العقول. فانظر إلى سورة الأعراف، كيف ذكر فيها الأنبياء، والقرون الماضية، والأمم السالفة؛ ثم ذكر موسى؛ إلى أن قص حكاية السبعين رجلا ودعائه لهم ولسائر أمته بقوله: (واكتب لنا في هذه الدنيا حسنة وفي الآخرة) وجوابه تعالى عنه، ثم تخلص بمناقب سيد المرسلين بعد تخلصه لأمته بقوله: (قال عذابي أصيب به من أشاء ورحمتي وسعت كل شيء فسأكتبها للذين) من صفاتهم كيت وكيت، وهم (الذين يتبعون الرسول النبي الأمي) ، وأخذ في صفاته الكريمة، وفضائله العظيمة. وفي سورية الكهف حكى قول ذي القرنين في السد (فإذا جاء وعد ربي جعله دكاء وكان وعد ربي حقا) ، فتخلص منه إلى وصف حالهم بعد دكه الذين هو من أشراط الساعة، ثم بالنفخ في الصور، ثم ذكر الحشر، ووصف مآل الكفار والمؤمنين؛ ومثل ذلك في القرآن كثير، والله أعلم. (أنوار الربيع:۲٤۸)

شروع کردی، لیکن فوراً ایک حدیث کے بعد دوسری حدیث شروع نہ کرکے دونوں کے درمیان "ھذا باب" کہنے سے کچھ نہ کچھ ربط ہو جائے گا پہلے بھی میرے آقا کی حدیث تھی اوراب بھی میرے آقا کی حدیث شروع ہو رہی ہے[1]۔

اقتضاب کی چند مثالیں:

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا. قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. ينبغي للمؤمن أن لا يمسى إلا حزينا وإن كان محسنا ولا يصبح إلا حزينا وإن كان محسنا لأنه بين مخافتين ذنب قد مضى منه لا يدرى ما الله صانع فيه وما بقى من عمره لا يدرى ما يصيبه فيه من المهالك. هذا باب. هذا فصل.

۶۔۔۔۔عنوان کی تعریف:

"عنوان" (عین کے ضمہ اور کسرہ دونوں کیساتھ پڑھا جاتا ہے، تاہم ضمہ کیساتھ پڑھنا فصیح ہے) اس کے لغوی معنی ہیں: موضوع، کسی مضمون کا سرنامہ، کسی کلام کے مطلب و مقصد کو ظاہر کرنا، تمہید، کسی موضوع کی سرخی۔ اور اصطلاحی

[1] مختصر المعانی: ۲/۳۳۹۔

تعریف یہ ہے کہ متکلم کوئی اہم مضمون یا واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس کو مکمل و مؤکد کرنے کے لیے چند مثالوں کو پیش کرے ایسے الفاظ کے ذریعے جو اگلے واقعات یا نئے علوم کا عنوان ہوں، اس کی دو صورتیں ہیں:۔

۱۔۔۔کلام میں ایسے الفاظ کو ذکر کیا جائے جو نئے واقعہ کی تمہید ہو، جیسے ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ [سورۃ الاعراف:۱۷۵]اس سے پہلے بنی اسرائیل کے احوال کا تذکرہ ہے اب احکاماتِ الٰہیہ کو پامال کرنے والوں کی مثال کو بیان کیا جاتا ہے اور بنی اسرائیل کے ایک صاحب علم(بَلْعَمُ بْنُ بَاعُورَاءَ)کے واقعہ کو بطور تمثیل بیان کیا جارہا ہے۔

۲۔۔۔کسی نئی بات کی تہ تک پہنچنے کا سرچشمہ ہو، جیسے﴿انْطَلِقُوا إِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ* لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ﴾ [سورۃ المرسلات:۳۰-۳۱] اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ میدانِ حشر میں کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اٹھے گا جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جائے گا۔کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا ایک ٹکڑا سر کے اوپر سے سائبان کی طرح ہو گا دوسرا دائیں اور تیسرا بائیں ہو گا، حساب کے فارغ ہونے تک یہ لوگ اسی سایہ کے نیچے کھڑے رئیں گے اور اہل ایمان عرش کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔یہاں علم ہندسہ کی بنیاد یعنی شکل مثلث کا تذکرہ ہے جو اول الاشکال ہے[1]۔

قاعدہ نمبر۱:علوم کے اول میں ایسے کلام لانا جو ان علوم کے مقصد و موضوع کی طرف اشارہ کر رہا ہو اسے عنوان کہتے ہیں[2]۔

قاعدہ نمبر۲: قرآنی آیات، احادیث اور اشعار عرب میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا از قبیل عنوان کہلاتا ہے[3]۔

قاعدہ نمبر۳: قرآن مجید میں جہاں ہولناک واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے تو مضمون کے شروع میں "إِذْ" ظرفیہ لایا جاتا ہے، جیسے﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى﴾ [سورۃ الاعراف:۱۷۲]

عنوان کی چند مثالیں:

---

(۱) انوار الربیع:۳۳۹۔

(۲) انوار الربیع:۳۳۹۔

(۳) انوار الربیع:۳۳۹۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ. تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ. وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَاقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ.

۷۔۔۔۔ بَرَاعتِ طَلَب کی تعریف:

براعتِ طلب کا مطلب یہ ہے کہ طالب اپنے مافی الضمیر کی طرف اشارہ کرے، لیکن اپنی طلب میں ایسے مہذب الفاظ لائے جو الحاف واصرار سے معرّیٰ ہوں اور اس کیساتھ ساتھ اپنی مطلوب سے پہلے کوئی وسیلہ پیش کرے، یعنی متکلم اپنی طلب کی صراحت کیے بغیر عجیب وغریب انداز میں اپنی مراد کی طرف اشارہ کردے، جیسے :﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهُ، فَقَالَ :رَبِّ! إِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ، وَإِنَّ وَعْدَكَ الحَقُّ؛ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الحٰكِمِيْنَ﴾[ھود:۴۵] یعنی تو ہر چیز پر قادر ہے، اگر چاہیں تو اُسے ایمان کی توفیق دے دیں اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے وہ اس کے حق میں بھی پورا ہو جائے۔ اور اسی طرح متنبی کا شعر ہے۔

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيْكَ فَطَانَةٌ سُكُوْتِيْ كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابٌ

ترجمہ: میرے دل میں چند مرادیں ہیں اور تجھ میں ایسی دانائی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے میرا چپ رہنا ہی کلام اور خطاب ہے۔

فائدہ نمبر ا: براعتِ طلب شیخ عزالدین عبد الوہاب زنجانی کی اختراع ہے جس کا تذکرہ انہوں نے "معیار النظر" میں کیا ہے[1]۔

---

[1] انوار الربیع: ۵۱۰۔

فائدہ نمبر ۲: براعتِ طلب کی عام فہم مثال یہ ہے، جیسے بھوکے سے پوچھا جائے کہ: دو اور دو (۲+۲) کتنے ہوئے؟ اس پر جواب دے: چار روٹی! یہاں اس سے روٹی کا سوال ہی نہ تھا؛ لیکن اس نے جواب میں اپنی مراد کی طرف لطیف اشارہ کر دیا۔

فائدہ نمبر ۳: براعتِ طلب کے قریب قریب حسنِ طلب بھی ہے، حسنِ طلب اس کو کہتے ہیں کہ پہلے وسیلے کو بیان کیا جائے اور پھر اپنی غرض کو بیان کیا جائے، جیسے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" میں ہے کہ پہلے وسیلہ یعنی عبادت کا ذکر ہے اس کے بعد غرض یعنی مدد و استعانت کا ذکر ہے۔

براعتِ طلب کی چند مثالیں:

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ. قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا.

۸۔۔۔اقتباس کی تعریف:

"اقتباس" باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: آگ کی لُو لینا، شعلہ لینا، قرآن مجید میں ہے۔ ﴿نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ﴾ [سورۃ الحدید: ۱۳] اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ قرآن یا حدیث کے کسی حصے کو اپنے کلام (خواہ نثر ہو یا نظم ہو) کا جزو بنا لینا، لیکن اس میں یہ اشارہ نہ ہو کہ یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے، اگر کلام میں اس قسم کا کوئی اشارہ ہو تو یہ اقتباس نہ ہو گا، جیسے حریری کا قول ہے۔ "أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْل" وأُمَيِّز صَحِيْح القَوْل مِنْ عَلِيْله"۔

شعر میں اقتباس کی مثال یہ ہے۔

يَوْمَ يَأْتِي الْحِسَابَ مَا لِظَلُوْمٍ   مَا "مِنْ حَمِيْمٍ وَلا شَفِيْعٍ يُّطَاع"

ترجمہ: جب یومِ حساب میں بڑے ظالم کی سزا آ پہنچے گی "تب نہ کوئی ایسا دوست اور سفارشی ہو گا جس کی بات کی شنوائی ہو سکے"۔

اس شعر کا دوسرا مصرع قرآنِ مجید سے مقتبس ہے جو سورۂ مؤمن کی اٹھارہویں آیت ہے۔

اقتباس کی اقسام وانواع

اقتباس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔۔۔لفظِ مقتبَس کو اسی معنی میں استعمال کیا جائے جس معنی میں پہلے سے قرآن یا حدیث میں مستعمل ہے، جیسے حریری کا قول ہے۔" فلم يكن إلّا كلمح البصر أو هو أقرب حتى أنشد فأغرب"۔

ترجمہ: پس نہیں تھا مگر آنکھ جھپکنے کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ جلدی پھر اس نے شعر کہا اور بہت خوب شعر کہا۔

اس قول میں محل استشہاد "إلّا كلمح البصر أو هو أقرب" ہے یہ قرآن مجید کی اس آیت کا جزء ہے، پوری آیت اس طرح ہے۔﴿وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ﴾ [سورۃ النحل:۷۷] اس آیت میں لفظِ" مقتبَس "اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں قرآن مجید میں مستعمل ہے۔

۲۔۔۔لفظِ مقتبَس کو اصلی معنی سے منتقل کر کے کسی اور معنی میں استعمال کیا جائے، جیسے ابن رومی کا یہ شعر ہے۔

لَئِنْ أَخْطَأْتُ فِي مَدْحِكَ مَا أَخْطَأْتَ فِي مَنْعِي

لَقَدْ أَنْزَلْتُ حَاجَاتِي "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ"

ترجمہ: اگر میں نے تیری تعریف کرنے میں غلطی کی ہے تو تو نے نہ دینے میں غلطی نہیں کی ہے اس لیے کہ میں نے اپنی حاجت ایسی وادی میں اتاری ہے جس میں اگانے کی صلاحیت نہیں ہے۔

اس شعر میں "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" کو شاعر نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اقتباس کے طور پر لیا ہے اور پوری آیت اس طرح ہے۔﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ [سورۃ ابراہیم:۳۷] لیکن اس انتقال میں قرآن مجید میں مذکورہ معنی کو شاعر نے مراد نہیں لیا ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ""بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ"" کا لفظ ایسی وادی کے لیے استعمال ہوا ہے جس میں آب و گاہ نہ ہو اور جب کہ شاعر نے اس معنی سے اسے منتقل کر کے یہ لفظ ایسے دربار کے لیے استعمال کیا ہے جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی کوئی نفع ہو[1]۔

قاعدہ نمبر۱: اقتباس کرتے ہوئے وزنِ شعری کی رعایت میں مقتبس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرتے ہیں، لیکن اگر مقتبس کے الفاظ میں زیادہ تبدیلی کی ہے تو وہ اقتباس سے نکل جائے گا، جیسے شعر ہے۔

وَأَنْ لَّيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلاَّ مَاسَعىٰ نعم! وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرٰى

---

[1] مختصر المعانی:۲/۳۲۵۔

فائدہ نمبر ۱: اقتباس کی شرعی حیثیت میں اہل علم کا اختلاف ہے، مالکیہ حضرات کے نزدیک اقتباس قطعاً حرام ہے، شوافع میں علامہ نوویؒ شارح مسلم نے وعظ و نصیحت کے طور پر صرف نثر میں جائز مانا ہے، لیکن اکثر اہل علم اقتباس کو علی الاطلاق جائز کہتے ہیں، خواہ نظم میں ہو، یا نثر میں ہو یا وعظ و نصیحت میں ہو، یا مدح وغیرہ میں ہو۔ہاں! البتہ اگر اقتباس ہزل و مذاق کے طور پر ہو تو پھر حرام و ناجائز ہے[۱]۔ فائدہ نمبر ۲: علامہ ابن الحجہ نے اقتباس کی تین قسمیں ذکر کی ہیں:۔

۱۔ مقبول ۲۔ مباح ۳۔ مردود

۱۔۔۔ مقبول: وہ اقتباس ہے جو خطبوں، مواعظ اور عہد ناموں میں ہو۔

۲۔۔۔ مباح: وہ اقتباس ہے جو خطوط، رسائل اور عام گفتگو میں ہو۔

۳۔۔۔ مردود: وہ اقتباس ہے جس کی نسبت اللہ تعالی نے اپنی ذات کی طرف کی ہو اور "نعوذ باللہ!" کہ کوئی انسان اسے اپنی طرف منسوب کردے، جیساکہ بنی مروان کے ایک حکمران کے متعلق مروی ہے کہ جب اس کے سامنے ایک عامل کی شکایت کی گئی تو اس نے کہا:" إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ "اور نیز یہ اقتباس بھی مردود ہے کہ کسی آیت کو "نعوذ باللہ!" ہزل اور مذاق کے طور پر اقتباس میں پیش کیا جائے۔ اس تقسیم کو علامہ سیوطیؒ نے مستحسن قرار دیا ہے[۲]۔

فائدہ نمبر ۳: اقتباس کے قریب دو اور چیزیں بھی ہیں: ایک یہ ہے کہ قرآنی آیات کو محاورات میں استعمال کرنا، یعنی کوئی آیت پڑھ کر اس سے کوئی بات مراد لی جائے، علامہ نخعی نے اس کی عدم جواز کی تصریح کی ہے، تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں مغرب کی نماز پڑھی تو اس میں سورۃ التین قراءت فرمائی اور" وَهَذَا الْبَلَدِ الأَمِينِ "کو بلند آواز سے پڑھا اور اسی طرح حکیم بن سعید سے روایت ہے کہ ایک خارجی شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس وقت آپ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ خارجی نے کہا" لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ "سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز میں اس کو جواب دیا:" فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لا يُوقِنُونَ "۔دوسری بات یہ ہے کہ قرآنی آیات میں توجیہ (جس کا تذکرہ ماقبل ہو چکا ہے) کرنا جائز ہے اس کی تصریح شریف تقی الدین حسینی اور دیگر حضرات نے کی ہے[۳]۔

---

[۱] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۸۶۔

[۲] الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۸۷۔

[۳] الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۸۹۔

اقتباس کی چند مثالیں:

اللَّهُمَّ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ . فيا أيتها الغفلة المطرقون! أما أنتم بهذا الحديث مصدقون؟ مالكم لا تشفقون؟ "فورب السماء والأرض إنه لحق مثل ما أنكم تنطقون. هنالك يرفع الحجاب، ويوضع الكتاب، وتقطع الأسباب؛ وتذهب الأحساب، ويمنع الأعتاب؛ ويجمع من حق عليه العقاب، وجب له الثواب، فيضرب "بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب. فطوبى لمن سمع ووعى، وحقق ما ادعى "ونهى النفس عن الهوى" وعلم أن الفائز من ارعوى "وأن ليس للإنسان إلا ما سعى وأن سعيه سوف يرى. ألا إن المرء غافل مطرق، والموت واعظ مفلق، ينادي أقواما تظنهم قياما وهم قعود "وتحسبهم أيقاظا وهم رقود " تكرهون جرع الحمام فإنه ساقيكم "قل إن الموت الذي تفرون منه فإنه ملاقيكم. واذكر ربك في نفسك يذكرك في نفسه، وقل لمن يذكر الله في لسانه تورعا "اذكر ربك في نفسك تضرعا. ولا تكن سيفا مشهورا، إ ن الظالم لجدير أن يقبر ولا يحشر، والبالي خليق أن يطوى ولا ينشر. ولو علم الجزل صولة النجار؛ وعضة المنشار؛ لما تطاول شبرا، ولا تخايل كبرا، وسيقول البلبل المعتقل ليتني كنت غرابا "ويقول الكافر يا ليتني كنت ترابا. يكتبون الزور وبه تجري أقلامهم، ويكتمون الحق وبه تأمرهم أحلامهم "وإذا رأيتهم تعجبك أجسامهم" يلبسون الحق بالباطل، ويلبسون عارا وشنارا ويأكلون أموال اليتامى ظلما إنما يأكلون في بطونهم نارا. وطوبى لمن عمل لغده؛ ولم يغتر من العيش برغده؛ فكم هذا التسويف يا ماطل؟ والحق لا يدرك بالباطل؛ فلا يغرنك قوم أعرضوا عن العلم والعمل "ذرهم يأكلون ويتمتعوا ويلههم الأمل" إن الذين أمنوا لا يسوفون من يوم إلى يوم ومن عام إلى عام "والذين كفروا يتمتعون ويأكلون كما تأكل الأنعام".

۹۔۔۔ تضمین کی تعریف[1]:

تضمین کا لغوی معنی ہے: کسی چیز کو بغل میں لینا۔ اور اصطلاح میں تضمین اس کو کہتے ہیں کہ کسی کے اشعار میں سے ایک یا ایک سے زیادہ اشعار کو یا ایک مصرعہ یا ایک سے کم کو شاعر کا اپنے شعر میں ذکر کر دینا۔ اس کو ایداع بھی کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:۔

ا۔۔۔ ایک صورت یہ ہے کہ اس شعر کا شاعر بلغاء اور شعراء میں مشہور و معروف نہ ہو۔ اس صورت میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ میرا شعر نہیں ہے تاکہ اس میں سرقہ کا احتمال نہ رہے، جیسے حریری نے اس غلام کا قول نقل کیا ہے جس کو ابوزید سروجی نے بیچنے کے لیے پیش کر دیا تھا۔

عَلَى أَنِّي سَأُنْشِدُ عِنْدَ بَيْعِي ''أَضَاعُونِي وَأَيَّ فَتىً أَضَاعُوا''

اس شعر کا دوسرا مصرعہ عبد اللہ بن عبد اللہ عرجی کا ہے اور چونکہ عرجی غیر مشہور شاعر ہے اس لیے غلام نے ''أَنِّي سَأُنْشِدُ'' کہہ کر اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ میرا شعر نہیں ہے بلکہ میں کسی اور کا شعر پڑھوں گا۔ اور عرجی کا پورا شعر یہ ہے۔

أضاعوني وأَيَّ فَتىً أَضَاعُوا لِيَوْمِ كَرِيهَةٍ وَسِدَادِ ثَغْرِ

ترجمہ: انہوں نے مجھے ضائع (قید) کر دیا اور کتنے ہی عظیم نوجوان کو انہوں نے ضائع کر دیا اور وہ بھی عین لڑائی اور ملکی سرحدات کی حفاظت کے وقت!! یعنی اس وقت انہیں ایک مجاہد اور محافظ کی ضرورت بھی تھی!

اسی طرح دوسری مثال یہ شعر ہے۔

إِذَا ضَاقَ صَدْرِيْ وَخِفْتُ العِدىٰ تَمَثَّلْتُ بَيْتاً بِحَالِي يَلِيْقُ

فَبِا للهِ أَبْلُغُ مَا ارْتَجِيْ بِاللهِ أَدْفَعُ مَا لاأُطِيْقُ

ترجمہ: جب میرا سینہ تنگ ہو گیا اور میں دشمنوں کا خوف محسوس کرنے لگا تو میں نے اپنے حال کی تمثیل دوسرے شاعر کے ایسے شعر سے بیان کی جو میری حالت کے زیادہ مناسب تھی، ''سو میں اللہ ہی (کی مدد و نصرت) سے اپنی مراد پاتا ہوں، اور اللہ ہی (کی نصرت) سے ایسے ضرر کو دور کرتا ہوں جس کو دفع کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں''۔

ان دونوں شعروں میں دوسرا شعر دوسرے شاعر کا ہے جس کو تمیمی نے ''تَمَثَّلْتُ بَيْتاً'' کے قول سے واضح کر دیا ہے۔

---

[1] مختصر المعانی: ۲/ ۳۲۵۔

۲۔۔۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس شعر کا شاعر بلغاء اور شعراء میں مشہور و معروف ہو۔اس صورت میں شاعر (منسوب الیہ) کی طرف نسبت ضروری نہیں اور یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں کہ یہ شعر میرا نہیں[1]، جیسے شاعر کا یہ شعر ہے۔

قد قلت لما أطلعت وَجَنَاته　　　حول الشقيق الغض روضة آس

أعذاره الساري العَجُول ترفقا　　　ما في وقوفك ساعة من باس

ترجمہ: تروتازہ شقیق سرخ پھول کے ارگرد جب اس کے رخسار نے چنبیلی کا باغ لگایا تو میں کہا: اے جلدی میں سیاہ ہونے والے رخسار! ذرا سا رُک جاؤ، کیونکہ تیرے تھوڑی دیر رُک جانے کوئی میں حرج نہیں ہے۔

اس شعر میں شاعر نے آخری مصرعہ "ما في وقوفك ساعة من باس "تضمین کے طور پر ابو تمام کا ملا دیا ہے اور ابو تمام چونکہ مشہور و معروف شاعر ہے اس لیے انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ شعر میرا نہیں ہے۔

تضمین میں سب سے احسن اور خوبصورت تضمین وہ ہے جس میں شاعر اول کے شعر پر کسی ایسے نکتہ کا اضافہ ہو جو اس کے شعر میں نہ ہو، جیسے توریہ یا تشبیہ وغیرہ کا اضافہ ہو، جیسے ابن ابی الاصبع نے متنبی کے اس شعر میں تضمین کیا ہے۔

إِذَا الْوَهْمُ أَبْدَى لِي لَمَاهَا وَثَغْرَهَا　　　"تَذَكَّرْتُ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ وَبَارِقِ"

وَيُذْكِرُونِي مِنْ قَدِّهَا وَمَدَامِعِي　　　"مَجَرُّ عَوَالِينَا وَمَجْرَى السَّوَابِقِ"

ترجمہ: جب وہم نے میرے محبوبہ کی لبوں کی سرخی اور دانتوں کی چمک ظاہر کر دیا تو میں نے ان حالات کی یاد کیا جو عذیب اور بارق مقام میں پیش آئے تھے اور محبوبہ کا متحرک نازک نیزے کی قد اور تیز گھوڑوں کی طرح بہہ نکلنے والے میرے آنسو وہم مجھے یاد دلا رہا تھا!

اس شعر میں متنبی کے شعر "تَذَكَّرْتُ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ" پر تضمین ہے جس میں توریہ اور تشبیہ ہے اس طور پر کہ دوسرے شاعر نے "عذیب" اور "بارق" کے قریبی معنی مکان مخصوص مراد لینے کے بجائے اس کا معنی بعید مراد لیا ہے کہ "عذیب "کو"عذب" کی تصغیر بنا کر محبوبہ کے لب مراد لیے ہیں اور "بارق" سے مکان مخصوص کے بجائے آسمانی بجلی کی طرح محبوبہ کے دانتوں کی چمک مراد لی ہے اور "مابین" سے لعاب دہن مراد لیا ہے اور محبوبہ کے قد کی نقل و حرکت کی تشبیہ دی ہے باریک نیزوں کی حرکت کیساتھ اور مسلسل بہنے والے آنسو کی تشبیہ دی ہے مقابلہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے والے گھوڑوں کیساتھ۔

---

[1] مختصر المعانی:۲/۳۲۷۔

اس شعر میں پہلے شاعر کا مطلب یہ ہے کہ مجھے "عذیب" اور "بارق" مقام میں اتر کر ہونے والا واقعہ آیا اور مجھے یاد آیا جہاں پر بہادروں کے مذھ بھیڑ کے وقت نیزے حرکت کرتے ہیں اور گھوڑے ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔

قاعدہ نمبر ۱: تضمین کی ایک نوع یہ بھی ہے کہ متکلم معنیٰ میں تاکید پیدا کرنے یا نظم کی ترتیب باقی رکھنے کے لیے اپنے کلام کے دوران غیر کے کلام کو داخل کر لے، جیسے شعر ہے۔

إِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ   "خَالِقِ النَّاسَ بِخُلْقٍ حَسَنٍ"

ترجمہ: جب تم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنا چاہو "تو لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ"۔

اس شعر میں دوسرا مصرع حدیث[1] سے اقتباس ہے، شاعر نے حدیث کو اپنے شعر کا جزء بنالیا ہے اور حوالہ نہیں دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: تضمین میں معمولی تغیر و تبدیل کر لینے میں (جس سے وہ پورے طور پر کلامِ ثانی کا جزء بن جائے) کوئی حرج نہیں، جیسے ایک یہودی جو داء الثعلب (جس بیماری میں بال جھڑ جاتے ہیں) میں مبتلا تھا اس کے متعلق ضیاء الدین موسی الکاتب کا یہ شعر ہے۔

أقول لمعشر غَلِطوا وغضّوا   من الشيخ الرشيد وأنكروه

هو ابن جلا وطلّاع الثنايا   متى يضع العمامة تعرفوه

ترجمہ: میں اس لوگوں سے کہتا ہوں جنہوں نے غلطی کی ہے اور آنکھیں بند کر لیں ہیں، ہوشیار بوڑھے سے اور اس کو اجنبی سمجھا ہے وہ مشہور اور بلندیوں پر چڑھنے والے شخص کا بیٹا ہے وہ جب عمامہ رکھے گا تم اسے جان لوگے!

اس میں دوسرا شعر سحیم بن وثیلہ ریاحی نامی شاعر کا ہے جو اصل میں متکلم کے صیغہ کیساتھ اس طرح ہے۔

أنا ابن جلا وطلاع الثنايا   متى أضع العمامة تعرفوني

ترجمہ: میں مشہور اور بلندیوں پر چڑھنے والے شخص کا بیٹا ہے میں جب عمامہ رکھے گا تم مجھے جان لوگے![2]

قاعدہ نمبر ۳: اگر ایک مصرعہ یا اس سے کم کی جائے تو اسے ایداع اور رفو کہتے ہیں، اس کو ایداع اس لیے کہتے ہیں کہ ایداع ودیعت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے امانت رکھنا اور اس میں بھی گویا کہ ایک

---

[1] أخرجه أحمد (۱۵۳/۵، رقم ۲۱۳۹۲)، والترمذی (۳۵۵/٤، رقم ۱۹۸۷) وقال: حسن صحيح. والدارمی (٤١٥/٢، رقم ۲۷۹۱)، والحاكم (۱۲۱/۱، رقم ۱۷۸) وقال: صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبی.

[2] انوار الربیع: ۴۵۳۔

شاعر دوسرے شاعر کا شعر اپنے شعر کا جزء بنا کر اسے اپنے پاس امانت رکھتا ہے۔ اور اس کو "رفو" اس لیے کہتے ہیں کہ "رفو" کا معنی ہے: پھٹے ہوئے کپڑے میں پیوند لگانا اور اس میں بھی ایک شاعر دوسرے شاعر کے شعر کیساتھ اپنے شعر کی پھٹن کی پیوند کاری کرتا ہے اس لیے اسے رفو کہتے ہیں [1]۔

قاعدہ نمبر ۴: اگر ایک سے زیادہ شعروں کا تضمین کیا جائے تو اسے استعانت کہتے ہیں، استعانت کا معنی ہے: مدد کرنا۔ اور اس میں بھی ایک شاعر دوسرے شاعر سے اپنے شعر کا معنی پورا کرنے کے لیے مدد لیتا ہے۔ اس لیے اس کا استعانت کہتے ہیں [2]۔

تضمین کی چند مثالیں:

قال مجير الدين محمد بن تميم:

أطالع كل ديوان أراه ... ولم أزجر عن التضمين طيري.

أضمن كل بيت في معنى ... فشعري نصفه من شعر غيري.

وقال الشيخ عز الدين الموصلي:

نادمت قوما لا خلاق لهم　　ولا ميل إلى طرب ولا سمار.

يستيقظون إلى نهيق حمارهم　　وتنام أعينهم عن الأوتار.

ومن أبدع ماقال أبوالحسن حازم فی تضمين قصيدة امرأالقيس، وقدصرف معانيها إلى مدح النبی ﷺ:

لعينيك قل إن زرت أفضل مرسل ... قفا نبك من ذكر حبيب ومنزل

وفي طيبة فانزل ولا تغش منزلا ... بسقط اللوى بين الدخول فحومل

وزر روضة قد طالما طاب نشرها ... لما نسجتها من جنوب وشمال

وأثوابك اخلع محرما ومصدقا ... لدى الستر إلا لبسة المتفضل

لدى كعبة قد فاض دمعي لبعدها ... على النحر حتى بل دمعي محملي

فيا حادي الآبال سر بي ولا تقل ... عقرت بعيري يا امرأ القيس فانزل

فقد حلفت نفسي بذاك وأقسمت ... علي وآلت حلفه لم تحلل

---

[1] انوار الربیع: ۴۵۳۔

[2] انوار الربیع: ۴۵۳۔

فقلت لها لاشك أني طائع ... وأنك مهما تأمري القلب يفعل
وكم حملت في أظهر العزم رحلها ... فيا عجبا من رحلها المتحمل
وعاتبت العجز الذي عاق عزمها ... فقالت لك الويلات إنك مرجلي
نبي هدى قد قال للكفر نوره ... ألا أيها الليل الطويل ألا انجلي
تلا سورا ما قولها بمعارض ... إذا هي نصته ولا بمعطل
لقد نزلت في الأرض ملة هديه ... نزول اليماني ذي العياب المحمل
أتت مغربا من مشرق وتعرضت ... تعرض أثناء الوشاح المفصل
ففازت بلاد الشرق من زينة بها ... بشق وشق عندنا لم يحول
فصلى عليه الله ما لاح بارق ... كلمع اليدين في حبي مكلل
نبي غزا الأعداء بين تلائع ... وبين إكام بعد ما متأمل
فكم ملك وافاه في زي منجد ... بمنجرد قيد الأوابد هيكل
ومن أبطحي نيط منه نجاده ... بجيد معم في العشيرة مخول
أزالوا ببدر عن بروجهم العدا ... كما زلت الصفواء بالمتنزل
وفادوا ظباهم لا بفتك فتى ولا ... كبير أناس في بجاد مزمل
وفضي جموعا فدفدا جامعا بها ... لنا بطن حقف ذي ركام عقنقل
وأحموا وطيسا في حنين كأنه ... إذا جاش فيه حميه غلي مرجل
ونادوا بنات النبع بالنصر أثمري ... ولا تبعدينا من جناك المعلل
وممن له سددت سهمين فاضربي ... بسهميك في أعشار قلب مقتل
فما أغنت الأبدان درع بها اكتست ... ترائبها مصقولة كالسجنجل
وأضحت لواليها ومالكها العدا ... يقولون لا تهلك أسى وتجمل
وقد فر منصاع كما فر خاضب ... لدى سمرات الحي ناقف حنظل
وكم قال يا ليل الوغى طلت فانبلج ... بصبح وما الإصباح منك بأمثل[1]

---

(۱) مکمل قصیدہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ نفح الطيب من غصن الأندلس الرطيب لأحمد بن محمد المقري التلمساني:۲۲۰/۵-۲۲۳.

۱۱۔۔ تلمیح کی تعریف[1]:

"تلمیح" باب تفعیل کامصدرہے یہ "لمح" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے:اشارہ کرنا۔ چنانچہ عربی محاورہ ہے۔"لمح فلان هذا البيت" (فلاں نے اس شعر کی طرف دیکھاہے) اور کہاجاتاہے۔"في هذاالبيت تلميح إلى قول فلان"(اس شعر میں فلاں کی بات کی طرف اشارہ ہے) اوراصطلاحی معنی یہ ہے کہ دورانِ کلام اپنے کلام میں کسی قصہ یاشعریاکسی مشہورضرب المثل کی طرف اشارہ کرنے کوکہتے ہیں، پھریہ نظم اورنثر دونوں میں ہوسکتاہے۔جیسے: ﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ إلاَّ كَمَآ أَمِنْتُكُمْ عَلىٰٓ أَخِيْهِ مِن قَبْلُ﴾ [یوسف:٦٤] اس حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق بھائیوں کی خیانتِ سابقہ کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشارہ فرمایاہے۔

اسی طرح شعرہے۔

لَئِنْ أَصْبَحْتُ مُرْتَحِلاً بِشَخْصِيْ   فَرُوْحِيْ عِنْدَكُمْ أَبَدًا مُقِيْمُ
وَلٰكِنْ لِلْعِيَانِ لَطِيْفُ مَعْنىً   لَهُ "سَأَلَ الْمُعَايَنَةَ الْكَلِيْمُ"

ترجمہ: اگر میرا جسم کوچ بھی کر جائے تو بھی میری روح تمھارے ساتھ ہمیشہ رہے گی اور مشاہدہ کرنا یہ ایک نازک حقیقت ہے اسی بناء پر تو(غایت اشتیاق میں) کلیم اللہ نے مشاہدۂذات کی درخواست ﴿رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ سے فرمائی تھی۔ یہاں شاعرنے اپنے شعرمیں واقعۂ موسی کی طرف اشارہ کیاہے۔

قاعدہ نمبر۱:اس اصطلاح کا صحیح تلفظ"تلمیح"ہے، "تلمیح"کالغوی معنی ہیں:اشارہ کرنااور"تملیح"کامعنی ہیں:نمکین اور مزیدار ہونا۔ان دونوں میں فرق ہے،علامہ شیرازی نے ان دونوں کوایک قراردیاہے جوان کی تسامح ہے[2]۔

---

[1] التلميح قال العلامة التفتازاني في شرح التلخيص: صح بتقديم اللام على الميم، من لمحه، إذا أبصره ونظر إليه. وكثيرا ما تسمعهم يقولون في تفسير الأبيات: في هذا البيت تلميح إلى قول فلان، وقد لمح هذا البيت فلان إلى غير ذلك من العبارات. وأما التلميح – بتقديم الميم – فهو مصدر ملح الشاعر: إذا أتى بشيء مليح، وهو ههنا خطأ محض، نشأ من قبل الشارح العلامة، حيث سوى بين التمليح والتلميح، وفسرهما: بأن يشار إلى قصة أو شعر. ثم صار الغلط مستمرا، وأخذ مذهبا لعدم التمييز. انتهى. فلا عبرة بقول ابن حجة: وسماه قوم التمليح – بتقديم الميم. (أنوارالربيع:٣٢٤)

[2] مختصر المعانی:۲/۳۳۱۔

قاعدہ نمبر ۲: کسی مشہور واقعہ وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلام میں مضمون شامل کرنا تلمیح کہلاتا ہے، یعنی کلام میں کسی فرضی یا تاریخی واقعے، کسی آیتِ قرآنی، یا کسی مشہور شعر کی طرف اشارہ کرنا، یا نجوم، موسیقی اور ریاضی وغیرہ علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: تلمیحات کا استعمال کلام میں فصاحت و بلاغت اور حسن پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے مختصر انداز اور الفاظ میں بڑی بڑی باتیں بتادی جاتی ہیں اور ان حقائق کو سمو دیا جاتا ہے جنہیں بتانے اور سمجھانے کے لیے کئی کئی صفحات کی ضرورت پڑتی ہے۔ نیز اس طرح سے شاعر اور فن کار کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جا بجا تلمیحات کا استعمال کیا ہے اور اہل زبان کو ان واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ نیز تلمیحات ہمیں بیجا لمبی لمبی تشریحوں سے بچا کر کفایت وقت، ایجاز اور تاثیر کا فیض پہنچاتی ہیں۔ عربی، فارسی زبانوں میں تلمیح کا استعمال بڑا عام ہے اور اسے شعری زبان کا جز سمجھا جاتا ہے[1]۔

قاعدہ نمبر: وہ الفاظ جو بعض علمی مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں یا بعض تصورات کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اصطلاح کہلاتے ہیں. اصطلاح اور تلمیح میں فرق یہی ہے کہ تلمیح کے پسِ منظر میں کوئی قصہ ہوتا ہے اور اصطلاح کے پسِ منظر میں بعض علمی تصورات ہوتے ہیں۔

تلمیح کی چند مثالیں:

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ أَوْلِياءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ. مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا. يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ. فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ. بَلْ ظَنَنْتُمْ

---

[1] تلمیح کی تین قسمیں ہیں :. ا۔ شخصی .2 زمانی .3 مکانی

ا۔۔ تلمیحِ شخصی: اس سے مراد یہ ہے کہ کلامِ شعری یا نثری میں کسی مخصوص شخص کے متعلق اشارہ موجود ہو، یا اشارہ تو کسی اور چیز کی طرف ہو مگر اس چیز کی اضافت مخصوص انسان کی طرف ہو۔ اس کی امثلہ یہ ہیں: دامنِ یوسف علیہ السلام، سحر سامری، طوفانِ نوح، لحنِ داؤد، آتشِ نمرود، جورِ چنگیزی وغیرہ۔

۲۔۔ تلمیحِ مکانی: اس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، یا اشارہ تو کسی اور چیز کی طرف ہو مگر اس چیز کی اضافت مخصوص جگہ کی طرف ہو، اس کی امثلہ بھی کثیر ہیں، جیسے: جوئے شیر: دودھ کی نہر وغیرہ۔

۳۔۔ تلمیحِ زمانی: اس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں کسی متعین وقت یا عہد کی اشارہ کرتے ہوئے اس میں وقوع پذیر مخصوص سانحے یا قصے کا بیان ہو، عہدِ الست: روزِ ازل کا وعدہ، اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین پیمان جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، روزِ اول کا قول و قرار وغیرہ۔

أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلى أَهْلِيهِمْ أَبَداً. زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَ. أصدق كلمة قالها شاعر كلمة لبيد: ألا كل شيء ما خلا الله باطل.

قال الشاعر:

إذا جاء موسیٰ وألقى العصا   فقد بطل السحر والساحر

منه قول أبي تَمَّام:

فَوَاللهِ مَا أَدْرِي أَأَحْلاَمُ نَائِم ... أَلَمَّتْ بِنَا أَمْ كَانَ فِي الرَّكْبِ يُوشَعُ

ومنه قول أبي تمّام أيضاً:

لَعَمْرٌو مَعَ الرَّمْضَاءِ وَالنَّارُ تَلْتَظِي ... أَرَقُّ وَأَحْفَى مِنْكَ في سَاعَةِ الْكَرْبِ

يشير إلى البيت المشهور:

الْمُسْتَجِيرُ بِعَمْرٍو عِنْدَ كُرْبَتِهِ ... كَالمُسْتَجِيرِ مِنَ الرَّمْضَاءِ بِالنَّارِ

۱۲۔۔۔عقد کی تعریف[۱]:

”عقد“ لغت میں گرہ لگانا، گٹھ لگانے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی قرآنی آیت، حدیث یا ضرب المثل کو منظوم بنانا، بشرطیکہ یہ اقتباس کے طور پر نہ ہو۔ اور اگر قرآن یا حدیث ہو تو اس میں عقد تب صحیح ہو گا جب اس میں خوب ردوبدل کر دیا جائے اور اگر قرآن وحدیث کے علاوہ ہو تو اس میں زیادہ ردوبدل کی ضرورت نہیں ہے ذرا سی تبدیلی کیساتھ بھی اس میں عقد صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں زیادہ ردوبدل نہ کرنے سے تضمین کا شبہ پیدا ہو تو ہے اور جب کہ قرآن وحدیث کے علاوہ میں تضمین کا شبہ نہیں ہو تا ہے اس لیے اس میں زیادہ ردوبدل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

۱۔۔۔ قرآن مجید سے عقد کی مثال، جیسے یہ شعر ہے۔

---

[۱] هذا النوع عبارة عن أن يعمد الشاعر إلى من كلام الله، أو كلام رسوله، أو السلف الصالح من الصحابة ومن بعدهم، أو كلام الحكماء المشهورين، فينظمه بلفظه ومعناه، أو معظم اللفظ فيزيد فيه، وينقص منه ليدخل في وزن الشعر. (أنوارالربيع:۵۰۵)

فإنَّ اللّٰهَ خلاَّقُ البَرايا عَنَتْ لجَلالِ هَيبتِهِ الوُجوهُ

يقولُ: "إذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إلىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ"

ان اشعار میں شاعر نے قرآن مجید کی اس آیت: ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ کو عقد کیا ہے۔

۲۔۔۔ حدیث سے عقد کی مثال، جیسے امام محمد بن ادریس شافعیؒ کا یہ شعر ہے۔

عمدة الخير عندنا كلمات أربع قالهن خير البريه

اتق الشبهات، وازهد، ودع ما ليس يعنيك، وأعملَنْ بنيه

ان اشعار میں درج ذیل چار حدیثوں کو عقد کیا گیا ہے۔

۱..."الحلال بين والحرام بين وبينهما أمور مشتبهات". ۲..."ازهد في الدنيا يحبك الله". ۳...." من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه". ٤... "إنما الأعمال بالنيات".

۳۔۔۔ قرآن وحدیث کے علاوہ عقد کی مثال، جیسے ابو العتاہیہ کا یہ شعر ہے۔

مَا بَالُ مَنْ أَوَّلُهُ نُطْفَةٌ وَ جِيْفَةٌ آخِرُهُ يَفْخَرُ

ترجمہ: جس کی ابتداء نطفہ ہو اور انتہاء مردہ ہونا ہو، وہ بھلا کیا فخر کرے!

یہ شعر دراصل امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بنایا گیا ہے، چنانچہ آپ کا فرمان ہے۔" مَا لابْنِ آدَمَ وَالفَخْرِ، وَإِنَّمَا أَوَّلُهُ نُطْفَةٌ، وَآخِرُه جِيْفَةٌ"- کہ ابن آدم کو غرور تکبر سے کیا جوڑ؟ اس کی ابتداء نطفہ ہے اور انتہاء مردہ ہو جانا ہے !!

قاعدہ نمبر: عقد کے لیے یہ شرط ہے کہ لفظ و معنی دونوں کا عقد کیا جائے اگر صرف معنی کا عقد ہو تو یہ عقد شمار نہیں ہو گا بلکہ سرقہ کے قبیل سے ہو گا[۱]۔

قاعدہ نمبر: اقتباس اور عقد میں فرق یہ ہے کہ اقتباس میں کسی معنی کو منظوم کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے جب کہ عقد میں کلام منثور کو منظوم پیش کیا جاتا ہے[۲]۔

قاعدہ نمبر: عقد کی شرط یہ ہے کہ مأخوذ منہ کے جملہ یا اکثر الفاظ کو اپنے کلام میں ذکر کرے، البتہ وزنِ شعری کے لیے کچھ کمی بیشی کر لے۔

---

[۱] انوار الربیع:۵۰۵۔

[۲] انوار الربیع:۵۰۷۔

عقد کی چند مثالیں:

وقول الإمام أبي منصور عبد القاهر بن طاهر التميمي:

يا من عدا ثم اعتدى ثم اقترف ... ثم انتهى ثم ارعوى ثم اعترف

أبشر بقول الله في آياته ... أن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف

وقول أبي نصر سهل بن المرزبان:

لا تجزعن من كل خطب عرى ... ولا تر الأعداء ما يشمت

أما سمعت الله في قوله ... إذا لقيتم فئة فاثبتوا

وقول أبي جعفر الأندلسي:

إذا ظلم المرأ فامهل له ... فبالقرب يقطع منه الوتين

فقد قال ربك وهو القوي ... وأملي لهم أن كيدي متين

وقول أبي محمد العبد لكاني:

أما ترى الرحمن سبحانه ... المخرج الميت من الحي

يقول لا أكره في الدين قد ... تبين الرشد من الغي

قال الشاعر أبو النواس:

إنّ القُلوبَ لأجْنَادٌ مُجَنَّدَةٌ   لله في الأرْضِ بالأهْواءِ تختلِفُ

فما تَعارَفَ منْها فهْوَ مُؤتَلِفٌ   وما تَناكَرَ منْها فهو مُخْتَلِفُ

۱۳۔۔۔۔حَلّ کی تعریف:

"حل" کالغوی معنی ہیں: کھولنا، حل کرنا، "حل المشکلۃ" کا معنی ہے: مسئلہ حل کرنا اور یہ "عقد" کی ضد ہے، اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی شاعر کے کلامِ منظوم کو کلامِ منثور بنادینا۔ حل کے مقبول ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ نثر کا اسلوب نظم سے کم مرتبہ کا نہ ہو۔ یعنی وہ کلام منثور نظم الفاظ میں اور وضع ترتیب حروف میں انتہائی عمدہ واقع ہو۔ دوسرے یہ کہ نثر بلاغت کے مقتضی کے مطابق ہو اور اس کیساتھ ساتھ اس میں کوئی اضطراب نہ ہو، جیسے

شعرہے۔

إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُوْدُكُمْ　　وَتُذْنِبُوْنَ فَنَأْتِيْكُمْ وَنَعْتَذِرُ

ترجمہ: جب ہم بیمار ہوتے ہیں اس وقت بھی ہم تمہارے پاس آکر تمہاری عیادت کرتے ہیں؛ اور جب تم غلطی کرتے ہو تو بھی ہم تمہارے پاس آکر تم سے معذرت کرتے ہیں۔

اس کلامِ منظوم کو کسی نثر نگار نے نثر کی طرف منتقل کر کے یوں کہا ہے۔"اَلْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُوْرَةٌ وَمَكْرُمَةٌ مَأْثُوْرَةٌ، وَمعَ هٰذَا فَنَحْنُ اَلْمَرْضىٰ وَنَحْنُ الْعُوَادُّ، وَكُلُّ وِدَادٍ لايَدُوْمُ فَلَيْسَ بِوِدَاد". عیادت کرناایسی سنت ہے جو موجبِ اجر ہے اور ایسی خصلت ہے جو پہلوں سے چلی آرہی ہے، اس کے باوجود ہم ہی بیمار بھی ہوتے ہیں اور ہم ہی عیادت بھی کرتے ہیں اور ہر ایسی محبت جو دائمی نہ ہو وہ محبت ہی نہیں۔

اسی طرح یہ ایک شعر ہے۔

إذا ساءَ فِعْلُ المرْءِ ساءَتْ ظُنُونُهُ　　وَصَدَقَ مَا يَعتَادُهُ من تَوَهُّم

ترجمہ: جب آدمی بُرے کام کرتا ہے تو اس کا گمان بھی بُرا ہو جاتا ہے اور وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے جس کی اس کو عادت پڑتی ہے۔

اس کلامِ منظوم کو کسی نثر نگار نے نثر کی طرف منتقل کر کے یوں کہا ہے۔" فإنه لما قبحت فعلاته، وحنظلت نخلاته، لم يزل سوء الظن يقتاده، ويصدق توهمه الذي يعتاده. "یعنی جب اس کے افعال بُرے ہوگئے اور اس کے کھجور کے پھل کڑوے ہوگئے تو اس کا بُرا گمان مسلسل اسے نکیل سے پکڑ کر لے جارتا رہا اور وہ اپنے ان توہمات کی تصدیق کرتا رہا جس کا وہ عادی بن چکا تھا۔

حل کی چند مثالیں:

وقوله في وصف كتاب الريحانة (فلله كتابه من ريحانة تنفست في ليلها البارد، وعطرت معاطس الأسماع بنشرها الوارد.

حل فيه قول ابن المعتز:

كأنني عانقت ريحانة ... تنفست في ليلها البارد

كقول الصاحب بن عباد في فتح قلعة (ما لبثوا أن رأوا معلقهم الحين، ومثواهم القديم نهزة الجفاف، وفرصة البوائق، ومجر العوالي ومجرى السوابق) .

حل قول أبي الطيب:

تذكرت ما بين العذيب وبارق ... مجر عوالينا ومجرى السوابق

وقول بعض المغاربة (فإنه لما قبحت فعلاته، وحنظلت نخلاته، لم يزل سوء الظن يقتاده، ويصدق توهمه الذي يعتاده.

حل فيه قول أبي الطيب أيضاً:

إذا ساء فعل المرء ساءت ظنونه ... وصدق ما يعتاده من توهم

وفال السيد البطليوسي (فلئن هريق الشباب، واستشن الأديم وأقشع الرباب فلعل في الأفق ربابة، وفي الحوض صبابة.

حل فيه قول بعض الأعراب:

فقلت لها يا أم عمران أنه ... هريق شبابي واستشن أديمي

وقول القاضي عبد الحق بن عطية (ويعلم أن الزمن أن سر حيناً فهمه ناصب، والدنيا إذا أخضر منها جانب جف جانب.

حل فيه قول ابن عبد ربه:

ألا إنما الدنيا غضارة أيكة ... إذا أخضر منها جانب جف جانب

وقول الوزير ابن الدباغ في تعزية (من أي الثنايا طلعت النوائب، وأي حمى رتعت فيه المصائب.

حل فيه قول الشريف الرضى:

من أي الثنايا طالعتنا النوائب ... وأي حمى منا رعته المصائب

۱۴۔۔۔حُسنِ اِنْتِہَاء کی تعریف[1]:

حسنِ انتہاء من جملہ ان مقامات میں سے ہے جن میں کلام کو خوبصورت و حسین پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے، کلام خواہ منثور ہو یا منظوم ہو دونوں صورتوں میں اس کی انتہاء خوبصورت انداز میں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ کلام کا حصہ ہے جس کو سامع سن لینے کے بعد اپنے لوحِ دل پر نقش کرلیتا ہے اور اسے ذہن میں محفوظ کرلیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کسی کلام کی انتہاء خوبصورت اور جاذب ہو تو سامع اسے سن کر جھوم اُٹھتا ہے اور اس کی وجہ سے کلام سابق کے قبح کو بھی بھول

[1] مختصر المعانی:۲/۳۴۳۔

بیٹھتاہے، لیکن اگر کلام کی انتہاء خوبصورت پیرایہ میں نہ ہو تو پورا کلام غیر مؤثر بن جاتاہے۔ قرآن مجید میں یہ صنعت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے، کسی بھی سورت کے انتہاء کو دیکھ لیجئے! کہ کس طرح خوبصورت انداز میں اختتام پذیر ہوتا ہے!! مثلاً سورۃ الزلزال کو دیکھیں کہ ابتداء قیامت کے ہولناک احوال سے ہوتی ہے اور ختم بھی اسی مضمون پر ہوتی ہے، اسی طرح سورۃ عبس کو دیکھ لیجئے کہ اس کی انتہاء بھی محاسبہ اور احوالِ قیامت پر ہوتا ہے۔

اسی طرح اس شعر کو دیکھ لیجئے کہ شاعر کس لطیف انداز میں مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے، جیسے خصیب بن عبد الحمید کی تعریف میں ابونواس کا یہ شعر ہے۔

وَأَنْتَ لِمَا أَمَّلْتُ مِنْكَ جَدِيْرُ　　　وَأَنِّي جَدِيرٌ إِنْ بَلَغْتُكَ بِالغِنَى

وَإِلَّا فَإِنِّي عَاذِرٌ وَشَكُوْرُ　　　فَإِنْ تولِنِي مِنْكَ الجمِيْلَ فَأَهْلُهُ

ترجمہ: اور جب میں تیرے پاس آرزوئیں لے کر آیاہوں تو میں کامیابی کا مستحق ہوں اور میں نے جو آرزو کی ہے آپ اس کے پورا کرنے کے مستحق ہیں، اگر تو مجھے اچھی طرح عطاکرے تو اس کا مستحق ہے، ورنہ میں آپ کو معذور سمجھ کر آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔

اس شعر میں محل استشہاد "عاذر" اور "شکور" ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح نے اس کے عذر کو قبول کر لیا اور جب عذر قبول ہو گیا تو اعتراض ختم ہو گا۔

حسنِ انتہاء کی ایک بہترین صورت یہ ہے کہ جو منتہیٰ کلام کو بتلادے اور یہ کبھی تو ایسے لفظ کیساتھ ہو گا جو خود بخود انتہاء کلام پر دال ہو جس کی وجہ سے سامع کو مزید انتظار نہیں رہے، جیسے ابو عطاء معریٰ کا یہ شعر ہے۔

وَهٰذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلٌ　　　بَقَيْتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِه

ترجمہ: اے اہلِ زمانہ کی جائے پناہ! میری دعاہے کہ آپ ابد الآباد تک زندہ و پائندہ رہیں اور میری یہ دعاء تمام مخلوق کو عام و تام ہو۔

اس میں دعا سے یہ معلوم ہوا کہ اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا، کیونکہ متعارف یہی ہے کہ دعا کلام کے آخر میں ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: حسن انتہاء ابن ابی الاصبعؒ کی اختراع ہے جس کو انہوں نے "حسن الخاتمۃ" کے نام سے موسوم کیاہے اور علامہ تیفاشی وغیرہ نے اس کا تذکرہ "حسن المقطع" کے نام سے کیاہے [1]۔

قاعدہ نمبر ۲: حسنِ انتہاء کو حسن الختام بھی کہتے ہیں [1]۔

---

[1] خزانۃ الادب: ۲/۴۹۳۔

قاعدہ نمبر ۳: حسنِ انتہاء کی بہترین صورت وہ ہے جو منتہیٰ کلام کو بتلا دے اس کو براعت مقطع بھی کہتے ہیں اور یہ بھی کبھی ایسے الفاظ کے ذریعہ ہوتی ہے جن کا مدلولِ عرفی یہی ہوتا ہے کہ بات ختم ہوگئی، جیسے رسائل ومکتوبات کے آخر میں لفظ "والسلام" ذکر کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۱: امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے، جیسا کہ سلاطین اپنے فرامین کے اختتام میں جامع کلمات، نادر وصیتوں اور احکامِ مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں، اسی طرح باری تعالیٰ نے سورتوں کے آخیر میں جامع کلمات، پُر حکمت باتیں سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں، جیسے :﴿فَإِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلاَ يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾[الذٰریٰت:۵۹][2]۔

فائدہ نمبر ۲: علامہ حریری نے تیرھواں مقامہ (الزورائیة) میں صنعتِ حسنِ انتہاء کے انشاء پردازی پر خوب زور دیا ہے[3]۔

حسنِ انتہاء کی چند مثالیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰہُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. وَلِلّٰہِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ. لِيَجْزِيَ اللّٰہُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللّٰہَ سَرِيعُ الْحِسَابِ هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ. أَلَيْسَ اللّٰہُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ. وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰہِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا.

قال أبو العلاء، من ختام قصيدة:

ولا تزال بك الدنيا ممتعة ... بالآل والحال والعلياء والعمر

---

(۱) جواہر البلاغہ:۳۴۴۔

(۲) الفور الکبیر:۱۳۹۔

(۳) خزانۃ الادب:۲/۴۹۴۔

وقال الأرجاني في ختام قصيدة:

بقيت ولا أبقى لك الدهر كاشحًا ... فإنك في هذا الزمان فريد

عُلاك سوار والممالك معصم ... وجودك طوق والبرية جيد

بابِ پنجم: السرقات الشعرية

علم بدیع کے آخر میں سرقاتِ شعریہ سے بحث کی جاتی ہے، یہاں بھی طرداًللباب اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ سَرقہ یہ ہے کہ کوئی نظم یا ناثر غیر کے نظم ونثر کو بعینہٖ یا اس کے معنی لے کر اپنی طرف منسوب کر دے۔ یہ فعل کبھی ممدوح ہوتا ہے تو کبھی مذموم بھی شمار کیا جاتا ہے۔ سرقہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب بھی کوئی کلام دو قائلوں کی طرف منسوب ہو گا تو ان کا غرضِ عموم میں اتفاق ہو گا یا وجہ دلالت میں۔ اگر غرضِ عموم میں اتفاق ہو، جیسے کسی کو بہادر یا سخی کہنا، یا کسی کی حسن وجمال کی دوسری چیز کیساتھ تشبیہ دینا تو اسے سرقہ، اخذ، استعانت، اغارہ، مسخ وغیرہ نہیں کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ چیزیں ہر انسان کے دل ودماغ میں رچ بسی ہوتی ہیں، ان میں فصیح وغیر فصیح، شاعر وغیر شاعر سب برابر ہیں، ان میں سرقہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور اگر وجہ دلالت میں قائلَین کا اتفاق ہو (اور وجہ دلالت میں اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ معنی مقصودی پر دلالت کرنے کے مختلف طریقے مثلاً: تشبیہ، مجاز، کنایہ یا ان ہیئت وصفات کے ذکر کرنے میں جو معنی مقصود پر دلالت کرتے ہوں، جیسے "زید یتھلل" اس میں زید کے چہرے کی چمک ودمک بتائی گئی ہے جو اس کے سخی ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ زید جب سائل اور محتاج کو دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو جاتی ہے) تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس میں اشتراکِ عام (اشتراک عام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وجہ دلالت ہر انسان کے ذہن اور دل ودماغ میں ہو، جیسے بہادر کی تشبیہ شیر کیساتھ دینا، کسی کی سخاوت کی تشبیہ سمندر کیساتھ دینا) ہے یا نہیں، اگر اشتراکِ عام ہو تو اسے بھی سرقہ اور اخذ نہیں کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ ان چیزوں کی معرفت میں عام لوگ برابر ہیں، ان میں سرقہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!! اور اگر اشتراک عام نہ ہو بلکہ بعض مخصوص لوگوں کی سمجھ میں آسکتی ہو تو پھر اس میں کمی وزیادتی کا دعوی کرنا، سابق ولاحق کا دعوی کرنا اور افضل ومفضول کا دعوی کرنا صحیح ہے (۱)۔

---

(۱) وقد اهتم علماء البلاغة بهذا الموضوع، فدوّنوا في علوم البلاغة بحثاً يتعلّق بالسّرقات الشعريّة وتواطؤ القرائح واتفاقها، ورأوا أنّ التوافق له حالات ثلاث:

الحالة الأولى: "الْمُوارَدة": وهي أن يتّفق المتكلّمان في اللّفظ والمعنى، أو في المعنى وحده، ولا يُعْلَم أَخْذ أحدهما من الآخر. قالوا: إنّ مثل هذا يمكن أن يكون من اتفاق القرائح وتوارد الأفكار من غير أن يَسْرِقَ أَحَدٌ من الآخر، ولو كان أحدهما متأخراً زمناً. ومن أمثلة هذه الحالة أنّ ابن الأعرابي أنشد لنفسه قوله:

پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم خاصی غریب ہے جو خواص کیساتھ مخصوص ہے اور نظر و فکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور دوسری قسم عامی بعید ہے جس میں وجہ دلالت اتنی واضح ہوتی ہے کہ اسے عام لوگ سمجھتے ہیں، لیکن بعد میں اس میں ایسا تصرف کیا گیا ہو جس کی وجہ سے یہ عوام الناس کے سمجھ سے بالاتر ہو گئی ہو، اب اسے خواص ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل تشبیہ اور مجاز کے مباحث میں گذر چکی ہے[1]۔

سرقہ کی اقسام وانواع

سرقہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ سرقہ ظاہرہ　　۲۔ سرقہ غیر ظاہرہ

۱۔۔۔ سرقہ ظاہرہ کی تعریف:

سرقہ ظاہرہ کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ہم ان دو کلاموں کو کسی عقلمند کے سامنے پیش کریں تو وہ یہ حکم لگائے کہ اس کلام کی اصل دوسرا کلام ہے، پھر سرقِ ظاہرہ کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ نسخ وانتحال　۲۔ مسخ واغارہ　۳۔ سلخ والمام

۱۔۔۔ نَسخ وانتحال کی تعریف:

مُفِيدٌ ومِتْلاَفٌ إذا مَا أَتَيْتَهُ　　　تَهَلَّلَ واهْتَزَّ اهْتِزَازَ المُهَنَّدِ

فقيل له: أَيْنَ يُذْهَبُ بِكَ؟ هَذا لِلْحُطَيْئَة. فقال ابن الأعرابي: الآن عَلِمْتُ أَنّي شاعر، إذْ وافَقْتُهُ على قولِهِ ولم أسمعه إلاَّ السّاعة، أي: لم يَسْمَعْ قول الحطيئة إلاَّ في هذه الساعة.

الحالة الثانية: "الاشتراك العامّ": وهي التوافق في الأغراض وفي الأفكار والمعاني المتداولة، الّتي يشترك معظم الناس بإدْراكها، سواء تناقلها بعضُهُمْ عن بَعْضٍ أو لم يتناقلوها. وفي هذه الحالة لا يُعْتَبَرُ اللاّحق سارقاً من السابق، ولا معتدياً على حقّه الأدبي.

الحالة الثالثة: "السّرقات الأدبيّة": وهي الّتي يسْطو فيها اللاّحقُ على ما أبدعه السابق، من المعاني والعبارات، والتشبيهات، والاستعارات، والمجازات، وغير ذلك من مبتكرات الأفكار. وهذه هي التي يُقال فيها: فلانٌ السابق، وفلانٌ سرَقَ منه، أو فلان السابق، وأخذ الّذِين جاؤوا من بعده فكرتَه، أو عبارته، أو أسلوبه، أو نحو ذلك.

(البلاغة العربية:۲/۵٤۹)

[1] مختصر المعانی:۲/۳۰۳۔

"نسخ" کے لغوی معنی لکھنے کے ہیں اور "انتحال" کے لغوی معنی دوسرے کے مضمون کو اپنی طرف منسوب کرنے کے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک ناثر یا شاعر دوسرے ناثر یا شاعر کے کل الفاظ مع معنیٰ کو نظمِ کلام میں تغیر کیے بغیر اپنی جانب منسوب کر دے، یہ قسم سرقہ محضہ ہونے کی بناء پر نہایت مذموم ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن زَبیر نے مُعْن بن اَوس مزنی کے مندرجۂ ذیل اشعار کو حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے سامنے مِن وعَن پڑھ کر اپنی طرف منسوب کر لیا تھا۔

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ عَلىٰ طَرْفِ الهِجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ
وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيْمَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ

ترجمہ: جب تو اپنے بھائی کے حقوق ادا نہ کرے اور وہ بھائی اگر عقل مند ہو گا تو کنارہ کشی اختیار کر لے گا اور تیرے اس پر ظلم کرنے کی صورت میں اگر وہ تلوار کی تیزی سے خلاصی کی کوئی راہ نہ پائے تو تلوار کی دھار پر چلنا بھی گوارا کر لے گا۔

یہ اشعار عبد اللہ بن زبیر نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر کو کہا کہ تو مجھ سے جدا ہونے کے بعد شاعر ہو گیا! انہوں نے خاموشی اختیار کی، جس سے یہ تاثر دیا کہ یہ میرے اشعار ہے۔ اس کے کچھ دیر بعد مُعْن بن اوس شاعر آئے اور انہوں نے ایک پورا قصیدہ سنایا جس میں یہ دو اشعار بھی تھے۔ قصیدے کے پہلے اشعار یہ ہیں۔

لَعَمْرُكَ مَا أَدْرِي وإِنِّي لأَوْجَلُ عَلَى أَيِّنَا تَعْدو المَنِيَّةُ أَوَّلُ

ترجمہ: تیری عمر کی قسم میں نہیں جانتا ہوں اور البتہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ ہم سے کس پر موت پہل کرے گی!!
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تو نے تو کہا تھا کہ یہ میرے اشعار ہیں۔ اس پر عبد اللہ بن زبیر نے کہا ان اشعار کے الفاظ اس کے ہیں اور معانی میرے ہیں، نیز معن بن اوس میرا رضاعی بھائی ہے اس لیے میں ان کے اشعار کو اپنی طرف منسوب کر سکتا ہوں۔

نسخ اور انتحال کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شعر کے تمام الفاظ بدل کر ان کی جگہ الفاظِ مترافہ لائے جائیں[1]، جیسے حطیئہ کا یہ شعر ہے۔

دَعِ المكارِمَ لَا تَرْحَل لُبُغْيَتِها واقعُدْ فإنَّك أَنْت الطّاعِمُ الكاسي

---

(1) مختصر المعانی: ۲/ ۳۰۸۔

ترجمہ: تم اعلی اخلاق کو چھوڑ دو! ان کی طلب میں سفر مت کر اور بس! بیٹھ جاؤ اس لیے کہ تم تو کھانے پینے اور کپڑوں کے شیدائی ہو!!

ایک شاعر نے اسی شعر کے تمام الفاظ کو مترادف الفاظ سے بدل کر اس طرح کہا ہے۔

ذرا المآثر لا تذهب لمطلبها   واجلس فانك أنت الآكل اللابس

ترجمہ: تم اعلی اخلاق کو چھوڑ دو! ان کی طلب میں سفر مت کر اور بس! بیٹھ جاؤ اس لیے کہ تم تو کھانے پینے اور کپڑوں کے شیدائی ہو!!

اس دوسرے شعر میں پہلے شعر کے تمام معانی کو لیا گیا ہے اور اس کے الفاظ کو الفاظِ مترادفہ سے بدلا دیا گیا ہے اس طور پر کہ "دع" کی جگہ "ذر"، "مکارم" کی جگہ "مآثر"، "لا ترحل" کی جگہ "لا تذھب"، "لُبُغْیَتِھا" کی جگہ "لمطلبھا"، "اقعد" کی جگہ "اجلس"، "طاعم" کی جگہ "آکل" اور "کاسی" کی جگہ "لابس" لایا گیا ہے۔

نسخ اور انتحال کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شعر کے بعض الفاظ بدل کر ان کی جگہ الفاظِ مترافہ لائے جائیں[1]، جیسے امرؤ القیس کا یہ شعر ہے۔

وَقُوفاً بها صَحْبِي عَلَيَّ مَطِيَّهُمْ   يَقُولُونَ: لاَ تَهْلِكْ أسىً وتجَمَّلِ

ترجمہ: میرے دوست ان میدانوں میں اپنے سواریوں کو روکے ہوئے کہہ رہے تھے کہ غم وفراق سے ہلاک نہ ہو اور صبرِ جمیل اختیار کر!

معروف شاعر طرفہ بن عبد نے امرؤ القیس کے اس شعر کے بعض الفاظ (یعنی "تجَمَّلِ" کی "تَجَلَّدِ" کہا ہے جو باہم مترادف ہیں) کو بدل کر یوں کہا ہے۔

وَقُوفاً بِهَا صَحْبِي عَلَيَّ مَطِيَّهُمْ   يَقُولُونَ: لاَ تَهْلَكْ أَسىً وتَجَلَّدِ

ترجمہ: میرے دوست ان میدانوں میں اپنے سواریوں کو روکے ہوئے کہہ رہے تھے کہ غم وفراق سے ہلاک نہ ہو اور صبرِ جمیل اختیار کر!

نسخ اور انتحال کی چوتھی صورت یہ ہے کہ شاعر یا ناثر دوسرے کے شعر کو نظم وترتیب میں تغیر کے بغیر متضاد معانی والے الفاظ سے بدل دے، جیسے: آل جفنہ کی مدح میں سیدنا حسان بن ثابتؓ کے آنے والے شعر کا کسی نے سرقہ کیا ہے۔ حضرت حسان کا شعر ہے۔

بِيْضُ الوُجُوْهِ كَرِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ   شُمُّ الأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الأَوَّل

---

[1] مختصر المعانی:۲/۳۰۹۔

ترجمہ: میرے ممدوح گورے چہرے والے، معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں؛ بلند ناک والے، اوّل درجے کے ہیں۔

کسی شاعر نے مدح کے متضاد معنیٰ (ہجو) بیان کرنے کے لیے اسی نظم وترتیب کو باقی رکھتے ہوئے شعر کہا ہے۔

سُوْدُ الوُجُوْہِ لَئِیْمَۃٌ أَحْسَابُھُمْ　　فُطْسُ الأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الآخِرِ

ترجمہ: وہ لوگ سیاہ فام ہیں، رذیل خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں ان کی ناک چپٹی ہے اخیری درجے کے ہیں۔

فائدہ: شاعر کا عام غرض (سخاوت وشجاعت، فقر وغنی، ذہانت وبلادت وغیرہ) کو بیان کرنے میں مخصوص طریقۂ تعبیر (مثلا: خوب صورت عورت کو شمس وقمر سے، سخی کو بحر وبادل سے، غبی کو حجر وحمار سے اور شجاع کو سیف ونار سے تشبیہ دینا؛ اسد کا استعارہ بہادر کے لیے کرنا؛ کثیر الرماد اور مہزول الفصیل سے کرم کا کنایہ کرنا) کو استعمال میں لانا سرقات شعر یہ شمار نہ ہوگا[1]۔

۲۔۔۔ مسخ واغارہ کی تعریف:

مسخ کے لغوی معنی صورت بگاڑ دینے کے ہیں اور اس میں بھی دوسرے کے کلام کی صورت کو بگاڑ دجاتا ہے اور اغارہ لغت میں لوٹنے اور ڈاکہ ڈالنے کو کہتے ہیں اور اس میں بھی دوسرے کے معنی پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے اور اصطلاح میں مسخ اور اغارہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کے کلام میں تبدیلی کرکے الفاظ ومعنی لے، یا بعض الفاظ میں تبدیلی کرکے معنی لے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ماخوذ شعر ماخوذ منہ سے حسن ترتیب، اِختصار اور زیادتیٔ معنی کی وجہ سے ابلغ ہو تو ماخوذ شعر مقبول اور ممدوح ہوگا، ورنہ غیر مقبول اور مردود ہوگا[2]۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں:۔

ا۔ کلامِ ثانی کلامِ اول سے ابلغ ہوگا۔ ۲۔ یا کلامِ ثانی کلامِ اول سے انقص ہوگا۔ ۳۔ یا کلامِ ثانی کلامِ اول کے مساوی ہوگا۔

ا۔۔۔ کلامِ ثانی کلامِ اول سے ابلغ ہو، جیسے: کلامِ ثانی کی ترتیب عمدہ ہو یا اس میں اختصار مفید ہو یا اس میں ایضاحِ معنی ہو یا اس میں معنی کی زیادتی ہو تو اسے حسن الاتباع کہتے ہیں اور یہ مقبول وممدوح ہے، جیسے بشار کے اس شعر میں ہے۔

مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ وَلَمْ یَظْفَرْ بِحَاجَتِہِ　　وَفَازَ بِالطَّیِّبٰتِ الفَاتِکُ اللَّھْجُ

ترجمہ: جو کوئی لوگوں سے ڈر گیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا اور دنیا کی مرغوبات میں بہادر اور موت کا حریص کامیاب ہوتا ہے۔

---

(۱) مختصر المعانی: ۲/۳۰۹۔

(۲) مختصر المعانی: ۲/ ۳۰۹۔

بشار کے تلمیذ سلم خاسر نے اسی معنی کو اس انداز میں پیش کیا ہے۔

مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ مَاتَ غَمًّا وَفَازَ بِاللَّذَّةِ الجَسُوْرُ

ترجمہ: جو لوگوں سے ڈر گیا تو وہ غم کی وجہ سے مر گیا اور بہادر لوگ دنیا کی لذتوں کو حاصل کرتے ہیں۔

اس دوسرے شعر میں کچھ الفاظ میں تبدیلی کر کے پہلا شعر بنایا گیا ہے اور دونوں شعروں کا معنی مقصودی ایک ہے، لیکن حسنِ ترتیب کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو دوسرا شعر پہلے شعر سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ اس میں معنی مقصودی پر پہلے شعر کی بہ نسبت دلالت
واضح ہے اور اس کیساتھ دوسرا شعر مختصر بھی ہے۔

۲۔۔۔ کلامِ ثانی کلامِ اول سے انقص ہو، یہ قسم غیر مقبول اور مذموم ہے، جیسے: محمد ابن حمید کے مرثیہ میں ابو تمام کا یہ شعر ہے۔

هَيْهَاتَ لايَأْتِيْ الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيْلُ

ترجمہ: بہت بعید ہے زمانہ ممدوح کا مثل نہیں لاسکے گا! زمانہ اس کے مثل کے لانے سے بخیل ہے۔

اس معنی کو ابو الطیب متنبی نے یوں بیان کیا ہے۔

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ وَلَقَدْ يَكُوْنُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيْلا

ترجمہ: میرے ممدوح کی سخاوت زمانے پے چھا گئی، تب زمانے نے میرے ممدوح کی سخاوت کی؛ ورنہ زمانہ تو اس کی سخاوت پر (بھی) بخیل ہو رہا تھا۔

متنبی کے مصراع ثانی کے مقابلے میں ابو تمام کے بیت کا مصراع ثانی بہتر سانچہ میں ہے کیونکہ متنبی یہ کہنا چاہتا ہے کہ "کان الزمان به بخيلا"" زمانہ میرے ممدوح کی سخاوت کے بارے میں بخیل تھا" لیکن وزن شعری کی رعایت میں بجائے ماضی کے فعلِ مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جو بخلِ زمانہ کو اتنا یقینی نہیں بتاتا جو فعل ماضی بتایا کرتا ہے، جب کہ ابو تمام نے اسی مضمون کو جملہ اسمیہ کی صورت میں ادا کیا ہے جس میں دوام و استمرار پایا جاتا ہے[1]۔

---

(۱) اس شعر کے مطلب میں دو قول ہیں: علامہ ابن جنیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ زمانہ نے ممدوح سے سخاوت کرنا سیکھا ہے اور اس کے بعد اسے ظاہر کیا ہے، اگر زمانہ ممدوح سے سخاوت سیکھ کر سخاوت نہ کرتا تو یہ ممدوح کے وجود کیساتھ بھی ہمارے ساتھ سخاوت نہ کرتا کہ ممدوح کو عالم عدم ہی میں رکھ دیتا عالم وجود میں نہ لاتا اور اس کو عالم شہود میں لانے سے بخل کرتا۔ اور علامہ فورجہ فرماتے ہیں کہ اس شعر کا یہ مطلب بیان کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو ذات خود موجود نہ ہو تو اس کی سخاوت بھی نہیں ہو گی، چہ جائے کہ اس کی سخاوت دوسرے کی طرف متجاوز بھی ہو اور کوئی دوسرا اس سے سخاوت سیکھ بھی لے!! بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ زمانہ نے میرے اوپر ممدوح کیساتھ ملا کر سخاوت کی

۳۔۔۔کلامِ ثانی کلامِ اول کے مساوی ہو، تو اس صورت میں کلامِ اول بہتر ہو گا، لیکن کلامِ ثانی کو بھی مذموم نہیں کہا جائے گا، جیسے ابو تمام کا یہ شعر ہے۔

لَوْ حَارَ مُرْتَادُ المَنِيَّةِ لَمْ يَجِدْ   إلاَّ الفِرَاقَ على النُّفُوسِ دَلِيلاً

ترجمہ: اگر حیران ہو جائے طلب کرنے والی موت تو جدائی کے علاوہ جانوں کے ہلاک کرنے کے لیے کوئی راستہ نہیں پائے گی۔

اسی معنی کو متنبی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لَوْلاَ مُفَارَقَة الأَحْبَابِ مَا وَجَدَتْ   لَهَا المَنَايَا إِلى أَرْواحِنَا سُبُلاً

ترجمہ: اگر دوستوں کی جدائی نہ ہوتی تو ہمارے روحوں کی طرف موت راستہ نہ پاتی۔

اس میں متنبی نے ابو تمام کا پورا شعر معنی سمیت لیا ہے، مثلاً: "منیۃ، فراق، وجدان" البتہ "نفوس" کو بدل کر اس کی جگہ "ارواح" کا لفظ ذکر کیا ہے[۱]۔

۳۔۔۔سلخ و المام کی تعریف:

"سلخ" لغت میں "سلخ الشاۃ" سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں بکری کی کھال اتارنا۔ اس میں بھی شاعر ایک معنی سے اس کے الفاظ اتار کر دوسرے الفاظ پہنا دیتا ہے اس لیے اس کو "سلخ" کہتے ہیں اور "المام" لغت میں قصد کرنے اور کسی جگہ اتر جانے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کا صرف معنی و مضمون لے، الفاظ نہ لے، یعنی جس میں سرقہ صرف معنی کا ہو لفظوں کا نہ ہو۔ اس کی بھی تین صورتیں ہیں:۔

ا۔ کلامِ ثانی کلامِ اول سے ابلغ ہو گا۔ ۲۔ یا کلامِ ثانی کلامِ اول سے انقص ہو گا۔ ۳۔ یا کلامِ ثانی کلامِ اول کے مساوی ہو گا۔

ا۔۔۔کلامِ ثانی کلامِ اول سے ابلغ ہو[۲]، اس قسم کا سلخ اور المام افضل ہے، جیسے ابو تمام کا شعر ہے۔

ہے، حالانکہ زمانہ ممدوح کے وجود کیساتھ مجھ پر بخل کرتا تھا اور مجھے اس سے نہیں ملاتا تھا، لیکن جب زمانہ نے ممدوح سے سخاوت کرنا سیکھی، تو پھر زمانہ نے مجھے میرے ممدوح کیساتھ ملا کر مجھ پر سخاوت کر کے مجھے خوش نصیب بنا دیا!! الغرض ان دونوں معنوں میں سے کوئی بھی معنی لیا جائے شعر ثانی شعر اول سے ماخوذ ہے۔ (مختصر المعانی: ۲/ ۳۱۱)۔

[۱] مختصر المعانی: ۲/ ۳۱۲۔

[۲] اس کی دوسری مثال یہ ہے جیسے: ابو تمام نے عتبی کا وہ مضمون لیا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا تھا پہلا شعر عتبی کا ہے اور دوسرا شعر ابو تمام کا ہے:

هو الصُّنْعُ إِنْ يَعْجَلْ فنَفْعٌ وإِنْ يَرِثْ　　فالرَّيثُ في بعضِ المواطنِ أنْفَعُ

ترجمہ: وہ احسان ہے اگر جلدی پہنچ جائے تو بہتر ہے اور تاخیر سے پہنچنا بھی بعض اوقات زیادہ مفید ہوتا ہے۔

اسی معنی کو متنبی نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

وَمِنَ الْخَيرِ بُطْءُ سَيْبِكَ عنِّي　　أَسْرَعُ السُّحْبِ فِي المَسِيرِ الْجَهَامُ

ترجمہ: خیر میں سے ایک تیری عطاء کا مجھ پر دیر سے ہونا ہے کیونکہ بادلوں میں سب سے تیز وہ بادل ہوتے ہیں جو پانی سے خالی ہوں۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ تیری عطایا اور انعامات اگر مجھ تک دیر سے پہنچتے ہیں تو اس میں کوئی بات نہیں ہے اس لیے کہ تیری عطایا اور انعامات بادلوں کی طرح ہیں بادلوں میں سے جو بادل پانی سے لبریز ہوتے ہیں وہ دیر سے پہنچتے ہیں اور جو بادل پانی سے خالی ہوتے ہیں وہ جلدی سفر کرتے ہیں تو تیرے انعامات بھی چونکہ بادلوں کی طرح بھاری ہیں اس لیے اگر یہ دیر سے پہنچ جاتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔

اس میں متنبی نے ابو تمام کے معنی کا سرقہ کیا ہے لیکن متنبی کا شعر چونکہ تشبیہ پر مشتمل ہے کہ انہوں نے ممدوح کی عطایا کی تشبیہ بادلوں کیساتھ دی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ اور استعارہ تصریح سے ابلغ ہوتے ہیں اس لیے متنبی کا شعر بلیغ ہے۔

۲۔۔۔کلامِ ثانی کلامِ اول سے انقص ہو، جیسے بحتری کا شعر ہے۔

وإذا تألَّقَ في النَّدِيِّ كلامُهُ المصقولُ　　خِلتَ لسانَهُ مِنْ عَضْبِه

ترجمہ: جب مجلس میں اس کا صاف و شفاف کلام چمکے تو گمان کرے گا کہ وہ کاٹنے والی تلوار میں سے ہے۔

اسی معنی کو متنبی نے یوں بیان کیا ہے۔

كأنّ ألسُنَهُمْ في النّطقِ قد جُعِلَتْ　　على رِماحِهِمِ في الطّعنِ خِرْصانَا

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي المَوَاطِنِ كُلِّهَا　　إلاَّ عَلَيْكَ فَإنَّهُ لا يُحْمَد

وَقَدْ كَانَ يُدْعىٰ لابِسَ الصَّبْرِ حَازِماً　　فَأَصْبَحَ يُدْعىٰ حَازِماً حِيْنَ يَجْزَعُ

ترجمہ: پریشانی کے مواقع پر صبر کرنا قابل ستائش ہے؛ سوائے تیری موت کے کہ: اس پر صبر کرنا قابل ستائش نہیں! کسی زمانے میں صبر کا جامہ پہننے والا مستقل مزاج کہا جاتا تھا؛ مگر آج مستقل مزاج اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ بے صبری کرے۔

یہ دونوں اشعار برابر ہیں ہاں! بعض حضرات نے کہا ہے کہ ابو تمام کا شعر ابلغ ہے کیونکہ اس کے قول "لابِسَ الصَّبْرِ" میں استعارہ ہے اور استعارہ حقیقت کے بالمقابل ابلغ ہوتا ہے۔

ترجمہ: گویا کہ بولنے کے وقت ان کی زبانیں نیزہ بازی کرتے وقت نیزوں کا پھالہ بنائی گئی ہے۔
اس میں متنبی نے بحتری کے شعر کے معنی سرقہ کیاہے اوران دونوں شعروں میں بحتری کا شعر زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ یہ شعر استعارہ تخیلیہ اوراستعارہ مکنیہ پر مشتمل ہے اس لیے کہ اس میں "تالق" اور "مصقول" کا لفظ مذکور ہے اور یہ دونوں مشبہ بہ کے لوازمات میں سے ہیں جن کو مشبہ "السنة" کے لیے ثابت
ہے، جیسے "اذالمنية" میں "منية" کے لیے "اظفار" ثابت کیا تھاتو یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور تخییلیہ چونکہ مکنیہ کے لیے مستلزم ہے،لہذا اس میں زبان کی تلوار کیساتھ تشبیہ بھی پائی جائے گی جو استعارہ بالکنایہ ہے۔
٣۔۔۔کلامِ ثانی کلامِ اول کے مساوی ہو، اس میں کلامِ اول افضل اور کلامِ ثانی غیر مذموم ہوتا ہے، جیسے ابو زیاد اعرابی کا یہ شعر ہے۔

وَلَمْ يكُ أكْثَرَ الفتْيانِ مالاً   وَلكنْ كانَ أرْحَبَهُمْ ذِراعا

ترجمہ: ممدوح جوانوں میں سب سے مالدار تو نہیں، لیکن سخاوت میں سے زیادہ سخی ہے۔
اسی معنی کو اشجع سلمی شاعر نے یوں بیان کیاہے۔

وَلَيْس بِأَوْسَعِهم في الغنى   وَلكنَّ معروفَهُ أَوْسَع

ترجمہ: ممدوح مالدار تو نہیں البتہ اس کی نیکیاں اور بھلائیاں بہت زیادہ ہیں۔
یہ دونوں شعر فصاحت وبلاغت میں مماثل ہیں کیونکہ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ ممدوح اپنے ہمعصروں پر مالیت کے اعتبار سے فائق نہیں بلکہ جود وکرم کے لحاظ سے فائق ہے [1]۔

---

[1] مختصر المعانی: ٢/ ٣١٥۔

سرقہ غیر ظاہرہ کی اقسام وانواع

سرقہ غیر ظاہرہ کی مشہور و معروف پانچ قسمیں ہیں:۔

۱۔تشابہ ۲۔نقل ۳۔تعمیم ۴۔قلب ۵۔التقاط و اضافت

۱۔۔۔تشابہ کی تعریف:

تشابہ وہ سرقہ غیر ظاہرہ ہے کہ جس میں ماخوذ اور ماخوذ منہ دونوں مشابہ ہوں، یعنی اول اور ثانی دونوں شعروں کا معنی آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں، [۱] جیسے جریر کا یہ شعر ہے۔

وَلا تمنعكَ منْ أربٍ لحاهُمْ   سواءٌ ذُو العمامةِ والخِمارِ

ترجمہ: تجھے اپنی حاجت پوری کرنے سے ان کی داڑھیاں ہر گز نہ روکیں، کیونکہ ان میں عمامہ اور دوپٹہ والے دونوں برابر ہیں۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مرد بھی عورتوں کی طرح نرم و نازک بدن ہیں، ان میں لڑنے بھڑنے کا دم نہیں ہے اس لیے تجھے تیرے مقصد کے پورا کرنے سے ان کا مرد ہونا نہیں روسکتا ہے!!

اس مفہوم کو متنبی نے یوں بیان کیا ہے۔

وَمَنْ فِي كَفِّهِ مِنْهُمْ قَنَاةٌ   كَمَنْ فِي كَفِّهِ مِنْهُمْ خِضَابُ

ترجمہ: ان میں جن کے ہاتھ میں نیزہ ہے ان کی طرح ہیں جن کے ہاتھ میں مہندی ہے!

متنبی کا یہ شعر درحقیقت جریر کے مذکورہ شعر سے ماخوذ ہے اور ان دونوں شعروں کا معنی ایک دوسرے کے مماثل ومشابہ ہے۔یہاں پر یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ انتقال میں دونوں شعروں کا تشبیہ، مدح، ہجو اور افتخار وغیرہ میں متحد ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں میں ان دونوں شعروں کا آپس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے، بلکہ عام طور پر جب بھی کوئی ہوشیار شاعر دوسرے شاعر کے شعر کا معنی چراتا ہے تو وہ قصداً کمالِ ہوشیاری کیساتھ اپنا سرقہ

---

[۱] ومنه على ما ذكروا قول الطِرمّاح بن حكيم الطائي:

لَقَدْ زَادَنِي حُبّاً لِنَفْسِيَ أَنَّنِي ... بَغِيضٌ إِلى كُلِّ أمْرِئٍ غَيْرِ طَائِلِ

غَيْرِ طَائل: أي: غَيْرِ ذي نفع وفائدة.

أخذ فكرته المتنبّي فقال، وأحسن:

وإِذا أَتَتْكَ مَذَمَّتي مِنْ نَاقِصٍ ... فَهِيَ الشَّهادَةُ لي بِأَنّي كَامِلُ

چھپانے کے لیے اس کے وزن، نوع اور قافیہ میں کوئی نہ کوئی تصرف کرلیتا ہے تا کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے یہ معنی کسی دوسرے شعر سے لیا ہے۔

۲۔۔۔ نقل کی تعریف:

نقل وہ سرقہ غیر ظاہرہ ہے کہ جس میں ایک نوع کے مضمون کو دوسرے نوع کی طرف منتقل کیا گیا ہو، جیسے بُحتُری کا یہ شعر ہے۔

سُلِبُوا فأَشْرَقَتِ الدِّمَاءُ عَلَيْهِمُ ... مُحْمَرَّةً فَكَأَنَّهُمْ لَمْ يُسْلَبُوا

ترجمہ: جب ان کے کپڑے اتارے گئے تو ان سے سرخ خون اس طرح ظاہر ہوا گویا کہ ان سے کپڑے ہی نہیں اتارے گئے ہیں!

اس شعر میں متنبی نے معمولی سی تبدیلی کر کے یوں کہا ہے۔

يَبِسَ النَّجِيعُ عَلَيْهِ وَهْوَ مُجَرَّدٌ   عَنْ غِمْدِهِ فَكأَنَّمَا هُو مُغْمَدُ

ترجمہ: اس پر خون خشک ہوا اس حال میں کہ وہ اپنے نیام سے نکلی ہوئی تھی تو یوں لگ رہی تھی گویا کہ وہ نیام میں ڈالی ہوئی ہے۔

اس شعر میں متنبی نے مقتولین اور مجروحین کے معنی سے تلوار کے معنی کی طرف سرقہ کرتے ہوئے انتقال کیا ہے۔

۳۔۔۔ تعمیم کی تعریف:

تعمیم وہ سرقہ غیر ظاہرہ ہے کہ جس میں دوسرا شعر پہلے شعر کی بہ نسبت اعم واشمل ہو، جیسے جریر کا یہ شعر ہے۔

إذا غَضِبَتْ عَلَيْكَ بَنُو تَمِيمٍ   وَجَدْتَ النَّاسَ كُلَّهُمُ غِضَاباً

ترجمہ: جب بنی تمیم تم سے ناراض ہو جائیں تو سارے لوگوں کو اپنے سے ناراض پائے گا۔

اسی معنی کو مشہور شاعر ابونواس نے یوں بیان کیا ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنكَرٍ   أَنْ يَجْمَعَ العَالَمَ فِي وَاحِدِ

ترجمہ: اللہ تعالی کے لیے یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ پورے عالم کو کسی ایک شخص میں جمع کر دے!

اس میں ابونواس نے جریر کے شعر کے معنی کو سرقہ کر کے مذکورہ شعر بنایا ہے اس طور پر کہ دوسرے شعر کا معنی پہلے شعر سے اشمل اوراعم ہے، کیونکہ دوسرے شعر میں لفظ "عالم" استعمال کیا گیا ہے اور پہلے شعر میں "ناس" کا

لفظ مستعمل ہے اور ظاہر ہے کہ "عالم"، "ناس" سے اشمل ہے، کیونکہ "ناس" صرف انسانوں کو شامل ہے اور "عالم" انسان، جنات اور فرشتوں سب کو شامل ہے[۱]۔

۴۔۔۔قلب کی تعریف:

قلب وہ سرقہ غیر ظاہرہ ہے کہ جس میں دوسرے شعر کا مضمون پہلے شعر کے مضمون کی نقیض یا ضد ہو، جیسے ابو الشیص کا یہ شعر ہے۔

أَجِدُ المَلاَمَةَ فِي هَوَاكَ لَذِيدَةً حُبّاً لِذِكْرِكَ فَليَلُمْنِي اللُّوَّمُ

ترجمہ: تیری محبت میں ملامت کرنے کو لذیذ پاتاہوں، تیری یاد کیساتھ میری محبت ہے تو چاہیے کہ زیادہ ملامت کرنے والا مجھے ملامت کرے!

اسی معنی کو متنبی نے یوں بیان کیاہے۔

أَأُحِبُّهُ وأُحِبُّ فِيهِ مَلاَمَةً؟! إِنَّ الْمَلاَمَةَ فِيهِ مِنْ أَعْدَائِهِ

ترجمہ: کیامیں اس کیساتھ محبت کروں اوراس کی محبت کے بارے میں ملامت کو بھی پسند کروں (یعنی ایسا نہیں ہو سکتاہے) کیونکہ اس کے بارے میں ملامت کرنااس کے دشمنوں کی طرف سے ہے۔

اس شعر میں متنبی نے ابوالشیص کے شعر کی نقیض پیش کی ہے، کیونکہ ابوالشیص نے یہ دعوی کیاہے کہ میں اپنی محبوبہ کے بارے میں

ملامت کو پسند کرتاہوں اور متنبی نے دعوی کیاہے کہ میں محبوبہ کی محبت کے بارے میں ملامت کو پسند نہیں کرتاہوں تو گویاکہ انہوں نے موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ پیش کی ہے اوراسی کو معنی اول کی نقیض پیش کرنا کہتے ہیں۔اسی سے قلب کے بارے میں علماء بلاغت کہتے ہیں کہ اس میں سبب کابیان کرنازیادہ بہتر ہے تاکہ خفاء نہ رہے، جیساکہ ان دونوں شعروں میں ہے[۲]۔

۵۔۔۔التقاط واضافت کی تعریف:

التقاط واضافت وہ سرقہ غیر ظاہرہ ہے جس میں کسی کے مضمون سے بعض معنی کاسرقہ کرکے اس کیساتھ ایسی چیز منضم کر دی جائے جس سے وہ اول کی نسبت لطیف تر ہو جائے، یعنی کسی کے شعر کاکچھ معنی لے کراس کیساتھ کچھ ایسی چیزوں

---

(۱) مختصر المعانی:۲/۳۱۷۔

(۲) مختصر المعانی:۲/۳۱۷۔

کا بھی اضافہ کر دیا جائے کہ ان چیزوں کے اضافہ کرنے کی وجہ سے مسروق عنہ شعر کے معنی میں اور بھی حسن ونکھار پیدا ہو جائے[1]، جیسے افوہ اودی نامی شاعر اپنی قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَتَرَى الطَّيْرَ عَلَى آثَارِنَا   رَأْيَ عَيْنٍ ثِقَةً أَنْ سَتُمَارُ

ترجمہ: تو آنکھوں کیساتھ ہمارے نقشِ قدم پر پرندوں کو دیکھے گا اس اعتماد پر کہ انہیں مقتولین کے گوشت سے روزی ملے گی۔

اس شعر کے معنی کو لیتے ہوئے ابو تمام نے اس پر یوں اضافہ کیا ہے۔

لَقَدْ ظُلِّلَتْ عِقْبَانُ أَعْلاَمِهِ ضُحىً   بِعِقْبَانِ طَيْرٍ فِي الدِّمَاء نَواهِلِ

أقامَتْ مَعَ الرَّاياتِ حتى كأنَّهَا   مِنَ الجَيْش إلاَّ أنَّها لَمْ تُقَاتِلِ

ترجمہ: اور چاشت کے وقت اس کے عقاب کی طرح جھنڈوں پر سایہ دیا گیا ہے ایسے عقاب پرندوں کا جو مقتولین کے خونوں سے سیر اب تھے وہ جھنڈوں کیساتھ ہی رہے، یہاں تک کہ گویا کہ وہ پرندے لشکر میں سے تھے البتہ وہ لڑتے نہیں تھے۔

اس شعر میں افوہ اودی شاعر نے چند چیزیں ذکر کی ہیں:۔

ا۔۔ اس نے "رَأْيَ عَيْنٍ" کا لفظ ذکر کیا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ عقاب اتنے قریب ہیں کہ آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ان کا تخیل کیا جاتا ہے اس سے ان کی بہادری اور شجاعت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ وہ اتنے بہادر ہیں کہ ان کی بہادری کا چرچا پرندوں کے ہاں بھی ہے کہ وہ بھی ان کی لڑائی میں شرکت دیکھ کر پیچھے پیچھے سے چلے آتے ہیں کہ ہمیں کھانے کے لیے دشمنوں کے گوشت میں کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔

۲۔۔ افوہ اودی نے "ثِقَةً أَنْ سَتُمَارُ" کا لفظ استعمال کیا ہے کہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ ان کو روزی ملے گی، یہ بھی ان کی بہادری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ابو تمام نے افوہ اودی کا معنی لینے کے باوجود ان دونوں باتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، البتہ ابو تمام نے اس معنی میں تین چیزوں کا اضافہ کر کے اس معنی کے حسن کو مزید چار چاند لگا دئے ہیں، پہلی چیز "إلاَّ أنَّها لَمْ تُقَاتِلِ"، دوسری چیز "فِي الدِّمَاء نَواهِلِ"، تیسری چیز "حتى كأنَّهَا مِنَ الجَيْش"۔ اس آخری قید یعنی "حتى كأنَّهَا مِنَ الجَيْش" کیساتھ اول کا حسن اور بڑھ گیا ہے[2]۔

---

[1] مختصر المعانی: ۲/ ۳۱۸۔

[2] مختصر المعانی: ۲/ ۳۱۸۔

سرقہ غیر ظاہرہ کی اکثر قسمیں مقبول ہیں، بلکہ ان میں کچھ تو وہ ہیں، جن میں شاعر ثانی اتباع کے بجائے ابتداع وتصرف کرکے سابقہ معنی کے حسن کو چار چاند لگا دیتا ہے، پھر ان میں وہ قسم مقبولیت کے زیادہ قریب ہوگی جس میں خفاء زیادہ ہو، کیونکہ خفاء کے زیادہ ہونے سے سننے والوں کو غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ غور وحوض کیے بغیر یہ معلوم نہ ہوسکے گا کہ اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور جو چیز غور وتدبر کرنے سے حاصل ہو وہ زیادہ بلیغ ہوتی ہے اس چیز سے جس میں زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے[1]۔

فائدہ: سرقہ ظاہرہ اور غیر ظاہرہ کی جتنی قسمیں بیان ہوگئیں ہیں، جن میں کسی الفاظ ومعنی دونوں کا سرقہ کیا جائے یا صرف معنی کا سرقہ کیا جائے یہ تمام کے تمام اس صورت میں سرقہ ہوں گے جب سرقہ کرتے ہوئے شاعر خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کے کلام سے لیا ہے یا سامع کو معلوم ہو کہ سابقہ شعر کا معنی اس سرقہ کرنے والے شاعر کے ذہن میں پہلے سے موجود تھا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس صورت میں اسے سرقہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ دو مختلف معنی دو مختلف اوقات میں دو مختلف آدمیوں کے ذہن میں اتفاقاً جمع ہو جائیں، اس کو موارد ہ کہتے ہیں، اس کی مثال ابن دمیادہ کا یہ شعر ہے۔

مُفِيدٌ ومِتْلاَفٌ إِذا مَا أَتَيْتَهُ تَهَلَّلَ واهْتَزَّ اهْتِزَازَ المُهَنَّدِ

ترجمہ: وہ ممدوح فائدہ دیتا ہے اور اپنا مال بہت زیادہ خرچ کرتا ہے جب تم ان کے پاس آؤ تو وہ خوش ہوکر ہندوستانی تلوار کی طرح ہلنے لگتا ہے۔

جب انہوں نے یہ شعر کہا تو کسی نے انہیں کہا کہ "أَيْنَ يُذْهَبُ بِكَ؟ هَذا لِلْحُطَيْئَة." "یہ شاعرانہ خیال تجھے کہاں لے کر جا رہا ہے؟ یہ تو حطیئہ کا شعر ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے اب یقین ہوگیا کہ میں بھی شاعر ہوں، کیونکہ میرا شعر حطیئہ کے شعر کے مطابق ہوگیا ہے حالانکہ میں نے آج تک اس کا شعر سنا نہیں ہے[2]۔

فائدہ: جب یہ معلوم نہ ہوسکے کہ دوسرا شعر پہلے سے ماخوذ ومسروق ہے تو اس صورت میں یوں کہا جائے" قال فلانٌ كذا، وقد سبقه إلى هذا المعنى أو إلى نحوه فلان، فقال كذا." "فلاں نے یہ شعر کہا ہے اور اس سے پہلے فلاں آدمی نے اس طرح کا شعر کہا تھا۔ تاکہ یہ جھوٹ کے زمرے میں داخل نہ ہو اور نہ ہی غیب دانی کا دعوی ہو[3]۔

---

(۱) مختصر المعانی: ۲/ ۳۱۸۔

(۲) مختصر المعانی: ۲/ ۳۲۲، البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۵۴۸۔

(۳) مختصر المعانی: ۲/ ۳۲۲، البلاغۃ العربیۃ: ۲/ ۵۴۸۔

فہرست

بابِ ہفتم: ما تتعلق بحسن الکلام ۶۲۴

بابِ ہشتم: ما تتعلق بہ تحسین المضمون ۶۴۲